اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ (القرآن)

تذکرہ اکابرِ گنگوہ

جلد اول

سرزمین گنگوہ کی باکمال دینی، علمی وروحانی شخصیات
اوران کی زریں خدمات کا حسین مرقع

تالیف

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی گنگوہی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر

مکتبہ شریفیہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

فون:01331,232357=32206

تصریحات

نام کتاب: تذکرہ اکابر گنگوہ (جلد اول)

مؤلف: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

صحبت یافتہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی مجددیؒ۔
اجازت یافتہ شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم۔
وپیر طریقت واقف اسرار حقیقت حضرت شیخ آصف حسین صاحب فاروقی نقشبندی مدظلہم العالی برطانیہ۔
وجامع الاوصاف حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ۔

کتابت: محمد دلشاد رشیدی، کھیڑہ افغان

تصحیح: مولانا شمشاد احمد صاحب مظاہری مدرس جامعہ ہذا
مولانا عبد الصمد صاحب رشیدی مدرس جامعہ ہذا

تعداد: گیارہ سو/۱۱۰۰

صفحات: ۵۹۲/

جلد: اول

قیمت: ۱۵۰/روپے

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۴ھ

دوسرا ایڈیشن: (مع اضافہ وتصحیح جدید) ۱۴۳۵ھ

تیسرا ایڈیشن: ۱۴۳۵ھ

ناشر

مکتبہ شریفیہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

باسمه تعالیٰ

انتساب

ہر مصنف و مؤلف اپنی کتاب کو کسی نہ کسی کی طرف منسوب کیا کرتا ہے۔

ناکارۂ خلائق مؤلف اپنی اس تالیف کو اولاً اپنی عزیز مادرِ علمی جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی طرف اور ثانیاً اس کے بانی اور مدیر والدِ ماجد حضرت اقدس مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اور والدہ ماجدہ مدظلہا کی طرف منسوب کرتا ہے۔

جن کی قلبی دعاؤں، تمناؤں، چاہتوں، آرزوں اور تربیت وفیضان کی برکت سے اس قسم کی تالیفات اور دیگر دینی خدمات کی توفیق ہوئی اور ہورہی ہے فللّٰہ الحمد والشکر علی ذلک۔

نیز ان مشائخِ طریقت وعارفین اسرارِ حقیقت بزرگوں کی طرف جن کی توجہات اور محبتوں کے نتیجہ میں اس حقیر راقم السطور کو خاصانِ خدا، عارفانِ حق اور عشاقِ الٰہی بزرگوں سے قلبی تعلق اور لگاؤ اور ان کے طریق پر چلنے چلانے کا شوق وجذبہ حاصل ہوا۔

خداوندتعالیٰ اپنے نیک بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے جملہ محسنین کو اپنی شایان شان جزاءِ خیر نصیب فرمائے آمین یارب العالمین۔

والسلام

ابوحذیفہ خالد سیف اللہ گنگوہی

خادم الحدیث والافتاء وخادم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۴۳۳ھ

حرفِ ناگزیر

اور

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ والذین اتبعوھم باحسانٍ الی یوم الدین۔

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالی فی القرآن الکریم اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (پارہ۱۱سورۂ یونس)۔

ترجمہ: بیشک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ کو اپنایا اور برے اعمال سے اپنے آپکو بچایا کہ اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہی ولایت و بزرگی کی حقیقت ہے۔

ان بندگانِ خدا میں جنہوں نے تمام کی تمام عمر ریاضت ومجاہدہ، تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، تطہیرِ باطن، اکتسابِ فضائل وکمالاتِ روحانیہ، عباداتِ الٰہیہ، اوامر الٰہیہ کی تعمیل میں صرف کردی اور ارشاداتِ ربانیہ تعلیماتِ حقانیہ پر عمل پیرا رہے اور مکمل جان ودل سے اللہ کی مرضیات پر عمل کرنے اور کرانے میں کوشاں رہے اور نواہی وممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب کرنے اور کرانے میں ساعی رہے، یہاں تک کہ اپنی مرضی کو مرضی مولیٰ میں فنا کردیا اور اپنا وجود اپنی ہستی سب کچھ ان کی یاد میں قربان کردیا۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے　　　تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

ان کا حال رہا، اس کے باوجود اپنی کمالِ عاجزی ومسکنت سے ”ماعبدناک حق عبادتک، اور لااحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک“ یعنی نہ ہم سے اے اللہ آپ کی عبادت کا حق ادا ہوسکا اور نہ آپ کی حمد وتعریف کا حق ادا کرسکے کی صدا لگاتے رہے۔

شان تیری کون سمجھے گا بھلا تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا

اُن کا قول رہا اور زبان ودل سے بار بار کہتے تھے

ہمارے پاس کیا ہے جو فدا کریں ہم تجھ پر مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اللہ اوران کے رسول کی محبت اور احکامات پر یہ فدائیت کا جذبہ صادقہ ہی انکا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا، جس کی بدولت ان کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوئی اور وہ آج تک زندہ ہیں، زبانِ خلق پر انکا نام بڑی عظمت وعقیدت اور نہایت احترام سے لیا جاتا ہے اور ہر شخص ان کے لئے اپنی عقیدتوں کا گلدستہ پیش کرتا ہے اور دل سے ان کے لئے رحمت کی دعا کرتا ہے، ان حضرات کی زندگی وسوانح کے اذکار وتذکار کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھا جاتا ہے، انکے کلمات کو مردہ دلوں کیلئے ایک حیات بخش پیغام سمجھا جاتا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے واقعی وہ اللہ کے محبوب اور پیارے بندے تھے، جس کے بعد مخلوق کے قلوب کا ان کے لئے مسخر ہوجانا اس کا ایک خوش گوار ثمرہ ونتیجہ ہے اور ان کا کردار دوسروں کے واسطے بھی ہدایت کا نشانِ راہ اور ظفریابی کا ایک روشن مینارہ ہے اور سمجھ دار انسانوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ حیات ہے۔

سرزمینِ گنگوہ کی وہ دینی روحانی، علمی وعرفانی شخصیات جن سے اپنے اپنے زمانہ میں بہت بڑا فیض پہونچا اور ان کا سلسلہ دنیا بھر میں پھیلا، جس کی وجہ سے اس سرزمین کو بھی اللہ پاک نے ایک خاص مقبولیت، محبوبیت، جاذبیت اور کشش عطاء فرمائی ہے، ان میں

سے بعض کے حالات پر اس ناچیز طالبِ علم نے ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں مختصر رسالہ لکھا تھا بندہ کی یہ تالیف چونکہ گنگوہ کے بعض بزرگوں مشائخ واسلاف کے حالات پر مشتمل تھی، اس وقت بندہ کی تدریس کا آغاز تھا نہ اتنی معلومات تھی نہ فرصت کہ گنگوہ کی اور بہت ساری شخصیات پر لکھا جا سکے، اسلئے جیسی اس وقت اللہ نے توفیق دی ایک مخلصانہ جذبہ کے تحت ان بزرگوں کی محبت میں غرق ہوکر چند صفحات تحریر کئے گئے تھے، اللہ پاک نے اس کو بڑی قبولیت بخشی تھی اور مخلص احباب نے اس کو بہت پسند کیا تھا اور بہت جلد اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا، تقاضا اور اصرار بڑھتا رہا کہ اس کو دوبارہ شائع کیا جائے مگر مختلف اسباب جن میں تدریسی اور انتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کیلئے جس یکسوئی اور سکونِ قلبی کی ضرورت ہے میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام آسان نہیں ہوا، یہاں تک کہ میرے مشفق اور محسن ومربی میرے استاذ حضرت والد صاحب قدس سرہ تقاضا کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔

پھر اب جب کہ ان کے انتقال ووفات کو بھی ایک اچھا خاصہ عرصہ سے زیادہ گزر چکا ہے اللہ پاک نے اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا جذبہ عطا فرمایا، منجملہ دیگر اسباب تاخیر کے ایک بڑی وجہ یہ بھی پیش نظر رہی کہ اس رسالہ میں اس سرزمین کی مزید شخصیات کا اضافہ کیا جائے تاکہ یکجا طور پر جو شخص یہاں کے بزرگوں کو جاننا اور پڑھنا چاہے اس کے ہاتھ میں ایک جامع ذخیرہ موجود ہو، جو ان اوراق میں منتشر طور پر پھیلا پڑا ہوا ہے، جو ان بزرگوں کے حالات میں لکھے گئے ہیں، جیسے لطائفِ قدوسیہ وتذکرۃ الرشید وغیرہ، چنانچہ اس چیز کو سامنے رکھ کر محنت شروع کی گئی، ایسا لگتا ہے کہ ان اضافات کا یہی وقت منجانب اللہ مقدر تھا۔

چنانچہ ۱۴۳۱ھ کے ششماہی امتحان کی تعطیلات میں اس پر توجہ کی گئی اور جو دلی تمنا اور خواہش تھی حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے اپنے فضل وکرم سے اور میرے کرم فرما مشائخ طریقت کی توجہاتِ روحانیہ سے اس کام کو آسان فرمادیا اور اب ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہوگیا جس پر اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ والشکر کماینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک اللھم لک الحمد حمدا ملأ السموٰت والارض وما بینھن ومِلأ ما شئت من شئی بعد اللھم لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

پھر یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اس سرزمین پر مختلف النوع کمالات رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ مؤلف کی وسعت سے خارج ہے، اس لئے ناچیز مؤلف اپنی علمی کم مائگی اور ناقص معلومات کا اعتراف کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہے جن لوگوں کے تذکرے اس میں نہ آسکے ان پر مجھ کو ملامت نہ کی جائے، بلکہ جن حضرات کے تذکرے آگئے ہیں ان کی جمع وترتیب میں جو محنت اور کوشش کی گئی ہے اس کیلئے یہ دعا کی جائے کہ اللہ پاک اس کو قبول فرمائے اور نافع بنائے اور بعد والوں کو اپنے سلفِ صالحین کے صحیح نہج پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، جن جن دوستوں نے اس کتاب کی ترتیب وغیرہ میں کوشش کی ہے اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، بالخصوص عزیزم مولانا مفتی عبدالصمد رشیدی، مولانا مفتی شمشاد احمد صاحبان مدرسین جامعہ ہذا وغیرہ، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر طرح کی ترقیات سے نوازے آمین۔

گنگوہ کی تاریخی حیثیت

نیز اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی احساس ہے کہ سرزمینِ گنگوہ کی صحیح تاریخی معلومات جس سے تاریخی حیثیت کا پتہ چل سکے حاصل نہ ہوسکی، اس وجہ سے گنگوہ

کی تاریخ پر تاریخی حیثیت کو اجاگر کرنے والا جو مقدمہ درکار تھا وہ لکھا نہیں جا سکا، البتہ بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں یہاں کسی ہندو راجہ کی حکمرانی تھی جس کا نام راجہ گنگ تھا، غالباً اسی کے نام سے اس بستی کا نام زمانۂ قدیم سے گنگوہ مشہور چلا آرہا ہے، چونکہ یہ راجہ ایک سخت ہندو متعصب ذہن کا مالک تھا، اس لئے اس سے مزاحمت اور جہاد کے لئے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کیلئے یہاں کچھ مجاہدین بھی تشریف لائے، انہوں نے اس سے مقابلہ کیا، چنانچہ قصبہ کے مختلف علاقوں میں بہت سے مزارات اس انداز کے ملتے ہیں کہ لوگ ان کو شہدا کے نام سے یاد کرتے ہیں جو پہلے قصبہ سے باہر تھے اور قصبہ گنگوہ کے وسیع وعریض ہونے کی وجہ سے کچھ اندر ہیں کچھ باہر ہیں، بعض قرائن سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قافلہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ میں آیا تھا، گنگوہ کا وہ علاقہ جو قصبہ کی عام سطح سے ستر اسی فٹ بلند ہے ایک زمانہ میں اسی بادشاہ اور اس کے متعلقین کا علاقہ ہوتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں راجہ گنگ کے قلعے اور محلات بھی تھے اور یہ آثار ونشانات کچھ باقی ہیں اور کچھ تقریباً ختم ہوتے جارہے ہیں۔

بہرحال گنگوہ کی تاریخی حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ امر واقعہ ہے کہ اس کی اہمیت کی اصل وجہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی آمد اور سکونت وقیام کی وجہ سے ہے اور ان کے بعد پھر ان کی اولاد امجاد میں علماء صلحاء، فقہاء ومحدثین، صوفیاء وعارفین کا سلسلہ شروع ہوا، تبلیغ اسلام اور تبلیغِ دین کا ایک دینی ماحول تیار ہوا، لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور فیضیاب ہونے لگے، حضرت شیخ سے پہلے بھی یہاں بہت سے حضرات رہتے تھے اور ان میں بھی اچھے اچھے حضرات تھے، مگر چونکہ ان کی صحیح اور مستند تاریخ مؤلف کو دستیاب نہ ہوسکی، اس لئے مؤلف نے گنگوہ کی تاریخی حیثیت کو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ سے شروع کیا ہے اور ان کے تذکرہ سے پہلے ضروری سمجھا کہ کچھ گزارشات بطور مقدمہ اور تمہید عرض کردی جائیں اور پھر ان کے حالات لکھے جائیں، چنانچہ اسی ترتیب سے پڑھتے جایئے! جزاکم اللہ خیرا فی الدارین۔

حرف دعاء

جامع شریعت وطریقت منبع الفیوض والبرکات شیخنا ومرشدنا

حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ

دار المعارف وصی آباد الہ آباد یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي عى رسوله الكريم

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' کی قسط اول کے مسودہ کو جستہ جستہ دیکھا ماشاء اللہ صرف اپنے اکابر کے حالات ہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات وہدایات پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو جہاں سے بھی پڑھئے فرح وسرور اور بصیرت ومعرفت کی روشنی آپ کو محسوس ہوگی اور ممکن ہے کہ اپنے اکابر کی راہ پر ثابت قدم رہنے بلکہ اس کو طے کرنے کا داعیہ وجذبہ پیدا کردے اور منزل مقصود تک پہونچادے آمین۔

عزیزم مولانا خالد سیف اللہ صاحب سلمہ قابل تہنیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم اور مفید کار دین کے انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفاضہ کی توفیق ارزانی فرمائے آمین، والسلام۔

محمد قمر الزماں الہ آبادی

دار المعارف الاسلامیہ الہ آباد ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ دوام

حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی رشیدی زید مجدہ العالی

خانقاہِ رحیمی احاطہ دار العلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ ہر دور میں انسانی خصوصیات اور فیوض و برکات کو ظاہر کرنے کے لئے ایک درد مند دل جماعت موجود رہتی ہے، اس جماعت کے پاکیزہ نفوس کی یہ سعی ہوتی ہے کہ طبقاتِ ارض پر پاکیزہ اور نیک انسانوں کے خصائل کا بول بالا رہے اور دنیا امن شانتی کا گہوارہ بنی رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی رہا کہ زمین اور زمین پر بسنے والوں کو پاکیزہ ماحول اور پاکیزہ اعمال میسر ہوں، اسی لئے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی حاکمیت اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔

کیوں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر انسانوں کا اس دنیا میں پاکیزہ معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، اس لئے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اسی نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوایا، شیطان برائی، بے حیائی اور ہر شر وفساد کا داعی ہے، یہ انسان کو حق وصداقت سے دور کر دیتا ہے اور باطل کا خوگر بناتا ہے۔ شیطان انسان کو بے شرم، بے حیا اور بے غیرت بناتا ہے، وہ دنیا پرستی، زر پرستی اور ہوس پرستی میں مبتلا کر دیتا ہے، انہیں خصائل رذیلہ کو مٹانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی، ان کے بعد اس مشن کو باقی رکھنے اور انسانوں کو خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بارگاہ سے جوڑنے

کے لئے علمائے کرام، صالحین عظام اور مشائخ کی جماعت سرگرم عمل ہے۔ سید نسیم امروہوی نے خوب کہا۔

جو سویا تھا احساس، اس کو جگایا — جو فتنہ تھا بیدار، اس کو سلایا
کچھ ایسا اخوت کا چشمہ بہایا — کہ دم میں تعصب کا شعلہ بجھایا
محبت سکھادی، عداوت بھلادی — لگا دی یہ آگ اور وہ آتش بجھادی

بڑے باپ کے بڑے بیٹے، شریف باپ کے شریف بیٹے، ولی باپ کے ولی بیٹے، دردمند دل انسان کے دردمند دل رکھنے والے بیٹے یعنی حضرت الاستاذ وعلامہ مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کے خلف الرشید اور جانشین مسند شریف حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب حفظہ اللہ بھی اسی پاکیزہ جماعت کے سرخیل ہیں جس کو قرآن کریم "اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" مخاطب کرتا ہے۔اس جماعت کے تمام اراکین کی صلاحیت، دعوت وتبلیغ کے لئے صرف ہوتی ہے، وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کڑھتے ہیں، ان کا ضمیر ہروقت انسانوں کی بھلائی کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے، وہ ہرانسان کو ہر مومن اور ہر مسلمان کو بارگاہِ رب العزت سے جوڑ دیتے ہیں۔

علمائے کرام ہی امت کی کشتی چلانے والے ہیں، وہی عابد ہیں، وہی زاہد ہیں، ریاضت ومجاہدات کے خوگر ہیں، وہی خطیب ہیں، وہی واعظ ہیں، وہی امیر لشکر ہیں، وہی تاریخ ساز اور درویش ہیں، وہی سیاسی رہنما اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔

سرزمین گنگوہ شریف کا ایسی خاص بستیوں میں شمار ہوتا ہے جیسے مکہ شریف، مدینہ شریف، کلیر شریف، اجمیر شریف اسی طرح ''گنگوہ شریف'' ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے قیام نے طیبہ کو مدینہ شریف بنا دیا، اسی طرح اولیائے کرام کی

نسبتوں سے یہ بستیاں بھی متبرک بن جاتی ہیں، گنگوہ کی سرزمین پر حضرت شاہ عبدالحق ردولویؒ کے خلیفہ ومجاز حضرت شیخ عبدالقدوس قطب عالمؒ نے قدم رنجہ فرما کر سرزمین گنگوہ کو مرجع خلائق بنادیا۔

آپؒ کے زہد وتقوی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہِ وقت نے آپ کو سو گاؤں کی جاگیر کا ملکیت نامہ بھجوایا، آپ اور آپ کے صاحبزادگان اس کو دیکھنے اور پڑھنے لگے کہ مغرب کی اذان ہوگئی، مسجد پہونچے تو تکبیر اولی ہوچکی تھی، نماز سے فراغت کے بعد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے صاحبزادگان سے فرمایا: ''ہمیں بادشاہ کے فرمان اور جاگیر کی ضرورت نہیں ہے، اس کو واپس کردو، کیوں کہ ابھی تو ہم نے گاؤں کے خراج اور آمدنی کو استعمال بھی نہیں کیا، صرف اس کا فرمان ملاحظہ کیا ہے کہ ہماری تکبیر اولی فوت ہوگئی، جب اس کو استعمال کریں گے تو دین کی کون کون سی خوبیاں اور بھلائیاں ہم سے رخصت ہوں گی معلوم نہیں'' ایسے بندگانِ خدا کی نظر میں بادشاہت، دولت وثروت کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔

ایک حاکم شیخ عبدالقدوس قطب عالمؒ کے پاس کئی دن خانقاہ میں مقیم رہا، اس نے دیکھا کہ فقر وفاقہ سے زندگی گذر رہی ہے، بڑی عسرت اور تنگی ہے، اس لئے اس نے شیخ کو ایک اینٹ سونے کی پیش کی، آپ سمجھ گئے، قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء کی طرف گئے اور اس حاکم سے فرمایا: ذرا ہمیں استنجاء کے لئے ایک ڈھیلا لاکر دو! حاکم نے ڈھیلا پیش کیا شیخ نے استنجاء سکھا کر ڈھیلا اس کی طرف پھینکا تو اس نے دیکھا کہ ڈھیلا سونے کا بن گیا ہے، شیخ نے فرمایا: ہماری درویشی کو حقیر مت جان، ہم اسرارِ الٰہی کے تربیت یافتہ ہیں، ریاضت، مجاہدہ، تزکیہ نفس اور یہ عسرت وتنگی ہماری اپنی اختیاری چیز ہے، ہم نے مجبور ہو کر خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔

تو علمائے کرام کا مدارس میں رہنا، مدارس کو چلانا، چندے اور عطیہ جات وصول کرنا اور سیدھی سادی زندگی بسر کرنا بھی اختیاری ہے، ورنہ وہ اگر چاہیں تو وہ بھی بہترین تاجر، بہترین حاکم، بہترین قائد بن کر دنیا کو دِکھلا سکتے ہیں۔ دراصل علماء کرام اپنے علم وعمل کی روشنی میں امت محمدیہ کی خدمت کرتے ہیں، وہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کردیتے ہیں، اور اپنی عزت کو دین اسلام کے لئے قربان کردیتے ہیں، ان کی فاقہ مستی اور ان کی درویشی سب رضائے الٰہی کے لئے ہوا کرتی ہے، وہ صنعت کاری کے بجائے شخصیت سازی میں لگے رہتے ہیں، وہ سلطنت، حکومت بنانے کے بجائے انسانوں کی سیرت کو بنانے میں منہمک رہتے ہیں، وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو خدا کی بندگی کے لائق بناتے ہیں، وہ زرو جواہرات سے بے اعتنائی، بے رغبتی برت کر خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں پر نظر رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لئے ''جنت النعیم'' میں رکھی ہیں، وہ مصائب وآلام کو محض اس لئے گلے لگاتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔

جس کو ہم اسیر بلا نہیں کرتے　　　اس کو ہم اولیاء نہیں کرتے

انبیاء علیہم السلام کو مصائب وآلام سے گذارا گیا، اولیاء کرام اور علمائے عظام کو بھی اسی بھٹی میں تپایا جاتا ہے، کیوں کہ وہ امت کے لئے کھرے سونے کی مانند ہوتے ہیں، سونے کو بھٹی میں تپا کر باہر نکالا جاتا ہے تو اس میں مزید نکھار پیدا ہوجاتا ہے۔

آج کے سائنسی اور مشینی دور میں کس کو فرصت ہے کہ وہ ان خاصانِ خدا اور باکمال اولیاء کی بات کرے، یا ان کی زندگی کے کمالاتِ روحانی اور اکتساب فیض پر قلم اٹھا کر انسانوں کے سمندر کو یہ بتائے کہ دیکھو تمہاری زندگی تو اصل ادھر ہے، تمہارا مقصد حیات تو اصل یہ ہے، تم سراب کی طرف جارہے ہو، اصل بندگی تو خدا تعالیٰ سے محبت ہے، اصل بندگی تو خوفِ الٰہی

ہے، راہِ ہدایت کی طرف بندگانِ خدا کو لانا ہے۔

اولیاء اللہ کے انہیں اوراقِ محبت کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم پیش کرنا چاہتے ہیں، ان اوراق میں مشائخ گمشدہ بھی ہیں اور ان کی بامقصد زندگی بھی، محبت الٰہی اور رضائے الٰہی بھی، ان اوراقِ بے کراں کا نام نامی حضرت مولانا موصوف نے ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' رکھا ہے، یعنی گنگوہ کی سرزمین پر پیدا ہونے والے علماء و مشائخ کی زندگیاں ان کے اعمال، احوال اور ان کی ریاضت، ان کے تصوف، معرفت اور حقیقت کے ان فکر انگیز واقعات کو پیش کیا ہے، جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔

اس مبارک سرزمین کے علمائے کرام، اکابرین، مشائخ عظام اور دانشورانِ اہل فن حضرات کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہم بھی ان حضرات کے علم وفن کو باقی رکھنے کے لئے جدوجہد جاری رکھیں۔

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب عمت فیوضہم ایک باکمال، با اخلاق، علوم قرآن وحدیث اور تعلیمات تصوف وحقیقت سے متصف شخصیت ہیں، جہاں آپ جامعہ اشرف العلوم کے ناظم اعلیٰ ہیں، وہیں آپ ایک مربی استاذ بھی ہیں، اور شیخ وقت ہیں کہ جامعہ میں درسِ بخاری کے ذریعہ آپ کا فیض لامتناہی جاری ہے، آپ کثیر کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور ماہنامہ ''صدائے حق'' کے مدیر اعلیٰ وسرپرست بھی، آپ بہترین اور اعلیٰ خطیب بھی ہیں اور صاحب القلم بھی، اور صاحب نسبت عالمِ دین بھی کہ مسند رشد وہدایت پر فائز ہیں۔

آج کے مصروف ترین دور میں اس طرح کی خوبیوں سے مالا مال بہت کم شخصیات ہیں، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مصروفیات کے باوجود آپ کیسے وقت نکال کر قلم کی

جولانیاں بکھیرتے ہیں۔

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' جامع شخصیات کے کمالات کو یکجا کرنے کی ایک مبارک کوشش ہے، تاکہ ان حضرات کی سیرت اور کمالات کے ذریعہ آج کے نوجوانوں میں بھی وہ اکتساب فیض حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب عمت فیوضہم کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے کہ ماضی کے اوراق میں جو شخصیات گم ہوگئیں جن کے ناموں سے ہمارے بہت سے نوجوان واقف بھی نہیں، مفتی صاحب ان کو منظر عام پر لا رہے ہیں۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ عمت فیوضہم کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تادیر یہ آفتاب اپنی علمی روشنی بکھیرتا رہے، امت کے خواص وعام میں اس کتاب ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین والحمد لله رب العالمین!

خادم

محمد ادریس حبان رحیمی رشیدی چرتھاولی

خانقاہِ رحیمی دارالعلوم محمدیہ بنگلور

۲۳؍اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز پیر بعد نماز عشاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف حقیقت

مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری

مدیر ماہنامہ ''صدائے حق'' ومدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

جہاں بھی تعلیم وتذکیر، تدریس وتلقین اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ دین ودانش کے مقتدر شعبوں اور اصلاح وارشاد کی راہوں میں اپنے پاکیزہ کردار وعمل کے ذریعہ جہالت وضلالت کے دبیز پردے چاک کرنے والے، خوف الٰہی سے بیزار بندگان خدا کی کایا پلٹنے والے، شراب محبت ومعرفت کا جام پلانے والے خوش نصیب خطوں ومقامات کے تذکرۂ جمیل کی جب بھی کوئی مجلس آراستہ ہوتی ہے تو اس میں سرزمین گنگوہ کا نام عقیدت واحترام سے لیا جاتا ہے، اس قریۂ صالحین سے منسوب علماء ومشائخ کی بیش بہا دینی خدمات سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں، یہاں کے جیالوں اور فرزانوں نے کبھی حالات سے سمجھوتہ کیا اور نہ ہی کسی مصلحت کو گلے لگایا بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ اس شان سے ادا کر گئے کہ اب تا دیر یہاں کے دینی وعرفانی ماحول کو زاغ وزغن نہ لگنے اور نسیم حق وایقان کے خوش گوار جھونکے چلتے رہنے کی قوی تر امید ہے ان شاء اللہ۔

آسمانِ گنگوہ کے افق پر بہت سے روشن ستارے نمودار ہوئے جن کی کرنوں سے گنگوہ واطراف ہی کیا بلکہ دور دراز حتی کہ بیرون ممالک کے تاریک زدہ علاقے بھی بسا اوقات جگمگائے اور یہاں کے اکابر کی تقسیم کردہ روشنی میں انہیں کامیاب منزل کے نشان معلوم ہوئے، ان انفاس قدسیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ شاہ ابوسعید نعمانیؒ اور فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم کو سرفہرست شمار کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں دیگر اعلام امت وہ

ہیں جنہوں نے ان بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور ملت اسلامیہ کی مسیحائی کچھ اس انداز سے کی کہ ان کے نام اور کام کی خوشبوئیں آج بھی مشام جاں کو معطر کر رہی ہیں اور کار نبوت پر کھڑے ان کے اخلاف کو ہمت مرداں مدد خدا کا مژدۂ جانفزاں سنا رہی ہیں۔

گنگوہ سے علم وعرفان کے زمزمے جب سے بلند ہوئے تب سے آج تک کے زمانی رقبہ میں طویل فاصلہ ہو چکا ہے، چنانچہ عشق الٰہی کی جس سرد انگیٹھی کو حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے گرمایا تھا اس پر صدیاں بیت رہی ہیں، اس درمیان بہت سے اصحاب وفضل وکمال یہاں کی سرزمین سے اٹھے یا مستفید ہوئے جو بتوفیق الٰہی بساط بھر کوشش کر کے اپنے وطن کی کی دینی واحسانی شناخت کو بچانے اور پروان چڑھانے میں بلا خوف لومۃ لائم آگے بڑھتے دکھائی دیے اور مشن محمدی کو زندہ رکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھایا، اس سلسلہ میں ماضی قریب کی ہر دل عزیز دینی شخصیت حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ کا نام نامی بھی بطور خاص بایں معنی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے سرزمین قدوس ورشید پر ایک مقبول دینی مدرسہ قائم فرما کر بزرگان دین اور کبار علماء کی یادوں کو تازہ کر دیا، جہاں سے اب الحمد للہ علم وعرفان کے دونوں دھارے بہہ رہے ہیں، اگر ایک طرف قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی دل نواز صدائیں کانوں میں رس گھول رہی ہیں تو وہیں گنگوہ کے روحانی وعرفانی ماحول کو اپنے دم نفس سے گرمانے والے آپ ہی کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم سلف صالحین کے نقش قدم پر ہیں، اور تعلیم وتلقین، تدریس وتذکیر، تصنیف وتالیف سمیت مسند اصلاح وتربیت پر بھی متمکن ہیں، نوجوانی ہی میں اللہ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے آراستہ فرما دیا تھا اور بقول حضرت مولانا عبدالرشید بستوی استاذ حدیث دیوبند کہ ”مفتی خالد سیف اللہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں

باصلاح وباصلاحیت، صاحب علم، صاحب قلم، مدرس بھی، مقرر بھی، واعظ وخطیب بھی، مترجم ومحقق بھی مدرسہ کے منتظم بھی سنا ہے کہ اب خانقاہ کے پیر ومرشد بھی ہیں شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی زیدمجدہم کے دست گرفتہ ومجاز بھی'' (نقوش دوام، ص ۱۹۶)۔

تذکرہ اکابر گنگوہ بالفاظ دیگر سرزمین گنگوہ کے روشن چراغ آپ ہی کے رشحات قلم ہیں جو آپ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع فرمائے ہیں جس میں ممتاز اصحاب علم وکمالات کا دل آویز تذکرہ باحسن اسلوب مذکورہ کتاب میں آ گیا ہے، احقر کاتب الحروف کی دانست کے مطابق اکابر گنگوہ کے تذکرہ وحالات پر اب تک کا یہ سب سے ضخیم وقیع مجموعہ ہے جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے، مرتب محترم دامت برکاتہم نے مستند قلم کاروں اور انتہائی معتبر تذکرہ نویسوں کے مآثر علمیہ سے بھی کہیں کہیں استفادہ کیا ہے اور مراجعت کیلئے حوالوں کا التزام کیا ہے تاکہ بوقت ضرورت وہاں تک بھی رسائی ممکن ہو سکے یقیناً یہ آپ کی غایت احتیاط کی بدیہی دلیل ہے۔

کتاب مذکور کے مؤلف ومرتب ایک جلیل القدر عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ ہیں آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں لیکن ہم اپنی سعادتوں میں بایں طور اضافہ کر سکتے ہیں کہ آپ کی کتاب زندگی کے کچھ سنہرے اوراق بھی ملاحظہ کرتے چلیں!۔

مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب نے اپنے آبائی وطن قصبہ گنگوہ میں ۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۶۷ء چہارشنبہ متصل بعد نماز فجر استاذ القراء حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب قدس سرہ کے یہاں ایک دینی گھرانہ میں آنکھیں کھولی، تاریخی نام مرغوب الحق رکھا گیا۔ آپ کی تعلیم وتربیت از ابتداء تا دورۂ حدیث شریف اپنے پدر بزرگوار کی زیر نگرانی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ہوئی جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کے

مشورہ وایماء پر ۱۹۴۴ء میں قائم فرمایا تھا، جہاں اب الحمد اللہ تقریباً ایک ہزار سات سو طلبہ ۹۰ ر اساتذہ وکارکنان کی زیرنگرانی اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور درجات عربی وفارسی، افتاء، تکمیل ادب اور حفظ وتجوید کے متعدد شعبہ جات قائم ہیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مزید استفادہ کیلئے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا رخت سفر باندھا اور ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں باضابطہ داخل ہوکر دوبارہ دورۂ حدیث شریف پڑھا، بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خانؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے پڑھی، حدیث کے ساتھ ہی فقہ سے بھی دلچسپی تھی اس لئے ۱۴۰۶ھ میں شعبۂ افتاء میں داخل ہوئے جہاں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مفتی نظام الدین اعظمی حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جیسے مشاہیر افتاء رحمہم اللہ سے فقہ وفتاویٰ نویسی میں زانوئے تلمذ حاصل کیا، دارالعلوم دیوبند کے علمی ماحول نے آپ کی صلاحیتوں کو خوب نکھارا اور بغرض تدریس آپ وطن واپس تشریف لائے اور ۱۴۰۷ھ میں بحیثیت استاذ عربی آپ کا تقرر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ہوا، چنانچہ بعض ابتدائی کتب کے علاوہ مشکوۃ، ترجمہ قرآن پاک کے اسباق آپ سے متعلق کئے گئے، آپ کی حسن کارکردگی اور علمی انہماک کے پیش نظر بہت جلد دورۂ حدیث کے اساتذہ کی صف میں آپ کو شامل کرلیا گیا یہی وجہ ہے کہ تقریباً ۱۹ رسال سے ترمذی شریف آپ سے متعلق ہے جبکہ ۱۴۲۲ھ سے تادم تحریر بخاری شریف جلد ثانی کا درس بھی آپ ہی دیتے ہیں، درسِ حدیث کے علاوہ فقہ وفتاویٰ آپ کی دلچسپی کا حصہ ہیں، چنانچہ عقود رسم المفتی کی تدریس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کے نام ایرادات ومسائل کے جوابات بھی آپ تحریر فرماتے ہیں، واضح رہے کہ ملک کے مشاہیر محدثین کے علاوہ بیرون ممالک عرب وغیرہ کے بعض اساتذہ

حدیث سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہے جس میں صاحب ''صفوۃ التفاسیر'' شیخ محمد علی الصابونی حفظہ اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔

حضرت والا درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کا گہر بار قلم مختلف موضوعات پر گلکاریاں کر رہا ہے چنانچہ اب تک دو درجن علمی وتحقیقی مصنفات ومؤلفات منصۂ شہود پر آچکی ہیں جو علم کے رسیا حضرات سے داد تحسین وصول کر رہی ہیں ذیل میں درج فہرست سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے (۱) سید المحدثین (امام بخاری اور ان کے اساتذہ ومشائخ) (۲) تحفہ مؤمن (۳) فضائل سید المرسلین (۴) فضیلت علم وحکمت (۵) تصوف کیا ہے (۶) فضیلت تقویٰ (۷) راہ عمل عربی (۸) خیر الکلام فی مسئلۃ القیام (۹) گنگوہ کی دینی روحانی شخصیات (۱۰) ایمان اور اس کے تقاضے (۱۱) مکاتیب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (۱۲) مکتوبات فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وغیرہ، یہ کتابیں طباعت کے مراحل سے گزر چکی ہیں جن میں سے بعض کے تو متعدد ایڈیشن آچکے ہیں جبکہ بعض دوسری اہم چیزیں ابھی اشاعت کی منتظر ہیں، آپ کے قلم اشہب کے ان علمی وتحقیقی اور اصلاحی وعرفانی شہ پاروں کو مشاہیر امت نے بنظر استحسان دیکھا ہے اور ذوق تالیف کی داد دی ہے، آپ کی ایک کتاب ''تحفۃ المسافرین'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے مشہور مؤرخ ومحقق اور ناقد مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوریؒ سابق سرپرست شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں ''خوشی کی بات ہے کہ ان کو ہمارے نوجوان عزیز مولانا خالد سیف اللہ سلمہ اللہ نے نہایت سلیقے سے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے اسی کے ساتھ سفر سے متعلق شرعی مسائل بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں کتاب اپنے باب میں جامع مفید اور مستند ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو فیض پہنچائے اور عزیز مؤلف کی اس خالص علمی اور دینی خدمت کو قبول فرمائے'' ایک دوسری کتاب پر تاثرات ظاہر کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے سابق

صدر مفتی حضرت مولانا نظام الدین اعظمیؒ ارقام فرماتے ہیں "اس رسالہ کے عنوانات دیکھنے کا موقع ملا اسی سے اس کی نافعیت وجامعیت کا اندازہ ہوگیا نیز یہ بے انتہاء علمی صلاحیت واستعداد سلیم کی عکاس ہے اور یقین کے درجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ امید ہے کہ یہ رسالہ طبع ہونے کے بعد بے حد مقبول ونافع ہوگا" تصنیف وتالیف کے باب میں آپ نے دعوت فکر وعمل کے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں ادھر گذشتہ دو دہائیوں سے آپ کے شاداب قلم کی جولانیاں شباب پر ہیں، چنانچہ علوم انوری کے ترجمان وشارح صاحب طرز ادیب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کا یہ تاثر بھی حرف بحرف بجا ہے کہ "صاحبزادے مگر مبتلائے صاحبزادگی نہیں بلکہ پیکر تواضع ترمذی پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف۔ ماضی سے نکل کر حال کو تابناک بنانے میں مشغول تو مستقبل ان کا کیسا تابدار ہوگا"۔

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت ہشت پہل خوبیوں کی حامل ہے، ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق روشن اور قابل مطالعہ ہے وہ ایک درویش صفت قابل قدر اور لائق تقلید انسان ہیں، انہوں نے ان تمام اوصاف کو اپنے یہاں جگہ دی جن سے انسان اپنے فیوض وبرکات کے حوالہ سے لازم کے بجائے متعدی ہوجاتا ہے اور مخلوق خدا کی اولین پسند قرار پاتا ہے، نیز گم کردہ راہوں کو بھی صراط مستقیم کا پتہ چل جاتا ہے، چنانچہ مفتی صاحب بھی ماشاءاللہ ان ہی عالی مقام افراد کے زمرے میں شامل ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے زمانہ طفولیت سے ہی صلاح ونیکی کا خوگر بنایا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی معیت میں اکابر علماء ومشائخ عظام کی خدمت میں بکثرت حاضری دینے لگے تھے اور ان کی بابرکت مجلسوں سے بھرپور استفادہ کا جذبہ آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دیتا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں حاضری کا اہتمام خوب رہا اور ان سے روحانی برکتیں حاصل کیں حضرت شیخ بھی گنگوہ اور والد گرامی کی نسبت کا خیال فرماتے ہوئے دعاؤں سے محروم نہ کرتے، ایک مرتبہ فرمانے لگے! "اے خالد تیرے لئے دُعا نہیں کرونگا تو پھر کس کیلئے؟ میں تو

تیرے لئے تیرے باپ کیلئے تیری ماں اور تیرے مدرسہ کیلئے برابر دعا کرتا رہتا ہوں'' آخر حضرت شیخ کی یہ مستجاب دعائیں جو سرزمین حجاز کی مقدس وادیوں میں بھی بدستور رہیں کیوں اپنا رنگ نہ دکھاتیں، ان توجہات عالیہ نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر چھوڑا اور عشق الٰہی و سرمستی کا سودا دل ودماغ میں کچھ اس طرح سمایا کہ پھر روح وروحانیت کی مجلسیں ہی تسکین قلب وجگر کا سامان بن گئیں، انجذاب الی اللہ کی کیفیات نے کئی ایک عرفانی درسگاہوں سے استفادہ پر مجبور کیا مگر مرشد الامت حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپگڈھیؒ کا خوان معرفت ایسا بھایا کہ ان کی زلفوں کے اسیر بن کر رہ گئے ع الجھے تیری زلفوں میں ایسے کہ سنور جائیں

حضرت پرتاپگڈھیؒ کی بافیض صحبتوں نے آپ کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کردیا اور آپ کے فیضان نظر نے دل کی دنیا ہی روشن فرمادی، حضرت پرتاپگڈھیؒ سے آپ کا یہ تعلق تادم حیات رہا چنانچہ ایک مکتوب میں آپ ارقام فرماتے ہیں:

عزیزم مخلصم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپ کی محبت سے میرا دل بھی متاثر ہوا محبت ہی سے کام بنتا ہے اور طریق میں ترقی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا ثمرہ دین ودنیا میں عطا فرمائے یہی حضرت پرتاپگڈھیؒ ہیں جن کے بارے میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''مولانا محمد احمد کے یہاں فرش سے عرش تک نور ہی نور نظر آتا ہے''۔

حضرت مفتی صاحب کا آپ سے مسلسل چار سال تک یہ تعلق رہا ۱۴۱۲ھ میں آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا جس کے بعد شیخ المشائخ حضرت مولانا قمر الزماں الٰہ آبادی مدظلہ العالی کی طرف رجوع فرمالیا آپ نے حسن حال اور پاکیزہ طبیعت کو دیکھتے ہوئے بہت جلد خرقہ خلافت واجازت سے آپ کو سرفراز فرمایا اور درج ذیل تحریر بھی عنایت فرمائی:

باسمہ تعالیٰ

عزیزم مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے علم وعمل اور حسن حال کو دیکھ کر دلی تقاضہ ہے کہ آپ کو خلافت اور بیعت کی اجازت دوں لہذا توکلاً علی اللہ آپ کو چاروں سلاسلِ صوفیہ میں بیعت کی اجازت دیتا ہوں اللہ قبول فرمائے آمین۔

آپ اپنے احباب کو بھی مطلع کر سکتے ہیں اللہ پاک امت کو آپ سے ظاہری وباطنی نفع پہنچائے آمین والسلام۔

محمد قمر الزماں الہ آبادی

حال مقیم دار العلوم کنتھاریہ بھروچ گجرات

۲۷/ رمضان ۱۴۱۳ھ

علاوہ ازیں شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے مجاز بیعت حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نیز برطانیہ میں رہائش پذیر عارف باللہ مرشد الامت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام وسرخیل حضرت شیخ آصف حسین فاروقی دامت برکاتہم العالیہ جن کی مخصوص عنایات وتوجہات آپ پر ہوتی ہیں ان کے عظیم ترین روحانی احسانات کا سلسلہ برابر جاری ہے، ان کی مجلسوں، صحبتوں کا فیض اس کتاب میں جلوہ افروز ہے ان سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے، الغرض متعدد علماء ومشائخ عظام کی دیرینہ نسبتوں کو آپ نے اپنے اندر جذب کرلیا ہے اور گنگوہ کی قدیم پاکیزہ روایتوں کو آپ زندہ فرمارہے ہیں، حضرت موصوف انتظام واہتمام کی بھاری بھرکم ذمے داریوں کی بطریق احسن بجا آوری کے ساتھ ساتھ تشنہ کامان علم ومعرفت کو سیراب کررہے ہیں الحمد للہ علماء اور عوام الناس کا ایک بڑا طبقہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہے جو برابر آپ سے روحانی فیض پارہا ہے آپ کی یہ گوناگوں مصروفیات لائق رشک بھی ہیں اور اسوہ عمل بھی۔

ظاہر ہے کہ ہجوم کار اور کثرت اسفار کے باوجود اتنی اہم ذمے داریوں کی ادائیگی سے وہی شخص سبکدوش ہوسکتا ہے جسے اللہ نے غیر معمولی ہمت اور توفیق سے مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ دل درمند اور فکر ارجمند بخشا ہو، آپ کی ہمہ جہت کوششوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ماہنامہ

آئینہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدیر مولانا ناصر الدین مظاہری لکھتے ہیں: ''مفتی صاحب الحمد للہ طلبہ کیلئے باوقار، عملہ کیلئے ملنسار، عوام کی اصلاح کیلئے بے قرار، اپنے مدرسہ کیلئے ہر دم وہمہ دم متحرک وسبک سار، دارالافتاء والارشاد کی مسند سے خلق خدا کی رشد وہدایت کیلئے بلند کردار، عوام الناس کے درمیان خوش گفتار، ہم عصر وہم عمر افراد کے درمیان باغ وبہار، چھوٹوں اور شاگردوں کے لئے حلیم وبردبار، متقی وپرہیزگار، عزم عزیمت اور صبر واستقامت کے کوہسار، منبر ومحراب میں رعب دار، درسگاہ میں للّٰہیت کا آبشار، خانقاہ میں خاکسار اور علم وعمل کے میدان میں تقوی شعار ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں مثبت فکر، مثبت نظریہ، مثبت ذہن اور ثابت قدم مزاج عطا کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بفضل الٰہی انہوں نے فتنوں کی سرکوبی اور مدرسہ کی حفاظت وصیانت میں اپنی جس ذہانت وفطانت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے'' (نقوش دوام، ص ۲۲۰)۔

مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ محترم عالی مرتبت فاضل مرتب نے مشائخ واکابر گنگوہ کے تذکروں سے مزین یہ حسین مرقع پیش فرما کر علم وکتاب کے رنگارنگ باغ کی سیر کرنے والوں پر بے کراں احسان فرمایا ہے، مذکورہ کتاب اپنی اہمیت، خصوصیت، جامعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے غیر معمولی معنویت کی حامل ہے، حضرت مؤلف گرامی کا یہ جذبہ یقیناً کتاب کی جان ہے کہ ہمیں اپنے ظاہری وباطنی احوال کی اصلاح دامن گیر ہونی چاہئے اور بزرگوں واہل اللہ کی حیات طیبہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے، احقر یقین کے درجہ میں یہ امید واثق رکھتا ہے کہ ان شاء اللہ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک نئی روشنی حاصل ہوگی اور اسلاف امت سے عقیدت والفت میں بھی ترقی ہوگی۔

اخیر میں یہ خاکسار بھی دست بدعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت والا کے فیوض وبرکات کو عام تام فرمائے مزید خدمت دین کا نمایاں کام لے اور جملہ دینی کاوشوں کو حسن قبول سے بہرہ ور فرمائے نیز اس ناچیز کو بھی اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے آمین۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحاً

محمد ساجد قاسمی کھجناوری

خادم تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

''تذکرہ اکابرِ گنگوہ'' پر

اصحاب علم وقلم کے گراں قدر تبصرے

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ العالی (مدیر ماہنامہ ''القاسم'' پاکستان

گذشتہ صدی ڈیڑھ صدی میں برصغیر پاک وہند بلکہ عالمِ اسلام میں ایسی کتنی باکمال پُرفیض اور بابرکت شخصیتیں گذری ہیں جن کے وجودِ ظاہری سے دنیا محروم ہوگئی مگر ان کے وجودِ باطنی، معنوی اور روحانی کو ان کے علوم ومعارف، ان کے تذکرہ وسوانح، ان کی تاریخ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، علمی، ادبی اور قلمی افادات اور تعلیمات وہدایات سے ایک امت مستفید اور تشنگانِ سلوک ومعرفت سیراب ہورہے ہیں۔

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' میں سرزمین گنگوہ کی باکمال دینی، علمی اور روحانی شخصیات اور مبارک نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ وسوانح ایسے قلم سے ہوا ہے جس کی روشنائی میں خود ان اربابِ فضل وکمال کے تعلق ومحبت، عنایت، شفقات اور ان کی قلبی توجہ وتعلق خاطر کی چمک شامل رہی ہے۔

احقر نے دونشستوں میں کتاب کا مطالعہ مکمل کرلیا اور شخصیات کے تذکرہ وسوانح سے بھرپور استفادہ کیا۔ نوٹس بھی لکھے اور اخذ واستنباط بھی کیا۔ شیخ الحدیث مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے بڑے خوبصورت، سلیس، آسان علمی، ادبی اور محبت بھری زبان میں

مشائخ علماء اور زعماء گنگوہ کی محفل سجائی، ان میں اہل دل بھی ہیں، اہل علم بھی، اصحابِ فکر ودانش بھی ہیں، اساتذہ اور تلامذہ بھی، عمائدین قوم وملت بھی ہیں اور خادمانِ امت بھی، علماء بھی ہیں اور زعماء بھی۔

تذکرہ نگار خود یعنی فاضلِ جلیل القدر شیخ الحدیث مولانا مفتی خالد سیف اللہ کی شخصیت میں بھی مذکورہ جمیع صفات جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی ذمہ داری جس طرح ان کے مقدر فرمائی اور جس احسن طریقہ سے اسے وہ نبھار ہے ہیں اسے مملکت علم دین کی سربراہی ہی کہا جائے گا۔ مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی گنگوہی کے قلم کی نمایاں خصوصیت غیر معمولی سادگی، سلاست، ادبیت، توازن اور حقیقت بیانی ہے۔ اس کے باوجود موصوف کی تحریر لطف ولذت اور حسنِ تاثیر سے خالی نہیں رہتی۔

اکابر گنگوہ کے تذکرے کا مقصد نفع وافادہ ہے، زندگی کی اصل کامیابی اور منزلِ مقصود کے طلبگاروں کے راستوں کے لئے روشنی ضروری ہے۔ اکابر گنگوہ، روشنی، ہدایت، علم وعمل، صدق واخلاص کے چراغ ہیں۔ منزل کی یافت کے لئے ان کے نورٌ علیٰ نور ہونے میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔ مؤلف موصوف لائق صد تحسین وتبریک ہیں کہ انہوں نے امت کی فلاح، نورِ علم اور ہدایت کے فروغ کے لئے اکابر گنگوہ کے تذکرہ کا حسین گلدستہ سجادیا ہے۔ (بشکریہ القاسم پاکستان ماہ فروری ۲۰۱۳ء)۔

❁❁❁————❁❁❁

حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہ العالی

استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

ہندوستان کے بہت سے شہر اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں جنھیں اللہ رب العزت نے شہرت وعظمت کی ان بلندیوں سے سرفراز کیا جن پر رشک ہی کیا جا سکتا ہے یہ بستیاں وہ ہیں جہاں علمائے ربانیین اور ولی صفات لوگ پیدا ہوئے جن کے مسلسل کارناموں سے ایک پورا عالم وجود میں آیا۔ دیوبند کے قریب جو بستیاں مشہور اور شہرۂ آفاق ہیں ان میں گنگوہ کا نام نمایاں ہے، یہ وہ سرزمین ہے جہاں اصحابِ کمال، اصحابِ علم افراد اور روحانی شخصیات نے قدم رکھا اور ان سے یہ سلسلہ بہت دور تک چلا اور یہاں وہ لوگ منصۂ شہود پر نمودار ہوتے رہے جن کی عظمتوں اور رفعتوں کا ایک زمانہ معترف ہے، عجیب بات ہے کہ ان قدسی صفات حضرات کا مفصل اور مرتب تذکرہ منظر عام پر نہ آسکا کچھ ابتدائی کوششیں ضرور ہوئیں اور اختصار کے ساتھ لکھنے والوں نے اس سمت میں بھی کوششیں کیں مگر جیسا ان حضرات کا حق تھا اس حق کی ادائیگی کی سعادت ہمارے مخدوم ومحترم مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم گنگوہ کی قسمت میں لکھی تھی، انھوں نے انتہائی عرق ریزی، محنت اور انہماک کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔

اکابر اور بزرگوں کے تذکرے میں اور ان کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشوں میں موجودین اور آنے والی نسلوں کے لیے سامانِ فکر وعمل موجود ہے، کہ وہ آئیں اور ان حضرات کی زندگیوں کو آئینہ بنا کر اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں۔ مولانا کا قلم نکھرا اور ستھرا ہے پوری لگن اور گہرائی میں اتر کر بات کرنے کے عادی ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں جب تک اس

پر مطمئن نہیں ہو جاتے ان کا قلم آگے کا سفر طے نہیں کرتا، اس کتاب میں انھوں نے گنگوہ کے ان نامور انسانوں اور اللہ کے ولیوں کا ذکر کیا ہے جن سے آج گنگوہ کی شناخت اور اس کا تعارف ہوتا ہے، ان اشخاص اور شخصیتوں میں قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شاہ ابوسعید گنگوہیؒ، شیخ محمد صادق گنگوہیؒ، شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہیؒ، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نبیرہ حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، تصوف وسلوک کے ان بلند میناروں اور علم وعمل کے ان سربفلک کوہساروں کا تذکرہ دلوں کو حرارت، روح کو نظافت، عمل کو پاکیزگی، سوچ وفکر کو اعتدال بخشتا ہے۔ اور اس احساس کو ابھارتا ہے کہ اس دنیا میں انسان جس مقصدِ عظیم کے لیے بھیجا گیا ہے اس کے عملی نمونے ہمارے درمیان موجود تھے اور موجود ہیں، اکابر گنگوہ کے اس ذکر خیر سے مؤلف مدظلہ کی طبع سلیم اور فکرِ رسا کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اشہبِ قلم کے لیے ایسے موضوع کا انتخاب کیا جس سے روح کو جلا ملتی اور ماحول نورانی ہوتا چلا جاتا ہے۔

حالاں کہ حرفِ ناگزیر کے تحت مؤلف محترم اس کا اعتراف کر چکے ہیں کہ گنگوہ کی کوئی معتبر، مستند اور قریب ترین تاریخ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی، اس لیے اس بستی کے مکمل حالات وہ لکھنے سے قاصر ہیں، کاش! یہ حالات اندھیرے میں نہ ہوتے تو اس بستی کی پیدائش اور اس کے مختلف ادوار بھی سامنے آتے اور تاریخ کے وہ سنہرے صفحات

پڑھنے کو ملتے جس سے اس بستی کی عقیدت اور محبت میں مزید اضافہ ہوتا لیکن جو رجالِ کار، کتاب میں اپنے کارناموں اور عظیم کاموں کی بناء پر چاند اور ستاروں کی طرح، آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے ہیں، ان کے احوالِ زندگی ہر شخص کے لیے نمونہ اور آنے والے انسانوں کے لیے راہِ عمل کا تعین کرتے ہیں۔

مؤلف کا یہ احسان تاریخ میں جگہ پائے گا کہ انھوں نے فرشتہ صفت اور ولی صفات اشخاص کا اتنا جامع اور دلپذیر تذکرہ ترتیب دیا ہے کہ جو پڑھے وہ اپنے دل اور دماغ میں علم وروحانیت کی توانائی اور نظافت محسوس کرے۔ کتاب بہت خوبصورت انداز میں شائع کی گئی ہے کتابت روشن، کاغذ اعلیٰ، چھپائی معیاری اور ٹائیٹل انتہائی دیدہ زیب ہے، کتاب کو پڑھنے کے بعد دل ایک ہی نشست میں مکمل پڑھ لینے کا تقاضہ کرتا ہے یہ کتاب کی ظاہری خوبی ہے اور اس کی باطنی خوبیاں بھی ظاہر ہیں جو یقینی طور پر پڑھنے کے بعد اور کھل کر سامنے آئیں گی۔ میں مؤلف محترم کو اس پاکیزہ، باوقار، جاذبِ نظر اور دلکش تالیف پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(بشکریہ ماہنامہ ''صدائے حق'' گنگوہ شمارہ ۳۸ بابتہ ماہ فروری ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا شاکر فرخ ندوی مدظلہ العالی

(مدیر عربی مجلّہ ''المظاہر'' جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

بزرگان دین اور اکابر ملت کا تذکرہ اور ان کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ نسل نو کے اندر اسی طرح کے اخلاق عالیہ اور بلند کردار کے حصول کا شوق اور اشتیاق پیدا ہو، اور اپنے اسلاف کے تئیں ان کے اندر اعتماد پیدا ہو، تذکرہ نگاری وسوانح نگاری کی کوششیں ہر دور میں اور ہر شہر وعلاقہ میں ہوتی رہی ہیں، وہ حضرات جو ملت کا درد رکھتے ہیں، اور انسانیت کے غم گسار ہیں، وہ ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ اس درماندہ اور پسماندہ ملت کو صحیح اسلام سے روشناس کرایا جائے، اور اس کے لئے وہ مختلف الجہات کوششیں کرتے ہیں، انہیں میں ایک کوشش سوانح نگاری بھی ہے، مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت، پرانے چراغ اور دیگر اہل دل، اہل علم، مصلحین و مفکرین کی حیات کو قلم بند کر کے ملت اسلامیہ کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' ہے، جس میں سرزمین گنگوہ میں پیدا ہونے والی، اور وہاں رہ کر علمی وفکری واصلاحی فریضہ انجام دینے والی ان قدسی صفات شخصیات کا تذکرہ ہے جن کی خدمات اور فضل وکمال سے کسی بھی ذی علم کو انکار نہیں، یہ درحقیقت ان حضرات اکابر کا ذکر خیر ہے جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے ''ألا إن اولیاء اللہ لاخوف علیهم ولا هم یحزنون'' یہ وہ بندگان خدا ہیں جن کا فیض تاہنوز جاری ہے، اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

زیر نظر کتاب کے مؤلف معروف ومشہور دینی شخصیت، محبوب العلماء والمشائخ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ہیں، جو درحقیقت انہیں اکابر کے نقشِ قدم پر ہیں اور انہیں حضرات کا عکس جمیل معلوم ہوتے ہیں، کتاب کا آغاز قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے ہے، آگے چل کر اپنے وقت کے عظیم بزرگ اور مصلح جناب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے، جن سے تمام اکابر دیوبند وسہارنپور نے کسب فیض کیا ہے۔

یہ درحقیقت سرزمین گنگوہ کی شخصیات کی حسین سرگذشت ہے، جس میں ان کے علم وعمل، فکر واصلاح، تزکیۂ نفس، تطہیر باطن اور علمی وادبی کارناموں، ملی وسماجی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے اور مؤلف کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' مانک مئو اپریل، مئی ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا مسعود عزیزی ندوی مدظلہ العالی

مدیر ماہنامہ ''نقوش اسلام''مظفرآباد، سہارنپور

پیش نظر کتاب ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' سرزمین گنگوہ کی باکمال، دینی، علمی، روحانی، عبقری شخصیات اوران کی زریں خدمات کاایک حسین مرقع اور تاریخی دستاویز ہے، جو بزرگوں کی امانت، اکابرین کے منظورنظر، صالحین کے صحبت یافتہ، علماء ربانیین کے تربیت یافتہ، صلحاء امت سے اجازت یافتہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی کے گہربار قلم سے نکلا ہواایک علمی شاہکار ہی نہیں بلکہ تاریخ وسیر کاایک جامع انسائیکلو پیڈیااور گنگوہ کی عظیم شخصیات کاایک بہترین تعارفی مجموعہ ہے۔

صاحب کتاب کواللہ تعالی نے گونا گوں خصوصیات وصفات سے متصف فرمایاہے، وہ اگر ایک طرف علمی خانوادے کے فرد، ایک عظیم باپ کے عظیم سپوت ہیں تو دوسری طرف وہ ایک عالم ربانی، عظیم محدث، ماہر مدرس، بلند پایہ خطیب، زبردست مصنف ہیں، اسی طرح اگر وہ ایک طرف اکابرین کے مجازاور صحبت یافتہ ہیں تو دوسری طرف ایک عظیم ادارے کے شیخ الحدیث اور عظیم دینی درسگاہ کے ناظم اعلی بھی ہیں، ان تمام اوصاف نے موصوف کوایک جامع علمی، روحانی، ادبی اور مثالی ہمہ جہت شخصیت بنادیا ہے، مزید آپ تواضع اور انکساری، حلم وتدبر جیسی صفات حمیدہ سے متصف ہیں، پھر معلومات کی وسعت، مطالعہ کی گہرائی نے آپ کوایک ایسا سمندر بنادیا ہے جس کی موجوں میں تلاطم ہی نہیں بلکہ ایک خاموش جوش وخروش موجزن ہے، جس سے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ایسے زبردست عالم دین کے قلم سے اگرکوئی شاہکار سامنے آئے، ظاہر ہے وہ کس قدر قابل اعتبار، اہم اورافادیت سے بھرپور ہوگا، اس سے تمام ہی تحقیق وعلم

کے رسیا واقفین باخبر ہوں گے۔

کتاب حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے تذکرے سے شروع ہوتی ہے ، پھر سلسلۂ اکابر شروع ہوتا ہے ، اور سید اشرف سمنائی کا ذکر، مخدوم العالم شیخ احمد عبدالحق کا ذکر، شیخ محمدؒ، شیخ احمد عبدالحق کے واقعات اوران کے باقیات صالحات، حضرت شیخ عبدالقدوس کے چند خلفاء کا تذکرہ، پھر شاہ ابوسعید گنگوہی، شیخ محمد صادق گنگوہی، شیخ داود، شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہی ،تذکرہ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، تذکرہ شاہ عبدالغنی مجددی ،تذکرہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی،حضرت گنگوہی کے باقیات صالحات،حضرت گنگوہی کے تلامذہ، حضرت شیخ زکریا کا سرزمین گنگوہ سے تعلق ،حضرت مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہی ،حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہی، حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہی ،مفتی کفایت اللہ گنگوہی ،حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی، مولانا مفتی ضیاء احمد گنگوہی ،مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہی ،حضرت حکیم محمد مسعود صاحب اجمیری گنگوہی ،مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب گنگوہی ،مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی گنگوہی،مولانا محمد عادل صاحب قدوسی گنگوہی ،حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ،حضرت مفتی صاحب کے خطوط ،حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نبیرہ حضرت گنگوہی کا تفصیلی تذکرہ ہے، ان بزرگوں کے بعد گنگوہ کی دوسری شخصیات بھی شامل ہیں ،مثلاً حضرت مولانا محمد میاں قدوسی، حکیم قریش احمد صاحب گنگوہی، الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی گنگوہی ، حضرت مولانا شفیق احمد گنگوہی ،حکیم لیاقت صاحب گنگوہی ، صوفی عبدالحمید صاحب گنگوہی ،حکیم شفیق احمد صاحب قدوسی گنگوہی،حکیم جمیل احمد صاحب گنگوہی ، حافظ مقبول احمد صاحب گنگوہی۔

اس طرح مصنف نے پوری کتاب میں چالیس سے زیادہ شخصیات کا تذکرہ کر کے اپنی صلاحیت کے جوہر دکھائے، اور گویا کہ دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی ایک خوبصورت کوشش کی ہے، زبان و بیان دلچسپ، اسلوب بالکل سادہ اور جاذب نظر ہے، جس سے پڑھنے میں لطف وحلاوت اور چاشنی محسوس ہوتی ہے، ان تمام اوصاف کے باوصف شروع کتاب میں عرض مؤلف کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی کے حرف دعا ہیں، پھر حضرت مولانا حکیم محمد ادریس حبان کے حرف دوام، جس میں مولانا حکیم صاحب نے مولانا کا زبردست تعارف کرایا ہے، ان کی شخصیت کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح مولانا محمد ساجد کھجناوری قاسمی کا حرف حقیقت بھی بہت اہم ہے، جو ماشاء اللہ مصنف کا تعارف اور آئینہ ہے اور بہت جامع ہے، پھر مولانا نعیم الرحمٰن صاحب جلالپوری کا منظوم تاثر ہے۔

ہماری معلومات میں گنگوہ اور اکابر گنگوہ سے متعلق اتنا ضخیم اور جامع تذکرہ پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا ہے، جس پر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب گنگوہ سے نسبت رکھنے والے تمام عوام وخواص کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور اکابرین گنگوہ کا تذکرہ لکھ کر تاریخ کا ایک سلسلہ محفوظ کر دیا اور ان اکابرین کے ساتھ اپنے آپ کو بھی دوام بخش دیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، مؤلف کو بہترین اجر عظیم عطا فرمائے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد سہارنپور بابتہ ماہ نومبر/ دسمبر ۲۰۱۳ء جنوری ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور دیوبند

انسان کی سیرت سازی اور تعمیرِ شخصیت میں جتنی چیزیں مؤثر ہیں ان میں صالحین کے تذکرے نمایاں مقام رکھتے ہیں، کیوں کہ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن کا مطالعہ آدم گری میں ممتاز رول ادا کرتا ہے۔ قرآن کریم کھولئے تو اس کی پہلی ہی سورۃ ''الفاتحہ'' منعم علیہم کی راہوں پر چلنے کی تلقین کرتی دکھائی دے گی، اہل علم جانتے ہیں کہ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ''صاحبِ تقدیس'' گروہ ہے، اس سے متصل دوسری سورت پڑھئے! تو اربابِ تقویٰ کا ذکرِ جمیل جلی عنوان سے نظر آئے گا، انبیاء کرامؑ ہی کیا، نام لئے بغیر عام امتی پر بھی اس آسمانی کتاب میں خوب روشنی ڈالی گئی ہے، اصحابِ کہف کون تھے؟ یہ صلحاء کا ہی ایک گروہ تو تھا، سورۂ کہف میں ہی ''باغ والے'' مردِ مومن کا تذکرہ کون بھول سکتا ہے!! کتبِ احادیث کے اوراق الٹئے تو جا بہ جا صالحیت اور اس کی تلقین بہ عبارتِ واضح دکھائی دے گی، نیکی اور نیکی والوں کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے ''کونوا مع الصادقین'' اصحابِ خیر کی معیت اختیار کرو۔ بزرگوں کے احوال اور ان سے جڑے واقعات میں تاثیر ہوتی ہے جو خواہی نہ خواہی سننے اور پڑھنے والے کو اپنا اسیر بنا چھوڑتی ہے، صلحاء کی شبیہ ہمیشہ ایک تحریک کی رہی ہے، اپنی حیاتِ مستعار میں جہاں وہ لاتعداد افراد کے لئے حوصلہ مندی کی علامت رہے وہیں بعد از مرگ بھی انقلاب وتقلبات کے محرک بھی رہے، ان کے اسی تاثیری پہلو نے بعد والوں کو سیرت نگاری پر مجبور کیا اور انبیاء وصحابہؓ سمیت ممتاز دینی پیشواؤں کی زندگیاں الفاظ وعبارات کی صورت میں پیش کی جاتی رہیں۔

ہندوستان علم وفضل، کمال ومعرفت اور ''مردانِ راہ داں'' پیدا کرنے میں سدا سے

ہی بلند مقام رہا ہے، مگر عرصہ دو صدیوں سے اس کا پایۂ تخت اتر پردیش بالخصوص سہارنپور ہے، اس کے زیر نگیں دو قصبے دیو بند اور گنگوہ تو اس باب میں اس قدر مشہور ہوئے کہ ضلع سے بھی بھاری بھرکم یہ قصبے لگنے لگے، ان کی زرخیزی سے سارا عالم متحیر ہے اور ان کے خوانِ علمی سے پوری دنیا مستفیض ہو رہی ہے، یہاں کی سرزمین سے علماء امت کی وہ مستند کھیپ اٹھی جس نے برطانوی سامراج اور اس کی خوفناک آندھی کے باوجود ہندوستان میں اسلام کی مشعلیں روشن ہی رکھیں، چراغ سے چراغ جلے اور ملک ان کے چنگل سے بالآخر آزاد ہوا، دیو بند اول نمبر پر رہا تو گنگوہ نمبر دوم پر۔ گنگوہ ہی وہ خطہ ہے جسے قطب الاقطاب حضرت مولانا عبد القدوسؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی عظمتِ شان اور انفرادی و متنوع کمالات کسی کی تائید و توثیق کی اجازت نہ دیتے تھے، مگر حضرت گنگوہیؒ ان کی نظر میں ''فقیہ النفس'' تھے، وہی ان کے مرشد بھی تھے اور محبوب استاذ بھی۔ لیکن طرفہ تماشہ دیکھئے کہ اکابر امت کا یہ مسکن صرف حضرت گنگوہیؒ کی وجہ سے ہی زیادہ متعارف رہا، جب کہ عالم یہ ہے کہ اس خاکِ پاک نہاد سے ان کے علاوہ بھی وہ ہمالیائی شخصیتیں اٹھیں جن کے سامنے علوم وفنون کے اونچے اونچے پہاڑ بونے معلوم ہوں، مگر وقت کی ستم ظریفی کہ گزرتے دنوں کے دھندلکوں میں ایک طرف تو ان کا لوحِ مزار دھندلا ہوتا چلا گیا، دوسری طرف ان سے وابستہ یادیں بھی ضبطِ تحریر میں کماحقہٗ نہ آسکیں، جن کی روشنی سے نسلِ نومنزل کی سمت گامزن ہو سکے، حالاں کہ یہی وہ کردار تھے جو اپنی اساطیری شناخت کی بنا پر گرمیٔ محفل کا سبب ٹھہرتے تھے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی خلا کو پُر کرنے کی ایک روح پرور کوشش ہے، مدرسہ اشرف العلوم

رشیدی کے مدیر و معتمد حضرت مولانا خالد سیف اللہ گنگوہی نے ایک طویل تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے قلم اٹھایا ہے اور علم دوست حضرات کی خدمت میں گنگوہ اور اس کے اساطین کی ایک روشن و زریں تاریخ پیش کی ہے۔ قطب العالم حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ سے لے کر ماضی قریب کی اہم شخصیات تک کا عمدہ احاطہ ہوگیا ہے، کہنے کو تو یہ گنگوہ سے متعلق علماء و صلحاء کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے مگر ضمناً اور ذیلاً تقریباً ان تمام ہی شخصیات پر روشنی پڑ گئی ہے جو گنگوہ کے تو نہیں لیکن مسلکِ دیوبند کے سرخیل مانے جاتے ہیں۔ کتاب میں پچاس سے زیادہ گنگوہی علماء ربانیین کے بالاصالۃ تذکرے ہیں، تاریخی مواد کے ساتھ ساتھ علمی بحثیں اور صوفیانہ اصطلاحیں بھی ہیں، مولف نے کوشش کی ہے کہ تفصیل آمیز اختصار کے ساتھ یہ ''نوشتہ'' جامعیت کا بھی آئینہ دار ہو، زبان شگفتہ، رواں اور شیریں ہے، معلومات چشم کشا ہیں، منقولات معتبر کتابوں سے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے اس نقش کو سامنے لانے میں اپنی پوری کاوش جھونک دی ہے۔ سطر سطر سے ممدوحین سے شیدائیت ظاہر ہوتی ہے، اسے پڑھ کر گنگوہ کا شاندار ماضی تابناک حال دکھائی دیتا ہے جو یقیناً ایک کمال ہے اور یہ کمال بھی سب کو عطا نہیں ہوتا۔

مؤلف کتاب اس تالیف پر اہل علم کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ۶۰ سے زیادہ کتابوں سے مراجعت کر کے یہ ''بیش بہا کشکول'' تیار کیا ہے۔ یہ پہلی جلد ہے، توقع ہے کہ جلد ثانی بھی اسی نہج پر مرتب ہوگی۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس پیاس کو بجھانے کا کام کرے گی، جس نے باذوق اربابِ علم کو طویل عرصہ بے چین کیے رکھا۔ ادارہ محدثِ عصر انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''محدث عصر'' دیوبند بابتہ ماہ فروری ۲۰۱۴ء)

منظوم تأثرات بر تذکرہ اکابرِ گنگوہ

از: جناب مولانا محمد نعیم الرحمٰن نعیم جلال پوری

خلدِ وقت، یادگارِ شریف[1]		اِک غلامِ اکابرِ گنگوہ
مفتیٔ دین، شیخ سیف اللہ		مستِ جامِ اکابرِ گنگوہ
ہیں نگاہوں میں جن کی جلوہ فروز		صبح و شامِ اکابرِ گنگوہ
جن کو حاصل ہے بالیقین، لاریب		فیضِ تامِ اکابرِ گنگوہ
اُن کی تصنیفِ نو بہ فضلِ اللہ		ہے بنامِ "اکابرِ گنگوہ"
جس میں مذکور ہیں سوانحِ ذات		اور مقامِ اکابرِ گنگوہ
حُسن وخوبی سے جس میں ہیں تحریر		کارہائے اکابرِ گنگوہ
جس سے ضوبار ہوگیا ہر ایک		نقشِ پائے اکابرِ گنگوہ
ایسے انداز سے بہ حدِّ کمال		ہے بیانِ اکابرِ گنگوہ
ہوگئی زیب وزینتِ قرطاس		خوب شانِ اکابرِ گنگوہ
کرلے مولیٰ! کرم سے اپنے قبول		یہ کتابِ "اکابرِ گنگوہ"
جس کو پڑھ کر ہوں سب خواص وعوام		فیضیابِ اکابرِ گنگوہ
جان ودل سے نعیمِ خستہ مآل		ہے فدائے اکابرِ گنگوہ
اُس کی فکر ونظر میں ہوں روشن		شمعہائے اکابرِ گنگوہ

[1] حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمہ اللہ بانی مدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے پسرِ خوش اثر ہیں۔

حرفِ آغاز

بزرگوں کے حالات سے مقصد کیا ہے؟

اولاً ہم کو بزرگوں کے حالات سننے سنانے، پڑھنے لکھنے اور شائع کرنے کا مقصد معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ہم کو صحیح فائدہ حاصل ہوسکے اور اسی نقطۂ نظر سے ان کے حالات کو پڑھا جاسکے۔

تو جاننا چاہئے کہ اسلاف کے کارنامے اور ان کی داستان بعد والوں کے لئے عبرت، نصیحت، موعظت اور بصیرت کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں اور ان سے خلف کو صحیح راستہ طے کرنے میں بہت مدد ملتی ہے اور ان کے واقعات میں نہایت تاثیر اور خاص قسم کی جاذبیت اور کشش ہوتی ہے جن کو عقیدت کے ساتھ پڑھنے سے طبیعت پر ایک خاص اثر اور ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے، کم ہمت لوگوں کے لئے ہمت کا سبب بنتا ہے اور گمراہوں کیلئے راہ یابی آسان ہوتی ہے، اس لئے ہم کو اس نیت سے ان کے حالات پڑھنے چاہئیں کہ ہم ان کے طرز پر اپنی زندگی گزاریں اور ان حضرات کی محبت وعقیدت کو ذریعہ بنائیں اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی محبت وعقیدت کا اور کتاب وسنت کی اتباع کا، یہی ان حضرات کی سچی محبت کی علامت اور صحیح عقیدت کا مظہر ہے۔

اصل مقصود اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی محبت، عقیدت، عظمت اور اطاعت ہے، اس میں شک نہیں کہ اولیاء اللہ کے واقعات کو سن کر اور پڑھ کر طبیعت میں ایک جذبہ اور شوق، ولولہ اور ذوق پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہئے، اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء اور اولیاء کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور جگہ جگہ بکثرت انبیاء اور اولیاء کے واقعات بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ كَانَ فِيْ

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الالباب (پارہ ۱۳/ سورۂ رعد) بیشک ان کے واقعات میں عبرت ہے عقل مندوں کے لئے، قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ عم نوالہ نے تقریباً پچیس انبیاء علیہم السلام جن میں سرفہرست ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں ان کے بہت سے قصے، اسی طرح حضرت نوحؑ ان کی حیات کا بہت بڑا حصہ، حضرت ادریسؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور ان کی اولاد واسباط کے تذکرے، حضرت موسیٰؑ کا ذکرِ خیر حضرتِ عیسیٰؑ کا ذکرِ جمیل اور ان کے بہت سے واقعات اور بنی اسرائیل کی نادانیاں، سرکشیاں، طغیانیاں، بغاوتیں اور ان کے فتنے ہنگامے، انکار اور انبیاءؑ کی نافرمانی بلکہ ان کی بے حرمتی یہاں تک کہ ان کو شہید کر دینے جیسی قبیح حرکتیں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ سب اس لئے تاکہ یہ امت اپنے داعیانِ حق کے ساتھ ایسی کوئی حرکت نہ کرے اور ان کی طرح اللہ کے غضب اور غصہ کا مورد و مصداق نہ بنے اور صراطِ مستقیم پر چلتی رہے۔

پھر قدیم انبیاءؑ کے واقعات اور ان کی اقوام وملل کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور ان سب کے ساتھ اپنے سب سے محبوب نبی ﷺ جو تمام کمالات کے جامع، تمام خوبیوں کے منبع اور مرکز فخرِ رسل رحمتِ عالم ﷺ کا ذکر خیر فرمایا اور حضرات صحابہؓ اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری سے خوش ہوکر ان کے لئے اپنی رضامندی کا ابدی اور دائمی اعلان ان الفاظ میں فرمایا رضی اللہ عنھم ورضو اعنہ خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے۔

اور کہیں ان کو اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، کہیں صِدِّیْقُوْنَ اور کہیں مُفْلِحُوْنَ اور کہیں هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے یاد فرمایا، اور بار بار ان حضرات کو تنبیہ بھی

کی کہ دیکھو دوسری قوموں کی طرح مت ہو جانا جن پر اللہ کی ناراضگی وارد ہوئی، اس لئے ہم سب کے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکابر اولیاء اللہ سے محبت کا ہمارا دعویٰ اور عقیدت کا اظہار اسی وقت درست مانا جائے گا جب کہ ہم ان سب کے بڑے اور بزرگ یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور رحمتِ عالم ﷺ کے طریقہ پر چلیں گے اور اگر ہم نے اس بات سے صرفِ نظر کیا تو خطرہ ہے کہ ہم بدعات وخرافات میں مبتلا نہ ہو جائیں، کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ یا تو ہم اس قدر غلو اور افراط کرتے ہیں کہ سب کچھ انہیں بندگانِ خدا کو سمجھ بیٹھتے ہیں اور انہیں سے اپنی مرادوں اور آرزوؤں کی تکمیل اور قبر پرستی اور مزار پرستی چادریں چڑھانا اور ایسی ایسی خرافات کرنا شروع کر دیتے ہیں جن کا کتاب وسنت میں کوئی ثبوت نہیں، بلکہ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو ایمان ہی کو خراب کر دیتی ہیں اور اوپر سے تماشا یہ کہ ہم اس کو دین کا کام سمجھتے ہیں، یہ بہت ہی خطرناک عمل ہے یہ غلو کی انتہاء ہے، اور تقریباً یہ وہی طرز ہے جو عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کے ساتھ اپنایا کہ ایک طبقہ نے انکو خدا کہا اور ایک طبقہ نے ان کو خدا کا بیٹا کہا اور ایک طبقہ نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک قرار دیا۔

چنانچہ قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب اللہ پاک قیامت میں ان سے پوچھیں گے کہ کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری والدہ کی عبادت کرنا؟ تو وہ صاف کہدیں گے کہ الہ العالمین میرے لئے اور کسی بندہ کیلئے جو خود رب العزت والجلال آپ کی عبادت کرتا ہو اور اسی کی طرف بلاتا ہو اور آپ کی اطاعت پر لگانا ہی اس کی زندگی کا اہم ترین مقصد اور مشغلہ ہو، کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو؟ آپ جانتے ہیں کہ جب تک میں حیات رہا، ان کے سروں پر موجود رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا

اور کفر وشرک اور خرافات، بدعات اور ہر نا جائز اور غیر مناسب چیز سے ان کو بچانے کی پوری کوشش کرتا رہا اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس بلالیا تو پھر مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کیا اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں، وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے رب ہیں، آپ چاہیں تو ان کو عذاب دیں اور چاہیں تو معاف کریں، اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (سورۂ مائدہ) اگر آپ انکو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ انکو معاف کردیں تو بیشک آپ غالب اور حکمت والے ہیں غفور ورحیم بھی ہیں، ایک بار تہجد میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مقدس پر یہ آیت جاری ہوگئی تمام رات اسی میں مکمل فرمادی (ترمذی شریف)۔

اسی طرح اگر ہم نے اولیاء اللہ کے سلسلہ میں افراط وتفریط سے کام لیا، جیسا کہ غلو اور افراط سے ایک طبقہ کام لے رہا ہے جسکے نتیجہ میں بدعات وخرافات (سجدہ، طواف، چادر پوشی اور ان سے مرادیں طلب کرنا، اور ان کو حاجت روا سمجھنا وغیرہ جو شرک وکفر والے اعمال ہیں) کا ظہور ہو رہا ہے، اس سے وہ بندگانِ خدا عارفانِ حق بیزار ہیں اور نہ ان پر اس کا کوئی الزام دیا جاسکتا ہے نہ ان کی یہ تعلیمات ہیں اور نہ انہوں نے کبھی اس کو پسند کیا، اس سب کی ذمہ داری کرنے والوں پر ہوگی اور عند اللہ وہی مجرم ہوں گے، اور ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اولیاء اللہ اور سلوک وروحانیت، تزکیہ واحسان (جس کو تصوف کہا جاتا ہے) کا بالکل انکار ہی کرتا ہے، حالانکہ قرآن وسنت میں انبیاءؑ کے ساتھ اولیاء اللہ کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ حضرت خضرؑ، حضرت لقمانؑ، حضرت مریمؑ ہیں، قرآن پاک نے ان حضرات کے واقعات، کشف وکرامات وغیرہ کا ذکر اسی لئے کیا ہے تاکہ اولیاء اللہ سے محبت اور عقیدت کا مضمون بھی مستحضر رہے، اس لئے ان چیزوں کا انکار قرآن کریم کے

ایک بہت بڑے حصہ کے انکار کے مترادف ہے۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ خاص صفت (صلاح) جس کا حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے انبیاءؑ کی صفات میں ذکر کیا ہے'' کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ '' نیز ایک موقع پر فرمایا'' مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا'' (سورۂ نساء) جس سے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء وصالحین کی معیت اوران کے طرز کواپنانے کی کس قدر بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے! لہذا افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کے ساتھ حضراتِ صحابہ کرامؓ اور معتدل مزاج، معتدل ذوق اور شریعت وطریقت کی جامعیت رکھنے والے حضرات کی اتباع کی جائے جس کا تذکرہ اللہ پاک نے یہ کہہ کر فرمایا: وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ (سورۂ زمر) اور انابت اختیار کرو میری طرف اور میری اطاعت کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔

ان جیسی آیات میں جو انابت واسلام کا اور منیبین کی اتباع کا حکم ہے اسی کا دوسرا نام تصوف ہے، نیز جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا'' وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ '' (سورۂ لقمان) کہ ہماری طرف جو لوگ چل رہے ہیں ان کا طرز اپناؤ اور تواضع، عبدیت، مسکنت، خلوص وللّٰہیت اور تزکیۂ باطن، تصفیۂ قلب وقالب یعنی اخلاقِ حسنہ کی تحصیل کی محنت کرو کہ یہی انبیاءؑ کی بعثت کا بڑا مقصد ہے، اور اسی سے انسان صحیح معنیٰ میں انسان بنتا ہے جس کا بیان بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ

رَسُولاً مِّنهُم يَتلُوا عَلَيهِم ايٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتٰبَ وَالحِكمَةَ وَاِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ " (سورہ جمعہ) وہ پاک ذات بھیجا جس نے ان میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھکر سناتے تھے ان کو اللہ کی آیات اور کرتے تھے ان کو پاک وصاف اور سکھلاتے تھے ان کو کتاب اور حکمت جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں جس تزکیہ کا ذکر ہے یعنی کہ وہ امت کے افراد کو پاک وصاف کرتے تھے برائیوں سے یعنی کفر وشرک، بدعات وخرافات کی گندگیوں سے اور اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض سے، اسی محنت ومشن میں لگنے والے حضرات کو صوفیاء، اولیاء، عارفین کہا جاتا ہے اور ان کی اس محنت کو تصوف، تزکیہ، احسان اور سلوک وروحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس کتاب میں جن حضرات کا تذکرہ کیا جارہا ہے وہ اسی میدان کے شہ سوار، تزکیہ واحسان کے دریاؤں کے غوطہ زن، اخلاص واخلاق کے روشن مینارے تھے اور ان کی زندگیاں اسی کیلئے وقف تھیں، اللہ پاک ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر صحیح چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

تذکرہ قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ کا نام ونسب

اسم گرامی حضرت اقدسؒ کا عبدالقدوس ہے، البتہ بعض حضرات نے نام اسمٰعیل اور عبدالقدوس ان کا لقب قرار دیا ہے، مگر مشہور اول ہی ہے، اسماعیل والد محترم کا نام ہے، دادا کا نام صفی الدین ہے، جو اپنے دور کے صاحب تصنیف عالم، فاضل تھے، غایت التحقیق شرح کافیہ آپ ہی کی تالیف ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل ابن صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین بن آدم بن ظہیر الدین بن احمد بن عبدالواسع بن عبدالقادر الخ۔

آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ نظام الدین نام کے غزنی سے ساتویں صدی میں اپنی اولاد کے ساتھ دہلی چلے آئے تھے، یہ سلطان علاؤالدین خلجی مرحوم کا زمانہ تھا۔

والد صاحبؒ کا مختصراً تذکرہ

آپ کے والد ماجد شیخ اسماعیلؒ بھی صاحبِ علم ومعرفت اشخاص میں سے تھے، درس وتدریس، ارشاد وتلقین آپ کا محبوب مشغلہ تھا، درویشانہ وفقیرانہ زندگی گزارتے تھے، دنیا اور اشیائے دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور ردولی شریف کی جامع مسجد میں ایک عرصہ دراز تک پندو وعظ کا سلسلہ قائم رکھا، جس سے بہت سے لوگوں کو دینی فائدہ حاصل ہوتا تھا، ۱۳ ربیع الاول ۸۶۰ھ میں انتقال ہوا (نزہۃ الخواطر ص۲۵ رج ۴)۔

اللہ پاک نے سچ فرمایا ہے: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (سورۂ ذاریت) (آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیے بے شک نصیحت کرنا ایمان والوں کو فائدہ دیتا ہے)۔

بشارت ولادت

اس دنیا میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز جتنی اہم اور وقیع ہوا کرتی ہے اتنی ہی اس کے ظہور سے قبل اس کی آمد کی تمہیدات بطورِ علامت و بشارت لائی جاتی ہیں، چنانچہ عادت اللہ یہی جاری ہے، جیسا کہ فخرِ دو عالم رحمتِ مجسم ﷺ کے وجود با جود سے قبل کتنوں کو خواب میں بشارت حاصل ہوئی، ہر ہر کتاب میں آپ کی بشارت دی گئی، آگ کا بجھ جانا کنگوروں کا گر جانا یہ سب ولادت باسعادت کی امارات وعلامات تھیں۔

چمنستانِ اسلامی کی بلبلوں میں اس گل کا کھلنے سے قبل ہی سے شوروغوغا مچ گیا تھا، اُفقِ عالم پر زمین چمکنے سے پہلے اس آفتاب ولایت کے طلوع ہونے کا ذکر شروع ہو چکا تھا، سینکڑوں بیمارانِ قلب اس روحانی طبیب اور اس مسیحا کی آمد کی خبر سنکر اپنے بیقرار دلوں کو تسکین دے رہے تھے، اس مظہرِ انسانیت اور اس عارفِ اعظم کے متعلق مختلف لوگوں نے جن میں بڑے بڑے اولیاءِ کرام داخل ہیں بشارتیں دی ہیں، نمونہ کے طور پر دو بزرگوں کی بشارت سنیئے۔

(۱) سید اشرف سمنانیؒ کی بشارت اور ان کا مختصر تذکرہ

سید اشرف سمنانیؒ ۷۰۷ھ میں سمنان (ایران) میں پیدا ہوئے جو اس دور کے بڑے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں، شیخ عبدالحقؒ اخبار الاخیار ص ۱۸۴ ج ۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سید اشرف سمنانیؒ اکملِ اولیاء میں سے ہیں، بڑے صاحبِ کرامات وتصرفات ولی تھے، سیر وسیاحت میں میر سید علی ہمدانیؒ کے رفیق تھے، آخر سمنان (ایران) سے ہندوستان آئے اور شیخ علاؤالدین عمر بن اسعد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ ہوئے، پہلے ہی سے مقاماتِ عالیہ وکشف وکرامات حاصل تھے، اب مزید حقائق توحید، نوامیس معرفتِ الٰہیہ حاصل ہوئے، اسی واسطے توحید میں ان کا

کلام بہت اونچا ہے۔[1] شیخ اشرف سمنانیؒ کا قیام ردولی میں رہتا تھا، (جو ضلع بارہ بنکی کا مشہور قصبہ ہے) ایک بار کچھوچھہ (ضلع امبیڈکر یوپی) تشریف لائے اس زمانہ میں شیخ عبدالقدوسؒ کے والد ماجد شیخ اسماعیل سوا ماہ کے تھے، شیخ سیف الدین انکو سید صاحب کی خدمتِ مبارک میں لائے، سید صاحب نے ان کو پیار کیا اور فرمایا ''یہ بھی میرا مرید ہے اس کو حق تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائے گا جو عالم کا قطب ہوگا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا سید اشرف سمنانیؒ ۲؍محرم الحرام ۸۰۸ھ میں واصل بحق ہوئے اور کچھوچھہ میں ہی محوِ استراحت ہیں۔ (تذکرہ اولیاء ہند ص ۱۸۲؍ج ۲) آجکل حضرت کا مزار بھی خوب بدعت وشرک کا مرکز بنا ہوا ہے، اللہ پاک لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

(۲) شیخ المشائخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ کی بشارت

لطائف قدوسی ص۴ میں ہے کہ شیخ اسماعیل والد ماجد شیخ عبدالقدوسؒ اپنی صغر سنی کے دور میں بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے حضرت مخدوم العالم، صاحب الکشف والکمالات شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمہ اللہ کی خانقاہ پہنچ گئے، انہوں نے خانقاہ کے کسی دریچے سے حضرت مخدوم العالمؒ کی زیارت کی، جب شیخ اسماعیل کی نوبت آئی تو حضرت مخدوم العالمؒ نے شیخ اسماعیل کو اندر طلب فرمایا اور ان کو اپنے سامنے بٹھلایا، ان کی پشت کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ اس بچہ کی پشت میں ایک لڑکا میں نے دیکھ لیا جو کہ اپنے دور کا قطب ہوگا اور اس کا تمام تر رجوع ہماری طرف ہوگا اور ہمارے خلفاء میں سے ہوگا اور ہماری نعمت اس کو پہونچے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اور بڑے ہوئے تو آپ نے تمام تر رجوع روحانیت میں شیخ احمد عبدالحقؒ کی

---

[1] صاحب نزہۃ الخواطر کہتے ہیں کان عالماً کبیراً عارفاً مسفاراً لم یتزوج ولم یزل یسافر ویدرک المشائخ ویأخذ (عنهم) منهم الشيخ بهاء الدين محمد النقشبندی البخاری اخذ عنه الطريقة النقشبندية، صاحب التصانيف الكثيرة منها (بشارة المذاكرين) حجة الذاكرين الفتاوی الاشرفية (نزہۃ الخواطر ص ۲۶؍ج ۳)۔

طرف ہی فرمایا اور فیضِ روحانیت حضرت احمد عبدالحقؒ ہی سے حاصل کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے ہی تکمیل کرائی جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کرلیں گے۔

ذکرِ ولادت باسعادت

کس مست کے آنے کی آرزو ہے کہ ساقی لئے ساغر مشک و بو ہے

آپ کا اصل آبائی وطن ردولی ہے، اس مبارک قصبہ میں ولادت وظہور کا مبارک ومسعود اور مقدس وقت بھی آپہونچا جس کے لئے فضائے روحانی، ماحولِ عرفانی بے چین تھی جس مولود کا خیر مقدم کرنے کے لئے عزم وثبات، توکل ورضاء، اطاعت وعبادت، صبر وقناعت، تواضع وانکساری، فقیری وفاقہ مستی، خودداری وغیرت، عزلت وخلوت، صدق وصفا، تقویٰ وطہارت، شرافت وکرامت، عشق ومعرفت، اتباعِ حق، تقلیدِ سنت، پیرویٔ شریعت جیسے اوصاف بڑے اضطراب کے ساتھ منتظر تھے، الغرض اسی قصبہ ردولی میں یہ آفتابِ ولایت ۸۶۰ھ میں طلوع ہوا، جس نے اپنی نورانی کرنوں سے ایک عالم کو منور کیا جس نے اپنی مہک عنبر وشامہ سے معمورۂ عالم کو معطر وخوشبودار کیا، جس کے روحانی فیض نے مردہ قلوب کو حیاتِ جاودانی کا ازسرنو پیغام بخشا، جس نے ہر ہر امر میں صفائی باطن کے ساتھ اتباعِ سنت، تقلیدِ شریعت کا درس دیا، جس نے خلوص وللّٰہیت کا سبق پڑھایا، جس نے انقطاع عن دار الغرور اور انابت الی دار الخلود کی تعلیم دی۔ شروع ہی سے شیخ علیہ الرحمہ میں آثارِ ولایت نمایاں تھے

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

معاصی سے تنفر اور عبادات کا شوق آپ کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا تھا، صاحبِ ''معارج الولایت'' لکھتے ہیں کہ آپ مادرزاد ولی تھے، بچپن ہی سے سچے انسان تھے (تاریخ الاولیاء)

عہدِ طفولیت

کچھ بڑے ہوئے تو علوم ظاہریہ کی طرف متوجہ کرائے گئے، ابتدائی صرف ونحو کی کتب اس دور کے ایک بڑے عالم شیخ ملا فتح اللہؒ سے پڑھیں، ایک روز حضرت کے والد شیخ اسماعیل نے صاحبزادگان سے فرمایا کہ تم لکھنا پڑھنا سیکھو، سب تعمیلِ حکم میں مشغول ہو گئے، مگر حضرت کی طبیعت کا میلان اس طرف زیادہ نہیں ہوتا تھا، حضرت والد ماجدؒ پوری کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ آپ ظاہری علوم کی تحصیل میں لگ جائیں، مگر شیخ نے ایک دن جواب دیا کہ ''اکثر لکھنے پڑھنے والے چور دغاباز ہوتے ہیں'' اس کے بعد آپ سے تعرض نہیں کیا، بعد میں لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے اور کتابت وخوش نویسی میں کمال پیدا کیا، چنانچہ ایسا عمدہ لکھتے تھے کہ اچھے اچھے کاتب ایسا لکھنے پر قادر نہ تھے۔

چنانچہ حضرت قدس سرہ کے دستِ مبارک کا تحریر کردہ ایک کافیہ کا نسخہ ہی دیکھ لیجئے کہ کس قدر خوش خط ہے، جس کو حضرت نے اپنے صاحبزادگان کے لئے تحریر فرمایا تھا، اس میں متن کے ساتھ ساتھ حاشیہ اور بین السطور مکمل طور پر موجود ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ الحمدللہ نہ لکھنے کا اعتراض جو صاحبِ کافیہ پر کتاب کے شروع میں کیا جاتا ہے، اس کے پندرہ جواب موجود ہیں، حکیم قریش احمد صاحب مرحوم [1] نے اپنی کرم فرمائیوں سے راقم السطور کو اس کی زیارت سے مشرف فرمایا تھا جزاہ اللہ فی الدارین خیرا۔

---

[1] حکیم قریش مرحوم ومغفور حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے خاندان کے چشم وچراغ تھے، صاحبِ حال وقال نیک صالح آدمی تھے اور اپنے خاندانی سلسلہ میں بزرگوں سے جو امانت خلافت کی چلی آرہی تھی اس کے امین بھی تھے باقی حالات آئندہ مستقل آرہے ہیں۔

ابتدائی تعلیم کے دوران حضرت پر روحانیت کا اس درجہ استیلاء وغلبہ ہوا کہ تعلیم ظاہری کو خیر باد کہہ کر شیخ المشائخ برہان الواصلین، تاج الاولیاء والاتقیاء، فخر الصلحاء والفقراء شیخ احمد عبد الحقؒ کے روضہ پر حاضری دی اور مستقل طور پر وہاں رہ کر ریاضت ومجاہدہ، شغلِ باطنی ومراقبہ شروع کر دیا، اتفاقاً ایک روز کتاب کا خیال آیا اور کافیہ لیکر روضہ میں داخل ہوئے کہ وہاں مطالعہ کریں، مطالعہ کرتے کرتے مراقبۂ حق میں لگ گئے، تو اپنے اندر سے ''حق حق'' کی آواز سنائی دی، آواز اتنی عجیب وغریب تھی کہ مست و بے خود ہو گئے، اس عالم میں عجیب علوم ومعارف کا انکشاف ہوا، اسی میں سے ایک بات یہ تھی کہ ظاہری علوم حجابِ اکبر ہے، اصل کام میں مشغول ہو جاؤ! بس اب کیا تھا کہ حضرت نے تعلیم بالکلیہ ترک فرمادی اور ہمہ تن شیخ مخدوم العالم علیہ الرحمہ کے مزار پر رہتے تھے اور استفادۂ باطنی فرماتے تھے، یعنی ذکر وفکر، مراقبۂ حق تعالیٰ اور اس جگہ خلوت گاہ کے طور پر رہتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ ان سے جہّال کی طرح سوالات کرتے ہوں اور انہیں کو سب کچھ سمجھتے ہوں، یہ سب ممنوع اور شرک ہے۔

الغرض اس حال میں کافی عرصہ گزر گیا، متعلقین کو علومِ ظاہریہ کی عدمِ تکمیل کا حد درجہ افسوس تھا، حتیٰ کہ والدہ محترمہ کی زبان پر گریہ طاری ہو کر یہ کلمات آ گئے کہ افسوس صد افسوس! اگر یہ پڑھتا تو بڑا عالم، فاضل بن جاتا، بہت سمجھایا حتیٰ کہ پریشان ہو کر والدہ ماجدہ نے آپ کے ماموں قاضی دانیال صاحب سے شکایت کی، شیخ دانیال نے جو قصبہ ردولی کے حاکم تھے، بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے، بھانجے کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم کیوں نہیں پڑھتے جلد اپنا عذر پیش کرو وجہ بتاؤ؟۔

شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا'' الخیر لایؤخر'' خیر میں کیا تاخیر، چونکہ عذر پیش کرنا

بھی کارِ خیر ہے اس میں بھی تاخیر نہ ہوگی، اسی وقت مشیت ربانی سے ایک عورت پہنچی اور اس نے چند اشعار پڑھے، جن کو سن کر شیخ عالمِ سُکر و مستی، حال وجدِ صادق میں پہنچ گئے اور حالت متغیر ہوگئی، یہ دیکھ کر قاضی دانیال سمجھ گئے اور فرمایا کہ تمہارے فرزند کو دوسری طرح کا معلم درکار ہے، تم کچھ فکر و اندیشہ نہ کرو، اس کے بعد انہوں نے آپ کو مجبور نہیں کیا۔

غالبًا بعد میں حضرت اقدسؒ کو دوبارہ علومِ ظاہری کی طرف توجہ ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ علوم ظاہریہ کے بغیر طعامِ تصوف لذیذ نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے دوبارہ تحصیلِ علوم کی طرف رخ فرمایا، چنانچہ تحصیلِ علوم میں اس درجہ انہماک ہوا کہ تمام دن علوم ظاہریہ میں اشتغال رہتا تھا اور پوری رات عبادت و مجاہدہ، ذکر اللہ اور یادِ حق میں مشغول رہتے۔

تَرَکْتُ النَّومَ رَبِّی فِی اللَّیَالِی ۔۔۔ لِاَجْلِ رِضَاکَ یَامَوْلَی الْمَوَالِی

فَوَفِّقْنِی اِلٰی تَحْصِیْلِ عِلْمٍ ۔۔۔ وَبَلِّغْنِی اِلٰی اَقْصَی الْمَعَالِی

ترجمہ: تیری رضامندی کے حصول کے لئے آقاؤں کے آقا میں نے اپنی نیند قربان کردی، لہذا مجھے علم دین عطا فرمادیجئے اور بلندیوں کی انتہا پر پہنچادیجئے۔

ان حالات کا مولانا رکن الدینؒ نے لطیفہ نمبر ۷/ص ۵/ میں ذکر کیا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس محنت وشوق، جذبہ وذوق کی برکت سے ابوابِ علوم لدنیہ واکتسابیہ، معارف الٰہیہ اور حقائق ربانیہ کے دروازے مفتوح کردیئے۔

طالبِ علمی کے ایام میں علم صرف میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام لطائف قدوسی میں ''بحرالانشعاب'' لکھا ہے، جس کا تذکرہ تصانیف ذیل میں آرہا ہے۔

سچ کہا ہے حضرت امام شافعیؒ نے۔

اَلْجِدُّ یُدْنِی کُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ ۔۔۔ وَالْجِدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

واحقُّ خَلْقِ اللّٰہِ بِالْھَمِّ امْرَءٌ ذُوْھِمَّۃٍ یُبْلٰی بِعَیْشٍ ضَیِّقٍ

ترجمہ: محنت وکوشش ہر دُور و مشکل کو آسان وقریب کر دیتی ہے اور ہر بند دروازہ کو کھول دیتی ہے، اللہ کی مخلوق میں اہم کاموں کے لائق وہ ہمت والا انسان ہے جو تنگ دستی میں محنت کرتا ہے اور ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔

سلوک اور روحانیت کی پہلی منزل

اللہ رب العزت نے شیخ علیہ الرحمہ میں بہت سے کمالات واوصاف ودیعت رکھے تھے، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے آثارِ تقدس وبزرگی، علاماتِ تقویٰ وپرہیزگاری نمایاں اور انوارِ معرفت وولایت تاباں تھے، جو بڑے زور سے اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ یہ ہلال عنقریب اقطابِ عالم پر بدر بن کر چمکے گا، سلوک وتصوف، تزکیۂ نفس، نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانے کے واسطے، جیسا کہ دستور ہے۔

آپ نے اپنا دستِ مبارک شیخ مخدوم العالم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمدؒ کے دستِ اقدس میں دیا، اگرچہ شروع شروع میں آپ کو ان سے بیعت میں تذبذب تھا، ایک تو اس لئے کہ وہ آپ کے ہم عمر تھے بلکہ عمر میں کچھ چھوٹے تھے، دوسرے اس وجہ سے کہ رشتہ داری کا تعلق بھی تھا، اس واسطے بعض دفعہ ارادہ کہیں اور بیعت کا ہوتا تھا، مگر شیخ عبدالحقؒ نے خرقِ عادت کے طور پر ظاہر ہو کر حضرت شیخ محمد علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے کا حکم فرمایا، جس کا ترک اور اس سے حکم عدولی اب موصوف کے لئے ہرگز ممکن نہیں تھی، اس واسطے انہی سے بیعت ہوگئے۔ جسکی تفصیل اس طرح ہے۔

ظہورِ روحانی

''انوار العیون'' میں جو خود شیخ عبد القدوس علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ پنجشنبہ کے دن مجمع عام تھا، ایک جمِ غفیر حضرت شیخ احمد عبد الحقؒ کے روضہ کی زیارت کے لئے جمع تھا، اور بندہ چبوترے کے نیچے بیٹھے ہوئے محوِ مراقبہ تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مزار شق ہوا اور شیخ احمد عبد الحقؒ مزار سے باہر نکلے اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　　من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

مجھکو اپنی ہی طرح زندہ سمجھو، اگر تم بدن سے آؤ گے تو میں روح اور جان سے حاضر ہونگا۔

یہ دیکھ کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی، دستِ اقدس پھیرا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم کو خدا تک پہنچا دیا اور یہ قصہ شیخ احمد عبد الحقؒ کے انتقال کے کافی عرصہ بعد کا ہے۔

عالمِ روحانیت میں ظہور دوسرے بزرگوں کے بارے میں بھی ملتا ہے، چنانچہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے والد بزرگوار حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے، کہ آپ پر ایک بار حال طاری تھا اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار:

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　　　جز سرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق

پڑھتے جاتے اور اگلا مصرعہ یاد نہ آنے کی وجہ سے قبض طاری تھا، پریشان تھے، دفعتہً ایسا محسوس ہوا کہ ایک بزرگ ظاہر ہوئے اور فرما رہے ہیں:

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

یہ سنکر انتہائی فرحت وسرور حاصل ہوا اور طبیعت میں انبساط پیدا ہو گیا، معلوم کیا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ بندے کو ہی سعدی کہتے ہیں، حالانکہ حضرت شیخ سعدیؒ کے انتقال کو طویل وقت گزر چکا تھا[1]۔

ان اشعار کا ترجمہ:

اللہ کی یاد کے علاوہ جو کچھ کرو گے عمر ضائع ہوگی، عشق الٰہی کے اسرار کے علاوہ جو کچھ پڑھو گے بیکار ہے، اے سعدی! دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک وصاف کر، اور وہ علم جو راہ حق نہ دکھائے جہالت ہے۔

اگر چہ باطنی طور پر تکمیل شیخ احمد عبدالحقؒ کی روحانیت سے ہوئی، جیسا کہ مشائخ چشت میں ر ص ۱۹۳ ر میں حضرت شیخ زکریاؒ لکھتے ہیں: چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب ''انوار العیون'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت احمد عبدالحقؒ کے منجملہ اور تصرفات کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے وصال سے پچاس سال بعد اس ناچیز کی اپنے روحانی فیض سے تربیت فرمائی، مگر ظاہری طور پر ربط وتعلق کسی بزرگ سے ضروری ہے، اسلئے کہ وہ ہی بتا سکتا ہے کہ باطنی معاملہ کس حد تک صحیح اور درست ہو رہا ہے اور کس حد تک اس میں کمی ہے، اس لئے شیخ محمدؒ سے بیعت ہوئے، جس کے لئے بڑے حضرت کا بھی اشارہ تھا،

---

[1] اللہ پاک ہی اس قسم کے واقعات کی حقیقت زیادہ جانتے ہیں جن حضرات کو برزخی حیات عطا ہوتی ہے شہداء وغیرہ ان کی ارواح کا ظہور شاذ و نادر کبھی کبھی ہو جاتا ہے عمومی طور پر نہیں ہوتا کہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے اور ایک طبقہ اس کا بھی انکار کرتا ہے کہ کبھی بھی نہیں ہوتا، اگر ہوتا تو انبیاء کا ہوتا کیونکہ ان کی حیات برزخی سب سے قوی تر ہے اور ان سے ہدایت کا معاملہ زیادہ متعلق ہے اور یہ ارواح کا ظہور نہیں بلکہ ایک احساسی معاملہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے شیخ کے اس قصہ کو اسی ظاہری جسم کے ساتھ ظہور کا معاملہ قرار دیا ہے جس کو لیکر بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جن کے ازالہ کیلئے صاحبِ سیرت قدوسیہ نے کوشش کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس طرح سے دونوں ہی شیخ ہو گئے، اسلئے یہاں دونوں حضرات کے احوال مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں اولاً شیخ محمدؒ کے احوال پڑھئے۔

تذکرہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد عبد الحقؒ کے پوتے شیخ محمدؒ بھی اپنے والد ماجد شیخ عارفؒ کی اور جد محترم شیخ عبد الحقؒ کی طرح آسمانِ ولایت کے درخشندہ کوکب تھے، اتقاء و پرہیز گاری کے امام تھے، بڑے صاحب کمالات انسان تھے، استغراق ومحویت میں رہتے تھے اور کرامات کثرت کے ساتھ ان سے صادر ہوتی تھیں، حضرت شیخ محمدؒ سخاوت میں مشہور تھے، ایک دن ایک زمیندار آیا اور تھوڑا سا غلہ رکھ کر چلا گیا، حضرت شیخ محمدؒ نے اس میں سے ایک لوٹا بھر کر ایک ضعیفہ کو دیدیا جب تک وہ ضعیفہ حیات رہی برابر اس میں سے کھاتی رہی کبھی ختم نہ ہوا، حتی کہ انتقال کر گئی، یہ شیخ کی برکت تھی۔

لطائفِ قدوسی میں ہے کہ اخیر عمر میں جب شیخ محمدؒ کو مرضِ موت لاحق ہوا اس وقت آپ نے اپنے فرزند کلاں شیخ بدھ کو یاد فرمایا، حاضرین نے بتایا کہ وہ تو شیخ عبد القدوس صاحبؒ کے پاس گئے ہوئے ہیں، کہ ایک دم شیخ کی روحانیت شیخ عبد القدوسؒ پر متوجہ ہوئی اور حکم دیا کہ فوراً شیخ بدھ کو لے کر میرے پاس پہونچو! حکم کی تعمیل میں فوراً روانہ ہوئے، جب ردولی پہنچے تو شیخ محمدؒ بالکل قریب الوصال تھے، اس وقت فرمایا کہ سبحان اللہ! فہم کردم فہم کردم (سمجھ گیا سمجھ گیا) شیخ عبد القدوسؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیا مردانِ خدا کی ہوشیاری کا وقت ہے؟ فرمایا الحمد للہ سوائے ذاتِ حق کے کوئی چیز دل میں نہیں سماتی، توحیدِ مطلق حاصل ہوگئی جس کیلئے زندگی بھر محنت ومجاہدہ کیا تھا اور پھر اچھی طرح اٹھے اور خرقۂ خلافت اور جملہ امانات پیرانِ طریقت کی، مع اسم اعظم شیخ عبد القدوسؒ کو مرحمت فرمایا اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

شیخ عبدالقدوسؒ نے عرض کیا کہ حضرت سے مفارقت کیسے برداشت ہوگی اور یہاں کیسے رہا جائے گا؟ فرمایا کہ تجھ کو کچھ اندیشہ وفکر نہیں کرنا چاہئے، تو بلاشبہ اولیاء اللہ کے گروہ میں سے ہے، تو میری جگہ ہے، تو جہاں رہے گا میری دعائیں تیرے ساتھ رہیں گی، اور مزید فرمایا کہ میں اپنے فرزند کو تمہارے سپرد کرتا ہوں جب تم اپنے وطن واپس ہونے لگو تو اسرارِ باطنی سے اس کو آگاہ کردینا اور مشائخِ چشتیہ کی امانات سے نواز دینا تاکہ یہ میری جگہ سنبھال لے، یہ وصیت فرماکر ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۳ء کو شیخ محمدؒ کی زبان مبارک سے ''حق حق'' نکلا اور واصل بحق ہوکر جان جان آفریں کے حوالے فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور اس طرح ؎ مدتوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

شیخ محمدؒ روحانیت کے بادشاہ تھے، ان کا کمال سمجھنے کے واسطے یہ ہی کافی ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ جیسے عظیم المرتبہ انسان نے مرید بن کر ان سے فیوض روحانیت حاصل کئے اور کمالات پر فائز ہوئے، انکے حالات ''تاریخ مشائخ چشت'' میں بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

تذکرہ شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

اب شیخ عبدالقدوسؒ کے روحانیت کے مرجع وماوٰی، اس کمال عظیم کے حصول میں ان کے اصلی مربی ومرشد حضرت شیخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ ردولوی کے مختصر حالات بھی ملاحظہ کرتے چلئے، ان کے تفصیلی حالات اگر دیکھنے ہوں تو خود شیخ عبدالقدوسؒ کی تصنیف ''انوار العیون'' کو دیکھئے! جو شیخ احمد عبدالحقؒ کے حالات سے بھری ہوئی ہے۔

مؤلف نے بڑی عمدگی اور محبت کے ساتھ شیخ احمد عبدالحقؒ کے حالات اور کشف وکرامات کو ذکر فرمایا ہے۔

نام ونسب

شیخ کا اصل نام احمد تھا مگر کلمۂ حق کا اس قدر تکرار رہتا کہ ہمہ وقت زبان سے حق نکلتا تھا، اس وجہ سے عبدالحق پکارے گئے اور اسی نام سے شہرت پائی۔

فخر المحدثین، امام العلماء والصوفیاء شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں کہ شیخ احمد عبدالحقؒ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید تھے درویش اور صاحب عشق واستغراق تھے، خرق عادات وکرامات ان سے بہت ظاہر ہوتی تھیں، صاحب ذوق وفکر، جذب قوی، نظرِ مؤثر اور تصرف غالب رکھتے تھے۔

ولادت باسعادت

شیخ احمد عبدالحقؒ کی ولادت باسعادت ۲۹ے ھ میں قصبہ ردولی میں ہوئی اور مزار بھی وہیں ہے، یہ سن کر انتہائی قلق وافسوس ہوا کہ آج کل لوگوں نے صاحب مزار کو معبود بنالیا ہے کوئی رکوع، کوئی سجدہ، کوئی طواف اور کوئی منتیں مانگتا ہے، ان سب بدعات سے یہ حضرات اکابر پاک تھے، خود بھی اللہ والے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت ومحبت سکھاتے تھے، ان بدعات وخرافات کی ان بزرگوں نے کبھی تعلیم نہیں دی یہ سب شرک وکفر والے اعمال ہیں، اللہ پاک فہمِ سلیم، عقل کامل عطا فرمائے! آمین۔

شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ کے چند واقعات

سات برس کی عمر میں تہجد

شیخ احمد عبدالحقؒ کی عمر مبارک جب سات سال تھی تو آپ کی والدہ ماجدہ جو مستقل طور پر تہجد پڑھتی تھیں، ان کے پاس سے چپکے چپکے خود بھی اٹھتے اور نماز تہجد ادا

فرماتے کہ والدہ کوخبر نہ ہوتی تھی، ایک بار اسی طرح نماز ادا فرمار ہے تھے کہ والدہ محترمہؒ کو خبر ہوگئی، شفقت ومحبت میں والدہ نے اس سے منع فرمایا کہ ابھی تمہاری عمر نہیں ہے بعد میں کرلینا، مگر خدا کے عشق ومحبت کی کیفیت آپ پر غالب تھی آپ نے خیال کیا یہ والدہ روحانی ترقی میں حارج بن گئیں لہذا مجھ کوراہ خدا میں گھر بار ترک کر کے نکل جانا چاہئے، چنانچہ دس برس عمر تھی کہ سفر اختیار فرمایا، ایک بھائی حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے اس دور میں دہلی میں مقیم تھے جن کا نام شیخ تقی الدین تھا، وہ بڑے اونچے درجے کے عالم اور دانشمند تھے ان کی خدمت میں آگئے اور تعلیم کا قصد کیا، شیخ تقی الدینؒ نے ان کوعلوم ظاہری کا درس دینا شروع کیا مگر شیخ احمد عبدالحقؒ نے فرمایا مجھکو معرفتِ خداوندی کا علم پڑھایئے مجھکو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، تقی الدینؒ پریشان ہوکر دہلی کے دیگر علماء کے پاس ان کولے گئے تاکہ وہ ان کو سمجھائیں، شیخ تقی الدینؒ نے یہ بات ان حضرات کو بتائی کہ یہ طالب علم جو میرا ہی بھائی ہے میں اس کو پڑھانا شروع کرتا ہوں تو یہ مجھ کو رنج وتکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے معرفت کا علم پڑھایئے، شاید آپ حضرات کی نصیحت اس پر کچھ اثر کرے۔ بعض علماء یہ دیکھ کر علمِ صرف کا ایک رسالہ لائے اور ان سے کہا پڑھو تو اس پر پھر انہوں نے کہا مجھے اس سے کیا واسطہ ہے؟ معرفت کا علم پڑھایئے، سب لوگ اس پر حیران تھے بالآخر شیخ احمد عبدالحقؒ بھائی کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے کہ مقصود یہاں پورا نہ ہوگا (اخبار الاخیار رص ۲۷۰)۔

لطیفہ

ایک بار بھائی نے علمِ نحو کی کتاب شروع کرائی اس میں ضرب زید عمرواً آیا، بھائی

صاحب سے جو استاذ صاحب تھے معلوم کیا کہ واقعی مارا ہے تو ظلم ہے، خطا ہے اور فرضی مثال ہے تو کذب و بہتان ہے، میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں ظلم اور جھوٹ کی تعلیم ہو۔

قصۂ نکاح

مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ کے بھائی شیخ تقی الدینؒ نے چاہا کہ ان کی شادی کریں، چنانچہ انہوں نے انکا رشتہ بھی کر دیا، شیخ احمد عبدالحقؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو لڑکی والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جس لڑکے سے تم نے اپنی لڑکی کا رشتہ کیا ہے وہ نامرد ہے اس کو اپنی لڑکی نہ دیں، شیخ علیہ الرحمہ کی مراد یہ تھی کہ مکمل اللہ والا نہیں ہے لہذا کامل مرد کہاں، گویا نامرد ہے۔

خلق اطفال اند جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

ساری مخلوق اطفال ہیں، نہ بالغ ہیں، سوائے خدا کے دیوانہ کے، اور کوئی اس وقت تک بالغ نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اپنے نفس کی خواہشات سے رہائی نہ پالے، اپنی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، جب تک نفس سے مغلوب ہے کہ جو جی چاہے کرلیا اور اللہ کا فرمان توڑ ڈالا تب تک وہ بالغ نہیں ہے، اسی واسطے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست کہ ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

جب تک خواہشات زندہ اور تازہ ہیں ایمان زندہ و تازہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے دروازہ کا تالا ہی خواہشات ہیں، انمیں گرفتار ہوا تو تباہ و برباد ہو جائے گا۔

شیخ علیہ الرحمہ کی مراد یقیناً یہی تھی مگر ظاہری معنی مراد لیکر انہوں نے رشتہ ہٹا لیا۔ شیخ احمد عبدالحقؒ کا مقصد یہ تھا کہ ابھی مزید ریاضت و مجاہدہ و تزکیۂ نفس کرلوں پھر نکاح کروں گا ورنہ اس میں خلل واقع ہو جائے گا، اس لئے شیخ احمد عبدالحقؒ نے منع فرمایا بعد میں اتباعِ سنت میں نکاح فرمایا اور بڑے بڑے صلحاء، اولیاء اللہ شیخ کی اولاد میں پیدا ہوئے، یہ اسی کا ثمرہ تھا۔

سات اذانیں

ایک بار شیخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ دورانِ سفر ایک مسجد میں پہنچے، جمعہ کی شب تھی، اس محلّہ میں مسلمانوں کا دستور یہ تھا کہ سات اذانیں کہا کرتے تھے انہوں نے اس کی وجہ معلوم کی کہ اس تکرار سے کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ اگر شبِ جمعہ کے اندر سات اذانیں دی جائیں تو خدا تعالیٰ اس شہر سے بلائیں اٹھا دیتا ہے، شیخ نے فرمایا جو کوئی شخص خدا کی پرستش کرے اور پھر وہ اس کی بلاؤں سے بھاگے تو وہ پھر اپنا بندہ ہے خدا کا بندہ نہیں ہے۔

نیز فقہی طور پر بھی سات اذانوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ دفعِ بلایا کے لئے دعائیں کرنا رسولِ پاک ﷺ سے بیشک ثابت ہے۔

اگرچہ شریعت مطہرہ کے نزدیک مصائب وشدائد سے حفاظت کرنا اور اس کی دعا مانگنا نہ صرف جائز بلکہ مامور ہے، لیکن احوال الگ الگ ہیں، بعض حضراتِ اہل اللہ عارفینِ حق کی نظر بہت بلند پرواز ہوتی ہے وہ انسان کو دوسرے مقاماتِ محمودہ عالیہ کی بھی سیر کرانا چاہتے ہیں اور یہ مقام ہے مقام صبر ورضاء، مولیٰ کریم کی رحمت دو قسم پر ہے: ایک وہ کہ ظاہر میں اس کا رحمت ہونا ہر شخص کی فہم میں آتا ہے اور ایک بصورت مصیبت، دوسری تعبیر یوں کرلی جائے کہ رحمت بصورت رحمت، رحمت بصورت زحمت ہے کہ اللہ سبحانہ وتقدس رحیم وکریم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہیں، تو مصائب حکمت اور انسانی مصالح سے کیوں کر خالی ہوسکتے ہیں اور وہ کیونکر اس کی رحمت کے خلاف ہوں گے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بیماری کی صورت میں والد اپنی اولاد کی تھوڑی پریشانی جس سے کہ بڑی پریشانی دور ہوجائے بخوشی برداشت کرلیتا ہے، ایسا ہی حال حضرات اہل اللہ کا ہے

کہ وہ مصائبِ ظاہریہ کو آفاتِ اخرویہ سے نجات کا ذریعہ گمان کرتے ہیں، حدیث شریف میں ہے عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ مایزال البلاء بالمؤمن والمؤمنۃ فی نفسہ وولدہ حتی یلقی اللہ وماعلیہ خطیئۃٌ (ترمذی ج۲/ص۶۵) یعنی مؤمن اور مؤمنہ کو جو بلائیں اس کی جان، اولاد، مال میں آتی ہیں وہ سب گناہ کو ختم کردیتی ہیں یہاں تک کہ جب اللہ پاک سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

میرے حضرت شیخ العارفین حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ ''عرفانِ محبت'' میں فرماتے ہیں۔

ہر حال میں اللہ کی مرضی پہ ہو راضی — تو دنیا ہی میں رہ کر جنت کا مزہ دیکھ

عارفین کو مصائب وشدائد میں وہ لذت نصیب ہوجاتی ہے جو اوروں کو لذائذ میں نصیب نہیں ہوتی۔

ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

جو کچھ دوست کی طرف سے پہنچتا ہے بہتر ہے۔

اگرچہ بظاہر وہ اندوہگیں بھی نظر آئیں مگر تب بھی نہ صرف مسرور بلکہ شرابِ محبت کے نشہ میں مخمور رہتے ہیں، شیخ ومحبوب حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

بظاہر دیکھتے ہیں آپ یوں اندوہگیں مجھ کو — بحمد اللہ میں مسرور ہوں مخمور ہوں ہر دم
دوست کی جانب سے جو پہنچے بلا — وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم

شیخ احمدؒ کا اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دینا اور شیخ کا امتحان لینا

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کبیر الاولیاء شیخ جلال الدین پانی پتیؒ خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی خدمت میں چلے، جو اپنے وقت کے مشائخ چشتیہ میں بڑے عظیم المرتبہ، عالی قدر ومنزلت اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے، پانی

پت میں اس قطبِ زماں کا وجود باجود طالبینِ روحانیت کے لئے ایک عظیم وجلیل نعمت بنا ہوا تھا، ہزاروں افراد اس دکانِ معرفت سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق مئے توحید، شرابِ معرفت، انوارِ الٰہیہ، علومِ روحانیہ اور معارفِ ربانیہ حاصل کرر ہے تھے، کہ شیخ احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے الہامِ غیبی کے ساتھ اس مرکز کی طرف متوجہ فرمایا، ادھر شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء، قدس سرہ پر آپ کی حاضری منکشف ہوگئی، شیخ جلال الدینؒ نے بغرض امتحان اپنے خدام کو حکم دیا کہ دسترخوان آج کا نہایت وسیع اور پر تکلف ہونا چاہیئے، مختلف اقسام وانواع کے کھانے، ہر قسم کی مشروبات ومطعومات لائی جائیں، حتیٰ کہ بعض منہیات بھی دسترخوان پر رکھی جائیں اور چند عمدہ قسم کے گھوڑے زریں زینوں کے ساتھ آراستہ ومزین کرکے خانقاہ کے دروازہ پر باندھ دیئے جائیں، شیخ جلال الدینؒ کا حکم تھا سارے ہی انتظامات مکمل کر لئے گئے۔

شیخ عبدالحقؒ حاضر ہوئے خلاف توقع وامید دنیوی جاہ وجلال عیش وعشرت کے اسباب کروفر کا مشاہدہ ہوا، دل میں خیال آیا کہ اس شیخ کو ولایت وبزرگی سے کیا تعلق ہے یہ تو بالکل دنیا دار آدمی معلوم ہوتا ہے، دسترخوان اور یہ جملہ امور دیکھ کر بلا بیعت رخصت ہوکر چل دیئے، تمام دن چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہوگئی، ایک شہر کے کنارے پر پہنچے، معلوم کیا کہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ پانی پت ہے، سخت تعجب ہوا اور راستہ بھولنے کی کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی، سخت متحیر تھے، دوسرے تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی کہ دن بھر چلتے گذرتے پھر وہی پانی پت نظر آتا، ایک دن پریشانی میں ایک سفید ریش سے ملاقات ہوئی اس سے راستہ معلوم کیا، اس نے جواب دیا کہ تم راستہ شیخ جلال الدین کے یہاں گم کر آئے ہو، متحیر ہوئے آگے چلے تو دو شخص ملے ان سے راستہ معلوم کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا،

اب کیا تھا کہ حقیقت سے واقف ہو گئے پھر پختگیٔ اعتقاد کے ساتھ خانقاہ کا عزمِ مصمم کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ریاضت کے بعد اس دولت عظمی خلافت وولایت سے آراستہ ہو گئے (تاریخ مشائخ چشت رص ۱۸۸)۔

شیخ احمد عبدالحقؒ کا استغراق

مخدوم العالم شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ پر کثرتِ ذکر قلبی کی وجہ سے استغراق کا یہ عالم تھا کہ ماسوا اللہ سے بالکل مستغنی ہو کر کمالِ فنائیت اور عبدیتِ تامہ پر فائز ہو چکے تھے جیسا کہ چند نمونے سابق میں پیش کیے گئے ہیں، محویت اس قدر تھی کہ ایک زمانۂ دراز تک جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جاتے تو خادم حضرت اقدس کا ''حق حق'' پکارتا ہوا آگے آگے چلتا تھا، اس طرح حضرت احمدؒ مسجد پہنچتے مگر اس سارے زمانے میں حضرت شیخ کو مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا، ہمارے قریب کے اکابر میں اس طرح کا استغراق حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند پر کبھی کبھی طاری ہو جاتا تھا بقول حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت تھانویؒ کے ایک بار پرچہ کے آخر میں اپنا نام لکھنا چاہا مگر نام یاد نہ آیا کہ میرا نام کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ باتیں سن کر اور پڑھ کر وہ لوگ تعجب کریں جو ہر وقت دنیا کی خرافات میں مشغول رہتے ہیں، لیکن خود دنیا میں مشغول رہنے والے ایسے بھی بہت سے ہیں کہ اپنے کاروبار اور دنیوی خرافات میں لگ کر بہت سی چیزیں ان کو یاد نہیں رہتی، اسی کا نام استغراق ہے، اگر اولیاء اللہ کو یادِ حق میں لگ کر دنیا ومافیہا سے غفلت ہو جائے تو یہ حیرت کی کونسی بات ہے؟ آپؒ ۱۷ ر جمادی الثانی ۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۴ء کو بعمر ۱۰۸ ر سال اپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور ردولی ہی میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کا عقدِ مسنون

درمیان میں حضرت کے بعض مشائخ کا ذکر آ گیا تھا اب حضرت کے احوال کی طرف عود کرتے ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہ پر ابتدائے دورِ شباب ہی سے تبتل اور خلوت نشینی وانقطاع کا بے حد غلبہ تھا جس کی وجہ سے تفرید وتجرید اور نکاح سے علیحدگی پسند فرماتے تھے، نکاح کرنے کو اپنی عبادت وریاضت، مجاہدہ وکیفیاتِ روحانیہ میں حارج خیال فرماتے تھے، اور بھی بعض حضرات صوفیاء واہل اللہ کا یہ حال تھا، جیسا کہ شیخ احمد عبدالحقؒ کے حالات میں گزرا کہ وہ اپنے آپ کو شروع میں نکاح وغیرہ کے معاملات سے اس لئے دور رکھنا چاہتے تھے کہ پہلے ان کے اندر ذکر وفکر کی کیفیات، اللہ کے عشق ومحبت کے جذبات پورے طور پر راسخ ہو جائیں، بعد میں انہوں نے نکاح کیا، اسی طرح کی کچھ کیفیت شیخ کی تھی کہ آپ بھی یہی سمجھتے تھے پھر بعد میں اتباعِ سنت میں نکاح کیا، کیونکہ اگر عشقِ الٰہی کا تقاضہ وہ ہے تو عشقِ محمد ﷺ کا تقاضہ یہ ہے کہ راہِ عشق میں محبوبِ خدا ﷺ کو کامل اسوہ اور نمونۂ عمل بنایا جائے اور اپنی طبیعت پر اس کو مقدم رکھا جائے کہ معیارِ محبت وقبولیت یہی ہے اور یہی ساری غوثیت اور قطبیت ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید! کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت والا، محبوب رب العالمین سید الاولیاء والمقربین امام الانبیاء والمرسلین فداہ ابی وامی ﷺ کی ایک مرغوب سنت کو ترک فرماتے جس کے متعلق آپ نے خود قولاً وعملاً ترغیب وحکم دیا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ ارشادِ نبیؐ ہے اِذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین

فلیتق اللہ فی النصف الباقی (مشکوٰۃ رص ۲۶۸ رج ۲)۔

اس حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندۂ مؤمن نکاح کر لیتا ہے تو گویا اس نے آدھا دین مکمل کرلیا، اب چاہئے کہ باقی میں اللہ پاک سے ڈرتا رہے، دیکھئے اس حدیث شریف میں نکاح کو نصف دین فرمایا ہے جس سے نکاح کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اور کہیں فرمایا رسول پاک علیہ السلام نے **اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح** (ترمذی رص ۱۴۴ رج ۱)۔

یعنی چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: مسواک کرنا، عطر لگانا، حیاء کرنا اور نکاح کرنا، اور بعض روایات میں ختنہ کا بھی ذکر ہے۔ نکاح کی فضیلت پر بہت سی روایات ہیں۔

پھر نکاح کثیر فوائد پر مشتمل ہے، امام غزالیؒ نے ''اِحیاء العلوم'' میں فرمایا ہے نکاح پانچ بڑے بڑے فوائد پر مشتمل ہے (۱) کسرِ شہوت (۲) پاکیزگی نفس (۳) تدبیر منزل (۴) زیادتی خاندان (۵) مجاہدۂ نفس، پھر ان میں سے ہر ایک متعدد قسم کے فوائدِ عظیمہ پر مشتمل ہے، الغرض اتنے فضائل اور فوائد کے ہوتے ہوئے شیخ علیہ الرحمہ جیسا متبع سنت شخص اس کو ترک کرے، یہ کیسے ہوسکتا تھا، اس وجہ سے حضرت نے اس پر بھی عمل فرمایا چنانچہ شیخ محمد عارفؒ کی صاحبزادی (بی بی مریم) سے نکاح فرمایا جن سے دس اولاد پیدا ہوئیں جن کا تذکرہ آگے کسی مقام پر انشاء اللہ العزیز آئے گا۔

اہلیہ محترمہ

طیبات، طاہرات، صالحات، قانتات میں سے تھیں تقویٰ وطہارت شریعت سے واقفیت، خاندانی ماحول کی برکت سے حصہ میں آئی تھیں، تلاوتِ قرآن کا خاص اہتمام کرتی تھیں تہجد واشراق، چاشت واوابین ان کا معمولِ زندگی تھا، جملہ طاعات پر

مداومت کرتی تھیں، عابدہ، زاہدہ تھیں سچ فرمایا گیا الطیبات للطیبین۔

ہجرت اور اس کے اسباب

قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً (سورۂ نساء) جو شخص اللہ کے راستے میں وطن چھوڑے گا تو دوسرے علاقہ میں اس کو منافع کثیرہ اور وسعت وفراخی میسر آئے گی۔

جیسا کہ سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ کا وطنِ اصلی ردولی ہے جو ضلع بارہ بنکی میں واقع ایک قصبہ ہے، یہیں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے شیخ بھی اسی قصبہ کے ساکن تھے، خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہر ہر کام میں بے حد وحساب ہیں، آپ کے فیوض وبرکات کو مختلف النوع ظروف میں تقسیم کرنا تھا، متعدد مقامات کے لئے آپ کی برکات کا حصہ روزِ ازل سے مقدر ہو چکا تھا، جس طرح متعدد انبیاءؑ واولیاءِ کرامؒ نے اپنا وطن ترک کر کے دوسرا وطن بنایا جس کے بعد ان کو مزید ترقیات دنیوی ودینی حاصل ہوئی تھیں اس سنت پر بھی عمل کرانا مقصود تھا، اس واسطے ایسے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے جن کی وجہ سے وطن کو ترک کرنا پڑا اور وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔

مختصر طور پر یہ کہ سلطان بہلول لودھی کا بیٹا شہزادہ نظام جب تخت نشین ہوا جس نے اپنا نام سلطان سکندر رکھا، تو اس دور میں قصبہ ردولی کے حالات خراب ہوئے ہندوستان کے اکثر مقامات پر کفار کا غلبہ ہو گیا تھا، ردولی میں بھی کافروں کی عمل داری ہو گئی، شعائر اسلام ختم کیے جانے لگے بازاروں میں خنزیر کا گوشت فروخت ہونے لگا جس کی وجہ سے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، سلطان سکندر نظام کے دور میں عمر خاں ایک دیندار شخص تھا جو اسکے باپ کے دور میں وزیر بھی تھا، وہ شیخ علیہ

الرحمہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ ہمارے یہاں شاہ آباد میں قیام فرمائیں تو میری سعادت ہوگی، چنانچہ اس کی درخواست پر شیخ علیہ الرحمہ ردولی سے شاہ آباد منتقل ہوگئے اور ردولی میں آپ کا قیام پینتیس برس رہا تھا۔

شاہ آباد جو پنجاب میں ہے حضرت اقدسؒ یہاں آکر مقیم رہے اور بڑے سکون سے رہتے رہے حتی کہ عمر شریف کے تقریباً پینتیس سال یہاں بھی گزرے، یہیں حضرت شیخ مولانا رکن الدین اور دیگر صاحبزادگان کی پیدائش ہوئی اس کے بعد سخت طوائف الملوکی کا طوفان چھایا، افغان بادشاہ رخصت ہوئے اور تختِ سلطنت پر مغل فرمانروا بابر متمکن ہوا تو اس دور میں شاہ آباد کے حالات خراب ہونے شروع ہوگئے، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا بہت سے علماء وصلحاء قتل کردئے گئے، بہت سے علمی کتب خانے جلادئے گئے، شیخ عبدالشکورؒ جو حضرت شیخ محمد عارفؒ کے صاحبزادے تھے، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دنیا پر یہ مصیبتیں آرہی ہیں دعا فرمادیجئے درگاہِ الٰہی میں متوجہ ہوکر التجا فرمایئے تاکہ حق تعالی کی مرضی معلوم ہوجائے، حضرت اقدس شیخؒ نے فرمایا کہ مصائب ونکبات سے انبیاء بھی مستثنی نہیں بلکہ سب سے شدید تر مصائب انہیں پر واقع ہوئے ہیں لہذا ہم تم کیا حیثیت رکھتے ہیں، حضرت نے دیکھ لیا، کہ عالم پر خدا تعالی کے قہر کی تجلی عام ہورہی ہے۔ دیکھئے لطائف قدوسی رص ۷ ۶۔

الغرض جب یہاں کے حالات بھی خراب ہوئے تو گنگوہ اور اس کے نواح میں اس وقت عامل ملک عثمان مقرر تھے، وہ پہلے بھی چاہتے تھے کہ شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہ تشریف لے آئیں آپ کی خاطر انہوں نے خانقاہ ومکانات تعمیر کرادیئے تھے، اب جب کہ حالات مزید خراب ہوگئے تو انہوں نے حضرت اقدسؒ سے درخواست کی کہ گنگوہ منتقل

ہو جائیں تو بندہ کی سعادت ہوگی۔

چنانچہ اس عامل کی درخواست پر حضرت شاہ آباد ترک فرما کر گنگوہ تشریف لے آئے پھر آخری عمر تک یہیں مقیم رہے، اس طرح پینتیس برس ردولی میں پینتیس برس شاہ آباد میں اور چودہ برس گنگوہ میں گزرے، کل عمر ۸۴ برس ہے۔

(تذکرہ اولیاء ہند رص ۸۷ ا روتاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۹)

ریاضت ومجاہدہ

قرآن پاک میں جگہ جگہ مجاہدۂ نفس کی تعلیم دی گئی ہے، بہت سے واقعات خدائے عزوجل کی راہ میں مشقت برداشت کرنے والوں کے موجود ہیں، حدیثِ پاک میں بے شمار واقعات مجاہدات کے ملتے ہیں، رحمتِ عالم ﷺ کی ساری حیاتِ مبارکہ مجاہدات پر مشتمل ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اور بعد کے علماء صلحاء، صوفیاء، فقراء، فقہاء ومحدثین کے ہزاروں واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں، اہل اللہ کی زندگی کا یہ ایک اہم جزو ہے اس لئے ریاضت ومجاہدہ کی مختصر سی کیفیت شیخ علیہ الرحمہ کے متعلق لکھنے سے قبل ضروری ہے کہ اس موضوع پر روشنی ڈالی جائے تاکہ آج کے اس دور میں اگرچہ سابقین جیسے مجاہدات تو ہر شخص کی طاقت سے خارج ہیں کچھ نہ کچھ حاصل کر کے ہی وہ اپنی زندگی کو کامیاب کر سکے بقول حضرت تھانویؒ کے سارے دین کا خلاصہ ہی مجاہدہ ہے۔

لغت کے اعتبار سے مجاہدہ بمعنی مشقت ہے اور اصطلاح تصوف میں مجاہدہ نفس کی مخالفت کا نام ہے جس میں مشقت ہی مشقت ہے، چونکہ نفس سہولت وآرام کا خواہش مند ہے، قیدِ شرع اور خدائی احکام طبعاً اس پر گراں گزرتے ہیں جس کی وجہ سے اعمالِ شرعیہ

اس پر شاق ہوتے ہیں، اس لئے شرع متین کا ایک نام تکلیف بھی ہے اور احکام بھی اور احکامِ شرعیہ کو احکامِ تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلف کہتے ہیں، گو یہ تکلیف حقیقت میں باعث راحت ہے مگر ہر شخص اس راز کو نہیں سمجھ سکتا البتہ خواص امت سمجھتے ہیں، عوام کو دین پر چلنے میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ دین متین واقعی دشوار ہے، انسانی طاقت سے باہر ہے اگر ایسا ہوتا تو سب کے واسطے ایسا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ خواص کو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ دشواری کسی اور عارض کی وجہ سے ہے، دین کی دشواری کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس آزادی کا خوگر ہے اور قید دینی اس پر بھاری ہوجاتی ہے اس لئے احکام شرعیہ اس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں، دنیوی قانون میں اس سے زائد قیدیں ہوا کرتی ہیں پھر بھی لوگ ان کو بھاری نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ انکے فائدے نقد حاصل کرتے ہیں۔

مجاہدہ کی اقسام

مجاہدہ دو قسم کا ہے: ایک قسم کا تعلق تروک سے ہے یعنی جو چیزیں قابل ترک ہیں اور دوسری قسم وہ جن کا تعلق ادائیگی سے ہے، معاصی تو سب کے سب از قبیل ترک ہیں مثلاً زبان کا گناہ، دل کا گناہ، کان، ہاتھ، پیر اور دیگر اعضاء کا گناہ سب واجب ترک ہیں اور دوسری قسم طاعات ہیں، پھر طاعات دو قسم پر ہیں۔

(۱) واجبہ (۲) مستحبہ۔ یہ دونوں قابلِ عمل ہیں اور دونوں کا بجالانا مجاہدہ ہے بلکہ غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعات مستحبہ کا بجالانا زیادہ مجاہدہ ہے، پھر ہر مجاہدہ بھی وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ہی مجاہدہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوگا جو شریعت کے موافق ہوگا، کیونکہ مجاہدہ تو جوگی (غیر مسلم سادھو سنت) بھی کرتے ہیں وہ سب کا سب بیکار ہے اگر چہ

اس سے کچھ دنیوی فائدے اٹھالیں، مسلمانوں کو سہل سے سہل مجاہدوں میں جو تقرب الی اللہ نصیب ہوتا ہے وہ ان کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے! بلکہ ایسے لوگ عام کفار سے بھی زیادہ صراط مستقیم سے دور ہٹتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کمالات کو اپنے لئے کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ منجانب اللہ ڈھیل ہے، استدراج ہے جو ان کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

مجاہدہ کے چار ارکان

(۱) تقلیلِ طعام (۲) تقلیلِ منام (۳) تقلیلِ کلام (۴) تقلیل اختلاط مع الانام۔

ان میں سے ہر چیز کی زیادتی روحانی اور باطنی ترقی کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے، محققین علماء وصوفیاء نے ان کے مضرات ونقصانات پر مفصل گفتگو فرمائی ہے، یہاں خلاصۃً چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

(۱) زیادہ کھانا انسان کے لئے معدہ کی خرابی اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے، جس کے بعد نیند بھی زیادہ آتی ہے جس کی وجہ سے عمل، ذکر اللہ، اور دیگر عبادات میں غفلت ہو جاتی ہے۔

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب بھیجا کہ یہ مدینہ والوں کا علاج کرے گا، آپؐ نے اس کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگوں کو طبیب کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہم بغیر بھوک کے نہیں کھاتے اور بھوک چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں۔

(۲) زیادہ سونے کے نقصانات پر کلام فرماتے ہوئے محققین نے فرمایا کہ اس سے بلادت وبے وقوفی بڑھ جاتی ہے جس سے قوتِ فکریہ کم ہو جاتی ہے اور امور انتظامیہ میں خلل پڑتا ہے، ایسے شخص کو پابندیٔ احکام کبھی حاصل نہیں ہوتی حالانکہ یہ کام انتظام ہی سے درست ہو سکتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۳) زیادہ بولنے کے نقصانات میں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ عموماً کذب

بیانی سے محفوظ نہیں رہتے، چونکہ ایسے شخص کے لئے ہر بات سوچ کر کرنا مشکل ہوتا ہے غیبت وبدگوئی میں کثرت کے ساتھ مبتلا ہوجاتا ہے، کثرتِ کلام سے دل میں ظلمت پیدا ہوجاتی ہے، نور ختم ہوجاتا ہے جس کے بعد کسی بھی معصیت میں مبتلا ہوجانا بعید نہیں ہے کیونکہ ساری طاعتوں کا مدار ہی حیاتِ قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نورِ قلب سے ہی ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت وظلمتِ قلب ہے (ماخوذ از مواعظ حضرت تھانویؒ)۔

(۴) زیادہ میل جول میں آدمی کا اکثر وقت ضائع ہوجاتا ہے جس سے بہت سے ضروری مشاغل اور امورِ دینیہ میں خلل واقع ہوتا ہے اس میں اکثر وبیشتر غیبت وبدگوئی میں آدمی مبتلا رہتا ہے، کثرتِ اختلاط سے باہم دوستی ہوجاتی ہے جو بعض اوقات دشمنی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے، بسا اوقات انسان کے بہت سے دشمن وہ ہوتے ہیں جو ایک زمانہ میں اس کے دوست رہ چکے ہوتے ہیں اور اسکے راز سے واقف ہوجاتے ہیں اس لئے اگر دشمنوں کی تعداد کم کرنی ہو تو دوستی کم کرنی چاہئے، یہ تمام مجاہدات کی تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ حضرت شیخ نے یہ سب قسم کے مجاہدات کئے تھے اور اپنی خانقاہ میں اپنے مریدوں سے بھی یہ سب مجاہدات کرایا کرتے تھے، اس لئے حضرت کے یہاں آنے والے لوگ مجلّٰی ومزکّٰی ہوکر نکلتے تھے اور آج جب کہ خانقاہوں میں یہ سب چیزیں مفقود ہوتی جارہی ہیں اسلئے وہ فوائد ظاہر نہیں ہورہے ہیں جو ہونے چاہئیں خانقاہوں میں آنے والے اور مدرسوں میں پڑھنے والے بھی آرام وراحت کے طلب گار ہوتے جارہے ہیں اگر آرام وراحت ملنے کے بعد بھی کچھ کرلیں تو غنیمت ہے، مگر ایک طبقہ کا مقصود ہی جب یہ بن جائے کہ آرام وراحت ہی ہو اور اپنے مقصد سے غافل ہوکر خرافات میں لگ جائے تو پھر سوائے حسرت وافسوس کے کیا ہوسکتا ہے؟۔

اکابر فرماتے ہیں کہ اس راہ سلوک میں خاموش رہنا اور شب بیداری کرنا درکار ہے، قلتِ طعام اور مخلوق سے گوشہ نشینی کرنے کی ضرورت ہے تا کہ معرفت کا کوئی در کھلے:

جان بدہ، جان بدہ، جان بدہ　　　　فائدہ در گفتن بسیار چیست

جان دے دو، جان دے دو، جان دے دو

زیادہ کچھ کہنے میں کیا فائدہ ہے

(درالمعارف)

حضرت شیخ عبدالرزاق صحائف معرفت میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: راہ سلوک کے سالک کو چاہئے کہ وہ سال بھر میں ایک چلہ ضرور کرے اور اس میں طلب رضائے حق کی نیت سے اپنے وقت کو عبادت الٰہی میں گزارے، تلاوت اور ذکر اللہ میں صرف کرے اور زیادہ کھانے پینے اور سونے سے پرہیز کرے مختصر طعام پر اکتفا کرے اور نظر کان زبان کی تمام خرافات سے حفاظت کرے جو شخص اس طرح چالیس دن گذارے گا اس کی برکت زندگی کے تمام اوقات میں محسوس کریگا (صحائف معرفت رص ۲۰۹)۔

نماز کی عظمت اور حضرتؒ کی نماز

اسلام میں نماز کی عظمت واہمیت اور اس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار واعتراف کے بعد نماز ہی کا نمبر ہے، قرآن پاک میں بار بار نماز قائم کرنے کی ہدایت وتاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (سورۂ بقرہ) اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، راہ بتاتی ہے اپنے پڑھنے والوں کو یعنی ان لوگوں کو جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں اور

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، دیکھئے اللہ پاک نمازوں کو قائم کرنے کی تلقین وحکم فرمارہے ہیں اور انہیں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں، نیز معلوم ہوا کہ جو نماز کا اہتمام نہیں کرتے نہ وہ ہدایت پر ہیں اور نہ فلاح یاب ہوسکتے ہیں۔

نیز فرمایا گیا: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّکٰوةَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (سورۂ بقرہ) اور قائم رکھو نماز، اور دیا کرو زکوۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ۔

نیز فرمایا کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ (سورۂ بقرہ) اور مدد چاہو صبر اور نماز سے، البتہ نماز بھاری ہے مگر خشوع وخضوع کرنے والوں پر بھاری نہیں ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی رب سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اس آیت سے بھی نماز کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۰) اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور جو کچھ تم اپنی بھلائی کے واسطے آگے بھیجو گے اللہ پاک کے یہاں اس کو پاؤ گے، بیشک باری تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔

نیز فرمایا: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۳) اے ایمان والو اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہا کرو، بیشک اللہ پاک صابرین کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ

اللَّغوِ مُعرِضُونَ وَالَّذِینَ ھُم للزَّ کوٰۃِ فَاعِلُونَ وَالَّذِینَ ھُم لِفُرُوجِھِم حافِظُونَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِم اَوْمَامَلَکَتْ اَیمَانُھُم فَاِنَّھُم غَیرُ مَلُومِینَ (سورہ مومنون) تحقیق کہ کامیاب ہوئے وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں اور بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت پاک میں بھی نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنے والے کی کامیابی اور کامرانی کو واضح فرمایا گیا ہے، اب ہم لوگ ہیں کہ نمازوں کے اندر خشوع وخضوع کے بغیر دنیا اور آخرت کی کامیابیاں چاہتے ہیں۔

نیز احادیث شریفہ میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے اور کہیں علامتِ اسلام فرمایا ہے اور کہیں اس کے ترک کو کفر کے مترادف قرار دیا ہے، الغرض وعدو وعیدات کا ایک عظیم دفتر ہے اور اہتمام والتزام اور شوق وذوق سے پڑھنے والوں کے لئے فضائل وبشارات کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جس کا کچھ حصہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔

اور ایک جگہ پر حق تعالیٰ غصہ کے انداز میں فرماتے ہیں: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلوٰۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا (سورہ مریم) پھر پیدا ہوئے سلف کے بعد ایسے ناخلف کہ ضائع کر بیٹھے نمازوں کو اور پیچھے پڑ گئے غلط خواہشات کے، عن قریب ان کو ہلاکت میں جانا پڑے گا۔

نیز فرمایا: فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَاؤُوْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (سورہ ماعون) سو خرابی اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نمازوں سے بیخبر ہیں، جو نماز پڑھتے ہیں اور دکھلاوا کرتے ہیں اور گھریلو برتنے کی چیزیں بھی کسی کو نہیں دیتے، یعنی وہ لوگ جو نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے

کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے، یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں لگ کر نماز کا اہتمام نہ کیا کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں! کیا خدائے تعالیٰ ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے، ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا کہ ہم میں کہاں تک اخلاص اور خشوع کا رنگ ہے، یہ سب صورتیں آیت میں داخل ہیں، نیز اس قدر بخیل ہیں کہ زکوۃ وصدقات وغیرہ تو کیا معمولی برتنے کی چیزیں مثلاً دودھ لسّی، دیگچی، کلہاڑی اور گھر کے برتن کسی کو نہیں دیتے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا محبوب مشغلہ نماز ہی تھا، اس لئے تمام انبیاء واولیاء نے نماز سے خاص شغف وتعلق رکھا ہے اور یہ ان کی معراج ہے جس میں وہ مشغول رہتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں جبکہ اولیاء اللہ کی نمازیں حق سبحانہ وتقدس کی تجلیات وانوار کے ظہور کا موقع ہوتی ہیں، رحمت الٰہیہ کا ان پر نزول ہوتا ہے، دراصل یہ سب اس عشق الٰہی کا کرشمہ ہوتا ہے جو ان کے قلوب میں جاگزیں رہتا ہے جس سے ہر چیز میں ان کو روحانی مزہ، ایمانی لذت، عرفانی حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

لطائف قدوسی ص ۱۸ میں مرقوم ہے کہ سالہا سال تک حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے ایسی نماز ادا فرمائی جس میں کامل استغراق وانہاک اور تلاوت وتسبیحات میں زبردست قسم کی لذت حاصل ہوتی تھی، جس کی وجہ سے اللہ پاک کی معرفت ومحبت کا ایسا باب کھلتا تھا کہ ساری اشیاء کا وجود غائب ہو کر بس ایک حق جل مجدہ کا وجود باقی رہ جاتا تھا اس وقت عالمِ بقاء کا مشاہدہ ہوتا تھا اور وصالِ حق کی لذت حاصل ہوتی تھی۔

شب کے اکثر اوقات نوافل میں گزارتے اور قرأت فاتحہ وضم سورۃ کے بعد

شغل باطنی میں محو ہو جاتے اور ذکر خفی کا دوام رہتا تھا یعنی دل سے اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے تھے، قیام کے بعد رکوع وسجدہ وغیرہ میں تسبیحات سے فارغ ہو کر اسی طرح مشغول ہو جاتے تھے، بعض بعض مرتبہ ساری ساری رات اسی انداز سے گزر جاتی، سچ ہے السعید من سعد فی بطن امہ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ آپ علاوہ سنن وفرائض کے رات دن میں بکثرت نوافل پڑھتے تھے و اللہ اعلم بالصواب۔

ان واقعات میں شیخ کے نام لینے والوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے اور ہمیں اپنے حالات پر غور وفکر کرنے کا سنہرا موقع ہے، کہ ہمارے آباواجداد کیا تھے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ تہجد اور نوافل تو کیا ہم سے فرائض کی بھی ادائیگی نہیں ہو رہی ہے، نہ ہمیں اس کے اہتمام کی کوئی فکر ہے۔

ذکر اللہ کے مختصر فضائل

حضرت علیہ الرحمہ کے متعلق لکھنے سے قبل عرض ہے کہ ذکر جس کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بے شمار ہدایات، ترغیبات وتحریضات وارد ہوئی ہیں جن پر علماء ومشائخ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، چند آیات اور احادیث یہاں لکھی جاتی ہیں تاکہ ہمارے اندر بھی ذکر اللہ کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے۔

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا (سورۂ احزاب) اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب یاد کرو اور صبح وشام اس کی خوب تسبیح بیان کرو (۲) فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (سورۂ بقرہ) پس تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکرا ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو (۳) اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۂ آل عمران) وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا کیا نہیں، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے (۴) وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ (سورۂ آل عمران) اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت میں کہ عاجزی بھی اور اللہ کا خوف بھی ہو (ہمیشہ) صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو (۵) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَاناً وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (سورۂ انفال) ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی بڑائی کے تصور سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں (۶) وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ (سورۂ عنکبوت) اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے (۷) تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا کَانُوْ یَعْمَلُوْنَ (سورۂ سجدہ) ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح پر کہ عذاب کے ڈر سے اور رحمت کی امید سے، وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانہ غیب میں محفوظ ہے، جو بدلہ ہے ان کے اعمال کا

(۸) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورۂ احزاب) بیشک تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ اقدس میں بہترین نمونہ موجود ہے، یعنی ہر اس شخص کیلئے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور قیامت کے دن کی حاضری سے ڈرتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو (۹) وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (سورۂ احزاب) اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے (۱۰) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (سورۂ منافقون) اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے، اس کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں کیونکہ یہ چیزیں تو دنیا ہی میں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ کی یاد آخرت میں کام دینے والی ہے (۱۱) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (سورۂ اعلیٰ) بیشک بامراد ہو گیا وہ شخص جو برے اخلاق سے پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

اسی لئے ذکر اہلِ عشق ومحبت کا سب سے بڑا مشغلہ ہے، جس سے جتنی محبت ہوتی ہے اسی قدر کثرت سے آدمی اس کا ذکر کرتا ہے، یہی حال اللہ والوں کا بھی ہے، ذکر منشورِ ولایت ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ ذکر کی توفیق دیتے ہیں، اپنی ولایت کا تصدیق نامہ خود اس کو مرحمت فرما دیتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے یہ انسان ذاکرِ حق بن جاتا ہے اور مذکورِ حق بھی، اس سے بڑھ کر اور کیا اس کا فائدہ ہو سکتا ہے؟۔

حضرت عارف پرتاپگڈھیؒ فرماتے ہیں:

بتاؤں آپ سے کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے
دل ان کی یاد میں اور لب پہ ان کا نام ہوتا ہے
ہر وقت تیرا ذکر ہے ہر وقت تیری یاد
کچھ اور ہی عالم میں ہیں خاصانِ محبت
ذکر گو ذکر تا ترا جانست
پاکئ دل زذکر رحمٰن است

جب تک کہ جان میں جان ہے اللہ کو یاد کرتے رہو، کہ دل کی پاکی اللہ کے ذکر ہی سے ہوتی ہے۔

اللہ کے دیوانوں کو، اللہ کے سچے طالبین کو مطلوبِ حقیقی کے بغیر آرام نہیں ملتا اور وہ اللہ کے علاوہ سے انسیت نہیں رکھتے اور ہر وقت اس شعر کے ساتھ مترنم رہتے ہیں:

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام　　دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

کس چیز کے ساتھ مشغولی کو اختیار کروں کہ قلب و نظر کا یہ حال ہے کہ قلب ہمیشہ اللہ کی طلب میں اور نظر ان کے دیدار کیلئے تڑپتی ہے۔

فی الحقیقت عشق و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ دل محبوب کی یاد میں لگا رہے اور زبان اس کے نام سے تر بتر رہے اور ذکر بھی قلیل نہیں بلکہ کثیر، تبھی کچھ بات بنتی ہے اور اسی سے وصالِ حبیب حاصل ہوتا ہے، اسی لئے عشاق ذکر کو بہترین شراب تصور کرتے ہیں۔

ذِکْرُکَ للمشتاق خیر شراب　　وکل شراب دونہ کسراب

آپ کا ذکر مشتاق کیلئے بہترین شراب ہے اور ہر شراب اس کے سامنے ریت کی طرح بیکار ہے، جو دور سے پیاسے کو چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے اور قریب جانے کے بعد معلوم

ہوتا ہے کہ وہ ریت ہے، اس سے پیاس نہیں بجھ سکتی۔

یہی اربابِ سلوک کی ترقی کا زینہ ہے، یہی عشّاق کا شغل اوران کی شناخت ہے، حضرت قطبِ عالم قدس اللہ سرہ العزیز ذکرِ جہری وسرّی اس قدر کثرت کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ بعض مرتبہ عشاء کے بعد شروع کیا تو صبح کردی، صبح کو بیٹھے تو شام کردی، سوائے اوقات صلوٰۃ اور حوائج انسانیہ ضروریہ کے اور کسی وقت نہ اٹھتے، جس کی وجہ سے اس قدر غلبۂ حق ہوجاتا تھا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ نام دریافت کرتے، وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض نہ کرپاتے تھے کہ شیخ پھر مشغول ہوجاتے، اس طرح کئی کئی بار سوال وجواب کی نوبت آتی تھی، اور ہم ان کے نام لیواؤں کا یہ حال ہے کہ ہمیں ذکر وفکر، مراقبہ واستغراق کی کیفیات تو کہاں نصیب! نماز باجماعت پڑھ لیں یہ بھی غنیمت ہے، بلکہ بعضے تو ان کے نام پر ایسی بدعات وخرافات کررہے ہیں اور دوسروں کو بھی ان بدعات وخرافات (سجدہ برقبر وغیرہ) کی دعوت دے رہے ہیں جن سے ایمان کا سالم رہنا بھی مشکل ہے:

تھے وہ آباء تمہارے مگر تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو
تجھے اپنے آبا سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
(علامہ اقبالؒ)

حضرت شیخؒ کے ذکر کی کیفیت

لطائف قدوسی میں رص ۱۶ر پر لطیفہ ر۲۳ر میں حضرت قطب العالمؒ کے ذکر کی ایک خاص قسم (سلطان الذکر) تحریر فرمائی گئی ہے، یہ ذکر تمام ہی اذکار میں بہت مشکل ترین ذکر شمار کیا گیا ہے، بقول صاحب ''سیرت قدوسیہ'' اس کی پوری حقیقت تو ذاکر ہی سمجھ سکتا ہے اتنا سمجھ لیا جائے کہ اس ذکر میں اس قدر استیلاء وغلبہ ذاکر پر ہوجاتا ہے کہ

اس میں استغراق کامل ہو جاتا ہے جس کی عجیب صورت وہیبت ہوتی ہے، ایسی حالت میں انسان کے حواس معطل و مضمحل ہو جاتے ہیں اور ان کا تعلق عالمِ ملاء کے ساتھ ہو جاتا ہے، یہ حالت سخت حالت ہوتی ہے مگر ذاکر کو اس میں عجیب لذت ولطف آتا ہے، اسی میں اس کو فناء الفناء پیش آتا ہے، ان سطور کو لکھنے کے وقت خوش قسمتی سے ''مکتوبات قدوسیہ'' پر نظر پڑگئی اس میں حضرت شیخؒ نے ایک مکتوب میں جو شیخ سلطان جونپوریؒ (نزہۃ الخواطر رص ۱۰۶ رج ۲ رمیں شیخ سلطان جونپوریؒ کا تذکرہ ہے) کے نام تحریر کیا ہے، جو سلطان الذکر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے، تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جب کوئی ذاکر ذکر اللہ کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کا تمام بدن ذکر اللہ سے لبریز ہو جائے اور اس کے روئے روئے سے ذکر کی صدا نکلتی ہوئی محسوس ہو، حتی کہ اس کے اطراف در و دیوار اور درختوں کی جنبش اور ہواؤں کے جھونکوں سے بھی اس کو اسی آواز کا احساس ہو اور اس کا سینہ اللہ کی یاد سے جوش زن ہو کر بیخودی اور مستی کی کیفیت پیدا کر دے، اور اس پر غیبوبت و استغراق کی کیفیت طاری ہو جائے اور دل خطرات و وساوس سے خالی ہو جائے'' اس مقام پر راہ سلوک کے بہت ہی کم لوگ پہنچ پاتے ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ جیسے امامِ تصوف کو اس مقام پر پہنچنے میں دس سال لگے، بوالہوس تو اس مقام پر کیسے اور کہاں پہنچ سکتا ہے! یہ کام دو چار دن دس بیس چلوں سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ زندگی کو وقف کرنا پڑتا ہے، تب جا کر کچھ دولت ہاتھ آسکتی ہے۔

چوں نداری شادی از وصل یار — خیز بر خود ماتم ہجران بدار

(مکتوبات رص ۶۱)

جو حضرت شیخؒ کا حال تھا وہی تعلیم و تلقین بھی تھی اور اسی پر سارا زور آپ نے صرف فرمایا، چنانچہ اپنے ایک متعلق کو خلوت مع اللہ، ذکر و فکر اور فنا فی اللہ، بقا باللہ کی تعلیم دیتے

ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

فان الحقیقة هو الله احد، الله الصمد کیونکہ حقیقت کیا ہے، اللہ ہے، جو احد ہے اور صمد بھی، اس مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ اپنے آپ سے گذر کر عالم احدیت میں پہنچ گئے تھے "**سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً**" پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے، یہی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ مشاہدہ حق کرایا گیا اور ان کی اپنی ہستی سے نجات دلائی گئی، یعنی کون و مکاں طے کرتے ہوئے لامکاں میں پہنچ گئے، لفظِ رات سے اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ رات کے وقت شور وغل نہیں ہوتا اور خلوت کے لئے بہترین وقت ہے جب خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا

تجدنی فی سواد اللیل عبد　　　قریباً منک فاطلبنی تجدنی

اے میرے بندے! تو مجھے رات کی تاریکی میں پا اور تو مجھے طلب کرے گا تو پالے گا کیونکہ میں تیرے قریب ہوں۔

پس سالک کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اپنے سے نجات دلا کر بے خود ہو جائے اور شغل باللہ میں اس قدر کمال حاصل کرے کہ ماسویٰ اللہ کی نفی ہو جائے اور ذاتِ حق میں محو اور مستغرق ہو جائے، اور اس کام میں ہرگز ہرگز تساہل نہ کرے، باقی ہر کام کو بالائے طاق رکھ دے خواہ وہ تحصیل علم ہو خواہ ورد و اوراد سب کو ایک طرف پھینک کر گوشہ نشین ہو جائے حتیٰ کہ محویت و بے خودی طاری ہو جائے۔

رُباعی

از دل بروں کنم غمِ دنیا و آخرت	یا خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست
خواہم کہ ہیچ صحبتِ اغیار بر کنم	در باغِ دل رہا نکنم جز نہالِ دوست

میں یہ چاہتا ہوں کہ دل سے دنیاوآخرت کا غم نکال کر پھینک دوں کیونکہ خانۂ دل میں یا تو دنیا کا ساز وسامان رکھا جاسکتا ہے یا دوست کا خیال، پس اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے نکال کر دل میں صرف دوست کو جگہ دوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آں عزیز کو یہ دولت نصیب ہو، اور ایسا مقام عطا ہو کہ خلق خدا کے لئے ملجا اور ماویٰ بن جاؤ، سراجاً منیرا بنو اور قطب وقت ہوجاؤ، ان شاء اللہ العزیز، اے برادر! ہمت بلند رکھنی چاہئے اور خدا تعالیٰ اور شیخ کے سوا کسی اور طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے (ماخوذ از مکتوبات قدوسیہ رص ۳۰۸)۔

نیز ایک مقام پر لکھتے ہیں: ذکر وعبادت میں اس قدر مشغول ہونا چاہئے کہ ذکر وعبادت حیات بن جائے اور بے ذکر وعبادت موت نظر آئے، اس وقت حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ کشش پیدا ہوگی کہ ذاکر محو ومستغرق ہوجائے گا اور عالم قید واضافت سے نکل کر عالمِ اخلاق میں پہنچ جائے گا، سیر الی اللہ شروع ہوجائے گی اور وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھَا (تحقیق انتہائی مقام تیرا رب ہے) مقام ہوجائے گا اور اس کی کوئی انتہا نہیں، پھر کشف در کشف اور مشاہدہ در مشاہدہ نصیب ہوگا اور سالک کا کام بن جائے گا۔

ذکر کی اقسام

یہاں پہنچ کر ہم چند اقسام ذکر کی تحریر کردیتے ہیں تا کہ اسکا ذوق رکھنے والوں کو فائدہ پہنچے۔

سید الطائفۃ الاولیاء، طریقت کے امام حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ذکر کی چار اقسام ضیاء القلوب میں تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) ناسوتی: جیسے لا الٰہ الا اللہ (۲) جبروتی: جیسے اللہ (۳) لاہوتی: جیسے ھو ھو (۴) ملکوتی: جیسے الا اللہ۔

زبان کے ذکر کو ناسوتی، دل کے ذکر کو ملکوتی، روح کے ذکر کو جبروتی، اور ذکر سر کو

لاہوتی کہتے ہیں۔

حضرت شیخ چونکہ چشتی المشرب تھے اس لئے ذکر جہری انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح آپ کا معمول تھا، اس کے معنی یہ نہیں کہ دوسرے سلاسل سے آپ ناواقف تھے بلکہ آپ جامع السلاسل تھے اور ذکرِ قلبی بھی بکثرت کرتے تھے، لیکن چونکہ غلبہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر چشتیت کا رہا، اس اعتبار سے یہ خاندان چشتی کہلاتا ہے۔

بعض لوگ جن کو اس راستہ کی حقیقت سے کوئی واقفیت نہیں ہے ذکر جہری پر اعتراض کردیتے ہیں، حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے ایک رسالہ میں ذکر جہری پر پچاس احادیث سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ذکر جہری انفراداً ہو یا اجتماعاً درست ہے، اور مشائخ نقشبندیہ قدس اسرارہم کے یہاں جو ذکر قلبی اور دیگر لطائف سے کرایا جاتا ہے بہت ہی زیادہ نافع اور لذیذ ترین اور افضل شئے ہے اور اس کو ذکر جہری پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے، چنانچہ ذکر قلبی کے تعلق سے چند حقائق مع دلائل لکھے جاتے ہیں (۱) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۂ رعد) (خبردار اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ موجب اطمینان قلب ہے، چاہے وہ زبان سے ہو یا دل سے ہو، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ ذکر قلبی کے بعد دل کو ایک سکون ملتا ہے اس کی کیفیت ہی بالکل نرالی ہوتی ہے اور اس سے قلب کو ایک خاص قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے جو ذکر قلبی کرنے والوں کو معلوم ہے اس لئے اس آیت میں ذکر قلبی کی طرف زیادہ اشارہ ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ اگر دل کا سکون چاہئے تو دل سے ذکر اللہ کرو۔

(۲) وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطاً (سورۂ کہف) (اور آپ اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے

اوراس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے) اس آیت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص نے اپنے دل کو اللہ کی یاد میں نہیں لگایا اور اللہ سے غافل رہا تو اس کی بات ماننا غلط اور نقصان دہ ہے اور یہ کہ ایسے شخص کے اکثر معاملات حدِ اعتدال سے باہر ہوتے ہیں، یہ آیت بتا رہی ہے کہ جس شخص کا دل اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہو اس کی صحبت اور اطاعت مفید اور نافع ہے اور اس کے معاملات بھی اکثر درست ہوتے ہیں، یہ نتیجہ ہے ذکر قلبی کا، لہٰذا اس آیت سے بھی ذکر قلبی کی تعلیم اور تلقین معلوم ہو رہی ہے۔

(۳) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۂ نور) (اور اللہ والے وہ لوگ ہیں جن کو تجارت و کاروبار اللہ کی یاد سے نہیں ہٹاتا) یہاں اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندے تجارت زراعت وغیرہ میں لگ کر بھی نماز روزہ اور دیگر عبادات کا اہتمام برابر کرتے ہیں، اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ تجارت وکاروبار میں لگ کر بھی ذکر سے غافل نہیں ہوتے اور ظاہر ہے کہ وہ ذکر قلبی ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ ذکر لسانی اور ذکر جہری ہر وقت ہر حال میں مشکل ہے۔

(۴) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (سورۂ نساء) (اور یاد کرو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے بھی) یہ آیتِ کریمہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ہر حال میں ذکرِ قلبی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے (درالمعارف رص ۱۵۷)۔

فناء اور بقاء

ذکر اللہ میں لگ کر تمام چیزوں سے غفلت ہوجانا ہی کمال محبت وعشق ہے، شیخ و محبوبی عارف باللہ مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

وہی مقامِ محبت ہے حضرت احمد جہاں کوئی بھی سوا ان کے یاد نہ آسکے

نَسِیتُ کُلَّ طَرِیقٍ کُنتُ اَعرِفُہٗ　　　　اِلَّا طَرِیقًا یُؤَدِّینِی اِلٰی دِیَارِکُمْ

بھول گیا میں ہر راستہ جو میں پہچانتا تھا مگر ایک راستہ جو مجھے پہنچاتا ہے محبوب کے دیار تک۔ یہ اس کا حال ہوتا ہے اور وہ اللہ کی محبت اور عشق میں جتنے مقامات طے کرتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کے اندر اللہ کی محبت اور تڑپ بڑھتی چلی جاتی ہے اور جب وہ اوپر کو دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ابھی تو کچھ بھی طے نہیں ہوا اور جو کچھ ابھی حاصل ہوا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا، شیخ ابن الفارضؒ نے اسی کو فرمایا:

لو کانت منزلتی فی الحب عندکم　　　　ماقدرائیت فقد ضیعت ایّامی

اگر میرا مقام ومرتبہ آپ کی محبت میں یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری عمر ضائع ہوگئی کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ حسرت اور یاس ہی کرتا رہتا ہے یہی مقام فنا ہے کہ اب اس عاشق صادق کو سوائے اللہ کی محبت کے اور عشق کے نہ کچھ اور مطلوب ہوتا ہے نہ مقصود، اور اس کی زبان پر یہ ہوتا ہے جو اس شعر میں فرمایا گیا، یہی مقام فناء ہے ؎

ہر وقت تیرا ذکر ہے ہر وقت تیری یاد　　　　کچھ اور نہیں ہے یہی سامان محبت

مٹادو ہاں مٹادو اپنی ہستی تم محبت میں　　　　یہی کہتے ہیں بسطامی، غزالی اور جیلانی

اللہ کے تمام عاشقوں کا یہی حال ہوتا ہے، روتے بھی ہیں تو اللہ کی محبت میں، ہنستے بھی ہیں تو اسی کے لئے، ملاقات کرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے، آرام کرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے، الغرض زندگی کے تمام معاملات عبادات ہوں یا عادات سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورۂ انعام) بیشک میری نماز اور عبادت، جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے ان کے ساتھ کوئی

شریک نہیں ہے اوراسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اطاعت کرنے والوں میں پہلے نمبر پر ہوں۔ سچے عاشق کبھی روتے ہیں کبھی ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں اور کبھی جلتے ہیں یہی محبت کے الوان ہیں جوان پر ہمہ وقت طاری رہتے ہیں، حضرت پرتا پگڈھیؒ فرماتے ہیں:

رونا کبھی، ہنسنا کبھی، جلنا کبھی بجھنا الوان محبت ہیں یہ الوان محبت

فناء کا ذکر اکابر اولیاء اللہ کی سوانح واذکار واقوال میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے حضرت اقدس شاہ مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فناء جب تک نہ ہوں اللہ ہرگز مل نہیں سکتا
غزالی ہوں کہ رازی مولوی ہوں کہ جیلانی

اورایک جگہ فرمایا ہے کہ انعام بھی تبھی ملتا ہے جب یہ کیفیت ہوتی ہے:

مقدر سے جسے حاصل فنائے تام ہوتا ہے
حقیقت میں وہی تو قابل انعام ہوتا ہے

بتاؤں آپ سے کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے
دل ان کی یاد میں اور لب پہ ان کا نام ہوتا ہے

الغرض فناء کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ کے ذکر وفکر میں انہماک تام اور استغراق کامل نصیب ہوجائے اگرچہ چند لمحات کیلئے ہی کیوں نہ ہو، بعض اولیاء اللہ پر مخصوص اوقات میں یہ مخصوص کیفیات طاری ہوتی ہیں اور بعض اولیاء اللہ پر ایک طویل وقت تک یہ کیفیات طاری رہتی ہیں، جس کی برکت سے ان کے اندر سے اوصافِ مذمومہ اور عادات رذیلہ ختم ہوجاتی ہیں اور صفات حسنہ، اخلاق محمودہ پیدا ہوجاتے ہیں، اسی پر منجانب اللہ انعامات ملتے ہیں اوراس کا ذکر خیر جاری ہوتا ہے، یہ بقاباللہ کی ایک شان ہے، یہ فنا کا خلاصہ ہے جو اکابر کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔

اقسامِ فناء

چنانچہ فناء کی مختلف اقسام ہیں:

(۱) فناء الجہل: یعنی جہالت اور اس کے مقتضیات سے بچ کر علم اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا (۲) فناء الغفلۃ: یعنی غفلت کے پردوں کو چاک کر کے اللہ کی یاد میں اور ذکر و فکر میں لگے (۳) فناء الشک: یعنی ایمانیات میں اور اللہ پاک کے وعدوں کے سلسلہ میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کرے بلکہ پورا الیقین اور اطمینان ہو (۴) فناء البخل: یعنی حقوق واجبہ مالیہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور حقوق واجبہ اور مستحبہ یعنی زکوۃ، صدقات کے علاوہ بندوں کے اوپر اپنا مال ہر موقع پر اور ہر طرح خرچ کرے جس سے مکمل سخاوت کی کیفیت پیدا ہو جائے (۵) فناء غضب: یعنی غیر مناسب اور بے محل غصہ اور غضب چھوڑ کر نرمی اور رفق، مخلوق پر شفقت اور عنایت کا معاملہ کرے جس سے ان کو دینی فیض پہنچنے میں سہولت ہو اور وہ بآسانی استفادہ کرسکیں (۶) فناء الریاء: یعنی ریا کی کیفیت کا خاتمہ کر کے مکمل اخلاص وللّٰہیت کی کیفیت حاصل کی جائے چاہے اس کے لئے کتنے ہی مجاہدات کرنے پڑیں، جب تک کہ یہ حالت حاصل نہ ہو جائے مقام قبولیت عند اللہ حاصل نہیں ہوسکتا (۷) فناء الکذب: یعنی ہر قسم کے جھوٹ سے اجتناب اور احتیاط کرے اور صدق و صفاء کو اختیار کرے تا کہ اس کا نام صادقین میں لکھا جا سکے (۸) فناء التکبر: یعنی تکبر جوام الامراض ہے اپنے اندر سے پوری طرح نکالنے کی کوشش کرے اور اس کے لئے محنت اور مجاہدہ اختیار کرے اور بزرگوں کے پاس وقت لگائے اور تواضع اور انکساری حاصل کرے اور اس کے لئے پوری طرح جد و جہد کرے (۹) فناء مادون الحق: یعنی غیر اللہ کی محبت و تعلق دل سے بالکل نکال دے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت دل میں پورے طور

پر بٹھانے اور جمانے کی کوشش کرے اور اس کے لئے کثرت ذکر قلبی اور فکر و مراقبات اختیار کرے جیسا کہ مشائخ نقشبندیہ کے یہاں اس کا اہتمام کرایا جاتا ہے۔

ان تمام کی تفصیلات کے لئے ''ضیاء القلوب'' مصنفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہؒ ملاحظہ فرمالیں یہاں تھوڑی سی تشریح کے ساتھ اس کو پیش کیا گیا ہے، شیخی و محبوبی حضرت مولانا شاہ محمد احمد قدس سرہ فرماتے ہیں:

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

تیرے کرمِ خاص پہ سو جان سے قربان
میں اس سے ہوں ممتاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

مزید فرماتے ہیں:

خودی اپنی مٹائیں اور خود رائی سے باز آئیں
یہ سب ہیں عشق کے احکام مولانا لئیق احمد

فنا ہے شرط اول قول ہے اہل محبت کا
یہی کرتے ہیں سب ارقام مولانا لئیق احمد[1]

فناء محبوب حقیقی کی مرضی میں اپنی مرضی کو ختم کردینے کا نام ہے، اور اس کو پیدا کرنے کیلئے بیعت و ارشاد کا راستہ اپنایا جاتا ہے، مشائخ مرید کو پہلے فناء فی الشیخ کے مقام پر لاتے ہیں جب وہ اس مقام پر آجاتا ہے پھر فناء فی الرسول کے مقام پر لاتے ہیں پھر فناء

---

[1] مولانا لئیق احمد صاحب مرحوم حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کے خواص میں سے تھے، جن کو حضرت کے ساتھ بڑی محبت تھی اور حضرت کو ان کے ساتھ بہت بے تکلفی تھی، ان کے نام سے یہ اشعار منسوب ہیں۔

فی اللہ کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں، اس لئے سالک کو اپنی مرضی چھوڑنی پڑتی ہے تبھی کچھ آگے کام بنتا ہے، جس کی طرف حضرت نے ان اشعار میں رہنمائی فرمائی ہے اور مرید کو اللہ کی مراد تک پہنچنے کا ایک اسلوب اور سلیقہ سمجھایا ہے، نیز فرماتے ہیں:

پڑھو قرآں سمجھ کر اور عمل دل سے کرو اس پر
فناء ہوں حق کی مرضی میں بنو محبوب سبحانی

تیرے عشق میں فناء رہوں تیری یاد میں لگا رہوں
تو کرم سے اپنے مجھے بچا کہ یہ دور دورِ شرور ہے

جو اہل عشق کی ابتدا، جو ہے اہل عشق کی انتہا
میں بتاؤں احمد بے نوا میرا اعترافِ قصور ہے

سبحان اللہ العظیم! عارفِ پرتا بگڑھی محبوب سبحانی نے کیا ہی عجیب انکشاف فرمایا کہ عشق کی ابتداء اور انتہاء اعتراف قصور ہی ہے، شروعات بھی توبہ واستغفار ہی سے ہے اور عبادت اور زہد وتقوی کے اخیر میں بھی اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ اللہ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کرے کہ یا اللہ کچھ بھی نہیں ہوسکا جیسا کہ کرنا چاہئے تھا، معاف فرما اور گرفت سے حفاظت فرما۔ (از عرفان محبت، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ)

درالمعارف رص ۸۷ ر پر حضرت مولانا شاہ غلام علی نقشبندی قدس سرہ خلیفۂ اکبر مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ فرماتے ہیں: میں محفل فیضِ منزل میں حاضر ہوا، حضرت والا نے فرمایا امام محمد غزالیؒ کے قول کے مطابق فنا عبارت ہے خصائل رذیلہ کے دفع ہونے سے، اور حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں:

ایک فنائے خلق: کہ مخلوق سے امید وبیم (یعنی خوف) کا کوئی واسطہ نہ رہے، دوسرے فنائے ہوا: یعنی غیر حق جل وعلا سے کوئی آرزو بالکل دل میں باقی نہ رہے، اسی معنی میں حضرت والا کا یہ شعر بھی ہے:

مَن نہ آں مَستم کہ جام مئے ہَوَس باشد مَرا
گردش ازساغر چشمِ توبس باشد مرا

میں وہ مست نہیں جسے شراب کے جام کی خواہش ہو
تیری چشم کے ساغر کی گردش ہی مجھ کو کافی ہے

تیسرے فنائے ارادہ: یعنی کوئی ارادہ دل میں باقی نہ رہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا: ''ارید ان لا ارید'' میں ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں اور ارادہ ہی خواہشات کی اصل ہے، جس طرح چشمہ کسی نہر کا منبع ہوتا ہے اسی طرح ارادہ خواہشات کا منبع ہوتا ہے، اور فنائے خلق وفنائے ہوا حضرات مجددیہ کی اصطلاح کے مطابق لطیفۂ قلب کی سیر میں میسر ہوتے ہیں جو کہ تجلی افعال سے عبارت ہے اور فنائے ارادہ لطیفۂ نفس میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرات مجددیہ کے طریق میں ہر لطیفہ کی فنائیت علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے، پہلی فنا، فنائے قلب ہے جس کا مطلب ماسوا سے نسیان کا حاصل ہونا اور قلب حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے، جس کسی کو حق سبحانہ وتعالیٰ اس ولایت کا شرف بخشتا ہے اور اپنے تقرب کا معاملہ اس راہ سے فرماتا ہے اس کو ''آدمی المشرب'' کہتے ہیں، اس کے بعد فنائے لطیفۂ روح ہے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نیچے ہے، جس کسی کو اس ولایت سے مختص فرماتے ہیں اس کو ''ابراہیمی المشرب'' کہتے ہیں (درالمعارف رص ۸۷)۔

تقویٰ واحتیاط

تقویٰ وپرہیز گاری پر ہی اس راہِ سلوک واحسان (تزکیہ نفس تطہیر باطن) کی بنیادیں قائم ہیں، اس کے بغیر نہ ولایت ہے نہ بزرگی سب کچھ اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے تمام اعمال شرعیہ کا مقصد اعلیٰ تقویٰ ہی ہے، خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس قدر ترغیب دی ہے کہ جگہ جگہ تقوی کا حکم اور متقین کی صفات وکمالات اور انعامات بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۂ آل عمران) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ ان سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ تم پکے مسلمان ہو۔

(۲) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورۂ حجرات) اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندانوں میں پیدا فرمایا (سو محض اسلئے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو (اور پرہیز گاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو اللہ خوب جاننے والا ہے (اور وہی اس سے) پورا خبردار ہے (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا کما قال تعالیٰ فلا تزکو انفسکم (سورۂ نجم) (۳) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ (سورۂ نحل) بیشک اللہ پاک ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو اچھے کام کرتے ہیں (۴) وَکُلُوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلاً طَیِّباً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ (سورۂ مائدہ) اور کھاؤ ان چیزوں کو جو اللہ نے تم کو دی ہیں حلال وپاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو (۵) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (سورۂ انفال) اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو بنادیں گے تمہارے لئے فرقان یعنی ایسی دلیلیں جس سے حق وباطل میں فرق کرسکو گے اور مٹادیں گے تم سے تمہاری سیئات کو اور معاف کردیں گے تمہارے گناہوں کو اور اللہ پاک بڑے فضل والے ہیں (۶) اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَکَاْسًا دِھَاقًا لَّا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا (سورۂ نباء) بیشک متقین کیلئے کامیابی ہوگی، باغات ہوں گے اور انگور ہوں گے، حوریں ہوں گی ایک عمر کی اور چھلکتے جام ہوں گے، نہ سنیں گے اس میں بکواس اور نہ جھٹلانا اور یہ بدلہ ہوگا تیرے رب کی جانب سے پورا کا پورا۔

ان تمام آیات سے تقوی کی اہمیت وعظمت اور تقوی پر مرتب ہونے والے انعامات کا پتہ چلتا ہے، اس لئے تمام اولیاء اللہ اس کو اپنا شعار بناتے ہیں اور کیوں نہ بنائیں جبکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (سورۂ یونس) بیشک اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں پڑیں گے، یعنی وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے، نیز فرمایا اللہ کے دوست تو متقی ہی ہوتے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ ظاہری بیماری کا علاج بھی بغیر پرہیز کے ممکن نہیں ہے تو روحانی بیماریوں کا علاج اس کے بغیر کیسے

ہوسکتا ہے؟ حضراتِ اہل اللہ کی زندگیوں میں یہ عنصر بہت ہی زائد نمایاں حیثیت رکھتا ہے، پھر تقویٰ کی مختلف اقسام وانواع ہیں۔

چنانچہ علاّمہ شامیؒ لکھتے ہیں: قال فی الاحیاء للورع أربع مراتب الاولی مایشترط فیہ عدالۃ الشھادۃ وھو الاحتراز عن الحرام الظاھر ، الثانیۃ ورع الصالحین وھو التوقی من الشبھات التی تتقابل فیھا الاحتمالات، الثالثۃ ورع المتقین وھو ترک الحلال المحض الذی یخاف منہ أداؤہ الی الحرام، الرابعۃ ورع الصدیقین وھو الاعراض عما سوی اللہ تعالیٰ (شامی ج۱ ص۳۰)۔

مثلاً تقویٰ عن الشرک، تقویٰ عن البدعۃ، تقویٰ عن الحرام، تقویٰ عن المشتبہات، پھر اس سے اعلیٰ درجہ ورع ہے پھر وہ بھی کئی طرح کا ہے۔

(۱) ورع العدول، یعنی ان تمام چیزوں سے بچنے کے ساتھ جو معصیت اور فسق وعصیان ہوں، غیر مناسب چیزوں سے بھی بچنا۔

(۲) ورع الصالحین: حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ مکروہات ومشتبہات سے بھی بچنا، اگرچہ فتویٰ کے اعتبار سے گنجائش بھی ہو۔

(۳) ورع المتقین: اوپر ذکر کی گئی تمام چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ غیر مناسب چیزوں سے بچنا اگرچہ اس میں جواز کا پہلو ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) ورع الصدیقین: وغیرہ وغیرہ، اس موضوع پر راقم الحروف نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "فضیلت تقویٰ" ہے، جس میں تقویٰ کے مضمون پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

حضرتؒ کی زندگی سراپا تقویٰ وپرہیزگاری ہی تھی، ہر چیز میں غایت تورع برتتے تھے حرام تو حرام مشتبہات کے پاس تک نہ جاتے تھے، چنانچہ شیخ رکن الدینؒ لطیفہ/۵۱، میں

لکھتے ہیں کہ حضرتؒ ان قصابوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے جو بے نمازی ہوتے تھے۔

ایک قصاب جو آپ کا مرید تھا، مسائل ذبح اور آداب سے پوری واقفیت رکھتا تھا اس کا ذبیحہ تناول فرماتے تھے اور بس، عام کنوؤں کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے چونکہ وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں، بہت سوں کو صفائی وطہارت ونظافت کا علم نہیں ہوتا اگر چہ شریعت کا فتویٰ اس کو ناپاک قرار نہیں دیتا کہ اس میں حرج لازم آئیگا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے بیر بضاعہ جو دار بنی ساعدہ میں ایک کنواں تھا اس کا پانی استعمال کرنا ثابت ہے یہی ''الدین یسر'' کا مقتضیٰ ہے، شیخ علیہ الرحمہ کا یہ عمل اپنے حال وکیفیتِ خاص کے اعتبار سے تھا، یہ ایسا ہی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے سنا کہ ایک بکری کسی کی گم ہوگئی تو ایک عرصہ تک بازار سے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ معلوم نہیں وہی تو نہ ہو، ایک جنازہ سے واپسی پر دھوپ کی شدت کی وجہ سے لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ برابر ہی سایہ ہے اس کے نیچے تشریف رکھیں، تو آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرا مقروض ہے اور صاحبِ قرض کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانا ربا (سود) ہے کل قرض جرّ نفعاً فھو رباء او کما قال علیہ السلام جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے علاوہ اصل رقم کے وہ نفع بھی سود ہے۔

چونکہ یہ حضرات بڑے مقام پر فائز تھے اسلئے ان کی نظر بھی بڑی لطیف اور باریک تھی۔

(عقود الجمان ص ۲۴۴)

عبدیت وتذلُّل

عبدیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے ہر طرح اپنی بندگی کا قولاً فعلاً اظہار کرے، اور تذلل سے مقصد یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کیلئے ذلیل کرے، یعنی اس کی نفسانی خواہشات اور اس کی چاہتوں پر ضرب لگائے کیونکہ نفس برائیوں کا بکثرت حکم کرنے

والا ہے اس لئے اگر اس کی مخالفت کر کے اس کو قابو میں نہیں لایا گیا تو وہ ہلاک کردیگا، اس لئے نفس کی سرکشی اور شرارت سے محفوظ رہنے کیلئے مشائخ مجاہدات کا راستہ اختیار کراتے ہیں اور اس کو اللہ کے سامنے اس لئے ذلت میں ڈالتے ہیں تاکہ تواضع پیدا ہوجائے اور اپنے مریدین پر زجر و توبیخ کا مقصد بھی کسر نفسی ہی ہوتا ہے نہ کہ ان کو ذلیل کرنا۔

یہ دو باتیں راہ طریقت میں چلنے والے کیلئے بہت ہی اہم ہیں، ذیل میں قدر مشترک ان دونوں کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جارہی ہیں۔

تزکیہ واحسان کے طریق میں نفس امارہ کی سرکوبی اور اس کو ذلیل کرنا ہی ترقی و بامِ عروج پر فائز ہونے کا ذریعہ ہے اس کے بغیر معرفت و محبت و عشق کے جذبات، انوار و برکات حاصل ہی نہیں ہوسکتے۔

رسول پاک ﷺ کا سب سے بڑا کمال عبدیت ہی ہے، اسی لئے اللہ پاک نے جہاں اسراء و معراج کا تذکرہ کیا وہاں فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورۂ بنی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو رات ورات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے آس پاس میں ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ دکھائیں ہم ان کو اپنی بڑی نشانیاں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے اتنے بڑے کمال کے ذکر میں آپ کا جو وصف خاص ذکر کیا ہے وہ عبدیت ہے، معلوم ہوا کہ اگر اس سے بڑا کوئی اور وصف ہوتا تو اسکو ذکر کیا جاتا، نیز یہاں یہ بھی بتانا ہے کہ آپ کو جو معراج کرائی گئی وہ آپ کے انتہائی عبدیت کے مظاہرے کی برکت سے ہے، حضرات انبیاءؑ اس وصف میں سب سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اور کیوں نہ

ہوتے جبکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچانتے تھے، نیز اللہ پاک نے حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے فرمایا ہے لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْداً لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (سورۂ نساء) نہیں عار کرتے تھے مسیح اس بات سے کہ بنے اللہ کا بندہ اور تواضع کریں اللہ کے سامنے اور نہ مقرب فرشتے ہی، اور ایک جگہ فرمایا قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ آتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (سورۂ مریم) بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، عطا کی مجھے اللہ نے کتاب اور بنایا مجھکو اپنا پیغمبر اور بنایا مجھکو مبارک، جہاں بھی رہوں، اور تاکید کی مجھکو نماز کی اور زکوۃ کی جب تک میں زندہ رہوں، اس آیت میں بھی سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ نے جس چیز کا اظہار کیا وہ ہے اپنا بندہ ہونا، نیز ایک موقع پر اللہ پاک نے بہت سخت لہجہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ بیشک وہ لوگ جو اعراض کرتے ہیں میری عبادت سے عنقریب جہنم میں داخل ہونگے ذلیل وخوار ہوتے ہوئے، یہ آیت کس قدر تنبیہ کرتی ہے کہ اللہ کے سامنے تذلل اور عبادت اور تواضع سے اعراض کرنا انسان کو جہنم میں داخل کرنے کا سبب بن جائے گا۔

اس لئے عبداللہ وعبدالرحمٰن اور عبدالرحیم جیسے نام جو کہ عبدیت کے مضمون پر مشتمل ہیں اللہ پاک کو بے حد محبوب ہوتے ہیں، شیخی ومحبوبی عارف باللہ، فانی فی اللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہیں کی جس نے اپنے نفس امارہ کی قربانی
وہ کیا سمجھے وہ کیا جانے ہے کیا شئی فضل یزدانی

نہیں جس نے کیا پامال اپنے نفس سرکش کو
نہیں آزاد وہ آزاد ہو کر بھی ہے زندانی

نہ جب تک صدق دل سے ترک کردیں حظ نفسانی

کبھی بھی آپ کو حاصل نہ ہوگا لطف روحانی

اسی لئے سارے اولیاء اللہ سالک سے اولاً ایسے کام کراتے ہیں جس سے نفس امارہ بالکل نفس مطمئنہ بن جائے تاکہ اس کو حیات طیبہ مرضیہ حاصل ہوجائے۔

حضرت شیخ اس حقیقت کو پہلے ہی سمجھ چکے تھے، اس لئے بچپن ہی سے ایسے اعمال شروع فرمادیئے تھے، چنانچہ مسجد میں اول وقت تشریف لاتے اور تمام لوگوں کے نکلنے سے قبل ان کے جوتے سیدھے کرتے تھے تاکہ نفس کا خوب علاج ہوجائے اور اس طرح کے دوسرے کام کرکے اپنے نفس کو مجاہدات میں ڈالتے تھے۔اسی طرح کا قصہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی قدس سرہ کا بھی ہے۔

نیز ایک موقع پر حضرت شیخ نے عبودیت پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ احمد تھانیسریؒ کو لکھا کہ عبودیت نام ہے بندہ کا اللہ کی طرف مکمل رجوع کرنے کا، صفات الٰہیہ کے ساتھ وابستہ ہوکر حق کے اندر فنا ہوجانے کا، پھر جو بھی کچھ وہ کرے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عین مرضی کے مطابق قدم اٹھائے، اپنی ذات کے فائدہ اور اپنے نفس کے لئے کچھ بھی نہ ہو، یہی فنا فی الحق کا مقام ہے جو حق کے ساتھ پوری طرح قیام کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، (مکاتیب قدوسیہ رص ۱۲)۔

اسی نفس کے تزکیہ وتطہیر کے واسطے تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی ہے، ارشاد ربانی ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ جمعہ) اللہ پاک نے ان ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو

ان کو اللہ پاک کی آیات سنائے اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

اس کے بغیر شیطانی خواہشات سے دوری ممکن ہی نہیں:

نہ جب تک تزکیہ ہو نفس کا خطرہ ہی خطرہ ہے
رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکار شیطانی

(عرفان محبت رص ۱۱۶)

یہ ہی ہے "من عرف نفسه فقد عرف ربه" یعنی جس نے نفس کی مکاریوں کو جان لیا اور مزید یہ جانا کہ وہ کتنا نالائق ہے اور پھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوا تو وہ یہ بھی جان لے گا کہ حق تعالیٰ شانہ عمّ نوالہ کس قدر قادر ہیں ان کو قدرت تامہ عامہ حاصل ہے، ارشاد ربانی ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" (سورۂ شمس) جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کیا وہی فلاح یاب ہے "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" خائب وخاسر ہوا جس نے اپنے نفس کو خواہشات میں دبا دیا۔

مشائخ کرام نفس کے علاج کے لئے مختلف طریقے اپنایا کرتے تھے چنانچہ[1] حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہ کا واقعہ ہے، ایک سفر میں آپ لوگوں سے الگ ہو کر مسجد میں گئے وہاں موذن آپ کو پہچانتا نہیں تھا اس نے آپ کو وہاں سے نکالدیا کچھ دیر کے بعد پھر آپ تشریف لے گئے اس نے پھر آپ کو نکالدیا، غالباً یہ نماز کے اوقات کے علاوہ کا واقعہ ہوگا، پھر آپ کے مجاہدین ساتھی آپ کو تلاش کرنے کیلئے نکلے اور آپ کو مسجد کے آس پاس پایا، یہ دیکھ کر موذن گھبرایا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ تو بہت بڑے عالم بھی ہیں اور اپنی پوری فوج کے سپہ سالار بھی ہیں آپ نے اس سے فرمایا کہ بالکل

---

[1] آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم فاضل، خاندان ولی اللہ کے عظیم فرزند احقاق حق اور ابطال باطل میں یکتائے زمانہ بزرگ تھے، تمام عمر دین کی خاطر وقف کردی تھی آخر کار بالاکوٹ میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اطمینان رکھو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، نیز حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق منقول ہے کہ آپ اپنی کمر پر مشکیزہ لا دکر پھر رہے تھے لوگوں نے کہا کہ حضرت ہمیں دیدیجئے، آپ نے فرمایا نہیں میں اپنے نفس کا علاج کرر ہا ہوں ایک وفد میرے پاس آیا تھا اور اس نے میری تعریف کی جس سے مجھکو اپنے دل میں تکبر کا خطرہ پیدا ہوا اس طریقہ سے میں نے اس کا علاج کیا ہے، نیز منقول ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ ایک نیا کرتہ پہن کر نکلے پھر آپ نے اس کی آستین کاٹ دی اور اس کو عیب دار بنا دیا جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس طریق سے میں نے نفس کا علاج کیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔

فقر وفاقہ مستی

مشائخ واولیاء اللہ کی اس مقدس جماعت کو فقر وفاقہ کے ساتھ بے حد محبت وتعلق ہوتا ہے، اکثر ان کی یہ کیفیت اضطراراً ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس اسباب معیشت اور اسبابِ کسب مال نہیں ہوتے، اور بعض مرتبہ اختیاراً بھی، ان کو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے اور ملاء اعلی یعنی فرشتوں کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ فرشتے کھانے پینے اور بشری تقاضوں سے پاک ہوتے ہیں، یہی حضرات انبیاء علیھم السلام کی حیات طیبہ کا عنصر غالب ہوتا ہے، سید الاولین والآخرین رحمت عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کو پڑھئے! کہ بیشتر آپ پر فقر وفاقہ کی کیفیت طاری رہتی تھی اور یہ کہ کس درجہ آپ کو اس سے تعلق تھا بلکہ آپ نے اس کو اپنی محبت وتعلق کا معیار قرار دیا ہے۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے محبت ہے، فرمایا کہ بس تب تو فقر وفاقہ کے لئے تیار ہو جاؤ، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کے یہاں فقر وفاقہ پانی کے سیلاب سے بھی جلد پہنچ جاتا ہے، یعنی اس کو فقر وفاقہ سے محبت ہو جاتی ہے اور جب کہ وہ

یہ جان لیتا ہے کہ ہمارے نبی کو بھی یہ محبوب تھا اور ان پر بھی یہ کیفیت طاری رہتی تھی تو پھر اس پر گھبراہٹ وغیرہ طاری نہیں ہوتی اور وہ اس حالت میں بھی صبر وقناعت سے کام لیتا ہے (مشکوۃ شریف رص ۴۴۴ رج ۲)۔

اسی طرح راہ سلوک وطریقت میں لگنے والوں پر ذکر وفکر کی کثرت اور رزق کے اسباب کی قلت کی وجہ سے اگر ایسے حالات آجائیں تو گھبرانا نہ چاہئے بلکہ سنتِ سلف صالح سمجھ کر برداشت کرے اور حتی الامکان اس کا اظہار مخلوق سے نہ کرے بلکہ اللہ پاک کے سامنے کرے تاکہ رحمت حق تعالیٰ متوجہ ہو اور ذلت ورسوائی سے بھی بچ سکے۔

قرآن وحدیث شریف میں بیشتر مقامات پر فقر، فقراء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے لئے بڑے اعلیٰ درجہ کے مدارج کا وعدہ فرمایا گیا ہے، مثال کے طور پر ارشاد ربانی ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (سورہ حشر) ان حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کردیئے گئے (یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے اور اس ہجرت سے) وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں (کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی) اور وہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ (کے دین) کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔

نیز فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (سورۂ بقرہ) (صدقات)

اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کیلئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے انکے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو انکے طرز (وہیئت) سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر وفاقہ سے چہرہ اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی انکو حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے میں) جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے (اور لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فی نفسہ زیادہ ثواب دینگے۔

ان دونوں مذکورہ آیتوں سے ان حضرات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جو غربت وفقر وفاقہ میں وقت گزارتے ہیں اور ذکر اللہ اور دیگر اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں اور ہمہ وقت دین کی خدمت یعنی طلب علم، عمل، اخلاق، اخلاص اور جہاد وغیرہ میں لگے رہتے ہیں، یہ سب اللہ کے راستے ہیں "فی سبیل اللہ" کا جملہ قرآن پاک کی بیشتر آیات میں جہاد کیلئے استعمال ہوا ہے، اوپر آیت میں اصحاب صفہ کی تعریف کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دار العلوم کے سچے طالب علم اور آپ کی خانقاہ کے سچے مریدین اور زلف اور انوار نبویہ سے فیضیاب ہونے کے مشتاقین تھے نیز تزکیہ وسلوک کی محنتیں بھی بلاشک وشبہ اللہ کا راستہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان بحر ظلمات یعنی کفر وشرک وبدعات اور دیگر خرافات سے بحر نور میں داخل ہو جاتا ہے، یعنی شریعت وسنت کا نور اور طریقت کی پاکیزہ کیفیات اس سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ یہ آیت علماء، طلباء جو مدارس میں ہیں اور وہ سالکین راہ طریقت، عشاق تزکیہ واحسان اور ذکر وفکر کے دیوانے جو اپنی اصلاح کی فکر میں اور فکر

آخرت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اس کا مصداق ہیں۔

احادیث شریفہ: روی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لأصحابه أيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فقالوا اموسر من المال يعطی حق اللّٰہ فی نفسہ ومالہ فقال نِعْمَ الرَّجُلُ هٰذَا وَلَيْسَ بِه قالوا فمن خیر الناس یارسول اللہ؟ قال فَقِيْرٌ يُعْطِيْ جُهْدَهٗ وقال ﷺ لبلال أَلْقَ اللّٰہ فَقِيْراً وَلَا تَلْقَهٗ غَنِيًّا وقال ﷺ اِنَّ اللّٰہ يُحِبُّ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ، وفی الخبر المشهور، يَدْخُلُ فُقَرَاءُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهَا بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے ایک بار اپنے اصحاب سے کہ بتاؤ کون بہتر ہے؟ عرض کیا وہ شخص جو مالدار ہو اور اللہ کے حقوق کو ادا کرے جو اس کے اوپر ہو اور اس کے مال میں ہو، فرمایا یہ تو ہے ہی بہتر اور اس کو کوئی تکلیف بھی نہیں پھر صحابہ نے پوچھا کہ حضرت آپ بتائیں کون بہتر ہے؟ فرمایا وہ غریب فقیر آدمی جو محنت مشقت میں مبتلا رہتا ہے، محنت مشقت سے کماتا ہے اور اسکے باوجود راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے۔

نیز ایک جگہ دعاء کرتے ہوئے فرمایا: اللھم احیینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرة المساکین (مشکوٰۃ شریف رص ۴۴۷) یا اللہ! موت وحیات اور حشر سب مساکین کے ساتھ فرما، نیز رسول پاک ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا اے بلال! اللہ پاک سے اس حال میں ملاقات کرو کہ تم غریب وفقیر ہو نہ کہ اس حال میں ملاقات کرو کہ تم مالدار ہو، نیز فرمایا رسول پاک ﷺ نے بیشک اللہ پاک ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو، سوال سے بچتا ہو اور بال بچوں والا ہو، اور ایک مشہور روایت

میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے، ان تمام روایات سے ان فقراء کی جو غربت وفاقہ میں زندگی گزارا کرتے تھے اور سوال سے بچتے تھے اور دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو مستقل طور پر مانگنے کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور دین سے اور دین کی خدمات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت مانگنے اور اس کو پیشہ کے طور پر اپنانے والوں کی مذمت فرمائی ہے، فرمایا کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرے گا قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرہ پر زخموں کے نشانات ہوں گے، یہ اس کے ذلیل وخوار ہونے کی علامت ہوگی بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ پیشہ ور مانگنے والوں کو دینا گناہ ہے۔

فقر وفاقہ دراصل اولیاء اللہ کی ایک شہنشاہیت ہے یہ ان حضرات اہل اللہ کا کمال ہے کہ فقر وفاقہ کے باوجود بادشاہوں کے دروازہ پر دستک دینا اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو ''بئس الفقیر'' کہتے تھے جو ان کے پاس جائے، سید الاولین والآخرین ﷺ فداہ ابی وامی کا فقر وفاقہ اضطراری بھی تھا اور اختیاری بھی، اور فرماتے تھے کہ بس میرے لئے اتناہی کافی ہے جتنا کہ ایک مسافر کو چاہیئے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے، واقعی دنیا اور دنیا کی نعمتیں تو غیروں کے لئے ہیں اور ہمارے لئے تو آخرت اور اس کی نعمتیں ہیں **اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ** (مشکوۃ شریف/ص ۴۰۹) اے اللہ عیش تو حقیقت میں آخرت ہی کی عیش ہے لہذا مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما۔

اس مقدس گروہ کی ہمیشہ یہ علامت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے کو دنیا سے بے

نیاز رکھنے کی کوشش کی اور دنیا اور اس کی عیش وعشرت اس کی تروتازگی اور حلاوت وجاذبیت ان کو ذرا بھی اپنی طرف مائل نہ کرسکی اور ان کی توجہ الی اللہ اور توجہ الی الآخرۃ میں ذرا بھی تغیر پیدا نہیں ہوا، بلکہ ان حضرات کا مسلک یہ رہتا ہے کہ خدا کے شیروں کو لذات وخواہشات سے کیا سروکار! خواہشات اور لذات تو ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ سے طاعات وعبادات الٰہی پر قادر ہوں۔

ایک بار قطب الاقطاب، امام الکاملین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سخت بھوک نے بے چین کردیا جس کی وجہ سے آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں ایسی حالت میں پہنچ گیا ہوں کہ کسی شخص سے سوال کرلوں تو یہ میرے لئے مباح ہے، یہ سوچ کر آپ ایک شخص کی طرف گئے راستہ میں آپ کو کوئی ایک کاغذ کا پرزہ پڑا ہوا ملا جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''اے عبدالقادر کیوں گھبرا گئے ہو! ہمت سے کام لو لذات اور نعمتیں تو ہم نے کمزور لوگوں کیلئے بنائی ہیں اللہ کے شیروں کو اس دنیا سے کیا کام!'' اس مضمون کو پڑھتے ہی آپ واپس چلے آئے مسجد میں آکر بیٹھ گئے، حق تعالیٰ سے دعا میں مشغول ہوگئے۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ فقر وفاقہ اور صبر وقناعت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے چنانچہ ''لطائف قدوسی'' میں حضرت اقدس شیخ عبدالقدوسؒ کے فقر وفاقہ کا حال مذکور ہے، کہ کئی کئی روز ایسے گذر جاتے تھے کہ گھر میں کچھ بھی کھانے کو نہیں ملتا تھا بھوک کی شدت جب بچوں کے لئے ناقابل تحمل ہوجاتی تو والدہ سے عرض کرتے تو والدہ کہتی کہ بیٹا! ابا جان کے ساتھ کھائیں گے، کافی دیر میں جب شیخ گھر میں آتے تو بچے پھر کہتے تو والدہ کہتی جاکر اپنے ابا جان سے کہو، جب وہ حضرت سے کہتے تو فرمایا کرتے کہ بیٹا صبر کرو جنت سے لاکر کھلائیں گے، کبھی آبدیدہ ہوکر فرماتے کہ میرے گناہوں کے سبب ان

معصوموں پر یہ مصیبت آرہی ہے، بچے پھر جاتے اور والدہ سے کہتے کہ اماں جان جنت کہاں ہے؟ چلو کھانا لے آئیں۔ اس طرح کا قصہ ہوتا رہتا تھا شیخ مولائے حقیقی کی یاد میں کسب دنیا سے غافل رہتے تھے، ان کا یہ حال اضطرار کی حد تک پہونچا ہوا تھا اور کسب مال کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا تھا، بعد میں اللہ پاک نے صبر و استقلال کی برکت سے فتوحات کے دروازے کھولدئے تھے اور وسعت ہوگئی تھی، جیسا کہ اللہ پاک کا نظام ہے کہ وہ کچھ امتحانات کے بعد پھر دروازے کھول دیا کرتے ہیں، شیخ کا یہ حال تھا جو اس شعر میں مذکور ہوا ہے:

هَجَرْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِيْ هَوَاكَ وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ لِكَي اراكا

وَلَوْ قَطَعْتَنِيْ فِي الْحُبِّ اِرْباً لِمَنْ حُنَّ الْفوادُ الى سواكا

(کذا فی اللطائف)

چھوڑ دیا میں نے مخلوق کو آپ کی محبت میں اور یتیم کر دیا میں نے بچوں کو تاکہ آپ کو دیکھ سکوں اگر آپ مجھکو محبت سے محروم چھوڑ دیں اور منزل تک نہ پہونچائیں تو میرا دل آپ کے علاوہ پھر کس کی طرف مائل ہوگا؟

اور حضرت کا یہ حال تھا جو کسی شاعر نے کہا:

یارب ہمہ خلق را زمن بدخو کن وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن

روئے دلِ من صرف کن از ہر جہتے در عشقِ خودم یک جہت و یک رو کن

اے میرے اللہ تمام مخلوق کو مجھ سے بدخو کردو اور تمام لوگوں سے مجھکو یکسو کردو

میرے دل کی توجہ کو تمام جہات سے ہٹادو

اور اپنے عشق میں یک جہت اور یک رو کردو

حقیقت بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا بہتر ہے مخلوق کے ساتھ مشغول رہنے سے، اور حقیقی انس باللہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ مخلوق سے متوحش ہو جائے اور جو شخص کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں مستغرق ہو چکا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت کے دریا میں غوطہ لگا کر حقائق تک پہونچ چکا ہو، پھر وہ اس دنیائے فانی کی محبت، مال ومتاع، اولاد کی عارضی، فانی، محبتوں میں لگ کر کیا کریگا اور کیا سمجھے گا، یہی شیخ کا حال تھا اور وہ اس حال میں مغلوب تھے، یہاں یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ انہوں نے اپنی اولاد کے حقوق کو ادا نہیں کیا، ایک جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ حال دائمی نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ وہ اس میں مغلوب تھے واللہ اعلم۔

شیخ علیہ الرحمہ کا لباس

ان حضرات کا اصل لباس تو تقویٰ و پرہیز گاری ہے " ولباس التقوی " ظاہری ستر پوشی کے لئے ایسا لباس زیب تن کر لیتے ہیں جو صرف بقدر ضرورت کافی ہو۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا لباس کیا تھا؟ حضرت کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء حال سے اس فقیر (رکن الدینؒ) کے تولد تک ایک ہی لباس زیب تن رہا، کوئی اور لباس میسر نہیں تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بزرگی موٹے کپڑے کا نام ہی نہیں ہے، فرمایا کہ بھائی لباس حلال اس سے زیادہ میسر نہیں ہے، جو ہے اس سے زائد کی وسعت نہیں رکھتا ہوں، تو شیخ کے خدام نے مل کر ایک جبہ حضرت کے لئے تیار کرا دیا تھا جس کا تذکرہ فرماتے ہوئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ صاحبو! بادشاہوں کے نام ونشان آج دنیا سے غائب ہو گئے مگر اہل اللہ کا نام باقی ہے لوگوں کے قلوب پر ان کی عظمت طاری ہے، وہ اس واسطے نہیں کہ وہ بہت شاندار قیمتی

لباس پہنتے تھے بلکہ ان لوگوں کے دل عشق الٰہی کی آگ سے گرم تھے، شیخ عبدالقدوسؒ کا خرقۂ کہن جس میں صدہا پیوند لگے ہوئے ہیں آج تک تبرک ہے اور بادشاہوں کے قیمتی تاج اس کے آگے بے کار ہیں، شیخ عبدالقدوسؒ نے سالہا سال تک اس کو پہنا تھا جہاں سے پھٹا وہاں پیوند لگا دیا تھا، کبھی کسی قسم کا کبھی کسی قسم کا مگر آج کل جو خرقہ تیار ہوتا ہے اس میں قصداً ریاکاری کے لئے ایسا کرتے ہیں جو حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کا مصداق ہے۔

نقد صوفی نہ ہمہ صافی وبیغش باشد   اے بسا خرقہ کہ مستوجبِ آتش باشد

فرماتے ہیں (ہمارے زمانہ کے) بعض صوفیوں کا مال نہ بالکل پاک وصاف ہوتا ہے اور نہ بے غش ہوتا ہے اور بہت سے خرقے نارِ جہنم کو واجب کرتے ہیں یعنی جو حرام سے تیار ہوتے ہیں اللہ کی پناہ۔

مگر حضرتؒ کا خرقہ ایسا تھا کہ اہل اللہ اس میں انوار وبرکات محسوس کرتے ہیں اور اس کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں، ایک خاص تاریخ میں اس کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے، مگر اس میں دیگر غیر مناسب باتیں شامل ہونے کی وجہ سے اور ایک طبقہ کے غلو کرنے کی وجہ سے بہت سے اہل حق از روئے شریعت، از روئے فتویٰ اس کو درست نہیں سمجھتے اور استدلال کرتے ہیں اس بات سے کہ اس طور پر تاریخ کے تعین، اہتمام، اجتماع اور لوازمات کے ساتھ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت اگر شرعی چیز ہوتی تو رسول پاک ﷺ کے ثیاب سے بڑھ کر اور آپ کے دیگر تبرکات سے بڑھ کر تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی!! حضرات صحابہ کرام کا یہ معمول ہوتا اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ کے کپڑوں اور دیگر تبرکات کی زیارت کا اہتمام اور التزام تابعین کرتے اور تابعین کے کپڑوں اور ان کے تبرکات کی زیارت اور استبراک کا اہتمام والتزام بعد والے کرتے اسی طرح یہ سلسلہ چلا

کرتا، سب سے بڑا تبرک قرآن وحدیث ہے جو براہ راست اللہ اوران کے رسول ﷺ کی طرف سے امت تک پہونچا ہے، اصل تو اس کے پڑھنے پڑھانے کا، سننے سنانے کا، عمل کرنے کرانے کا جذبہ اورشوق التزام واہتمام ہونا چاہئے، فی نفسہ تبرکات کی زیارت باعث برکت تو ہے بشرطیکہ ممنوعات سے خالی ہومگر باعث نجات نہیں زیارت تو کہاں اگر پہننے کا موقع مل جائے تب بھی نجات نہیں ہوسکتی، محض اس بنیاد پر کہ تم نے فلاں بزرگ کا جبہ پہنا تھا کام بن جائے ناممکن ہے۔

مدارِ نجات: ایمان، اعمال صالحہ، شریعت کی پیروی، سنت کا اتباع، توحید میں رسوخ وکمال، کفر، شرک، بدعت، رسوم باطلہ سے اجتناب ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے مرجانے کے بعد اس کے کفن کیلئے اپنی مبارک قمیص جس کو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے دی تھی تو بعض صحابہ کو عجیب سا لگا تھا کہ اس شخص نے زندگی بھر نفاق برتا، ظاہر میں ایمان اور حقیقت میں کفروشرک اور حضورؐ سے عداوت کرتا رہا ایسے شخص کو آپؐ اپنی قمیص دے رہے ہیں؟ اس قمیص دینے کو کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ اس کی نجات کیلئے ایسا کررہے ہیں اوراس سے اس کی نجات ہوجائیگی، چونکہ اس نے ایک موقع پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کیلئے قمیص دی تھی اس کے اس احسان کے صلہ میں آپؐ نے اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص اس کو مرحمت فرمائی۔

الغرض خدا کے عشق میں آپ کا یہ حال تھا:

سوختن، افروختن، جامہ دریدن
پروانہ زمن، شمع زمن، گل زمن آموخت

جلنا ، روشن ہونا ، کپڑے پھاڑ دینا
پروانے نے مجھ سے شمع نے مجھ سے گل نے مجھ سے سیکھا ہے

یعنی جس طرح ایک پروانہ شمع پر نثار ہوتا ہے اور شمع اپنے آپ کو جلا کر دوسروں کو روشنی پہنچاتی اور پھول خوشبو سے بھرنے کے بعد کپڑے پھاڑ دیتا ہے یہی حال اہل اللہ کا اللہ کے عشق ومحبت میں ہوا کرتا ہے۔

انقطاع وتبتل

انقطاع وتبتل سے مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا سے منقطع ہو کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف متوجہ ہو جائے اور آخرت کے حصول کیلئے کام کرے، خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ذات سے محبت کے بعد دارِ غرور سے اعراض ضروری ہے، دنیا کا طالب بن کر خدا ملا نہیں کرتا خدا کو طلب کرنے کے بعد دنیاءِ دنی خود بخود پیروں میں آ کر گر جاتی ہے اور خوشامد کرنے لگتی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا:

طَلِّقِ الدنیا ثلثاً واطلبن زوجاً سواھا　　فانھا زوجۃ سوء لاتبالی بمن اتاھا

دنیا کو تین طلاق دیدو اور اس کے علاوہ دوسری بیگم تلاش کرو یہ بہت بری بیگم ہے جو کسی کی پرواہ نہیں کرتی، دنیا کی حقیقت ہی کیا! جو اس کی طرف رغبت کی جائے یہ باقی نہ رہنے والا ایک سایہ ہے، بلکہ ایک خواب ہے جو کچھ دیر کے بعد ختم ہو جائیگا۔

انما الدنیا کظل زائل　　او کضیف بات لیلا فارتحل

او کنوم قد یراہ نائم　　او کبرق لاح فی افق الامل

بیشک دنیا ایک زائل ہونے والے سایہ کی طرح ہے
یا اس مہمان کی طرح ہے جو رات گزار کر آگے بڑھ جاتا ہے

یا اس خواب کی طرح ہے جو کوئی سونے والا دیکھتا ہے

یا اس بجلی کی چمک کی طرح ہے جو امیدوں کے میدان میں چمکتی ہے

یہ تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے، اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا "لو کانت الدنیا تعدل عنداللّٰہ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ ماسقیٰ کافر اًمنھا شربۃ ماء" (ترمذی شریف، ص ۵۸، ج ۲) اگر دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ پاک کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

نیز کسی شاعر نے کہا ہے:

ھی الدنیا اقل من القلیل	وعاشقھا اذل من الذلیل
تُصِمُّ بِسِحْرِ ھَا قَوْماً وتُعِمِی	فھم متحیرون بلا دلیل

یہ دنیا بہت ہی کم ایک چیز ہے، اور اس کا عاشق ذلیلوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہے

یہ اپنے جادو سے لوگوں کو بہرا بھی بنا دیتی ہے اور اندھا بھی، پھر وہ بلا کسی دلیل و رہنما کے یونہی دربدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔

یہ بڑی بے وفا ہے اس نے اچھے اچھے بادشاہوں اور اولیاء اللہ، امیروں، غریبوں، عالموں، جاہلوں، کو نہیں چھوڑا اس سے امید وفا رکھنا حماقت ہے، اسی واسطے تمام انبیاء، اولیاء، صلحا، اتقیاء نے دنیا سے بے رغبتی و اعراض کا معاملہ کیا اور اپنے قول و فعل سے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی ہے، کہ دنیا سے محبت ہی ساری خطاؤں کی جڑ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا "حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ" کہ دنیا کی محبت ہی تمام غلطیوں کی جڑ ہے اور اس سے اعراض ہی ساری خوبیوں کی اصل و اساس ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا التجافی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ (شعب الایمان للبیہقیؒ ۷/۳۵۲) یعنی نورِ ایمان کے ساتھ انشراح کی علامت

یہ ہے کہ دارِ غرور یعنی دنیا سے جو دھوکہ کا گھر ہے دور بھاگے اور دارِ خلود یعنی جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کی طرف پوری توجہ کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کرے۔

حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ نبی کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ اس طرح رات گزارے کہ اس کے پاس ایک درہم بھی ہو، اسی لئے حضرت اقدس فداہ ابی وامی ﷺ نے اپنے لئے دنیا اور عیش دنیا کو کبھی پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت شیخؒ بھی اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے نہ گھر میں رکھنے دیتے تھے، اہلیہ محترمہ کے پاس ایک ہار تھا وہ ہار پہنتی تو حضرت فرماتے کہ مجھے اس سے دنیا کی بو آتی ہے، کئی بار ایسا ہوا تو اہلیہ نے کسی سے شکایت کی جو شیخؒ کے بہت قریب تھے اور کہا کہ میں نے اپنے لڑکے رکن الدین کی شادی کے واسطے رکھا ہے اس پر انہوں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں منع فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میرے مزاج میں دنیا سے کمال نفرت ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کو اپنی دنیا میں سے بدبو آنی چاہئے دوسروں کی دنیا سے کیوں بدبو آتی ہے؟ اس غریب کو تکلیف نہ دیجئے اس نے بچے کی شادی کیلئے رکھا ہے، حضرت تھانویؒ نے بھی اس قصہ کو اپنے ایک وعظ ''انوار السراج'' میں ذکر فرمایا ہے۔

شیخ کا علمی مقام

قال تعالیٰ: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (سورۂ کہف) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (یعنی خضرؑ) کو پایا جنکو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی (مقبولیت کے معنی میں ولایت اور نبوت دونوں کا احتمال ہے) اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے (یعنی بلا واسطہ اسباب

اکتساب) ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا۔

اس آیت کا تعلق حضرت خضرؑ سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک اپنے مخصوص نیک بندوں کو علم لدنی عطا فرمایا کرتے ہیں تبھی تو اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم لدنی دیا تھا ''علم لدنی'' کا مطلب ہوتا ہے وہ علم جو بلا اکتساب ومحنت کے منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ نے علم لدنی کے حصول کے واسطے دو شرطیں لکھی ہیں ''اعراض عن الدنیا اقبال الی الآخرۃ'' یعنی دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ جب یہ چیز حاصل ہوتی ہے تو اللہ پاک بہت سے علوم بندہ کو عطا فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو علوم روحانیت، اسرار، معارف، رموز الٰہیہ کا ایک بڑا ذخیرہ عطاء فرمایا تھا، جس سے بہت سے اشکالات حل فرمادیا کرتے تھے چنانچہ اس کی ایک مثال وہ ہے جو زبدۃ المقامات میں مذکور ہے کہ حضرت شیخ ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے شیخ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ نے جو کہ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کی اولاد سے تھے اور بڑے صاحبِ علم تھے، ایک تفسیر اپنی لکھی ہوئی حضرت شیخؒ کی خدمت میں مطالعہ کیلئے بھیجی، قطبِ گنگوہیؒ نے جب اس تفسیر کو کھولا تو اتفاق سے آیۂ تطہیر نکل آئی، شیخ عبدالوہابؒ نے اس مقام پر لکھا تھا کہ: اولادِ نبیؐ سب کے سب مامون الخاتمہ ہیں اور ان کی عاقبت یقیناً بالخیر ہوگی، حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ نے اس تحریر کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ''ھذا خلاف مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ''یعنی یہ بات اہل سنت وجماعت کے مسلک کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کردیا، اس موضوع پر کئی دن تک علمائے دہلی نے آپس میں مذاکرے کیے وہی بات حق نکلی جو حضرت شیخ گنگوہی

قدس سرہ العزیز نے فرمائی تھی (زبدۃ المقامات رص ۱۰۱) (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۷)۔

فائدہ: جب اولادِ نبی کا یہ معاملہ ہے جو شیخ نے لکھا تو پھر کسی کو اپنے اور حسنِ خاتمہ کے یقین کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا بلکہ ہر شخص کو ڈرتے رہنا چاہئے اور اپنے بارے میں نہایت متفکر رہنا چاہئے اور یہ سوچ کر نہ بیٹھ جانا چاہئے کہ سب کچھ کرتے رہو حلال وحرام، جائز وناجائز، صحیح اور غلط (حتی کہ بدعات وخرافات، شرک، سجدہ لغیر اللہ وغیرہ وغیرہ جوان بزرگوں کے نام پر ہورہا ہے جنہوں نے توحید، کتاب وسنت پر جان دیدی انا للہ وانا الیہ راجعون ، ہم سب کچھ کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے ہم کو بخشوادینگے، تو سن لو ایسا ہرگز نہیں ہے وہاں نفسی نفسی کا عالم ہوگا، رسول پاک ﷺ نے صاحبزادیوں اور بیویوں اور دیگر رشتہ داروں سے صاف صاف مخاطب ہوکر فرمایا جو کچھ اعمالِ صالحہ کرنے ہیں کرلو، اس بھروسہ پر مت بیٹھ جانا کہ تم اللہ کے نبی کی بیٹیاں ہوں، بیویاں ہوں، رشتہ دار ہوں، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آیگا۔ (ترمذی، ابواب الزہد ۲ر۵۷)۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی　　　　که دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مولانا جامی فرماتے ہیں کہ اللہ کے عاشق بن جاؤ اور حسب نسب کی بات چھوڑ دو کہ اس راستہ میں فلاں ابن فلاں ہونا کام نہیں آتا۔

چنانچہ امام اولیاء تاج الاتقیاء حضرت خواجہ معصوم قدس سرہ ایک صاحب کو لکھتے ہیں:

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

خط پہنچا، بہجت افزا ہوا الحمدللہ کہ تمہارے اوقات ذکر سے معمور ہیں، اتباعِ سنت میں کوشش کرو، بدعت اور اہل بدعت سے دور رہو، صحبتِ صلحاء وفقراء اور پابندِ شرع کی طرف

راغب رہو، جس جگہ خلافِ شرع دیکھو وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ ؎

با عاشقاں نشیں و ہمہ عاشقی گزیں با ہر کہ نیست عاشق ہرگز مشو قریں

اور عاشقِ صادق وہ ہے جو متابعتِ پیغمبر علیہ السلام پر راسخ ہے **قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** (سورۂ آل عمران) سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے، **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی** (مکتوبات خواجہ معصومؒ رص ۴۷)۔

نیز ''تاریخ مشائخِ چشت'' میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ کبار مشائخ میں سے ہیں، علوم ظاہریہ، باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا، بقول صاحب ''سیرت قدوسیہ'' آپ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا، مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ پہلے کی بات ہے بعد میں آپ نے تکمیل فرمائی جو بھی اس دور میں ہوتی تھی، یہی بات ''نزہۃ الخواطر'' کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں **ثم سنح له ان التصوف بدون العلم كالطعام بغير الملح ، فاشتغل بالبحث و المطالعة مرة ثانية وجدّ فيه حتى فتح الله سبحانه عليه أبواب العلم والمعرفة** یعنی جب شیخ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ تصوف بغیر علم کے ایسا ہے جیسا کہ کھانا بغیر نمک کے کہ اس میں کچھ لذت وذائقہ نہیں ہوتا تو آپ نے دوبارہ پھر علم کی طرف توجہ فرمائی اور بحث ومطالعہ میں اپنے آپ کو مشغول کیا، یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ پر علم ومعرفت کے دروازے کھولدئے (نزہۃ الخواطر ص ۷۷ ارج ۴)۔

علوم ظاہریہ کو بعض صوفیاء بالکل بے سود و بے فائدہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی صریح غلطی ہے، جیسا کہ علماء خشک تصوف کو بے کار سمجھیں تو یہ ان کی غلطی ہے، دونوں ضروری ہیں ایک جسم ہے تو ایک روح ہے دونوں میں کامل مناسبت ہے، حضرت شیخؒ کے یہاں اس درجہ علوم ظاہریہ کی قدر و منزلت تھی کہ تمام صاحبزادگان کو برائے تعلیم دہلی بھیجا جو اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز تھا اور جب ان سے ملاقات کو جی چاہتا تو بلاتے نہ تھے

بلکہ خود جا کر ملاقات کرتے تھے تا کہ تعلیم کا حرج نہ ہو، چنانچہ صاحبزادگان کے تعلیم کے عہد میں متعدد بار حضرت اقدس دہلی تشریف لے گئے اور اس درمیان میں بڑے مباحث علمیہ علماء اور شیخ علیہ الرحمہ کے درمیان پیش آتے تھے، اب ذیل میں بطور مثال چند علمی مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک علمی بحث (حلال وطیب کی تحقیق)

صاحب ''لطائف قدوسی'' شیخ مولانا رکن الدین صاحبؒ نے لطیفہ نمبر ۲۶ میں فرمایا کہ ایک روز دہلی میں ایک مجلس میں علماء وصلحاء کا اجتماع ہوا شیخ عبدالقدوسؒ بھی وہاں موجود تھے آیت کریمہ یَاَیُّهَاالنَّاسُ کُلُوامِمَّافِی الْاَرْضِ حلٰلاً طَیِّبًا (سورۂ بقرہ) کا تذکرہ آیا اور حضرت مولانا شیخ عبداللہ دانشمند بھی وہاں پر موجود تھے جو دہلی کے علماء کبار میں شمار کیے جاتے تھے، وہ فرمانے لگے کہ دوست واحباب کی وہ چیزیں حلال ہیں جن کے بارے میں اعتماد ہو کہ اس کے لینے سے وہ منع نہیں کرے گا بلکہ خوش ہوگا اور طیب یہ ہے کہ اعتماد کے باوجود بھی اجازت لے کر کھائے۔

اس پر حضرت قطب العالم قدس سرہ نے فرمایا کہ بھائی حلال وہ ہے جو اپنی پاکیزہ وحلال کمائی ہو اور طیب وہ ہے کہ کسی دوسرے کی حلال و پاکیزہ چیز ہے جسکو کھایا جائے اور ذکر اللہ کیا جائے، جس کے کھانے کے بعد غفلت نہ ہو یعنی اللہ کا ذکر فوت نہ ہو اور نہ اس میں خلل آئے، مولانا عبداللہؒ نے فرمایا کہ شیخ ایسی بات فرمائیے کہ ہم لوگ بھی داخل ہو جائیں، چونکہ یہ بات شیخ نے اپنے ذوق عالی کے اعتبار سے فرمائی تھی۔

امام المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا حلال طیب وہ ہے کہ دنیا میں بلا مشقت حاصل ہو جائے اور قیامت میں

اس پر کوئی وبال وعذاب نہ ہو، نیز کہا گیا ہے کہ حلال وہ ہے کہ مفتیان دین جس کو حلال کہیں اور طیب وہ ہے کہ دل گواہی دے کہ بالکل صحیح مال ہے۔

نیز فرمایا رسول پاک ﷺ نے شک کی چیز کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جس میں شرعاً کوئی شک وشبہ نہ ہو اور کسی موقع پر یہ بھی فرمایا **واستفت قلبک** یعنی اپنے دل سے بھی پوچھ لو تب کام کرو، اگر دل نور الٰہی اور علمِ شریعت سے روشن ہوگا تو ہر جگہ پر صحیح رہنمائی کردیگا کہ یہ کام کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے؟ اس پر شیخ علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے سامنے بھنی ہوئی مرغی رکھی گئی حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے ایک لقمہ اٹھایا اور فرمایا کہ میرے سامنے سے اٹھالو، مولانا رکن الدین صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیوں؟ فرمایا کہ اس کا ذبح مکمل آداب ومستحبات کے ساتھ نہیں ہوا، تفتیش سے معلوم ہوا کہ واقعی ایسا ہی ہے یہ اسی طرح کا قصہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رحمت عالم ﷺ ایک دعوت میں شریک تھے، کھانا لایا گیا آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا اور فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو بدون مالک کی اجازت کے حاصل کی گئی ہے، چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلادو اور خود تناول نہیں فرمایا (مشکوٰۃ شریف رص ۵۴۴ رج ۲)۔

اگرچہ بعض دفعہ ظاہری طور پر کسی چیز کو حرام ومکروہ نہیں کہا جاتا مگر نور باطن اور دلِ منور کا فتویٰ کبھی اس سے بھی بالاتر ہوتا ہے کیونکہ مفتی تو ظاہری حال پر فتویٰ دیتا ہے اور عارف جو نور باطن رکھتا ہے، وہ باطنی آنکھ سے دیکھ کر فتویٰ دیتا ہے اور حق کی خبر لاتا ہے۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ نور باطن شریعت پر استقامت سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے بعض صوفیاء کو اس مقام پر غلطی بھی ہوگئی کہ انہوں نے اپنے فتووں کو ہی سب

کچھ سمجھ لیا اور شریعت کے فتووں کو کالعدم سمجھا، یہ مقام بہت امتحان کا مقام ہے نہ ہر جگہ نورِ باطن کہہ کر شریعت کے فتوی کو جو دلائل کے ساتھ ہو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہر جگہ ظاہری فتوی کی وجہ سے اس چیز کو جو نور باطن اور اشراق قلب سے حاصل ہو رہا ہو رد کیا جاسکتا ہے، بلکہ جس مقام پر احتیاطی پہلو سامنے آرہا ہو اور وہاں ضرورت یا مضرت نہ ہو تو اسی محتاط پہلو پر عمل ہوگا اور نور باطن سے حاصل ہونے والے محتاط پہلو کو دوسروں پر اگر وہ برضاء وخوشی تیار نہ ہوا گوارا نہیں کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم، ہاں لیکن اس صورت میں کہ نور باطن بالکل ہی ظاہر شریعت اور فتوی کے قانون کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں، جیسا کہ اس قصۂ ذیل میں آرہا ہے۔

ایک سالک کسی امام کے پیچھے مسبوق ہوگیا، اس نے امام کے سلام سے پہلے ہی ماسبق نماز ادا کرنی شروع کردی لوگوں نے بعد میں معلوم کیا تو کہنے لگا کہ سلام کے بعد اٹھنا اس احتمال پر ہے کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوا ہو، یعنی چونکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہو تو سلام سے پہلے اٹھنے کو منع کیا گیا اور میں نے نور باطن سے معلوم کرلیا کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہے اس لئے پہلے ہی اٹھ کر نماز پوری ادا کرلی، تو یہ عمل درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ بالکل قانونِ نماز کے خلاف ہے اور اس پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے نقصان ہے کہ وہ اس کو دیکھ کر بلاوجہ پریشانی میں پڑ جائیں گے۔

(۲) شیخ علیہ الرحمہ کا سوال اور صاحبزادہ کا جواب

ایک بار شیخ علیہ الرحمہ نے صاحبزادے مولانا شیخ حمید الدینؒ سے فرمایا کہ پانی اور کھانے میں فرق کیوں ہے؟ کہ شرع نے جتنی رخصت پانی میں دی ہے اتنی کھانے

میں نہیں دی، انہوں نے جواب دیا کہ پانی کے مسئلہ میں علماء دین میں کثیر اختلافات ہیں ایک مقدار کو ایک پاک دوسرا ناپاک کہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں رخصت وگنجائش زیادہ ہونی ہی چاہئے، بخلاف ماکولات کے، وہ اکثر یا تو باتفاق علماء حلال ہیں یا حرام ومکروہ ہیں، وہاں اختلاف کم ہے، پانی میں ترک احتیاط سے وقوع فی الحرام کا اندیشہ نہیں ہے بخلاف ماکولات کے کہ وہاں وقوع فی الحرمت یا کراہت کا اندیشہ ہے، جیسے جھینگا مچھلی بعض علماء حلال کہتے ہیں اور بعض حرام کہتے ہیں، تو نہ کھانے والا دونوں فریق کے نزدیک قابل تعریف ہے اور کھانے والا اس فریق کی نظر میں جو حرام یا مکروہ اور ممنوع کہتا ہے معیوب ہے، کہ اس نے ایک ممنوع چیز کا ارتکاب کیا ہے، حضرت شیخ نے مسئلہ میں صاحبزادہ کا جواب صحیح قرار دیا، واللہ اعلم۔

(۳) ایک وجد آفریں علمی تحقیق

آیت کریمہ اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (سورۂ طٰہ) بیشک قیامت آنے والی ہے میں اس کو تمام خلائق سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں، اور قیامت اسلئے آوے گی تا کہ ہر شخص کو اس کے کیئے کا بدلہ مل جائے، کی تفسیر میں بعض کتب تفاسیر میں مرقوم ہے کہ قیامت کے بارے میں قریب تھا کہ میں اس کو چھپالیتا یعنی خود اپنے سے بھی ای عن نفسی، لہذا تمہارے لئے اسکو کیسے ظاہر کرسکتا ہوں جس کو خود اپنے لئے مخفی رکھنا چاہتا ہوں، اس پر ملک العلماء فی عصرہ قاضی شہاب الدین جونپوریؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں ان سے کسی چیز کا مخفی رہنا عقلاً محال وناممکن ہے لہذا یہ فرمان صرف مبالغہ کے طور پر وارد ہوا ہے (وکذا فی تفسیر البغوی ص ۲۱۴، ج ۳) لفظ ''اکاد'' اس کی طرف مشیر ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے

"استرھا عن العباد فلا اقول ھی آتیة لارادة اخفاھا ولو لا مافی الاخبار بـآیـاتھا مع بغتةٍ وقتھا من الحکمة واحوالھم اذلم یعلموا متی تقوم کانوا علی وجل منھا فی کل وقت مما اخبرت بہ" اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس کو اسلئے مخفی رکھا گیا ہے کہ ہر وقت اس کے اچانک آجانے کا خوف طاری رہے، جس کی وجہ سے آدمی اس کی تیاری میں مشغول رہے، بتادینے میں یہ حکمت فوت ہوجاتی، یہ بات بہت سے مفسرین نے لکھی ہے۔

حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کا حل ایک بار زبان شیخ علیہ الرحمہ پر آ گیا اور شیخ وجد وسُکر کے عالم میں تھے جس کو بندہ نے ضبط کرلیا خلاصہ یہ تھا کہ کوئی ذرہ کائنات ممکنات موجود ومعدوم کے تمام ذرات میں سے علام الغیوب کے علم واحاطہ سے مخفی وخارج نہیں ہے، کیونکہ علام الغیوب سے کسی چیز کا ذاتی طور پر مخفی رہ جانا عقلاً محال ہے لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ کو جو کچھ معلوم ہے اگر وہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا ایک وجود خارج میں موجود ہے تو ممکن ہے ممتنع نہیں ہے اس واسطے وہ چیز ضرور اپنا کوئی نہ کوئی وجود خارج میں رکھتی ہوگی اور جو کچھ حق تعالیٰ کو معلوم ہے مگر اس حیثیت سے نہیں جو اوپر مذکور ہوئی لہذا اس کا وجود بھی محال ہوگا جیسے شریک باری تعالیٰ خدا کو معلوم ہے لیکن اس کا وجود فی الخارج نہیں ہے بلکہ محال ہے وہ اسی طور پر معلوم ہے، اب سنئے کہ قیامت کو جو ممکنات میں سے ہے لہذا علام الغیوب سے اس کا اخفا محال ہے پھر کیسے فرمایا؟

تو جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن عام وخاص کی پردہ دری اور ہر شخص کے تمام احوال کے سامنے آنے اور کھلنے کا دن ہوگا مگر ستاریت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی یہ سب کچھ پوشیدہ رہے لہذا کچھ دنوں کے لئے مناسب ہے کہ خالق تعالیٰ سے مخفی رہے ورنہ اس کا

وجود ہو جائیگا کیونکہ وہ ممکنات میں سے ہے، بس اس لحاظ سے فرمایا کہ میں اس کو اپنے سے بھی چھپانا چاہتا تھا مگر میرے لئے کوئی چیز مخفی نہیں ہے لہذا تمہیں کیسے بتادوں کہ وہ کب قائم ہوگی، جب خدا کو منظور ہوگا اس وقت اس کا وجود ہو جائے گا واللہ اعلم، یہ حضرت شیخ کی ایک دقیق تحقیق ہے جس کی لطافت اور گہرائی غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

دوسری علمی بحث

واجب الوجود کلی ہے نہ جزئی

لطائف قدوسی میں لطیفہ نمبر ۳۶ ر میں شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب بندۂ حقیر دہلی میں زیر تعلیم تھا، شیخ عبدالقدوسؒ تشریف لائے دوران درس واجب الوجود کے کلی ہونے کا ذکر آیا، حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اچانک معلوم فرمالیا آج کل کیا سبق چل رہا ہے، حالانکہ اس سے قبل کبھی معلوم نہ فرمایا تھا، میں نے تذکرہ کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ واجب الوجود کو کلی ماننا کفر ہے اور شیخ نے اس کو سمجھایا کہ جب یہ کلی ہوگی تو اس کے افراد متعدد ہوں گے تو ہر ایک کلی کے جزئیات بہت سے ہوتے ہیں لہذا متعدد خداؤں کا ہونا لازم آئیگا، جس کو اہل منطق تعدد وجباء سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ محال ہے، اور نہ جزئی ماننا درست ہے کہ جزئی مان کر پھر اس کو کسی نہ کسی کلی کے تحت ماننا پڑے گا کیونکہ جزئی کے لئے کلی لازم ہے اس لئے یہ بھی درست نہیں ہے تو نہ کلی اور نہ جزئی ہے خدا تعالی ان تمام قیودات سے پاک ہیں، بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: اللہ پاک اطلاق کی قید سے بھی وراء الوراء ہیں چہ جائیکہ کسی قید کے ساتھ مقید ہوں، میں نے یہ چیز حاشیہ پر لکھ دی وہ نسخہ علماء کے ہاتھوں میں پڑ گیا ایک دن مولانا عبداللہ امام العلماء تشریف لائے اور دوسرے علماء بھی موجود تھے کہ بحث شروع ہوگئی آخر کار شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو تسلیم کرنا

پڑا۔ سبحان اللہ! یہ ہیں عارفین کے علوم جن تک ایک ظاہری عالم کی رسائی نہیں ہوتی۔

تیسری علمی بحث

"الانسان اکبر من اللہ" کے سلسلے میں ایک جگہ فرمایا: اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو معنی ہوں گے "اکبر من مخلوق اللہ" کہ انسان اللہ کی مخلوق میں عظمت وتقرب میں بڑا ہے، تب ہی وہ مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے۔

یہیں سے شیخ بایزید بسطامیؒ کے اس قول کے معنی بھی سمجھ لئے جاویں جو انہوں نے فرمایا تھا "ملکی اعظمُ من مُلک اللہ" کہ میرا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے، مطلب یہ تھا کہ یہ سارا عالم تو اللہ کا ملک ہے اور میرا عالم اور میرا ملک خود اللہ پاک کی ذات مقدسہ ہے اور ذات مقدسہ سب سے عظیم ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔

یہ چند نمونے شیخ علیہ الرحمہ کے علم کے پیش کیے گئے ہیں ورنہ شیخ علیہ الرحمہ کے مکتوبات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اللہ تعالی نے اس قدر علم عطا فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑا مشکل مسئلہ حل فرمادیا کرتے تھے اور حال یہ تھا، مولانا رومؒ نے فرمایا ہے

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(دینی دعوت رص ۴۸)

حضرت شیخ کی تصانیف

مولانا اعجاز الحق قدوسیؒ اپنی مشہور تصنیف "شیخ عبد القدوس اور ان کی تعلیمات" میں اس طرح فرماتے ہیں: قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ نے چوراسی سال کی عمر پائی، آپ کی عمر کا بڑا حصہ ریاضتوں، مجاہدوں، عبادتِ الٰہی، رشد وہدایت اور مریدوں کی اصلاح وتربیت میں گذرا، لیکن اسی کے ساتھ اس غیر معمولی علم وفضل کی بناء پر جس سے آپ کو قدرت

نے نوازا تھا آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، شیخ رکن الدین کا بیان ہے:

اما بعلمِ لدنّی وفیض الٰھی چنداں استعداد بود کہ
در ہر علمے بحثہا غریب کردند و تصانیف بسیار کردند

لیکن علم لدنی اور فیضانِ الٰہی سے آپ (شیخ عبدالقدوس) میں اس قدر استعداد تھی کہ ہر علم میں نہایت ہی عجیب بحث فرماتے اور آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، آپ کی تصانیف میں سے اکثر افغانوں اور مغلوں کے ہنگاموں میں ضائع ہوگئیں، ''لطائف قدوسی'' سے جن تصانیف کا پتہ چلتا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) بحرالانشعاب: یہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کی تصنیف ہے جب کہ آپ علم صرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے اور آپ کے بچپن کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں آپ نے علمِ صرف میں ایک رسالہ ''بحرالانشعاب'' کے نام سے تصنیف فرمایا تھا جو آپ نے سوال وجواب کی صورت میں لکھا تھا، جب اس فن کے اساتذہ نے اس نسخے کو دیکھا تو اس کی فنی خوبیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ علمِ صرف میں یہ نسخہ کافی ہے۔

(۲) شرح مصباح: زمانۂ طالب علمی میں جب آپ نے نسخۂ مصباح کو حواشی قاضی شہاب الدین کے ساتھ شروع کیا تو آپ کے اساتذہ درس کے وقت جو تقریریں فرماتے آپ انہیں اپنی شرح اور توضیح کے ساتھ جمع کرتے جاتے تھے۔

(۳) حاشیہ شرح صحائف: حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب میں نے علمِ کلام میں ''شرح صحائف'' کا مطالعہ شروع کیا تو آپ نے اس زمانہ میں تمام شرح صحائف کا مطالعہ کرکے اس پر نہایت بیش قیمت حواشی لکھے۔

(۴) شرح عوارف: حضرت شیخ کی اہم تصنیف ہے، آپ کا بیان ہے کہ میرے

ابتدائی زمانے میں ''عوارف'' کا نسخہ میرے حجرے میں تبرکاً رکھا رہتا تھا اور مجھے اس میں کوئی دخل نہ تھا لیکن پھر آپ نے عربی میں اس کی نہایت بلند پایہ شرح لکھی اور عجیب وغریب اسرار ونکات تحریر فرمائے۔

(۵) فوائد القرأۃ: حضرت شیخ کو تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا، متذکرہ رسالہ اسی ذوق کا مظہر ہے۔

(۶) رسالہ قدسی: حضرت شیخ نے یہ رسالہ غالباً تصوف میں شیخ سلیمان مندوی کے لئے لکھا تھا، آپ نے باقاعدہ اس رسالہ کی تعلیم شیخ سلیمان مندوی کو دی۔

(۷) رشدنامہ: حضرت شیخ کے ابتدائی زمانے کی تصنیف ہے یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔

(۸) نورالمعانی شرح قصیدہ امانی: یہ رسالہ غالباً حضرت شیخ نے سلطان سکندر لودھی کے عہدِ حکومت میں تصنیف فرمایا تھا اور اس کے دیباچے میں آپ نے وحدۃ الوجود پر تبصرہ فرمایا تھا۔

(۹) انوار العیون: اس کتاب میں حضرت شیخ نے شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے حالات ومناقب مرتب کئے ہیں۔

(۱۰) مظہر العجائب: حضرت شیخ کی اس تصنیف کا تذکرہ خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں فرمایا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کتاب کس موضوع پر تھی۔

(۱۱) مجموعہ کلام فارسی: لطائف قدوسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے فارسی کلام کا مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا۔

(۱۲) رسالہ نورالہدیٰ (۱۳) رسالہ قُرۃ العین۔

حضرت شیخ کی ان دونوں تصانیف کا تذکرہ حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے اپنی

کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کیا ہے۔

(۱۴) مکتوبات قدوسیہ: یہ حضرت شیخ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنے مریدوں، معتقدین وخلفاء اور اپنے دور کے سلاطین اور ان کے امراء کے نام لکھے تھے۔

(۱۵) منتخب مکتوبات قدوسیہ: یہ حضرت شیخ کے مکتوبات کا انتخاب ہے جو ۵۴ مکاتیب پر مشتمل ہے، ان مکاتیب کا انتخاب حضرت میاں خاں صدیقی جون پوریؒ کے مرتب کردہ مجموعے ''مکاتیب قدوسیہ'' سے کیا گیا ہے۔

(۱۶) اسرار العجائب: یہ حضرت شیخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے شیخ خضر بڈھن جون پوریؒ عرف میاں خاں ''جامع مکاتیب قدوسیہ'' نے جمع کیا تھا، غالبًا آپ کے یہ ملفوظات شائع نہیں ہوئے۔

(۱۷) اورادِ شیخ عبدالقدوسؒ: یہ حضرت شیخ کے ان اوراد ووظائف کا مجموعہ ہے جو آپ کے معمولات میں داخل تھے (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی تعلیمات ص ۴۲۱)

اتباعِ سنت اور شیخ علیہ الرحمہ

[1] حضرت شیخ المشائخ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا یہ مقولہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اتباعِ سنت ہی ساری غوثیت اور قطبیت ہے۔

---

[1] یکم رمضان ۱۲۰۹ھ ملاواں ضلع اناؤ یوپی میں پیدا ہوئے، آپ کبار علماء صلحاء میں سے ہیں بہت بڑے عارف باللہ محدث اور فقیہ تھے تفسیر ودیگر علوم میں آپ کو کمال حاصل تھا آپ کی کرامات مشہور ہیں بقول صاحب نزہۃ الخواطر کے آپ کے کشوف وکرامات کے بارے میں مت پوچھو وہ تو حد تواتر کو پہونچے ہوئے ہیں اور میں نے اولیاء سابقین میں اتنی کرامات اور کشوف سوائے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اور کسی کے بارے میں نہیں سنی، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ علم وعمل، زہد وتقوی، شجاعت وکرم، جلالت ورعب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اخلاص اخبت، انابت الی اللہ دعاء ومراقبہ حسن اخلاق مخلوق کو نفع پہونچانے میں اپنے دور میں سب سے آگے تھے ۱۳۱۳ھ بعمر ۱۱۰ر سال آپ کی وفات ہوئی اور گنج مرادآباد ضلع اناؤ یوپی ہی میں مدفون ہیں (مشائخ نقشبندیہ ص ۱۳۴ر نزہۃ الخواطر ص ۳۸۶ ر ج ۸)۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار اتباع رسول اللہ ﷺ کو ہی قرار دیا ہے، نیز اسی پر عنداللہ مقبولیت ومحبوبیت اور مغفرت وابستہ قرار دی ہے قرآن و حدیث میں اس پر بے شمار نصوص وارد ہوئی ہیں، بطور مثال کے چند سنئے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْم (سورۂ آل عمران) حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ نے ترجمہ فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری راہ پر چلو تب وہ تم سے پیار کریں گے اور تمہاری مغفرت فرمادیں گے اتباع سنت میں کامیابی وکامرانی کا راز یہ ہے کہ انسان محبوب کی صورت بنا کر جب رب العزت والجلال کے سامنے حاضر ہوتا ہے ضرور اس پر مولائے تعالیٰ کی نظر کرم ہوتی ہے۔

تاج الاولیاء والاتقیاء حضرت خواجہ محمد معصومؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

حامداو مصلیا علیٰ رسوله الكريم امابعد!

ہنگامِ قربِ قیامت ہے اور وقتِ زیادتی ظلمات، ایک عالم ظلمات کے اندر غرق ہے اور غرق ہوتا چلا جارہا ہے، کوئی جواں مرد درکار ہے، جو اس خطرناک زمانہ میں احیائے سنت کرے اور بدعت کو مٹائے، بے انوار سنن نبویؐ راہِ راست پانا محال ہے اور بے التزام اطوارِ نبوت نجات ڈھونڈنا محض خیال ہے، طریقۂ صوفیا کا سلوک اور ''محبت ذاتیہ'' کا وصول بے اتباع حبیبؐ رب العالمین متحقق نہیں ہوسکتا آیۂ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰه، ہمارے اس قول کی گواہ ہے، اپنی سعادت اسی میں سمجھنی چاہئے کہ عادات، عبادات اور معاملات میں آنحضرتؐ سے نسبت پیدا ہو، عالمِ مجاز میں دیکھو کہ جو شخص محبوب سے مشابہت اختیار کرتا ہے محبّ کی نظر میں وہ کتنا محبوب

وزیبا اور مرغوب ورعنا معلوم ہوتا ہے، محبوب کے دوست محبؒ کی نظر میں عزیز اور محبوب کے مبغوض، محبوب کی نظر میں مبغوض ہوتے ہیں، پس کمالاتِ صوری ومعنوی، آنحضرتؐ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں (مکتوبات خواجہ محمد معصوم رص ۶۹) سبحان اللہ العظیم! اللہ پاک بلند سے بلند درجات نصیب فرمائے حضرت خواجہ صاحبؒ کو کس قدر زبردست انداز سے اتباع سنت پر ابھارا ہے۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا مدار اتباع سنت پر ہی ہے اور اسی پر عنداللہ محبوبیت اور مغفرت موعود ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (پارہ ۵ رکوع ۶) ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں اور یہ کہ یہ اللہ کا حکم ہے لہذا رسولوں کی اطاعت فرض ہے اسی پر ساری شریعت وطریقت کا مدار ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ الآیۃ (پارہ ۲۶، رکوع ۸) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو یعنی اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی مخالفت کر کے، اگر یہ مخالفت نفس ایمان میں ہے تو کفر وشرک ہے اور اگر یہ مخالفت ان کے احکامات میں ہے تو فسق وعصیان ہے (بیان القرآن)۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ اور ان کے رسولؐ کی اطاعت کرنا فرض ہے، اس کے بغیر ایمان اور اسلام کچھ بھی نہیں چہ جائے کہ کوئی شخص تصوف وروحانیت کا دعویٰ کرے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظاً (پارہ ۵، رکوع ۸) اور جس شخص نے اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت

اللہ کی اطاعت کی اور جو شخص آپ کی اطاعت سے روگردانی کرے تو آپ اس پر کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا، یعنی اگر یہ لوگ آپ کے طریقہ پر نہیں چلیں گے تو اس بارے میں سوال آپ سے نہیں ہوگا بلکہ خود انہیں لوگوں سے ہوگا۔

نیز ایک جگہ حضور اقدس سرکار دوعالم ﷺ سے بیعت کرنے کو اللہ نے اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (پارہ ۲۶، رکوع ۹) بیشک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو شخص بیعت توڑے گا تو اس کے بیعت توڑنے کا گناہ اسی کی ذات پر ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا اس چیز کو جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا یعنی بیعت کی تھی تو حق تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے، اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ سے بیعت کرنے کو خود اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے جس سے اتباع رسول اور اتباع سنت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کرنا سنت سے ثابت ہے اور اس پر قائم رہنا موجب اجر وثواب ہے اور بلاوجہ یا خواہش نفس کے تابع ہو کر توڑ دینا باعث نقصان اور خسران ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ (سورۂ اعراف) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں

اور زمینوں میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جو نبی امی ہیں، جو خود ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور ان کے احکامات پر اور تم انہیں کی اتباع کرو تبھی تم ہدایت پاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ پاک نے کس قدر تاکید سے اپنے پیغمبر ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ ہدایت پر تبھی آؤ گے جب نبی کی اتباع کرو گے اور اگر تم نے نبی کے طریقے کو چھوڑا تو گمراہی میں جا پڑو گے، آج لوگ نبی کی اتباع کو چھوڑ کر مختلف چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور بہت سے تو بزرگوں کے نام پر رکوع سجدے اور منتیں اور نا معلوم کیا کیا خرافات کر رہے ہیں اور کروا رہے ہیں، جب کہ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ موت و حیات نفع نقصان سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے نہ کسی زندہ کے اختیار میں ہے اور نہ کسی مردہ کے اختیار میں ہے۔

نافع و ضار جز اللہ نہیں ہے کوئی   مؤمن ہو کر پھر شرک سے تجھ کو کیا کام

اس بارے میں چند احادیث پڑھیے اور غور کیجیے!

احادیث

قال رسول اللہ ﷺ مَنْ اطاع محمداً فقد اطاع اللہ ومن عصی محمداً فقد عصی اللہ ومحمد فرقٌ بین الناس (مشکوۃ شریف ص ۲۷ ج ۱) فرمایا رسول پاک ﷺ نے جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی محمد کی اطاعت لوگوں کے درمیان حق و باطل کا فرق کرنے والی ہے۔

نیز ایک جگہ فرمایا: ترکت فیکم امرین لن تضلوا ان تمسکتم بھما

کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مشکوۃ شریف رص ۳۱) کہ تم میں دو چیزوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور سنت، جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔

فائدہ: بالکل حقیقت ہے کہ جب تک امت ان دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے گی تب تک ہدایت پر قائم رہے گی اور جب امت ان دونوں کو چھوڑ دیگی گمراہی کے راستہ پر چل پڑ یگی جیسا کہ بہت سی جگہوں پر بہت سے لوگوں کے حالات ثابت کر رہے ہیں۔

نیز ایک جگہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لا یؤمن احدُکم حتی اکُونَ اَحبَّ اِلَیہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اجْمَعِین (بخاری شریف رص ۱۴ رج ۱) یعنی تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد سے اس کی اولاد سے اور تمام ہی لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

ان تمام ہی نصوص سے معلوم ہوا کہ اصل ولایت اتباع سنت ہی ہے اور جو طریقت اس کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے، چنانچہ مرشدی محبوبی حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جو طریقت خلاف شریعت ہو ضلالت ہے
طریقت اور حقیقت یہ دونوں خادم ہیں شریعت کے

لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک قطب وولی احکام شرع سے بے نیاز رہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ صاحب حال وقال درویش ہیں انہیں کے مکتوبات کو دیکھ لیجیے، کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں ہے۔

چنانچہ آپ کے اتباعِ سنت کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں! ایک بار ایک بزرگ کا آپ کے سامنے ذکر کیا گیا، آپ کو ملنے کا شوق پیدا ہوا ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے عبادت خانے سے نکل کر اڑتے ہوئے کسی جگہ پہنچے ہیں، حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اندر تشریف لے گئے تاکہ ان کے عبادت خانہ کی زیارت کریں، وہاں دیکھا کہ ان کے ہاتھ گھٹنے اور سر ٹیکنے کے نشانات پڑے ہوئے تھے، لیکن سب نشانات خلاف سنت واقع ہوئے تھے ارشاد فرمایا وہ شخص کیا خاک بزرگ ہوگا جسکی نماز بھی سنت کے موافق نہ ہو اور اڑنا کوئی کمال نہیں ہے۔

رابعہ بصریہؒ نے دیکھا کہ حسن بصریؒ نے پانی پر مصلی بچھایا اور نماز پڑھی تو انہوں نے ہوا پر بچھا کر نماز شروع کی، بعد میں فرمایا ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں ورنہ مچھلی اور مکھی ہم سے زائد باکمال ہوجائیں گی، اصل کمال اتباعِ سنت ہے، شیخ اتباع سنت میں راسخ تھے اسی وجہ سے ان کے مریدوں میں بھی یہ جوہر راسخ تھا، چنانچہ آپ کے خلیفہ شیخ جلال الدینؒ بیمار ہوئے تو لوگوں نے دوا پلانی چاہی اور آپ چارپائی پر تھے فرمانے لگے کہ پہلے مجھے نیچے اتاردو تب دوا نوش کروں گا کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ عین استغراق میں ہوتے اور نماز کا وقت آجاتا تو فرماتے کہ شرع محمدی سے چارہ نہیں ہے، اس کے علاوہ اور واقعات بھی ہیں اختصار کی وجہ سے ترک کئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ زکریاؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات میں حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے جتنے بزرگان سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے

ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اوران کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ وطہارت اوراتباع سنت میں صحابہ کرامؓ کے جیسا تھا ، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بارآپ وضوکرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے ،تو غیب سے آواز آئی کہ محبتِ رسول کا دعویٰ اورسنت کا ترک ؟ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا ،اورلکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اٹھتے کہ کہیں قیامت کے روزاس کی سزا نہ ہو،تواتباع سنت میں ان حضرات کاوہی حال تھا جوحضرات صحابہؓ کا تھا (تاریخ مشائخ چشت رص ۱۹۷)۔

مسئلہ سماع اور شیخ عبدالقدوسؒ

اس مسئلہ پرحضرت شیخ کی سوانح لکھنے والوں نے خاص گفتگو کی ہے چونکہ بعض لوگوں نے جومنسوب کردیا کہ شیخ سماع وغیرہ کے قائل تھے اور یہ ان کے یہاں ہوتا تھا، اس بارے میں ہمارے بزرگوں میں سے شیخ المشائخ محدث کبیر عالم جلیل حضرت شیخ زکریاؒ اورعالم جلیل فاضل کبیر حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود نبیرہ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں اچھی خاصی گفتگو کی ہے ان کواور دیگر کتابوں کوسامنے رکھ کر چند باتیں سپردقلم کی جاتی ہیں۔

(۱) سماع کی تعریف :سماع دوقسم پر ہے:

(۱) سماع لغوی (۲) سماع متعارف۔

سماع لغوی اسے کہتے ہیں کہ ذرا آواز بنا کر کوئی نعت وغیرہ پڑھ لی جاوے

کچھ گا دیا جاوے۔

(۲) سماع متعارف: با قاعدہ مجالس میں نغمات اور قوانین موسیقی کے مطابق گایا جائے جن میں آلات معصیت مزامیر، ڈھول، ہارمونیم، سارنگی، اور اس کے علاوہ تمام خرافات اور واہیات ہوں جیسا کہ اس دور میں فساق وفجار کا طریقہ ہے، ظاہر ہے کہ اس کے ناجائز وحرام ہونے میں کون مسلمان شک کرے گا۔

شرائطِ سماع

سماع کی پہلی صورت کی چند شرائط کے ساتھ گنجائش ہوسکتی ہے۔

(۱) شرط اول: رعایت زمان ومکان واخوان، یعنی وقت ایسا ہو کہ اس میں کوئی ضروری امر طبعی یا شرعی موجود نہ ہو مثلاً نماز کے اوقات، رعایتِ مکان آمد ورفت کی جگہ نہ ہوں بلکہ مخصوص جگہ ہو، رعایتِ اخوان تمام اہل مجلس ایک مشرب کے ہوں فساق وفجار نہ ہوں۔

شرطِ دوم: سماع سننے والے ایسے لوگ ہونے چاہئے جن کو سماع سننا مضر نہ ہو جیسے بے نمازی مقطوع اللحیہ اور شرعی احکام سے غافل لوگ ہیں، نیز ان میں مضامین کو سمجھنے کی پوری صلاحیت موجود ہو۔

شرط سوم: خوب کان لگا کر سنیں بغیر اضطرار کے نہ اچھلیں، نمائش نہ کریں بناوٹی وجد وحال کا اظہار نہ کریں۔

شرط چہارم: جب تک ضبط ممکن ہو کھڑے نہ ہوں آواز بلند نہ کریں۔

شرط پنجم: ایک کے کھڑے ہونے پر سب کھڑے ہوجائیں تا کہ اس کو قبض نہ ہو جس سے اس کی جان کا خوف پیدا ہوجاتا ہے اس مصاحبت سے اس میں بسط رہے گا، پھر

ان شرائط کے ساتھ موانع نہ ہوں جن کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

موانعِ سماع

(۱) مانع اول: یہ ہے کہ گانے والا کوئی خوبصورت امرد ہو یا کوئی عورت ہو جیسا کہ آج کل مشاعروں میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے سننے والوں میں شہوت کے جذبات ابھریں ۔

(۲) آلاتِ سماع ہوں۔

(۳) اشعار میں غلط مضمون ہو۔

(۴) سننے والوں میں قوت شہوانیہ غالب ہو۔

(۵) سننے والے عوام الناس ہوں۔

ان تمام باتوں میں سے کسی بھی ایک چیز کا وجود سماع کے لئے مانع بن جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے سماع جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ آج کل یہ ساری خرابیاں پائی جارہی ہیں۔

تکبیر اولیٰ فوت ہونے کے کفارہ میں دو برس کے روزے

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ سماع کی مشغولی میں تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تھی تو اس کے کفارہ میں دو برس روزے رکھے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات احکام شرع کا کتنا اہتمام واحترام فرماتے تھے جو کچھ سماع کی کیفیت تھی وہ بدرجۂ مجبوری علاجاً تھی نہ کہ حظ نفسانی کے لئے، آج کل کے لوگ ان اکابر کے حالات کا مطالعہ کریں پھر اپنے متعلق رائے قائم کریں کہ کس مقام میں ہیں، درحقیقت اپنے اعمال کو ان اکابر کا اتباع قرار دینا افتراء ہے اور ان کو بدنام کرنا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت ص ۸۶/ج ۱)

سماع کے بارے میں مشائخ کے اقوال

(۱) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ سماع بہرحال حرام ہے یا منکر ہے۔

(۲) حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ عوام کے لئے سماع حرام ہے اور شیخ بغدادیؒ نے آخر عمر میں اس سے توبہ کر لی تھی (دیکھئے شامی جلد۵)۔

(۳) قاضی ابوالطیب الطبریؒ نے امام شافعیؒ وابوحنیفہؒ، امام ثوریؒ اور علماء کی ایک جماعت سے ایسے اقوال نقل فرمائے ہیں جن سے سماع کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، علامہ علاؤالدین صاحب درالمختار فرماتے ہیں: وفی السراج: ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام ویدخل علیهم بلا اذنهم لانکار المنکر قال ابن مسعودؓ صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات قلت وفی البزازیة استماع صوت الملاهی کضرب قصبٍ ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیه فسق والتلذذ بها کفر ای بالنعمة الی ان قال انه علیه السلام ادخل اصبعه فی اذنه عند سماعه، واشعار فیها ذکر الفسق تکره قال العلامة ابن عابدین الشامیؒ صاحب ردالمحتار.

وما یفعله متصوفة فی زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس الیه.

وما تقول انه علیه السلام سمع الشعرلم یدل علی اباحة الغناء ویجوز حمله علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمة والوعظ وحدیث تواجده صلی الله علیه وسلم لم یصح.

وقال السرِّی شرط الواجد ان یبلغ الی حد لو ضرب وجهه بالسیف لایشعر قلت وفی التاتارخانیه عن العیون ان کان السماعُ سماعَ القرآن

والـمَـوعِظة يجوز وان كان سماع غنا فهو حرام باجماع العلماء ومن اباحه من الـصـوفية فهـو لمن تخلى عن اللهو وتحلى بالتقوىٰ واحتاج الى ذالک احتياج المريض الى الدواء وله شرائط .ستةٍ

(ا) ان لايـكـون فيه امرد (۲) ان تكون جماعتهم من جنسهم (۳) وان تـكـون نية الـقـول الاخـلاص لاا خذ الاجر والطعامِ (۴) وان لا يجتمعوا لاجل طـعـامٍ اوفتـوحٍ (۵) و ان لايـقـومـو ا الا مـغـلـو بيـن (۶) وان لايظهـر واوجداً الاصـادقيـن . والحاصل انه لارخصة في السماع في زماننا لان الجنيدؒ تاب عن السماع في زمانه انتهى (شامی ص۲۷۵/۲۷۶/ج۵)۔

علامہ شامیؒ کی اس طویل عبارت سے چند امور خلاصۃً لکھے جاتے ہیں۔

(۱) مزامیر آلات غنا کا استعمال علی الاطلاق حرام ہے، اوراس کے ساتھ تلذذ یعنی اس کا مزہ لیکر سننا کفر ہے، العیاذ باللہ (۲) ایسے اشعار ناجائز ہیں جو غلط مضامین پر مشتمل ہوں (۳) دورِ حاضر کے لوگوں کے لئے حرام وممنوع ہے (۴) آنحضور ﷺ نے ایسے اشعار سنے ہیں جو حکمت پر مشتمل تھے اوران چیزوں کا وہاں وجود نہ تھا جو آج ہیں یعنی وجد وحال کا اظہار، امردوں کا اجتماع، جاہلوں فساق وفجار کا اجتماع، ڈھول ڈھما کے وغیرہ وغیرہ (۵) آنحضور ﷺ سے وجد والی حدیث ثابت نہیں ہے، یعنی حضور ﷺ کے بارے میں بعض لوگ جو اس قسم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اشعار سنے اور آپ کو وجد آیا یہ ثابت نہیں ہے (۶) وجد اُس کے لئے جائز ہے جو اتنا مغلوب ہو کہ اگر اس کے تلوار ماردیں تو اس کو پتہ نہ چلے، اس سب کے لکھنے کے بعد علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں سماع حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اور حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ نے

اس سے توبہ کرلی تھی، جب حضرت علامہ شامیؒ نے اپنے دور کے بارے میں ایسا فرمایا ہے تو پھر ہمارے اس دور میں جب کہ خرافات ومحرمات کا شیوع عورتوں مردوں کا اختلاط اور اس پر مرتب ہونے والے قبائح اور برائیوں نے جو صورتِ حال پیدا کردی ہے اس میں کون اس کے جواز کا قائل ہوسکتا ہے؟

سماع بشرائط مخصوصہ مضطر کے لئے حلال ہے جیسا کہ مریضِ مضطر کے لئے بعض ایسی چیزیں بطور دوا حلال ہوجاتی ہیں جو ممنوع ہوتی ہیں مگر یہ سخت مجبوری کی حالت میں ہے۔

اب ہمیں واقعات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ شیخ عبدالقدوسؒ کا سماع اضطراری حالت پر محمول ہے یا کہ اختیاری تھا۔

اس سلسلہ میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں جن سے آپ خود فیصلہ کرلیں گے کہ وہ مجبور تھے، ضبط پر قادر نہ تھے۔

(۱) محکمۂ احتساب: یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور رد بدعات وخرافات کیلئے سلاطین اسلام کے عہد میں ہوا کرتا تھا کہ ایک امیر و ذمہ دار ہو، شیخ حسام الدین جب گنگوہ حاضر ہوئے تو ''محلّہ شہر'' میں قیام کیا اور شیخ علیہ الرحمہ جس محلّہ میں رہتے تھے وہ چونکہ اس سے کافی فاصلے پر تھا (جو سرائے کہلاتا ہے[۱]) کہلوا بھیجا کہ رقص وتواجد شرعاً حرام ہے آپ آئندہ احتیاط کیجئے گا، ورنہ مجھے اپنا فرض منصبی ادا کرنا پڑے گا، حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے شاہی محتسب کے حکم کی تعمیل کی اور کئی روز اسی طرح گذر گئے، بستی کے

---

[۱] قصبہ گنگوہ کی آبادی کچھ اس انداز کی واقع ہوئی تھی کہ بیچ میں ایک بڑا تالاب تھا اسکے مغربی کنارے پر ایک بہت بڑی آبادی تھی اسی میں ان بزرگوں کی خانقاہ واقع تھی اور شیخ جب شاہ آباد سے تشریف لائے تھے اسی علاقہ میں قیام فرمایا تھا اور دوسرا علاقہ جو تالاب کے مشرقی کنارے میں واقع تھا وہ شہر کہلاتا ہے، اب کثرت آبادی کی وجہ سے وہ تالاب تقریباً ختم ہوگیا ہے مگر سرائے اور شہر کی اصطلاح ہنوز باقی ہے۔

لوگوں نے اسپر اعتراض کیا اور کہا کہ شیخ محتسب سے ڈر گئے، شیخ علیہ الرحمہ تک جب ان کے الفاظ پہنچے تو فرمایا کہ میں مسلمان ہوں مسلمان زادہ ہوں حکم شرعی کے سامنے کیسے نہ گردن جھکاؤں، اس کے بعد پھر حضرت پر حال طاری ہوا برابر میں ایک عورت چکی پیستے ہوئے یہ مصرع گا رہی تھی ؎

یہ دیکھو چنبل کے گھاٹ پاٹ ڈوبیں اور پتھر ترائیں

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے جب یہ مصرعہ سنا تو تاثر شروع ہوا، شاہی محاسب کو اطلاع پہنچی وہ آئے تو نماز کا وقت ہو چکا تھا اس میں مشغول ہو گئے، نماز کے بعد پھر وجد طاری ہو گیا سماع فرمایا، محاسب نے اپنا فرض پورا کرنے کے لئے جب دروازہ پر قدم رکھا تو حواس باختہ ہو گیا، دیکھا کہ دو شیر منہ کھولے کھڑے ہیں محاسب نے چاہا کہ لوٹ جائیں، شیخ علیہ الرحمہ نے جلدی سے ہاتھ پکڑ لیا بالآخر منع کرنے کے لئے آئے تھے اور خود بھی شیخ علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق ہو گئے۔

واقعہ

شروع میں گذر چکا ہے کہ جب ان کے ماموں نے شیخ کو ظاہری تعلیم کے لئے مجبور کیا اور غصہ کا اظہار کیا تو بعض اشعار سنتے ہی وجد طاری ہو گیا، شیخ علیہ الرحمہ کا یہ حال اضطراری تھا چنانچہ حضرت کو مولانا رکن الدین صاحبؒ نے سماع سے منع کیا اور عرض کیا کہ حضرت شرعاً ممنوع ہے تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا!

ایک روز شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میاں رکن الدین یہاں آؤ! بدن دبانے کے لئے کہا ہاتھ لگایا تو بدن میں موٹے موٹے آبلے محسوس ہوئے، انہوں نے معلوم کیا تو شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی عشق الٰہی کی آگ سماع سے نکل جاتی تھی تم نے منع کر دیا

اس کا یہ اثر ہو رہا ہے، مولانا نے فرمایا آپ کے لئے حلال ہے آپ مضطر ہیں، آپ شرعاً معذور ہیں، آپ کا اس سلسلہ میں یہ حال تھا جو حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد دیگر ہنوز در اختلاف است

سبحان اللہ ایک آدمی تو جل گیا بھن کر خاک ہو گیا

اور دوسرا اس کے بارے میں اختلاف کر رہا ہے

بہر حال ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو شیخ علیہ الرحمہ کا سماع مزامیر وغیرہ امور محرمہ پر مشتمل ہوتا تھا جیسا کہ حضرت شیخ داؤد گنگوہیؒ سے کسی نے معلوم کیا کہ آپ کے دادا حضرت شیخ عبد القدوسؒ تو بغایت متبع سنت تھے میں نے سنا ہے کہ آپ کو مخصوص سماع وغیرہ میں بہت غلو ہے، فرمایا کہ غلط ہے ہمارے یہاں تو تالی بجانا بھی جائز نہیں، ان حضرات کے یہاں جو اشعار پڑھے یا سنے جاتے تھے وہ خرافات سے بالکل پاک وصاف ہوتے تھے ان مشائخ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ یہ حضرات ایسی قوّالیاں سنتے تھے، جیسے آج کل پروگراموں میں ہوتا ہے کہ شریعت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہوتا یہ ان حضرات پر ایک الزام ہے جس سے ان حضرات کی زندگی پر ایسا حرف آتا ہے جو ان حضرات کے مقصد حیات کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان حضرات کا منشاء اور مقصد ساری خانقاہی محنتوں کا، خود بھی شریعت وسنت کا اتباع تھا اور دوسروں کو بھی اسی پر گامزن کرنا تھا ، اگر یہ حضرات خود غیر مشروع افعال میں مبتلا ہوتے یا رہتے تو دوسروں کو کیسے بچنے کی دعوت دیتے؟ اور اگر بالفرض کسی سے کہیں ثابت بھی ہو جائے وہ حالتِ اضطرار پر محمول ہوگا جو اوروں کیلئے لائق اتباع نہیں ہو سکتا، پھر اصل اتباع تو جائز عمل میں ہوتا ہے نہ کہ غیر

شروع میں لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق الحدیث (مسند احمد) یعنی جس چیز میں اللہ پاک کی نافرمانی ہو اس میں کسی کی اتباع نہیں ہوسکتی۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ حضرت شیخ کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھار آپ کے بعض خادم جو خوش الحان تھے کوئی حمد یا نعت وغیرہ پڑھ دیا کرتے تھے، مستقل باقاعدہ مجلس منعقد کر کے لوگوں کو اکھٹا کر کے آپ نے ایسا کیا ہو یہ سب کچھ نہ تھا، واللہ تعالیٰ اعلم ۔جس طرح کا سماع شیخ کا تھا اس انداز کا سماع اور بہت سے مشائخ سے بھی ملتا ہے مگر اس سے مراد صرف اتنا ہے کہ کوئی غزل، حمد، نعت وغیرہ سن لی جائے نا کہ طبلہ وسارنگی وغیرہ کے ساتھ جس میں مزامیر وغیرہ شامل ہو، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء وغیرہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے وہ اسی انداز کی شئی تھی۔

چنانچہ درالمعارف رص ۳۹ ر پر امام العارفین قدوۃ الصالحین حضرت اقدس مرزا مظہر جان جاناں نقشبندی قدس سرہ العزیز کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ایک دن سماع کا ذکر آیا، آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ سماع وہ لوگ ہیں جو ماسوا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب متوجہ رہتے ہیں، جو کچھ سنتے ہیں حق کی جانب سے سمجھتے ہیں اور غیریت ان کی نظر سے اٹھی ہوئی رہتی ہے (غیریت یعنی غیر حق تعالیٰ کے تعلقات، ان کی طرف توجہات اور ظاہر ہے کہ ہمارے اس دور میں ایسے حالات کہاں، ذکر وفکر، مراقبات، توحید وعبادات سے کیا تعلق صرف قوالیاں کر لینا ہی دین داری تصور کر رہے ہیں استغفر اللہ العظیم) اور آنجناب نے فرمایا کہ وجد اور تواجد میں فرق ہے، وجد بے اختیار رقص کرنے کو کہتے ہیں لیکن تواجد اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور نیز فرمایا کہ درستی نیت کے ساتھ تواجد بھی صوفیاء میں جائز ہے۔

اور فرماتے تھے کہ حضرت نظام الدینؒ کی مجلس میں سماع ہوتا تھا مگر نہ تو اس میں باجا تھا اور نہ عورتیں اور نہ نابالغ ہوتے تھے بلکہ تالیوں کی آواز بھی نہیں ہوتی تھی، اور اس قسم کا سماع شریعت میں بھی جائز ہے جیسا کہ (کتاب) فوائد الفوائد اور سیر الاولیاء میں لکھا ہوا ہے اور فرماتے تھے کہ حضرت قطب المحققین خواجہ بختیار اوشی کاکی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس سماع مترنم میں (یعنی خوش آوازی کے ساتھ اشعارِ عاشقانہ سنتے ہوئے) اس شعر پر دار فانی سے دار جاودانی (ہمیشگی کے مکان) کی طرف رحلت فرما گئے تھے شعر:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

(تسلیم ورضا کے خنجر سے قتل ہوئے لوگوں کے لئے غیب سے ہر لمحہ ایک نئی زندگی ہے) اللہ اللہ حضرت مولانا جامیؒ کا کیا کلام ہے کہ جام وصال پلاتا ہے اور ہستی کی قید سے چھڑاتا ہے اور اسی دن کی محفل میں انسان کی جامعیت کا ذکر آیا تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے لکھا ہے کہ انسان تمام کائنات کا مجموعہ اس لحاظ سے ہے کہ جو کچھ عالم میں الگ الگ پایا جاتا ہے وہ سب انسان میں موجود ہے، مثلاً ''سر'' مثل آسمان کے اور ''خیالات'' مثل فرشتوں کے اور ''ہڈیاں'' پہاڑوں کی طرح اور ''خون'' بمنزلۂ دریا کے اور ''رگیں'' درختوں کی شکل میں پھیلی ہوئیں اور دونوں ''آنکھیں'' مثل چمکتے سورج اور روشن چاند کے، اسی طرح اور چیزوں پر قیاس کرلو، لیکن میں کہتا ہوں کہ انسان تمام ممکنات کا جامع اس لحاظ سے ہے کہ تمام عالم اسماء وصفات کا مظہر ہے لیکن انسان مظہر ذات ہے اور ذات تمام صفات کی جامع ہے (یعنی وہ آئینہ ہے جس میں سارا عالم دکھائی دیتا ہے) لیکن عارف ہی

دیکھتا ہے کہ تمام عالم میرے دل میں ہے بلکہ حضرت حق جل مجدہ وعلا بھی میرے دل میں جلوہ گر ہے، اکثر اولیاء اسی حالت میں وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور (حالتِ کیف میں) اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) اور سُبْحَانِی مَا اَعْظَمُ شَانِی (پاک ہے مجھ کو میری کیا بڑی شان) مَالَیْسَ فِیْ جُبَّتِی سِوَی اللّٰہ (میرے جبہ میں اللہ کے سوا کوئی نہیں) کا نعرہ لگاتے تھے مولانا جامیؒ نے فرمایا:

ما آئینہ جہاں نمائیم　　ما نورِ جمالِ کبریائیم
موجود بجز وجودِ ما نیست　　در ہر چہ نگہ کنی تو مائیم
ہر قطرہ کہ بنگری ز دریا　　دریاب کہ قطرہ نیست مائیم

ترجمہ:
ہم آئینہ جہاں نما ہیں　　ہم نورِ جمالِ کبریا ہیں
میرے سوا ہے اور کیا چیز　　جس سمت نظر اٹھاؤ ہم ہیں
دریا کا ہر ایک قطرہ دیکھو　　قطرہ نہیں ہے ہم ہیں

استاذ گرامی، شیخ وقت، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم ہندوستان نے فرمایا: کہ ایک صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے پوچھا کہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ بزرگ تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں بزرگ تھے، اس نے دریافت کیا کہ ان کی طرف سماع کی جو روایت منسوب ہے کیا وہ صحیح ہے؟ فرمایا جی ہاں صحیح ہے، اس نے کہا کہ پھر آپ کیوں نہیں سنتے؟ تو فرمایا کہ انہیں دلیل پہنچی ہوگی، ہمیں دلیل نہیں پہونچی، پھر حضرت دام مجدہ نے فرمایا کہ اس سے حضرت گنگوہیؒ کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی بزرگی کو بھی کتنا ملحوظ رکھا اور شریعت کا

بھی کتنا پاس ولحاظ کیا کہ قابل عمل نصوص ہی ہیں ، پھر فرمایا کہ جب شاہ عبدالقدوس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا رکن الدین صاحبؒ پڑھ کر عالم ہوکر آئے تو دیکھا کہ یہاں محفل سماع ہے پس حدیث ''من رأیٰ منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ '' (جو شخص تم میں سے کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے اس کو چاہیئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے) (رواہ الترمذی فی ابواب الفتن ۲/۴۰) پر عمل کیا حالانکہ اس وقت محفل میں صرف اللہ، اللہ کا نغمہ تھا مگراس کو بھی بند کرادیا، اس پر شیخ عبدالقدوسؒ نے یہ شعر پڑھا ؎

خشک تاروخشک چوب وخشک پوست　　　　از کجامی آید ایں آوازِ دوست

اس پر یہی اللہ اللہ کا نغمہ درودیوار اور فضا میں پیدا ہوگیا تو فرمایا کہ رکن الدین سے کہو اس کو بھی بند کردے، جب افاقہ ہوا تو مولانا نے کہا کہ ابا سماع شرعًا ناجائز ہے،فرمایا اچھا بھائی شرع کا حکم سرآنکھوں پر، آئندہ نہیں سنیں گے، پھرایک وقت فرمایا ذرا رکن الدین میرا بدن دبادو، وہ دبانے کیلئے بیٹھے تو دیکھا کہ بدن سے چار چار انگل کھال خشک الگ ہورہی ہے درخت کی چھال کی طرح، پوچھا ابا یہ کیا؟ فرمایا یہ وہی ہے، سماع سن لیتا تھا تو عشق الٰہی کی گرمی نکل جاتی تھی کچھ سکون ہوجاتا تھا،اب بدن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے،مولانا نے کہا کہ آپ کیلئے جائز ہے کیونکہ آپ کیلئے یہ تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جس کی اجازت ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت ص ۸۵/ج ۱)

حضرات مشائخ اولیاء اللہ کی تمام زندگیوں کی تمام تر محنتیں اور کاوشیں توحید کی اشاعت، کفروشرک سے لوگوں کو بچانا اور سنت کی طرف لانا اور بدعات وخرافات سے بچانا اور بندگان خدا کو بندوں کی خدائی سے ہٹا کر وحدہٗ لاشریک لہ کے دربار میں حاضر کرنا رہا

ہے، چونکہ یہ حضرات اپنے وقت کے مجدد ہوتے ہیں اور منصبِ رسالت کے جانشین بھی، اس لئے یہ حضرات قلوب میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومحبت اور آپ کی اطاعت یعنی پیرویٔ سنت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ایک ادنیٰ خادم بنا کر پیش کرتے ہیں، اور بیعت بھی توحید وسنت پر ہی کی جاتی ہے اور تمام ایمان والوں کو اچھے اخلاق کی طرف دعوت دی جاتی ہے، اور وہ حضرات جو ان سے بیعت اور منسلک ہوتے ہیں ان حضرات کی نگرانی اور تربیت کا فریضہ یہ حضرات بہت شوق وذوق سے ادا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جنہوں نے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے ان کو صحیح عقائد پر لانا، شرک سے بچانا، سنت پر لانا اور بدعت سے بچانا ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے، اس کا ہم سے اللہ کے یہاں محاسبہ ہوگا کسی بھی پیغمبر اور ولی کیلئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم میری عبادت کرو یعنی زندگی میں مجھے سجدہ کرو، یا یہ کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر سجدہ کرنا یا یہ کہ مجھ ہی سے مانگو اس لئے کہ مجھے سب اختیارات دیئے گئے ہیں، اور میرے مرنے کے بعد مجھ ہی کو حاجت روا جاننا اور مجھ ہی سے مانگنا، کسی بھی نبی، پیغمبر اور ولی وبزرگ کا نہ یہ عقیدہ رہا ہے اور نہ کسی نے اس قسم کی دعوت دی، حق تعالیٰ فرماتے ہیں ”كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝“ ترجمہ: (کوئی نبی یہ نہیں کہتا) بن جاؤ تم میرے بندے خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو، نیز فرمایا: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران پ۳/رکوع ۱۴) ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلّم ہونے میں) برابر ہے وہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ حق سے اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان بزرگوں کو ایسا سمجھتا ہو تو ان پر بعد والوں کے غلط عقائد اور غلط اعمال کا الزام نہیں دیا جاسکتا اور نہ وہ ان کے گناہ میں شریک ہیں۔

حیاتِ شیخ سے متعلق متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ امامِ مسجد وقت پر نہ آئے کسی دوسرے نے نماز پڑھائی جو شیخ علیہ الرحمہ کے رشتے داروں میں سے تھے، انہوں نے انعمت کے بعد فصل اور وقفہ کردیا شیخ علیہ الرحمہ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ فرمایا کہ نوعمروں کو امامت سے منع کرنا چاہئے لوگوں کی نمازیں فاسد نہ کریں، کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ ہوا کرتا ہے؟ درمیان میں وقفہ کرنا درست نہیں ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت مصنفہ حضرت شیخ زکریاؒ ص ۲۰۸)

(۲) شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ ایک دن ایک ہندو جوگی کی کٹیا (اس کے پوجا کی جگہ) کی طرف جا نکلے، دفعۃً چند چیلے اس کے نظر پڑے، آپ نے پوچھا کہ تمہارا گرو کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک مکان میں بند ہے جس کے اندر جانے کا کوئی راستہ

نہیں ہے صرف اپنے آنے جانے کے واسطے اس نے سوراخ کر رکھا ہے، شیخ علیہ الرحمہ بھی اسی سوراخ کے اندر سے تشریف لے گئے، وہ مشغول باطن تھا آپ نے توجہ ڈالی اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا ایک خدا کا بندہ ہوں اس کے ارادۂ قدرت سے آ گیا ہوں، شیخ علیہ الرحمہ نے اس سے معلوم کیا کہ تو اپنا کمال ظاہر کر اسنے کہا اس قدر عبادات وریاضات شاقہ کر چکا ہوں کہ پانی میں تبدیل ہو جاتا ہوں اور یہ کہہ کر فوراً پانی بن گیا، شیخ نے اس کے پانی میں ایک پھایا تر کر لیا اس کے بعد اپنی اصلی شکل میں موجود ہوا آپ نے فرمایا کہ اس پر تو میں بھی قادر ہوں اور تو میرے پانی سے ایک پھایا تر کر لینا اس نے ایسا ہی کیا پھر دونوں پھایوں کو سونگھا گیا تو شیخ علیہ الرحمہ کے پھائے میں خوشبو اور اس کے پھائے میں بدبو تھی، فرمایا بس یہ فرق ہے، ایمان وتوحید اور شرع کی رعایت کے بعد یہ مجاہدہ معتبر ہے اس کے بغیر بے سود، یہ سنکر وہ مسلمان ہو گیا اور شیخ کی غلامی اختیار کی (سیرت قدوسیہ ص ۵۶)۔

(۳) تاریخ مشائخ چشتیہ میں ہے کہ شیخ محمد غوث گوالیاری ''جواہر خمسہ'' کے مصنف جو بہت بڑے عامل تھے شیخ علیہ الرحمہ کے ہم عمر تھے، ایک بار ان کو زیارت کا شوق پیدا ہوا تو انہوں نے اپنے تابع کردہ جنات کو حکم دیا کہ شیخ کو لاؤ وہ خانقاہِ قدوسیہ میں پہنچے، شیخ نے خود ہی سر اٹھا کر معلوم کیا کون ہو؟ جنوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے وہ زیارت کا مشتاق ہے، اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ مطلق زحمت نہ ہو، شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا محمد غوث کو یہیں لے آؤ چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور لے کر چلدیے، انہوں نے کہا کہ یہ کیسی سرکشی ہے؟ جواب دیا کہ سب کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت کرتے ہیں مگر

شیخ کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت نہیں، غرض ان کو لے کر گنگوہ پہنچے شیخ نے بہت ڈانٹا آخر کار مرید ہو کر صاحب نسبت ہوئے، گوالیار میں مزار ہے (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۶)۔

دُور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں

(۴) حضرت شیخ کے ایک مرید تھے ان کو وسوسہ ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کرلی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں اور اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے، لہذا اور جگہوں کا بھی رنگ ڈھنگ چل کر دیکھنا چاہئے مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا، شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کرلیا اور ایک موقعہ پر ان سے فرمایا کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **سیر وا فی الارض** لہذا تم اگر کچھ عرصہ ادھر ادھر پھر آؤ تو تفریح بھی ہو جائے گی اور مختلف مشائخ کی زیارت و برکات سے بھی مشرف ہو جاؤ گے اور اس وقت میں اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو تو کچھ حرج نہیں، یہ مرید دل میں خوش ہو گئے کہ اچھا ہوا شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا، رخصت ہو کر روانہ ہوئے، جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے سب نے وہی پاس انفاس کا شغل بتایا جو کہ ابتداء میں شروع کرایا جاتا ہے، بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں وہ ابتداء (الف، با، تا) سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے، آخر شرمندہ ہو کر پھر حضرت شیخ گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی، شیخ نے فرمایا کہ کیوں بھائی اب تو تسلی ہوئی؟ بس دور کے ڈھول ہی سہانے معلوم ہوتے ہیں، اب ایک طرف گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۵)۔

محبت ہوتی تو خوشبو آتی

(۵) ایک مرتبہ حضرت کے ایک خادم نے جو امیر کبیر آدمی تھے، اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء وغرباء کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لے گئے، اس غرض سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانے کی اطلاع نہ ہو، لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے، وہاں پہونچ کر غرباء کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقع پر موجود ہے اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر ومدارات کی جارہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز واکرام کیا جارہا ہے، بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے، مگر اس خادم کو چونکہ اسکا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں موجود ہیں، اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے، اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو بالکل نہ پہچانا، یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں تشریف لے آئے، اس کے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے، انہوں نے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں، اس نے عذر کیا کہ جب سب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے تو کس طرح پہچانتا، فرمایا تم کو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی؟ اگر تمکو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے، مگر تم ہمکو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۶)۔

شیخ کے بارے میں چند اقوال

قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کو علماء وصوفیاء نے بڑا مقام دیا ہے بطور نمونہ چند

حضرات کے اقوال پیش کرتا ہوں:

''زبدۃ المقامات'' ملفوظات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ میں ہے کہ شیخ عبدالقدوس ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، حضرت مجدد سرہندیؒ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد جو شریعت وطریقت کے ماہر تھے، علوم ظاہری آپ نے اوائل عمر میں حاصل کئے تھے عالم شباب میں انجذاب الی اللہ کی کیفیت نے شیخ عبدالقدوسؒ تک پہنچادیا تا کہ سلوک کی تکمیل کریں، شیخ نے پوچھا کہ علوم ظاہری سے فراغت ہوگئی؟ عرض کیا بس علم فرائض باقی ہیں فرمایا ان کی بھی تکمیل کرو شیخ عبدالاحد نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تک اگر آنحضور کی زندگی نے وفانہ کی تو کیا کروں گا؟ فرمایا مولانا رکن الدین صاحب سے بیعت کرلینا وہ میرے سچے جانشین ہیں۔

اس گفتگو کے بعد شیخ عبدالاحد چلے گئے اور باقی علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے کہ شیخ عبدالقدوسؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع پہنچی، پھر تو کیا تھا دل تنور کی طرح دردحسرت سے بھڑک اٹھا آہوں سے پر فریادوں سے معمور اور شورسوں سے لبریز ہوگیا، آنکھیں ندیوں کی طرح بہنی شروع ہوگئیں، روح کے اضطراب اور بیقراری کی کوئی حد باقی نہ رہی بزبان حال پکار اٹھے

اک میری ہی پریشانی قسمت لکھ کر
تہ کیا کاتب تقدیر نے دفتر اپنا!!

چونکہ تحصیل علوم سے فارغ ہونے میں ایک بہت ہی قلیل مدت رہ گئی تھی اس لئے عین فارغ ہونے کے وقت آپ کو شیخ کی وفاتِ حسرت آیات کی خبر پہنچنا یہ ایک نہایت ہی

تکلیف دہ اور نا قابل برداشت رنج والم کے پیدا کرنے والی خبر تھی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا بیحد شوق تھا بہت سی امیدیں اور آرزوئیں دل میں تھیں، مگر اس حسرت ناک خبر کے سنتے ہی سب خاک میں مل گئیں ؎

دل کی گتھی جو تھی الجھی سو وہ الجھی رہ گئی اپنی روداد الم یونہی ادھوری رہ گئی

اس جانکاہ حادثہ کا صدمہ حضرت شیخ عبدالاحد صاحبؒ پر بہت پڑا ہر وقت یہی کہتے کہ کاش! میں تعلیم سے چند یوم پہلے فارغ ہو گیا ہوتا کاش! میں نے اپنی دلی آرزوؤں کو پورا کرلیا ہوتا مگر افسوس ؎

حیف ہے وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک

آخر صبر سے کام لیا اور تکمیل تحصیل کے بعد کئی سال مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے شیخ قدس سرہ العزیز کے آستانہ پر حاضر ہوئے، شیخ رکن الدین کو شیخ قدس سرہ العزیز شیخ عبدالاحد کی تعلیم کے متعلق ہدایت فرما گئے تھے، انہوں نے اس کے بموجب آپ کا کمال اعزاز کیا بہت جلد فیوض و برکات سے بہرہ یاب کرا کے آپ کو طریقۂ قادریہ اور چشتیہ، صابریہ کا خرقۂ خلافت عنایت فرمایا، غرض حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے سلوکِ باطنی میں سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ شیخ رکن الدینؒ سے پورا کیا اور پھر حضرت مجدد صاحبؒ کو سلسلہ چشتیہ میں آپ سے فیض پہونچا چونکہ وہ اس سلسلہ میں اپنے والد کے خلیفہ ہوئے، تو اس طرح حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت قطب عالم کا فیض پہنچا، نیز جس زمانہ میں حضرت مجدد صاحب کے والد حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی خدمت میں آئے تھے جب آپ نے فرمایا میں تمہاری پیشانی میں ایک ولی

برحق کا نور جلوہ گر دیکھ رہا ہوں جس سے بدعت و گمراہی کا خاتمہ ہو جائے گا اگر میری زندگی نے اس وقت تک وفا کی تو میں اس کی خدمت کو بارگاہ الٰہی کے قرب کا وسیلہ گردانوں گا (سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی رص ۴۷)۔

صاحب ''اقتباس الانوار'' نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ از محتشمان روزگار وعارفان صاحب اسرار میں سے تھے، بلند شان رکھتے تھے اربابِ عشق ومحبت میں امتیازی مقام پر فائز تھے، تمام مشائخ نے ان کے کمال کو تسلیم کیا ہے مریدوں کی تربیت میں بہترین انداز رکھتے تھے، صاحبزادے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خفیۃً درود ووظائف شروع کردئے اول دن جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ابھی کوئی بھی وظیفہ مت شروع کرو جب ہم کہیں گے شروع کرنا۔

اسی طرح صاحبزادگان نے شب بیداری شروع کرنی چاہی لیکن شیخ نے اشراق باطنی سے معلوم کرلیا اور فرمایا کہ تم لوگ ابھی بچے ہو، خبردار! شب بیداری مت کرنا۔

ایک شخص جو حضرت کے مرید تھے ایک روز تنہا کسی تالاب کے کنارے گئے جگہ بالکل سنسان تھی انسانوں کا گذر بہت کم ہوتا تھا، اچانک ایک خوبصورت عورت نظر آئی، نفس جو امارہ بالسوء ہے فوراً برے خیالات میں گھر گیا اور غلط کام کی تیاری کرنے لگا کہ دفعۃً تالاب کے وسط میں شیخ عبدالقدوسؒ کو بیٹھا ہوا دیکھا، فوراً متنبہ ہوگئے، سنبھل گئے یہ شیخ کی کرامت بھی ہے اور مریدوں کے حالات سے خبردار رہنا بھی ہے جو شیوخ کیلئے بہت ضروری ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ کی نظر اس قدر تاثیر رکھتی تھی کہ جس پر نظر پڑ جاتی درجۂ کمال تک پہنچ جاتا حتی کہ خانقاہ قدوسیہ کے سائیس وکناس (یعنی جاروب کش وغیرہ) بھی صاحب ولایت تھے مصنف ''اقتباس الانوار'' نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے

جلال و جمال دونوں اوصاف بدرجہ اتم عطا فرمائے تھے، اس سلسلے کے بعض مشائخ پر صفت جلال کا غلبہ ہے جیسے شیخ علاؤ الدین صابر کلیریؒ[1] کہ بہت زائد جلال رکھتے تھے ان کے بارے میں شیخ کا قصہ آستین بھی مشہور ہے اور بعض مشائخ پر جمال غالب تھا مگر شیخ عبدالقدوسؒ نے دونوں میں اعتدال پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں اس سلسلہ کی ترقی شیخ ہی سے ہوئی، خود فرماتے تھے کہ میں نے سلسلہ چشتیہ کو ایک دوسرا رنگ بخشا ہے صاحب مرأۃ الاسرارؒ نے لکھا ہے کہ قطب عالم شیخ عبدالقدوسؒ کو اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی عطا فرمائی تھی کہ سلطان بہلول لودھی کے زمانے سے سلطان نصیر الدین محمد ہمایوں کے دور تک تمام ادوار دیکھے، شاہان عالم آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، حضرت نے شاہان عالم کی اصلاح کیلئے ان کے پاس خطوط بھی لکھے ہیں۔

''تذکرۂ اولیاء'' میں یہاں تک مرقوم ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ سے ہمایوں کو کافی محبت تھی اور وہ ان سے علوم و معارف اور تصوف کے حقائق بھی حاصل کرتا تھا (منتخب مکتوبات/ص ۹)۔

شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''اخبار الاخیار'' میں لکھا ہے کہ شیخ بڑے درجے کے آدمی تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی شیخ عبدالقدوسؒ سے بہت زیادہ مناسبت اور تعلق تھا اکثر ان کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے تھے، ایک جگہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا مجھے جو بھی ملا وہ حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی برکت ہے۔

---

[1] آپ حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے ہیں ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۶ء میں ملتان کے ایک مقام کوتوال میں آپ تولد ہوئے ۱۲/سال حضرت فریدؒ کے لنگر خانہ کے خادم رہے اذن صریح نہ ہونے کی وجہ سے کچھ تناول نہ فرمایا اور ہمیشہ روزہ دار رہے دریافت کرنے پر فرمایا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد اس میں تصرف کرتا، یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا خطاب ملا، صاحب حال و استغراق بزرگ تھے فنافی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے ۱۳/ربیع الاول ۶۹۰ھ مطابق ۱۲۹۱ء میں وفات ہوئی کلیر میں مزار ہے۔

''تذکرۃ الرشید'' میں ایک جگہ ہے کہ ایک بار مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک بار شیخ عبدالقدوسؒ کی خواب میں زیارت کی شیخ عبدالقدوسؒ دروازہ پکڑے ہوئے اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد بعدد کل ذرۃ الف الف مرۃ پڑھ رہے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اس درود شریف کو بکثرت پڑھا اور بہت سارے فائدے وبرکات ظاہر ہوئے (تذکرۃ الرشید ج ۲/ص ۳۱۶)۔

شیخ عبدالقدوسؒ کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

وکان صاحب المقامات العلیة والکرامات المشرقة الجلیة والأذواق الصحیحة والمواجید الصادقة وکان یستمع الغناء یفرط فیه ویفشی أسرار التوحید علی عامة الناس ویستغرق فی بحار الجذبات والسکر ومع ذلک کان لایقصر فی اتباع السنة والتزام العزائم وکان متحلفاً بدوام الذل والافتقار والتبتل الی الله سبحانه والتوکل علیه وکان شدید التعبد کثیر البکاء کثر ذکر الموت والخواتم کہ شیخ عبدالقدوس صاحبؒ بلند مقامات روشن کرامات والے انسان تھے صاحب ذوق وجد صادق رکھتے تھے، اللہ کی محبت وعشق کے اشعار وغیرہ بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ سنتے تھے اور وجد وحال آپ پر طاری ہو جاتا تھا، اسکے باوجود اتباع سنت اور اختیار عزیمت میں بالکل کوتاہی نہیں کرتے تھے، اللہ کی بہت عبادت کرنے والے تھے اور اللہ کے سامنے بہت رونے والے تھے، موت کو کثرت سے یاد کرتے اور رویا کرتے تھے اور اپنے خاتمہ کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے۔

چنانچہ ایک بار حضرت شیخ کو کسی نے ایک خط لکھا اور اس میں قطب عالم غوث اعظم وغیرہ کے الفاظ لکھے تو آپ بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کون ہے یہ خط لکھنے والا؟ (کیسا

قطب، کیسا غوث اگر عبدالقدوس کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو خیریت ہے) سبحان اللہ! یہ تھا اولیاءاللہ کا حال اور ایک ہمارے حالات ہیں کہ بالکل مطمئن ہیں گویا کہ جنت ہماری میراث ہے بغیر شریعت وسنت کے ہی مل جائے گی، ایسے ہی صرف امیدوں سے کیسے کام چلتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ ترجمہ: نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی یار ملے گا نہ مددگار ملے گا۔

شیخ عبدالقدوسؒ کے چند ملفوظات وارشادات

(۱) ایک جگہ فرمایا کہ بندہ کو مشیت خداوندی میں کیا دخل؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک کام کے بارے میں آپ کی تمنا کچھ اور تھی اور ہوگیا تھا کچھ اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مشیت خداوندی میں بندہ کو کوئی دخل نہیں ہے، جو خدا تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے۔

(۲) قطب از جائی جنبد   ولے جنبد بادشاہ وقت بمیرد

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابراہیم لودھی نے جب کہ اس کا پانی پت کے میدان میں شاہ بابر سے معرکہ جنگ ہونا طے ہو چکا تھا، دعا کرانے کے لئے اپنے وزیر کو حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا چونکہ حضرت پر استغراق کامل کا عالم طاری تھا اس کے احترام واکرام کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور مطلقاً توجہ نہیں کی اس پر اس نے کہا کیسا قطب ہے جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، اس پر حضرت نے فرمایا ہاں! اگر حرکت کرے تو بادشاہ وقت کا خاتمہ ہو جائے، کچھ دنوں کے بعد پانی پت کے میدان میں جنگ ہوئی اور ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی اور بابر غالب آگیا، حالانکہ آپ کا رجحان ابراہیم ہی کی طرف تھا کہ وہ غالب ہوتو

اچھا ہے لیکن جو اللہ کو منظور تھا وہی ہوا، بابر کو اس بات کا علم ہوا کہ شیخ کا میلان ابراہیم کی طرف تھا تو اس نے شیخ سے کہلوایا کہ آپ نے میرے مقابلہ میں اس کی حمایت کیوں کی؟ فرمایا کہ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ تمہارے مقابلہ میں زیادہ دیندار ہے اس کے اندر دین کی حمایت کا جذبہ تمہارے سے زیادہ ہے، اس نے پھر پوچھا جب آپ کی دلی تمنا تھی تو وہ غالب کیوں نہیں ہوا؟ اس پر فرمایا کہ اللہ کی مشیت میں بندہ کو دخل نہیں ہے۔

(۳) کوئی ذکر تلاوت کلامِ اللہ سے بڑھ کر یا اس سے بلند نہیں ہے سارے مشائخ چشتیہ کا عقیدہ ہے کہ خلوص کے ساتھ تلاوت قرآن کریم روحِ انسانی کو جلا دے کر پرتوے قدسی کا آئینہ بنا دیتی ہے۔

(۴) ''بندگان خدا را از خلق خدا چہ کار'' اس کا پس منظر یہ ہے کہ گنگوہ کے لوگوں نے شیخ عبدالقدوسؒ کی خدمت میں بمقام شاہ آباد (انبالہ) ایک عریضہ لکھا جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ شاہی عامل گنگوہ بندوبست اراضی کی غرض سے یہاں آیا ہوا ہے حضرت تشریف لا کر اپنی اراضی جو ڈابر کے قریب ہے اپنے نام درج کرالیں تو شیخ نے جواب میں لکھدیا ''بندگان خدا را از خلق خدا چہ کار'' یعنی بندہ کو ان چیزوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

(۵) اتباعِ شریعت پر شیخ علیہ الرحمہ نے اپنے ملفوظات ومکتوبات میں کثرت کیساتھ ترغیب دی ہے، اتباعِ سنت شیخ کے ذیل میں یہ مضمون آچکا ہے۔

وفات حسرت آیات

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (سورۂ آل عمران) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (سورۂ رحمن) ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور جو بھی آیا اس کو فنا ہونا ہے، باقی رہنے والی ذاتِ پاک اللہ الصمد ہی کی ہے وہی ہمیشہ

سے ہے ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی رہا نہ کوئی رہیگا اگر کوئی رہتا تو حضرات انبیا علیہم السلام رہتے کہ وہ اس کے زیادہ مستحق تھے، جبکہ سید عالم ﷺ کے حق میں فرمادیا گیا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ (سورۂ انبیاء)

اور کہیں فرمایا گیا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۂ زمر) آپ سے پہلے ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنے کا موقع کسی کو نہیں دیا یعنی کوئی نہیں رہا جو آپ رہیں گے، ایسا نہیں ہے کہ آپ انتقال کر جائیں اور دوسرے لوگ یہاں ہمیشہ رہیں سبھی کو اس دنیا سے اپنے اپنے وقت پر رخصت ہونا ہے اور اپنے کئے کا بدلہ پانا ہے، بروں کو برا اور اچھوں کو اچھا، موت انبیاء علیہم السلام کے حق میں اور اہل اللہ کے حق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے اور اپنی محنتوں کے بہترین صلے اور بدلے پانے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے، اسی طرح اولیاء اللہ زندگی بھر جس کی ملاقات کیلئے جیتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں موت کی ظاہری تلخیوں سے گزر کر فوراً رب کریم کی ملاقات کے مزے اور جنت کے باغات کی سیر کے مواقع میسر آجاتے ہیں، چونکہ اولیاء اللہ ہر وقت آخرت کی تیاری کرتے ہیں اس لئے موت سے انہیں زیادہ کوئی خوف نہیں ہوتا بلکہ اشتیاق وانتظار رہتا ہے، کیونکہ درحقیقت موت ایک ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے اور اصل منزل تک رسائی کا ذریعہ ہے چونکہ انسان کی اصل منزل تو آخرت ہی ہے یہ دنیا ایک سفر گاہ ہے عبرت گاہ اور تماشہ گاہ ہے، دائمی اور حقیقی آرام گاہ اور مستقر تو آخرت ہی ہے جو بھی آیا وہ جانے کے لئے ہی آیا، سوائے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات کے ہر شئے کو فنا ہونا ہے، وہ شخص کامیاب وبامراد ہو گیا جس نے اس حقیقت کو سمجھ کر اصل مستقر کی تیاری میں لمحاتِ زندگی اور اوقات عزیز صرف کئے اور اللہ سے واصل ہوا، حضرات اہل اللہ اپنے تعلق مع اللہ، ربط

باللہ اور عشق ومحبت کے سبب حیاتِ جاودانی حاصل کر لیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ حقیقت میں زندہ ہی ہیں کیونکہ وہ اس سے قبل اللہ تعالی کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کر چکے تھے مگر چونکہ ظاہری طور پر موت کو اللہ تعالیٰ نے اس دار فانی میں ہر شخص کے لئے مقرر فرما رکھا ہے اس لئے اس قانون قدرت سے کسی چیز کا استثناء ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ اس آفتابِ کمالات شاہِ ولایت قطب العالمؒ کو بھی اس مرحلہ سے گزرنا ہی تھا چنانچہ اس کے اسباب بنتے چلے گئے ''لطائف قدوسی'' میں مولانا رکن الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ اس دارِ فنا سے انتقال فرمانے سے تین سال قبل حضرت پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا تھا گفتگو وکلام بالکل ترک فرما دیا تھا، اس دوران ہمیشہ فناء فی اللہ اور مقام احدیت میں غرق رہتے تھے صرف نماز کے وقت ''حق حق'' کی آواز پر بیدار ہو جاتے تھے، ایک روز مولانا رکن الدین صاحبؒ کے برادر معظم شیخ احمدؒ نے باہم گفتگو کی کہ اس سکوت کا سبب معلوم ہو جائے تو اچھا ہے اطمینان ہو جائے گا کہ یہ سب کیا کیفیت ہے، حضرت سے عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے ذکر اللہ میں دل کو اس قدر کوٹ دیا ہے کہ میرا تمام وجود ہی عین ذکر بن چکا ہے اس کے اندر ہر وقت بحر فنا موج مارتا رہتا ہے اور میں اسی میں غرق رہتا ہوں، یہ مراقبۂ فنا ہے جو ما سوا اللہ سے تعلقات کو ختم کر دیتا ہے اور صرف اللہ پاک کی ذات وصفات ہی سے وابستہ رکھتا ہے اور یہی میری ساری محنتوں کا لب لباب اور ماحصل ہے، مگر اس سب کے باوجود بھی نمازوں سے اور امور شرعیہ سے غفلت نہ ہوتی تھی اور کھانا وغیرہ بہت کم ہو چکا تھا زبردستی کرنے پر کچھ کھا لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بحمد اللہ میں اس مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ بغیر کھائے بعض اوقات کام چلا سکتا ہوں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس منزل پر

آکر ذکر ہی ان حضرات کی غذا بن جاتا ہے جس کے بعد اور کسی غذا کی ضرورت نہیں رہتی، چنانچہ قیامت کے قریب ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ایمان والے ذکر اللہ سے کام چلالیا کریں گے، جب کہ اس زمانہ میں عام ایمان والوں کی یہ کیفیت ہوگی تو اگر اولیاء اللہ کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور نہ قابلِ اعتراض۔

۱۵ر جمادی الآخر بروز دوشنبہ ۹۴۴ھ حضرت قدس سرہ کو بخار شروع ہوا جو مسلسل چار دن چلتا رہا، پانچویں دن جمعہ کو اس میں یک گونہ تخفیف محسوس ہوئی نماز جمعہ اطمینان سے ادا فرمائی بعد نماز جمعہ پھر بخار میں شدت آگئی اور پھر برابر چار یوم اسی حالت میں گزر گئے، باوجود انتہائی درجہ ضعف اور علالت کے عبادت کے شوق میں کوئی کمی نہ آنے دی، اس دوران ایک رات میں متعدد بار وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی بالآخر وصل حبیب کا وہ وقت بھی آپہنچا جس کا ایک بے قرار کو بڑی اضطراری کے ساتھ انتظار تھا، چنانچہ سہ شنبہ کا دن تھا، چاشت کا وقت آچکا تھا، وضو کے لئے اشارہ فرمایا وضو کے بعد دو رکعت کی نیت باندھی کہ عین حالت صلوٰۃ میں ہنستے اور مسکراتے یہ روحِ مقدس ''روح وریحان وجنت نعیم'' کی بہار دیکھنے کیلئے اپنے جملہ متعلقین ومتوسلین کو یتیم و بے کس چھوڑ کر اس دار فنا سے دار بقا کی طرف ۲۴ر جمادی الآخر بروز سہ شنبہ ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۷ء کو مشاہدۂ حبیب کیلئے انتقال فرما گئی اور اس طرح آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور اعلیٰ علیین میں پہنچ کر قرار حاصل کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے بعد حضرت شیخ مولانا رکن الدین صاحبزادہ نے سینہ اقدس پر ہاتھ رکھا تو دل کی حرکت ذکر اللہ کے ساتھ بدستور جاری تھی۔

سچ کہا گیا'' ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلبون من دار الی دار ''

بیشک اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک دار سے دوسرے دار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، شیخ اجل سے تاریخ وفات ۹۴۴ھ برآمد ہوتی ہے، گنگوہ محلہ سرائے میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

نہ سکون ہے نہ قرار ہے   نہ غم و الم کی شمار ہے
یہ نظر جو آتا مزار ہے   وہ حبیب اس میں سما گئے

آہ!

وہ شمعِ ہدایت جس پر لاکھوں پروانے فدا ہو رہے تھے اور اپنے تن من کو نثار کر رہے تھے آناً فاناً گل ہوگئی، وہ چراغ جس کی روشنی سے غریب مسلمانوں کا اندھیرا گھر منور تھا یکا یک بجھ گیا، وہ ماہتاب جس کی ضو پاشی گم گشتگانِ راہ کے لئے خضرِ راہ کا کام دے رہی تھی فوراً بدلی کے نیچے آکر چھپ گیا، وہ آفتاب جس کی منور اور روشن کرنوں نے اقطابِ عالم کو چمکا رکھا تھا دیکھتے دیکھتے غروب ہوگیا۔

باقیات صالحات

صاحبزادگان عالی مقام

یوں تو حضرت شیخؒ کی اولاد جسمانی اور روحانی کثیر ہے جو آپ کے بعد آپ کیلئے عظیم صدقۂ جاریہ ہے مگر یہاں آپ کی حقیقی و جسمانی اولاد اور کچھ خلفاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقدوسؒ کو اولاد بہت دی تھی اور آپ کے تمام فرزند عالم فاضل، عابد وزاہد اور متقی و پرہیزگار تھے، لباسِ مشائخین سے آراستہ تھے، صاحبِ سیرت قدوسیہ نے لکھا ہے کہ آپ کے دس صاحبزادے تھے۔

(۱) شیخ حمید الدینؒ   (۲) شیخ احمدؒ

(۳) شیخ علیؒ | (۴) شیخ محمد محدثؒ
(۵) حضرت شیخ عبدالسلامؒ | (۶) شیخ نظام الدینؒ
(۷) شیخ قطب الدینؒ | (۸) شیخ محی الدینؒ
(۹) شیخ نورالدینؒ | (۱۰) شیخ رکن الدینؒ

ان میں اول الذکر پانچ صاحبزادے اور ایک آخر کے عمر طبعی تک پہنچے اور بقیہ چار بچپن میں ہی انتقال کر گئے اور شاہ آباد (انبالہ) میں مدفون ہوئے، ان چھ صاحبزادوں میں شیخ احمدؒ، شیخ رکن الدینؒ کے متعلق خلافت کا پتہ مل سکا ہے، ذیل میں چند مشہور صاحبزادگان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) شیخ رکن الدینؒ

سرزمین گنگوہ کی ان عظیم شخصیات میں جن کی ذات میں کمالات ظاہری وباطنی جمع تھے اور علوم روحانیت میں ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہوئے مولانا شیخ رکن الدینؒ بھی ہیں آپ کا نام محمد ہے رکن الدین سے مشہور ومعروف ہوئے، آپ کی پیدائش شاہ آباد میں ۱۵؍جمادی الاولی ۸۹۷ھ میں ہوئی جیسا کہ خود مولانا نے ''لطائف قدوسی'' میں تحریر کیا ہے، کچھ بڑے ہوئے علوم ومعارف کے اشتیاق میں اس دور کے مرکز علم وفن دہلی روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر بہت سے علماء سے استفادہ کیا، چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین دہلویؒ، شیخ سید احمد الحسینی الملتانیؒ، شیخ ابراہیم بن معین الحسینیؒ، علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد علوم روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد ماجد قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ سے بیعت ہوئے، شیخ قطب العالم جامع السلاسل تھے ہی اس لئے تمام علوم ومعارف ان سے حاصل کر لئے، مزید سلسلۂ قادریہ شیخ ابراہیم

الحسینی مذکور سے حاصل کیا جو آپ کے استاذ بھی ہیں۔

شیخ رکن الدینؒ کے کمال دینی کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو شیخ جلال الدین تھانیسری اور عزیزم مولانا رکن الدین کو پیش کردونگا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ قطب العالمؒ ان کو کس درجہ کا سمجھتے تھے، نزہۃ الخواطر ص ۲۷۰ رج ۴ رمیں لکھا ہے کان من المشائخ المشھورین فی الطریقة الچشتیه یعنی آپ خود بھی مشائخ چشتیہ میں سے ایک بڑے مقام پر فائز تھے۔

نیز محدث دہلوی شاہ عبدالحقؒ نے اخبار الاخیار ص ۲۷ رج ۴ ر میں آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے اور یہ کہ بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ دربار الٰہی تھے، حضرت اقدس مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے والد بزرگوار آپ ہی سے بیعت ہوئے، جسکی پوری تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

مختصر یہ کہ اصل میں تو آپ حضرت قطب العالم سے بیعت ہونے کے لئے آئے تھے حضرت نے معلوم کیا کہ ظاہری تعلیم سے فراغت ہوگئی یا نہیں؟ عرض کیا کہ بس فرائض باقی ہیں فرمایا پہلے یہ بھی حاصل کرلو پھر اس طرف متوجہ ہونا اس پر انہوں نے عرض کیا تھا کہ اگر حضرت کو نہ پاؤں تو کیا کروں گا؟ حضرت نے فرمایا میرے بیٹے رکن الدین سے بیعت ہوجانا جو فیض ہم سے ہوتا ہے ان سے بھی ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب علم فرائض سے فارغ ہوکر آئے تو حضرت کا انتقال ہوچکا تھا مولانا رکن الدینؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے خلیفہ ہوئے، صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے اخذ عنه الشیخ عبدالاحد بن زین العابدین العمری السرھندی و خلقٌ کثیر

(نزہۃ الخواطر ص ۲۷۰ ؍ ج ۴) یعنی آپ سے شیخ عبد الاحد نے علوم روحانیت حاصل کئے اور بہت سے لوگوں نے شیخ رکن الدینؒ سے فیض حاصل کیا۔

تصانیف

حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ علم ظاہری و باطنی دونوں میں درجۂ کمال پر فائز تھے آپ کے قلم سے جو کتابیں نکلیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مرج البحرین (۲) لطائف قدوسیہ (۳) مکتوبات۔

وفات

۹۷۲ھ یا ۹۸۳ھ گنگوہ میں ہی انتقال ہوا، آپ کا مزار حضرت قطب العالم کے برابر میں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) شیخ حمید الدینؒ

آپ قطب العالم کے بڑے صاحبزادے ہیں صاحبِ نزہۃ الخواطر نے ’’احد العلماء المتصوفین‘‘ سے آپ کو یاد کیا ہے، آپ کی پیدائش ردولی میں ۸۸۶ھ میں ہوئی، گنگوہ میں نشوونما ہوئی، آپ نے علم کے لئے سفر فرمایا مولانا قطب الدین سرہندیؒ اور شیخ احمد الحسینیؒ الملتانی اور ان کے علاوہ دیگر علماء سے استفادہ کیا علمِ روحانیت والد بزرگوار قطب العالمؒ سے حاصل کیا۔

آپ کا مزار بھی گنگوہ میں ہے آپ نے وحدۃ الوجود پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا مولانا رکن الدینؒ نے ’’لطائف قدوسیہ‘‘ میں ذکر کیا ہے (نزہۃ الخواطر ص ۱۹۰ ؍ ج ۴) مگر صاحبِ نزہۃ نے آپ کو عبد المجید کے نام سے موسوم کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ عبد المجید نام ہو اور حمید الدین لقب ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ احمدؒ

آپ بھی شیخ المشائخ قطب العالمؒ کے صاحبزادے ہیں اور مشائخ مشہورین میں بقول صاحب نزہۃ الخواطر ان کا بھی شمار ہے، اجازت وخلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی، سماع، وجد، حال اور وحدۃ الوجود کے قائل تھے، ان کا اس سلسلہ میں ایک رسالہ بھی ہے، ان تمام مسائل میں شیخ احمدؒ کے بیٹے مولانا شیخ عبدالنبیؒ نے ان کی مخالفت وتردید کی تھی جس کی وجہ سے اہل خاندان نے ان کو گنگوہ سے نکال دیا تھا جو یہاں سے دہلی پہنچے، اللہ پاک نے آپ کو علوم وفنون کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے بہت جلد بامِ عروج پر پہنچ گئے، شاہ اکبر کا دور تھا اس کو مسند صدارت کیلئے ایک بڑے عالم فاضل کی ضرورت تھی اس کا آپ کو علم ہوا، طلب کیا اور آپ کو صدارت عظمی پر فائز کیا، جس کی مزید تفصیل خود ان کے احوال میں آرہی ہے، شیخ احمدؒ کی وفات حسرت آیات ۹۷۲ھ میں ہوئی (نزہۃ الخواطر ص ۲۲ ج ۴)۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے چند خلفاء کا تذکرہ

سرزمین گنگوہ میں آپ کی مستقل ایک بڑی خانقاہ چلتی تھی جس میں ہزاروں طالبین توحید ومعرفت کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا اور اللہ کی ایک بڑی مخلوق حق تعالیٰ شانہ کے عشق ومحبت کے جام پینے کیلئے پروانہ وار پڑی رہتی تھی اور سالکین ہر وقت ذکر اللہ، مراقبہ، صحبت شیخ اور زیارت شیخ سے مشرف ہوتے اور باطنی کیفیات میں یوماً فیوماً ترقی کرتے رہتے تھے اور وقت پر جو میسر آتا گذارا کرتے، کبھی خانقاہ میں کھانا ہوتا اور لنگر طعام چلتا تو اللہ کا شکر بجالاتے اور نہ ملتا اور فقر وفاقہ ہوتا تو بہت سے روزہ رکھتے اور بہت سے اسی

حالت میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور صبر کی وادیوں کی تفریح کرتے اور شکوہ شکایت نہ کرتے، یہی چیز خانقاہوں کی جان اور روح ہے کہ وہاں آکر صرف اور صرف یادالٰہی میں مصروف کار ہوں اور اپنے تمام خیالات سے یکسو ہوکر دنیا اور دنیا کے تعلقات کو کم کر کے بلکہ پس پشت ڈال کر صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت دل میں رچانے اور بسانے میں لگا رہے، یہ اس زمانہ کی خانقاہیں ہوتی تھیں، یہ تزکیہ واحسان کی دکانیں یہ معرفت ومحبت کے خزانے پانے کے مقامات خانقاہوں سے موسوم تھے اور رسول اللہ ﷺ سے لیکر آج تک یہ سلسلہ برابر کہیں نہ کہیں چلا آرہا ہے، اگرچہ اس میں بھی بہت سے غلط اور باطل پرست لوگ مل چکے ہیں جنہوں نے اس کی صورت کو مسخ کر دیا اور صرف تعویذ گنڈوں اور بے محابہ عورتوں اور اجانب کا اختلاط ہونے لگا اور وہاں تمام خرافات دیکھنے میں آنے لگی ہیں اور جو روح تھی خانقاہوں کی یعنی ذکر وفکر، مراقبہ ومشاہدہ، نمازوں کا اہتمام، روزہ کا اہتمام اور تلاوت کی آوازیں وہ سب وہاں سے ختم اور غائب ہیں جب کہ بیعت کا منشا ہی ان چیزوں کو اپنانا ہے، بیعت کی حقیقت پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے:

حقیقتِ بیعت

انسانی نفس حسد، کینہ، غیبت، ریاء، غرور وتکبر جیسی برائیوں میں جکڑا پڑا ہے۔ یہ تمام روحانی امراض ہیں۔ ان کی موجودگی میں باطنی کمالات کے حاصل کرنے سے اور اللہ رب العزت کی محبت اور معرفت کے حصول سے محرومی رہتی ہے۔ اس محبت اور معرفت کی غیر موجودگی میں ہر نیک عمل کی صحت مشکوک ہوجاتی ہے۔ کیونکہ عمل اخلاص سے خالی ہوتا ہے، پس اللہ پاک کی محبت اور معرفت کا حاصل کرنا فرض سے بھی اوپر کے درجہ میں آتا ہے۔ اس کے لئے کسی مردِ کامل کی بیعت ناگزیر ہے۔ حضور ﷺ سے تمام

صحابۂ کرام ﷢ نے حضرت ابو بکر صدیق ﷜، حضرت عمر فاروق ﷜، حضرت عثمان غنی ﷜، اور حضرت علی ﷜ کے ہاتھوں پر بالترتیب بیعت کی۔ پس بیعت کی افادیت کی اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ نیز یہاں بیعت کا ایک قانون بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرشد کامل دنیا سے پردہ فرما جائے یا اس سے رابطہ منقطع ہوجائے تو فوراً دوسری جگہ بیعت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اس میں شخصیت پرستی نہیں ہے اگر ہوتی تو قیامت تک حضور ﷺ کی بیعت سے بڑھ کر کس کی بیعت ہوسکتی ہے؟۔

اسی طرح بیعت کرتے وقت خوب سوچ وفکر سے کام لینا چاہئے۔ اگر فاسق، فاجر اور بے عمل عالم سے بیعت جائز ہوتی تو حضرت امام حسین ﷜ یزید سے بیعت کرلیتے۔ حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اُڑتا ہوا، سمندر پر چلتا ہوا نظر آئے اگر وہ اتباع سنت وشریعت سے خالی ہو تو وہ شیطان ہے۔ بزرگی اور کمال کی سب سے بڑی علامت اور پیمانہ اتباع سنت وشریعت ہے۔ لہذا ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی مردِ کامل کا ہاتھ پکڑ لیں۔ بیعت کرنے کے بعد اللہ پاک کی اس عظیم نعمت کے حاصل ہونے پر شکرانے کے نوافل پڑھیں۔ اللہ پاک اور حضور ﷺ کے بعد سب سے زیادہ لائق احترام ہستی آپ کا اپنا شیخ ہے۔ آپ کے شیخ کی رضا میں اللہ پاک کی اور نبی ﷺ کی رضا اور شیخ کی ناراضگی میں اللہ پاک اور نبی ﷺ کی ناراضگی پنہاں ہے۔ اپنے شیخ کو دنیا میں تمام موجود بزرگوں سے افضل جانیں۔ لہذا دوسرے بزرگوں کے پاس دُعا و برکت کے لئے جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ آپ کو آپ کا شیخ بس ہے۔ اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات اپنے شیخ کے علم میں لا کر کیا کریں۔ مشورہ،

برکت اور دعا مفت میں حاصل ہوتی رہے گی۔ بہانے بہانے سے صحبت شیخ اور رابطۂ شیخ میں رہنے کی کوشش کیا کریں۔ کیونکہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے کنویں پیاسوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتے۔ جب بھی شیخ سے ملاقات کرنے جائیں تو اپنے عہدہ، امارت، علم کے زعم کو دفن کر کے مکمل محتاج بن کر حاضر ہوں۔ فرش یا چٹائی پر دوزانو بیٹھیں جب تک وہ خود توجہ نہ کریں آپ توجہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ فیضان حاصل ہونے کی نیت کر کے بیٹھے رہیں۔ اس لئے کہ یہ مقامِ ادب ہے۔ شیخ کی کسی بات پر اعتراض نہ کریں۔ کسی قسم کا بحث و مباحثہ نہ کریں اور نہ ہی دینی یا دنیوی ہدایات دینے کی کوشش کریں۔ شیخ ان باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جب آپ کا شیخ آپ سے ازخود رابطہ کرے تو اس کو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی جانیں اور تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر فوری جوابی رابطہ کریں۔ جوابی رابطہ نہ کرنے سے شیخ کی بے ادبی اور بے اکرامی ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ آپ اپنے شیخ سے رابطہ میں رہیں گے اتنا ہی اس کی نظر، توجہ اور دعا کی زد میں رہیں گے اور اتنی ہی آپ کی روحانی منازل جلد طے ہوں گے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مقصدِ بیعت

بعض حضرات کم علمی کی وجہ سے اس میں بہت سی غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں شامل کر دیتے ہیں جن سے عقیدوں میں بگاڑ اور گمراہی اور بے دینی وجود میں آتی ہے۔ بیعت کا مقصد کشف و کرامات و بزرگی حاصل کرنا نہیں ہوتا نہ ہی اس میں قیامت میں بخشوائے جانے کی کوئی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ذکر و شغل میں

انوارات وغیرہ نظر آئیں اور نہ ہی اس میں عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا اور الہامات کا صحیح آنا لازم ہے۔

بعض حضرات بیعت صرف شیخ کی دُعاؤں کی برکتوں کے حصول کے لئے کرتے ہیں، ان کا مقصد اپنی اصلاح نہیں بلکہ صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے۔ تحفے تحائف اور نذرانے دیکر کوشش کرتے ہیں کہ شیخ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چوبیں گھنٹے حالت سجدہ میں گر کر ان کے لئے دُعائیں مانگتا رہے۔ ان کے تحفے گئے، شیخ کی دُعائیں گئیں۔ یہ کھلم کھلا کاروبار ہے۔ شیخ کے بتائے ہوئے طور طریقوں پر چلنے کے بجائے شیخ کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں اور محنت مشقت اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ ایسی بیعتوں کا انجام کیسے اچھا ہوسکتا ہے؟۔

بیعت کا مقصد اپنا سارا اختیار اپنے شیخ کے سامنے بے بس کر کے اور اپنی تمام خواہشات کو اپنے شیخ کے حکم کے تابع کر کے اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر اللہ پاک کی غلامی میں جانا ہوتا ہے۔ یہ اصلاحِ ظاہر و باطن کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ اس کا مقصد اپنے اندر بندگی کا پیدا کرنا ہے۔ اللہ پاک کی رضا حاصل کرنا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی　　　زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کے قواعد اور ضوابط پر عمل کرنے سے ہدایت و رُشد کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ معاشرتی بگاڑ ختم ہوتے ہیں۔ بے دینی اور گمراہی کا قلع قمع ہوتا ہے اور کائنات میں ہر سُو امن، چین اور سکون کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ دین، دنیا میں پھیلتا ہے اس کے پھیلنے سے سارے عالم پر اللہ پاک کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ظلم و ستم، ناانصافیوں کی تہذیبوں کا

صفایا ہوجاتا ہے اور آپس میں بھائی چارہ، دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے سے وہ وقت پھر آسکتا ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگیں۔ یہ ناممکن نہیں بشرطیکہ ہم اور آپ اللہ کریم کو راضی کرلیں۔ اس کیلئے ایسے اعمال اختیار کرنے پڑیں گے جن سے اللہ کریم راضی ہوجائے۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آپ کے مریدین اور خلفاء کی تعداد کثیر ہے ان میں سے چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں: (۱) شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (۲) شیخ بھورڈؒ (۳) شیخ عمرؒ (۴) شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ (۵) حضرت شیخ سید راجاؒ (۶) شیخ عزیز اللہؒ (۷) شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ (۸) شیخ عبدالعزیز کیرانویؒ (۹) شیخ رفیع الدین اکبرآبادیؒ (۱۰) شیخ خان خضرؒ۔

ان سب میں سب سے مشہور شخصیت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی ہے اور انہیں سے آپ کا سلسلہ جاری ہوا ہے، اس لئے اب ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسریؒ

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، فاروقی النسب ہیں، وطن آپ کا بلخ تھا آپ کے والد قاضی محمود عالم تھے، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے والد محترم کا نام ''محمود'' ہی تحریر کیا ہے، آپ کی ولادت بظاہر ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۹ء ہے، سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرمالیا تھا، اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر تدریس و افتاء میں مشغول ہوگئے تھے، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا، طاعت، عبادت، نوافل، اوراد و وظائف اور پابندیٔ اوقات

آپ میں خاص طور سے پائی جاتی تھی۔

اتباع سنت میں بھی آپ کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کے لئے بمنزلہ عادت ثانیہ کے ہوتا ہے، ایک مرتبہ بیمار ہوئے دوا پیش کی گئی، اس وقت آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں کر کے بیٹھنے پر خادموں سے فرمایا مجھے اٹھا کر زمین پر بٹھادو، خدام نے حکم کی تعمیل کی جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی، اور فرمایا نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت و سریر پر کوئی چیز کھائی ہو۔

ریاضت و مجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا، لیٹے رہتے تھے، مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت اور بشاشت لوٹ آتی تھی اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے (نزہۃ الخواطر ص ۲۶ ر ج ۴)۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکثر مکاتیب آپ کے نام بڑے پر حقائق ہیں۔

بیعت وارادت

آپ کی ابتدائی بیعت کا واقعہ بھی پر لطف ہے، آپ چونکہ علوم ظاہریہ کے امام تھے اس لئے ایک مدرسہ میں تعلیم فرماتے تھے طلباء کا مجمع رہتا تھا، کچھ لوگ حضرت شیخ گنگوہیؒ سے بیعت تھے، حضرت وہاں تشریف لے گئے مولانا جلال کو بھی علم ہوا، ان مریدین سے کہا کہ سنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں (غلبہ حال اور وجد وغیرہ کو ناچنے سے تعبیر کیا) ان سے ہمارا اسلام کہہ دینا، کسی وقت موقع ہوا تو میں خود بھی آؤں گا، خدام نے سلام پہنچا دیا، حضرت شیخ نے جواب سے سرفراز فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کہہ دینا کہ وہ پیر خود بھی ناچتے ہیں دوسروں کو بھی نچاتے ہیں، اتفاقاً ایک روز نداء

غیبی نے حضرت شیخ کو مژدہ سنایا کہ مولانا جلال کو تمہیں بخشد یا ان کو اپنے حلقہ میں لے آؤ، اس کے امتثال کے لئے حضرت شیخ مدرسہ تشریف لے گئے وہاں طلبہ کا مجمع مولانا کو احاطہ کئے ہوئے تھا، جب درس سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں وہی ناچتا پیر ہوں، یہ فرما کر حضرت نے ایک تیز نظر سے توجہ ڈالی جس کی بناء پر مولانا کے علوم سب زائل ہو گئے اس پر مولانا نے بڑی التجاو معذرت کی تو حضرت نے تشفی اور علوم حقیقی کا اظہار فرمایا، اسی طرح چند توجہات کے بعد حضرت کو اشغال کی تعلیم فرمائی اور خلوت ومجاہدہ کا امر فرمایا، کچھ دنوں بعد مولانا پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہونے لگا اور اپنے احوال کی حضرت کو اطلاع کرتے رہتے حضرت شیخ اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے، استغراق کا غلبہ آپ پر بھی بہت تھا۔

کرامات

آپ صاحبِ کرامات تھے، ایک مرتبہ ایک مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ پہلے زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جس پر نظر کرتے تھے وہی صاحب کمال ہو جاتا تھا، حضرت شیخ اس خطرہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ اب بھی ایسے شخص موجود ہیں، یہ فرما کر ایک تیز نگاہ سے دیکھا وہ مرید تین دن تک بیہوش رہے اور اس کے چند روز بعد انتقال ہو گیا، حضرت شیخ تک جب ان کی وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ ہر شخص کو اس بار کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہوتی یہ بیچارہ بھی اسکی طاقت نہ رکھ سکا۔

تھانیسر میں ایک میلہ ہوتا ہے جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے ہیں، حضرت نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہیں؟ عرض

کیا کہ حضرت یوں تو ان کا یہ ایک مذہبی میلہ ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کا باعث ہے، وہ یہ کہ ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے، اس میں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین میں غوطہ لگاتا ہے یہاں غوطہ لگاتا ہے، اور وہاں نکلتا ہے، اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے، یہ سنکر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے، مگر کون بول سکتا تھا، حضرت نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں اس کا مرکز ہے، چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لیجا کر اس کے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا، جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہو گیا، آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھدیا اب جوگی صاحب نہیں نکلتے، وہیں زمین کے اندر دھنس گیا اور مر گیا اور حضرت اپنا کام کر کے چلے آئے۔

"ارشاد الطالبین" آپ کی تصنیف ہے، اس میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:
عاشق لوگ کشف وکرامات کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ ان کا سارا اہتمام عبادت، زہد، تقویٰ کے لئے ہوتا ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ لوگ اپنے نفوس کو رضائے الٰہی کے لئے فنا کر دیتے ہیں اور مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں (یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے موتوا قبل ان تموتوا)۔

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جاہل صوفیاء راستہ سے پھسل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مشائخ صوفیاء کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ان مشائخ کا کہنا ہے کہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے اس لئے محروم ہوتے ہیں کہ اصول چھوڑ

بیٹھتے ہیں اور اصول یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رعایت کرے، بدعات وخرافات سے بچے، اب جبکہ بعض جاہل لوگوں نے بدعات وخرافات ہی کو تصوف اور روحانیت سمجھ لیا ہے تو اس کو سوائے حماقت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

بسوخت عقل زحیرانی ایں چہ بوالعجبی ایست

حضرت شیخ کے کلام میں بہت بڑی بات ارشاد فرمائی گئی ہے جس میں ایک صحیح صوفی اور عاشق کیلئے راہِ سلوک وتصوف کا پورا سامان بصیرت ہے اور جس کا مطمحِ نظر اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو اس کا تصوف سے دور کا بھی رشتہ نہیں نہ روحانیت سے اس کو کوئی تعلق ہے۔

وفات

حضرت شیخ نے ۲۵/ذی الحجہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۷۲ء یا ۱۵۸۱ء بروز جمعہ پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر میں وصال فرمایا، اور صاحب نزہۃ الخواطر کے قول کے مطابق ان کی وفات ۹۶۹ھ میں ہے (تاریخ مشائخ چشت/ص ۲۱۳)۔

شیخ بھوروؒ

شیخ بھورو ابتداءً رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے، پہلے وہ ہندو تھے پھر آپ کے دستِ فیض رس پر مسلمان ہو کر اپنا پیشہ چھوڑ دیا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہو کر بلند پایہ بزرگ بن گئے، ان کی وفات ۹۸۲ھ میں ہوئی۔

شیخ عمر دینیؒ

شیخ عبدالقدوسؒ کے ایک خلیفہ شیخ عمر دینی بھی تھے وہ اگرچہ آپ کے خلیفہ تھے لیکن ان کا قلبی رجحان زیادہ تر شیخ عبدالرزاق کی طرف تھا۔

منقول ہے کہ شیخ عبدالرزاق[1] ایک دن شیخ عبدالقدوسؒ سے ملنے کی غرض سے آپ کے پاس آئے اس وقت آپ پر ایک خاص قسم کی حالت طاری تھی، جب ہوش میں آئے تو اپنے تمام مریدوں کو شیخ عبدالرزاق سے ملایا اور شیخ عمر دینی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کا مرید اور آپ کی نظر شفقت کا متمنی ہے، اس کے بعد شیخ عمر دینی اٹھے اور شیخ عبدالرزاق کی غایت درجہ تعظیم وتکریم کی۔

شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ

آپ کے ایک خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ بھی تھے جو بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، انہوں نے ایک بار خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی تو نبی ﷺ نے ان کو اس درود شریف کے پڑھنے کا حکم دیا **اللھم صل علی محمد و الہ واصحابہ بعدد اسمائک الحسنیٰ** ان سب خلفاء کا تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار ص ۲۶/۲۷/ج ۴/ میں کیا ہے، آپ نے ۹۸۵ھ میں بعمر ۸۲/سال وفات پائی اور اعظم پور نواح سنبھل میں مدفون ہیں۔

شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ

شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ حضرت شیخ عبدالکریم سہارنپوریؒ کے فرزند ارجمند ہیں جو بہت بڑے بزرگ تھے اور ولایت کے ایک بڑے مقام پر فائز تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ ان کی بہت تعریف کرتے تھے، فرمایا کہ ایک بار میں دہلی کی جامع

---

[1] شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ جھنجھانہ میں ۸۸۶ھ میں پیدا ہوئے صاحب صحائفِ معرفت، بہت بڑے صاحب نسبت اولیاء اللہ میں تھے، کثیر الفیض والبرکت بزرگ تھے ان کی کتاب صحائف معرفت علوم ومعارف اسرار ورموز کا خزانہ عامرہ ہے ۹۴۹ھ میں وفات ہوئی۔ (کذا فی النزہہ ص ۱۵۷/ج ۴)۔

مسجد میں نماز جمعہ کیلئے حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ شیخ عبدالکریم نماز کے بعد ممبر پر وعظ فرمارہے ہیں اور ستّر اکابر اولیاء اللہ اور ان کے ساتھ ایک بڑا طبقہ ان کے فیض سے استفادہ کررہا تھا، ان کے بیٹے شیخ عبدالستارؒ، شیخ عبدالقدوسؒ کے خلیفہ ہیں عالم فاضل، متقی پرہیزگار آدمی تھے، آپ کی پیدائش اور نشو ونما سب کچھ شہر سہارنپور میں ہوا، اور آپ نے دہلی جاکر علوم حاصل کئے، پھر گنگوہ آکر شیخ عبدالقدوسؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور کافی عرصہ آپ کی خدمت میں رہے، آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر ریاضت ومجاہدہ کیا اور اپنے شیخ سے خلافت پائی اور خلافت کے ساتھ ساتھ قطبیت کی بشارت بھی ملی، آپ نے ۹۵۰ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ص ۱۵۸ / ج ۴)۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالخالق ہوئے وہ بھی نیک صالح آدمی تھے، بہترین قاری ومجود تھے، عالمِ فاضل تھے اور حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے بیٹے شیخ رکن الدینؒ کے خلیفہ ہوئے۔ نزہۃ الخواطر ص ۲۳۲ / ج ۵ / میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔

تذکرہ شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

قال اللہ عزوجل ، اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا فَفِی الْجَنَّۃِ ۰ وَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّار (سورۂ ہود) بہرحال وہ لوگ جو سعادت مند ہیں جنت میں ہونگے اور وہ لوگ جو شقی اور بدبخت ہیں جہنم میں ہونگے۔

سعادت سے مراد ایمان اور اعمال صالحہ ہے کسی انسان کا سعید ہونا اسی پر موقوف ہے اور شقاوت سے مراد کفر وشرک اور فسق وفجور میں مبتلا ہونا ہے، اللہ حفاظت فرمائے ، دوسرے انداز سے یوں کہہ لیجئے کہ سعادت نام ہے مرضیات رب پر چلنے کا اور شقاوت نام ہے مرضیات نفس وشیطان پر چلنے کا، یا یوں کہہ لیجئے کہ اللہ پاک کی خوشی حاصل ہوجانے کا نام سعادت ہے اور اللہ پاک کے ناراض ہوجانے کا نام شقاوت ہے اصل سعادت اور شقاوت کا فیصلہ تو میزان اعمال میں اعمال کے وزن ہونے کے وقت ہوگا جس انسان کے اعمال صحیح نکلیں گے اور ایمان کے کامل ہونے کا معاملہ سامنے آئے گا اس کے بارے میں اعلان ہوجائے گا **سعد فلان سعادۃ لایشقی بعد ھا ابدا** کہ فلاں آدمی سعید ہوچکا ہے اب کبھی شقی نہیں ہوگا اور جس شخص کے حصہ میں شقاوت آجائے گی اسکے بارے میں اعلان ہوگا **شقی فلان شقاوۃ لا یسعد بعدھا ابدا** کہ فلاں آدمی بدبخت ہوچکا ہے جس کے بعد کبھی سعید نہیں ہوگا، اس مضمون کی روایت کو حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں ذکر کیا ہے، انبیاء علیہم السلام لاریب سعید ہیں ان کی سعادت منصوص ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کی سعادت کا معاملہ ہے کیونکہ اللہ پاک نے ان کے بارے میں فرمادیا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ

یَحۡزَنُوۡنَ (سورۂ یونس) کہ بیشک اللہ کے نیک بندوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہونگے اور ایک حدیث شریف میں ذاکرین کے تعلق سے فرمایا گیا ''ھم القوم لایشقی جلیسھم'' یہ ایسے حضرات ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی شقی نہیں ہوسکتا واللہ اعلم، بہرحال ہمیں اولیاء اللہ کے سعید ہونے کا غالب گمان یقین کے درجہ میں ہوتا ہے اس لئے ان کے حالات سننے اور سنانے کا جذبہ بھی رہتا ہے نیز انہیں سعید حضرات میں سے سعید ازلی عارف باللہ قطب دوراں حضرت شیخ ابوسعید نعمانی گنگوہیؒ کی شخصیت عبقریت بھی سرزمین گنگوہ کی ان قابلِ عظمت واحترام شخصیات میں سے ہے جن کا مشائخ چشتیہ میں عظیم مرتبہ ہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کو الشیخ الصالح الفقیہ احد المشائخ چشتیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے (صفحہ۲۲رج ۵ر)۔

آپ نجیب الطرفین ہیں ایک طرف شیخ عبدالقدوسؒ کے حفید محترم ہیں تو دوسری طرف سے شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے نواسے ہیں۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نورالدین بن عبدالقدوس ہے جیسا کہ صاحبِ نزہۃ الخواطر نے ذکر کیا ہے، لیکن راقم السطور کے ناقص علم میں شیخ عبدالقدوسؒ کے صاحبزادوں میں کوئی اس نام کا نہیں ہے اس لئے صاحبِ تذکرہ اولیائے ہند نے رکن الدین لکھا ہے یہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔

ولادت باسعادت

آپؒ کی ولادت اسی ارض قدوس میں ہوئی یہیں نشوونما ہوا، شروع دور میں سپہ گری اور فوج کی ملازمت اختیار کی اور اسی کام میں مشغول ہوگئے، لیکن عشق الٰہی کی

چنگاری جو آپ کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی تھی جوش زن ہوئی تو شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے جو آپ کے نانا تھے اور شیخ قطب العالمؒ کے خلفاء میں سے تھے بیعت ہونے کا اظہار فرمایا، مگر شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے کبرسنی ضعف اور پیری اور بحر وحدت وتوحید میں استغراق کی وجہ سے اپنے متعلقین کو شیخ نظام الدین تھانیسریؒ [1] کے حوالہ فرمادیا تھا، اس لئے آپ کو بھی انہیں کے سپرد فرمایا اور شیخ نظام الدینؒ کو ان کی تربیت روحانی کا امر فرمایا، ابتداءً ذکر نفی واثبات کی مشق کی اور اس میں کمال پیدا کیا، اس کے بعد دیگر ریاضت ومجاہدات کیے، شیخ نظام الدینؒ کی محبتوں سے سیراب ہورہے تھے کہ کچھ روز کے بعد شیخ نظام الدین تھانیسریؒ بلخ کے لئے روانہ ہوئے، جس کا آپ کو بیحد افسوس ہوا، اس مفارقت نے آپ کو نہایت اضطراب وبے چینی میں مبتلا کیا،

---

[1] شیخ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور تھانیسریؒ علوم ظاہریہ باطنیہ کے جامع تھے علوم معرفت اسرار رموز اور دیگر علوم بھی آپ کو حاصل تھے، فضائل کمالات میں اس درجہ ترقی کی کہ لوگ آپ کے حاسد ہوگئے اور اکبر بادشاہ کے دربار میں آپ کی کئی بار شکایتیں کی جس کی وجہ سے اس نے ایک بار تو آپ کو حرمین شریفین بھیجا، آپ کچھ عرصہ کے بعد پھر آگئے اور رجوع عام ہونے لگا تو دوسری مرتبہ بلخ کے علاقہ کی طرف سفر کا حکم دیا وہاں پہنچے وہاں بھی آپ کے حاسدین پیدا ہوگئے اور بادشاہ بلخ کو شکایت کی تو اس نے بھی آپ کے نکلنے کا حکم دیا پھر اس کو خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت ہوئی اور دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ شیخ نظام الدین کو تنگ نہ کرو وہ نیک آدمی ہیں یہ دیکھ کر وہ آپ کا معتقد اور مرید ہوگیا، حضرت شیخ نظام الدین اصلاً تھانیسر کے رہنے والے تھے اور شیخ جلال الدین کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، آپ انتہائی عابد وزاہد تھے جس پر نظر ڈالتے ایک ہی مرتبہ میں صاحب کمال بن جاتا اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کا نام ولی تراش رکھ لیا تھا آخری وقت آپ کا بلخ ہی میں گزرا اس لئے بلخی بھی کہلاتے ہیں اور وہاں اللہ کی مخلوق کو کثیر فیض پہونچایا اور بلخ ہی میں ۸؍رجب ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۶ء میں انتقال ہوا اور وہیں مزار ہے آپ صاحب التصنیف بزرگ تھے کئی تصانیف چھوڑی ہیں (تاریخ مشائخ چشت ؍ص ۲۱۵)۔

جنگلوں میں چلے جایا کرتے تھے اور روتے رہتے تھے، انہی حالات میں ایک بار قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کے روضہ پر حاضر تھے اور مفارقتِ شیخ میں گریاں تھے کہ اچانک سے ایک آواز محسوس کی کہ ابوسعید! اگر طالب خدا ہے تو بلخ جا، آپ نے تین راتیں شیخ کے روضے پر گذاریں تینوں رات یہی آواز سنتے رہے۔

سفرِ بلخ

لیکن گنگوہ کہاں؟ اور بلخ کہاں؟ ہزاروں میل کی طویل مسافت تنہا کیسے طے کریں؟ اب یہ دوسرا فکر ہوا ایک روز دیکھا کہ اچانک ایک شخص سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم کو بلخ کا راستہ معلوم نہیں ہے تو میں چلتا ہوں، اب شیخ ابوسعیدؒ کو بیحد خوشی ہوئی اور آپ چل دئے، راستہ میں جس منزل پر قیام فرماتے لوگ بیحد خاطر و مدارات سے پیش آتے غایت شوق میں اتنا طویل سفر بآسانی طے کرلیا۔

سچ ہے کہ محبت اور اسکے ساتھ ہمت مشکلات کو آسان کر دیتی ہے، جتنا جتنا بلخ قریب ہوتا جاتا تھا، شوق لقاء، ذوق تماشا اتنا ہی مضطرب کرنے لگتا تھا۔

شیخ کا استقبال

حتی کہ وصل یار کا مقام مقدس جب صرف تین میل رہ گیا، تب شیخ نظام الدینؒ کو کشف ہوا کہ ابوسعیدؒ آرہے ہیں کچھ پہلے سے شیخ عبدالقدوسؒ کی طرف سے آپ کے متعلق بعض ہدایات منکشف ہوچکی تھیں، اس لئے ان کے استقبال کے لئے اس شان سے تشریف لے چلے کہ سلطان بلخ بھی جو شیخ نظام الدین کا معتقد تھا ساتھ تھا، اور سیکڑوں افراد کا مجمع تھا اس قدر شان وشوکت کے ساتھ بلخ کی حدود میں داخل ہوئے

اور خانقاہ پہنچے یہاں آنے کے بعد شیخ نظام الدینؒ کی طرف سے آپ کا بیحد احترام واکرام، خاطر ومدارات، امیرانہ دعوتیں کی گئیں، ہر روز نئے نئے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے ان کو مسند پر بٹھاتے اور خود خادموں کی جگہ بیٹھتے، اس طرح جب پندرہ ایام گذر گئے تو آپ نے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ حضرت میں یہاں دعوتیں کھانے کے لئے نہیں آیا تھا اور نہ میں نے طلب جاہ ومال کے لئے اتنا طویل سفر کیا، اس پر شیخ نظام الدینؒ نے معلوم فرمایا اچھا پھر کیا مقصد ہے؟ عرض کیا کہ میں تو وہ دولت حاصل کرنے آیا ہوں جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں، بس اتنا سننا تھا کہ شیخ نظام الدینؒ کا رنگ بدل گیا اور زبان حال سے فرمایا:

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدست　　　عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

اور فرمایا صاحبزادے! اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان وشوکت رخصت کرو اور آج سے یہ امور انجام دو۔

(۱) حمام کی خدمت تمہارے سپرد کی جاتی ہے جا کر حمام جھونکو۔

(۲) جا کر گھوڑوں کے اصطبل میں بیٹھو اور شکاری کتوں کے دانہ راتب کی فکر کرو اور جب تک ہم نہ یاد کریں سامنے مت آنا، نقیب خانقاہ سے فرمایا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح وشام دے دیا کرو اور بس، نہ ذکر بتلایا نہ شغل، بس نماز روزہ کرتے رہا کرو۔

الغرض اس خدمت پر مامور کردئے گئے، کبھی شکاری کتوں کو نہلاتے، صاف کرتے اور کبھی حمام جھونکتے اور کبھی شکار کے وقت جب شیخ علیہ الرحمہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیریں تھام کر ہمراہ چلتے اور نہایت پریشانیاں برداشت کرتے تھے نقیب خانقاہ حکم کے مطابق لنگر خانہ سے صبح وشام دو روٹیاں جَو کی لا کر دے دیتا اور بیٹھ کر

کھالیا کرتے اور جو کبھی آجایا کرتے تو شیخ نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھتے تھے، دور بیٹھنے کا حکم دیا کرتے، مطلقاً التفات نہ فرماتے کہ کون آیا اور کون گیا، اسی حالت میں تین چار ماہ کا عرصہ گذر گیا کہ ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اصطبل کی لید اکٹھی کر کے اس کا کوڑا ابوسعید کے سر پر کچھ حصہ ڈال دینا، بھنگن نے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، پاس سے گذری تو اس کی نجاست ان کے سر پر ڈال دی شاہ ابو اسعیدؒ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تیوری چڑھا کر بولے کہ نہ ہوا گنگوہ ورنہ اچھی طرح مزہ چکھا دیتا، غیر ملک ہے، شیخ کی بھنگن تھی اس لئے کچھ نہیں کرسکتا، بھنگن نے یہ سارا واقعہ ان کا قول سب شیخ کو بتادیا اس پر شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا، ارے ابھی خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے، صاحبزادگی کی بو ابھی باقی ہے گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی، ابھی اور حمام جھونکنے کی ضرورت ہے، دو ماہ پھر خبر نہ لی اس کے بعد ایک روز پھر بھنگن کو حکم دیا کہ آج پھر ویسا ہی کرنا ہے بلکہ قصداً غلاظت ابوسعیدؒ پر ڈال دینا اور جواب سننا کیا کہتے ہیں:

چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی اس مرتبہ شاہ ابوسعیدؒ نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، ہاں تیز اور ترچھی نظر سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموشی اختیار کی، بھنگن نے آکر پھر بتایا کہ آج کچھ کہا تو نہیں مگر تیز نظروں سے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا ابھی کچھ بو باقی ہے پھر دو چار ماہ کے بعد وہی حکم دیا کہ اس بار لید مٹی بھرا ٹوکرہ سب اوپر پھینک ہی دینا کہ پاؤں بھی بھر جائیں، چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعیدؒ پہنچ چکے تھے، دل بدل چکا تھا گھبرا کر گڑ گڑا کر کہنے لگے بیچاری مجھ سے ٹھوکر کھا کر گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی، یہ فرما کر گری ہوئی لید ٹوکرے میں بھرنے لگے، بھنگن نے یہ قصہ حضرت شیخ سے بتایا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ مجھ پر ترس

کھانے لگے اور لید بھی بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی، شیخ نے فرمایا کہ اب کام ہو گیا الحمد للہ ایک قدم تو طے ہوا، واقعی تکبر ہی راستہ میں حائل ہے جب یہ نکل جائے تو راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے۔ ایک عارف نے فرمایا ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان کوئی حجاب نہیں، ہاں تو اپنے تکبر کے حجاب کو اے حافظ درمیان سے اٹھا، یعنی جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے کام بن جاتا ہے۔

اس ریاضت کے بعد شیخ ابو سعیدؒ کو صرف اتنی اجازت ملی کہ مجلس میں آجایا کریں اور باتیں سنا کریں، پھر کچھ عرصہ کے بعد ذکر کی تلقین کی گئی اب وصل کی تدبیر شروع ہوئی ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات و کیفیات طاری ہو گئیں تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابو سعیدؒ میں عجب پیدا ہو گیا ہے تو فوراً سب ذکر و شغل چھوڑ وادیا اور کتوں کی خدمت پھر سپرد کی، شیخ نے خادم سے کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہو جانا، شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ لیکر جنگل کی طرف نکلے شاہ ابو سعیدؒ کتوں کی زنجیر تھامے پابہ رکاب ہمراہ تھے، کتے بڑے زبردست شکاری تھے، کھاتے پیتے خوب تھے اس لئے خوب مضبوط تھے اور ابو سعیدؒ بیچارے سوکھے بدن، کمزور لاغر، اس لئے ان کو سنبھالے سنبھلتے نہ تھے کچھ کھینچتے، روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہو جایا کرتے تھے، آخر انہوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی تاکہ زنجیر چھوٹ نہ جائے اور شیخ کا عتاب نہ ہو، جب ان کتوں نے شکار دیکھا تو تیزی سے دوڑ پڑے اور بیچارے ابو سعیدؒ گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کو کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگتی، کہیں کنکر چبھتی، سارا بدن لہولہان ہو جاتا اسی حالت میں ان پر فضل خاص ہوا اور ایک تجلی خاص ان پر ہوئی جس کی لذت

نے تمام کلفتوں کو بھلا دیا، ادھر شیخ پر یہ حالت منکشف ہوئی اور انہوں نے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ابوسعید پر پھر فضل حق ہو گیا اور ایک خاص تجلی سے رب تعالیٰ وتقدس نے ان کو مشرف فرما دیا جاؤ جنگل سے ان کو اٹھا لاؤ، خدام دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدینؒ پر شیخ عبدالقدوسؒ کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا کہ نظام الدین! تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہ لی تھی، یہ ایک محبت انگیز عتاب تھا، جس سے شیخ نظام الدینؒ کے قلب پر گہرا اثر ہوا، اب جب شیخ ابوسعید سامنے آئے تو سلطان جی نے ان کو محبت سے سینہ سے لگا لیا اور ذکر و شغل میں لگا دیا اور پھر خاطر و مدارات کا معاملہ جاری کر دیا گیا۔

شاہ ابوسعیدؒ کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق رہتا تھا کہ وہی تجلی پھر ہو، روزانہ ذکر کے وقت اس اشتیاق میں رہتے تھے، جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایک روز حبس دم کر کے بیٹھ گئے کہ جب تک وہ نہ ہوگی سانس نہ چھوڑوں گا خواہ دم نکل جائے ایسی زندگی سے مر جانا بہتر ہے بالآخر وہ تجلی ہوئی اس کی فرحت میں سانس اتنی زور سے چھوڑا پسلی پر ضرب لگی اور وہ ٹوٹ گئی اسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں ایک چمچہ کے اندر کوئی دوائی تھی، وہ ان کے منہ میں لگا دی اس کے کھاتے ہی پسلی فوراً ہی جڑ گئی وہی حالت ہوگئی ؎

در دمِ نہفتہ بہ زطبیبان مدعی　　　　باشد کہ زخزانۂ غیبش دوا کنند

انہوں نے یہ سب شیخ سے عرض کیا اس کے ساتھ یہ بھی محسوس ہوا کہ کہا جا رہا ہے چوزہ کا شوربا چند روز تک پینا، انہوں نے شیخ سے یہ سب عرض کیا، فرمایا کہ فوراً چوزوں کا انتظام کرایا جائے اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے، اس کے بعد خلافت

عطاء ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ میں خاندان چشتیہ کا فیضان ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لے جاتے ہو، مبارک ہو، وطن جاؤ اور اپنا نائب کامل بنا کر گنگوہ واپس فرمایا، وطن مالوف گنگوہ پہنچ کر ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور حضرت شیخ ابوسعیدؒ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ دنیا و مافیہا سے لاتعلق رہتے تھے شہرت سے دور بھاگتے تھے مگر چونکہ اللہ کو آپ کا فیض عام تام کرنا تھا اسلئے شہرت ہوتی چلی گئی اور طالبین حق کا رجوع عام ہوا، یہاں تک کہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے جو ایک عرصہ سے طلب حق کیلئے بے چین تھے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ [1]

شیخ محب اللہ صدیقی الہ آبادیؒ ۲؍صفر یکشنبہ ۹۹۶ھ صدر پور نواح خیرآباد میں پیدا ہوئے، علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد علوم باطنیہ کی طلب میں سرگرداں تھے، اکثر مشائخین سے ملتے تھے مگر مدعا اور مطلوب حاصل نہ ہوتا تھا، آخر دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ پر مراقب ہوئے، وہاں سے روحانی طور پر اشارہ ملا جو کہ

---

[1] صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے حالات میں آپ کو اس طرح یاد کیا ہے: ''شیخ، عالم جلیل، علامہ محب اللہ (الہ آبادی) چشتیہ کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتا ہے، طلب معاش کے لئے دہلی تشریف لائے تھے، وہاں ایک وزیر سے قربت اختیار کی جس سے ماضی کی شناسائی تھی، دل میں للّٰہیت کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا تو سب کچھ چھوڑ کر زہد وعبادت میں لگ گئے، اور (اسی شوق وجذبہ کے پیش نظر) گنگوہ کا سفر فرمایا، اور یہاں آکر خدمت میں رہے حتیٰ کہ راہِ سلوک میں اونچے مقام تک پہنچے، بعد ازاں خیرآباد کے مضافات میں ایک گاؤں ''صدر پور'' آئے اور ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے، پھر یہاں سے الہ آباد کے لئے پابہ رکاب ہوئے اور الہ آباد میں ''نہر جمنا'' کے کنارے سکونت پذیر ہوئے، آپؒ نے کافی عرصہ فقر وفاقہ میں بسر کیا، پھر حق تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیئے، اور رزق کی فراوانی ہوگئی، اور بیس سال تک مسندِ ارشاد پر متمکن رہے (نزہۃ الخواطر ۵/۳۵۰)۔

درحقیقت من جانب اللہ تھا کہ حضرت شیخ ابوسعیدؒ کے پاس گنگوہ جاؤ! وہاں آج کل تکمیل کا بازار گرم ہے تمہارا حصہ وہاں ہے، اُدھر شیخ ابوسعید کو اشارۂ غیبی ہوا کہ میں نے محبّ اللہ کو آپ کے سپرد کردیا ہے یہاں پہنچے، شیخ پہلے ہی سے منتظر تھے اذکار اور اوراد و وظائف تعلیم فرما کر مسجد کے برابر حجرہ میں قیام وخلوت کے لئے حکم فرمایا، ابھی ایک چلہ بھی نہ گذرا تھا شیخ نے الجھے ہوئے مسائل وحدۃ الوجود جیسا مسئلہ واضح فرمادیا، اس کا قصہ یہ ہوا کہ آپ پر شیخ کی توجہ سے اللہ کی محبت اور عشق کا وہ حال طاری ہوا جو شیخ منصور حلاج پر طاری ہوا تھا اور آپ نے بھی ''انا الحق'' کا نعرہ مارنا شروع کیا، ایک روز یہی کیفیت تھی کہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ فوراً اٹھ کر وہاں تشریف لائے جس وقت ان پر یہ حال طاری تھا اور ایک مخصوص توجہ دیکر فرمایا محبّ اللہ چہ میگوئی ''گفت اللہ گفت اللہ'' اس کے بعد ''انا'' فنا ہوگیا اور حق باقی رہ گیا اور انشراح تام حاصل ہوا اور ہر طرح سے روحانی تکمیل فرما کر بشارت ومژدہ سنایا کہ ہم نے تم کو اللہ تک پہنچادیا اور پورب کی ولایت تمہارے حوالے کردی ہے اور اجازت وخلافت سے نوازا۔

اس پر بعض خدام نے جو ایک زمانہ سے پڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت یہ خدام ایک عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں، ان کی طرف حضرت نے التفات نہیں فرمایا، یہ نووارد جن کی حاضری کو کچھ بھی زمانہ نہیں ہوا آپ نے ان کی تکمیل فرمادی، حضرت شیخ نے فرمایا **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**، اس کے بعد ان کو نصیحت فرمائی کہ ہر شخص کا یکساں حال نہیں ہوتا بعض لوگ محتاج بڑے مجاہدوں کے ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی مشقت میں تجلیات حاصل ہوجاتی ہیں، اجازت پر خود مولانا کو یہ خیال ہوا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوا ہوں

لیکن اجازت کے ساتھ وہ توجہ حضرت شیخ کی ہوئی کہ خود مولانا نے فوراً عرض کیا کہ حضرت اس سے زائد کا مجھ میں تحمل نہیں، بس کیجیے بس کیجیے! (تاریخ مشائخ چشت ؍ص ۲۲۱)۔

یہاں پر آکر سکون ہوا اور مسئلۂ وحدۃ الوجود کو سمجھ کر کمال پیدا کیا اور واپس تشریف لے گئے، اور الہ آباد جا کر خلق خدا کو فیض رسانی میں مشغول ہو گئے اور آپ ہی سے آگے سلسلہ میں ترقی ہوئی جو سلسلہ آج گنگوہ کے بزرگوں کا جاری ہے اس میں آپ ہی کا زیادہ حصہ ہے، شہر الہ آباد میں بیس سال مسلسل فیض رسانی کے بعد ۹؍رجب ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء بروز شنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہوا اور الہ آباد ہی میں مزار ہے، آپ کی تاریخ وفات قطب الشیوخ سے برآمد ہوتی ہے۔

شیخ کا تصرفِ روحانی

''سواطع الانوار'' میں ہے کہ ایک شخص جو بزرگوں کے حالات وکرامات کا منکر تھا آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں خدا کی طلب میں آیا ہوں مگر ریاضت ومجاہدہ بس کافی ہے، فرمایا کہ ٹھیک ہے میں طالب خدا کو تین ضرب میں خدا رسیدہ کرتا ہوں، آپ نے ایک عصا لیا اور سر پر مارا، اول مرتبہ میں عالم ملکوت منکشف ہوا، دوسرا مارا تو عالم جبروت کھل گیا، تیسرا مارا عالم شہود سے بہرہ ور ہوا اور مرید ہو کر صاحب کمال ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیضان کو اس قدر عام اور تام فرمایا کہ آپ سے ہزاروں افراد نے علم معرفت کا درس لیا، ان میں وہ حضرات جن کو حضرت اقدس نے اس کمال میں سند سے نوازا ہے ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔

۱؎ اس کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ کے خلفاء

مشاہیر خلفاء میں محبّ اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اور شیخ محمد صادق گنگوہیؒ، اور شیخ ابراہیم سہارنپوریؒ ہیں۔

وفات

۲؍ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء میں حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ کا وصال ہوا ہے، گنگوہ میں ہی مزار ہے (تاریخ مشائخ چشتیہ؍ص ۲۲۰)۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

چونکہ اس مسئلہ کا حضرات صوفیاءِ کرام کے یہاں کافی تذکرہ ملتا ہے پھر اکابر گنگوہ کو بھی اس کا ذوق رہا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ اس پر کلام کیا جائے، چنانچہ اولاً حضرت گنگوہیؒ کے کلام سے اس کا خلاصہ سنئے!

وحدۃ الوجود کی تحقیق! مسئلہ وحدۃ الوجود: یہ بات ثابت ہے کہ وجود حقیقی ذات پاک حق تعالیٰ ہی کے واسطے ہے اور باقی جملہ موجودات فانیہ موجود بوجود ظلّی ہیں اور ظلّی بہ نسبت حقیقی کے کالعدم ہوتا ہے، پس مطلب ہمہ اوست کا یہ ہوا کہ جملہ موجود حقیقی واصلی وہ ذات پاک باقی ہے اور باقی جملہ موجودات معدوم وفانی ہیں، یہ عین توحید ہے اور حق ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ جملہ موجودات ظلیہ کو اصلیہ حقیقیہ اعتقاد کر کے سب موجودات عدمیہ فانیہ کو، موجود حقیقی وعین ذات حق تعالیٰ قرار دیں معاذ اللہ! کہ یہ سخت شرک ہے، مطلب اول وثانی میں فرق زمین وآسمان کا ہے، اول مرادِ عارفین ہے اور ثانی ملحدین جاہلین۔ فقط رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں؍ص ۸۴)

اب درالمعارف رص ۸۴ر سے ملاحظہ کیجئے! کیا لکھتے ہیں:

اکابر کے صبر وتحمل کے ذکر کے بعدان کے حالات میں جب وحدۃ الوجود کا ذکر آیا تو حضرت والا شیخ غلام علی نقشبندیؒ نے فرمایا کہ اس مقام کے مجتہد کانِ احادیث کے لعل، بحرِ فردیت کے موتی، جوہر وگوہر شیخ محی الدین العربی قدس سرہ ہیں، چنانچہ فرمایا:

لاآدمَ فِی الْکَوْنِ ولا اِبْلِیْسَ	لَامُلْکَ سلیمانَ ولابِلْقِیْسَ
فَالْکُلُّ عِبَارَتٌ وَاَنْتَ الْمَعْنٰی	یَامَنْ ھُوَ لِلْقُلُوبِ مَقْنَاطِیْس

(اس کائنات میں نہ تو آدم نہ ابلیس نہ ملک سلیمان اور نہ بلقیس ہیں یہ سب الفاظ ہیں اور تو معنی ہے، اے وہ ذات جو دلوں کے لئے مقناطیس کی کیفیت رکھتا ہے) اور اکثر اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اسی (وحدۃ الوجود کے) بحرِ عرفان کے غوّاص (عرفان کے سمندر میں ڈبکی لگا کر موتی نکالنے والے) ہیں۔ اور مولانا مغربیؒ نے فرمایا:

قطعہ

ز دریا موج گوناگوں برآمد	زبے چونی برنگ چوں برآمد
گہے درصورتِ لیلیٰ فروشد	گہے در کسوتِ مجنون برآمد
چو یار آمد زخلوت خانہ بیروں	ہموں نقشِ دروں بیروں برآمد

(دریا سے رنگ رنگ کی موجیں اٹھیں بیچوں سے چوں کے رنگ میں نکلی، کبھی اس نے لیلیٰ کی صورت اختیار کی تو کبھی مجنوں کے لباس میں وہ برآمد ہوا، جب یار خانہ خلوت سے باہر آیا تو وہی نقشِ دروں یعنی پوشیدہ نقش باہر آ گئے)۔ اور مولانا احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ما ز دریا ئیم و دریا ز ماست　　　　این سخن داند کسے کو آشنا ست

(۱ہم دریا سے ہیں اور دریا ہم سے ہے، یہ بات وہی شخص جانتا ہے کہ جو اس سے آشنا ہے) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے:

چیست می دانی صدائے چنگ و عود　　　　انت حسبی انت کافی یا ودود

ہست بے صورت جناب قدس عشق　　　　لیک در ہر صورتے خود را نمود

در لباس حسن لیلی جلوہ کرد　　　　صبر و آرام از دلِ مجنوں ربُود

پیش روئے خود ز عذرا پردہ بست　　　　صد در غم بر رخِ وامق کشود

در حقیقت خود بخودی باخت عشق　　　　وامق و مجنوں بجز نامے نبود

ترجمہ: (۱) تو کیا جانے کہ چنگ و رباب سے کیا صدا نکلتی ہے؟ یہی کہ تو ہی میرے لئے کافی ہے، تو ہی مجھ کو بس ہے اے چاہنے والے (۲) پاکیزہ عشق اگر چہ کوئی صورت نہیں رکھتا مگر ہر صورت میں جلوہ گر ہوتا رہتا ہے (۳) کبھی لیلیٰ کے حسن کے لباس کی صورت اختیار کی، کبھی مجنوں کے دل سے صبر و قرار اُچک لیا (۴) اپنے چہرہ پر جب عذرا (وامق کی محبوبہ) کا حجاب باندھا، تو وامق کے دل پر غم کے سینکڑوں دروازے کھل گئے (۵) دراصل عشق خود ہی کھیل کرتا ہے، ورنہ وامق و مجنوں سوائے نام کے اور کچھ نہ تھے۔

پس حضرت والا نے فرمایا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ باسرارہ السامی ان تمام (توحید وجودی والے) اکابر کی طرف پوری ہمت کے ساتھ توجہ فرمائیں تو یقین

---

۱ اس سلسلہ میں حضرت علامہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے تاریخ دعوت و عزیمت رص ۲۷۳ رج ۴ رمیں بہت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے جس کو شوق ہو وہ اس کی مراجعت کرے، نیز اس سلسلہ میں علامہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی کا بھی ایک مستقل رسالہ ہے۔

ہے کہ ان کو اس مقام سے عروج حاصل ہوگا، لیکن حضرت محی الدین ابن العربی قدس سرہ اس سمندر میں اس طرح ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کو لبوں تک ابھار لانا مشکل و دشوار ہے مگر یہ امید ہے کہ انکو بھی اس مقام سے عروج ہوسکتا ہے۔

نیز حضرت والا نے مشاہدۂ حق جل وعلا کے تذکرہ میں یہ شعر ارشاد فرمایا:

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم　　　نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(چونکہ میں شمس (آفتاب) کا غلام ہوں اس لئے آفتاب ہی کی بات کرتا ہوں، نہ میں شب (رات) ہوں نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں بیان کروں)۔

نیز ''درالمعارف'' میں لکھتے ہیں:

فدوی محفل پاک میں حاضر ہوا، حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ دونوں کے کلام میں تطبیق کی ہے اور توحید وجودی و توحید شہودی کو محض لفظی نزاع قرار دیا ہے وہ (شاہ ولی اللہؒ) بڑے بزرگ شخص تھے اور انہوں نے نیا طریقہ نکالا ہے، لیکن اس مقام پر ان سے غلطی ہوگئی ہے (کیونکہ) حال کو قال سمجھ کر علمی گفتگو میں معارف کشفیہ کو لاکر مطابقت کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان دونوں مقامات میں بڑا اور کھلا ہوا فرق ہے، جن حضرات کو حضرت مجدد کے معارف سے کچھ حصہ ملا ہے انہوں نے برملا دیکھا ہے کہ توحید وجودی ابتداء احوال میں یعنی لطیفۂ قلب کی سیر میں ظاہر ہوتی ہے اور لطیفۂ نفس کی سیر میں توحید شہودی کا انکشاف ہوتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کے معارف ان دونوں مقامات سے آگے ہیں (یوں سمجھنا چاہئے کہ) حضرت محی الدین ابن عربی کے معارف کی حیثیت اگر ایک قطرہ کی سی ہے تو حضرت مجدد کے معارف ایک سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چہ نسبت است بکُوہ آسمانِ عالی را

پہاڑ کو بلند آسمان سے کیا نسبت

اگر حضرت محی الدین ابن عربی حضرت مجدد کی حیات طیبہ میں بقیدِ حیات ہوتے اور ان معارف کو سنتے تو سمجھتے اور ان سے مستفید ہوتے۔

حضرت والا (شاہ غلام علیؒ) نے یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ بے نہایت ہے، حد نہیں رکھتا اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس پاک بے نیاز کی انتہا کو پہنچ سکے، وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے (یعنی جس بلند مرتبہ تک عقل بشری یا ادراک انسانی پہنچ سکے وہ پاک بے نیاز اس سے بھی آگے ہے)۔

اے اوّلِ تو ورائے اول   حیراں زتو انبیاءؑ و مُرسَل

اے وہ ذات جو سب سے پہلے ہے! تو حدِ اول سے بھی پہلے ہے، یعنی ہمارے فہم جس حد کو پہنچیں تو اس سے بھی قبل ہے، تیری شان کو سمجھنے میں انبیاء و رسل بھی حیران ہیں۔

ہر شخص اپنے حوصلہ و مقدرت کے مطابق اس کی بارگاہ کی جانب لپکا ہے اور اپنی استعداد اور اپنی بساط بھر اس سے پایا ہے لیکن اس کی حقیقت تک کوئی پہنچ نہیں سکا۔

دور بینانِ بارگاہِ اَلَسْت   غیر ازیں پی نبُردہ کہ ہست

بارگاہِ الست میں دور تک دیکھنے والے   اس سے زیادہ نہ جا سکے کہ ''وہ ہے''

(درالمعارف ص ۲۱۶)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک متعلق کے نام اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں جس سے آپ کا مسلک نظریہ اور عندیہ واضح ہوتا ہے، کیونکہ آپ وحدۃ الوجود کے بجائے وحدۃ الشہود کے قائل ہیں، دونوں کے فرق کو مندرجہ

تحریر سے سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملتی ہے۔

سلمکم اللہ تعالیٰ و سبحانہ و عصمکم عما یصمکم و صانکم عما شانکم (اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں سلامت اور داغدار کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور تمہیں عیب کی باتوں سے بچائے) وہ توحید جو اس بلند گروہ صوفیہ کو راہِ سلوک وفقر میں میسر آتی ہے دو قسم پر ہے:

(۱) توحید شہودی (۲) توحید وجودی۔

توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا اور معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا، پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے، توحید شہودی اس راہ کے ضروری امور میں سے ہے، کیونکہ بغیر اس کے فنا متحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین کی دولت بھی اس کے بغیر میسر نہیں آتی، کیونکہ ایک ذات کے غلبے کے باعث صرف اسے ہی دیکھنا اس کے ماسوا کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے، بخلاف توحید وجودی کے کہ وہ اس طرح نہیں یعنی ضروری نہیں ہے، کیونکہ علم الیقین توحید وجودی کی معرفت کے بغیر بھی حاصل ہے، علم الیقین اس ذات کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں، نہایت درجہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے جبکہ اس ایک کے علم کا غلبہ اور زور ہو۔

مثلاً ایک شخص کو وجود آفتاب کا یقین ہو، اس یقین کا غلبہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت منتفی اور معدوم جانے، لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہوگا، لیکن اس وقت کہ ستاروں کو

نہیں دیکھ رہا، یہ ضرور جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں، بلکہ یہ جانتا ہے کہ موجود تو ہیں مگر پوشیدہ ہیں اور آفتاب کے پرتو کے آگے مغلوب ہیں، یہ شخص اس جماعت کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کررہی ہے مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا غیر واقعی بات ہے، بخلاف توحید شہودی کے کہ ایک ذات دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں، مثال کے طور پر طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کے وجود کی نفی کرنا اور معدوم جاننا خلاف واقع ہے، لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نور آفتاب کے ظہور کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے والے کے ضعف بصارت کی بنا پر ہے، اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کے نور سے سرمگیں ہو جائے اور اپنے اندر قوت واستعداد پیدا کرلے تو عین اسی وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جدا دیکھے گی اور یہ دید حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔

پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحید وجودی پر محمول کرتے ہیں، جیسے ابن منصور الحلاج کا قول ''انا الحق'' اور بایزید البسطامی کا ''سبحانی'' کہنا اور اس طرح کے اور اقوال، اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل وشرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے، چونکہ غلبۂ حال میں ماسوائے حق سبحانہ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہوگئے اور انہوں نے حق سبحانہ کے سوا اور کسی شے کو ثابت وموجود نہ مانا، ''انا الحق'' کا معنی ہے ''حق ہے میں نہیں ہوں'' جبکہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے، یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے کو حق کہتا ہے یہ مفہوم تو صریح کفر ہے، (ماخوذ از مکتوبات دفتر اول حصہ دوم، ص ۳۰)۔

تذکرہ شیخ محمد صادق گنگوہیؒ

ان عظیم المرتبت ناقابل فراموش شخصیات میں جن پر سرزمین گنگوہ کی عظمت کا مدار ہے، ایک ہدایت وولایت کے درخشندہ کوکب حضرت شیخ محمد صادق گنگوہیؒ بھی ہیں، آپ شیخ فتح اللہ کے صاحبزادے ہیں صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کو ''الشیخ الصالح الفقیہ محمد صادق ابن فتح اللہ احداالکبار المشائخ الچشتیہ'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے (نزہۃ الخواطر ص ۱۰۸ج ۵)

آپ نے اپنے عم محترم آسمان ولایت کے آفتاب وماہتاب حضرت شیخ ابوسعیدؒ سے علوم روحانیت حاصل کیے اور ان کے خلیفہ ہوکر ان کے بعد گنگوہ میں مسندارشاد پر فائز ہوئے سماع، وجد اور حال میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے مگر یہ سب شرع کی پابندی کے ساتھ تھا، ظاہری شرع سے خروج بالکل نہ کرتے تھے، خوبصورت وخوب سیرت تھے ''صورت بھی حسیں آپ کی سیرت بھی حسیں ہے'' کا مکمل مصداق تھے۔

ایک بار شیخ محمد صادق اپنے شیخ ومرشد حضرت شاہ ابوسعیدؒ کی خدمت میں عید کے روز نہایت ہی عمدہ لباس میں حاضر ہوئے، آپ نے اسی وقت ان پر تصرف کیا اور عشق ومعرفت کی راہ میں مشغول کردیا، ریاضتِ شاقہ مجاہدات کثیرہ کیے حتی کہ اس درجہ قوی النظر ہوگئے کہ جس پر نظر پڑ جاتی وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا اور آپ سے بے اختیار محبت وعقیدت اپنے دل میں محسوس کرنے لگتا تھا اور آپ کی برکت سے عشق الٰہی کی ایک چوٹ دل میں پاتا جس کو کبھی نہ بھولتا تھا، سچ کہا ہے ؎

پہلی نظر بھی آپکی اف کس بلا کی تھی ہم آج وہی چوٹ ہیں دل میں لئے ہوئے

ایک نظر میں دلوں کی دنیا بدل دیا کرتے تھے اور دنیا کی محبت وتعلق بالکل معدوم

کر دیتے تھے، اللہ والوں کی نظر میں ایسی ہی تاثیر ہوتی ہے، چنانچہ ایک بار آپ سہارنپور کے بازار میں چلے جارہے تھے ایک غیر مسلم پر نظر پڑی اس نے جو پھر کر حضرت کو دیکھا فریفتۂ جمال ہو کر قدموں پر گر پڑا اور مسلمان ہو گیا اور خاص مرید ہوا، آپ نے اس کا نام عبدالسلام رکھا اور یہ شخص آپ کی برکت سے کمال تک پہونچا، آپ کا حال یہ تھا ؎

تصویر ہے کھینچی ہوئی ناز و نیاز کی   ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے

سچ کہا:

مجذوبِ نارسیدہ کو واصل بنادیا   ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق   جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

اتنا اٹھایا کہ صدر افاضل بنادیا

کرامات

غیر مسلموں کا اسلام قبول کرنا

بعض لوگوں نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک بار سہارنپور کے کسی بازار سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ بہت سے ہندو ایک بڑے بت کی پوجا کرتے ہیں، آپ بھی محو تماشہ ہو گئے کچھ دیر کے بعد وہ بت آپ سے کلام کرنے لگا اور آپ کی بے حد تعریف و مدح کی، یہ دیکھ کر بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے اور بعض مرید بھی ہوئے۔

فائدہ: یہ آپ کا کوئی تصرف روحانی رہا ہو گا یا بطور کرامت کے اللہ پاک نے ان لوگوں کو ہدایت کا ایک ذریعہ بنانے کیلئے ایسا ظاہر فرمایا ہو گا، اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں جو ان کو توحید میں کمال اور شریعت و سنت کی اتباع کے طفیل حاصل ہوتی ہیں اور جو چیزیں کفار اور فجار و فساق سے ظاہر ہوں ان کو ''استدراج'' کہا جاتا ہے وہ کرامات

کے ذیل میں نہیں آتیں ۔ اللہ کی طرف سے وہ ایک استدراج ہے اور ان کو مزید گمراہی میں رکھنا مقصود ہے تاکہ وہ اسی میں بھٹکتے پھرتے رہیں۔

لب لگاتے ہی گویائی مل گئی

(۲) آپ کا ایک مرید شیخ عبدالحق نامی ایک گاؤں میں رہا کرتا تھا، شیخ کو اس سے بہت تعلق تھا، اس کے باغ میں ایک بار تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا چند عدد آم لاؤ! وہ نہایت تلاش کر کے عمدہ چھ آم اور ایک آم کترا ہوا لائے اور آپ کے سامنے رکھ دیے، آپ نے کھانے کے بعد فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھ کو چھ بیٹے عطا فرمائے گا وہ صحیح سالم ہونگے مگر ایک ان میں سے ناقص پیدا ہوگا، چنانچہ شیخ علیہ الرحمہ کی پیشین گوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ چھ بیٹے اچھے اور ایک بیٹا گونگا پیدا ہوا، چند سال کے بعد شیخ محمد صادق علیہ الرحمہ پھر وہاں تشریف لے گئے، تمام لوگ آپ کیلئے مٹھائی لائے آپ نے وہ انہیں میں تقسیم فرمادی، عبدالحق کے تمام بیٹوں کو بھی تقسیم کردی، چھ بھائیوں نے اپنے ساتویں گونگے بھائی کی مٹھائی چھین لی اس نے شور و شغب کیا، آپ نے وجہ معلوم کی تو لوگوں نے بتادیا، آپ نے اس کو بلوایا اور اپنا لب اس کے منھ سے لگایا، اسی وقت اللہ نے اس کو گویائی عطا فرمائی، واللہ اعلم بالصواب (تذکرۃ الاولیاء)۔

آپ کی وفات ۱۸ر محرم ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں ہوئی اور گنگوہ میں مولا بخش پیر والی مسجد کے متصل آپ کا مزار ہے، جس پر ایک خاص زمانہ میں بدعت وخرافات بھی ہوتی ہیں جس طرح کہ اور دوسرے مزاروں پر بہت سے مقامات میں خرافات ہو رہی ہیں، لوگوں نے ان بزرگوں کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیر مشروع و ناجائز

کاموں میں خود لگنا اور دوسروں کو لگانا شروع کر دیا ہے، غیر اللہ کو سجدے کرنا چاہے مردہ ہو یا زندہ قطعاً حرام اور شرک ہے، اور ان سے منتیں ماننا اور ان پر چادریں، مرغے، بکرے اور دیگر اشیاء کو چڑھانا ہماری شریعت میں ان سب چیزوں کی کہیں سے کہیں تک کوئی گنجائش نہیں ہے، اللہ پاک سب کو ہدایت نصیب فرمائے اور ان بزرگوں کی تعلیمات پر چلنے اور چلانے کی توفیق بخشے، آمین۔

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب ''فتاویٰ محمودیہ'' کے حوالے سے پیش خدمت ہے۔

سوال: بزرگانِ دین کے عرسوں میں شامل ہو کر وہاں کچھ کھانا پکا کر اور اس کو فی سبیل اللہ بغیر کسی خرافات کے تقسیم کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب بزرگانِ دین کی ارواح کو پہونچانا درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً: مزارات پر جا کر کھانا پکوانا یا کھانا لے کر وہاں جانا اور تقسیم کرنا بدعت اور ناجائز ہے، ایصالِ ثواب کے لئے تاریخ مقرر کر کے اس کو شرعی حیثیت دینا درست نہیں (۱) عرس کرنا بدعت ہے، بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جب دل چاہے ایصالِ ثواب کرنا، خواہ غریبوں کو کھانا، غلہ، کپڑا، نقد یا کسی بھی ضرورت کی چیز دیکر یا قرآن پاک، تسبیح، نماز پڑھ کر ہو، یا حج کر کے ہو غرض ہر نیک کام کر کے شرعاً درست اور باعث اجر وثواب ہے (۲) قبروں پر کبھی کبھی جا کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنا اور اسلاف کو یاد کرنا بھی ثواب ہے (۳) لیکن مزارات پر پھول، چادر چڑھانا، سجدہ کرنا، طواف کرنا، قبروں کو چومنا، چراغ جلانا، ان کی ارواح سے رزق یا اولاد وغیرہ مانگنا، ان کی نذر ماننا، قوالی کرنا، یہ سب شرعاً ناجائز ہیں ان سے بچنا لازم ہے، بعض

چیزیں ایسی ہیں کہ وہ شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲/۸/۱۳۸۷ھ

(فتاوی محمودیہ ج ۱۲/ ص ۱۲۶)

شرک سے متعلق کچھ تفصیلات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر شرک و بدعات کے تعلق سے کچھ تفصیل قارئین کے سامنے رکھی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بزرگان دین کی عقیدت میں غلو اور افراط کی وجہ سے ہم خدانخواستہ شرک میں مبتلا ہو جائیں اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کریں، نام ہو بزرگوں کی عقیدت کا اور کام ہو مشرکانہ، جس سے وہ اہل اللہ بھی بیزار ہیں جن کے مزارات پر اور جن کی عقیدت کے عنوان سے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے، وہ حضرات خود توحید پرست تھے، توحید کے قائل تھے اور اسی کے داعی و مبلغ تھے، اور توحید میں کمال اور فنائیت ہی ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا:

شرک کی حقیقت اور اس کا نقصان

''توحید'' اردو زبان میں ایک ماننے کو کہتے ہیں اور شرک کے معنی ساتھ ملانے کے ہیں۔ اولاً تو مسلمانوں پر یہی فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو جانیں اور شرک سے بچیں۔ توحید اس کا نام نہیں کہ خدا کو زبان سے ایک کہے اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کے واسطے پیغمبر اور پیروں کی نذریں مانے اسی کا نام تو شرک ہے، بلکہ توحید کے یہ معنیٰ ہیں کہ صرف اللہ ہی کو ہر چیز کا مالک و مختار جانے اور یہ جانے کہ اس کے سوا پیر ہوں یا پیغمبر، فرشتے ہوں یا شہید کسی کو کچھ اختیار اس کے کارخانے میں نہیں، اس کے روبرو سب عاجز اور بے اختیار ہیں۔

اور شرک اس کا نام نہیں کہ آسمان و زمین کا مالک اللہ کے سوا کسی اور کو جانے یہ تو کوئی مشرک اور کافر بھی نہیں کہتا، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے بلکہ شرک کے معنیٰ ہیں کہ اللہ نے جو چیزیں اپنے واسطے خاص کر لی ہیں ان میں کسی دوسرے کو بھی ملانا جیسے بارش کا برسانا، رزق کا دینا، بیمار کا اچھا کرنا، آفتوں اور بلاؤں سے بچانا، اولاد کا دینا، غیب کی بات جاننا، ہر جگہ پر حاضر و ناظر رہنا، لوگوں کی مدد کرنا، مارنا، جلانا (زندہ کرنا) یہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، ان باتوں میں کسی دوسرے کا بھی اختیار سمجھنا بس یہی شرک ہے کہ جس کے مٹانے کے واسطے قرآن شریف اترا اور پیغمبر خدا کافروں سے لڑے، قرآن شریف میں ہزاروں جگہ اس کا بیان ہے اگر سب آیتیں لکھی جائیں تو مضمون طویل ہو جائے گا اس لئے چند آیتیں لکھی جاتی ہیں، دل سے پڑھنا چاہئے!!۔

ارشاد باری ہے "قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" (سورۃ الاعراف پارہ ۹)۔ (اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ اے نبی!) تو کہدے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے، اگر جانا کرتا میں غیب کی بات تو بہت خوبیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی، میرا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عذاب سے ڈراتا ہوں اور ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں ایمان والے لوگوں کو۔

فائدہ: یہ تو سب جانتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے برابر کوئی اللہ کا بندہ مقبول نہیں پھر جب انہیں کو خود اپنی جان کے نفع اور ضرر کا کچھ اختیار نہیں اور وہ بھی غیب کی بات نہیں جانتے تو امام اور پیر کس گنتی اور شمار میں ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ مدد چاہنا اور حاجتیں

مانگنا سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں چاہئے، پیر ہوں یا پیغمبر، ولی ہوں یا شہید۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے کہ آگے یوں ہوگا اگر ان کو علم غیب نہ تھا تو خبر کیوں کر دی؟ اور اولیاء کا بھی اسی طرح حال ہے۔ دیکھو! فلاں بزرگ نے کہا تھا کہ ہم فلاں روز مریں گے اور ویسا ہی ہوا، اور کسی سے کہا تھا کہ تیرے چار بیٹے ہوں گے تو چار ہی ہوئے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ یہ ان کو اللہ کے بتانے سے معلوم ہوا اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں، مشہور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں رویا کرتے تھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوئے تب ان کو ان کی خبر معلوم ہوئی اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو کیوں روتے؟ اور کافروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تھی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا تھا جب بہت دنوں کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاک صاف ہے، کافر جھوٹے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، اگر پہلے سے خبر ہوتی تو غم کیوں کرتے؟۔

پھر جب پیغمبروں کی حالت یہ ہے تو بھلا اولیاء کا کیا رتبہ؟ ہر ایک چیز کا حال جاننا آدمی کا کام نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

مزارات پر مشرکانہ افعال

یہ مضمون ایک عربی کتاب ''ار کب معنا'' سے ماخوذ ہے جو عرب کے ایک نامور عالمِ دین ڈاکٹر محمد العریفی، ریاض (سعودی عرب) کی ایک قابل قدر تحریر ہے اس کا اردو ترجمہ عزیزم مولوی شمشاد احمد مظاہری مدرس جامعہ ہذا نے کیا ہے، جو ماہنامہ ''صدائے حق'' میں شائع ہوا، مفید سمجھ کر یہاں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

ابو جہل وابولہب کے شرک اور آج کل قبر کے پاس ذبح کرنے والوں، مزار کے آستانوں پر سجدہ ریز ہونے والوں، غیر اللہ کے نام پر جانور کی قربانی پیش کرنے والوں، قبر کے اردگرد چکر لگانے والوں کے شرک کے مابین کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا، یہ لوگ کسی بھی ولی کے مزار پر انتہائی عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوکر اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کا حل چاہتے ہیں، بوسیدہ ہڈیوں سے مریض کی صحت یابی اور مسافر کی بخیریت واپسی کی درخواست کرتے ہیں، ان کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے!

باری تعالیٰ فرماتے ہیں''ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صادقین '' یہ شرک جو قبروں اور مزارات پر کیا جاتا ہے، خواہ ان کے نام پر جانور کی قربانی ہو، یا اہلِ قبور کی رضا جوئی ہو، یا قبروں کے اردگرد چکر لگانا ہو، تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، جی ہاں! یہ زنا کاری، شراب نوشی، قتلِ ناحق اور والدین کی نافرمانی سے بھی عظیم تر ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے''ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء '' دیکھئے! حق تعالیٰ نے شرک کے ماسوا تمام گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا، اللہ زانیوں کو بھی بخشدینگے اور قاتلوں وخطا کاروں کو بھی معاف کردیں گے، صحیحین کی روایت میں آپ ﷺ نے ایک واقعہ ذکر فرمایا'' کہ بنو اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت جنگل سے گذر رہی تھی، اس کی نظر کنویں کے پاس موجود ایک کتے پر پڑی (جو پیاس بجھانے کی غرض سے) کبھی تو کنویں کی منڈیر پر چڑھتا ہے، اور کبھی کنویں کے چاروں طرف گھومنے لگتا ہے، وہ گرمی کا سخت دن تھا (کتا) پیاس کی شدت سے اپنی

زبان باہر نکالے ہوئے تھا، قریب تھا کہ پیاس اسے ہلاک کر ڈالے، اس فاحشہ عورت نے جس نے نہ جانے کتنی بار اپنے رب کی نافرمانی کی تھی، دوسروں کو گناہ میں مبتلا کیا، اور خود فواحش و معاصی میں ملوث تھی، حرام مال اس کا لقمہ تھا، جب اس کتے کی یہ حالت دیکھی تو اس نے اپنا جوتا نکال کر دوپٹہ میں باندھا اور کنویں سے پانی نکال کر کتے کو سیراب کیا، اللہ جل شانہ نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی، اللہ اکبر!۔

غور کیجئے! کہ اللہ نے اس کی بخشش کس سبب سے کی؟ آیا اس بنا پر کہ وہ رات بھر نماز پڑھا کرتی اور دن بھر روزہ رکھتی تھی؟ یا یہ کہ وہ اللہ کے راستہ میں شہید کر دی گئی تھی؟ ایسا کچھ بھی نہ تھا، صرف اس نے پیاس سے بے حال ایک کتے کو پانی پلایا تھا، اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی، اصل وجہ یہ تھی کہ گرچہ وہ گناہوں میں ملوث تھی لیکن اللہ کی ذات پاک میں کسی ولی کو یا کسی صاحبِ قبر کو شریک نہیں سمجھتی تھی، اسکے دل میں کسی پتھر اور بشر کی عظمت نہ تھی، اسی لئے اللہ نے اس کو بخش دیا، ایسے حضرات ہوش کے ناخن لیں! اور سوچیں کہ کیا چیز مغفرت کو گنہ گاروں سے قریب لائی اور کس چیز نے مغفرت کو مشرکین سے دور کیا!!۔

کچھ لوگ فواحش، زنا اور شراب نوشی کی کثرت دیکھ کر تو بڑے غمزدہ اور بے چین ہوتے ہیں، لیکن قبر کے آستانوں کو چومنے والوں، اور مزارات پر طرح طرح کی عبادات اور خرافات کرنے والوں کو دیکھ کر ان حضرات کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، بلاشبہ زناکاری اور شراب نوشی بڑے گناہ ہیں، لیکن یہ دین اسلام سے خارج نہیں کرتے، اسکے برخلاف غیر اللہ کی عبادت شرک ہے، اگر انسان اسی حالت میں مرجائے تو کافر شمار ہوتا ہے، اس وجہ سے علماء راسخین عقیدہ کی تدریس سب سے اہم قرار دیتے ہیں، (تدریس عقیدہ کتنی وقیع چیز ہے اس پر ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے) ایک عالم نے ''توحید'' کی اہمیت پر ایک کتاب

مرتب کی، وہ اپنے طلباء کے سامنے اس کی تشریح کرتے، اور روزانہ اسی کے مسائل طلباء کے سامنے دُہرایا کرتے، طلباء نے ایک روز ان سے کہا استاذِ محترم! ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں اس کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً قصص، سیرت اور تاریخ پر درس دیا کریں! استاذ بولے: ان شاء اللہ میں اس سلسلہ میں غور کروں گا، اگلے دن وہ طلبا کے پاس آئے تو غمزدہ اور کسی فکر میں تھے، طلباء نے غم کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگے ''میں نے سنا ہے کہ قریب کے ایک گاؤں میں ایک شخص نے اپنے نئے مکان میں رہائش کا آغاز کیا ہے، اسے جن سے اذیت رسانی کا اندیشہ ہوا تو اس نے ایک مرغ جن کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے گھر کے دروازہ کی چوکھٹ پر ذبح کیا ہے، میں نے ایک صاحب کو وہاں بھیجا ہے تا کہ وہ آکر مجھے حقیقتِ حال سے روشناس کرائے، طلبہ یہ واقعہ سن کر زیادہ متاثر نہ ہوئے بس اس شخص کے لئے ہدایت کی دعا کی اور خاموش ہو گئے، اگلے دن استاذ محترم آئے اور طلباء سے کہا کہ گذشتہ خبر کی تحقیقی رپورٹ یہ ہے کہ بات ویسی نہ تھی جیسی ہم تک پہنچائی گئی، اس شخص نے جن کی خوشنودی اور تقرب کے لئے مرغ تو ذبح نہیں کیا ہے، البتہ اس نے (نعوذ باللہ) اپنی والدہ سے زنا کیا ہے، یہ سنکر طلبہ نمناک ہو گئے، بے انتہا متاثر ہوئے اور اس شخص پر جی بھر کر لعن طعن کیا، اور کہا کہ ایسے شخص پر نکیر کرنا، راہِ راست پر لانا، اور کڑی سزا دینا بیحد ضروری ہے اور طلباء کا اضطراب، جوش وخروش بڑھتا ہی گیا۔

یہ منظر دیکھ کر استاذ محترم طلباء کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تمہاری بات بڑی عجیب لگی، تم نے اس شخص پر تو نکیر کی جو کبیرہ گناہ میں ملوث ہوا، حالانکہ وہ گناہ اسے دینِ اسلام سے خارج نہیں کرتا اور ایسے شخص کے خلاف کہ جس نے شرک جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا، تمہاری طرف سے کوئی نکیر یا سخت ردعمل سامنے نہ آیا، طلبہ پر خاموشی چھا گئی، استاذ محترم نے

ایک طالب علم کی طرف اشارہ کیا اور کہا، اٹھو اور ہمیں ''کتاب التوحید'' لا کر دو! ہم پھر سے اس کی تشریح کا آغاز کرتے ہیں۔

شرک سب سے بڑا گناہ ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں کرتے، اللہ نے فرمایا ''ان الشرک لظلم عظیم'' بیشک شرک ظلم عظیم ہے، مشرکین پر جنت حرام ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا ''إنہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ ومأواہ النار وما للظالمین من أنصار'' جو آدمی شرک کا ارتکاب کرتا ہے شرک اس کی تمام عبادات، نماز، روزہ، حج، جہاد اور صدقہ وغیرہ کو ضائع کر دیتا ہے، فرمان باری ہے ''ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین''۔

شرک کی ایک قسمِ شنیع

شرک کی ایک قسم ایسی ہے جو دین سے خارج کر دیتی ہے، اگر اس کا مرتکب بلا توبہ کے مر جائے تو ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے، جیسے غیر اللہ کو پکارنا، ان کے تقرب اور خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا، غیر اللہ یعنی اہلِ قبور اور جن وشیاطین کیلئے منتیں ماننا، مردوں یا جنات وشیاطین کی طرف سے اس بات کا خوف رکھنا کہ وہ ہمیں ضرر یا مرض میں مبتلا کر سکتے ہیں، جو چیزیں صرف حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں مثلاً حاجات کا برلانا، مصائب اور تکلیفوں کا دور کرنا، ان میں غیر اللہ سے امید وابستہ کرنا، علاوہ ازیں وہ تمام خرافات وشرکیات جو مزاروں اور قبروں پر رونما ہوتی ہیں۔

حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کی زیارت کی مشروعیت حصولِ عبرت اور مرحومین کے حق میں دعاء مغفرت کیلئے ہوئی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا''

قبروں کی زیارت کرو کہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں‘‘ لیکن قبروں ومزارات پر اس نیت سے جانا تاکہ اہلِ قبور سے دعا مانگیں، ان سے مدد چاہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کریں، یا ان سے تبرک کا حصول مقصود ہو، یا حاجت برآری کی درخواست ہو اور ان کے نام پر منت ماننا ہو یہ سب باتیں شرک میں داخل ہیں، قطع نظر کہ مدفون شخص اللہ کے نبی ہوں، یا ولی ہوں یا کوئی بندۂ صالح ہوں۔ کیونکہ یہ تمام حضرات بہرحال ایک انسان ہیں جن کو دوسروں کے نفع وضرر کا اختیار تو کیا ہوتا خود اپنے نفع ونقصان سے سروکار نہیں ہے، حضور ﷺ تمام مخلوق میں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندہ ہیں اللہ نے ان سے ارشاد فرمایا ’’قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضراً ‘‘ اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔

تعجب ہے کہ مسلمان شخص یہ جاننے کے باوصف کہ قبروں ومزارات میں دفن شدہ افراد، مردہ لاشے اور بوسیدہ ڈھانچے ہیں، وہ اپنے اوپر پیش آمدہ احوال سے نپٹنے کے اہل نہیں پھر بھی ان سے توقعات وابستہ رکھتا ہے!! عموماً ان مزارات پر پختہ عمارات موجود ہیں وہاں بہت سے سجادہ نشین، مجاورین رہتے ہیں جن کا تقویٰ بناوٹی اور طرزِ عمل زاہدانہ ہوتا ہے وہ من گھڑت خرافات عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور انہیں شرک وبدعات میں مبتلا کرتے ہیں۔ (بہ شکریہ ماہنامہ ’’صدائے حق‘‘ گنگوہ شمارہ نمبر ۴۹)

آپ کے خلفاء

آپ کے خلفاء میں آپ کے دو بیٹے شیخ داؤد اور شیخ محمد ہیں اور شیخ ابراہیم مرادآبادی اور شیخ عبدالجلیل الہ آبادی ہیں (نزہۃ الخواطر ص ۴۰۸ / ج ۵)۔

حضرت شیخ داؤد گنگوہیؒ

شیخ داؤدؒ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپ شیخ محمد صادق کے صاحبزادے ہیں اللہ تعالیٰ نے علونسبی کے ساتھ علورتبی، شرافت وفضیلت اور کشف وکرامات بھی عطا فرمائے تھے صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۱۵۸رج ۵رمیں ''احد الرجال المعروفین بالفضل والصلاح'' سے آپ کو یاد فرمایا ہے، مشاہیر میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ سرزمین گنگوہ کی مایۂ ناز وافتخار ہستی ہیں، تصرف وہمت میں اعلیٰ مقام پر متمکن تھے، ''مراۃ الاسرار'' اولیاء اللہ کے حالات میں ایک کتاب ہے، جو آپ کے عہد میں لکھی گئی ہے، اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اوائلِ عمر ہی میں آپ کو طلب حق کی تلاش ہوگئی تھی، اس لئے اپنے والد شیخ محمد صادق کی خدمت میں بغرض اصلاح وتربیت روحانی حاضر ہوکر باضابطہ بیعت ہوئے اور خوب ریاضت ومجاہدہ کیا نماز روزہ، ذکر اللہ، تلاوت، توبہ، استغفار، تقویٰ وپرہیزگاری کو اپنا شعار بنایا، شرک وبدعت سے بچنا اور دوسروں کو توبہ کرانا آپ کا مقصد حیات بن گیا اور ذکر اللہ اس کثرت سے کیا کہ بکثرت آپ سے کشف وکرامات کا صدور ہونے لگا، اپنے والد ماجد سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی اور ان کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے اور حق کی اشاعت، شریعت وسنت کی ترویج میں سرگرم ہوگئے، اور شرک وبدعت غلط قسم کے رسوم ورواج اور بداخلاقی سے لوگوں کو بچانے میں بہت حصہ لیا اور ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہوئی، یہاں تک کہ شیخ ابوالمعالی انبہٹویؒ[1] آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے خلیفہ ہوئے۔

---

[1] شیخ ابوالمعالی انبہٹویؒ اپنے دور کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما ہوئی، یہی قصبہ مشہور عالم، عارف، محدث، فقیہ، مفسر، مناظر، بلند پایہ بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف بذل المجہود شرح ابوداؤد کا وطن ہے، شیخ ابوالمعالی نے علم ومعرفت شیخ صادق اور شیخ داؤدؒ سے حاصل کئے اور شیخ داؤدؒ کے خلیفہ ہوکر حق کی اشاعت کا کام کیا، آپ سے خلقِ کثیر کو فیض پہونچا، آپؒ انبہٹہ میں مدفون ہیں، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کو الشیخ الکبیر احد المشائخ المشہورین فی الھند کہہ کر یاد کیا ہے (ص۲۰رج۶)۔

آپ کے چند ملفوظات

آپ سے معلوم کیا گیا کہ فقیر سالک بخدا کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب اس کا فقر تام ہو جائے یعنی جملہ لوگوں سے کٹ کر صرف ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور خلق سے امیدیں چھوڑ دے، نیز آپ سے معلوم کیا گیا کہ بندہ اللہ کا نام لینے کے لائق حقیقت میں کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب ''اللہ احد'' اس قدر کثرت سے کہے کہ سب فنا ہو جائے اور وہی باقی رہ جائے، آپ سے کثرت کے ساتھ کرامات کا صدور وظہور ہوا ہے، چنانچہ بعض کرامتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

آپ کی کرامات

منقول ہے کہ جب اورنگ زیب عالم گیرؒ ۱۰۶۰ھ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوئے، بعض اعیان نے دربار میں شکایت کی کہ شیخ داؤد وجد وسماع میں مبتلا رہتے ہیں بادشاہ وقت نے حکم امتناعی روانہ کر دیا اور شیخ کو دربار میں طلب کر لیا گیا، شیخ داؤدؒ پہنچے ادھر سے ملا عبدالقوی جو فقراء مشائخ کے اس طرز (سماع وجد وغیرہ) کو بدعت سمجھتے تھے [1]شیخ سے مناظرہ کرنے کے لئے سامنے آئے اور معلوم کیا کہ سماع کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے فرمایا جو اس کا اہل ہو اس کے لئے جائز ہے، اگر حقیقتِ حال

---

[1] نوٹ شیخ داؤدؒ کا سماع بھی اسی انداز کا تھا جو شیخ عبدالقدوسؒ کے حالات میں گزر چکا ہے وہاں پوری تفصیل کی طرف مراجعت کریں، نیز وہاں خود شیخ داؤدؒ کا قول بھی گزر چکا ہے کہ ہم تو تالی بجانے کو بھی جائز نہیں سمجھتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا شیخ عبدالقدوس کے یہاں سماع مع المزامیر ہوتا تھا؟ فرمایا بالفرض اگر سنتے ہی تھے تو رات کو چار سو رکعت بھی تو پڑھتے تھے اور تمہیں کبھی دو رکعت بھی پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

معلوم ہی کرنا چاہتے ہو تو پھر چلو وہ چلدئے، نعت خواں لوگوں کو طلب کرلیا گیا اور مجلس گرم ہوئی شیخ نے جام توحید نوش فرمایا اور مست ہو گئے اور مناظر سے فرمایا اے جاہل! یہ کہنا تھا کہ وہ سب علم فراموش کر گئے، اس لئے گریہ وزاری شروع کی اور معافی کے خواستگار ہوئے، شیخ کو رحم آیا اور فرمایا اے ملک العلماء! صوفیوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ یہ فرمانا تھا کہ سب کچھ علم لوٹ آیا اور بدل وجان مرید ہوئے، صاحب ''اقتباس الانوار'' نے لکھا ہے کہ انتقال پر ملال سے تین روز پہلے اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمدؒ سے فرمایا کہ میری قبر کی تیاری کرو تین روز سے میں رسول مقبول ﷺ کی زیارت کرر ہا ہوں، اس کے بعد چند نصائح فرمائی اور انتقال فرمایا، یہ ۱۰۹۵ھ کا واقعہ ہے، آپ کے خلفاء میں شیخ سوندھاؒ اور شیخ ابو المعالی چشتی صابری انبہٹویؒ بہت مشہور ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

تذکرہ شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہیؒ

آپ اپنے دور کے شیخ الاسلام عظیم محدث اور بہت بڑے فقیہ تھے اور ہندوستان کی مشہور عالم شخصیات میں شمار کیے جاتے ہیں آپ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کے پوتے ہیں، والدمحترم کا اسم گرامی احمد ہے۔

مقامِ ولادت

آپ کا مقامِ ولادت گنگوہ ہے یہیں آپ کی نشو نما ہوئی، ابتداءً علوم دینیہ اسی دیار و بلاد کے علماء سے حاصل کیے، آپ علوم معارف کے ماہر تھے صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۱۹۶رج ۴ر پر ''احد العلماء المشہورین فی الارض الھندیہ'' سے آپ کی ذات کو تعبیر کیا ہے، حضرت مولانا عبدالحیؒ نے طرب الاماثل میں رص ۲۸۳ر پر تحریر فرمایا ہے:

قد کان مولانا عبدالنبیؒ من العلماء الصالحین و الفضلاء العاملین۔

حرمین شریفین کا سفراور ذوقِ حدیث

حرمین شریفین کا کئی بار سفر فرمایا وہاں جاکر بڑے بڑے علماء سے حدیث شریف کا علم حاصل کیا، خاص طور پر آپ کو حافظِ وقت، علامۂ دوراں، امام حدیث شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی ہیثمیؒ سے بھی سماعِ حدیث کی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ آپ نے اپنی کتاب ''سنن المصطفیٰ'' میں جو علم حدیث پر نہایت شاندار کتاب ہے علامہ ابن حجر سے آپ نے حدیث سننے کی صراحت فرمائی ہے، بندہ راقم السطور نے اس کتاب کی زیارت کی ہے فللہ الحمد، یہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے علاوہ ہیں

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حدیث میں کس قدر بلند مقام حاصل تھا، جو عام طور پر لوگ نہیں جانتے، اس طرح گنگوہ کی سرزمین گویا نویں صدی ہجری سے علم حدیث وفقہ، اسرارِ تصوف سے مشرف ہے فهنيئاً لاصحاب گنگوہ۔

ردبدعات اور وطن سے اخراج

کیونکہ شیخ عبدالنبیؒ کو کبار علماء فقہاء ومحدثین کی خدمت میں رہنے کا طویل موقع ہوا تھا، اسلئے آپ کے اندر محدثین وفقہاء کا مذہب بڑی قوت وشدت کے ساتھ راسخ ہوگیا تھا اور آپ اس کے خلاف کسی چیز کو پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ آپ جب حرمین شریفین کے سفر سے واپس اپنے وطن گنگوہ پہونچے اور اپنے خاندانی بعض بزرگوں کو جس میں خود ان کے والد بھی تھے کچھ چیزوں میں یعنی سماع وجد، مسئلہ وحدۃ الوجود، عرس اور رسوم مشائخ میں مبتلا دیکھا تو ان سے سخت اختلاف کیا اور خالص سنت کی دعوت دی اور اس پر براہین ودلائل پیش کیے، جب یہ مخالفت بہت زیادہ شدت اختیار کرگئی تو آپ کے والد و چچا وغیرہ نے آپ کو یہاں سے نکالدیا، یہ نکالا جانا آپ کی ترقی کا باعث بنا چونکہ یہ وطن سے اخراج خالص سنت کی نصرت وحمایت اور بدعات کی تردید واصلاح کی بنا پر ہوا تھا جس کا صلہ ان کو سربلندی واقبال مندی سے ملنا ہی تھا، جیسا کہ مختلف آزمائشوں اور پریشانیوں کی وجہ سے اللہ کے دیگر صالح بندوں نے جب اہل وعیال وطن ومال وغیرہ کو ترک کیا تو اللہ پاک نے ان کو سرخروئی اور بلندی پر پہونچایا، ایسا ہی شیخ عبدالنبیؒ کے لئے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا اور یہ قصہ آئندہ عروج کے لئے ذریعہ بن گیا۔

صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہونا

وطن محبوب گنگوہ کوترک کر کے دارالسلطنت دہلی کوروانہ ہوئے یہ سلطان جلال الدین اکبر کا دور تھا اور یہ اس کا وہ دور تھا جب شاہ اکبر علماء، صلحا، فقہاء اور بزرگوں کا نہایت احترام کرتا تھا، ان کا قدرداں تھا، علم اور متعلقات علم پر فدا تھا اور یہ دور اس کا عملی لحاظ سے اعلیٰ کردار کا حامل تھا، شاہ اکبر کو ایسے علماء کی اشد ضرورت تھی، جب اس کو شیخ عبدالنبیؒ کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے شیخ عبدالنبیؒ کو طلب کرلیا اور اپنے یہاں صدارت عظمیٰ کا منصبِ جلیل جو اس دور کا سب سے بڑا عہدہ مانا جاتا تھا پیش کیا، اب آپ ہندوستان کے طول وعرض میں سب سے بڑے قاضی، (چیف جسٹس) بنادئے گئے، یہ ۹۷۱ھ کا واقعہ ہے۔

شیخ عبدالنبیؒ اپنی شکل وصورت اور عالمانہ وجاہت اور رفتار وگفتار سے بارعب اور باوقار شخص تھے، شیخ کی شاہ اکبر سے برابر ملاقاتیں ہونا شروع ہوگئی وہ آپ کے علم وفضل رفتار وگفتار سے بیحد متأثر ہوا اور آپ کا حد درجہ اکرام وتعظیم کرنے لگا، اس کے اکرام کی انتہا ہوگئی کہ شیخ عبدالنبیؒ سے حدیث شریف سننے کے لئے ان کو بلانے کے بجائے خود ان کے مکان پر حاضر ہوکر احادیث وعلوم دینیہ سے فیضیاب ہوتا تھا اور شیخ کی جوتیوں کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کرتا اور ان کو سیدھی کر کے رکھتا تھا، بس ہر وقت شیخ کے اشارہ کا منتظر رہتا جیسا فرمادیتے سرِ مو روگردانی نہ کرتا تھا، اور بقول حضرت علامہ مولانا عبدالحی لکھنوی ابوالحسناتؒ کے یہ تعظیم بلیغ کیوں نہ کرتا؟ جب کہ شیخ عبدالنبی علمائے صالحین وفضلائے عاملین میں سے تھے اور محدثین وفقہاء کے گروہ میں سے تھے اور اپنے اوصاف وکمالات میں ممتاز تھے (طرب الاماثل بتراجم الافاضل/ص ۲۸۳)۔

شاہی اعزاز اور حسد

''الناس علی دین ملوکھم'' جب رعایا نے اپنے بادشاہ کو جو اس دور کا سب سے بارعب اور طاقتور بادشاہ سمجھا جاتا تھا پورے ملک کے سیاہ اور سفید کا مالک تھا اس قدر تعظیم کرتے دیکھا تو ان کے اندر شیخ کی عظمت ومقبولیت اور عزت واحترام انتہائی درجہ پر پہونچ گیا، یہ دیکھ کر ایک طبقہ آپ کے حسد میں مبتلا ہوگیا جیسا کہ یہ اکثر شخصیات کے ساتھ ہوا کرتا ہے، کہ جب اللہ پاک کسی کو کوئی مقام ومرتبہ دیتے ہیں اور اس کے متعلقین اور محبین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے تو وہیں ایک طبقہ حسد اور دشمنی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے جو نہ کرنا چاہئے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے، چاہے اس کے لئے اس کو کتنا ہی جھوٹ کذب وافتراء اور بہتان اور اپنے محسود کو ایذا پہونچانے کیلئے کتنے ہی سہارے لینے پڑیں، حسد وہ بیماری اور مرض ہے جو سب سے پہلے وجود میں آئی جس کے نتیجہ میں قابیل نے ہابیل کو مارا اور بہت سارے انبیاءؑ اور انسان شہید وہلاک کئے گئے، یہاں تک کہ یہود نے سرور عالم ﷺ کو زہر تک دیا اور قتل کرنے کی کفار کے ساتھ مل کر متعدد بار اسکیمیں اور پلان بنائے، محض اس وجہ سے کہ آپ ﷺ ان کے خاندان سے نہیں تھے، یہی سلسلہ پوری دنیا بھر میں چلتا رہا ہے حکومتیں ادارے، مدرسے، جماعتیں، تنظیمیں کوئی جگہ اور کوئی دور اس رذیلہ اور خبیث مرض کی گل کاریوں سے خالی نہیں رہا، ماضی قریب کے واقعات بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

اور خاص طور پر وہ شخصیات جو علمی روحانی اور حکومتی مناصب اور عہدوں پر فائز رہیں ان سب کو اس سے ابتلاء اور پالا پڑتا رہا، اس میں ائمہ اربعہ صوفیاء فقہاء اور منتظمین

ومدرسین وغیرہ سبھی کو گرفتار ہونا پڑا، اسی رذیلہ نے خوانخواہ کے انقلابات کرا کر شیطان اوراس کے اعوان کو مسرت وشادمانی کے مواقع فراہم کیے، علمی وجاہت کے ساتھ شیخ عبدالنبیؒ کو مالی اعتبار سے بھی جو وسعت اور فراخی اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ ایک بے تاج بادشاہ محسوس ہوتے تھے۔

اس زمانہ کے حالات پر مؤرخ شہیر عبدالقادر بدایونی کا تبصرہ

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر بدایونی جو اس دور کے مشہور مؤرخ ہیں جو صاف گوئی اور بے لاگ تبصرہ وتنقید میں اپنی مثال نہیں رکھتے، انہوں نے اپنے ولی نعمت اور محسن سلطان اکبر کو بھی معاف نہیں کیا، یہ علامہ عبدالقادر بدایونی آپ کے تقوی وطہارت، شرافت وعبادت اور ظاہری محاسن وکمالات کے بھی قائل ہیں، انہی کا قول ہے کہ چند سال کا عرصہ اسی طرز پر گذر گیا کہ شیخ عبدالنبیؒ نعمانی کا ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا اور ہر خاص وعام کے دل ودماغ پر آپ کا تسلط تھا، آپ کی مقبولیت عام وتام تھی اور آپ کا اقبال پورے عروج پر تھا کہ دربار اکبری میں ابوالفضل فیضی جیسے فتنۂ زمانہ، رسوائے روزگار، دنیا وجاہ پرست علماء داخل ہوگئے، جس کے بعد شیخ کی داستانِ عروج داستانِ زوال میں تبدیل ہوگئی اور آپ کے پرانے دوست جو ایک زمانہ میں آپ کے بہت قریب تھے وہ بھی اس کا باعث بنے، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی ایسا بہت دیکھنے میں آتا رہتا ہے، ابوالفضل فیضی بھی ظاہری علم وفن کے اعتبار سے بہت آگے تھے، بادشاہ کے قریب ہوتے چلے گئے اور اس قدر قریب ہوئے کہ بادشاہ کی ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی اور دیگر علماء صلحاء سے اس کو بدظن کرنے میں کامیاب ہوگئے، شیخ عبدالنبیؒ کے متعلق بادشاہ کو غلط سلط، طرح طرح کی شکایات پہونچائیں اوران کو ان کے مقام سے

نیچے اتارنے کیلئے جو اسکیم اور پلان فتنہ وسازش کر سکتے تھے کی نہ چھوڑی، ادھر اتفاق سے اس زمانہ میں بادشاہ شہر فتح پور میں تھا۔

متھرا کے اندر مسجد کی تعمیر اور ایک غیر مسلم کی گستاخی

یہ قصہ پیش آیا جو ان کے لئے بہترین ہتھیار ثابت ہوا کہ متھرا شہر میں قاضی عبدالرحیم ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے، جس پر بعض برہمن ہندوؤں نے جن کی وہاں خاصی تعداد رہتی تھی شدید ردعمل کیا اور مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ بن گئے بلکہ ایک برہمن نے آکر رات ورات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا، جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، بات جب زیادہ بڑھ گئی تو شیخ عبدالرحیم نے اس کو بلایا، قاضی عبدالرحیم نے یہ قصہ شیخ عبدالنبیؒ کو لکھا کیونکہ وہ چیف جسٹس تھے تو معاملہ ان تک پہونچانا ضروری تھا تو شیخ عبدالنبیؒ نے اس گستاخ کو طلب کیا مگر وہ نہیں آیا، تو بادشاہ نے ابوالفضل اور بیربل (اکبر کا خاص ہندو وزیر) کو متھرا بھیجا تاکہ اس کو لائیں، ابوالفضل متھرا سے تحقیق کر کے واپس ہوئے اور کہا کہ سب اہل متھرا کہتے ہیں کہ اس بدبخت نے اہانت رسول اللہ ﷺ کا ارتکاب کیا ہے، اب اس مسئلہ پر علماء دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ کہتا تھا یہ کمبخت منحوس گستاخ رسولؐ واجب القتل ہے اور دوسرا گروہ تعزیر وسزا کا قائل تھا، مسئلہ کو مناظرہ کی شکل دیدی گئی، چونکہ شیخ عبدالنبیؒ کی رائے مصلحت شرعیہ کی بناء پر قتل کی تھی، حضرت نے بادشاہ سے اجازت لی مگر اس نے قتل کی اجازت صراحۃ تو نہیں دی مگر انکار بھی نہیں کیا جس سے اس کی اجازت سمجھی گئی، حالانکہ بار بار شیخ جب بادشاہ سے پوچھتے تھے تو وہ کہدیا کرتا تھا کہ

شرعی معاملات کا تعلق تو آپ حضرات سے ہے اور آپ لوگ اس بارے میں زیادہ جانتے ہو مجھ سے مت پوچھو، ادھر اندر اندر رنچھ کا فرعورتیں جو اکبر کے گھر میں تھیں اور جن کا اندر اندر اچھا خاصہ اثر رسوخ تھا وہ اس کی سفارش کر رہی تھیں اور اس کو بچانے کے لئے پورا زور لگا رہی تھیں، جن سے اکبر بھی متاثر تھا اور اس کی سوچ بھی یہی تھی کہ قتل نہ ہو لیکن وہ مصلحتا صاف کہنے سے گریز کر رہا تھا، کیونکہ اس سے اس کی سیاست متاثر ہوتی تھی، کیونکہ ایک طرف تو مسلمانوں اور دین کا مسئلہ تھا اور دوسری طرف ہندوؤں کا اور دونوں بڑے فریق تھے، جیسا کہ اس طرح کے معاملات میں اکثر ارباب سیاست اور سلطنت گومگو کی پالیسی اختیار کیا کرتے ہیں اور گول مول باتیں کہا کرتے ہیں، جیسا کہ ہم رات دن اپنے دور کے سیاسی لوگوں کے بیانات معاملات پڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی علاقہ کا لیڈر ہوتا ہے اور وہاں ہندوؤں کی خاصی تعداد ہوتی ہے تو وہ ان کی حد درجہ رعایت رکھتا ہے، چاہے اس کو اسلامی اصول سے کیوں نہ ہٹنا پڑے۔

جب شیخ بار بار کے استفسار سے مایوس ہوگئے اور وہ ہر بار یہی کہتا تھا کہ یہ چیزیں آپ لوگوں سے متعلق ہیں میں کیا جانوں؟ تو شیخ نے اپنی پاور اور طاقت کو استعمال کرتے ہوئے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے قتل کا حکم صادر کردیا، پھر تو کیا تھا حاسدین اور معاندین نے اس کو ایک فتنہ اور طوفان کی شکل دیدی اور ہر جگہ شیخ عبدالنبی کو بدنام کرنے کیلئے طرح طرح کے پروپیگنڈے ہونے لگے اور بادشاہ کے گھر کی عورتوں اور بیگمات کو جس میں ہندو بیگمات بھی تھیں جو وہ سیاستہً رکھا کرتا تھا بادشاہ کو غضب ناک کرنے کیلئے استعمال کی گئیں، انہوں نے یہ کہنا شروع

کر دیا کہ یہ ملا مولوی لوگ اتنے سر چڑھ گئے ہیں کہ منشاء سلطانی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور کوئی یہ کہتا تھا کہ تعجب ہے کہ اس معاملہ کو رفع دفع کیوں نہیں کر دیا گیا جبکہ حدود شکوک وشبہات سے ختم ہو جاتی ہیں اور کوئی یہ کہتا تھا کہ تعجب ہے مولانا عبدالنبی پر کہ امام اعظم کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے امام اور بزرگ کا مسلک چھوڑ دیا اور دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دیا، جبکہ اس ملک میں مسلک حنفی چلتا ہے، اور وہ اپنے امام کے مسلک کے مطابق فتویٰ دینے اور کہنے کے مکلف ہیں، شیخ نے اس بارے میں جن جن بزرگوں کا نام جیسے قاضی عیاض مالکی وغیرہ ہیں حوالہ پیش کیا، تو یہ کہہ کر جھڑک دیا گیا کہ تم حنفی ہو اور وہ مالکی ہیں۔

ملا مبارک ناگوری اور ابوالفضل فیضی کی کارستانیاں

پھر یہ مسئلہ ملا مبارک ناگوری تک پہونچا، بقول حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے علوم عقلیہ وادبیہ پر حاوی، فارسی کے شاعر وانشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم طرز تدریس وتحقیق اور رائج ومقبول علوم وفنون کے لحاظ سے لائق فاضل اور ''دانشمند'' تھے اگر اس تبحر وتفنّن علمی، ذہن کی دراکی، طبیعت کی موزونیت اور زبان وقلم کی ہم زبانی کے ساتھ ان باپ بیٹوں میں دین میں استقامت رسوخ فی الدین، خدا ترسی وآخرت کوشی اور اخلاص وللّٰہیت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہوتی (تاریخ دعوت و

عزیمت رص ۹۷رج ۴) لیکن انہوں نے اپنی ذہانت وفطانت اور اپنے علم وفن کو تخریب کاری اور فتنہ پردازی میں زبردست طریقہ سے استعمال کیا اور بادشاہ کو اس قدر بڑھایا اور چڑھایا اور اس کیلئے ایک محضر تیار کیا جس میں صاف صاف کہا گیا تھا ''خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المؤمنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معیّن کردیں اور اس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ قطعی اور اجماعی قرار پائے گا اور رعایا کے لئے اس کی پابندی حتمی وناگزیر ہوگی، اور اس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد، واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا، اور یہی اس سفر کا نقطۂ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے عناد واختلاف پر جاکر مکمل ہوا۔

بقول حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہی موقعہ تھا، یعنی جب وہ فتنہ شباب پر تھا جس کا تذکرہ اوپر آیا ہے جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا جو اکبر اور اس کی مملکت کے رخ کے پھیرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا اور جو ذہنی وتہذیبی ارتداد کے پورے قصر کا صدر دروازہ کہا جاسکتا ہے (تاریخ دعوت وعزیمت رص ۱۰۸رج ۴)۔

محضر نامہ فساد کا شاخسانہ

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۷ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا، بادشاہ کے ایماء پر تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے، اس محضر نامہ پر دستخط کرنے کیلئے اکبر نے خاص طور پر شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ اور ان کے معاصر مولانا شیخ عبداللہ سلطان پوریؒ کو بلوایا جن کا لقب مخدوم الملک تھا، جو ایک بہت بڑے دینی عہدہ پر سلطان کی طرف سے فائز تھے اور ان دونوں میں آپس میں چپقلش بھی چلتی رہتی تھی جو اکثر معاصرین کے درمیان ہو جایا کرتی ہے، اسی لئے مشہور ہے ''المعاصرۃ قنطرۃ المنافرۃ'' کہ معاصرت منافرت کا پل ہے، دونوں ایک دوسرے کے حریف اور رقیب بھی تھے اور ایک دوسرے کی تجہیل وغیرہ بھی کرتے تھے، اللہ معاف فرمائے۔

جب ان دونوں کو بلوایا گیا، کوئی ان کی تعظیم کیلئے بادشاہ کی مجلس میں سے نہیں اٹھا اور یہ دونوں چپلوں کی صف میں بیٹھ گئے، پھر وہ محضران دونوں کے سامنے رکھا گیا ان دنوں نے اس پر بادلِ ناخواستہ دستخط کئے جس کے بعد بادشاہ نے ان دونوں کو حرمین شریفین کی طرف سفر کرنے کا آڈر جاری کر دیا، اس حکم کے تحت شیخ عبدالنبیؒ حجاز مقدس چلے گئے اور وہاں ایک طویل عرصہ قیام کر کے لوٹے تو بادشاہ سے عفو وسماحت کی درخواست کی مگر بادشاہ کی بد دماغی برقرار رہی، اس نے اپنے وزیر خاص راجا ٹوڈرمل کو ان کے پھنسانے اور تکلیف پہونچانے پر مسلط کر دیا، اس نے حساب وکتاب وغیرہ کا معاملہ اٹھا کر آپ کو پھنسایا اور سخت تکلیف دی یہاں تک کہ اسی مصیبت میں آپ انتقال کر گئے اور مآثر الامراء میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے ان کے معاملہ کو ابوالفضل وغیرہ کے حوالہ کر دیا انہوں

نے بادشاہ کا ایماء پاکران کومروادیا، انا للہ وانا الیہ راجعون ،اور مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوریؒ بھی تقریباً تین سال کے بعد ہندوستان لوٹے، گجرات پہونچے تو وہاں ان کو زہر دیکر مروادیا گیا ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۴ء میں انتقال کیا بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب ،اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ ان کا یہ معاملہ بھی اشارۂ سلطانی سے ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون ،شیخ عبدالنبیؒ کی تدفین قصبہ اندری ضلع کرنال ہریانہ میں ہوئی ، جہاں آج بھی ان کے خاندان والے آباد ہیں۔۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دنیا دارالمحن ہے اور دارالامتحان بھی ہے، بڑے بڑے انبیاء ورسل اولیاء وصالحین کو آزمائشوں و پریشانیوں سے گذرنا پڑا جو اللہ پاک کے زائد قریب ہوئے ان کے امتحان بھی شدید ہوئے ،اسی لئے رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا اشد ''بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل'' (ترمذی، ابواب الزہد ۲/۶۵) یعنی سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں پھر جو ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے وہ گرفتار آلام وشدائد ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کو کس قدر تکلیفیں اٹھانی پڑیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، کے واقعاتِ ابتلاء تاریخ نے ریکارڈ کیے ہیں اور جب ان اولیاء اللہ نے صبر سے کام لیا تو اللہ پاک نے ان کے درجات بلند فرمائے اور مغفرت کا ذریعہ بنادیا۔

تعمیر مسجد عبدالنبیؒ (دہلی) موجودہ دفتر جمعیۃ علمائے ہند

شیخ عبدالنبیؒ کو اپنے زمانۂ عروج میں مساجد وغیرہ کی تعمیر کا بہت زیادہ شوق وذوق تھا، آپ نے مختلف مقامات پر مختلف شہروں میں مساجد کی تعمیر کرائی اور بہت سے اوقاف بہت سے نیک کاموں کیلئے عطا فرمائے، بقول ملا عبدالقادر بدایونیؒ جتنے اوقاف اور جائدادیں شیخ عبدالنبی نے مدارس اور خانقاہوں اور مساجد کے نام کیے انکا عشر عشیر

بھی کسی اور نے نہیں کیا، مسجد عبدالنبی بھی اسی دور کی یادگار ہے اور یہ اس دور کا قصہ ہے جبکہ شیخ عبدالنبی اور ابوالفضل فیضی کے درمیان خوشگوار تعلقات تھے، دوستانہ اور نیاز مندانہ مراسم تھے، چنانچہ ۹۸۳ھ میں جب شیخ عبدالنبیؒ مسجد تعمیر کرا چکے تو فیضی نے پانچ شعر موزوں کیے جن میں چار عربی میں ہیں اور آخری شعر جس میں تاریخ ہے اس کا پہلا مصرع فارسی میں ہے جو عربی ادب کے لحاظ سے ایک صنعت سمجھی جاتی ہے:

(۱) فی زمان خلیفة الاکبر اید الله ذاته النّفاع

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں، اللہ تعالیٰ اس بادشاہ کو مضبوط کرے جس کی ذات نفع بخش ہے

(۲) قدبنی بقعة مقدسة مثلها لایکون فی الاقطاع

ایک ایسی مقدس جگہ کی تعمیر کی کہ اس کا نمونہ دوسرے مقامات میں نہیں ہے

(۳) شیخ الاسلام زائر الحرمین شیخ اهل الحدیث بالاجماع

یہ تعمیر اس زمانہ کے شیخ الاسلام نے کی ہے جو حرمین شریفین کی زیارت کر چکے ہیں۔ جو بالاتفاق محدثین کے شیخ ہیں۔

(۴) شیخ عبدالنبی نعمانی معدن العلم منبع الانفاع

جن کا نام عبدالنبی نعمانی ہے، جو علم کی کان اور افادات و منافع کا سرچشمہ ہیں۔

(۵) سال تاریخِ ایں بنا فیضی سال العقل قال خیر بقاع

فیضی نے اس کی تاریخِ تعمیر اپنی عقل سے دریافت کی، تو اس نے "خیر بقاع" مادہ وتاریخ تخریج کیا جو کہ ۹۸۳ھ ہے۔

یہ اشعار ایک ایک لوح پر کندہ تھے، یہ لوح صدر محراب پر نصب تھی اور اب لال قلعہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد عبد النبی ایک زمانہ سے جمعیۃ علمائے ہند کا دفتر چلا آرہا ہے اور یہاں سے جمعیۃ کی تحریکیں پوری دنیا میں چلائی جاتی ہیں، اللہ پاک مسجد کی اور وہاں سے اٹھنے والی تحریکوں کی تائید وتقویت فرمائے، اور جمعیۃ میں حقیقتاً اجتماع، جمع وتطبیق اور جمعیت کی شان وکیفیت پیدا فرمائے اور انتشار وافتراق سے علماء اور امت میں جو انتشار وافتراق پھیل گیا ہے اس کے سمٹنے کے حالات پیدا فرمائے (آمین) یہ اختلاف وانتشار اب امت میں ہر جگہ پھیل گیا ہے جس کی بنا اکثر حسد ونفاق ہے اور جہاں اتفاق واتحاد ہوتا بھی ہے تو وہاں ایک طبقہ اس کو دیکھنا برداشت کرنا گوارا نہیں کرتا، ان کو سکون وقرار تبھی ملتا ہے جب کچھ ہل چل اور کچھ گرما گرمی کچھ اخبارات میں ملت کا قیمتی سرمایہ خرچ ہو جائے اور ایک دوسرے کے عمامے اچھل جائیں اور کچھ کی عزتیں گھٹ جائیں اور کچھ کی بڑھ جائیں، اتفاق واتحاد اب اس چڑیا کا نام رہ گیا ہے جو کافی دن پہلے اڑ چکی ہے اور فضاؤں میں گم ہو چکی ہے۔

تذکرہ حضرت امامِ ربانی عالمِ حقانی

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

کتاب وسنت، شریعت وطریقت کی بے مثال خدمت اور برکت کی وجہ سے سرزمین گنگوہ کی عظمت وشہرت کو بامِ عروج ونقطۂ ارتقاء تک پہنچانے والی بزرگ ہستیوں میں ایک سراج منیر آفتاب عالم تاب حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی شخصیت عبقریت بھی ہے اگر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے بارے میں کہا گیا ہے۔

لایعرف قدر الغزالی — من جاء بعد الغزالی

الا ان یکون مثل الغزالی — او فوق الغزالی

کہ بعد میں آنے والا غزالی کی قدرومنزلت کو نہیں پہچان سکتا ہے مگر یہ کہ وہ خود غزالی جیسا ہو یا ان سے بھی بڑھ کر ہو، اسی طرح بلا مبالغہ علامہ، فہامہ، امامِ ربانی، عالم حقانی، رأس الفقہاء، سرتاج المحدثین، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

لا یعرف قدر الرشید — من جاء بعد الرشید

الا ان یکون مثل الرشید — او فوق الرشید

آپ کی بلند قامت شخصیت کو صاحب نزہۃ الخواطرؒ نے ان الفاظ سے یاد فرمایا ہے: الشیخ الامام العلامہ المحدث رشید احمد الانصاری الحنفی الگنگوھی احد العلماء المحققین و الفضلاء المدققین لم یکن مثلہ

فی زمانه فی الصدق والعفاف والتوکل والتعفف والشهامة، والاقدام فی المخاطر، والصلابةفی الدین والشدة فی المذهب، ہمارے حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے دور کے فقیہ النفس محدث بلکہ بخاریٔ وقت، جامع علوم ظاہریہ وباطنیہ، محقق ومدقق، اصول وفروع میں کامل، عارف باللہ، جامع شریعت وطریقت، ماہر اسرارِ حقیقت، مرجع مشائخ واساطین علم ومعرفت تھے، جن کے فیضان سے سارا عالم سیراب ہوا اور ہورہا ہے۔

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آپ کی حیات طیبہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قبل یہ بندہ راقم السطور سراپا قصور اپنے شیخ ومرشد عارف باللہ امام العاشقین حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے وہ الہامی اشعار پیش کرتا ہے جن میں شیخ ومرشد محبوب سبحانی نے امامین، ہمامین، ثقتین، جلیلین، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ اور امام ربانی مولانا رشید احمد صاحبؒ کو معجزۂ سرور عالم، آیتان من آیات اللہ، رازی وغزالی، ابوذر وسلمان، فرمایا ہے۔

یہ ان بزرگوں کی ایسی منقبت ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے اور ان کی سیرت وکردار ان اوصاف کا آئینہ جمیلہ ہے، فرماتے ہیں۔

معجزہ سرورِ عالم کا نہ کیوں اسکو کہوں
اللہ اللہ یہ ہیں آیۂ رحمٰن دونوں

علم وعرفان کی دولت سے کیا مالا مال
میں تو کہتا ہوں کہ ہیں حاتم دوراں دونوں

جان و دل ان پر نہ قربان کروں میں کیوں کر
میرا ایماں ہے کہ ہیں حاصل ایماں دونوں

کس میں یہ دم ہے کہ جوان کے مقابل آئے
ان کی تائید میں ہیں سنت و قرآن دونوں

میں نے تو ان کو صحابہ کا نمونہ پایا
کفر و اسلام کے حق میں ہیں یہ فرقاں دونوں

غم سے مطلب ہی نہیں رہتے ہیں اللہ اللہ
عشق کے فیض سے ہر حال میں شاداں دونوں

غیر پر ان کی نظر ہی نہیں پڑتی ہے کبھی
اپنے اللہ کے ہیں تابع فرماں دونوں

رحمت حق سے انہیں قرب خدا ہے حاصل
رہتے ہیں خوف سے اللہ کے لرزاں دونوں

بغض فی اللہ میں ان کا نہیں ثانی کوئی
حب فی اللہ میں ہیں سب سے نمایاں دونوں

عشق مولیٰ میں رہا کرتے ہیں ہر دم سرشار
اس زمانہ کے ہیں بوذر و سلمان دونوں

مئے توحید سے رہتے ہیں ہمیشہ مخمور
آخری دور کے ہیں یہ شہ جیلان دونوں

جانشین فخر رسل کا انہیں میں کیوں نہ کہوں
جب کہ ہیں گلشن ایمان کے نگہبان دونوں

ادخلوہا بسلام کی لگاتے ہیں صدا
ان پہ قربان یہ ہیں خلد بداماں دونوں

نورتقوی سے ہوئی ظلمت عصیاں کافور
نفس وشیطاں ہیں اب سخت پریشاں دونوں

فیض سے ان کے وہ خوشبوئے محبت پھیلی
جس سے معمور ہیں صحراء وگلستاں دونوں

ہر گھڑی رہتا ہے دریائے کرم ہی جاری
روز وشب بانٹتے ہیں نسبت واحسان دونوں

یہ محبت یہ مروت یہ سخاوت یہ کرم
کہتے ہیں انسان ہیں جیسے یہ وہ انسان دونوں

آتی ہر آن ہی ہے قلب مبارک میں بہار
فیض امدادؒ سے ہیں رشک گلستاں دونوں

مرتبہ ان کا کوئی اہل نظر سے پوچھے
فقر کے پردے میں واللہ ہیں سلطان دونوں

اللہ اللہ یہ رتبہ یہ فضیلت ان کی
حق کی نظروں میں یہ ہیں مرد مسلمان دونوں

تذکرہ چھیڑ دیا کس کا تو نے ہمدم
دل پہ اک چوٹ لگی آنکھیں ہیں گریاں دونوں
زندگی ان کی بدولت ہوئی مجھ کو حاصل
شکر اللہ کا یہ ہیں میری رگ و جان دونوں
ان کی تعلیم پہ قربان میری جان احمد
للہ الحمد میرے دل میں ہیں پنہاں دونوں
(از عرفان محبت رص ۱۵۲ر)

ولادتِ مبارکہ

بقول صاحب تذکرۃ الرشید، حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ۶ر ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ نبوی مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۸۲۹ء کو بیوم دوشنبہ چاشت کے وقت اس گہوارۂ عالم فانی میں قدم رکھا یعنی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور محلّہ سرائے میں خانقاہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے متصل اس جدّی مکان میں، بأوان مسعود و زمان محمود آپ کی ولادتِ شریفہ ہوئی، جو درگاہ حضرت شیخ کے شرقی سمت میں تخمیناً پچیس تیس قدم کے فاصلہ پر واقع اور ابتک قائم ہے، گویا دوشنبہ کی ولادت میں غیر اختیاری سنت نبویہ ﷺ کا شرف حاصل فرما کر کانوں میں یہ مژدہ پہونچایا کہ اے بطحائی پیغمبر کی طرز معاشرت و تحصیل معاد سے غافل ہوجانے والو! ہوشیار ہوجاؤ! خواب غفلت سے جاگو! اب تم کو اس تعلیم صادق سے آگاہ و مطلع کرنے والا محی السنۃ آ گیا ہے۔

اور حضرت شیخ زکریاؒ اس طرح لکھتے ہیں: سہارنپور سے جانب مغرب جنوب ایک قصبہ ہے جو گنگوہ کے نام سے مشہور ہے اس قصبہ کی سرزمین کو حق تعالیٰ شانہ نے سلسلہ کے تین اکابر کے نور سے منور فرمایا، جن میں سے دو حضرات شاہ عبدالقدوس

وحضرت شاہ ابوسعید کا تذکرہ اپنی جگہ پر آچکا اور تیسری ہستی حضرت امام ربانی کی تھی جو بیک وقت عالم دین بھی تھے، جامع شریعت وطریقت بھی تھے، عاشق نبی بھی تھے اور متبع سنت رسول ﷺ بھی، جامِ شریعت اور سندانِ عشق دونوں کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے تھے، یہ وہ ہستی ہے جس کو ایک عالم فرطِ عقیدت ومحبت سے امام ربانی کہتا ہے لیکن ان کے والدین نے ان کا نام صرف رشید احمد رکھا تھا اب ان چند صفحات میں انہیں کا ذکر مبارک کیا جارہا ہے (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۶۴)۔

سلسلۂ نسب

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے اور جدہ کی طرف سے حضرت قطب العالمؒ سے بھی ملتا ہے، اس کی تفصیل تذکرۃ الرشید میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا ہدایت احمد صاحب والد ماجد حضرت گنگوہیؒ

حضرت گنگوہیؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا ہدایت احمد صاحبؒ بھی اپنے دور کے اچھے عالمِ دین اور بزرگ تھے، ریاضت کش اور صاحبِ دل شیخ تھے، علم ظاہری اور باطنی میں اس دور کے علماء ومشائخ کاملین سے فیضیاب تھے، حضرت مولانا شاہ غلام علی مجددی نقشبندی دہلویؒ کے مجازِ صحبت تھے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے خود ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میرے والد مولوی ہدایت احمد صاحبؒ شاہ غلام علی صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تھے، شاہ صاحب میرے والد کے حال پر نہایت شفقت فرمانے لگے، حضرت کے ولایتی خدام کو حسد ہوا اور انہوں نے میرے والد کو سنکھیا دینے کی تجویز کی والد صاحبؒ کو

اطلاع ہوگئی، والد صاحب حضرت سے رخصت ہوکر گنگوہ تشریف لے آئے۔

نیز ایک جگہ فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز وانکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنالیں؟ شاہ صاحب گھبرا اٹھے اور فرمایا ''ہاہا یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا تم فرزند علی ہو اور میں غلام علی ہوں (تذکرۃ الرشید رص ۲۶۲ رج ۲)۔

مولانا ہدایت احمدؒ کا ساڑھے پینتیس سال کی عمر قلیل میں بماہ جمادی الاولی ۱۲۵۲ھ شہر گورکھپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، جس وقت والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت حضرت امام ربانی کے سر سے اٹھا اس وقت حضرت کی عمر صرف سات برس کی تھی اور آپ کے دادا صاحب نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا اس طرح سے یتیمی اور یتیمی میں دادا کی پرورش میں آنے سے دو سنتیں اضطراری طور پر پوری ہوئیں۔

---

[1] حضرت مولانا شیخ غلام علی دہلوی نقشبندی قدس سرہ بٹالہ ضلع گورداس پور پنجاب میں ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ ربرس کی عمر میں دہلی آگئے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ العزیز کے خلیفۂ اکبر تھے اپنے زمانہ کے متفق علیہ ولی وبزرگ، عالم، عارف باللہ، زاہد ومتقی، اکمل الکاملین تھے، عرب وعجم عوام وخواص کے دلوں پر آپ کی حکومت تھی سب کے یہاں مقبول تھے، دس ہزار مرتبہ نفی واثبات کا ہر دن معمول تھا اور اسم ذات کی تو کوئی تعداد وحساب ہی نہ تھا، دس پارے ہر دن تلاوت کرنے کا معمول تھا، ان کے علاوہ استغفار اور درود شریف کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا کہ کتنا پڑھتے تھے، پانی سے روزہ افطار کرلیتے اور زمین پر آرام کرتے، پندرہ سال تک یہی معمول رہا، زہد وقناعت، تسلیم ورضا بالقدر، توکل وایثار، ترک وتجرید میں بے مثال تھے، شادی بھی نہ کی تھی اور نہ مکان بنایا، تمام فتوحات اور ہدایا غربا فقراء پر تقسیم کردیا کرتے تھے، نہ عمدہ لباس پہنا اور نہ عمدہ کھانے تناول فرمائے، تمام اوقات درس وتدریس، مراقبہ وذکر الٰہی، نماز، عبادت، تلاوت، مخلوق کو علمی، روحانی، مالی نفع پہنچانے میں سب سے آگے تھے، آپ کی خانقاہ میں پانچسو افراد آپ کے مطبخ سے ہر دن کھانا کھاتے تھے، اور آپ سے استفادہ کرنے کیلئے موجود رہتے، الغرض آپ نمونۂ صحابہ تھے، آپ کی نظر میں شاہ وگدا یکساں تھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں امام زمانہ تھے آپ ۲۲ رصفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں دنیا سے رحلت فرماگئے اور خانقاہ مظہریہ میں اپنے مرشد حضرت شہیدؒ کے پہلو میں دفن ہوئے (نزہۃ الخواطر رص ۳۹۲ رج ۷)۔

عہدِ طفولیت

عہدِ طفلی ہی سے آپ کے مزاج میں سلامتی ووقار، حلم واخلاق کے جواہر نمایاں ہوتے تھے اور عام بچوں کی طرح کھیل وکود اور بے ہودہ لایعنی امور سے سخت نفرت واجتناب فرماتے تھے، خدا ترسی، رحم دلی، عبادت، بردباری، تہذیب، سلیقہ مندی، دانشمندی آپ کی ہر ہر اداء سے نظر آتی تھی۔

آغازِ تعلیم

آپ نے سب سے پہلے استاذ میاں جی قطب بخش صاحب مرحوم گنگوہی سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا، ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ استاذ محترم نے اپنی زبان سے آپ کی ذہانت، ذکاوت، متانت، حافظہ، اور یادداشت کی تعریف وتحسین فرمائی۔

بچپن میں شوقِ نماز

حضرت امام ربانیؒ کی عمر مبارک ابھی صرف چھ سال کی تھی عصر کے بعد تفریح کے لئے چلتے چلتے کافی آگے نکل گئے، مغرب کی نماز کا وقت آگیا، گھر پہنچے اذان مغرب ہوچکی تھی جلدی سے مسجد گئے جماعت قائم ہوچکی، وضو کے لئے کنویں سے خود پانی نکالنا شروع کیا چھوٹے بچے تھے سنبھل نہ سکے اور دھم سے کنویں میں گر گئے، مگر اللہ پاک نے آپ کی حفاظت فرمائی اور خیر وعافیت سے آپ کو باہر نکالا گیا۔

والدہ ماجدہ

تذکرۃ الرشید میں ہے: حضرت مولانا قدس سرہ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور عابدہ، زاہدہ، ولیۂ خدا تھیں، باوجود عورت ذات ہونے کے عورتوں جیسی ضعیف الاعتقادی بال بچوں پر دین وایمان کی بربادی کو پاس بھی نہیں آنے دیا، عقائد اسلام میں

مضبوط تھیں، تعویذ گنڈوں سے طبعاً نفرت تھی اور کیوں نہ ہوتی! آخر ایسے قطب وقت کی حاملہ ومرضعہ بننے والی تھیں جس سے ایک خلق عظیم کو فیضیاب ہونا منظور حق ہو چکا تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے بیان کیا کہ رشید احمد! جب تو بچہ تھا مجھ کو اللہ بخش جن نظر آیا میں نے دیکھا کہ وہ تیری چارپائی کے پاس کھڑا ہو گیا اور مجھے کہا کہ تو فلاں مزار پر عطر کے پھوئے چڑھا ورنہ میں تیرے بچے کو مار ڈالوں گا والدہ کہتی تھیں کہ میں نے کہا کہ اچھا مار ڈال یہ تیرے سامنے لیٹا تو ہے۔۔۔ اللہ کے فضل سے وہ کچھ نہ بگاڑ سکا اور میں نے ہرگز اس کا کہا نہیں مانا۔

ابتدائی فارسی وعربی

تاریخ دارالعلوم میں ہے کہ: حضرت گنگوہیؒ قرآن شریف وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے اور ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، یہ آپ کے ماموں جناب مولانا تقی صاحب ہیں جو فارسی میں مسلم الثبوت استاذ تھے، استاذ ہونے کے ساتھ چونکہ آپ کے ماموں بھی تھے اس وجہ سے اس درِ یتیم کا بہت ہی لحاظ وادب ملحوظ رکھتے تھے اور ذکاوت وذہانت کی تعریف بھی کرتے تھے فارسی کا کچھ حصہ آپ نے مولانا محمد غوث صاحب سے بھی پڑھا، فارسی سے فارغ ہو کر آپ کو عربی کا شوق ہوا اس لئے آپ نے عربی ابتدائی صرف ونحو کی کتب بقول صاحب نزہۃ الخواطر ص ۱۶۳ / ج ۸ مولانا محمد بخش رامپوریؒ سے پڑھیں، مولانا محمد بخش رامپوری حضرت کے نہایت مشفق استاذ تھے ابتدائی کتب پڑھا کر حضرت کو ترغیب دی کہ علم عربی کا تکملہ اور دینیات کی تکمیل کے لئے چونکہ یہاں انتظام نہیں ہے اور اس وقت دہلی مرکز علم وفن بنا ہوا تھا کبار اہل علم وفن وہاں موجود تھے اس لئے آپ باقی تحصیل علم کے لئے بسم اللہ پڑھ کر دہلی جایئے اور درسیات مکمل کر لیجئے۔

سفرِ دہلی

اس وقت حضرت (گنگوہیؒ) کی عمر ۱۷ سال کی تھی دہلی کا سفر فرمایا اور یہاں آکر بعض عربی کتب قاضی احمد الدین پنجابی جہلمیؒ سے پڑھیں۔

آپ نے مختلف اساتذہ کے درس میں شرکت کی اور ہر درس کا رنگ دیکھا، لیکن آپ کی طبیعت کو کسی جگہ قرار نہ ہوتا تھا یہاں تک حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ[1] کے درس میں شرکت کی سعادت میسر آئی جو حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ (صدر مدرس دار العلوم دیوبند) کے والد بزرگوار تھے وہاں مدرس تھے، ادھر حسن اتفاق سے مولانا مملوک علیؒ نانوتہ سے اپنے ساتھ مولانا قاسم صاحبؒ کو پڑھانے کی غرض سے دہلی لا چکے تھے یہ ۱۲۶۱ھ کا قصہ ہے، اس طرح سے علم وتقویٰ خلوص وللّٰہیت کے یہ پیکر شمس وقمر ایک ہی استاذ کی زیرِ تربیت ہو کر تعلیم میں مشغول ہو گئے اور خوب دلجمعی ودلچسپی سے حصول علم دین میں منہمک ہو گئے یہاں سے رشید وقاسم کی رفاقت کا آغاز ہوا جو تا آخر حیات قائم رہا، استاذ حاذق وکامل نے ایسی زبردست تعلیم دی کہ پورا برصغیر ان دونوں قمروں کی ضیاء پاشی سے منور ہو گیا۔

---

[1] حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ اپنے دور کے عالم فاضل، علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل، بزرگ تھے، نانوتہ ضلع سہارنپور میں ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے، بچپن میں اولاً اپنے دیار کے علماء سے علم حاصل کیا پھر دہلی گئے اور وہاں جا کر حضرت علامہ رشید الدین دہلویؒ اور دیگر علماء سے علوم کا استفادہ کیا، یہاں تک کہ تمام علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل بن گئے پھر مدرسہ دار البقاء میں مدرس ہوئے اور زندگی بھر درس وتدریس میں مشغول رہے، آپ سے خلق کثیر نے فیض اٹھایا جن کی تعداد کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا پھر حجاز گئے حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور ٹھیک ایک سال کے بعد لوٹے اور انتقال سے پہلے مرض یرقان میں مبتلاء ہوئے ۱۱ر ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷ر اکتوبر ۱۸۵۱ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے اخیر عمر میں آپ پر خشیت الٰہی کا بہت غلبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ اللہ کے سامنے بہت روتے تھے اور آخرت کی تیاری میں رہتے تھے، آپ کے تفصیلی حالات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں (نزہۃ الخواطر ص ۵۳۴ر ج ۷)۔

اس زمانہ کے دیکھنے والے حضرات متفق اللسان اس بات کے قائل تھے کہ امام ربانی مولانا گنگوہیؒ صدرا، شمس بازغہ، میر زاہد قاضی وغیرہ سخت کتابیں ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، کہیں کوئی لفظ دریافت کرنا ہوتو دریافت کر لیتے باقی ترجمہ تک بھی نہیں کرتے تھے، اس سے ان حضرات کی قوت استعداد اور قوت فہم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ آج کل معمولی سی معمولی عبارت کا ترجمہ وتشریح کئے بغیر طلباء نہیں سمجھتے، تذکرۃ الرشید ص ۲۸ رمیں ہے کہ حضرت قدس سرہ اپنے معاصرین رفقاء درس سے ہمیشہ ممتاز رہے خداداد ذکاوت وسلامتی طبع کی وجہ سے ہر استاذ کی نظر میں مقبول اور ان کی شفقتوں کا مرکز بنے رہے، اگر بیماری وغیرہ عذر کی وجہ سے آپ درس میں حاضر نہ ہو پاتے تو استاذ محترم آپ کی عیادت فرمایا کرتے، الغرض چند سال دہلی میں رہ کر سب علوم درسیہ کی تکمیل کی علوم عقلیہ میں آپ کے دوسرے استاذ جناب مفتی صدر الدین صاحبؒ تھے[1]۔

---

[1] آپ اپنے دور کے بڑے علامہ فہامہ علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل بزرگ تھے آپ کے آباء واجداد اصلاً کشمیری تھے پھر دہلی میں مقیم ہوگئے تھے ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی وہیں نشو نما ہوا اور آپ نے عقلی علوم فنون مولانا فضل امام خیرآبادیؒ اور فقہ اصول وغیرہ حضرت شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حاصل کی، اثناءِ تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں بہت آمد ورفت کرتے تھے اور ان سے علم حدیث وغیرہ میں استفادہ کرتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ اسحاق بن افضل العمری سے علم حدیث میں استفادہ کیا آپ تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے، اور اس زمانہ میں طالبین علوم کا ایک بہت بڑا مرجع تھا ۱۲۷۳ تک آپ کی زندگی بہت خوش عیشی اور عمدگی کے ساتھ گزری، جب انگریزوں کا غلبہ ہوگیا اور مجاہدین آزادی پر بغاوت کا الزام لگا کر پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی تو آپ کو بھی پکڑ لیا گیا اور آپ کے تمام اموال وغیرہ چھین لئے گئے پھر آپ کو چھوڑ دیا گیا تب سے آپ نے اپنے گھر کو ہی لازم پکڑ لیا تھا اور طلباء کو پڑھانے میں مشغول ہوگئے تھے، ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۶ رجولائی ۱۸۶۸ء بعمر ۸۱ سال انتقال ہوا اور دہلی میں ہی مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۲۴۶ رج ۷)۔

شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشبندیؒ

البتہ علم حدیث میں آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ [1] سے فیضیاب ہو کر کمال حاصل کیا تمام صحاح ستہ حرفاً حرفاً آپ کے سامنے پڑھیں اور بعض کتب حضرت شاہ احمد سعیدؒ [2] سے

[1] حضرت شاہ عبدالغنی ابن شاہ ابوسعید الدہلوی مہاجر مدنی اپنے دور میں علمائے ربانیین کے امام جامع علوم وفنون کامل اسرار وحکم امام شریعت وطریقت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خاندان کے درفرید امام طریق مجددیہ بزرگ تھے، ۲۵ رشعبان ۱۲۳۴ھ مطابق ۹ رجون ۱۸۱۹ء محلہ مغلپورہ دہلی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظاہر حلیم ہے قرآن کریم، نحو، صرف، حدیث، فقہ، تفسیر تمام کے تمام علوم وفنون مشائخ دہلی سے حاصل کئے، جن میں شاہ محمد اسحاقؒ اور خود ان کے والد ماجد سر فہرست ہیں طریقت میں اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ سے استفادہ کیا اور ہندوستان واپس آکر خلق کثیر کو فیض پہونچایا، جن میں سرفہرست ہمارے دونوں بزرگ حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا قاسم صاحب ہیں، پھر جب انگریزوں کا فتنہ اٹھا اور ہندوستان پر ان کا تسلط ہو گیا تو آپ حجاز مقدس رحلت کر گئے، پہلے مکہ پہونچے پھر مدینہ پاک کا رخ کیا اور پھر وہیں عمر تمام کر دی، وہاں آپ سے کثیر علماء اور مشائخ نے شریعت وطریقت میں استفادہ کیا اور علم وعمل، زہد وتقویٰ، صدق وامانت، عفت وصیانت، تبتل وتضرع، خوف خدا، تمسک بالکتاب والسنہ، حسن اخلاق، مخلوق کو فائدہ پہونچانے، دنیا سے اعراض، آخرت کی طرف توجہ، ذکر وفکر مراقبہ، تلاوت وغیرہ میں آپ کو مرجع تسلیم کیا گیا، الغرض عرب اور عجم آپ سے مستفید ہوئے اور ۷ رمحرم ۱۲۹۶ھ مطابق ۳۱ ردسمبر ۱۸۷۸ء مدینہ میں واصل بحق ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۳۴۰ رج ۷)۔

[2] حضرت مولانا شاہ احمد سعید دہلویؒ ہندوستان کے مشہور علماء فضلاء میں سے ہیں مولانا فضل امام خیر آبادی اور علامہ رشید الدین خانؒ کے شاگرد ہیں اور حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی مستفید ہوئے اور حدیث، صحاح ستہ اور بہت سی کتابوں کی اجازت حاصل کی، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے خصوصی استفادہ کیا اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ابوسعید دہلوی سے بھی خوب استفادہ کیا ان کے انتقال کے بعد مسند درس وارشاد پر متمکن ہوئے اور خلق کثیر کو فیض پہونچایا یہاں تک کہ جب ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کا خبیث فتنہ رونما ہوا اور علماء کی گرفت اور تشدد کا دور شروع ہوا اور لوٹ مار اور خونریزی اور تباہی وبربادی کا دور دورا ہوا اور تمام مسلمانوں پر اور بالخصوص علماء اعلام اور مجاہدین پر مصائب اور آلام کے پہاڑ توڑے جارہے تھے جب آپ کا نمبر آیا تو کسی رئیس نے سفارش کی جس کی وجہ سے آپ بچ گئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ موقع پاکر حرمین شریفین کی جانب سفر اختیار کیا اور پھر اخیر عمر تک وہیں مقیم رہے ۱۲۷۷ھ میں انتقال فرمایا اور مدینہ پاک میں حضرت عثمان غنیؓ کے پاس مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۴۹ ر ۷)۔

بھی پڑھی ہیں، حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ اپنے دور کے زبردست حدیث کے عالم سمجھے جاتے تھے حدیث کی مشہور کتاب ابن ماجہ شریف پر آپ کا حاشیہ ''انجاح الحاجہ'' کے نام سے معروف ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنیؒ سلسلۂ طریقت میں اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز تھے اور سلسلۂ نسب آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے وصال سے چند سال قبل ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ قیام فرمایا اکثر اوقات حرم مدینہ میں مراقب رہتے تھے اور تأدبا خائف وترساں اور سردر عالم ﷺ کے روضۂ اقدس سے قدرے فاصلہ پر بیٹھتے اور زائرین کے شوروشغب مچانے پر کانپ اٹھتے اور نہایت آہستہ سے یوں فرماتے کہ صاحبو! شور نہ کرو دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔

علمی انہماک اور اساتذہ کی عنایات

حضرت قدس سرہ طلب علم وفقہ وتفسیر میں اس قدر مستغرق تھے کہ متعلقات علم کے علاوہ کسی اور طرف بالکل التفات وتوجہ نہ فرماتے، کتب کا مطالعہ ہی آپ کی روحانی غذاء قلبی سکون کا ذریعہ تھا، اس میں آپ کو اس قدر محویت واستغراق ہوجاتے کہ برابر میں رکھا ہوا کھانا بھی اگر کوئی اٹھا کر لے جاتا تو اس کی بھی آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے نیند آجاتی اور صبح کو جاگتے معلوم ہوتا کہ رات کھانا نہیں کھایا، مدرسہ کو آتے جاتے ادھر ادھر بالکل نہ دیکھتے، لپکے ہوئے جاتے اور جھپٹے ہوئے آتے، ایام طالب علمی میں آپ نے کھانے کا بار کسی پر نہ ڈالا تین روپے ماہوار آپ کے ماموں بھیجا کرتے اسی میں روکھی سوکھی روٹی دال ترکاری جو وقت پر آسانی سے مل جاتا کھالیتے

اسی میں دوسرے مصارف چلاتے، کبھی تنگی و پریشانی زیادہ بڑھتی مگر سوال نہ کرتے اور نہ آج کے طلبہ کی طرح مدرسہ سے دووقت کا کھانا ہونے کے باوجود تیسرے وقت کا محلوں سے قیمتی وقت ضائع کر کے لاتے ہیں، وقت کی انتہائی قدر فرماتے، ایک مجذوب شخص نے آپ کو علم کیمیا سکھانا چاہا اور سونا بنانے کا طریقہ ونسخہ بتلایا مگر آپ کی طبیعت جو علوم وحقائق معارف الٰہیہ کی طالب صادق تھی اس طرف بالکل متوجہ نہ ہوتی تھی اور آپ تمام تمام شب وروز طلب علم میں منہمک رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ جملہ رفقاء پر فائق تھے اور مدرسہ کے طلباء نے ''ھل من مبارز'' آپ کا لقب رکھدیا تھا، چونکہ گنگوہی اور نانوتوی آفتاب وماہتاب خاص تھے اور بے تکلف کبھی کبھی ان کے درمیان کسی مسئلہ میں مباحثہ ومناظرہ ہوجاتا تو گھنٹوں تک بحث جاری رہتی حتیٰ کہ کبار اساتذہ بھی بڑی دلچسپی سے سنتے اور کافی مجمع جمع ہوجاتا، ایک مرتبہ ایک استاذ نے دونوں کی تقریر سن کر کہا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ تو اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

اسی انہماک ومحنت وشوق کی برکت تھی کہ آپ اپنے مخلص اساتذہ کے منظور نظر تھے اور تمام طلبہ میں سب سے زائد مورد عنایات تھے، اس علمی استعداد کے ساتھ ساتھ تواضع اور ادب میں بھی کامل تھے اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس ومحبت ادب واحترام کا تعلق رکھتے تھے دوسری طرف اساتذۂ کرام بھی انتہائی قدرداں شفیق تھے، دل سے چاہتے تھے، دونوں ہی طرف سے انس ومحبت شفقت وقدردانی کا معاملہ تھا جو تقریباً اس دور میں معدوم تو نہیں البتہ مفقود ہوتا جارہا ہے، اساتذۂ کرام میں حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے حضرت کو بہت زیادہ قلبی تعلق تھا اور ان کی حرکات وسکنات کو زیادہ پسند فرماتے، آپ کو اپنے اساتذہ سے یہ قلبی لگاؤ اخیر تک رہا اکثر ان عظیم محسنوں کا تذکرہ

جمیلہ فرماتے اور رونے لگتے اور ان کے واقعات وقصص سنایا کرتے تھے، دہلی میں طلب علم کی کل مدت بمشکل چار سال ہوئی ہے اس قلیل مدت میں کمال بلکہ کمالات کی معراج تک پہنچے جہاں اس کے عشر عشیر تک مدتہائے دراز میں بھی نہیں پہنچا جاتا ہے۔

تاریخ مشائخ چشت رص ۲۶۸ رمیں ہے کہ جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد ۱۲۶۵ھ میں حضرت قدس سرہ کی عمر شریف ۲۱ رسال تھی، اپنے وطن مالوف گنگوہ آئے اور یہاں آکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور مختلف علوم نحو، معانی، فقہ، تفسیر، حدیث کی تدریس میں ہمہ تن اشتغال رہتا تھا ۱۳۰۰ھ تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے، شوال میں دورۂ حدیث کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب حدیث کی تعلیم پوری فرمادیتے۔ موقع کی مناسبت سے حضرت گنگوہیؒ کے رفیق خاص کا کچھ ذکر خیر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ

امام ہمام، قدوۃ الانام، برکۃ الزمان، جامع العلوم الالہیہ والمعارف النبویہ، منبع الفیوض والبرکات، حجۃ الاسلام، الشیخ الکبیر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ جن سے آپ کی رفاقت کا آغاز طلب علمی کے زمانہ میں ہوچکا تھا اخیر تک قائم رہا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر برکۃً مختصر ساذکر خیر کیا جائے۔

آپ عالم اسلام کے علماء ربانیین کے امام اور مقتدا اور سرخیل تھے، در سرزمین نانوتہ ۱۲۴۸ھ میں جلوہ افروز ہوئے، پھر بچپن میں اپنے دیار کے علماء سے علمی فیض

حاصل کیا، پھر دہلی کا رخ فرمایا جو اس زمانہ میں علم وعرفاں کا مرکز تھا اور علماء اور مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت وہاں اللہ کے بندوں کو علمی روحانی فیوض وبرکات سے سیراب کرنے میں ہمہ تن مصروف کار تھی، آپ وہاں پہنچ کر اس دور کے ایک بہت بڑے عالم جو آپ کے ہم وطن بھی ہوتے تھے یعنی حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں کتب درسیہ پڑھنے میں لگ گئے اور جب حدیث پاک کا نمبر آیا تو استاذ العلماء الکبار امام المحدثین فی عصرہ شاہ عبدالغنی ابن سعید الدہلوی المجددیؒ سے وابستہ ہوگئے اور ایک اچھا خاصہ وقت آپ نے علم حدیث حاصل کرنے میں ان کے ساتھ گذارا، مگر یہ سب عرصہ چار پانچ سال کے درمیان بنتا ہوگا، اتنی قلیل مدت میں آپ نے اور آپ کے رفیق درس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اتنا کچھ حاصل کیا کہ آج سالہا سال لگا کر بھی طلبہ، علماء، مدرسین، مصنفین ومحققین وہاں تک نہیں پہنچ رہے ہیں، کیونکہ یہ حضرات علمی کاموں میں بہت زیادہ انہماک اور اشتغال رکھتے تھے، دوسری طرف توجہ کرنے کا ان حضرات کو نہ موقع تھا، نہ فرصت تھی، یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اس درجہ باکمال ثابت ہوئے کہ بعد کے لوگوں نے علم وفضل میں ان حضرات کو اپنا استاذ اور اپنا امام اور اپنا شیخ اور اپنا مرشد تسلیم کیا، پھر طریقت میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے اور ان کی خدمت وصحبت میں رہکر فیوضاتِ روحانیہ کی سیرابی میں ہمہ تن، ہمہ وقت اور ہمہ جہت مشغول ہوگئے اور آپ کے بتائے ہوئے اوراد وو ظائف کی اس قدر پابندی اختیار کی کہ ایک زمانہ خلوت میں ذکر اللہ اور مراقبہ میں اس انداز سے گذارا کہ کسی اور چیز کی طرف قطعاً التفات نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ اس زمانہ میں نہ علمی گفتگو کرتے، نہ مجلس کرتے نہ وعظ ونصیحت کرتے بلکہ اپنی تمام تر توجہ

ذکر اللہ اور مراقبہ کی لذتوں میں گذارتے، اس فنائیت اور محویت اور استغراق تام کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر حقائق روحانیہ، معارف صمدیہ کے ابواب مفتوح فرمادیئے اور حضرت اقدس مرشد الزماں حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے بشارت پائی کہ مولوی قاسم جیسے لوگ پہلے زمانہ میں ہوتے تھے۔

پھر شیخ اور دیگر علماء کے حکم سے آپ خلوت سے جلوت میں آئے اور وعظ و بیان، مباحثہ و مناظرہ اور علمی وروحانی خدمات میں مشغول ہوگئے اور ایسے کارنامے آپ سے وجود میں آئے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے بہترین ہدایت اور ایک عمدہ طریقہ علم وعمل کی راہیں ہموار کرتے ہیں، ایک طرف آپ نے شاملی کے میدان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور بہت زبردست بہادری وہمت کا مظاہرہ فرمایا اور دوسری طرف آپ نے بمشورۂ احباب علماء، صلحاء علمی روحانی مرکز کی بنیاد رکھی اور ایسا درخت لگایا کہ صدیوں گذرنے کے بعد بھی اس کا فیضان بحمد اللہ روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے اور وہاں کے علماء فضلاء دنیا بھر میں اپنی دینی خدمات میں مصروف ہیں جو ہندوستان کا سب سے بڑا مرکز علم وعرفاں مانا جاتا ہے یعنی (ازہر الہند دار العلوم دیوبند) اللہ پاک ہمیشہ اس ادارہ کی اور جملہ مخلص اداروں کی حفاظت فرمائے آمین، دوسری طرف احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے قلم ہاتھ میں لیا تو بہت سی ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں جن کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے ایک عمدہ استعداد و صلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے جیسے (آب حیات، حجۃ الاسلام، الدلیل المحکم، تحذیر الناس، تصفیۃ العقائد) وغیرہ وغیرہ، اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے عابد وزاہد، عالم وعارف، جرنیل ومجاہد، ذاکر ومراقب اور مجدد طرق ہدیٰ اور مجدد اسلام تھے تو بے جا نہ ہوگا، یقیناً آپ سے تجدیدی کارنامہ وجود پذیر ہوا جس کا

فیض ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ لکھتے ہیں: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، تو ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم بنوگے اور نہایت شہرت ہوگی، یہ تعبیر ان کی نہایت درست ہوئی چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا، کہ آپ کے علم وفضل نے دنیا کو بھر دیا، جب آپ کسی مناظرہ میں تشریف لے جاتے، مناظر دیکھ کر گھبرا جاتے اور جہاں آپ کی تقریر ہوتی دشمن بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ اگر کسی کی تقریر سن کر ایمان لایا جا سکتا ہے تو مولانا محمد قاسم ہیں، کیا آپ کی بات ہے، نہایت موثر نہایت دلپذیر شکوک وشبہات کی قاطع اور حقائق کو دل میں راسخ کر دیا کرتی تھی اور ہر شخص دل سے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا، جو ظاہر میں عناد کرتا اور انکار سے کام لیتا تھا، کبھی کبھی فرماتے کہ تمہارے اس اشکال کے دس جواب ہیں، پندرہ جواب ہیں اور پھر جب بیان کرنا شروع فرماتے تو عقلیں حیران ہو جاتیں کہ ایسے علوم نہ لوگوں نے کبھی پڑھے تھے، نہ سنے تھے منجانب اللہ تعالیٰ آپ پر ایک عظیم علم کا باب فتح ہوتا جس کے کنارے کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کہاں ہے؟۔

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی تھی، یوں دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے، تب قبر میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کچھ نگینے سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں، ان میں ایک نگینہ بہت خوشنما اور کلاں ہے،

اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا ہے، حضرت قدس سرہ کے مزاج میں جو بے انتہا سخاوت تھی اور ضیافت اور خدمت خلق یہ اس کی طرف اشارہ تھا جس کا آپ سے ہر وقت ظہور ہوتا رہتا تھا۔

نیز تحریر فرماتے ہیں: ایام طالب علمی میں حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ میں خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں، جناب والد مرحوم سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ (سوانح عمری رص ۱۲/۳)

چنانچہ ساری دنیا نے اس کا مشاہدہ کرلیا کہ آپ سے ام المدارس دار العلوم دیوبند کے ذریعہ سے جو خدمت ہوئی اور پھر اس کے ذریعہ سے جہان بھر میں علمی فیضان دریاؤں کی شکل میں رواں دواں ہوگیا اور فضاؤں میں پھیل گیا، یہ اس خواب کی کھلی تعبیر ہے جو سب کو نظر آ رہی ہے۔

الغرض حضرت کی ذات میں ایک جہان کے کمالات جمع تھے، بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بچپن ہی سے نہایت صاحب اخلاق صاحب سادگی، تواضع، للّٰہیت، خلوص، فنائیت، شہرت سے نفرت، خدمت خلق، مجاہدہ و ریاضت، ذکر و فکر، علم و عمل، صبر و توکل و رضا، زہد و قناعت اعلیٰ درجہ کا تقوی و پرہیزگاری، دنیا سے بے رغبتی دین الٰہی کی سرفرازی کیلئے ہر وقت تیاری اس کیلئے جان مال، ہر وقت ہر چیز قربان کرنے کو اپنی سعادت سمجھنا، علمی میدان ہو یا روحانی میدان ہو، تصنیف و تالیف ہو یا وعظ و خطابت، مجادلہ و مباحثہ ہو یا باطل طاقتوں کے ساتھ میدان میں جہاد میں اتر کر پنجہ آزمائی اور شریعت و سنت پر عمل کا ہر دم خیال، جہاں جان جانے کا خطرہ وہاں بھی سنت پر عمل کہ تین

دن روپوش ہونے کے بعد باہر تشریف لے آئے اور کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ بس اتنا ہی سنت ہے کہ رسول پاک ﷺ غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے تھے۔

بحمد اللہ تعالیٰ، بفضلہٖ وکرمہ اس ناکارہ طالب علم کو خواب میں حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس طرح سے کہ گویا کہ نانوتہ میں جامع مسجد کے سامنے بڑ کے درخت کے نیچے حضرت اقدس قدس سرہ کے مکان کے سامنے میدان میں ایک جم غفیر حضرت کی انتظار میں موجود ہے اور شور ہو رہا ہے کہ حضرت اقدسؒ تشریف لانے والے ہیں، اور لوگ بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس جم غفیر میں ان لوگوں کے درمیان حضرت سے کیسے ملاقات کر پاؤنگا! یہ لوگ سب طاقت ور ہیں، ان کے بیچ میں گھسنا بندہ کیلئے ایک مشکل کام ہے، یہ سوچ کر ان سے علیحدہ ایک جگہ پر کھڑا ہوگیا اور سراپا اشتیاق بنا رہا کہ حضرت قدس سرہ تشریف لائے، بہت ہی شکیل ووجیہ اور خوبصورت نظر آرہے تھے، ہاتھ میں ایک بڑا طباق تھا، اس طباق میں بہت سارے لڈو تھے جو آپ تقسیم کرنے والے تھے، آپ نے اس ناکارہ طالب علم کو اشارہ فرمایا اور اس مجمع میں سب سے پہلے اپنے دستِ اقدس سے مجھ کو عنایت فرمایا جس سے میں بہت خوش ہو رہا ہوں، یہ خواب اس زمانہ کا ہے جب راقم اپنی مادر علمی جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں زیر تعلیم تھا اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کی دل میں ایک تمنا اور جذبہ تھا، بعد میں حق تعالیٰ شانہ نے اس کا بھی موقع عنایت فرمایا اور وہاں دو سال علمی وروحانی فضاؤں میں کبار علماء صلحاء کی زیارتوں، ملاقاتوں اور مجلسوں اور اسباق سے فائدہ اٹھانے کا کچھ موقع ہاتھ آیا مگر افسوس جیسا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ جہالت اور غفلت میں اضافہ ہوگیا، اللہ پاک ان چیزوں کی صحیح تعبیر ظاہر فرمائے، ان بشارتوں سے ان اکابر علماء صلحاء کی محبت اور

عقیدت سے ضرور مانوس ہوا اور اسی کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو بذریعۂ قرطاس وقلم ان حضرات کو یاد کرنے پر رہ رہ کر مجبور کرتی ہیں۔

آپ کے حالات پر چونکہ بہت مفصل اور مطول کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں آپ کے مکمل حالات وواقعات، کرامات اور فیوضات کا تفصیلی ذکر ہے اس لئے یہاں پر صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے، حضرت قدس سرہ نے ۱۲۹۷ھ میں سرزمین دیوبند میں انتقال فرمایا اور ''مقبرۂ قاسمی'' میں آپ آرام فرما ہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے آمین۔

کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ میں کیا فرق ہے؟ فرمایا بھائی اس کو کون سمجھا سکتا ہے؟ اور کون ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے؟ ہاں لیکن اگر تمہیں زیادہ ہی شوق ہو تو اس طرح سمجھو کہ حضرت گنگوہیؒ غالب الاخلاق تھے اور غالب الاحوال تھے اور حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ مغلوب الاخلاق تھے اور مغلوب الاحوال تھے۔ اسی طرح ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ان دونوں میں کیا فرق تھا؟ تو فرمایا کہ ایک کا حال یہ تھا کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا تھا، اشارہ تھا حضرت گنگوہیؒ کی طرف۔ اور دوسرے کا یہ حال تھا کہ کوزے سے دریا بہا دیا کرتا تھا، اشارہ تھا حضرت نانوتویؒ کی طرف اور باقی بہت سی چیزوں کی طرف اشارہ ان اشعار میں ہے جو شروع میں ذکر کئے گئے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنے وقت کے رازی وغزالی تھے اور دونوں مجدد زماں تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے یہ محسوس کیا کہ یہ دور کسی مجدد کا تقاضہ کر رہا ہے، اگر یہ صلاحیت کسی میں ہو سکتی ہے تو میرے ان متعلقین میں ہے اس لئے حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے اپنی پوری

روحانی توجہ ان حضرات کی روحانی تربیت میں اوران کوذکروفکر کے انوار سے منور کرنے میں اور باطنی کمالات کی تکمیل میں محو کردیا، اورخود اپنی تائید تصدیق دعاؤں و بشارتوں سے ان حضرات کو مضبوط کیا اور آپ کی دلی تمنائیں حق تعالیٰ شانہ نے ان بزرگوں سے بطریقۂ اتم پوری کرائی، کہ ان حضرات نے عیسائیت کی تردید جو اس دور میں ایک طوفان عظیم اور فتنۂ کبریٰ کی شکل میں تھی، جس کی پشت پر انگریزی حکومت موجود تھی، مقابلہ کیا دوسری طرف بدعات وخرافات کے سیلابوں کے سامنے دیوار قائم کی اور کہیں رفض وشیعیت کا مقابلہ کیا اور ہر طرح سے شریعت وسنت کو منقح کرکے اوراس کے ساتھ طریقت وحقیقت کو صاف ستھرا کرکے پیش کیا، جس سے یہ معلوم ہو کہ وہی اصل ہیں اور باقی چیزیں اس کی خادم ہیں اور پھر اس کے لئے ایک مخلص جماعت اس انداز سے تیار کی کہ صدیوں تک کے لئے ان کا فیض کافی ہو گیا اور ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

اب ہم پھر حضرت گنگوہیؒ کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں:

نکاح

تذکرۃ الرشید ص ۳۷ رمیں ہے کہ دہلی سے فراغت کے بعد آپ کے نکاح کی تاریخ مقرر کی گئی، آپ کے دادا جو والد مرحوم کی جگہ آپ کی تربیت وسرپرستی فرمارہے تھے اور ادھر والدہ ماجدہ کا سایۂ عاطفت بھی قائم تھا، اور ماموں کا تقاضا ہوا کہ نکاح ہوجائے چنانچہ آپ کے ماموں مولانا محمد تقی صاحبؒ کی صاحبزادی خدیجہ سے نکاح ہوگیا جن کی عمر اس وقت صرف ۱۵ رسال کی تھی۔

حفظ قرآن کریم

نکاح کے بعد حضرت قدس سرہ کو قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق ابھرا اوراس

درجہ بڑھا کہ آپ نے بلا استاذ بنائے خود ہی شروع فرمادیا اور شب وروز کی مسلسل لگن ومحنت کی برکت سے صرف ایک سال میں اس نعمت لازوال سے مسعود ومشرف ہوئے، ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء۔

تزکیۂ واحسان، تصفیۂ وعرفان

چونکہ علم ظاہری کے ساتھ ساتھ عشق ومعرفت، ربط باللہ، تعلق مع اللہ نہایت ضروری ہے اس کے بدون علم ظاہری بسا اوقات حجاب ثابت ہوجاتا ہے اور بعض کے حق میں غرور وپندار کا ذریعہ بن جاتا ہے اور چند الفاظ پڑھنے سے وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ بقول شخصے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصل — وحاصل خواجہ بجز پندار نیست

اس لئے ضروری ہے کہ علم کے ساتھ عشق الٰہی کی آگ حاصل ہوجائے تاکہ انسان کا رخ درست ہوجائے اور آداب زندگانی سے معمور ہوجائے، اس کے لئے جیسا کہ طریقہ ہے کہ صالحین واہل اللہ واطباء روحانی سے معالجۂ نفس وشہوات کرایا جائے تاکہ ان حضرات کی برکت سے رذائل سے تخلیہ ہوکر فضائل سے تحلیہ ہوجائے، کیونکہ محض قانونِ شریعت جاننا کافی نہیں ہے جب تک کہ اس پر عمل کرنے کا ذوق ومزاج نہ ہوجائے، اور اس کے لئے کسی مربی مشفق یعنی رفیقِ طریق (پیر ومرشد) کی ضرورت ہے چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس بلند مرتبہ پر فائز ہوئے اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی صحبت وتربیت کو بڑا زبردست دخل ہے، اور جن بلند مقاصد کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے ان میں تزکیۂ باطن بھی ایک اعلیٰ مقصد ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُبِیْنٍ (سورہ جمعہ پ ۲۸) وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھو میں ایک رسول انہیں میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے پڑے ہوئے تھے کھلی گمراہی میں۔

چنانچہ آیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کا تزکیہ فرمایا اور تو ان کے قلوب نہایت مجلیٰ ومزکیٰ ہو گئے اور ہر ہر موقع پر نبی کریم ﷺ ان کو ہدایات دیتے رہے اس طرح سے حضرات صحابہ کرامؓ کو آیات ربانیہ، قرآنیہ کے علوم ومعارف کے ساتھ حکمت وسنت اور تزکیۂ باطن کی دولت عظمیٰ کا شرف بھی حاصل ہوا، بعد کے ادوار میں تابعین نے علم واخلاق کے ساتھ تزکیۂ وعرفان کی دولت بھی صحابۂ کرام سے حاصل کی اور وہ جامع اوصاف بنے اور کامل وارث ثابت ہوئے۔

اسی طرح یہ سلسلہ صحابہ وتابعین سے چل کر ہر زمانہ کے اسلاف اولیاء اللہ تک پہنچا اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں امت کو علم شریعت، علم اخلاق، تزکیۂ باطن کی راہ پر لگایا اور کیوں نہ لگاتے جبکہ تزکیہ وتصفیہ دراصل اخلاق حمیدہ کے دل میں رسوخ کا ایک مؤثر وقوی ترین ذریعہ ہے، اذکار واشغال ومراقبات سے مقصود بھی یہی ہے کہ ہر وقت اللہ پاک کی حضوری ودھیان میسر ہو جائے اور اسی کا نام کیفیتِ احسان ہے، اور شریعت کے تمام اعمال ظاہریہ وباطنیہ پر استقامت حاصل ہو جائے، اسی کا نام ولایت ہے، اور بعض اکابر اسی کو تصوف سے تعبیر کر دیتے ہیں جو نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا، جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا، جب بات تصوف کی آہی گئی تو اس سلسلہ میں کچھ گذارشات پیشِ خدمت ہیں۔

تصوف کی تعریفات

(۱) امام ابونعیمؒ مصنف ''حلیۃ الاولیاء'' فرماتے ہیں **التصوف احوال قاهرة واخلاق طاهرة** یعنی اخلاق رذیلہ کو کنٹرول میں رکھنا، ان سے بچنا، ان کو دبانا، ختم کرنے کی کوشش کرنا اور اخلاق حمیدہ طاہرہ کو پیدا کرنا، ان کو ظاہر کرنا، ان کو استعمال کرنا ان کو پسند کرنا تصوف ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوۃ رص ۱۹۱ر پر فرماتے ہیں کہ رذائل تو کثیر ہیں مگر اصول دس ہیں: کثرت طعام، کثرت کلام، غضب کی کثرت، حسد، بخل، حب مال، حب جاہ، کبر، خود پسندی جس کو عجب واعجاب کہتے ہیں، ریاء کاری، ان سب سے اجتناب کی کوشش وفکر کرنا تصوف ہے اور فضائل بھی کثیر ہیں مگر اصول دس ہیں، توبہ، خوف، زہد، صبر، شکر، اخلاص، توکل، محبت، رضاء الٰہی کا حصول، رضاء بالقضاء اور فکر آخرت کو حاصل کرنا۔

حضرت امام ابونعیمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ارباب قلب اخلاص اور ریاء کاری میں بہت جلد فرق کر لیتے ہیں، خطرات نفسانیہ سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ہمت وعزیمت اور نیت صالحہ، صادقہ کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں، ضمائر وقلوب کا محاسبہ کرنے والے ہوتے ہیں، نفس کی مخالفت کرتے ہیں، شیطان، وسواس، خناس سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔ دائم التفکر ہوتے ہیں، تذکر آخرت پر قائم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب ووصال تلاش کرتے ہیں اور قرب وصال سے دور کرنے والے جملہ احوال سے دور بھاگتے ہیں (حلیۃ الاولیاء رص ۲۷ رج ۱)۔

(۲) روحانیت وتصوف کے امام حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ تصوف نام ہے **الخروج عن كل خلق دنی والدخول فی كل خلق سنی**، کا یعنی بری عادات واخلاق سے نکلنے اور اچھے پاکیزہ اخلاق میں داخل ہونے کا، نیز حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ

تصوف نام ہے دس معانی کا۔

(۱) دنیوی ہر شئی میں تقلیل کرنا امور آخرت میں تکثیر کے ساتھ۔

(۲) اللہ پاک پر دل سے اعتماد کرنا تاکہ سکون قلبی حاصل ہو۔

(۳) طاعات، فرائض ونوافل میں رغبت کرنا اور شوق کے ساتھ اشتغال رکھنا۔

(۴) حلال وحرام کی تمیز کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

(۵) دنیا کی کمی پر صبر کرنا، نہ سوال کرنا اور نہ شکوہ وشکایت کرنا۔

(۶) اللہ پاک کے ساتھ ایسا مشغول ہونا کہ دوسرے اشتغال ترک ہو جائیں۔

(۷) ذکر خفی پر مداومت کرنا (الحمدللہ سلسلۂ نقشبندیہ میں اس پر بہت زور دیا جاتا ہے)۔

(۸) اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی سعی اور کوشش کرنا۔

(۹) ایمان ویقین کو مستحکم ومضبوط کرنے کی تدابیر کرنا۔

(۱۰) اضطراب ووحشت میں اللہ پاک سے سکون واطمینان حاصل کرنا، جب یہ سب خصلتیں متحقق ہو جائیں تب تصوف صادق ہوگا ورنہ کاذب رہے گا (حلیۃ الاولیاء، ص۲۲رج۱)۔

سبحان اللہ! حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے تو اس قدر حقائق اور معارف بیان فرمائے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر بے شمار آیات وروایت دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے یہاں دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں ہے، نہ اس کا دیا جانا اللہ پاک کے یہاں کسی شرافت اور قرب کی دلیل ہے، بلکہ یہ چیزیں اللہ پاک کے یہاں بالکل بے قدر اور حقیر ہیں، اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ پاک کافروں کے مکان کی چھتیں، زینے اور دروازے، تخت اور چوکیاں سب سونے اور چاندی کی بنادیتے، مگر اس صورت میں انسانوں کا ایک

ناسمجھ طبقہ یہ دیکھ کر گمراہ ہو جاتا اور یہ سمجھ بیٹھتا کہ یہ لوگ حق پر ہیں، جبھی تو ان کو یہ سب کچھ ملا ہوا ہے، اس لئے اللہ پاک نے ایسا نہیں ہونے دیا اور ان چیزوں کی حقارت اور ذلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ ط وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ط وَاِنَّھُمْ لَیَصُدُّوْنَھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ط (الزخرف ۲۵/۹)۔

ترجمہ: اور نہیں ہے یہ سب کچھ مگر دنیا کی زندگی کا متاع یعنی حقیر سامان اور آخرت بہتر ہے تیرے رب کے یہاں متقیوں کے لئے اور جو اللہ کی یاد سے آنکھیں چرائے گا (اور دل ہٹائے گا) ہم اس پر مقرر و مسلط کر دیتے ہیں ایک شیطان جو اس کا خاص دوست بن جاتا ہے اور ایسے لوگ روکتے ہیں دوسروں کو بھی راہ حق سے اور سمجھتے ہیں کہ وہ خود بہت ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت پاک میں ایک بات تو یہ سمجھائی گئی ہے کہ دنیا کے مال و متاع، ثروت و دولت، عزت و شہرت کو بڑی چیز نہ سمجھو بلکہ آخرت میں یقین رکھو کہ وہ اصل ہے اور وہاں کی نعمتیں اصل ہیں، وہی باقی رہنے والی ہیں اور دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لہٰذا عقل مند وہ ہے جو اصل اور باقی کو عارضی اور فانی پر ترجیح دے اور دنیا سے اعراض کرے اور آخرت کو مقصود بنائے یہی زہد فی الدنیا کی حقیقت ہے۔

اور دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص اللہ پاک کے ذکر سے اعراض کریگا اس پر شیطان مسلط ہو جائے گا اور اس کا دوست بن جائے گا۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ ذکر رحمٰن سے روک کر اپنے آپ کو ہدایت

یافتہ سمجھیں وہ سخت مغالطہ میں مبتلا ہیں۔

ذکر گوذکر تاترا جان است　　　　پاکیٔ دل زذکرِ رحمن است

دوسری چیز: جو حضرت جنیدؒ نے ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک پر دل سے اعتماد وبھروسہ کرے، اللہ پاک پر اعتماد وبھروسہ ہی ایمان کی اصل واساس ہے، جتنا حق تعالیٰ کی ذات پاک پر توکل واعتماد زیادہ ہوگا اتنا ہی حق تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل ہوگی اور شیطان کے تسلط سے حفاظت ہوگی۔

چنانچہ ایک موقعہ پر اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْن (سورہ نحل)۔

ترجمہ بیشک شیطان کا زور نہیں چل سکتا ان لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ پاک پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

یہ توکل واعتماد کی کیفیت ہی راہ سلوک کی بنیاد ہے۔

تیسری چیز: جو حضرت جنیدؒ نے ارشاد فرمائی وہ طاعات وفرائض ونوافل میں رغبت کرنا، شوق کے ساتھ اشتغال رکھنا اور جملہ معاملات میں اللہ پاک کی اطاعت ہے، یہی تصوف کا مقصود اصلی ہے، یعنی اللہ پاک کی اطاعت میں رغبت وشوق کی کیفیت حاصل ہو، جس سے شریعت مقدسہ کے امور کی انجام دہی طبیعت پر گراں نہ ہو بلکہ ایک قسم کی حلاوت ولذت محسوس کرے، اور یہ کیفیت جب ہی ہوگی جب ذات باری تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق ہوگا کہ محبوب کے ہر حکم کی تعمیل میں محبّ کو لذت محسوس ہوتی ہے، حاصل یہ ہے کہ تصوف کی محنت اس لئے ہے کہ اللہ پاک کی اطاعت، شوق وذوق اور محبت کے ساتھ کرنا آجائے۔

چوتھی چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ حلال وحرام کی تمیز کرے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تقویٰ وپرہیز گاری کے ساتھ زندگی گذارے، یہی راہ سلوک میں سکھایا اور بتایا جاتا ہے اور اسپر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں ایک موقع پر حق تعالی نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ کہ بیشک اللہ پاک ان کے ساتھ ہوتے ہیں جو پرہیز گار ہیں اور نیکی کرتے ہیں، اور ایک دوسرے مقام پر حق تعالی نے فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ط کہ بیشک اچھا انجام متقیوں ہی کا ہوتا ہے، ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ پاک کی خصوصی عنایت اور معیت دنیا میں متقیوں کو حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں ہر قسم کا بہترین انجام جنت اور وہاں کی نعمتیں انہی کو حاصل ہوں گی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَّكَاْسًا دِهَاقًا لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (النبا ۷۸/۳۰) بیشک متقیوں کے لئے ہی کامیابی ہوگی، باغات ہوں گے اور انگور اور نوجوان عورتیں (یعنی حوریں) جو سب ایک عمر کی ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام اور پیالے ہونگے جن میں ہر قسم کی مشروبات ہونگی، وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے جس سے تکلیف ہو اور نہ جھوٹ، فریب کی نوبت آئے گی یعنی کسی سے نہ جھگڑا ہوگا نہ تکرار، نہ بحث ہوگی نہ حجت۔

جنت آں باشد کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

پانچویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ کہ دنیا کی کمی پر صبر کرنا، نہ سوال کرنا اور نہ شکوہ شکایت کرنا، یہ چیز بھی راہ سلوک کی جان اور بنیاد ہے، اولیاء اللہ کی یہ ایک خاص صفت ہے کہ وہ دنیا کی کمی پر صابر ہوتے ہیں اور جو ملجائے اس پر شاکر ہوتے ہیں۔

رسول پاک علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جو دنیا سے محبت رکھتا ہے اپنی

آخرت کونقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے اس کی دنیا کونقصان پہنچتا ہے لہذا اسکوترجیح دو جو باقی رہنے والی چیز ہے اس چیز پر جوختم وفنا ہونے والی ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَلآخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْأُوْلٰی (الضحیٰ ۹۳/۳۰) اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہت بہتر ہے، اس ارشاد میں اگر چہ خاص مخاطب رسول پاک ﷺ ہیں مگر تمام مؤمنین کا یہی حال ہے کہ آخرت ان کے لئے دنیا سے بہتر ہے اور آخرت کی نعمتیں ہی ان کے پیش نظر ہوتی ہیں، نیز ایک موقع پر حق تعالیٰ نے فرمایا بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (الاعلیٰ ۸۷/۳۰) کہ تم لوگ دنیا کی زندگی کوترجیح دیتے ہو اس کے بڑھانے کی فکر میں رہتے ہو جب کہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

چھٹی چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ دوسرے اشغال ترک ہو جائیں، اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر چیز کی محبت قلب کی گہرائی سے نکل جائے اور صرف حق تعالیٰ ہی کی محبت اور عشق کا غلبہ ہو، اور اگر کسی سے محبت بھی کرے تو وہ بھی صرف اللہ کے لئے، یا اس لئے کہ اللہ پاک نے انکے حقوق رکھے ہیں اور محبت کا حکم دیا ہے، بار بار اپنے دل کو دیکھے کہ یہ کیفیت حاصل ہوئی کہ نہیں، اللہ کی محبت کا غلبہ ہے یا مال ومتاع کی محبت کا، اولاد، اہل وعیال اور باغات، کاروبار اور دنیا کی ہر چیز جن سے لوگ محبت کرتے ہیں اور جن کی خاطر لڑتے مرتے ہیں، ہر وقت لگے رہتے ہیں یہ بھی انہیں میں لگا ہوا ہے، یا اللہ کی یاد میں لگ کر سب کو بھولا ہوا ہے، اگر یہ کیفیت حاصل ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی علامت ہے اور یہی اس راستہ کا مقصد ہے۔

حضرت جنیدؒ کے اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آدمی اس میں لگ کر بالکل معطل ہو جائے، کمانا اور اہل وعیال کے حقوق کا ادا کرنا اور ایسے ہی دیگر رشتہ دار اور احباب و متعلقین

کو چھوڑ دینا اور ان کے حقوق سے دست بردار ہو جانا، یہ ہرگز ہرگز صوفیاء کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ حضرات صوفیاء کرام مخلوق کے سب سے بڑے خادم ہوتے ہیں اور ہر ایک کے حقوق کو پہچانتے ہیں اور سب کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ حضرات صوفیاء نے جس فیاضی اور کریمانہ اخلاق کے ساتھ انسانوں کی خدمت کی ہے وہ انسانوں کے دیگر اور طبقات نہ کر سکے، چونکہ ان میں کسی نہ کسی تعصب کا عنصر موجود رہا، اور یہ گروہ تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھتا رہا اور اللہ کا کنبہ سمجھ کر بلا کسی امتیاز اور تعصب کے خدمت کرتا رہا، اور دوسری طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں لگا رہا، یعنی ادھر خالق تعالیٰ کے حقوق کو بھی خوب نبھایا، اور اُدھر بندوں کے حقوق بھی فراموش نہ کیے، حقیقت یہ ہے کہ یہی طبقہ دنیا میں اللہ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے۔

ساتویں چیز: جو فرمائی وہ یہ ہے کہ ذکر خفی پر مداومت کی جائے، یہ اس راستہ کی روح ہے، ویسے بھی ذکر باری تعالیٰ کائنات کی روح ہے اگر یہ نہ ہوگا تو قیامت قائم ہو جائے گی، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ زمین میں اللہ اللہ کرتے ہوں گے (ترمذی ۴۴/۲، ابواب الفتن) یعنی ثابت یہ ہوا کہ روحِ کائنات اللہ کا ذکر ہے اور اس سارے نظام کا ٹھہراؤ اللہ کے ذکر پر ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ پاک کا مقصود بھی اس کائنات کے وجود سے اپنا ذکر ہے، جب لوگ حق تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ کر، ان سے غافل ہو کر دنیا میں مگن ہو جائیں گے اور خرافات میں لگ جائیں گے تو اس کائنات کے بنانے کا مقصد ختم ہو جائے گا اور اس وقت حق تعالیٰ جل شانہ اس نظام کو تباہ کر دیں گے۔

جیسا کہ یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ جب کسی چیز سے اس کا مقصد حاصل ہونا ختم ہو جائے تو پھر اس کے وجود اور بقاء کی طرف دھیان بھی نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو ختم کرنے کی فکر کی جاتی ہے، اس لئے ذکر اللہ بہت ضروری ہے چاہے وہ جہری ہو یا سری، مگر چونکہ ہر وقت ہر جگہ ذکر جہری کرنا مشکل بھی ہے اسلئے ذکر خفی جو دل سے ہوتا ہے وہ آسان بھی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ کیا بھی جا سکتا ہے، زیادہ اہم بھی ہے اور فضیلت کی چیز بھی ہے۔

چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر قلبی کو ذکر جہری پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور اس میں سکون و راحت بھی زیادہ ہے اور توجہ الی اللہ بھی زیادہ ہے ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں ان سب کا معمول ذکر خفی پر مداومت رہا ہے، بطور خاص سلسلۂ نقشبندیہ میں سالک کو شروع ہی سے ذکر قلبی کی تلقین کی جاتی ہے جب کہ اور سلسلوں میں یہ چیز اخیر میں بتائی جاتی ہے، اسی وجہ سے امام المجدد دین شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: دوسروں کی انتہا ہماری ابتدا میں مدغم ہے، یعنی جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے ہماری شروعات ہوتی ہے، قرآن پاک کے اشارات وتصریحات بھی اسی کو بتاتے ہیں کہ اصل ذکر قلبی ہے:

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۱۳/ ۹)

خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ قلب کے اطمینان کے لئے قلب ہی سے ذکر اللہ کرتا رہے اگر چہ مطلق ذکر سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن جب تک کہ قلب کی محویت ذکر اللہ کے ساتھ نہ ہوگی اس وقت تک قلب کو پورا اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطاً۔

اور آپ اس شخص کی اتباع نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے ذکر اللہ سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کا پیرو کار رہا اور اس کا معاملہ افراط وتفریط میں ہوا۔ اس آیت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص دل سے اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہو وہ تو اس قابل ہے کہ اس کی بات مانی جائے اور جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو وہ اس قابل نہیں ہے۔

اس آیت سے بھی دل سے ذکر اللہ کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے، نیز اللہ پاک کا ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَه، اللہ پاک کو تضرع یعنی گڑگڑا کر یاد کرو اور آہستہ چپکے چپکے یاد کرو۔ اس آیت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دل کی کیفیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کیا جانا مطلوب ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلا۔

اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب یاد کرو اور صبح وشام ان کی تسبیح اور بزرگی بیان کرو۔

آٹھویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی سعی اور کوشش کرو، یہ بات بھی بہت قیمتی ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کا خلاصہ ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی عمل اللہ پاک کے یہاں بغیر اخلاص کے قبول نہیں ہوسکتا ہر عمل کی قبولیت کا مدار اسی بات پر ہے کہ وہ عمل اللہ کے لئے ہو تبھی اللہ جل شانہ اس عمل کو قبول کریں گے ورنہ اللہ پاک اس عمل کو قبول کرنے سے براءت کا اعلان کر دیں گے اور فرما دیں گے جس کے لئے کیا ہے اسی کے پاس جا کر اس کا اجر وثواب تلاش کر لو میرے پاس اس کا کچھ عوض نہیں ہے۔

ریا کاری اور شہرت کے ارادہ سے کسی نیک کام کو کرنا اللہ پاک کو سخت ناپسندیدہ ہے جس کی احادیث میں سخت مذمت آئی ہے، انہی جذبات کو ختم کر کے اخلاص پیدا کرنے کی محنت کا نام ہی تصوف ہے، اکابر اولیاء اللہ کے پاس اخلاص کے حصول کے نسخے ہوتے ہیں نیز ان کی صحبت اس باب میں اکسیر اعظم ہوتی ہے۔ ریا کاری کی مذمت بیان کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کو سنانے کے لئے کرتا ہے اللہ پاک مخلوق کے کانوں میں اس بات کو پہنچا دیتے ہیں کہ وہ ریا کار ہے اور لوگوں کی نظروں میں اس کو حقیر و ذلیل کر دیتے ہیں (مشکوٰۃ شریف رص ۴۵۴)۔

نیز رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، نیز رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص دکھانے کے لئے نماز پڑھتا ہے اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لئے صدقہ اور خیرات کیا اس نے شرک کیا (مشکوٰۃ شریف رص ۴۵۴)۔

نویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ ایمان و یقین کو مستحکم و مضبوط کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے، یہ بات بھی تصوف کی بلکہ ایمان واسلام کی بنیاد ہے اگر یہی چیز نہیں ہوگی تو نام کا مسلمان ہوگا، آج خرافات کے اس دور میں ایمان کو خراب کرنے اور کمزور کرنے کی بے حساب سازشیں ہو رہی ہیں، اس لئے تمام مؤمنین کو اپنے اور اپنے متعلقین، اولاد و محبین کے ایمان کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ سوچنے اور فکر کرنے اور اسباب اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے، اگر اس سے ذرا بھی غفلت برتی گئی تو بہت بڑا نقصان ہو جائیگا اللہ پاک حفاظت فرمائے اور ایمان و یقین کو مضبوط سے مضبوط بنائے آمین!۔

دسویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اضطراب و وحشت میں

اللہ پاک سے سکون واطمینان حاصل کرے، یہ بھی اولیاء اللہ کی ایک مخصوص صفت ہے، جب دنیا میں حوادثات، آلام، مصائب، زلزلے، طوفان، ہنگامے اور فسادات ہوتے ہیں اور لوگ بیچین ہوجاتے ہیں اس وقت بھی اولیاء اللہ کے اوپر سکون اور اطمینان کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ مطمئن نظر آتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ پاک سے اتنے قریب ہوچکے ہوتے ہیں کہ ان کو اللہ پاک سے سکون کی کیفیت حاصل ہوتی رہتی ہے اور ان کو اطمینان ببرکت توکل علی اللہ کے اور اعتماد باللہ کے اور ذکر کے ملتا رہتا ہے، اللہ پاک یہ سب کمالات اور خوبیاں ہمیں بھی نصیب فرمائے! آمین یارب العالمین۔

(۳) تصوف کہتے ہیں تفرد العبد بالصمد الفرد کو یعنی بندہ اپنے مولی کے ساتھ خاص تعلق اختیار کرلے۔

تشریح:۔ یعنی بندہ صرف اللہ الصمد وحدہ لاشریک لہ پر ہی اعتماد وتوکل کرے، اور جملہ اسباب سے قطع نظر کرلے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ پہلے پہلے ابن الدغنہ کی حمایت وجوار میں رہ کر اندرون خانہ اپنے مولی تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور نماز کے اندر تلاوت میں انتہائی لذت وحلاوت پاتے تھے اور دل سے روتے، آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں، آپ کی تلاوت کی کشش ایسی تھی کہ بہت سے مرد عورتیں جمع ہوجاتے تھے، اس کو دیکھ کر رؤسائے قریش پریشان ہوئے اور ابن الدغنہ کے پاس شکایت کی، حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی حمایت واپس کردی اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی جوار وحمایت میں آگئے اور نبی کریم ﷺ بھی ان دنوں مکہ ہی میں تھے، اس طرح سے صدیق اکبرؓ نے اللہ الصمد الفرد کے ساتھ تفرد اختیار فرمایا (حلیۃ الاولیاء، ص۲۹ ، ج۱)۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

والا حال حاصل ہو جائے بندہ بظاہر دنیاء میں ہو مگر باطن سے رب العزت والجلال کے قرب ووصال سے سرشار ہو۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ تصوف نام ہے: **تطليق الدنياء و الاعراض عن منالها** کا یعنی دنیا اور اسکے حاصل کرنے سے اعراض کرنا، دنیوی لذائذ ونعم کو رضاء الٰہی کے لئے ترک کرنا اگرچہ شریعت نے ان کو حلال فرمایا ہو۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک بار حضرت صدیق اکبرؓ نے پانی طلب فرمایا، آپ کو شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا جب آپ نے منہ سے قریب فرمایا تو رونے لگے، پاس بیٹھنے والے بھی رونے لگے، جب آپ خاموش ہوگئے اور قریب والے بھی خاموش ہوگئے تو لوگوں نے رونے کی وجہ معلوم کی، فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ اِلَیْکَ عَنِّی اِلَیْکَ عَنِّی فرمارہے تھے، مجھ سے دور ہو، مجھ سے دور ہو حالانکہ میں وہاں کسی کو نہیں دیکھتا تھا، بندہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس چیز کو فرمارہے ہیں؟ فرمایا کہ جب دنیا اپنی زیب وزینت کے ساتھ میرے سامنے آنا چاہتی ہے اس پر میں کہتا ہوں **الیک عَنِّی الیک عَنِّی**، فرمایا: دنیا کہتی ہے ٹھیک ہے گرچہ آپ مجھ سے بچ گئے مگر آپ کے بعد والے مجھ سے نہ بچ سکیں گے، اس لئے مجھے خوف طاری ہوا کہ کہیں دنیا مجھ کو تو نہیں لپٹ گئی، اس لئے رونے لگا۔

(۵) کہا جاتا ہے تصوف نام ہے اَلْجِدُّ فی السُّلُوک الٰی مَلِکِ المُلُوک، کا یعنی بادشاہوں کے بادشاہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف طاعات وخیرات سے چلنے کی پوری کوشش کرنے کا، ان کی مرضی کو تلاش کرے اور نامرضیات، مشتبہات اور مشکوک چیزوں سے بھی بچے، جیسا کہ ایک دفعہ صدیق اکبرؓ نے جب معلوم نہ ہونے

کی حالت میں ایک مشتبہ لقمہ کھالیا تھا، آپ اس وقت شدید بھوک کی حالت میں مبتلا تھے، آپ کے غلام نے آپکواس بات کی اطلاع دی تو آپ نے فوراً قے کی، جب قے کرنے کے باوجوداس کے نکلنے میں دشواری ہوئی، آپ کو بتایا گیا کہ یہ پانی کے بغیر نہیں نکلے گا، آپ نے پانی منگایا اور پانی پی کر قے کی تو وہ نکل گیا، اور پھر یہ روایت سنائی کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا وہ بدن جو مال حرام سے تیار ہوا ہو،نشو ونما پایا ہو، جہنم کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے،اور فرمایا میں ڈرااس بات سے کہ اس لقمہ سے میرے بدن کا کوئی حصہ تیار ہواور اس کو جہنم کی آگ لگے، اس واقعہ میں کتنی بڑی عبرت ہے کہ یہ حضرات کھانے کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے،مشتبہ اور مشکوک اشیاء سے کس قدر بچا کرتے تھے، یہی اصل چیز ہے جواس زمانہ میں کم ہوتی جارہی ہے۔

(۶) کہا جاتا ہے کہ تصوف نام ہے السکون الی اللھیب فی الحنین الی الحبیب کا، یعنی دوست پر شفقت وخیر خواہی کے جذبہ میں اپنے آپ کو پریشانیوں سے گذارنا اور اسی کو اپنا سکون بنانا، ایک بار حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ اپنے دوست (محمدؐ) کی خبر لو، باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں حضور علیہ السلام کو کفار مار پیٹ رہے تھے، ابوبکر صدیقؓ یہ کہتے ہوئے کہ تمہارا ناس ہواس شخص کو محض اس وجہ سے مارتے ہو کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس وحدانیت، رسالت، بعث بعد الموت کے واضح دلائل لا چکے ہیں، یہ کہتے ہوئے درمیان میں گھس گئے اور حضور ﷺ کو کفار سے بچایا، کفار حضور ﷺ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ کو مار پیٹ کرنے لگے مگر آپ تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام کہتے ہوئے نکل آئے (حلیۃ الاولیاء ص ۲۳؍ج ۱)۔

(۷) تصوف کہا جاتا ہے وَقْفُ الْھِمَمْ عَلٰی مَوْلَی النِّعَمْ کو، یعنی مولیٰ تعالیٰ کی

نعم اُخرویہ حاصل کرنے کے لئے کوشش وہمت کرنا، ایک بار حضرت نبی کریم ﷺ نے صدقہ وخیرات کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکرؓ صدقہ لائے اور عرض کیا، یہ صدقہ اللہ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا وعدہ ہے، ان کے بعد حضرت عمرؓ صدقہ لائے اور جیسا کہ ابوبکرؓ نے عرض کیا تھا ایسا ہی انہوں نے بھی حضرت سے عرض کیا، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے صدقوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ تمہارے درمیان فرق ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکرؓ سارا مال لیکر حاضر خدمت ہوئے اور جب حضرت ﷺ نے معلوم کیا تو عرض کیا کہ سب کچھ لیکر حاضر ہوگیا ہوں، اللہ اور ان کے رسول کی رضامندی کو گھر چھوڑ کر آیا ہوں، اتنے میں حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لیکر حاضر خدمت ہوئے اور یہ سوچ رہے تھے کہ آج تو میں ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا، ان سے سبقت لے جاؤں گا جب حضرت نے معلوم فرمایا، تو عرض کیا کہ نصف مال گھر کا لیکر حاضر ہوا ہوں، پھر ابوبکرؓ کے بارے میں ان کو معلوم ہوا کہ وہ سارے مال کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں، کہا کہ ان سے سبقت کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۸) کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے شوق میں آکر اپنے گلے میں طوق ڈالنے کا، یعنی مرضی رب حاصل کرنے میں تکلیف برداشت کرنے کا، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ غار کی رات (یعنی جب کہ حبیب ومحبوب ابوبکرؓ ورسول اکرم ﷺ غار میں تھے) ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے قبل بندہ داخل ہوگا، خدانخواستہ اگر وہاں کوئی سانپ بچھو ہو تو مجھے نقصان پہنچ جائے، آپ تو بچ جائیں گے، چنانچہ وہ حضرت ﷺ سے قبل داخل ہوئے اور جہاں کوئی سوراخ ملا کپڑا پھاڑ کر اس کو بند کیا حتی کہ سارا کپڑا لگا دیا صرف ضروری استعمال کا کپڑا بچ رہ گیا، ایک سوراخ اور باقی تھا اس پر اپنی ایڑی رکھ کر عرض کیا اب آپ

تشریف لا سکتے ہیں، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے معلوم فرمایا کہ اے ابو بکرؓ! تمہارا کپڑا کہاں ہے؟ تب پوری بات بتائی، یہ سنکر رسول کریم ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعاء فرمائی کہ اے اللہ! ابو بکر جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوں، وحی آئی کہ آپ کی دعاء قبول ہوگئی ہے (حلیۃ الاولیاء، ص ۳۳، ج ۱)۔

(۹) یہاں حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ قول نقل کرنا بھی عظیم فائدہ سے خالی نہیں ہے جو تصوف کی جان ہے فرمایا: **لا خیر فی قول لایراد به وجه الله تعالیٰ ولا خیر فی مال لاینفق فی سبیل الله ولا خیر فیمن یغلب جهلُه حِلمَه ولا خیر فیمن یخاف فی الله لومَة لائم:** یعنی اس قول میں کوئی خیر وبھلائی نہیں ہے جس کا مقصود رضائے باری تعالی نہ ہو اور اس مال میں کوئی خیر نہیں ہے جو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ ہوا ہو، اور اس شخص میں بھی کوئی خیر نہیں جس کی جہالت اس کے حلم وبرباری پر غالب ہو، اور اس شخص میں بھی کوئی خیر نہیں ہے جو اللہ پاک کی محبت ومعاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال وخوف کرے اور حق وصداقت کو چھوڑ دے (حلیۃ الاولیاء، ص ۳۶، ج ۱)۔

عبدالرحمن بن عبداللہ بن سابط کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا حضرت عمرؓ حاضر ہوئے، بلکہ ان کو بلوایا گیا تھا حضرت ابو بکرؓ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ اے عمر! اللہ پاک سے ڈرتے رہنا اور جان لو کہ اللہ پاک کو خوش کرنے کے لئے کچھ اعمال دن میں ہیں وہ رات میں کرنے سے قبول نہیں ہوتے، یعنی وہ عبادات جو دن والی ہیں، اور کچھ اعمال خصوصاً نوافل تہجد وغیرہ رات میں ہیں وہ دن میں قبول نہیں ہوتے، کہ رات میں جو خلوت مع اللہ میں لطف اور اخلاص ہوتا ہے وہ دن میں میسر نہیں ہوتا، اور یاد رکھو! کہ نوافل فرائض کی ادائیگی کے بغیر قابل قبول نہیں ہیں، اور جس کا وزنِ اعمال میں ترازو بھاری ہوگیا

وہ کامیاب رہے گا اور جس کا اعمال صالحہ والا حصہ کم رہ گیا وہ ناکام رہے گا، اللہ پاک نے اہل جنت کا اور ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا ان کی حرص کرو اور اللہ پاک نے اہل نار کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے برے اعمال کا لہٰذا ان سے اجتناب کرو۔

ان سب کو پڑھ کر قاری کو بخوبی اندازہ بلکہ یقین ہو جائے گا کہ خلفاء راشدین کو سلوک وتصوف کا کس درجہ ذوق تھا، وہ حضرات شریعت کے نفاذ، اقامت حکومت الٰہیہ اور خلافت ظاہری کے ساتھ ساتھ خلافت باطنی (طریقت) کے بھی امام تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء رص ۹۷ رج ۳ رمیں فرماتے ہیں اصل عبارت حضرتؒ کی فارسی میں ہے یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

''رہا حضرت صدیق اکبرؓ کا متصف ہونا صفائی قلب کی صفت کے ساتھ جس کو ہمارے زمانہ میں طریقت کہا جاتا ہے تو'' کشف المحجوب ''میں مذکور ہے کہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ توحید میں سب سے زیادہ بلند کلام ابوبکرؓ کا یہ قول ہے سبحٰن من لم یجعل لخلقه سبیلاً الا بالعجز عن معرفته یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لئے کوئی راہ اپنی معرفت کی نہیں بنائی مگر اپنی معرفت سے عاجز ہونے کی، یعنی اس کی معرفت سے عجز ہی عین معرفت ہے، یہاں ان لوگوں کا عاجز ہونا مراد ہے جو اس ذات کو صفات وافعال کے واسطے سے پہچان چکے ہوں اور آگے بڑھ کر ذات باری کی طلب میں سرگرداں ہوں، ان کا منتہائے معرفت یہی تو ہوگا، مطلقاً عجز مراد نہیں ہے، ورنہ منکرین خدا دہریئے اور کمیونسٹ سب سے بڑے عارف قرار پائیں گے اور یہ غلط ہے اس کا غلط ہونا بالبداہۃ واضح ہے۔

صاحب'' کشف المحجوب '' نے حضرت صدیق اکبرؓ کی مدح میں بہت اونچی

بات لکھی ہے، کہ اگر تیرا ارادہ ایسی صوفیت کا ہے جو علی الحقیقت ہو یعنی حقیقی صوفی بنا چاہتا ہے تو صدیق اکبر کے نقش قدم پر چل، کہ صفاء صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفاء کی ایک اصل ہے اور ایک فرع ہے، اسکی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہوجائے، دنیائے غدار سے دوری ہوجائے، اس کی فرع یہ ہے کہ عبادات میں محویت ہوجائے اور راہ خدا میں مال خرچ کردینا اور صرف خدا اور ان کے رسول ﷺ کی مرضی کو چھوڑ آنا ہے جیسا کہ ابوبکرؓ نے کیا تھا۔

نیز امام غزالیؒ نے ''احیاء علوم الدین'' میں حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے

من ذاق خالص محبة الله شغله ذٰلک من طلب الد نيا و او حشه من جميع البشر ۔ یعنی جس نے خالص محبت باری کا مزہ چکھ لیا وہ اس کو دنیا کی طلب سے متنفر کردے گا اور تمام انسانوں سے متوحش کردے گا، یہ لوازم محبت کی انتہائی تحقیق ہے''۔

(ترجمہ ازالۃ الخفاء ص۸۰ ج۳)

حضرتؒ کی بیعت وسلوک، اجازت وخلافت

ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: سلوک وتحصیل طریقت کا ابتدائی واقعہ جو خود امام ربانیؒ نے بارہا بیان فرمایا کہ جب میں اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دہلی میں زیر تعلیم تھے تو ہمارا ارادہ ''سلم'' (منطق کی ایک کتاب) پڑھنے کا ہوا لیکن حضرت الاستاذ مولانا مملوک علی صاحبؒ کی مشغولیت کی وجہ سے فرصت نہ تھی اس لئے انکار فرماتے تھے، بالآخر یہ طے ہوا کہ ہفتے میں صرف دو بار اس کا سبق ہوگا حسب معمول ''سلم'' کا سبق ہورہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آگئے، ان کے آتے ہی تمام لوگ کھڑے ہوگئے اور شور مچ گیا کہ حاجی صاحب آگئے، حاجی صاحب آگئے، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ لو میاں رشید احمد سبق

بعد میں ہوگا، مجھے سبق کا بڑا دکھ ہوا اور میں نے مولانا قاسم صاحب سے کہا کہ یہ اچھا حاجی آیا کہ ہمارا سبق بھی گیا مولانا قاسم صاحبؒ نے کہا ایسا مت کہو یہ بڑے بزرگ آدمی ہیں ایسے ویسے ہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد کہا ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈیں گے یہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی پہلی زیارت وملاقات تھی، حاجی صاحبؒ نے ہمارا حال معلوم کیا اور فرمایا کہ طلبہ میں بس یہ دو طالب علم ہی اچھے سمجھدار لگتے ہیں اور بس (تذکرۃ الرشید رص ۴۱ رمیں بھی تقریباً اسی طرح ہے)۔

خود حضرتؒ فرماتے تھے کہ بوجہ حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشبندیؒ سے پڑھنے کے دل میں بار بار خیال حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت کا آتا رہتا تھا، اور مولانا قاسمؒ سے تذکرہ ہوتا مگر مولانا نانوتویؒ ہر مرتبہ کہہ دیتے کہ نہیں بیعت تو حضرت حاجی امداد اللہؒ ہی سے کریں گے اور مولانا قاسم صاحب حضرت حاجی صاحب سے پہلے سے بھی تعلق رکھتے تھے، ایک تو رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور دوسرے وطن کا بھی رشتہ تھا کہ حاجی صاحبؒ کی نانہال قصبہ نانوتہ ہی کی تھی اور حاجی صاحب کی بہن بھی نانوتہ میں ہی کسی کے نکاح میں تھیں اس لئے اکثر وبیشتر حضرت حاجی صاحبؒ جب نانوتہ تشریف لایا کرتے تھے تو مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا یعقوب صاحبؒ دونوں حضرت حاجی صاحب کے پاس بکثرت حاضر ہوتے رہتے تھے اور حضرت حاجی صاحب بہت ہی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اسلئے حضرت مولانا قاسم صاحب نے ہر دفعہ تذکرہ پر یہی کہا کہ بیعت تو حضرت حاجی امداد اللہ ہی سے کریں گے۔

اس ملاقات کے بعد اور بھی متعدد بار ملاقات ہوئی، کشش بڑھتی رہی محبت

وتعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ پھر اپنا سب کچھ حضرت حاجی صاحبؒ پر قربان کردیا جس کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ تھانہ بھون کے ایک علامۂ وقت حدیث کے زبردست عالم شیخ محمد محدثؒ کی ایک تحریر کسی ایک شخص نے حضرتؒ کے پاس بھیجی جس میں شیخ محمدؒ نے لکھا کہ روضۂ اقدس ﷺ میں جو ایک قبر کی جگہ خالی ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے اور اس کا منکر ایسا ہے ایسا ہے (یعنی کافر ہے) حضرت گنگوہیؒ نے تصدیق وتصویب کے بجائے اس پر لکھا کہ سارا ثبوت اخبارِ آحاد سے ہے یعنی ایسی احادیث سے ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے خبر واحد کہلاتی ہے، جس سے قطعیت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ علم ظنی حاصل ہوگا لہٰذا منکر کو ایسا نہیں کہا جاسکتا ہے۔

اس پر شیخ محمدؒ کو غصہ آیا کہ طفل مکتب میرا رد کرتا ہے اور انہوں نے ایک رسالہ لکھا اور حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجا، حضرت نے خوب غور سے دیکھا اور اس رسالہ کی پشت پر تحریر فرمایا کہ میں نے نہ احادیث کا انکار کیا ہے اور نہ اصل مضمون کا انکار کرتا ہوں میں نے تو یہ لکھا ہے اور اب بھی لکھتا ہوں کہ اس بحث کی جملہ احادیث اخبار آحاد ہیں جن سے قطعیت کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے؟ جو میرا شبہ ہے اس کا رسالہ میں جواب نہیں ہے، اس کے بعد یہ شعر بھی لکھا

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں   وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

اس پر شیخ محمدؒ کو اور بھی غصہ آیا اور چند جگہ شکایت کی کہ میرے سامنے کا بچہ مجھے طفل لکھتا ہے، حضرت امام ربانی کو معلوم ہوا فرمایا کہ میں نے آپ کو طفل نہیں لکھا بلکہ اپنے آپ کو لکھا ہے اور آپ کو تو شہ سوار لکھا ہے جن سے لغزش ہوگئی اس کے بعد دل میں یہ خیال وارادہ آیا کہ تھانہ بھون جاکر مناظرہ کرلیا جائے اور وہاں فیصلہ ہوجائے، نوجوانی

کا دور تھا، ذکی عالم ہونے کے ساتھ نڈر رہتے تھے اتفاق سے کسی کام سے رامپور بھی جانا تھا جو آپ کا آبائی وطن تھا اسی سفر میں آپ نے مناظرہ اور مباحثہ کے لئے تھانہ بھون کا بھی قصد فرمایا اور رسالہ اپنے ساتھ لے لیا، رامپور سے فارغ ہوکر تھانہ بھون کے لئے روانہ ہوگئے، چند گھنٹوں کا کام تصور کئے ہوئے اس لئے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے بس ساتھ تھے، ظہر کی نماز کے بعد تھانہ بھون پہنچے حضرت حاجی صاحبؒ اپنی سہ دری میں مشغول تلاوت تھے، بعد فراغت حضرت سے ملاقات ہوئی بقول حضرت شیخ یہ پانچویں ملاقات تھی حضرت نے معلوم کیا کہ کیسے آنا ہوا ہے؟ فرمایا کہ شیخ محمد سے مناظرہ کے ارادہ سے آیا ہوں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہاہا ایسا ارادہ مت کرنا میاں! وہ تو ہمارے بزرگ ہیں بس مباحثہ کا تو یہیں فیصلہ ہوگیا اور حضرت یہ کہہ کر خاموش ہوگئے کہ آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں (تذکرۃ الرشید ص ۴۷/ تاریخ مشائخ چشت/ ۲۶۹)۔

پھر تو مر مٹا

اس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں، دل میں جو خیال تھا وہ نکلا اور بیعت ہونے کا خیال پیدا ہوگیا، چنانچہ آپ نے موقع پا کر بالفاظ مناسب یہ درخواست پیش کی مگر حاجی صاحب نے امتحاناً اور اعتقاد و شوق بڑھانے کیلئے بظاہر انکار فرمایا اب ادھر سے اصرار اور ادھر سے انکار کا معاملہ چلتا رہا، جب حضرت حاجی صاحبؒ نے استقلال واخلاص کا پورا مظاہرہ کرلیا تو حضرت نے قبول فرمالیا اب جب بیعت کا موقع آیا تو عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل محنت ومجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے اور نہ رات کو اٹھا جاسکتا ہے، حضرت حاجی صاحب نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا اچھا کیا مضائقہ ہے، اس تذکرہ پر حضرت مولانا گنگوہی سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ تو

آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ پھر تو ''مرمٹا''۔

اس مرمٹنے کے جملہ پر مجھے اپنے شیخ ومرشد فانی فی اللہ، عاشق رسول اللہ، ولی مرتاض، امداد اللہِ زمانہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کے اشعار یاد آگئے جو پیش خدمت ہیں:

زندگی کی بہار ہے مرنا — اپنی مرضی کو ہے فنا کرنا
اتباع ہوا سے دور رہیں — اتباع رسولؐ پر مرنا
یہی ایمان ہے یہی عرفاں — جان ودل ان پہ سب فدا کرنا
زندگی کی کیا ہے خبر ہم کو — ہم نے سیکھا نہیں مگر مرنا
جو بھی پیش آئے انکی جانب سے — شکر بندے کو چاہئے کرنا
ان کی مرضی پہ بس رہو راضی — نہ کبھی بھول کر گلا کرنا
یوں تو مرتے ہیں مرہی جائیں گے — یہ بھی مرنے میں ہے کوئی مرنا
اصل مرنا ہے راہ میں ان کی — اس کو کہتے ہیں دوستو! مرنا
ایسے مرنے پہ زندگی قرباں — یہ تو جینا ہے یہ نہیں مرنا
اس سے بڑھ کر نہیں کوئی دولت — اللہ اللہ ہر گھڑی کرنا
زندگی نام ہے اطاعت کا — اور غفلت کا نام ہے مرنا
لطف جینے کا ہے محبت میں — اور مرنا بھی لطف کا مرنا
زندگی ہم جسے سمجھتے ہیں — زندگی یہ نہیں ہے ہے مرنا
مرکے ہوتی ہے زندگی حاصل — ایسے مرنے کی تم دعا کرنا

(عرفان محبت، ص ۱۲۵)

بارہ تسبیح کی تلقین

الغرض بیعت ہونے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے ۱۲/ تسبیح جسکا مشائخ چشتیہ کے یہاں معمول ہے[1] تلقین فرمادیں، شب کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی چار پائی کے قریب مولانا کی چار پائی کرادی تا کہ اس پر آرام فرمائیں، حضرت حسب معمول اٹھے تو مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی چونکہ بیعت کے وقت شرط تھی اس لئے کچھ نہ فرمایا مگر آخر کار ذکر شروع کیا، گلا اچھا تھا، بدن میں قوت تھی بڑا لطف آیا، صبح حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق و ماہر ذاکر ذکر کرتا ہے، اس دن سے ذکر سے محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی، یہ پہلا انعام تھا جو شیخ کامل کی زبان سے حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزرا، آٹھویں دن حضرت نے فرمایا کہ میاں مولوی رشید احمد! جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھکو دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مجھے تعجب ہوا وہ کون سی چیز ہے جو حضرت نے مجھے عنایت فرمائی، پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا وہ کیا تھا یہ دوسرا انعام تھا، اس طرح ۴۲/ روز گذر گئے حضرت تھانہ بھون سے روانہ ہوئے اور حضرتؒ بہ نفس نفیس مع دیگر متعلقین کے ایک جم غفیر کے ساتھ بغرض مشایعت مسنونہ ہمراہ ہوئے۔

---

[1] جس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً درود شریف ۱۱/ بار، اس کے بعد یہ دعاء تین بار پڑھے اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک، بعدہ لا الہ الا اللہ دوسو بار، الا اللہ ۴۰۰/ بار، اللہُ اللہُ ۶۰۰/ بار، اللہ ۱۰۰/ بار، اخیر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کرے۔

اجازت وبیعت

مجمع سے الگ حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ فرمائے ''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا'' حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھ سے کون درخواست کریگا ؟ فرمایا تمہیں کیا، میں جو کہتا ہوں وہ کرنا، یہ تیسرا انعام تھا جو اس پہلے سفر کی آخری ملاقات کے وقت عطا فرمایا گیا، اس طرح سے ۴۲ /دن میں فائز المرام ہو کر واپس تشریف لائے، مناظرہ کرنے آئے تھے مگر شیخ کامل اور امام طریقت بن کر لوٹے۔

خدا کی دَین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال   کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

(تذکرۃ الرشید ص ۵۱)

ہمارے پیر و مرشد صاحب ''اقوال سلف'' حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں، اس طرح حضرت گنگوہیؒ ایک صاف شفاف آئینہ تھے جو آفتاب کے مقابل رکھ دیا گیا تھا، جس کی شعاؤں سے آپ منور ہو گئے اور دنیا کو اپنے علم وحکمت کے نور سے روشن فرمادیا۔

وطن واپسی

حضرت جب گنگوہ واپس تشریف لائے تو حالت ہی بدل چکی تھی، نہ کھانے کا ہوش تھا اور نہ پینے کا ہر وقت استغراق ومحویت اور ذکر وفکر کے عالم میں رہتے، اکثر رات روتے گذر جاتی، اور جب ذکر اللہ فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے اور خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اس کی تو کسی کو کیا خبر، اکثر اوقات گریہ وزاری، نماز،

تلاوت، اور ذکر اللہ میں گزارا کرتے تھے، حضرت شیخ قطب العالمؒ کا حجرہ جو صدیوں سے غیر آباد پڑا ہوا تھا، جہاں جانور باندھے جاتے تھے، جس کی تذکرۃ الرشید رص ۶۱ ر میں اس طرح منظر کشی کی گئی ہے:

خانقاہِ قدوسیہ

قطب العالم کی پاک عبادت گاہ ''خانقاہِ قدوسیہ'' جس میں رحمت خداوندی ابر نیسان کی طرح رات دن برسا کرتی تھی، جہاں شیخ الشیوخ کی اپنے جل وعلیٰ شانہ کے سامنے ناک اور پیشانی رگڑی جاتی تھی، آج کس درجہ کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے، یہاں کسی زمانہ میں ''ھو حق '' کے نعرے اور ذکر کی دل آویز آوازوں سے دیواریں اور چھتیں گونجا کرتی تھیں اور آج سوائے مچھر اور پسّو یا مکّڑ اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے کچھ بھی سنائی نہیں دیتا اور گرد کے حجرے جہاں شیخ کے متوسل اور سچے طالب اپنے بوریئے بچھا کر اللہ کا نام سیکھنے کو راتوں ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے ان میں اس وقت سوائے سانپ بچھو یا کیڑے مکوڑوں کے کوئی رہنے والا نہیں ہے، جس جگہ واصل باللہ سید المشائخ کا وہ نورانی مصلےٰ بچھا کرتا تھا جس کو ہاتھ لگ جانا بھی دنیا اپنے لئے نجات کا سبب سمجھتی تھی، آج وہاں گدھا بندھا ہوا رینگ رہا اور اپنے بَول وبُراز سے اس پاک زمین کو نجس بنا رہا ہے، جس لطیف الطبع غوث وقت کی نظافت کا یہ اقتضا تھا کہ مسواک کئے بغیر نماز نہ پڑھی جاتی تھی اس قدسی نفس کے مسکن میں جگہ جگہ لید اور گوبر کے ڈھیر اور تودے نظر آتے تھے۔

اس عجیب حیرتناک منظر پر آپ کبھی روتے اور کبھی افسوس کرتے، کبھی انقلاب

دہر و فنائیت عالم کا اذعان حاصل فرماتے، اور کبھی اپنے قادر مطلق پروردگار کی قدرت جلیلہ کے علم سے قلب کو اطمینان دلاتے، غرض یہ نظارہ عبرت گاہ آپ کے لئے ازدیاد ایمان واذعان اور عروج وترقی روحانیت ہی کا سبب بنا، اور یہی وہ جدّی میراث تھی جو تین سو برس کے بعد خلف الصدق کو حاصل ہونے والی تھی، اور اس کے ساتھ ہی وہ کوٹھریاں اور حجرے جو شیخ کا دنیاوی ترکہ تھا وہ بھی قدرت نے آپ ہی تک پہنچانے کے لئے ودیعت رکھا، اور بایں ویرانی وبربادی تین صدی تک اس کی محافظت فرمائی تھی کہ اچھی جگہ ہونے کے باعث نا اہل دنیا داروں کی رال نہ ٹپکی اور حصہ بخرہ ہوکر کسی کی بیٹھک یا مسکونہ مکان قرار نہ پا جائے، آخر گودڑ میں چھپے ہوئے اس بے بہا لعل کا قدردان جوہری سن بلوغ اور حالت رشد کو پہنچ گیا، اور نجاست آلود نافہ میں ڈھانپے ہوئے مشک کا مرتبہ پہچاننے والا طبیب اس خوشبو سے عالم کا دماغ معطر کردینے کے لائق بن گیا، اس لئے ملکوتی صفات شیخ کی یہ میراث بھی اس کے خلف الرشید سرتاپا نور نوا سے یعنی مولانا رشید احمد صاحبؒ کے قبضہ وتصرف میں دی گئی۔

امام ربانی اٹھے اور گدھے گھوڑوں کی لید بہ نفس نفیس ٹوکرہ میں بھر بھر کر باہر پھینکی، کوڑا کرکٹ جو جمع ہوکر کوڑی اور کھات کا انبار بن گیا تھا پھاوڑے سے صاف کیا اور کُھرپے سے کھود کر زمین کو ہموار بنایا، ستھری مٹی پانی میں بھگوئی اور کہگل سے نیچے اوپر زمین اور دیواروں کو لیپا، چھت پر برسات کی گھاس اکھٹی ہوکر ایک ایک ہاتھ اونچا کوڑا ہوگیا تھا اس کو درانتی سے کاٹا، اور کُھرپے سے صاف کرکے مثل قلوب صافیہ آئینہ بنایا، نئی مٹی ڈلوائی، سوراخ بند کئے اور شکست وریخت کی اپنے ہی ہاتھوں اچھی خاصی مرمت کرلی، زمین میں بوریہ کا فرش کیا، گوشوں میں لوبان کی دھونی دی، عطر بکھیرا، خوشبو

چھڑکی اور اس مقدس حجرہ کو از سر نو آباد فرما کر اپنا خلوت خانہ قرار دیا، جس کے سوا تین سو برس بعد آج دن پھرے، مشہور مثل تو یہ ہے کہ بارہ برس میں کوڑی کے دن پھرتے ہیں مگر جس کا نام دن پھرنا یعنی پہلے ہی سماں کا نظر آ جاتا ہے اس کے لئے تو تین سو برس بھی جلدی ہی میں داخل ہیں (تذکرۃ الرشید ج ا ر ص ۶۱ تا ۶۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح گنگوہ کی قدیم ''خانقاہِ قدوسیہ سعیدیہ'' جہاں سے ایک زمانہ میں کبار اولیاء اللہ نے فیض حاصل کیا تھا اور ہزاروں انسان وہاں آ کر روحانی تسکین حاصل کرتے تھے، جو مقام ذکر اللہ و مراقبہ سے منور تھا اور انسانوں کو دین کا عادی بنانے کیلئے زبردست مجاہدات کرائے جاتے تھے، جس کے بعد وہ دین کے داعی، سپاہی اور مبلغ بن کر نکلتے تھے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے ذریعہ سے دوبارہ اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور پھر ذکر و فکر، مراقبہ و مجاہدہ، تعلیم و تعلم، تزکیۂ نفس اور اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آزادی کیلئے جہاد کا مرکز ثابت ہوا، اور اس علاقہ میں دیوبند، سہارنپور، رائے پور، تھانہ بھون کے مشاہیر علماء صلحاء کی آمد و رفت، پھر اطراف و اکناف سے عوام الناس کا اس قدر رجوع ہوا کہ پورا خطہ بقعۂ نور بن گیا، ہر طرف دین کی فضائیں چھا گئیں، ذکر اللہ کی صداؤں سے یہ علاقہ اس قدر گونجنے لگا کہ اس پورے خطہ میں ذکر اللہ کی آوازیں ہی سنائی دی جاتی تھیں، یہاں تک کہ اس کے قریب تالاب پر دھوبی کپڑا دھونے کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی دھونے کا کام کرنے لگے۔

گنگوہ کے تالاب پر الا اللہ کی ضربیں

چنانچہ حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ملفوظات میں ہے:

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خانقاہ کے بازو کا جو تالاب ہے وہ اس زمانہ میں آج سے دوگنا تھا اس میں صبح ہی صبح تہجد کے وقت دھوبی کپڑے دھویا کرتے تھے اور کپڑوں کو چھانٹتے ہوئے کپڑا اٹھا کر کہتے تھے لا الٰہ اور کپڑے کو زور سے نیچے مار کر کہتے تھے الا اللہ، اس طرح تمام دھوبی لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ کی زور سے ضربیں ایسی لگاتے تھے کہ رات کے اندھیرے میں دو میل دور تک یہ آواز جاتی تھی اور سہارنپور سے آنے والے بیل گاڑیوں اور بہلیوں میں اس کو سنا کرتے تھے (ملفوظات فقیہ الامت ج ۱ ر ص ۴۱)۔

حضرت امام ربانیؒ خلیفہ ہونے کے بعد جب گنگوہ واپس آ گئے اور یہاں قیام فرمالیا تو دربار امداد یہ تھانہ بھون میں حاضری کا سلسلہ برابر قائم رہا، اور کبھی حضرت حاجی صاحبؒ بھی گنگوہ تشریف لاتے اور توجہات سے مستفیض فرماتے اور ارشاد و تلقین کے طریقے تعلیم فرماتے اور کسی طرح سے کوشش یہ رہتی کہ میرا رشید زمانہ کا امام بن جائے۔

موقع کی مناسبت سے حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر خیر کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تذکرہ سید الطائفۃ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ و مرشد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ ۲۲ رصفر ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء پنجشنبہ کو اپنی نانیہال نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، آپ کی دادھیال تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تھی، آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک حافظ محمد امین تھا، آپ کا تاریخی نام ظفر احمد ہے جس سے تاریخِ ولادت ۱۲۳۳ھ برآمد ہوتی ہے، والد ماجد نے آپ کا نام امداد حسین رکھا تھا، لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ (نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) کے ایماء پر آپ نے امداد اللہ نام اختیار کیا، کیونکہ امداد حسین میں بوئے شرک آتی تھی۔

بیعت

حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتداء میں حضرت شاہ نصیر الدین دہلویؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی، شیخ نصیر الدین دہلویؒ حضرت شاہ محمد آفاق مجددیؒ کے خلیفہ و مرید اور مولانا شاہ محمد اسحاق مہاجر دہلویؒ کے شاگرد و داماد تھے، ان سے کچھ اذکار طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اخذ کئے، ''امداد المشتاق'' مصنفہ حضرت تھانویؒ کی روایت ہے کہ ''خرقہ و اجازت سے مشرف بھی ہوئے'' لیکن استفادہ زیادہ مدت تک نہیں رہا، اسی زمانہ میں حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا ہاتھ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے ہاتھ سے ملا دیا، آپ نے اس خواب سے پہلے کبھی میانجی کو دیکھا نہیں تھا، بیدار ہو کر بہت سرگرداں رہے کہ یہ کون بزرگ تھے جن سے بیعت کرنے کی ہدایت رسالت مآب ﷺ

(روحی فداہ) نے فرمائی ہے، یہ عالم کئی سال تک رہا (اقوال سلف ص ۶۶ / ۶۷ حصہ چہارم)۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ

حضرت حاجی صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ اس طرح ہے:

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ سے بیعت ہونے سے قبل خواب دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا دربار عالی لگا ہوا ہے مگر میری جانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، میرے ماموں بھی وہاں موجود تھے انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں دیدیا اور آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بوڑھے نحیف و کمزور شخص کے ہاتھ میں دیدیا پھر آنکھ کھل گئی، ان بزرگ کی تلاش میں متعدد مقامات کے سفر کئے مگر کامیابی نہ ہوئی سخت حیرانی ہوئی، کچھ روز بعد انہوں نے اپنے استاذ مولانا قلندر علی صاحب جلال آبادیؒ سے یہ خواب بیان کیا، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ذرا لوہاری تو جاؤ! (یہاں میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ موجود تھے) دیکھا تو وہی بوڑھے نحیف شخص ہیں جو خواب میں دیکھے تھے فوراً قدموں پر گر پڑے، میانجی صاحب نے سینہ سے چمٹا لیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے، حضرت حاجی صاحبؒ اسی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے شیخ کی سب سے پہلی کرامت تھی جو میرے دیکھنے میں آئی کہ بغیر ذکر کئے خواب کا علم ہو گیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت ص ۹۰ / ۱)

الغرض ان کی خدمت میں پہونچے اور بیعت ہوئے اور آپ سے ایک عالم فیضیاب ہوا، جن میں کبار اولیاء اللہ علماء، صلحاء اور عوام و خواص کی ایک بہت بڑی تعداد

شامل ہے، صرف علماء تقریباً ہزاروں ہیں جن میں سرفہرست حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ وغیرہم ہیں جن کا فیض پورے عالم میں جاری وساری ہے، آپ کی شانِ اقدس کو کن کلمات سے تعبیر کیا جائے! آپ اللہ کے عشق ومحبت کا خزانۂ عامرہ تھے، ذکر وفکر کے سلطان اعظم تھے، ریاضات ومجاہدات کے امام تھے، علم وعرفاں کے منبع اور سرچشمہ تھے، توکل ورضاء، صبر وشکر، خلوص وللّٰہیت کے مجسمہ تھے، تواضع وعبدیت آپ کی شان تھی، عبادت کے انوار وبرکات آپ کی پیشانی سے اس طرح ظاہر ہوتے تھے کہ جو بھی آپ کے پاس آتا آپ کی عقیدت میں گرفتار ہوجاتا اور آپ کے انوار وبرکات سے فیضیاب ہوتا تھا۔

الغرض آپ علمائے ربانیین کے سرتاج، عارفینِ کاملین کے سرمایۂ فخر وامتیاز، مجاہدین کے امیر وسرپرست، طائفۂ اتقیاء اور اولیاء کے سید وبزرگ، ابتہال وتضرع، خشیت وبکاء کے ساتھ متصف، عالم ربانی، غوثِ صمدانی، عارفِ لاثانی بزرگ تھے، آپ کی کشف وکرامات کثیر ہیں، آپ کی تصنیفاتِ جلیلہ تصوف وروحانیت، عشق ومعرفت سے بھرا ہوا نیز چھلکتا ہوا ایک جام ہے، آپ نے علم ومعرفت کی اشاعت کے ساتھ جہاد ہجرت کو بھی جمع کیا اور ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرانے میں مجاہدین کی سرپرستی بھی کی، آپ ہی کے ایماء واشارہ پر دارالعلوم (دیوبند) جیسے ادارے وجود پذیر ہوئے، الغرض آپ کا وجود باجود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی تھا اور آپ کی ذات منبع الکمالات الظاہرۃ والباطنۃ تھی، آپ نے ''طریقۂ چشتیہ صابریہ'' کی تجدید کی اور اسی میں لوگوں کو

زیادہ فیض پہونچایا اور اس سلسلہ کے انوار وبرکات آپ ہی کے ذریعہ سے آفاق میں پھیلے، تمام عمر دین کی اشاعت میں گزار کر عشق ومعرفت کی وادیوں میں رہ کر دنیا کی سب سے مقدس اور محترم سرزمین مکہ معظّمہ پر ۱۲؍جمادی الآخر شب چہار شنبہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۸۹۹ء میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، ۸۴؍سال ۳؍ماہ آپ کی عمر شریف ہوئی۔

حضرت تھانویؒ نے آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: اعلیٰ حضرت، فاروقی نسب، حنفی المذہب، حقیقت آگاہ معرفت، دستگاہ، حافظ سید السادات العظام، افتخار المشائخ الاعلام، مرکز الخواص والعوام، منبع البرکات القدسیہ، مظہر الفیوضات المرضیہ، معدن المعارف الالٰہیہ، مخزن الحقائق، مجمع الدقائق، سراج اقرانہ، قدوۃ اہل زمانہ، سلطان العارفین، ملک التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین (امداد المشتاق؍ص ۱۵)۔

ارشادِ مرشد

موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے سلسلہ کے کچھ اوراد ووظائف اور معمولات جو حضرت اپنے متعلقین کو تلقین فرمایا کرتے تھے بیان کرنا بھی مناسب ہے، تاکہ عمل کرنے والوں کو ایک راستہ مل جائے، اس کیلئے خود حضرت کی ایک تحریر پیش خدمت ہے، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:!

برادرانِ طریقت اور طالبانِ معرفت کی خدمت میں، خصوصاً جو اس فقیر سے رابطۂ محبت اور ارادت رکھتے ہیں عرض کرتا ہے کہ شاغلِ اشغال قلبیہ کو یہ ضروری ہے کہ سوائے فرائض اور واجبات اور سنن کے بعضے عبادات اور طاعات اور اوراد وظائف جو مددگار اور

قوت بخشنے والے، صفائے دل اور جلا دینے والے روح کو ہوں عمل میں لاوے، جیسا کہ نماز تہجد کی بارہ یا آٹھ رکعتیں ہیں اور نماز اشراق کی چھ رکعتیں ہیں اور نماز چاشت کی چار رکعتیں ہیں اور صلوٰۃ الاوابین کی چھ رکعتیں ہیں بیس تک، اور چار سنتیں قبل ظہر اور چار سنتیں قبل عصر اور چار سنتیں قبل عشا اور بروز جمعہ صلوٰۃ التسبیح اگر فراغ ہو پڑھے، اور تین روزے ایام بیض کے اور ایک ایک روزہ پنجشنبہ اور دوشنبہ کا، اور چھ روزے ماہ شوال کے، اور نو روزے اول ماہ ذی الحج کے، اور روزہ عاشورۂ محرم کا، اور آٹھ روزے اول ماہ رجب اور شعبان کے رکھے، اور قرآن کی تلاوت جس قدر ہو سکے کرتا رہے، ادنیٰ یہ ہے کہ چالیس روز میں ختم کرے، اور درمیان سنت اور فرض صبح کے اکتالیس بار سورۂ فاتحہ حضور دل سے معنوں پر خیال کر کے پڑھے، اور بعد نماز صبح کے کلمۂ چہارم دس بار اور سورۂ یٰسں ایک بار اور استغفار سو بار اور سبحان الله وبحمده سبحان الله العلى العظيم ، استغفر الله سو بار اور ایک سو ایک بار لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم مع بسم اللہ کے، اور سو بار کلمۂ طیبہ اور اکتالیس بار یاحی یا قیوم لا اله الا انت اسئلک ان تحیی قلبی بنور معرفتک ابدا یا الله بحضور قلب پڑھے اور درود شریف سو بار، اور بعد نماز ظہر کے سو بار کلمۂ طیبہ، اور سو بار درود شریف، اور سو بار انا فتحنا اور منزل دلائل الخیرات اور پانچسو بار الله الصمد، اور اکیس بار سورۂ اذا جاء پڑھے، اور بعد عصر سورۂ عم یتساء لون اور سو بار آیۂ کریمہ لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اور بعد نماز مغرب سورۂ واقعہ، اور سو بار کلمۂ طیبہ، اور درود شریف سو بار اور اللهم طهر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابدایا الله یا الله اکتالیس بار بحضور

دل پڑھے، اور بعد نماز عشا کے سورۂ سجدہ یا سورۂ ملک او رسو بار کلمہ طیب، اور سو بار درود شریف اور ایک سو ایک بار یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث بحضور قلب پڑھے اور صبح وشام کو سید الاستغفار ایک ایک بار اور پانچوں کلمے اور دونوں آمنتُ باللہ (ایمان مجمل ومفصل) اور ننانوے نام اللہ جل شانہ کے اور آیۃ الکرسی اور آیات آمن الرسول سے تا آخر سورہ اور اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تین بار، اور آیات سورۂ حشر ایک بار اور بسم اللہ لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم تین بار اور رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا تین بار اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا الہ لا شریک لہ لا الہ الااللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الہ الا اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور اللھم اجرنی من النار سات بار اور اللھم انی اسئلک الجنۃ سات بار اور دعائے حزب البحر کو اگر ہو سکے تو ایک ایک بار، اور بعد نماز صبح قبل طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر قبل غروب عشر مسبعات کو پڑھے، اور بعد ہر نماز کے پانچوں وقت آیۃ الکرسی ایک بار اور سبحان اللہ تینتیس بار، اور الحمدللہ تینتیس بار، اور اللہ اکبر تینتیس بار، اور کلمۂ چہارم ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شئی قدیر اور اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذالجلال والاکرام ایک بار، اور اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ واعوذبک من غضبک ومن النار ایک بار پڑھے، اور وقت

شروع کھانے کے اللھم بارک لنا فیه و اطعمنا خیر امنه، اور بعد فراغ طعام کے الحمدلله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین پڑھے اور سوتے وقت سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور تینوں قل تین تین بار اور اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک اور وقت جاگنے کے الحمدلله الذی احیانا بعدما اماتنا والیه النشور ولا اله الاالله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر اور اگر ممکن ہو تو مسبعات عشر بھی پڑھے، اور پاخانے میں جاتے وقت اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبآئث اور نکلتے وقت غفرانک الحمدلله الذی اذھب عنی الاذی وعافانی اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے بسم الله الله اکبر اور اللھم انی اسئلک رضاک معمول رکھے اور اگر اور زیادہ اوراد مطلوب ہوں تو کتب حدیث مثل ''حصن حصین'' وغیرہ سے لیکے عمل میں لاویں، باقی بہر حال اذکار اور اشغال قلبیہ میں مشغول رہیں جس سے تصفیہ باطن کا ہو کر محبت اور معرفت حق کی حاصل ہو۔

حضرت کے تلقین کردہ اذکار واشغال اور مراقبات

جو بزرگان طریقت نے تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کے واسطے تجویز کیے ہیں ان میں سے بارہ تسبیح ہیں جو حضرات چشتیہ کرتے ہیں، طریقہ ان کا یہ ہے کہ بعد نماز تہجد کے توبہ اور استغفار عجز وانکسار سے کر کے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابدا یا الله یا الله یاالله تین بار یا سات بار تکرار کرے، اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو کہ

بائیں زانو کے اندر ہے محکم پکڑے اور کمر کو سیدھی رکھے، پھر دلجمعی سے ہیبت اور حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے، بعد اعوذ اور بسم اللہ کے باخلاص تمام تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھ کے سر کو قلب کی طرف کہ زیر پستان چپ بفاصلۂ دو انگشت کے واقع ہے جھکا کے کلمۂ ''لا'' کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچ کے اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پر لیجا کے سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈال دیا اور دم (سانس) کو چھوڑ کر لفظ الا الله کی زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا، اسی طرح اس نفی واثبات کو فکر اور حظ اور واسطے کے ساتھ دوسو بار کہے، اور اس ذکر میں نو بار لا الہ الا الله دسویں مرتبہ محمد رسول الله کہے بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمۂ لا الــــــه میں لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود ملاحظہ کرے اور اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

طریق ذکر اثبات مجرد

پھر دو زانو بیٹھے اور کمر کو سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لیجا کے لفظ الا اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب کرے اس کو چار سو بار دمادم کرے پھر بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔

طریق ذکر اسم ذات

پھر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کا کرے، اس طرح سے کہ اول حرف ہاء لفظ اللہ کو پیش

اور دوسری ہا ء لفظ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے، اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کے لفظ مبارک اللہ اللہ کی دونوں ضرب جہر اور قوت سے دل پر مارے، اس ذکر اسم ذات دوضربی کو چھ سو بار دمادم کرے لیکن دسویں گیارہویں بار اللہ حاضری اللہ ناظری، اللہ معی مع ملاحظہ معنوں کے کہتا رہے تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور دفع غفلت اور خواب حاصل ہو، بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے، پھر ایک مرتبہ اسی طرح سر کو جانب داہنے مونڈھے کے کج کر کے لفظ مبارک اللہ کو دل پر سو بار دمادم ضرب کرے، بعدہ تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہہ کر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا مانگے اور مناجات کرے کہ الٰہی تو ہی مقصود ہے اور رضا تیری ہی مطلوب ہے، ترک کیا میں نے دنیا اور آخرت کو واسطے تیرے عطا کر مجھکو نعمتیں اپنی اور وصول تام اپنی درگاہ مقدس میں، آمین۔

طریق ذکر پاس انفاس کا

یعنی اپنے انفاس پر آگاہ اور ہوشیار رہے کہ بے ذکر اللہ کے کوئی دم نہ گذرے خواہ ذکر جلی ہو خواہ ذکر خفی، بس سانس نکلنے کے وقت دم کے ساتھ لا الٰہ اور سانس کے داخل ہونے کے وقت دم کے ساتھ الا اللہ کہے، دہن بستہ بحرکت زبان (منھ بند کئے زبان کی حرکت سے) خیال سے دم کو ذاکر کرے اور نظر ناف پر رکھے وہاں سے ذکر جاری کرے۔

دوسرا طریق: یہ ہے کہ لفظ اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور لفظ ''ھو'' کے ساتھ سانس کو چھوڑ دے اس ذکر کے خیال اور دھیان سے ایسی کثرت اور مشق کرے کہ دم ذاکر مستغرق بذکر ہو جاوے۔

بیان ذکراسم ذات زبانی

طالب کو چاہئے کہ باوجود ذکر پاس انفاس کے اسم ذات کو زبانی ہر روز چوبیس ہزار بار کہ اوسط مرتبہ ہے کہے، اور اگراس قدر نہ ہوسکے تو چھ ہزار سے کم کہ ادنیٰ مرتبہ ہے نہ کرے۔

طریق ذکرنفی واثبات

جیسا کہ حضرات قادر یہ کرتے ہیں یہ ہے کہ خلوت میں روبقبلہ باادب تمام بیٹھے اور آنکھیں بند کرکے لائے نفی کو زیر ناف سے زور اور سختی کے ساتھ نکال کے اور دراز کرکے داہنے مونڈھے تک لیجا کے دماغ سے نکال دے، اور الا اللہ کو قوت سے دل پر ضرب کرے اور لا الٰہ سے نفی معبودیت اور مقصودیت اور موجودیت غیر اللہ کی ملاحظہ کرے حتیٰ کہ وجود غیر کا نظر سے اٹھ جائے اور الا اللہ سے اثبات وجود مطلق حق سبحانہ تعالیٰ کا کرے، اسی طرح گیارسوایک جلسے میں ہرروز کیا کرے حتیٰ کہ اثر اس کا ظاہر ہو اور اس ذکر کو اسی طرح حبسِ دم میں بھی کرتے ہیں۔

طریق شغل اسم ذات

اس طریقے کا یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کے دل سے جس قدر ہوسکے رات دن تصور کیا کرے حتیٰ کہ پختہ ہوکر بے تکلف جاری ہوجائے ، باقی اذکار اور اشغال اس طریقے کے ''ضیاء القلوب'' میں موجود ہیں۔

طریق شغل نفی واثبات

کہ جس دم میں کرتے ہیں یہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے زبان کو تالو سے لگا لے

اول دم کو ناف سے کھینچ کر دل میں قرار دے پھر اسی طرح کلمۂ لا الہ کو دل سے نکال کے اور داہنے مونڈھے پر لیجا کے الا اللہ کی ضرب دل پر مارے، اسی طرح اول روز دس دم ہر دم میں تین تین بار مشغول ہو، پھر ہر روز درجہ بدرجہ ایک ایک بار زیادہ کرتا رہے حتیٰ کہ حرارتِ باطن پیدا ہو کر تمام بدن میں سرایت کرے اور خطرہ دفع ہو کر ذکر تمام اعضا میں جاری ہو اور محبت اور عشق الٰہی ظہور کرے۔

طریقہ مراقبہ کا یہ ہے کہ دوزانو نماز کی طرح سر جھکا کے بیٹھے اور دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے حق سبحانہ تعالیٰ کی حضور میں حاضر رکھے، اول اعوذ باللہ و بسم اللہ پڑھ کے تین بار الله حاضری الله ناظری الله معی زبان سے تکرار کر کے پھر مراقب ہو کے ان کے معنوں کا دل میں ملاحظہ کرے اور تصور کرے یعنی جانے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حاضر ناظر میرے پاس ہے، اس جاننے میں اس قدر خوض کرے اور مستغرق ہو کہ شعور غیر حق کا نہ رہے یہاں تک کہ اپنی بھی خبر نہ رہے، اگر ایک آن بھی اس سے غافل ہو تو مراقبہ نہ ہوگا۔

دوسرا مراقبہ: الله نور السموات و الارض اور انوار الٰہی کو کہ ہر زمان ومکان میں موجود ہے جیسا کہ وجودِ ہستی اسکا ہر جگہ ثابت ہے ملاحظہ کرے اور مستغرق ہو جائے۔

طریقۂ ذکر اسم ذات جو لطائف ستہ سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کے اور آنکھیں بند کر کے بزبان خیال دلِ صنوبری سے اللہ اللہ کہے، اس طرح سے کہ اس اسم کو غیر ذات نہ جانے اس حیثیت کو بمقدور اپنے اٹھتے بیٹھتے ترک نہ کرے، اسی طرح چھ لطیفوں کو ترتیب مذکور کے ساتھ جاری کرے یہاں تک کہ خود ان کے ذکر سے واقف ہو، اے عزیز! جان تو کہ جسم انسان میں چھ لطیفے ہیں یعنی چھ مقام ہیں جو کہ فیضان و برکات اور انوار الٰہی سے لبریز ہیں۔

(۱) اول لطیفۂ قلبی ہے کہ مقام اسکا دوانگشت نیچے پستان چپ کے واقع ہے اور نور اس کا سرخ ہے (۲) دوسرا لطیفہ روحی ہے، جگہ اس کی دوانگشت نیچے پستانِ راست کے ہے اور نور اس کا سفید ہے (۳) تیسرا لطیفہ نفسی ہے کہ مقام اس کا زیر ناف ہے اور نور اسکا زرد ہے (۴) چوتھا لطیفہ سری ہے کہ جگہ اس کی مابین سینے کے ہے اور نور اس کا سبز ہے (۵) پانچواں لطیفہ خفی ہے ٹھکانا اس کا پیشانی ہے نور اس کا نیلگوں ہے (۶) چھٹا لطیفہ اخفیٰ ہے موضع اس کا ام الدماغ ہے، نور اس کا سیاہ ہے مثل سیاہی چشم کے۔ پس طالب کو چاہئے کہ ان چھ لطیفوں کے ذکر اور شغل میں اس قدر مشغول ہو اور مشق کرے کہ اثر ذکر کا ظاہر ہو باقی اذکار اور اشغال اور مراقبات بہ تفصیل تمام مع سلوک کامل ضیاء القلوب'' میں ملاحظہ ہوں۔

شجرۂ چشتیہ

بدانکہ فقیر امداداللہ عفی اللہ عنہ را نسبت بیعت واجازت از مولانا ومرشدنا حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی است وایشاں را از حضرت حاجی عبدالرحیم از شاہ عبدالباری از شاہ عبدالہادی از شاہ عضدالدین از شاہ محمد مکی از شاہ محمدی از شیخ محبّ اللہ الہ آبادی از شیخ ابوسعید از شیخ نظام الدین از شیخ جلال الدین از شیخ عبدالقدوس گنگوہی از شیخ محمد عارف از شیخ احمد عارف از شیخ عبدالحق رُدولوی از شیخ جلاالدین پانی پتی از شیخ شمس الدین از شیخ علاؤالدین صابر از شیخ فریدالدین از شیخ قطب الدین از خواجہ معین الدین از خواجہ عثمان از خواجہ حاجی شریف زندنی از خواجہ مودود از خواجہ یوسف از خواجہ ابو محمد محترم از خواجہ ابی احمد ابدال چشتی از خواجہ ابی اسحاق شامی از خواجہ مُشاد از خواجہ ابوہبیرہ

بصری از خواجہ حذیفہ مرعشی از خواجہ سلطان ابراہیم از خواجہ فضل از خواجہ عبدالواحد از خواجہ امام حسن بصری از امیر المؤمنین علی رضوان اللہ علیہم اجمعین از حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ۔

فائدہ: اس شجرۂ طریقت کو حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علیؒ نے عربی میں منظوم فرمایا ہے، اور اسی شجرۂ مبارکہ کو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فارسی زبان میں منظوم فرمایا ہے جس کی افادیت کے بارے میں حضرتِ مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا: ''اگر ممکن ہو تو روزانہ شجرۂ منظومہ حضرت نانوتویؒ ایک مرتبہ پڑھ لیا کیجئے اور مشائخِ طریقت کے لئے ذکر شروع کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کیا کیجئے، درود شریف تین مرتبہ، سورۂ فاتحہ تین مرتبہ، سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ، درود شریف تین مرتبہ پڑھ کر دُعا کیجئے کہ پروردگار اس کا ثواب میرے مشائخ طریقت کو پہنچادے اور ان کی برکت سے ان کے طفیل میں میرے دل کو اغیار سے پاک اور اپنی معرفت کے انوار سے منور کردے''۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے زمانۂ اقدس میں اس شجرۂ مبارکہ کو دلکش اردو نظم میں مرتب کیا گیا تھا اور حضرت گنگوہیؒ نے اس شجرہ کو فارسی زبان کی مختصر نظم میں منظوم فرمایا ہے جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے:

یاالٰہی کن مناجاتم بفضلِ خود قبول	از طفیلِ اولیائے صابری
بہر امدادو بنور وحضرتِ عبدالرحیم	عبدباری عبدہادی عضد دین مکّی ولی
ہم محمدی و محبّ اللہ و شاہِ بوسعید	ہم نظام الدین جلال وعبدقدوس احمدی

هم محمد و عارف هم عبد حق شیخ جلال　　شمس دین ترک وعلاؤالدین فرید جودهنی

قطب دین وهم معین الدین وعثمان وشریف　　هم مودود وابو یوسف هم محمد واحمدی

بو اسحاق وهم به ممشاد وهم هبیره نامور　　هم حذیفه وابنِ ادهم هم فضیل مُرشدی

عبدواحد هم حسن بصری علی فخرِ دین　　سید الکونین فخرالعالمین بشری نبی

پاک کُن قلب مرا تُو از خیال غیر خویش　　بهر ذات خود شفایم دِه ز امراضِ دلی

(ماخوذ از چراغِ محمدؐ ص ۲۴۸)

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلے کی برکت

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سلسلے میں بھی کتنی برکت رکھی ہے، اور ان سے عوام وخواص کو کتنا فیض پہونچا اللہ اکبر! کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ہوئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ان میں سے ہر ایک نے دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، جہاد کے اندر بھی خوب بہادری سے کام کیا، تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے بھی دین کی اشاعت کی، حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے قرآن پاک کی تفسیر ''بیان القرآن'' لکھی، علم حدیث میں اعلاء السنن لکھوائی، فقہ حنفی کو فروغ دینے کیلئے مختلف کتابیں لکھیں، علم تصوف کا بھی خوب کام کیا اور اس کے اندر کتابیں تصنیف کیں، التکشف عن مہمات التصوف، بوادر النوادر، اور اس کے علاوہ اسی طرح حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بھی حق تعالیٰ شانہ نے خوب فیض پہنچایا خود انہوں نے علم دین کی کتنی خدمات کیں اللہ اکبر! پھر ان کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھویؒ نے اسی طرح دینی خدمات انجام دیں ''بذل المجہود'' لکھی اور جگہ جگہ پر مناظرہ کیلئے تشریف لے

گئے، ہر وقت شمشیر برہنہ کی طرح تیار رہتے تھے اور ''مطرقۃ الکرامۃ'' ردشیعہ میں اور ''براہین قاطعہ'' جیسی کتابیں لکھیں اور ایک زمانہ تک دورۂ حدیث شریف تک کی پوری کتابیں حضرت علیہ الرحمہ نے خود پڑھائی اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو دیکھو! کہ کتنا بڑا کارنامہ دین کا انجام دیا یعنی تبلیغی جماعت کی چلت پھرت جو ہو رہی ہے یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ہی فیض ہے، عرب وعجم میں لوگ کس طرح پھر رہے ہیں، نیز حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ مہاجر مدنی سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کو دیکھ لو! دین کی کتنی خدمات انجام دیں، مؤطا امام مالک کی شرح لکھی جس کا نام اوجز المسالک ہے اسی طرح الکوکب الدری، لامع الدراری تصنیف فرمائیں، تبلیغی نصاب اور فضائل کی کتابیں تصنیف فرمائیں جو سب جگہ پڑھی اور سنائی جارہی ہیں، مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔ (ملفوظات فقیہ الامت رص ۱/۹۱)۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے بیعت کی شروعات

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور وطن آکر تعلیم وتربیت میں اور تزکیہ واحسان کی محنت میں مصروف ہوگئے، چنانچہ مولانا کو وطن واپس ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک عفت مآب نیک دل عورت نے آپ سے بیعت کی درخواست کی، امام ربانی نے طبعی تواضع کے سبب درخواست نامنظور فرمادی اور ٹالدیا، خدا کی شان کہ حضرت نانوتہ تشریف لیجانے کی نیت سے روانہ ہوئے اور اسی سفر میں گنگوہ حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس قیام فرمایا، صاحب نصیب عورت کو اپنے درد کا درماں حاصل کرنے کیلئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا کہ پیر کی بے اعتنائی کا گلہ وشکوہ دادا پیر سے کیا جائے، اور باپ کی شکایت ہو تو جد بزرگوار سے ہو، پس

حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دیکھئے حضرت میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور مولانا بیعت قبول نہیں فرماتے، اب کیا تھا حضرت کے لطف ولطافت آمیز سوال تھے کہ کیوں صاحب سائل کی درخواست کیوں منظور نہیں ہوتی؟ اور حضرت مولانا شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے، اگر جواب تھا تو کبھی یہ کہ حضرت میں اس قابل نہیں، یا اس طرح کہ آقائے زمانہ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے غلام کی کیا طاقت کہ کسی کا آقا بنے، مگر حضرت بار بار یہی فرماتے تھے کہ جب کسی کو تم ہی سے عقیدت ہو تو وہ میرا مرید ہو کر کیا نفع اٹھائے گا، خلاصہ یہ کہ حضرت اٹھے اور امام ربانی کو اپنے ہمراہ درخواست کنندہ عورت کے مکان پر لائے اور فرمایا لو میرے سامنے بیعت کرو (امداد المشتاق رص ۲۳)۔

اس پوری داستان میں سالکین راہِ طریقت کیلئے بہت کچھ سامان عبرت ونصیحت کا موجود ہے، اور ان حضرات کیلئے بھی بہت بڑی بصیرت کا سامان ہے جو اس دور میں بیعت وسلوک کا انکار کررہے ہیں، کوئی تو بالکل ہی انکار کررہا ہے اور کوئی اس کو انفرادی عمل بتا کر لوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت کو نکالنے کے درپے ہے، اور اس سے بھی زیادہ افسوس ان لوگوں پر ہے جن کے آباء واجداد خود راہِ سلوک ومعرفت سے گذرے، بیعت ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ہاتھ پر بیعت کیا، لیکن پھر بھی ان کے بعض متعلقین یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اپنی طرف دعوت ہے، استغفر اللہ العظیم! یہ ان بزرگوں پر کتنا بڑا اتہام ہے اور ان کی مخلصانہ ومومنانہ، داعیانہ اور مبلغانہ کاوشوں کو ختم کرنے کی کتنی بڑی سازش ہے، یہ وہ عظیم فتنہ ہے جس کی خبر بعض اکابر نے قبل از وقت ہی دیدی تھی، کیا جس وقت حضراتِ صحابہ کرامؓ رسول پاک ﷺ کے دستِ حق پرست پر درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے وہ انفرادی عمل کررہے تھے؟ اور وہ اپنی طرف دعوت دی جارہی تھی؟ قرآن

پاک کہتا ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحاً قَرِيْبًا الآیہ (الفتح ۲۶) پھر یہی عمل عہد نبوی شریف سے مسلسل چلتا رہا اور ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ کا یہ طریقہ کار رہا اور پوری دینا اس سے فیضیاب ہوئی۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان اور اس میں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا جس کے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا،[1] آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور نا گوار بھی ہوگا، رخصت چاہی، حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو، میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہئے، تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمایا میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھانا، دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا، حضرت نے مجھے دستر خوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا

---

[1] آج بھی جو غیرت مند اور مخلص مریدین ہیں ان کی دلی تمنا اور جذبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے مشائخ کی خدمت کریں ان پر طعام وغیرہ کا بوجھ نہ ڈالیں یہ ایک سمجھداری اور عقلمندی کی بات ہے اور بعض ایسے ہیں جو خانقاہوں میں اسی جذبہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ وہاں اچھا کھانے کو ملے گا اور آرام کریں گے اور جب اس میں کچھ کمی آجاتی ہے تو پھر وہ بھاگ جاتے ہیں اور نام نکالتے ہیں گویا کہ وہ اسی لئے آئے تھے اپنی تربیت کیلئے نہیں آئے تھے حالانکہ تربیت کیلئے آنا چاہئے اور تربیت نام ہی ہے مجاہدہ کا جس میں سب سے بڑی چیز صبر وقناعت ہے۔

دیکھ کر حضرتؒ سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، حضرت نے بیساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھدیتا، اس فقرہ پر حضرتؒ نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ! میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا، میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرمارہے ہیں بالکل سچ ہے، اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے! جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے، اسکے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا، اس کے بعد فرمایا، اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے حالات وواردات پر مشتمل ایک عریضہ اپنے شیخ ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کو (اس والا نامہ کے جواب میں جس میں حضرت نے حضرت امام ربانی کے حالات دریافت کئے تھے) لکھا ہے اور ''مکاتیب رشیدیہ'' میں طبع بھی ہوگیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، حضرت امام ربانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

شیخ ومرشد کی خدمت میں مکتوب

حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے میرے ماوی دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے، جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں، مجبوراً کچھ لکھنا

پڑتا ہے، حضرت مرشدمن! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالبًا عرصۂ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے ہیں، اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے، اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے، اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق سے نفع وضرر کا التفات نہیں، نیز کسی کے مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی اور ذام ومادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعًا نفرت اور اطاعت کی طبعًا رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے، بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے، یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، والسلام ۱۳۰۶ھ (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۷۲)۔

اور بعض حضرات اس کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نصوص میں تعارض ختم ہو گیا، مادح وذام برابر ہو گئے ہیں اور شریعت پر عمل طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، حضرت نے فرمایا الحمد للہ اول صفت کمال علم کی دلیل ہے اور دوسری کمال اخلاق کی اور تیسری صفت کمال عمل کی، اس طرح کمال علمی، عملی اور اخلاقی حاصل ہو گئے۔

مولانا گنگوہیؒ اپنے پیر ومرشد کی نظر میں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شخصیت اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی نظر میں:

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو مکہ مکرمہ سے خطوط تحریر فرماتے ہیں جن میں سے بعض کے مضامین اور القاب مندرجہ ذیل ہیں۔

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ۔

بخدمت فیض درجت، منبع علومِ شریعت وطریقت عزیزم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب ودرجات عالیات عطاء فرماوے، اور آپ کی ذات بابرکات کو ذریعہ ہدایت خلق فرماوے آمین۔

الحمد للہ آپ کی کیفیات باطنی وحالات مقدسہ سن کر کروڑ کروڑ شکر اللہ کا بجالایا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور قرب کو ترقی بالائے ترقی بخشے اور ہم بے بہروں کی نجات کا وسیلہ بنائے۔

ایک اور خط میں تحریر فرمایا: از مکہ معظمہ حارۃ الباب ۳۰؍ رجب ۱۳۰۷ھ ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئی اس کو بھلا نہیں سکتی اور جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے۔

از مکہ مکرمہ ۲۳؍ رمضان شریف ۱۳۱۰ھ از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت سراپا خیر وبرکت سراسر خلوص ومحبت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ فقیر خیریت سے ہے آپ کے واسطے دعائے خیر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عشق ومحبت رضاء وتسلیم میں رکھ کر آپ کا فیض جاری کر کے حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

ایک دوسرے خط میں عارف باللہ کے مبارک لقب سے یاد فرمارہے ہیں: از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت، سراپا خیر و برکت، عارف باللہ عزیزم جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

الحمد للہ فقیر خیریت سے ہے اور آپ کی صحت و سلامتی خدا تعالیٰ کی جناب سے مطلوب، از مکہ مکرمہ ۱۲؍ رجمادی الاول ۱۳۱۱ھ۔

خط نمبر ۸؍ ملاحظہ ہو، از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت جامع شریعت و طریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی ادام اللہ فیوضہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، اللہ تعالیٰ آپ کی ذات بابرکت کو باعث استقامت خلق و وسیلۂ ہدایت کرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلاوے اور مارے، اور فقیر کا بھی وقت قریب ہے دعائے حسن خاتمہ سے مدد فرماویں۔

از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت بابرکت و فیض درجت عزیزم مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات جس نے مشاہدہ کئے ہیں وہ بیشک آپ کی محبت از سنتِ مصطفویہؐ اور تعظیم احمدی کا اندازہ کرسکتا ہے ہم چند باتیں چشم دید کی جن سے اکثر حضرات واقف ہوں گے بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ نبویہؐ کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا، بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین و خدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے تو صندوقچہ خود اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر

اول اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے۔

(۲) مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت وحفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضارِ بارگاہِ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم وادب سے اسی طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں، حالانکہ بصرہ، سندھ وغیرہ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں مگر ان کی وقعت اس سے زیادہ ہرگز نہ تھی کہ جملہ میووں میں سے یہ بھی ایک میوہ ہے۔

(۳) مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے، ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے مثل چھالیوں کے کتر وا کر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔

(۴) احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمراہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوئے تھے تو بھائی صاحب سے پہلی ہی حاضری میں حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریفہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں؟ چونکہ وہ احقر کے پاس موجود تھی اس لئے باادب ایستادہ پیش خدمتِ اقدس کیا تو نہایت وقعت وعظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد نماز عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاً للسنہ اس سرمہ کو آخر وقت تک استعمال کرتے رہے، اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔

(۵) بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے، حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کو دیکھا، بعض طلباء اور حضار

مجلس نے عرض کیا کہ حضرت! اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی، یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے، اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی معلوم نہیں ہوتی، حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اسکو ہوا تو لگی ہے، اس وجہ سے اس کو ایک اعزاز اور برکت حاصل ہوئی، پس خیال کرنے کی بات ہے کہ جس شخص کا محبت نبویؐ میں یہ حال ہو کہ دیارِ محبوب کی گٹھلیاں اور وہ گرد جو کہ محبوب کے روضہ کے ارد گرد اڑ کر جمع ہو گیا ہو (کیونکہ قبر مبارک تک بوجہ دیواروں کے جملہ اشیاء کا پہنچنا محال ہے) اس عظمت سے رکھا جاوے، اور وہ چیزیں جن کو کفار نے دار الکفر میں اپنے ہاتھ سے بنایا ہو دیارِ محبوب کی چند روز ہوا کھانے کی وجہ سے تبرک عظیم بن جاویں خود احقر (حضرت مدنیؒ) کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص مسجد نبوی میں نصب ہے اسی سال لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کئے تھے، ان کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستر۷۰ سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباء و مخلصین و محبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا، صاحبو! ہزاروں مدعین محبت سے احقر کو ملاقات کی نوبت آئی اور وہ خاص کھجوریں ان کو دی گئیں لیکن کسی کو اس اخلاص و عظمت کے ساتھ لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۶) حجرہ مطہرہ نبویہ کا جلا ہوا زیتون کا تیل وہاں سے حضرتؒ کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا، حضرت نے (باوجود نزاکت طبعی کہ جس کی حالت عام لوگوں میں ظاہر ہے) اس کو پی لیا حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے، مگر واہ رے عاشق سید رسل و شیدائے خاتم الانبیاءؐ باوجود اس نزاکت و نظافت کے اسے بلا تامل خوشگوار لذیذ چیز کی طرح نوش فرمایا اور اسے بجائے

اس کے کہ مَل کر جزوبدن بناتے پی کر جزوبدن بنالیا۔

(۷) حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہؐ کے ساتھ عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ آپ کو عربی مہینے چھوڑ کر بلاضرورت انگریزی مہینوں کا استعمال بھی گراں گزرتا تھا، مولوی اسمٰعیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گوالیار کب جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جولائی کی فلاں تاریخ کو، حضرت مولانا نے تأسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ وتاریخ نہیں ہیں جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جاوے، یہی وجہ ہے کہ حضرت کی تحریرات میں کہیں انگریزی یا ہندی مہینوں کا نام نہیں۔

(۸) حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز ''زبدۃ المناسک'' میں فرماتے ہیں اور جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے، پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت کرے، اور جب عمارت وہاں کی نظر آوے تو درود پڑھ کر کہے **اللھم ھذا حَرَمُ نَبِیّکَ فجعله وقایةً لی من النار اماناً من العذاب وسوء الحساب** اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا پاک صاف اچھا لباس پہنے اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر ہے، خوشبو لگائے اور پہلے سے تیار ہولے اور خشوع خضوع جس قدر ہو سکے فروگزاشت نہ کرے، اور مکان کی عظمت خیال کیے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ منورہ میں داخل ہو کہے **رب ادخلنی مدخلاً کریما** اور ادب اور حضور قلبی کے ساتھ دعا کرتا رہے اور درود شریف بہت پڑھے، وہاں جابجا مواقع قدم رسول اللہ ﷺ ہیں (امام مالکؒ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ مجھ کو حیاء آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب اللہ ﷺ چلے پھرے ہوں) اور بعد تحیت المسجد کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ

نعمت اس کو نصیب کی ہے، پھر روزۂ اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہو اور باادب تمام خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت ﷺ کی لحد شریف میں آنجناب کو قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور کہے ''السلام علیک یارسول اللہ الخ'' اور بہت پکار کر نہ بولے آہستہ خشوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے، اور پھر حضرت ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے یا شفاعت چاہے کہے یارسول اللہ ﷺ **اسئلک الشفاعةَ واتو سّلُ به الی اللّٰہِ فی اَنْ اَمُو تَ مسلماً علی ملّتک وسُنَّتِک** اوران الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں اور درود شریف اور دعاء سے غافل نہ ہو جس قدر کثرت ہو بہتر ہے اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے، اور صلوٰۃ وسلام خوب پڑھتا رہے اور راتوں میں بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے۔

(۹) حضرت مولانا گنگوہیؒ چونکہ بہت متبع سنت تھے (اتباع سنت دراصل ثمرۂ محبت رسول اللہ ﷺ ہے) ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں، لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب حضرت مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر چپلوں پر رکھا پھر سیدھا پاؤں نکالا اس کو داہنی چپل میں ڈالا، اس کے بعد بایاں چپل پہنا، سبحان اللہ کیسے دونوں سنتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے (از ارواح ثلاثہ)۔

حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''بر تصویر روضہ منورہ حضرت سرور عالم ﷺ ونقشہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً ونقشہ مکہ مکرمہ کہ در دلائل الخیرات واقع است بوسہ دادن وچشم مالیدن از روئے شرع جائز است یا نہ''؟۔

الجواب: بوسہ دادن وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگر از غایت شوق سرزد، ملامت وعتاب ہم برجا نباشد، کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب: صحیح اشرف علی عفی عنہ ۲ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد الفتاوی جلد ۴ر ص ۲۸۰)۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات چیت بہت کم کرتے تھے، مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ربیع الاول میں ایک مرتبہ آئیں وہ تو محب اور عاشق ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جائے کیسا غضب ہے صاحبو! کہاں گیا انصاف اور تدیّن یعنی دینداری (ماخوذ از وعظ النور ص ۲۰۶)۔

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ہمارے قریب میں ایک قصبہ ہے ''جلال آباد'' وہاں پر ایک جبہ شریف ہے جو کسی بڑے اللہ والے کی طرف منسوب ہے، اس کی زیارت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اس کے متعلق میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی وقت میں زیارت میسر آنا ممکن ہو تو ہرگز دریغ نہ کریں، بتلایئے یہ باتیں وہابیت کی ہیں۔

(ملفوظ ر ص ۱۸۴ ر حصہ چہارم الافاضات الیومیہ ر جامعہ ساہیوال کا دار العلوم نمبر ر ص ۵۲۵ ج ۲)

جہادِ آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد طبقۂ علماء کے رئیس وسرخیل یعنی حضرت اقدس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کر رہے

ہیں ان کے انسداد کی تدبیریں اختیار کرنی شروع کر دی تھیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی تھی، چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے ۱۸۴۶ء میں انتقال کے بعد حضرت حاجی امداد اللہؒ چوتھے امام مقرر ہوئے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتدا ہوئی، یہ حضرات بھی تیار تھے، حضرت حاجی صاحب کے شریک کار حضرات علماء کرام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا عبدالغنیؒ، اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ کے درمیان جہادِ حریت کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال ہوا، مولانا شیخ محمد نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد حریت کی مخالفت کی، مولانا محمد قاسم نے فرمایا کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟ حضرت امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ الحمدللہ انشراح ہوگیا اور جہاد کی تیاری شروع کردی، امیر امداد اللہؒ نے امامت قبول کی اور مولانا نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے، اس طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا [1]۔

[1] اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تذکرۃ الرشید میں اس طرح لکھا ہے: کہ جب قصبہ تھانہ بھون اور اس کے پورے اطراف میں بدامنی پھیل گئی اور فتنہ وطوفان عام ہوگیا اور سرکار نے یہ اعلان کر دیا کہ اب ہر شخص اپنی خود حفاظت کرے ہم اپنی طرف سے امن وامان قائم نہیں کر سکتے تو قصبہ کے لوگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھالیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہئے، آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اس لئے دنیوی نظمِ حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیر المؤمنین بنکر ہمارے باہمی تقضیے چکا دیا کریں، اسمیں شک نہیں کہ حضرت کو ان کی درخواست کے موافق ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ نے دیوانی وفوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک قاضی شرع بن کر فیصل بھی فرمائے، اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونے کی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا، حضرت امام ربانی قدس سرہ دس برس ہوئے حضرت کو اپنے دین ودنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے ہمیشہ آمد ورفت رہتی ہی تھی اب جبکہ حکومت کے فیصلے اور شرعی قضا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ مع دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے (تذکرۃ الرشید ص ۷۴)۔

تذکرۃ الرشید میں رص ۷۳ رپر لکھتے ہیں: جسکی ابتداء یہ تھی کہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی خان کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خان چند ہاتھی خریدنے سہارنپور گئے وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا جس کو زمیندارانہ مخاصمات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی کہ فلاں رئیس بھی باغی ومفسد ہے، چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے، زمانہ تھا اندیشہ ناک اور احتیاط کا اسی وقت فوج دوڑ گئی اور رئیس گرفتار ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیر خواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانے کی خبر ملی، اس صدمہ سے عنایت علی خان پر رنج وغم کے پل ٹوٹ پڑے اور جوش حزن میں بھائی کے انتقام کا خیال پختہ ہو گیا، اتفاق سے چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں سہارنپور سے کیرانہ کی طرف لے جا رہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی، وہ اپنے رفقاء اور رعایا کو ساتھ لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور جس وقت سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے میگزین (یعنی کارتوسوں کی بیلٹ) چھین لی، ایک سوار اسی جنگ میں زخمی ہو کر سمت مشرق جنگل کو بھاگا مگر تھوڑے ہی فاصلہ پر گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس واقعہ کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ بھون پر فوج کشی کا حکم ہو گیا جس پر عنایت علی خان اور ان کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا اس معرکہ میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ، اور حافظ ضامنؒ ہمراہ تھے، بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا یہ نبرد آزما جتھا بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہیں تھا اس لئے پہاڑ کی طرح جم کر ڈٹ گئے اور دوسرا گروہ

ہاتھوں میں تلواریں لئے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمارہا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے، چنانچہ ان حضرات پر فائرنگ ہوئی اور حضرت ضامنؒ زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوئے، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا اس نے یہ سمجھا کہ کنپٹی میں گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی، حضرت حاجی امداد اللہؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کیا ہوا؟ میاں! عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے۔

حضرت حافظ ضامنؒ کی شہادت[1]

معرکۂ جنگ جاری ہے اسی گھمسان میدان میں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پاس بلایا اور فرمایا "میاں رشید احمد میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور ہونا" تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا، حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت

---

[1] آپ ہندوستان کے کبار اولیاء اللہ میں تھے، صاحب فضل و کمال اللہ کے عشق و محبت سے سرشار رہا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۲۶۹ ج ۲) ہمارے شیخ و مرشد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ اقوال سلف میں ص ۱۰۶ حصہ چہارم میں لکھتے ہیں: آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ہم زمانہ اور رفیقوں میں سے تھے، عام طور پر تینوں حضرات جن میں تیسرے حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ تھے، تھانہ بھون کی خانقاہ "جو مسجد پیر محمد" میں واقع ہے اس میں جمع رہتے، جن کو اقطاب ثلثہ بھی کہا جاتا تھا۔ آپ بھی حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی طرح حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ کے خلیفہ تھے، مگر عموماً مرید نہ کرتے تھے، اگر کوئی بیعت ہونے کے لئے آتا تو فرماتے: "بھائی بیعت ہونا ہے تو حاجی صاحب کے پاس جاؤ وہ خانقاہ میں اندر بیٹھے ہیں اور اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو مولانا محمد محدث صاحب کے پاس جا کر پوچھو، اور اگر حقہ پینا ہے تو میرے پاس بیٹھ جاؤ" آپ نے ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ پیر کے دن ظہر کے وقت شربت شہادت نوش فرمایا، اور قصبہ تھانہ بھون میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ (اقوال سلف ص ۱۰۸ حصہ چہارم)۔

مولانا گنگوہیؒ نے لپک کر نعش کو کندھے پر اٹھالیا، قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے، آنکھوں میں آنسوں تھے، یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے وصال ہو گیا، اہلکاران تحصیل انگریزی اس جنگ میں کام آئے اور خزانہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا، جب کچھ سکون ہوا تو تھانہ بھون کو انگریزی فوج نے گھیر لیا اور مشرقی جانب سے گولہ باری شروع کی، دن نکلنے پر فوج قصبہ میں داخل ہوگئی اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا، رات کی تاریکی چھانے سے پہلے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دئے گئے اور مکانات پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگادی گئی، اس کس مپرسی کے عالم میں لوٹ مار خوب ہوئی غرض یہ کہ رات کی تاریکی ختم ہونے سے پہلے پہلے تھانہ بھون مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گرفتاری کے وارنٹ

ان تینوں حضرات حضرت حاجی امداد اللہؒ مولانا قاسمؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے ان پر یہ الزامات تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے، تھانہ بھون کی بستی کی دکانوں کے چھپر انہوں نے تحصیل کے دروازے پر جمع کئے اور اس میں آگ لگائی، یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی ان نڈر مولویوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا حالانکہ یہ باتیں بالکل لغو اور غلط تھیں یہ قدسی صفات اور پاک نفوس ان خرافات سے پاک تھے، مخلص اہل اللہ حضرات کی اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے حفاظت فرمائی اور ان اثرات کا کچھ ثمرہ مرتب نہ ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ نے اسی قصبہ میں مولانا قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو الوداع کہا اور حجاز جانے کیلئے روانہ ہو گئے، ان ایام میں مولانا قاسمؒ بھی روپوش رہے، حضرت حاجی امداد اللہؒ کے روانہ ہونے کے بعد حضرت گنگوہیؒ کو ان کی مفارقت کا بے پناہ صدمہ تھا آپ کو اس صدمہ میں نیند نہیں آتی تھی، یہی خواہش تھی کہ کسی طرح ایک مرتبہ اور زیارت کر لوں، حضرت حاجی امداد اللہؒ کی جائے قیام کا علم نہ تھا بصد دِقّت پتہ چلا یا کہ آپ ''پنجلاسہ'' پنجاب میں ہیں، چنانچہ وہاں پہنچے ملاقات ہوئی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے بے حد اصرار کیا کہ مجھ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیجئے مگر حضرت حاجی صاحب راضی نہ ہوئے اور فرمایا میاں رشید احمد تم سے تو حق تعالیٰ کو ابھی بہت کام لینے ہیں، گھبراؤ مت، ہندوستان سے نکلتے وقت تم سے ضرور ملوں گا۔

ظہورِ کرامت

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ راؤ عبد اللہ خاں رئیس کے گھوڑوں کے اصطبل کی ویراں و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے، ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور جاں نثار حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں، میں نفلیں پڑھ لوں، راؤ عبد اللہ خاں حضرت حاجی صاحبؒ کے جاں نثار مرید تھے اور غلبۂ حب دیں اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ ان کو نہ جان کی پرواہ تھی نہ مال کی، خدا کی شان جس وقت راؤ عبد اللہ خاں حضرت حاجی امداد اللہؒ کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر آئے اور دروازہ بند کر کے اصطبل کے دروازے کے قریب پہنچے تو سامنے پولیس کو آتے دیکھا تو ششدر و حیران

کھڑے کے کھڑے رہ گئے، پولس اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں، راؤ صاحب تاڑ گئے بے بس تھے اپنی جان یا عزت جانے ریاست کے ملیا میٹ ہونے اور جیل خانہ بھیجے یا پھانسی پر چڑھنے کی ان کو مطلق پرواہ نہ تھی، اگر فکر تھا تو یہ کہ میری نظروں کے سامنے حضرت کو پابہ زنجیر کیا جائیگا تو کیا ہوگا، اسی غور و فکر میں مستقل مزاجی کے ساتھ راؤ صاحب افسر سے گفتگو کرتے رہے افسر نے کہا میں نے آپ کے گھوڑوں کی تعریف سنی ہے اس لئے بلا اطلاع یکا یک آنے کا اتفاق ہوا، اصطبل کی جانب قدم اٹھائے، راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ہو گئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کر دی، افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کو دیکھتا ہوا اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں حضرت حاجی امداد اللہؒ کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہہ کر ''اس کوٹھری میں کیا گھانس بھری جاتی ہے'' اس کے دروازے کھول دیئے جس وقت کوٹھری کا دروازہ کھلا تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا، لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی بکھرا ہوا تھا مگر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا پتہ نہ تھا، افسر متحیر و حیران اور راؤ عبد اللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی کرامت پر شاداں، کچھ عجب سماں تھا کہ افسر نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار، کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر دیکھتا ہے آخر بول اٹھا یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟ راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو کرتے ہیں، افسر نے ہنس کر کہا کہ آپ لوگوں کی نماز کے لئے مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری؟ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا جناب مسجد فرض نماز کیلئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، جب پولیس چلی

گئی تو راؤ عبداللہ واپس ہوئے، کوٹھری کھولی دیکھا تو حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سلام پھیر چکے ہیں اور مصلیٰ پر بیٹھے ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، اللہ پاک اپنے خاص بندوں کی کیسے حفاظت کرتے ہیں۔

گرفتاری اور زنداں

حضرت گنگوہیؒ تھلا سہ پنجاب سے گنگوہ تشریف لائے ہی تھے کہ یہاں کے احباب نے اصرار کیا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے، چنانچہ اپنی دادھیال قصبہ رام پور چلے گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان میں مقیم ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی پور ضلع سہارنپور مخبر کے ہمراہ ستر سواروں کے ساتھ گنگوہ پہنچے اور آتے ہی مولانا کی تلاش کیلئے سوار ادھر اُدھر پھیل گئے، مسجد اور خانقاہ کے حجروں کو دیکھا، ان کے ملنے والوں کے مکان کی تلاشی بھی لی، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب جو صورت وضع میں حضرت سے بہت مشابہت رکھتے تھے مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کر سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ میں لے کر پکارا ''چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے'' مولوی ابوالنصر نے گردن اٹھائی اور جدھر اس نے کہا، چل کھڑے ہوئے، حضرت مولانا کے دروازے پر ان کو لا کھڑا کیا اور کہا کہ گھر کی تلاشی دلوا اور دکھا کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک مولوی ابوالنصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں بتایا کہ میں ''مولوی رشید احمد نہیں ہوں'' جب فوجیوں کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا رشید احمد نہیں ہیں اور ان کو حکیم امیر بخش نے بتلایا کہ مولانا رام پور میں ہیں اس

وقت مولوی ابوالنصر کی رہائی ہوئی انہی کی مخبری پر گرفتاری ہوئی۔

فوجی رام پور میں پہنچے اور مولانا گنگوہیؒ کو حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار کیا آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دئے گئے اور بند بہلی (اس زمانہ کی ایک سواری ہوتی تھی) میں آپ کو سوار کر کے سہارنپور روانہ کیا، بیل تیز رفتار تھے اور حکم یہی تھا کہ جلد سے جلد لے جاؤ، اس لئے کچی سڑک پر وہ خاک اڑتی تھی کہ راہ گیروں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی تھیں، مولوی ابوالنصر پریشان اور ان کے بوڑھے باپ مولوی عبدالغنی جنہوں نے مولانا کو پرورش کیا تھا ننگے پاؤں پاپیادہ سواروں کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرتے، بہلی کے پیچھے پیچھے آرہے تھے، صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا عالم پریشانی میں ڈوبے ہوئے غبار سے آنکھیں بند ببول کے کانٹوں سے پاؤں زخمی خدا جانے کہاں جا رہے تھے اور کس طرف قدم اٹھ رہا تھا، آخر ایک جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیل خانے بھیج دیئے گئے اور جنگی پہرہ کی نگرانی لگادی گئی، مولانا ابوالنصر کو جس وقت ہوش آیا وہ پھر دوڑے راستہ میں سہارنپور کے ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا سہارنپور کے جیل خانہ میں ہیں، مولانا ابوالنصر خود بھوکے پیاسے تھے مگر ان کو حضرت کی بھوک کا زیادہ فکر تھا، چنانچہ انہوں نے نانوتہ کے کسی شخص کی معرفت حضرت کو کھانا پہنچایا وہاں سے کنکریوں پر کوئلہ سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پہنچا ''کچھ مت گھبراؤ بحمد اللہ آرام میں ہوں'' حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اہلیہ محترمہ جن کے والد ماجد مولوی محمد تقی صاحب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید ہو چکے تھے، انہوں نے جب حضرت کی گرفتاری کی خبر سنی تو خدا کا شکر ادا کیا کہ حق کی راہ میں باپ شہید ہوا اور خاوند جیل میں ہے۔ سبحان اللہ! یہ تھا اس زمانہ کی نیک عورتوں کا جذبہ اور خدا پر یقین

کا عالم اور آج جو کچھ ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تین چار یوم اندھیری کوٹھری میں بند رہے اور پندرہ روز جیل خانہ میں رہے، تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی، آخر عدالت سے حکم ہوا کہ واقعہ تھانہ بھون کا ہے اس لئے مقدمہ مظفر نگر منتقل کیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں دیو بند کے راستہ سے دو پڑاو کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور مظفر نگر کے جیل خانہ کی حوالات میں بند کر دئے گئے، دیو بند کے قریب سے جب جناب مولانا گنگوہیؒ گزرے تو مولانا قاسم صاحبؒ مقررہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے سے آ کھڑے ہوئے تھے، گو خود بھی ان کا وارنٹ تھا اور روپوش زندگی گزار رہے تھے، بیتابیٔ شوق نے اس وقت انہیں چھپنے نہیں دیا، دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے۔

ثابت قدمی اور رہائی

مظفر نگر کے جیل خانہ میں آپ کو تقریباً چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس زمانہ میں آپ کے استقلال، عزم، ہمت اور ارادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی، ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کی نماز ایک وقت بھی قضا نہیں ہوئی، حوالات کے دوسرے قیدی آپ کے معتقد ہو گئے تھے ان میں بہت سے آپ کے مرید ہوئے، با جماعت جیل خانہ کی کوٹھری میں نماز ادا کرتے تھے ارشاد ظاہری و باطنی سے آپ کسی دن غافل نہیں ہوئے، وعظ و پند و نصیحت کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور وحدانیت کا سبق دیا کرتے تھے، جب عدالت میں جاتے جو دریافت کیا جاتا بے تکلف اس کا جواب دیتے، آپ

نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کی کوشش نہیں کی جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر جان کر واقعات اور حقیقتِ حال کے مطابق دیا، پوچھا گیا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا؟ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تمکو پوری سزا دیں گے، آپ فرماتے کہ کیا مضائقہ ہے؟ بالآخر چھ مہینے جیل میں رہنے کے بعد آپ کی رہائی ہوئی۔

حضرت گنگوہیؒ سے ایک مرتبہ کسی شخص نے معلوم کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اطمینان رکھو حجاز روانہ ہوتے وقت تم سے مل جاؤں گا مگر آپ جیل میں رہے، آپ کی رہائی سے قبل حضرت نے بیت اللہ کو ہجرت فرمائی پھر یہ وعدہ کب پورا ہوا؟ حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا ''حضرت وعدہ خلاف نہ تھے'' چنانچہ دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے حضرت حاجی صاحب نے جیل خانہ میں جا کر کئی گھنٹہ حضرت گنگوہیؒ سے باتیں کیں اور عرب روانہ ہوئے۔

رہائی کے بعد خفیہ نگرانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رہا تو ہوگئے تھے لیکن ان پر، سی آئی ڈی کا پہرہ مرتے دم تک تھا، مریدوں کے روپ میں مہمان کی شکل میں مرید بننے کے بہانے سے آتے اور اپنا کام کر کے چلے جاتے تھے۔

حضرت مولانا ابوالنصر صاحب گنگوہیؒ

یہ حضرت مولانا ابوالنصر صاحب جن کا تذکرہ درمیان میں آیا ہے ان کے تعلق سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا: کہ گنگوہ میں ہندو چھڑی نکالا کرتے

تھے، جامع مسجد بن گئی تو انہوں نے سوچا کہ جامع مسجد کے سامنے سے نکال کر لے جائیں، بڑے بوڑھوں نے منع کیا کہ ایسا مت کرو، مولوی ابوالنصر صاحب کو خبر ہوگئی تھی، وہ آ کر کے جامع مسجد کے سامنے کھڑے ہوگئے تھے، انہوں نے مولوی ابوالنصر کو دیکھ کر کہا کہ ارے اکیلا ہے اس کو تو ماریں گے، بوڑھوں نے کہا ارے اس کو اکیلا مت سمجھو، اول تو وہ اکیلا تم سب سے مار نہیں کھائے گا اور اگر تم نے کوشش کر کے اس کو گرا بھی دیا تو ابوالنصر ایسا شخص نہیں کہ اس کے گرنے اور پٹنے پر مسلمان خاموش بیٹھ جائیں بلکہ شام سے پہلے پہلے تمہاری عورتوں کے لہنگے بازار میں پڑے ہوئے پاویں گے، بس عافیت اسی میں ہے کہ اس راستے سے مت جاؤ، اس کے بعد فرمایا حضرت دام مجدہ نے کہ اب وہ وقت تو ہے نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ص ۴۷ رقسط ۲)۔

فراستِ ایمانی بصیرتِ روحانی

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس درجہ عقیدت کا اظہار کیا کہ کوئی ان پر شک نہیں کرسکتا تھا کہ یہ حضرت کے معتقد نہیں ہیں، جس وقت حضرت کے سامنے آئے اور درخواست بیعت کی تو حضرت نے جھڑک دیا اور فرمایا جاؤ میرے یہاں تمہارا کام نہیں، میں ہرگز مرید نہیں کروں گا یہ شخص رویا اور حضرت کے متعلقین سے سفارش کرائی مگر جس نے بھی سفارش کی اس کو بھی یہی جواب ملا میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس کو مرید نہیں کروں گا، اس سے کہہ دو یہاں نہ ٹھہرے اگر نہ جائے تو نکالدو اور اس کا اسباب وسامان باہر پھینک دو، حضرت کی اس بے رخی پر لوگوں کو بھی افسوس ہوا مگر سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ تھا، اس کا اسباب وسامان خانقاہ سے باہر کردیا، اس برتاؤ پر بھی وہ حسن

عقیدت کا اظہار نہ چھوڑتا تھا اور رو رو کر کہتا کچھ بھی ہو میں تو ضرور بیعت ہوں گا، حکیم محمد یوسف صاحب کو اس کی یہ حالت دیکھ کر ترس آیا اس کو اپنی بیٹھک میں ٹھہرا کر وعدہ کیا کہ میں حضرت سے سفارش کروں گا کہ تمہیں مرید فرمالیں، دوسرے دن حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں گئے، کہنے کا ارادہ کرہی رہے تھے کہ حضرت نے خود ہی فرمایا آنے والا کہاں ہے؟ تم نے اسے کیوں ٹھہرا رکھا ہے، کرایہ کا انتظام کردو اور کہہ دو چلتا بن، اب ان الفاظ کے بعد حکیم صاحب خاموش ہو کر چلے آئے۔

بیٹھک میں قدم رکھا تو دیکھا کہ مسافر کتاب کھولے کچھ لکھ رہا ہے حکیم صاحب کے آتے ہی جلدی سے کتاب بند کر کے جزدان میں لپیٹ حمائل بنا کر گلے میں ڈال لی اب حکیم صاحب شبہ میں پڑ گئے شبہ پیدا ہوا کہ حمائل کو دیکھا جائے اس میں کیا ہے؟ حکیم صاحب نے ایک رات مسافر کو باتوں میں لگائے رکھا، کافی رات تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ نیند کے غلبہ سے وہ عاجز آ گیا جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سونا چاہتا ہے تو یہ کہہ کر چلے آئے ''اچھا اب سو جایئے'' مسافر لیٹا اور لیٹتے ہی گہری غفلت کی نیند میں سو گیا اس وقت انہوں نے اس کی گردن میں سے حمائل نکالی، لیمپ کے سامنے لا کر کھولی دیکھا تو کہیں انگریزی کہیں فارسی کہیں اردو اور کہیں عربی لکھی ہوئی ہے، عجلت کے ساتھ ورق گردانی کی تو ایک صفحہ پر کسی انگریز حاکم کے نام خط کی نقل پر نظر پڑی جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے گورنمنٹ کی خیر خواہی میں جان تو جان اپنے ایمان کی بھی پرواہ نہیں کی مگر افسوس میری قدر جیسی ہونی چاہئے تھی وہ نہ ہوئی۔

اس عبارت کو دیکھ کر حکیم صاحب کانپ اٹھے اور کتاب بند کر کے اسی طرح

مسافر کے گلے میں ڈال کر چلے گئے، علی الصباح کرایہ کا جانور لیا اور اس کو رخصت کردیا، حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں آئے تو حضرت مسکرائے اور آہستہ سے فرمایا ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا اس کو روانہ کردو، تم ہی نہیں مانے۔

سچ کہا کسی نے:

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

درسِ حدیث

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے رہائی کے بعد دوبارہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا تھا، صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند کے طلبا گنگوہ میں آنے لگے تھے پندرہ بیس سے لے کر ستر اسی طلباء ہر سال سند لے کر جاتے تھے، آپ کی تدریس میں ایسی محویت اور لذت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا تھا کہ تقریر کا سلسلہ دیر تک جاری رہے، حضرت کی تقریر ایسی عام فہم ہوتی تھی کہ پاس بیٹھے ہوئے عامی لوگوں کو بھی حرفاً حرفاً سمجھ میں آجاتی تھی، طلباء سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔

نیز ''اقوال سلف'' میں طریقۂ تدریس کے تعلق سے اس طرح لکھا ہے:

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک ایسے محدث تھے کہ ان میں اجتہاد واستنباط کی تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور وہ تمام صفات وخوبیاں جو ایک محدث، استاذ میں پائی جانی ضروری ہیں وہ سب آپ میں پائی جاتی تھیں۔

صحاح میں سب سے پہلے عموماً جامع ترمذی شروع کراتے، ہر حدیث کا ترجمہ

اور معنی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور مطلب کو اس طرح کھول کر بیان کرتے کہ کوئی الجھن باقی نہ رہتی، کسی حدیث کا بظاہر کسی دوسری حدیث سے یا کسی آیت سے تعارض نظر آتا تو اس کو دفع فرماتے، بقدر ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے، اگر سیاق وسباق میں کوئی مخفی ارتباط ہوتا تو اس کو کھولتے، ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتیں تو اس کا معنی ومطلب مثل سابق بیان فرماتے۔

حدیث شریف کے درس میں تمام طلبہ کو باوضو رہنے کی ہدایت فرماتے، پڑھاتے وقت خوش رو رہتے تاکہ سائل کو سوال کرنے میں جھجک نہ ہو، اگر کبھی طلبہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو کوئی ایسی لطیف حکایت یا واقعہ بیان فرماتے کہ طلبہ کی تکان دور ہو جاتی۔

حضرت مولانا مذہب حنفیہ کی اگرچہ مدلل مکمل ترجیح کرتے جاتے مگر کیا مجال کہ کسی جگہ کسی دوسرے فقیہ یا امام کی ذرا سی تنقیص ہو جائے، فرمایا کرتے کہ مجھے حنفی مسلک سے خاص محبت ہے اور اسکی حقانیت پر کلی اطمینان ہے (اقوال سلف رص ۲۴۸)۔

طالب علم جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دسترخوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے، جب طلبا کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت بڑھ گئے تو طلباء کو کھانا کھلانے کا وہ اہتمام آپ سے نہ ہو سکا جو کبھی کبھی آنے والے مسافر کا ہوتا تھا، مگر تین دن کی مہمانی ضرور قائم تھی، اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے، خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے ان کے لئے کھانا نہیں آیا، چونکہ یہ طالب علم مولوی نور محمد کا ملاقاتی تھا اس لئے ان کو یہ بات سنکر رنج ہوا اور انہوں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بے باکانہ

طور پر عرض کیا کہ طلبا کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو خود کھانا کھلاتے ہیں اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا یا نہیں؟ مولوی نور محمد صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی حرکت اور گستاخی وجرات پر بہت ندامت ہوئی مگر اس وقت جو کہنا زیبا نہ تھا وہ بھی کہہ گیا، میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور مجھ ناکارہ سے جو ادنیٰ شاگرد تھا معذرت کی اور فرمایا کہ بیشک میری غلطی ہے انشاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے، اس تاریخ سے حضرت نے طلباء کی مہمانی کسی معتمد شخص کے حوالے نہیں کی بلکہ جو کوئی آتا اس کو خود کھلاتے۔

تواضع وفروتنی

باوجود اس فضل وکمال کے آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ درس حدیث میں بارش شروع ہوگئی، طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں تپائیاں اٹھائیں اور چلدیئے، اس کے بعد طلبہ نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں اٹھائے چلے آرہے ہیں، طلبہ بہت نادم وشرمندہ ہوئے، فرمایا کہ: ’’اس میں کون سی بری بات ہے تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے، طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں، مچھلیاں سمندر میں، چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں، اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمانانِ رسول ﷺ ہو کہ حدیث شریف پڑھنے آئے ہو‘‘، طلبۂ دین کی آپ کے دل میں بڑی عزت تھی اس لئے چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت

کریں، آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کو بنظر حقارت دیکھے۔

طلبہ کی اصلاح پر خاص توجہ

ہاں مگر اصلاح کے معاملہ میں طلبہ پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق محسوس کرتے کہ اس میں کچھ کجی ہے جو درست نہیں ہوسکتی تو اس کو سبق شروع نہ کراتے یا کسی حیلے سے اس کو رخصت فرمادیتے، اور جب طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی دلداری فرماتے، بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

فائدہ: آج بھی یہ تمیز ہونی چاہیے، ورنہ نااہل طلبہ ہی مدارس میں بھر جائیں گے اور کام خراب کردیں گے، جیسا کہ عموماً ہو رہا ہے۔

آپ بیتی میں حضرت شیخ قدس سرہ اپنے والد ماجدؒ کے دورۂ حدیث پڑھنے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا، ان میں ترمذی شریف پر محدثانہ، فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا، آج کل ماشاء اللہ پانچ چھ مدرس مل کر ۱۱؍۱۲ گھنٹے پڑھا کر دورہ ختم کراتے ہیں اور اخیر میں اس سے بھی زیادہ عجلت ہوتی ہے جو حضرت قطب عالم کو نزول آب کی وجہ سے کرنی پڑی تھی، اس کے ساتھ ہی حضرت قطب عالم کی نظر طلبہ کی اصلاحات پر بھی رہتی، تذکرۃ الرشید ص ۹۵ ؍ میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ہی آپ کی نظر طلبہ کی نشست و برخاست، حرکات وسکنات، رفتار و گفتار، چال ڈھال، وضع قطع غرض ہر ظاہری حال پر

برابر قائم رہتی تھی کہ کوئی طرز خلاف شرع تو نہیں ہے، اگر کسی کو اپنے پڑھے ہوئے علم پر عمل کا شائق نہ دیکھتے تو اس کی اصلاح کا زبان اور دل سے خیال رکھتے تھے، اشارہ سے، تصریح سے، ترغیب سے، ترہیب سے، نرمی سے، سختی سے، جب تک متبع شرع نہ ہوجاتا، اس وقت تک آپ کو بے چینی رہتی تھی، یہ تھا حضرت قدس سرہ کا مدرسہ، آج کل ان کے نام پر مدارس کھولے جارہے ہیں جو سراسر فتنہ وفساد، شر وبغاوت، کذب وافتراء اور حسد بلکہ خالص دنیاداری کیلئے بن رہے ہیں نہ وہاں رشید کا ذوق ہے نہ جذبہ وطرز ہے، یہ اکابر کو بدنام کرنا ہے اور اپنا بطن بھرنا ہے۔

حضرت امام ربانیؒ آنے والے طلبہ میں اہلیت اور صلاحیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، جس طالب علم میں کجی پاتے یا یہ سمجھ جاتے کہ پڑھنے کے بعد اس سے ضلال یا اضلال کا اندیشہ غالب ہے، اس کو کبھی سبق شروع نہ کراتے بلکہ لطائف الحیل سے ٹال دیتے یا وہ روکھا برتاؤ فرماتے جس سے وہ خود بددل ہوکر چلا جائے، دوسری جگہ تذکرۃ الرشید/ص ۱۹۹ رمیں لکھا ہے: صاحبزادی صاحبہ نے قرآن پاک ختم کرنے کے بعد باپ سے قرآن پاک کے ترجمہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، تو حضرت امام ربانی طلبہ کے درس کے بعد جب کھانے کے لئے مکان تشریف لے جاتے تو اول اہلیہ محترمہ قرآن مجید سنا کر صحیح کیا کرتیں اور پاؤ پارہ سنایا کرتیں، اس کے بعد صاحبزادی صاحبہ کو ترجمہ قرآن مجید پڑھایا کرتے اور جب صاحبزادی صاحبہ نے ترجمہ شروع کیا تو رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس لذیذ نعمت میں شرکت کے لئے شامل ہوجاتیں، چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں آیات کا ترجمہ پڑھاتے، اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے، اور تہذیب اخلاق کی تاکید فرماتے جاتے، یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی کی طرف

سے تقریباً آدھ گھنٹہ کا وعظ ہوتا تھا جس میں مستورات کی اصلاح نفس کا حق ادا کیا جاتا تھا (آپ بیتی جلد دوم/حصہ ۶/ص ۲۸۷)۔

دارالعلوم دیو بند کا جلسۂ دستار بندی

چونکہ حضرت گنگوہیؒ اپنے دور میں دارالعلوم دیو بند اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں بڑے اداروں کے سرپرست تھے اور وہاں کے معاملات کی پوری نگرانی فرمایا کرتے تھے، اور دونوں اداروں کے ارباب انتظام وارباب تدریس آپ کے ارشاد اورمشورہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور پھر کوئی اس کے خلاف نہ کرتا تھا، آپ دارالعلوم دیو بند کے ابتدائی قیام ہی سے حضرت مولانا قاسم صاحبؒ بانیٔ دارالعلوم دیو بند کے ساتھ رفاقت کی وجہ سے بے حد ہمدردی رکھتے تھے، اور وقتاً فوقتاً تشریف لاتے تھے، چنانچہ ''تاریخ دارالعلوم'' میں متعدد موقعوں پر آپ کی تشریف آوری، معائنہ لکھنا اور آپ کا سرپرستی کرنا مذکور ہے، چنانچہ ص ۱۹۱/ پر اس طرح لکھتے ہیں۔

بائیس برس کے بعد تکبیر اولیٰ فوت

دیو بند کا جلسۂ دستار بندی جس کا اوپر ذکر ہوا، اس میں ایک دن غالباً عصر کی نماز میں ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نماز پڑھانے کو مصلے پر کھڑے ہوئے تو تکبیر اولیٰ کہی جاچکی اور امام نماز شروع کرا چکا تھا، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ جو بزرگ اللہ والا انسان بڑے بڑے حوادث اور اعزاء کی اموات، تنگ دستی وغربت میں کبھی پریشان نہیں ہوا تھا اس کا چہرہ اداس اور پریشانی کا مظہر تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے ''افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی''۔

ہوا میں اڑنا، سمندر میں اپنے پاؤں پر چلنا یا اسی طرح کی دوسری خرقِ عادت

باتیں کم درجہ کی کرامات ہیں، اصل کرامت یہ استقامت و دوام ہے جو شاید کروڑوں میں سے ایک کو حاصل ہوتا ہے (سوانح علمائے دیوبند ص ۶۱۹ ر ج ۱)۔

حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وفات کے بعد مجلسِ شوریٰ کے اراکین نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ۱۲۹۷ھ سے دارالعلوم کا سرپرست تجویز کیا، یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ کے ہم درس اور خواجہ تاش تھے، دونوں حضرات نے ایک ہی جگہ تعلیمی مراحل طے کئے تھے، دونوں کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے حدیث میں شرفِ تلمذ حاصل تھا، اور دونوں کو شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے خلافت حاصل کرنے والے حضرات میں ممتاز ترین مقام حاصل تھا، خود حضرت شیخ المشائخؒ کو اپنے ان مریدین پر فخر تھا، روداد میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ مثل حضرت نانوتویؒ کے ہیں، اور ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کی ظاہری و باطنی امداد فرماتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو نعم البدل عطا فرمادیا ہے، اس بات سے بڑی امید ہے کہ دارالعلوم کے کاموں میں انشاء اللہ اختلال نہیں آئے گا، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے جو امید باندھی گئی تھی، دارالعلوم کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ بدرجۂ اتم پوری ہوئی (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۹۱ ر ج ۱)۔

۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں چوتھا جلسۂ دستار بندی ہوا جو اس کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ اس میں تشریف لائے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سمیت گیارہ حضرات کی

دستار بندی ہوئی۔

فائدہ: سبحان اللہ کیا ہی مبارک جلسہ تھا جس کے تصور سے دل سرشار ہو جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی توجہ روحانی کا اثر

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا، مولانا رفیع الدین صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے عرض کیا حضرت! آپ کا وعظ سننے کو بہت دل چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے کہہ دوں گا، اگلے دن جامع مسجد میں وعظ فرمایا، اس وعظ کی کیفیت مہتمم دار العلوم دیوبند کے الفاظ میں پڑھئے کہ جو روایتی قسم کے مہتمم نہ تھے، تکلف و تصنع سے بے نیاز، سادگی و خلوص کے پیکر اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددیؒ کے جانشین، یقین نہیں آتا کہ انہوں نے روئیدادِ تقریر میں ذرا بھی مبالغہ کیا ہوگا، سالانہ روئیدادِ مدرسہ میں تحریر فرماتے ہیں: وعظ کیا گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے، درو دیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی، اللہ اللہ اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں، کہ بشر کیا حجر بھی مان جاتے ہیں۔

مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے ساتھ بیان کئے، بیان کے دوران ایک دفعہ بآواز بلند ''اللہ'' کہا، معلوم نہیں کس دل اور کس سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلسِ وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی، ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا، اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں، یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو

اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا، مگر اللہ رے حوصلہ! کہ خود ویسے ہی مشتغل رہے، سبحان اللہ العظیم! سمندر کے سمندر معرفت وعشق کے پی کر یہ تحمل و برداشت کمال کی بات ہے۔

مظاہر علوم کی سرپرستی

چنانچہ "تاریخ علمائے مظاہر علوم سہارنپور" نامی کتاب میں خود حضرت گنگوہیؒ کے قلم سے اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اپنا ہی مدرسہ ہے اور اس عاجز کی سرپرستی میں ہے اسلئے سب مسلمانوں سے عموماً اور اپنے متعلقین ومخلصین سے خصوصاً التماس ہے کہ اس مدرسہ کی اعانت سے دریغ نہ کریں اور جہاں تک ہوسکے اس کی آبادی وازدیاد چندہ میں سعی فرماویں (بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی)۔

نیز مظاہر علوم کے درس وتدریس اور دیگر انتظامی معاملات میں حضرت قدس سرہ کو کتنا دخل تھا اور حضرت کی رائے کو کتنا وقیع سمجھا جاتا تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ابتداء سے ہی قرآن وحدیث کی اشاعت اور منقولات کی تعلیم کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصود اعلیٰ قرار دیا ہے، اور اس میں کبھی تخلف نہیں ہونے دیا، کیونکہ مظاہر علوم کے لئے اس کے اولیں سرپرست اور مربی روحانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی وصیت یہ ہے کہ: حدیث شریف وفقہ کے پڑھانے پر خصوصی توجہ دی جائے، اس سلسلہ میں حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنی جو تحریری وصیت چھوڑی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

مہتمم صاحب کو ضروری ہے کہ اس امر میں سعی فرمائیں کہ طلبہ حدیث وفقہ کو بغور وتدبر پڑھیں کہ اصل مقصد بناء مدارس سے یہ ہے اور بس، اور دیگر فنون یا خادم و مبادی اس کے ہیں جیسے فنون عربیہ وادبیہ واصول، یا مخل ومضر اسکے جیسے فلسفۂ جہل مرکب، مدرسین (مظاہرعلوم) کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ در باب درس دینیات طلبہ پر تنبیہ رکھیں کہ خوب تدبر کے ساتھ مطالعہ کر کے سمجھیں اور فنون دینیہ خصوصاً حدیث شریف کا بہت اہتمام کریں، فقط (علمائے مظاہرعلوم سہارنپور رص ۱۴۰)۔

نیز حضرتؒ کو مظاہرعلوم سے کتنا تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کا کتب خانہ مظاہرعلوم میں منتقل ہوا، چنانچہ مؤلف علمائے مظاہرعلوم سہارنپور اوران کی علمی وتصنیفی خدمات رص ۲۴۷ رمیں اس طرح لکھا ہے: اسی سال ۱۳۲۶ھ میں حضرت امام ربانی محدث گنگوہیؒ کے ذاتی کتب خانہ کا ایک بڑا حصہ صاحبزادہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ نے مظاہرعلوم میں وقف کیا، ان میں اکثر کتابیں وہ تھیں جو خواص اہل علم نے محدث گنگوہیؒ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کی تھیں کہ حضرت ان میں درس دیا کریں، ان وقف کردہ کتابوں میں بخاری شریف مطبوعہ احمدی اور مطبوعہ مصر مسلم شریف ابوداؤد، ترمذی، فتح الباری، مظاہرحق وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونا

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جو مظاہرعلوم کے بانیین میں سے ہیں اور اکابر اعلام میں شمار ہوتے ہیں، آپ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، تاریخی نام ''محمد مظہر'' ہے مشہور عالم دین حضرت مولانا احسن

نانوتویؒ (جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں) کے چھوٹے بھائی تھے، اور حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ وغیرہ کبار علماء، صلحاء کے تلمیذ رشید تھے ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں اکابر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں میں شامل تھے، بہت بڑے عالم فاضل علوم عقلیہ، نقلیہ کے جامع بزرگ تھے، بیعت وارشاد کے سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ سے منسلک ہوئے، جس کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ''تذکرۃ الرشید'' میں اس طرح لکھتے ہیں:

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشقِ جانباز تھے، جب تشریف لاتے بے اختیار حضرت کو بوسہ دیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے۔

حضرت امام ربانیؒ شرماتے اور یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں، آپ میرے بڑے ہیں مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے، آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھ کو بڑی شرم آتی ہے۔

مولوی محمد مظہر صاحبِ بصیرت تھے، حضرت کے علو شان ومرتبہ اور اپنی فرطِ محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے وہ ان کا طبعی تقاضا تھا، مگر حضرت امام ربانی کبر سن کے پاس ولحاظ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **"من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا"** کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب مبارک میں آپ کا ایک خاص مرتبہ ومقام تھا جس کا اندازہ ''مرقوماتِ امدادیہ'' کی ان سطور سے ہوسکتا ہے کہ!

اگر مولوی محمد مظہر نانوتہ میں تشریف رکھتے ہوں تو بعد سلام شوق ملاقات فرما کر یہ پیام دیں کہ یکتائے زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں ہوں، خاطر جمع فرمادیں۔

اور جو کچھ ذکر و شغل کے متعلق دریافت کرنا منظور ہو تو بذریعہ احقر یا مولوی رشید احمد صاحب کہ ان کو بجائے احقر جانیں اور معلوم کریں۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص ۵۰)

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو آپ سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ مکاتیب رشیدیہ کی ان سطور سے ہو سکتا ہے، جو محدث گنگوہیؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کو تحریر فرمائی تھیں کہ! اب حادثۂ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ۲۴ر شب ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۳ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو فوت ہوئے، عالم اندھیر ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے، دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکّے لکھے ہیں، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون (مکاتیب رشیدیہ) (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص ۵۴)۔

آپ کے اسفارِ حج

آپ کے اسفار حج کے سلسلہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ اس طرح لکھتے ہیں، جس کو اقوال سلف میں ہمارے شیخ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم نے اس طرح نقل کیا ہے:

حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ متوفی رمضان ۱۴۱۲ھ اعیان الحجاج رج ۲ر میں نہایت مختصر مگر جامع کلمات میں آپ کا وصف یوں ارقام

فرمارہے ہیں : آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں ہوئی مولانا مملوک علیؒ کے پاس درسیات کا اکثر حصہ پڑھا، مفتی صدرالدین صاحبؒ سے بھی علوم عقلیہ کا درس لیا اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے پاس پڑھا، شاہ احمد سعید صاحب بھی آپ کے اساتذہ میں تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، علومِ حدیث وفقہ میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ ذکر وعبادت، تقویٰ وطہارت اور اصلاح وتربیت میں ان کا کوئی ہم سران کے زمانہ میں نہ تھا، ان کے تلامذہ ومریدین اور دیگر حالات وواقعات کی تفصیل ''تذکرۃ الرشید'' میں پڑھئے، مجھے اس جگہ صرف آپ کے حج اور سفرِ حج کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

حضرت نے تین حج کیے، حج فرض کے علاوہ آپ نے دو حج بدل (ایک اپنے والد بزرگوار کی طرف سے اور ایک مادرِ محترمہ کی جانب سے) کیے ہیں جس کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

آپ نے پہلا حج ۱۲۸۰ھ میں کیا ہے، اس سن کے اوائل میں آپ رامپوری قافلہ کے ساتھ بمعیت حکیم ضیاء الدین رامپوری کراچی کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب بھی ساتھ تھے۔

دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں کیا اور یہ وہ سال تھا جس میں ترکی وروس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور طبعاً ہر مسلمان ترکی کی فتحیابی کا متمنی تھا، اسی سال حضرت نے حج کا قصد فرمایا، جس وقت دیگر حضرات کو خبر ہوئی تو سرزمینِ ہند کے چیدہ علماء سب ہی معیت کے لئے تیار ہوگئے۔

تیسرا حج آپ نے ۱۲۹۹ھ میں فرمایا، جو آپ کا آخری حج تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کے متفرق واقعات

قاضی اسمٰعیل صاحب منگوریؒ نے ایک مرتبہ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے، فرمایا میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انہیں تعجب ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرمادیا، پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا اس میں حضرت کا وعظ ہوا یہ قاضی صاحب بھی اس میں شریک تھے، وہاں حضرت کے وعظ کے مضمون پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ وبکا کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ قاضی اسمٰعیل صاحب حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب! بس کبھی کبھی یوں کردیا کرو، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کیا؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

صالحین کا لباس پہنا کیجئے

سفر حج میں ایک مرتبہ امام ربانی ململ کا باریک کرتہ پہنے ہوئے طواف میں مشغول تھے، مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جس وقت شوط میں آپ کا گذران بزرگ پر ہوا تو انہوں نے ایک کلمہ (خشن خشن) کہا جس کی طرف حضرت امام ربانی کو محویت واستغراق کی وجہ سے خیال بھی نہ ہوا، دوسرے شوط میں جب دوبارہ انہوں نے وہی کلمہ کہا تو آپ نے غور سے سنا اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں، جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ صالحین کا لباس پہنا کیجئے، آپ نے اپنے ململ کے کرتہ کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ بھی صالحین ہی کا لباس ہے، ان بزرگ نے فرمایا نہیں نہیں موٹا دبیز، امام ربانی یہ فرما کر کہ بہت اچھا خدا آپ کو برکت

دے اپنے طواف میں مشغول ہو گئے، اور شوط پورا فرمایا۔

مجھے لوگوں کے مصافحہ کی تمنا نہیں

ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رامپور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحبؒ بیٹھے ہوئے تھے، ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عامی آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہوئے ہونے کے چھوڑ دیا، آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لئے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھ لیا اور ارشاد فرمایا الحمد للہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

حضرت گنگوہیؒ کا طرزِ اصلاح اور منکر پر غصہ کا اظہار

ایک مرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اور معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے، ایک دن پہلے کرنال سے ایک بارات گنگوہ میں آئی تھی جس میں رقاصہ بھی ساتھ تھی، اس بارات میں آنے والے چند آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار بھی تھے جو صبح کو سلام کے لئے حاضر آستانہ ہوئے، دیکھا تو حضرت چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں، دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا، آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے، آپ نے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ رقاصہ کا ساتھ لانا اس محرومیت

کا سبب ہے پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں، بیٹی والوں کی حرکت ہے، آپ نے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا تو ہیں نہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جاوے، اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہت سے دل بھر آئے، آخر جب لوگ چلے گئے تو آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔

عُرس میں آنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار

آپ کے جدامجد حضرت شاہ عبد القدوس ؒ کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا، اور آپ کے لئے زبردست مجاہدہ تھا، اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جاتے، مگر آخر میں اس ایذاء قلبی کو برداشت کیا، آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گزارنا پڑا، اس موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہو جاتے اور ترکِ تکلم فرمادیتے تھے، ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح صاحب جالندھری (جو حضرت امام ربانی کے خلفاء ومجازین میں سے ہیں) آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، اگرچہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہ گزرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے شیدائے سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے، آپ سے یہ نہ ہوسکا کہ ان کی مزاج پرسی کریں یا محبت ومدارات سے پیش آئیں، آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں؟ اور کب آئے یا کیوں آئے؟۔

مولوی محمد صالح کو دو دن اسی طرح گزر گئے، حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھا،

جس درجہ ان کو شاق گزر رہا تھا اس کو انہیں کے دل سے پوچھنا چاہئے، ہر چند اس کی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی، حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ اور محزون واپس آجاتے، آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ میں تو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اللہ واسطے معاف فرمائیں، اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ میرا قصور نہیں جس کو میں معاف کردوں، خدا کی خطا ہے اس سے معافی چاہو، اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گزرا، چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتداہی سے شوق نہیں، واللہ! نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنے والے آرہے تھے اسی میں تیسرے تم تھے، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من کثر سواد قوم فھو منھم (تاریخ مشائخ چشت/ص۲۸۶)۔

عُرس کی حقیقت اور قباحت

سوال:۔ کئی جگہ پر کچھ بزرگوں کے مزار بنائے جاتے ہیں (آج کل تو بعض نقلی بھی بن رہے ہیں) اور ان پر ہر سال عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟۔

جواب:۔ یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے، بزرگوں کے عرسوں کے رواج کی بنیاد

غالباً یہ ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہو جایا کریں اور کچھ وعظ ونصیحت ہو جایا کرے، اور صاحبِ قبر کی روح کو قرات قرآن اور اطعام طعام سے ثواب بھی پہنچایا جائے، اور کچھ اہل محبت وعشق جمع ہو کر آپس میں ذکر وفکر اور اپنی اصلاح اور مریدین کی تربیت کے کچھ پروگرام بنائے، جس سے کتاب وسنت پر عمل کا جذبہ پیدا ہو اور اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلنے کی توفیق ملے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہو گیا اور بزرگوں کے جانشین باقاعدہ استخوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور ''عرس شریف'' کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات ومحرمات اور خرافات کا ایک سیلاب امڈ آیا، اور اس میں عورتوں مردوں کے اختلاط نے اور بھی کتنی ہی خرابیاں پیدا کر دی ہیں جو ذرا سی بصیرت رکھنے والے کے سامنے واضح ہے، اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا تو لوگوں نے ''جعلی قبریں'' بنانا شروع کر دیں، انا للہ وانا الیہ راجعون (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۳۱۶)۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو اکابر اولیاء اللہ زندگی بھر کفر وشرک، بدعات وخرافات کے ازالہ کیلئے کوشش کرتے رہے بیعت وارشاد کے ذریعہ سے، اور خانقاہوں میں مریدین کو اسی لئے ریاضت ومجاہدہ کراتے اور برے اخلاق ومعاملات سے باز رکھنے اور شہوات ومزخرفات سے بچا کر اتباع سنت وشریعت کی طرف لگانے کی سعیٔ پیہم کی، ساری محنتیں ان خرافات کے ذریعہ ختم ہو گئیں اور ان بزرگوں کی خانقاہیں انہی رسوم وبدعات کا مرکز بن کر رہ گئیں اور لوگوں نے انہیں شیطانی اعمال کو روحانیت کا نام دیدیا، استغفر اللہ! ثم استغفر اللہ!۔

موجودہ مروجہ عرسوں میں شریک ہونا کیسا ہے؟

سوال:۔ جس مجمع میں طوائف، اور مزامیر اور فساق وفجار ہوتے ہیں اور قبروں پر

چراغ جلاتے ہیں اور طواف قبور اولیاء اللہ اور قبروں کو سجدہ کرتے ہیں ایسے مجمع اور عرس میں جانا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ یہ تو خود ظاہر ہے کہ ناچ کرنا اور دیکھنا حرام ہے اور مزامیر بھی، احادیث صحاح سے اس کی حرمت ثابت ہے اور قبر پر چراغ جلانے میں، احادیث صحیحہ میں لعنت ثابت ہے، اور طواف قبر اور سجدہ قبر کو شرک ہے، ایسے افعال کرنے والے فاسق اور کافر ہیں اور یہ مجمع فساق وفجار کا ہے، جو شخص اس مجمع میں شریک ہوگا وہ بھی کافر وفاسق ہوگا، اگرچہ وہ افعال مذکورہ کو نہ کرے، لقولہ علیہ السلام ''من کثر سواد قوم فھو منھم'' رواہ ابو یعلیٰ فی مسندہ والدیلمی فی الفردوس، وعبداللہ بن المبارک فی کتاب الزھد والرقائق، کذا فی امداد الاحتساب فقط۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۹)۔

حضرت گنگوہیؒ کی ایک شخص پر روحانی شفقت

ایک مرتبہ آپ درس حدیث میں مشغول تھے، ایک شخص نہایت پریشان حال حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت للہ میری طرف توجہ فرمایئے! آپ نے جواب دیا بھائی میں تو ملا ہوں کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو مجھ سے پوچھو درویشوں کی باتیں درویش جانیں۔'' اس شخص نے کہا حضرت میں زندگی سے تنگ آگیا کیا آپ کو گوارا ہے کہ میں خودکشی کرلوں اور مر رہوں، آپ مسکرائے اور فرمایا اچھا مجھے پڑھانے دو، سامنے دیوار سے لگ کر جا بیٹھو، اتنا فرما کر آپ نے درس شروع کرا دیا اور وہ شخص مواجہہ شریفہ میں دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا، پڑھاتے پڑھاتے دو تین مرتبہ آپ نے اس مبتلا کی جانب نظر فرمائی اور پھر تقریر میں طلبہ کی طرف مخاطب ہوگئے، سبق ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ

شخص ہنستا ہوا اٹھا اور اس درجہ مسرور ہوکر چلا کہ سلام کرنا بھی بھول گیا، جب وہ چلا گیا تو بعض طلبہ نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون تھا اور کس مرض میں مبتلا تھا؟ آپ نے فرمایا درویش ہے، قبض طاری تھا، الحمد للہ رفع ہوگیا، وہ اتنے مسرور ہوئے کہ چلتے وقت سلام بھی نہ کیا (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۸)۔

حضرت گنگوہیؒ کے معمولات

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی عادت جاریہ اور معمول دائمی کے اظہار میں ایک اور تحریر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، جو حضرت کے شاگرد رشید اور مجاز طریقت، عالم باعمل، صاحب دل شیخ مولانا الحاج المولوی محمد اسحاق صاحب نہٹوریؒ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے وھو ھذا۔

عادتِ شریف یومیہ بلیلہ اس طرح تھی: ابتداء سے بعد نماز صبح خلوت خانہ میں مشغول بذکر وفکر ومراقبہ، جاڑوں میں نو بجے تک اور گرمیوں میں آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک رہتے، پھر حاجتِ ضروریہ سے فارغ ہوکر آبشارِ توفیق سے وضو فرماکر اشراق و چاشت کی نوافل ادا کرتے، کبھی چار رکعات اور کبھی آٹھ رکعات، کبھی اشراق خلوت خانہ میں پڑھ کر باہر تشریف لاتے اور چاشت گیارہ بجے کے قریب ادا کرتے، پس بعد ادائے صلوٰۃِ ضحیٰ جو چاشت واشراق دونوں کو شامل ہے مشغول بتدریس ہوتے، دو گھنٹے یا کچھ کم یہ شغلِ حدیث رہتا، پھر کھانا تناول فرماکر بارہ بجے استواء کے وقت دھوپ گھڑی اور دائرہ ہندیہ سے گھڑی کو مطابق ودرست کراتے، پھر قیلولہ فرماتے جاڑوں میں ایک بجے اور گرمیوں میں ڈیڑھ بجے سے پہلے بیدار ہوجاتے، نمازِ ظہر سے

سردی میں ڈیڑھ بجے تک فارغ ہوتے اور گرمی میں دو بجے تک فارغ ہوتے، بعد نمازِ ظہر تلاوتِ قرآن شریف کا معمول تھا اور خطوط کا ملاحظہ اور انکا جواب مع فتویٰ نویسی صبح کو بعد صلوٰۃِ ضحیٰ قبل تدریس معمول تھا، اگر جوابی خطوط باقی رہتے تو بعد تلاوت یا بعد نماز عصر پورا فرماتے اور موسم گرما میں قبل نماز ظہر غسل فرمانے کا معمول تھا اور کبھی دوسری بار قریب عصر کے بھی غسل فرماتے، پھر بعد تلاوت تدریس طلبہ میں عصر تک مشغول رہتے، بعد عصر تسبیح لیکر طالبین کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ جاتے اس میں کوئی مسئلہ پوچھتا کوئی کچھ حال عرض کرتا کوئی مراقبہ میں مشغول ہوکر مستفید ہوتا، بعد نماز مغرب صلوۃ اوّابین چھ رکعات ادا فرماتے، ان میں کسی قدر قرآن شریف آدھے پارہ سے لیکر ایک پارہ تک تخمیناً پڑھتے، بعد فراغ نوافل صحن حجرہ میں ذرا دیر مہمانوں سے بات چیت کر کے گھر میں تشریف لے جاتے، وہاں سے کھانا تناول فرما کر قریب اذانِ عشا تشریف لا کر زائرین وحاضرین سے مخاطب ہوتے کبھی لیٹ جاتے اور کبھی بیٹھے رہتے، نماز عشا جاڑوں میں نو بجے، گرمیوں میں دس بجے شروع کرتے اگر نمازی جلدی جمع ہوتے تو دیر نہ فرماتے، خصوصاً اس نماز میں تحدید مخصوص نہ تھی، بعد فراغ نماز عشا ذرا بیٹھ کر لیٹ جاتے اور گیارہ بجے کے قریب تک خدام خاص پاؤں دباتے اس میں بعض خواص کو عجیب وغریب کیفیات وانوار مشاہد ہوتے، بعد گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے سب کو رخصت کردیتے پھر قدرے استراحت فرما کر بیدار ہوتے، اس وقت بنفس نفیس سب کام خود کرتے اس وقت استعانت وخدمتِ غیر کو پسند نہ فرماتے، تہجد کو بقراءۃ طویلہ بجہر غیر مفرط بلحنِ داؤدی ادا فرماتے اس وقت اٹھنے میں عادت شریف مختلف تھی، کبھی بالکل

نہ سوتے جب خدام کو رخصت کیا اور جانا کہ سب لوگ لیٹ گئے ہونگے اٹھ بیٹھتے اورعشاء کے وضو سے نفلیں ادا فرماتے، جب تھک جاتے قدرے استراحت فرماتے، بعد استراحت پھر نفلیں شروع کرتے، صبح تک یہی طور رہتا، باوجود ضبطِ کامل کبھی گریہ اس قدر مستولی ہوتا کہ تمام شب گریہ میں گزر جاتی، عدد رکعات اور مقدار قراءۃ کا حال معلوم نہیں، الغرض پچھلی رات نوافل مسنونہ اور ذکر وفکر ومشغولی میں گزرتی تھی، پھر نمازِ صبح بوقتِ ابتداء یا توسط اسفار ادا فرماتے، فرض نماز آنحضرتؐ بہت مختصر اور کامل پڑھاتے تھے، پارۂ عم کی سورتوں کے سوا دوسری سورتیں شاذونادر پڑھتے، صبح کی نماز میں سورۂ عم سے لے کر لااقسم تک کوئی سی دوسورتیں پڑھتے اور عشاء میں اکثر والضحیٰ سے لیکر والعادیات تک پڑھتے، مغرب میں القارعۃ سے آخر تک اکثر چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے، تسبیح رکوع وسجود کی فرائض میں پانچ بار کہتے اور قومہ وجلسہ فرائض میں ادعیۂ ماثورہ نہ پڑھتے تھے، لیکن نوافل میں اکثر پڑھتے، اس رات دن کے عمل میں مریضوں کی دوا اس طرح ہوتی تھی کہ اس کے واسطے وقت ممتاز نہ تھا، معمولی مشغولی میں جب کوئی مریض آتا آپ اسی وقت اکثر دواء مفرد بتلا کر رخصت کردیتے تھے، نسخہ لکھنے اور مرکب دوا بتلانے کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا، آپ کی برکت سے مریضوں کو بکثرت شفا ہوتی اور امراض عسیرہ وممتدہ کا علاج بھی بطور مختصر فرماتے اور ہر قسم کے مریضوں کو شفاء ہوتی، یہ معمول دوازدہ ماہ کا تھا لیکن رمضان شریف میں صبح کو دیر میں خلوت خانہ سے برآمد ہوتے، موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے، نوافل وقراۃِ قرآن وسکوت ومراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی، سونا اور استراحت نہایت قلیل، کلام بہت

کم کرتے، بعد نماز مغرب ذرا دیر خلوت نشینی کا ذائقہ لیکر کھانا تناول فرماتے، تراویح کی بیس رکعات اوائل میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحبزادہ مولوی حافظ حکیم محمد مسعود احمد صاحبؒ کے پیچھے پڑھتے، بعد وتر دو رکعات طویل کبھی کھڑے ہوکر کبھی بیٹھ کر پڑھتے، پھر دیر تک متوجہ بقبلہ بیٹھ کر کچھ پڑھتے رہتے، پھر ایک سجدۂ تلاوت کر کے کھڑے ہوجاتے، بندہ نے بعض الفاظ سنکر اندازہ کیا ہے کہ اس درمیان میں **سورۂ تبارک الذی** اور **سورۂ سجدہ** اور **سورۂ دخان** پڑھتے تھے اکثر تمام عشرۂ ذی الحجہ اور عاشوراء اور نصف شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔

آپ اپنے نفس کی وجہ سے کبھی غصہ نہ ہوتے، البتہ خلافِ شرع بات پر آپ کو سخت غضب آتا، اگر کوئی آپ کو اپنی شقاوت کی وجہ سے برا کہتا آپ کو ہرگز پرواہ نہ ہوتی اور اصلاً تغیر نہ آتا اور اگر کوئی آپ کی مدح کرتا تو کچھ خوشی نہ ہوتی اور اصلاً تغیر نہ ہوتا، قسم کھانے کی ہرگز عادت نہ تھی، اگر بنظرِ کشف و فراست حضرت کو معلوم ہوجاتا کہ نذر دینے والا خود حاجت مند ہے تو اس کا نذرانہ اس طرح رد فرمادیتے کہ نذر دینے والوں کو گراں نہ گزرے، ایسا امر کاتب الحروف کے ساتھ بھی کبھی پیش آیا ہے، اسی طرح مرائی اور غیر معتقد کا نذرانہ بھی قبول نہ فرماتے، البتہ مخلصین کا ہدیہ بطیب خاطر منظور فرماتے، بعد ذہاب بصر ظاہری جو وقت تدریس کا تھا وہ بھی ملاحظہ اور مراقبہ میں گزرنے لگا، اور اس قسم کی مشغولی بہت زیادہ بڑھ گئی آپ کے حالات سے کبھی یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو اس وقت کسی کا بولنا یا کچھ پوچھنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور کبھی معلوم ہوتا کہ اس وقت آپ کو باتوں کی طرف رغبت ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی مجلس کا انداز

آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالم ﷺ پایا آپ کی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نہ کرتا، جس وقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہوکر سنتے اور جب کوئی کچھ سوال کرتا تب بھی سب خاموش رہتے، آپ جواب دیتے، مجلس مبارک میں شور وشغب لغو باتیں ہرگز نہ ہوتی، اکثر مسائل کا تذکرہ یا آیت وحدیث کی تحقیق یا توضیح کسی مسئلہ تصوف کی ہوتی یا تذکرہ اولیاء اللہ وعلماء کرام کا ہوتا کسی کی ہجو یا غیبت اس مجلس شریف میں ہرگز نہ ہوتی، بعض جہال جو اپنے شومی سے اس ذات بابرکات سے عداوت کھلم کھلا رکھتے ان کا تذکرہ بھی حضرتؒ اپنی مجلس میں نہ ہونے دیتے، اگر احیاناً کسی نے اس بے ادب کا ذکر کیا تو آپ نے جھٹ روک کر دوسری طرف متوجہ کردیا، چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت تکلم ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین ساکن وساکت "کان علی روسھم الطیر" رہتے (گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں) برکات وانوار وخیرات سے مجلس شریف معمور اور شرور وفساد سے بمراحل دور تھی، چونکہ آنحضرت خود ہروقت باوضو رہتے تھے تو حاضرین مجلس بھی چاروناچار باوضو اور بخوف وتوجہ حاضر دل سے رجوع الی اللہ رہتے، بعض حاضرین ذکر خفی لسانی اور بعض ذکر قلبی میں مشغول رہتے، اور بعض فکر ومراقبہ میں غریق رہتے، اور بعض بندے جیسے صرف منتظر رہتے کہ حضرت خود کوئی کلام فرماویں یا کسی سائل کا جواب ارشاد فرماویں، مجلس کا لطف نااہل وفارغ القلب کو بھی معلوم ومحسوس ہوتا تھا رحمۃ اللہ علیہ وعلی احزابہ وجعلنا فی زمرتہ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی عادت شریفہ زیادہ بولنے اور باتیں کرنے کی نہ تھی، آپ کم گو تھے، قلت کلام اور کثرت ذکر کا مصداق اتباع سنت کی حدود کے ساتھ آپ کی برابر کسی دوسرے میں شاید کسی نے کم دیکھا ہوگا، ذکر کا یہ عالم تھا کہ مسجد تک تشریف لانے اور واپسی میں حجرہ تک تشریف لانے میں بھی ذکر ہی کے اندر مشغول پائے جاتے تھے، یوں تو ہر وقت ہی ذکر میں مستغرق اور محو رہتے تھے، سوتے سوتے آنکھ کھلتی تو بے اختیار کلمۂ توحید یا استغفار زبان سے نکلتا تھا، جس گفتگو سے کوئی دینی نفع حاصل نہ ہو اس کا سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا، جب کوئی شخص آپ سے کوئی سوال دریافت کرتا یا بات کہتا اور اس میں ضرورت سے زیادہ تقریر ہوتی تو آپ اس کو روک دیتے اور یوں فرماتے کہ اچھا اچھا اس قصہ سے کیا فائدہ بات کہو ''لغو فضول گوئی سے آپ کو کمال درجہ نفرت تھی'' ذکر اللہ اور دین میں کام آنے والے مشغلہ کے علاوہ دوسرے جھگڑے میں مصروف ہونا اپنے خدام کا بھی آپ کو پسند نہ تھا، مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ایک مرتبہ چاہا کہ مولوی احمد رضا صاحب کی فحش گوئی کا ترکی بترکی جواب دیں، ہر چند حسن تقریر سے انہوں نے کوشش کی کہ حضرت صراحۃً حکم نہ دیں تو ایما ہی فرمادیں، مگر حضرت نے فرمایا تو یہ فرمایا! میاں کیا دھرا ہے ان قصوں میں ان کی تحریر کا جواب لکھنے سے کوئی نفع نہیں تضییع اوقات ہے، امید نہیں کہ وہ مانیں، ایسی صورتوں میں جب آپ کے خدام کی خواہش جواب لکھنے کی ظاہر ہوئی تو آپ نے ان کو روک دیا بلکہ یوں ارشاد فرمایا! آدمی جس قدر وقت کسی کی برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو۔

خدام کی تربیت واصلاح اس درجہ آپ کو محبوب تھی کہ کسی وقت ہمت وتوجہ سے غفلت نہ فرماتے تھے، برتاؤ اس درجہ سادگی کا تھا کہ کوئی پاؤں دبانے کھڑا ہوگیا تو منع نہیں فرمایا اور نہ کھڑا ہوا تو فرمائش نہیں کی، آخر شب میں حالانکہ آپ استعانت غیر کو پسند نہ فرماتے تھے لیکن اگر کوئی مخلص خادم اس کا متکفل ہوگیا کہ وقت پر پانی کا بھرا لوٹا مسواک وغیرہ چوکی پر لا رکھے تو آپ نے انکار بھی نہیں فرمایا، اور اگر کسی روز خادم کی آنکھ نہ کھلی تو ان کی اس خدمت کا انتظار بھی نہیں فرمایا۔

سید صوفی کرم حسین صاحب فرماتے ہیں: کہ کسی زمانہ میں یہ خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شب میری آنکھ دیر میں کھلی گھبرا کر حاضر خانقاہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے وضو فرمارہے ہیں، مجھے اپنی غفلت پر ندامت تھی کہ باوجود تکفل نباہ نہ ہوسکا اور آج حضرت کو خود پانی بھرنا پڑا میں خاموش پاس کھڑا تھا کہ حضرت نے خاص شفقت کے ساتھ فرمایا میاں! بات ہی کیا ہے؟ بندہ بشر ہے آنکھ لگ ہی جاتی ہے۔

عبادات میں جملہ مستحبات وآداب کا لحاظ رکھنا آپ کی خاص عادت تھی، نماز آپ خود پڑھاتے اور آنے والے مہمانوں کی اس امر میں عام ائمہ کی طرح خاطر ومدارات نہیں فرماتے تھے، ہاں آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تشریف لاتے تو عموماً ان کو مصلے پر کھڑا کرتے اور اقتداء فرمایا کرتے تھے، طبع میں چونکہ نفاست زیادہ تھی اس لئے عموماً روزانہ قبل ظہر غسل فرماتے اور گرمی میں بعد عشاء بھی اکثر نہایا کرتے تھے جمعہ کے دن غسل ہی کے وضو سے نماز پڑھنے کی عادت

مستمرہ تھی، نماز آپ کو تمام مرغوبات سے زیادہ مرغوب اور محبوب تھی اس کا اہتمام جس درجہ آپ کے یہاں دیکھنے میں آیا شاید دوسری جگہ کسی نے کم بلکہ نہ دیکھا ہوگا، طلوع وغروب کا دوازدہ ماہی نقشہ لکڑی کے چوکھٹہ میں لگا ہوا چارپائی کے قریب ہمیشہ لٹکا رہتا اور ہر شمسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو بدلدیا جاتا تھا بجز اس نقشہ کے انگریزی مہینوں اور تاریخوں کا آپ کے یہاں کہیں پتہ نہ تھا، حجرہ شریفہ میں کئی کئی گھڑیاں اور گھنٹے رہتے تھے جن کو روزانہ دھوپ گھڑی سے ملایا جاتا تھا اگر ایک بگڑ جاتا تو دوسرا کام دیتا اور دوسر اخراب ہو جاتا تو تیسرا وقت بتلایا کرتا تھا، خانقاہ میں سہ دری کے سامنے والے حجرہ کی دیوار پر دھوپ گھڑی لگی ہوئی تھی جب تک آپ کی بینائی قائم رہی اس کا اہتمام خود فرماتے تھے، کہ پورے بارہ بجے گھڑیں ملائی جائیں، بعد میں یہ خدمت حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے سپرد ہوئی، اکثر دیکھا گیا کہ جب تک دھوپ گھڑی سے گھنٹے ملا نہیں لئے گئے اس وقت تک حضرت کو نیند نہیں آئی یا تو بیٹھے رہتے تھے اور اگر لیٹ بھی گئے تو کروٹیں بدل بدل کر بارہا دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا بجا ہے بارہ بجے یا نہیں؟ لٹکے ہوئے نقشہ میں مثلین اور شفق کی غیوبت کا حساب بھی مسطور تھا، اس کے مطابق پورے حنفی وقت پر نماز پڑھی جاتی اور دن کی روزانہ ایک منٹ یا کچھ کم وبیش زیادتی وکمی کے باعث گویا روزانہ ہر نماز کا وقت آپ کے یہاں نیا ہوتا تھا۔

لباس اگر چہ کم قیمت ہو مگر صاف ستھرا آپ کو پسند تھا، خصوصاً نماز کو کھڑے ہوتے وقت عمدہ سے عمدہ لباس جو آپ کے پاس موجود ہوتا اس کو زیب تن فرماتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتیں اس کے دربار میں حاضر ہوتے

وقت بدن پر ہونی چاہئیں، یہ تعمیل تھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلَيْكَ" کی، حق تعالیٰ کی حلال ولذیذ نعمتوں سے آپ کو نفرت نہ تھی، آپ نے معمولی کھانا بھی کھایا اور عمدہ سے عمدہ غذائیں بھی استعمال فرمائیں، کبھی کسی خاص غذا کے پابند نہ ہوئے نہ کسی شئی کا بذات خود کوئی اہتمام فرمایا، ہاں البتہ ٹھنڈا پانی آپ کو نہایت مرغوب تھا، اور اس کا آپ کی خانقاہ میں اہتمام بھی خاص کیا جاتا تھا گرمی کے موسم میں مشکیزہ گولر کے درخت میں لٹکایا جاتا اور جو تدبیر بسہولت ہوسکتی پانی ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کو عمل میں لایا جاتا تھا، ٹھنڈا پانی پی کر آپ بہت خوش ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑی نعمت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا اسی لئے آپ نے دعاء فرمائی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ مَّالِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِاو كما قالَ" خمیری روٹی اور شوربہ سے بھی آپ کو خاص رغبت تھی کیونکہ ملائم اور سریع الہضم ہونے کی وجہ سے معدہ میں گرانی اور عبادت میں کسل نہیں ہونے پاتا تھا۔

خوشبو کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی، ہر قسم کے عطر کا برغبت استعمال فرماتے خصوصاً گلاب سے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہیؒ سے خطاب فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو گلاب سے بہت محبت تھی، سمجھتے بھی ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت شاید یہ وجہ ہو کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ ﷺ کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے، آپ نے فرمایا ہاں! اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔

ابتداء میں اگر کوئی اصرار کرتا تو پان آپ کھا لیتے جب دانت نہ رہے تو پھر پان آپ کو کبھی کھاتے نہیں دیکھا، چونکہ وہ پان میں جائز فرماتے تھے، مگر ممکن ہے کہ خود احتیاط فرماتے ہوں، چائے آپ پیتے تھے مگر عادی نہ تھے کسی نے پلادی تو انکار نہیں فرمایا اور نہیں پلائی تو کبھی مانگی یا پکوائی نہیں، اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ہفتوں متواتر آپ نے چائے پی اور دفعۃً چھوڑ دی پھر کبھی پینے کے وقت پر اس کی جانب خیال بھی نہیں کیا، ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت کیا پینے کی چیز میں پھونک مار کر پینا منع ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مگر چائے کہ اس کا نفع ہی گرم پینے میں ہے۔

حلاوت ایمان کا ایک ثمرہ یہ بھی تھا کہ آپ کو میٹھے سے زیادہ رغبت تھی، عام آدمی دودھ یا چائے میں جتنا میٹھا کافی سمجھتے ہیں آپ اس کو پھیکا فرماتے یا کم میٹھا ظاہر کیا کرتے، پھلوں میں قلمی آم اور الہ آبادی امرود بھی آپ کو مرغوب تھے مگر ایک دو قاش سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، شیریں لوکاٹ اور ملائم آڑو بھی آپ رغبت سے کھاتے تھے اور یوں تو کسی فصلی پھل سے آپ کو نفرت نہ تھی، سامنے آگیا اور خواہش ہوئی تو کھالیا ورنہ جس شغل میں آپ مشغول رہتے تھے وہ کسی شئی کا خیال بھی نہیں آنے دیتا تھا۔

بینائی جانے پر بھی حضرت کی یہ عادت نہ تھی کہ لاٹھی کوئی تھامے یا راستہ بتاتا ساتھ ساتھ چلے، آپ کو اول تو اٹکل تھی دوسرے لاٹھی ہاتھ میں رہتی تھی کہ دیوار تھام کر اور ٹوہ کر چلتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۶۴ ج ۲)۔

وفات حسرت آیات

بارہویں یا تیرہویں شب جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو ایک گونہ خنکی کی وجہ سے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نوافل ادا فرمانے حجرہ میں تشریف لے گئے اور حق تعالیٰ کی مناجات میں مشغول ہوگئے، اسی رات آپ کے پاؤں کی دوانگلیوں میں ناخن سے کچھ نیچے کسی زہریلے جانور نے کاٹا مگر نماز میں محویت کے سبب احساس بھی نہ ہوا، صبح کے وقت جب معمول کے مطابق آپ مسجد میں جانے لگے تو کپڑوں کی سرخی کسی خادم نے دیکھی آپ سے عرض کیا کہ کرتہ خون آلود ہے چونکہ طلوع قریب تھا اس لئے آپ نے جلدی سے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی، چونکہ پاؤں سے چھٹانک بھر کے قریب خون نکل آیا تھا اسلئے اگلے دن ضعف وکمزوری ہونی شروع ہوگئی، اس کا علاج ہوا کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی پاؤں پر دن بدن ورم بڑھتا رہا، یہاں تک باختلاف آپ کی عمر اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی تھی ۹/۸ رجمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۲ راگست ۱۹۰۵ء کو بعد اذان جمعہ یعنی ساڑھے بارہ بجے انتقال ہوا، اور قبرستان ''محلہ الٰہی بخش گنگوہ'' میں ہمیشہ کیلئے آسودۂ خواب ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت گنگوہیؒ کے باقیات صالحات

اس عنوان پر جب لکھنے کا ارادہ کیا تو ''تذکرۃ الرشید'' کو دیکھا گیا وہاں مذکورہ کلام بہت عمدہ لگا، دل نے چاہا کہ کچھ اقتباسات وہیں سے نقل کردیئے جائیں اس لئے تذکرۃ الرشید سے کچھ باتیں پیش کی جارہی ہیں، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اپنے شیخ ومرشد کا تذکرہ بڑی ہی محبت وعشق کے ساتھ کیا ہے اور کمال کردیا ہے، بعد میں حضرت گنگوہیؒ کے حالات پر لکھنے والا کوئی بھی شخص اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اللہ پاک حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کے درجات بلند سے بلند فرمائے

اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، اس عنوان کے ذیل میں اس طرح لکھتے ہیں:

امام ربانی قدس سرہ دنیا سے تشریف لے گئے مگر باقیات صالحات کا وہ دریا مخلوق کے لئے بہتا ہوا چھوڑ گئے ہیں جو تشنگان رشد وہدایت کے سیراب کرنے کو کافی ہے، جس مقدس مشغلہ میں آپ نے پچاس سال گزارے اس کے فیضان کو ختم ہونے کے لئے زمانہ چاہئے، آپ کے لگائے ہوئے درخت بحمد اللہ ایسے بار آور اور مثمر ہیں جنکے فیوضات وعطایا سے عرصہ دراز تک عالم متمتع اور مستفید ہوتا رہے گا، کوئی شخص اپنے بعد ایک ولد صالح چھوڑ جائے تو اپنی مغفرت کا وسیلہ سمجھ کر فخر کیا کرتا ہے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ نے تو کئی ہزار نیکو کار بچے دنیا میں ایسے چھوڑے ہیں جو خود ہی آپ کو دعا نہیں دیتے بلکہ نسلاً بعد نسل آپ کے ترقی مراتب کی دعائیں کرنے والے افراد تیار کرتے رہتے ہیں، آپ کی نسبت عبدیت کے فیضان اور استقامت علی الشریعہ کے ثمرات سے جو نفع دنیا کو پہنچا ہے، چونکہ افادہ بنی آدم ہی تک محدود نہیں بلکہ نباتات وجمادات بھی اپنی بقا کا اس سے فائدہ اٹھا چکے ہیں، اس لئے عالم کا ذرہ ذرہ امام ربانی کے لئے ثواب آخرت کا سبب بنا ہوا ہے اور جب تک آپ کے لگائے ہوئے اشجار طیبہ کا افادہ واستفادہ قائم رہے گا بلا قصد وارادہ آفاق ارض سے آپ کی روح کو تحائف پہونچتے رہیں گے۔

آپ کی باقیات صالحات میں ایک قسم تو ان حضرات کی ہے جو آپ کی اپنی صلبی اولاد ہے اور ایک قسم وہ ہے جو آپ کے تلامذہ اور مریدین کی شکل میں ہے اور ایک قسم آپ کی تصنیفات وتالیفات ہے، ہم پہلے آپ کی اولاد پھر تالیفات پھر آپ کے متعلقین اور مستفیدین کا تذکرہ کریں گے۔

(صاحبزادگان وغیرہ)

تذکرہ حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب گنگوہیؒ

آپ کی صلبی اولاد میں دو صاحبزادے حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب اور دوسرے حضرت مولانا محمود صاحب اور ایک صاحبزادی صفیہ خاتونؒ کا تذکرہ ملتا ہے، یہ سب ہی بہت نیک صالح، متقی و پرہیزگار، عابد و زاہد حضرات تھے، حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب بہترین حافظ، قاری، عالم، حکیم شخص تھے، اور اکثر و بیشتر تراویح میں امامت آپ ہی کیا کرتے تھے، حکمت اور طبابت میں ماہر کامل بہت اعلیٰ درجہ کی حذاقت پر فائز تھے، حضرت حکیم صاحب اپنے علم و عمل، تقویٰ و طہارت کے ساتھ ساتھ ایک بہت ہی بارعب اور ذی وجاہت شخص تھے، حضرت گنگوہیؒ کے منسلکین حضرت شیخ الہند، حضرت مدنی جیسے حضرات آپ کا بہت ہی زیادہ احترام کرتے تھے اور حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن بھی رہے اور جب دارالعلوم میں کوئی قضیہ واقع ہوتا تو آپ کو بلایا جاتا، آپ تشریف لے جاتے اور اس قضیہ میں دخل دیتے اور آپ کی بات بالکل فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی، حضرت گنگوہیؒ کی نسبت سے تمام متوسلین حد درجہ آپ کا احترام کرتے تھے۔

اور بقول حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ آپ اپنے والد امام ربانی قدس سرہ کے ساتھ صورت اور شباہت میں بہت مناسبت رکھتے تھے اور آواز اور لہجہ میں بھی بہت مناسبت تھی ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے، اور اپنے والد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پہلو میں

مدفون ہیں، آپ کے دوسرے صاحبزادہ مولانا محمود صاحبؒ جوانی میں ہی انتقال کر گئے تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت حکیم صاحب سے حضرتؒ کو اور بھی زیادہ محبت بڑھ گئی تھی، پھر حکیم مسعود صاحبؒ کی اولاد میں حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمودؒ اور حاجی مصطفٰی کامل رشیدیؒ ہوئے، ان حضرات کا تذکرہ آئندہ اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ۔

تذکرہ حضرت مولانا محمود احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ تھے جن کا انتقال ۶/صفر المظفر ۱۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ جوانی میں ہی ہو گیا تھا (اور گور غریباں متصل عیدگاہ گنگوہ میں مدفون ہیں) اس وقت ان کی عمر صرف ۲۳/سال کی تھی جس کی وجہ سے حضرتؒ کو بہت زیادہ صدمہ اور غم رہتا تھا، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ ہیں جن کی ولادت گنگوہ میں ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو ہوئی، آپ مدرس دارالعلوم دیوبند تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بھائی جی سعید کے نام سے مشہور و معروف تھے، حضرت مولانا محمود صاحب کے انتقال کے وقت ان کی عمر ایک ماہ بیس یوم تھی، اور جب ان کی عمر دو سال کے قریب ہونے کو آئی تو والدہ بھی رحلت فرما چکی تھیں (تذکرۃ الرشید ص ۳۳۸/ج ۲) کیونکہ مولانا سعید احمد صاحب کی پیدائش حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ہی ہو چکی تھی اور ان کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا تو حضرت امام ربانی کو ان کے ساتھ ایک خاص درجہ کی الفت تھی، حضرت مولانا سعید احمد صاحب کو اللہ نے طویل عمر عطا فرمائی اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دی، آپ اپنے مزاج اور طبیعت کے بہت زیادہ سادہ تھے، ایک زمانہ میں شکار کے شوقین بھی تھے، حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم اور بھائی جی سعید دونوں شکار میں

جایا کرتے تھے، جس وقت راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا یہ ۱۴۰۶ ارکی بات ہے، یہ میرا افتاء سیکھنے کا سال تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا، اور حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے گنگوہ کے طالب علم ہونے کی وجہ سے مجھے ان کی اطلاع کرنے کیلئے حضرت حکیم ننھو میاں صاحب کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت حیات تھے، اور یہ فرمایا کہ میں ان سے عرض کروں کہ آپ تشریف لے چلیں، چنانچہ بندہ نے حضرت حکیم صاحب کو اطلاع کی لیکن آپ نے جانے سے معذرت کی، بندہ جس وقت لوٹ کر دارالعلوم پہنچا اس وقت آپ کی نماز جنازہ ہوچکی تھی، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

اپنے قصبہ کے ایک بزرگ اور استاذ دارالعلوم ہونے کی وجہ سے نیز حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ خاندانی نسبت ہونے کی وجہ سے بارہا آپ کی خدمت میں جانا رہتا تھا ایک دن میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت مجھے تبرکاً کچھ پڑھادو؟ تو حضرت نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ تو ہی مجھے پڑھا دیا کر، اس بات پر ہنسی بھی آتی ہے اور انکی تواضع کا اندازہ بھی ہوتا ہے، اسی طرح میں نے ایک دن ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے کون کونسی کتابیں پڑھائیں، تو فرمایا کہ بھائی میری ترقی تو اس طرح ہوئی کہ پہلے قدوری پڑھایا کرتا تھا پھر نورالایضاح ملی اور اب فارسی اردو پڑھاتا ہوں، یہ میری ترقی ہوئی، کیا عجیب طبیعت میں سادگی تھی ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، آپ دیوبند کے مشہور قبرستان ''مزارِ قاسمی'' میں جہاں دارالعلوم کے بہت سے اکابر مدفون ہیں دفن کئے گئے، اللہ پاک آپ کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ''

آپ بیتی ' ' میں متعدد جگہ آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت صفیہ مرحومہ

اوپر جیسا کہ تذکرہ آیا کہ آپ کی صاحبزادی صفیہ خاتون بہت زیادہ نیک، عابدہ، زاہدہ، ذکر و شغل کرنے والی پابند صوم وصلوۃ، اوراد و وظائف خاتون تھیں، آپ کی دینی حالت کو سمجھنے کیلئے حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد کافی ہے، آپ نے ایک بار بڑی مسرت سے فرمایا الحمدللہ میری بیٹی کو دنیا کی بالکل محبت نہیں، نیز ایک بار فرمایا کہ اگر عورتوں کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ مرید کیا کرتی، اس مضمون سے آپ کی قوت روحانیہ اور نیکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ کو اپنے والد کے ساتھ بے حساب محبت تھی، مگر اس کے باوجود صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے وصال کے دن جب کہ موجودہ تمام لوگ نماز جمعہ کی تیاری میں مشغول تھے اور صاحبزادی پردہ کے پیچھے اپنے والد کے جنازہ کے ساتھ لگی ہوئی قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھی اور حضرتؒ کا کفن بھی خود ہی سیا تھا لیکن چیخ و پکار کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی، آپ اپنے بھائی مولانا حکیم مسعود صاحب سے چار سال عمر میں بڑی تھیں اور اپنے والد حضرت گنگوہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

تذکرہ حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہیؒ

صاحبزادی (جو کہ ڈپٹی حضرت ابراہیم صاحب سے منسوب تھیں) کے پھر تین بیٹے ہوئے، جن میں بڑے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب اور دوسرے حافظ محمد یوسف صاحب اور تیسرے محمد زکریا صاحبؒ تھے، حضرت گنگوہیؒ کے تینوں نواسے نیک صالح، متقی و پرہیزگار حضرات تھے، خاندان کی دینداری کا اثر تھا بالخصوص حضرت حافظ

محمد یعقوب صاحب اخلاص وللّٰہیت ،تعبد،خشیت ،رفق ،نرمی ،استقامت ،فہم وفراست ، اورتحفظ مراتب، کظم غیض کی صفات سے آراستہ تھے،حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے آپ بیتی میں مرحوم کا بہت جگہ تذکرہ کیا ہے، راقم الحروف کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ (بانی ومبانی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ) بھی آپ کا ذکرخیر کیا کرتے تھے اورآپ کی باتوں کو یاد کیا کرتے تھے،اپنے آبائی قبرستان ''محلّہ محمد غوری'' میں مدفون ہیں، اللہ پاک حضرت مرحوم کوغریق رحمت فرمائے ، بلند درجات نصیب فرمائے آمین۔

تصنیفات

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ اس طرح لکھتے ہیں:

امام ربانی قدس سرہ کی باقیات صالحات میں آپ کی وہ تصانیف ہیں جو تحقیق مسائل شرعیہ اوراحقاق مضامین اختلافیہ میں آپ کے قلم سے نکلیں اورمطبوع ہوکر عالم میں شائع ہوئیں، خیال ہے کہ جملہ تصانیف بصورت کلیات یکجا طبع کردیجائیں اگرحق تعالٰی کومنظورہوا توانشاء اللہ یہ بھی ہوجائیگا، باقی اسوقت آپ کی تصنیفات جداجدا رسائل کی صورت میں طبع شدہ ہیں اورمولوی محمد یحیٰی صاحبؒ (کاندھلوی) سے مل سکتی ہیں احقر کے پاس بھی موجود ہیں، جہاں سے چاہیں طلب فرمائیں۔

بندہ مؤلف عرض رساہے کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی تمنا کافی عرصہ کے بعد پوری ہوگئی اوراس وقت'' تالیفات رشید'' یہ کی صورت میں یہ تمام تالیفات یکجا دستیاب ہیں، اورحضرت مولانا یحیٰی صاحب کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص تھے اوران کی کتابوں کے طابع اور ناشر تھے،حضرت

گنگوہیؒ کے وصال کے بعد بھی کچھ عرصہ تک ان کا کتب خانہ یہاں چلتا رہا، بعد میں سہارنپوران کے ساتھ ساتھ منتقل ہو گیا تھا، مولانا یحییٰ صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی یہ کتب خانہ ان کے ذی شان صاحبزادے حضرت شیخ الحدیثؒ کے زیر سایہ سرگرم عمل تھا، حضرت امام ربانیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ جیسے اکابر علماء کی وقیع تصنیفات نیز متعدد دینی کتب اس کے تحت اشاعت پذیر ہوئیں، اور فی الوقت یہ کتب خانہ جگر گوشہ وشیخ الحدیثؒ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کی زیرِ نگرانی ''کتب خانہ یحیوی'' کے نام سے جاری وساری ہے اور راہِ سلوک وتصوف پر کتب کی اشاعت اس کا خاص مطمحِ نظر ہے۔ان تصانیف کے اسماء یہ ہیں:

(۱) تصفیۃ القلوب: حضرت حاجی صاحبؒ کی کتاب ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ۔

(۲) امدادالسلوک: تصوف کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ جو اوائل شباب میں بارشاد حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ لکھا گیا تھا۔

(۳) ہدایۃ الشیعہ: ہادی علی شیعی لکھنوی کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔

(۴) زبدۃ المناسک: حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ پر مشتمل ایک جامع رسالہ ہے۔

(۵) لطائف رشیدیہ: چند آیات قرآنی کے نکات اور پردہ مروجہ شرفاء ہند کا حدیث سے ثبوت وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۶) فتاویٰ میلاد وعرس وغیرہ: جس میں مروجہ بدعات وخرافات پر کلام کیا گیا ہے۔

(۷) رسالہ تراویح: بیس رکعت تراویح کا احادیث سے ثبوت اور مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۸) قطوف دانیہ: محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا فقہ سے ثبوت پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔

(۹) جمعہ فی القریٰ: اہل حدیث کے اس فتویٰ کا جواب ہے جس میں انہوں نے گاؤں میں جمعہ جائز ہونے کا ثبوت دیا ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱۰) ردالطغیان: کلام مجید کے اوقاف کو اہل حدیث نے بدعت ثابت کیا تھا اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

(۱۱) احتیاط الظہر: اس بات کے ثبوت میں ہے کہ جہاں جمعہ ہوجاتا ہے وہاں احتیاط ظہر کی حاجت نہیں بعض لوگ ایسی جگہوں پر جمعہ کے ساتھ ساتھ ظہر کے بھی قائل تھے، ان کا تفصیلی رد کیا گیا ہے۔

(۱۲) ہدایۃ المعتدی: قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے جوابات مفصل طور پر دیے گئے ہیں۔

(۱۳) سبیل الرشاد: ردعدم تقلید یعنی غیر مقلدوں کا علاج اوران کے شکوک وشبہات کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

(۱۴) براہین قاطعہ: اس حیثیت سے کہ براہین قاطعہ حضرت امام ربانی کے حکم سے لکھی گئی اور آپ نے اس کو من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اس کو بھی من وجہٍ حضرت کی تصنیف میں شمار کرسکتے ہیں، یہ انوار ساطعہ کا جواب اور رد بدعات وتحقیق سنت میں وہ لاثانی کتاب ہے جس کو حضرت کے رنگ نسبت اور کمالات علمیہ وعملیہ کا مظہر کہیں تو بجا ہے، سنت کے عشق میں جو غصیارہ انداز اور شان جلالی کا اظہار اس میں نظر آتا ہے وہ دیگر تصانیف میں کم ہے۔

یہ تمام مضمون ''تذکرۃ الرشید'' سے قدرے حذف وتغیر کے ساتھ ماخوذ ہے،

علاوہ ازیں آپ کے وہ بیش قیمت خطوط ہیں جو محبین و متعلقین اور علماء وصلحاء کے نام جواباً نوشتۂ تحریر میں آئے ، اور مستقل کتابی شکل میں ''مکاتیب رشیدیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں جن میں تصوف وسلوک کی قیمتی باتیں ملتی ہیں، اوعرعلم وتحقیق کے جواہر پارے ہاتھ آتے ہیں۔

آپکے درسی امالی

آپ نے زندگی بھر کتب حدیث کا درس دیا اور آپ کے قدر دان شاگردوں نے اپنے اپنے طور پر ان کو لکھا وہ ان کے پاس اوران کے متعلقین کے پاس محفوظ رہا اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہے، سب سے آخری دورۂ حدیث پاک آپ سے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کے والد بزرگوار نے پڑھا اور آپ کے درس کو عربی میں تحریر کیا اور پھر انہوں نے اور وقت کے اکابر نے اس کی نقلیں کرائیں اور خوب استفادہ کیا ، کیونکہ آپ کا درس حدیث وفقہ کا بہترین سنگم اور علوم ومعارف کا بحر بیکراں اور تحقیقات عمیقہ کا خلاصہ ہوتا تھا اور اس میں وہ نکات ہوتے تھے جو دوسروں کے یہاں نہیں پائے جاتے تھے،ان درسی امالی اور تقاریر کو جن کو حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے دورانِ درس ضبط کیا تھا حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ان پر مزید حواشی اور تحقیقات کا اضافہ کیا اور حضرت شیخ زکریا قدس سرہ کی تحقیقات لطیفہ کے بعد وہ امالی کتب حدیث کی بہترین شروحات کی شکل میں امت کے سامنے آئی اور محدثین کا ایک بڑا طبقہ ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے، جن میں لامع الدراری شرح بخاری ،الکوکب الدری شرح جامع الترمذی، الفیض السمائی شرح نسائی، الحل المفہم شرح مسلم، وغیرہ وغیرہ مشہور معروف ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ وخلفاء

آپ کے تلامذہ، متعلقین، مریدین، متوسلین، محبین کی تعداد دنیا بھر میں بے حساب ہے، یہاں آپ کے چند مشہور ومعروف متعلقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے چند مشاہیر تلامذہ کے نام درجِ ذیل ہیں

(۱) مولانا ابو الانوار عبدالغفار صاحبؒ مئو ناتھ بھنجن کے باشندے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی محدث کبیر کے استاذ (۲) حکیم مولانا جمیل الدین صاحب نگینویؒ (۳) مولانا امان اللہ صاحب کشمیریؒ (۴) حکیم عبدالوہاب صاحب نابیناؒ (۵) مولانا حامد حسن صاحب دیوبندیؒ (۶) مولانا محمد صفات صاحب غازی پوریؒ (۷) مولانا حسن محمد صاحب مرادآبادیؒ (۸) مولانا روشن خاں صاحب مرادآبادیؒ (۹) مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ (۱۰) مولانا عبدالرحمٰن صاحب کرنالویؒ (۱۱) مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ (۱۲) صاحبزادۂ محترم مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ (۱۳) آپ کے داماد مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ (۱۴) مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہیؒ (۱۵) مولانا عبدالرزاق صاحب قاضی شہر کابل افغانستان (۱۶) مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (۱۷) حضرت مولانا رضاء الحسن صاحب کاندھلویؒ (۱۸) حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ (۱۹) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ وغیرہ وغیرہ۔

خلفاءِ عظام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلفاء ہندوستان کے مشہور ومعروف علماء تھے مثلاً: (۱) مولانا خلیل احمد صاحب انبھٹوی مہاجر مدنیؒ (صاحبِ بذل المجہود شرح ابو داؤد شیخ ومرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ) (۲) حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جو شیخ الہند سے معروف ہوئے ہیں، شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ (۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبھٹویؒ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبھٹویؒ کے عم زاد بھائی تھے (۵) حضرت مولانا محمد روشن خانصاحب مراد آبادیؒ (۶) قطب عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ (۷) اوران کے برادر حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مہاجر مدنیؒ وغیرہم۔

حضرت گنگوہیؒ کا علمی وروحانی مقام

حضرت گنگوہیؒ یوں تو جملہ علوم وفنون میں ماہر کامل تھے مگر خاص طور پر حدیث، فقہ، تفسیر میں آپ کو ایک امتیازی اور خصوصی مقام حاصل تھا کہ آپ کے زمانہ کے کبار اہل علم آپ سے رجوع کرتے تھے، چنانچہ صاحب تذکرۃ الرشید ص ۱۶۳/ا میں لکھتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہ چونکہ علماء ہند کے امام وسرتاج اور مقتدایان اسلام کے مرجع وپیشوا تھے، اسلئے حق تعالیٰ نے آپ کو دین میں وہ مجتہدانہ فہم عطا فرمائی تھی جس سے اُن مالاینحل اور مسائل معضلہ کا حل ہوتا تھا جن میں اذکیاء کی عقول متحیر اور فقہاء عصر کی افہام عاجز ہوجاتی تھیں، آخر کار بحث ومباحثہ ہونے اور غور وخوض کی ماندگی ظاہر

ہو جانے پر وہ مسائل وشبہات آپ کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے اور حضرت مخدوم عالم بے تکلف اس طرح جواب عطا فرماتے تھے کہ سائل حیران رہ جاتا تھا، نیز چونکہ امام ربانی کا وجود باجود حق تعالیٰ کی مخلوق یعنی امت محمدیہؐ کے لئے باعثِ رحمت اور سبب اصلاح تھا، اسلئے جن اغلاط عامہ میں لوگ اس درجہ مبتلا ہوتے تھے کہ عوام تو عوام خواص کا بھی اس غلطی کے غلطی سمجھنے تک ذہن نہ پہنچتا تھا، حضرت مولانا ان غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور اسی وجہ سے بار بار خود تذکرہ فرما کر سامعین کو تبلیغ کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے اسکی ترویج کریں اور ناآشنا کانوں تک پہنچادیں۔

یوں تو حضرت کا فیض عوام وخواص سب کیلئے ابر باراں کی طرح فراواں تھا اور اس بحر علم سے ہر خاص وعام اپنی طلب اور اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کر رہا تھا، اور آپ ہر ہر موقع پر احکام شرعیہ تقریری اور تحریری طور پر امت تک پہنچا رہے تھے، مگر خاص طور پر وہ حضرات جن کا علم وفن امت کو مسلّم ہے وہ بھی آپ سے خاص طور پر استفادہ کرتے تھے، جن میں سرفہرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، چنانچہ حضرت تھانویؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ پیشاب کر کے جو کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں، میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اس کا ثبوت نہیں ہے، ایک بار حضرت امام ربانی سے دریافت کیا تو آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیث مرفوع پڑھ دی ''استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه'' اور کلوخ لینا یقیناً استنزاہ میں داخل ہے، پس بالکل اطمینان ہوگیا۔

تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے اس میں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقا کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں، حضرت قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا گیا فوراً ارشاد فرمایا

کہ ترمذی کی ''کتاب الدعوات'' میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اس کو باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو ''باب التشہد'' میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے، امام ربانی کا سرعت انتقالِ ذہنی اور ملکۂ استنباط فقاہت ان دونوں واقعات سے اظہر من الشّمس ہے۔

نیز ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک مسئلہ میں ایک طویل مکاتبت ہوئی ہے جس کو صاحب تذکرۃ الرشید نے بسط وتفصیل کے ساتھ از ص ۱۱۴ رتا ص ۱۳۵ ر ذکر کیا ہے، جس کو شوق ہو اس کا مطالعہ کرے۔

حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی عقیدت ومحبت

نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
آپ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو جوں ہی آپکی صحبت میں بیٹھے، قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی جس سے سب کدورات رفع ہوگئیں اور قریب قریب آپ کے کل مریدوں میں عقائد کی درستگی، دین کی پختگی، خصوصاً حُب فی اللہ وبغض للہ بدرجۂ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے، یہ سب برکت آپ کی صحبت کی ہے اور ان کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود ومشہور ہیں احقر پر یوں تو ہر صحبت اور ہر مخاطبت میں کچھ نہ کچھ فیض واحسان فائض رہتا تھا لیکن حسب ارشاد نبویؐ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' دو احسان زیادہ قابل ذکر ہیں

ایک علم ظاہری کے متعلق دوسرا باطن کے متعلق، اول کا بیان یہ ہے کہ میں مسائل اختلافیہ میں اہل حق اور اہل بدعت کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمدللہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے، یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلاد وامثالہ جنکو محققین بعض مفاسد کیوجہ سے عوام کیلئے مطلقاً ممنوع بتاتے اوران عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں، ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اوران کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اورعوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں اور جہاں علت نہ ہوگی وہاں معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرّا ہیں ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اوراسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ انکونفس اعمال کی اجازت دیکران کے مفاسد کی اصلاح کردینا چاہئے، بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہوجائے گی اور بالکل منع وممانعت کردینے میں عوام مخالف سمجھیں گےاورعقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی، ایک مدت اس حالت میں گزرگئی اور باوجود دائمی درس وتدریس فقہ وحدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کواس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا۔

حضرت قدس اللہ سرہ کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت وشفقت سے مولوی منور علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا اوراسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے یہ خیال

''خذ ما صفا ودع ما کدر''بعض اذکار واشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمدو رفت وصحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوئے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق وباطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفع مفسدہ کیلئے کافی ہے، سو حضرتؒ نے خصوصیت کیساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا اور غایت کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ غایت کرم وحیا سے بالمشافہہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قدس سرہٗ نے باوجود حاضری مرۃ بعد مرۃٍ کے بالمشافہہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس سے زیادہ لطف وکرم یہ کہ اگر کبھی میں نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اس کو محمل حسن پر محمول فرمایا۔

اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیرومرشد حاجی صاحبؒ نے ایک تقریر درباب ممانعت تنازع واختلاف مسائل معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھکو اس کی تفصیل کا حکم دیا، چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اس لئے اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں اس کو سنایا چونکہ حضرتؒ کو بوجہ لزوم خلوت وقلت اختلاط مع العوام وبنا بر غلبہ حسن ظن عوام کی حالت اور جہالت وضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل معنوں میں حضرت نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط ومہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' شائع کردیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں

نے اپنی بدعات کا موئید سمجھا و انیٰ لھم ذالک کیونکہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحۃً رد ہے صرف خوش عقیدہ و خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اس میں مذکور ہے جس کا مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خود خواص پر کیوں اثر پڑے؟۔

غرض حضرت قدس اللہ سرہ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرتؒ کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجھکو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہو گیا لیکن زیادہ بصیرت کیلئے میں نے اس بارے میں مکاتبت کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں جن کی نقل دو چار جگہ محفوظ بھی ہے بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھکو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہو گئی اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک عظیم باب علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا، جس کا ملخص یہ ہے کہ مدارِ نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے، لیکن فساد عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو خواہ مرتکب اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہو گا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہو گا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کو اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اس کی تقریر پہونچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا اور اصلاح مضمون اس تک نہ پہونچا تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر ہے کہ اگر ایک شخص کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بنجاوے تو برا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع

ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائیگا، پس اس قاعدہ کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کرینگے بلکہ ان مفاسد سے احتراز کیلئے اس فعل کو ترک کر دینگے البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آویں وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جائے گی۔

چنانچہ احادیث نبویہؐ اور مسائل فقہیہ سے یہ سب احکام وقواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں، ان میں سے کسی قدر رسالہ ''اصلاح الرسوم'' میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے، جب میرے اس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع وآثار کی اصلاح بفضلہٖ تعالیٰ ہوگئی، چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت وتلقی سے بھی نجات ہوئی اور فیصلہ 'ہفت مسئلہ'' کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اس کے متعلق اہل افراط وتفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔

دوسرا احسان: متعلق باطن کے ہے اس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے اس لئے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال وکثرت معاصی سے مجھ پر ایسی ایک حالت شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اس کو اس سے زیادہ عنوان کے ساتھ تعبیر نہیں کرسکتا کہ:

دو گونہ رنج وعذاب است جان مجنون را　　　　بلائے فرقت لیلیٰ ووصلتِ لیلیٰ

اس وقت حضرت قدس سرہ نے دعا وتعلیم وہمت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش وحواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اس حالت کے طریان کے فوائد

اور پھر اس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہوئے ان دونوں احسانوں کو امید ہے کہ عمر بھر نہ بھولونگا اور حکم بھی یہی ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر الله" انتہی کلام مولانا تھانویؒ (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۷)۔

اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت تھانویؒ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو کیا درجہ دیتے تھے اور کس طرح آپ سے اپنی اصلاح کے طالب رہتے تھے اور کتنے بلند القاب سے آپ کو یاد کرتے تھے، اور آپ سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ ایک زمانہ میں آپ ہی سے بیعت ہونے کی درخواست بھی کی تھی، چنانچہ "اشرف السوانح" میں باب سیزدہم ۱۳ اشرف بیعت اور استفاضۂ باطنی کے عنوان کے تحت جہاں حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے بیعت وغیرہ کے سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے، کئی جگہ لکھا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی ایک اس وقت جبکہ آپ دارالعلوم میں طالب علم تھے چنانچہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاحب اشرف السوانح لکھتے ہیں: ایک بار حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کسی ضرورت سے مدرسہ دیوبند تشریف لائے حضرت والا زیارت کرتے ہی غایت اشتیاق میں بغرض مصافحہ دوڑے تو ان اینٹوں کی وجہ سے جو اس وقت وہاں نو درے کی تعمیر کیلئے پڑی ہوئی تھیں حضرت والا کا پاؤں بے اختیار پھسلا اور زمین پر گرنے ہی کو تھے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فوراً ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا، حضرت والا کو حضرت مولاناؒ کی زیارت ہوتے ہی اس قدر کشش اور عقیدت ہوئی کہ بقول حضرت والا باوجود اس وقت حقیقت وغایت بیعت بھی نہ سمجھنے کے مولاناؒ سے بیعت کی درخواست کی، مولاناؒ نے

اس بنا پر کہ بزمانۂ طالب علمی شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار فرمادیا، اس واقعہ کا مفصل ذکر خود حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے تذکرہ موسومہ ''یاد یاراں'' میں درج فرمایا ہے، جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

اس واقعہ کے بعد قریب ہی جب حضرت مولانا گنگوہیؒ ۱۲۹۹ھ میں، تیسری بار حج کو تشریف لیجانے لگے تو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھ کر غالباً خود مولاناؒ ہی کے ہاتھ بھیجا کہ مولاناؒ سے میں نے بیعت کے لئے عرض کیا تھا انہوں نے انکار فرمادیا، آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجھکو بیعت کرلیں وہاں آپس میں جو بھی گفتگو ہوئی ہو اس کا علم نہیں لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے جن پر گویا یہ موقع منکشف تھا جیسا بہ تفصیل اوپر ظاہر کیا جاچکا ہے، بجائے مولاناؒ سے بیعت کرلینے کی سفارش فرمانے کے حضرت والا کو خود ہی شرف بیعت سے غائبانہ مشرف فرمالیا اور اب معلوم ہوا کہ مولاناؒ کے انکار بیعت میں یہ قدرتی سبب بھی درپردہ کار فرما تھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو حضرت شیخ العرب والعجم ہی کے حصہ میں آنے کے لئے اور علوم و معارفِ امدادیہ کو بہ توضیح و تنقیح تام و بہ تفصیل و تسہیل تمام شرقاً و غرباً پھیلانے کے لئے پہلے سے منتخب فرمارکھا تھا، بمصداق:

چن لیا لاکھوں میں تجھکو انتخاب ایسا تو ہو پھر کسی اور سے مستقلاً کیونکر متعلق ہوسکتے تھے

اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت والا کے ایک اور ہم سبق طالب علم نے بھی اسی دوران حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی تو ان سے انکار نہیں فرمایا اور ان کو بیعت کرلیا، جس سے حضرت والا کو اور بھی حسرت

ہوئی (اشرف السوانح ج ۱ رص ۱۶۶)۔

مزید لکھا کہ حضرت والا کا تعلق بیعت براہ راست حضرت حاجی صاحبؒ سے تھا لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ساتھ بھی حضرت والا کا اعتقاد قلبی جو اول ہی نظر میں بہ شدت قائم ہوکر راسخ ہو چکا تھا اور جو باعث ہوا تھا حضرت مولاناؒ سے درخواست بیعت کا وہ برابر قائم رہا، اور حضرت والا نے ہمیشہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مثل اپنے مرشد ہی کے سمجھا اور حسب ضرورت مشکلات ظاہری و باطنی یعنی علمی و عملی میں مولاناؒ سے بے تکلف مریدانہ طور پر ہی رجوع فرماتے رہے جیسا کہ بعد کے حالات میں مذکور ہوگا اور حضرت مولاناؒ بھی ہمیشہ بلحاظ شفقت مریدوں کا سا اور بلحاظِ احترام پیر بھائیوں کا سا معاملہ فرماتے رہے، اس امر کی تصدیق کہ مشیت خداوندی نے حضرت مولانا تھانویؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے حصہ میں آنے کیلئے منتخب فرمالیا تھا، اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے قبل تعارف ظاہری ہی مولانا تھانویؒ کو بذریعہ ان کے والد ماجد کے مکہ معظّمہ طلب فرمایا تھا، یعنی ان کے والد کو یہ لکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو لیکر ہمارے پاس آجاؤ۔ بعد میں جب حضرت مولانا تھانویؒ حج کے لئے تشریف لے گئے قیام کانپور کے زمانہ میں تو حضرت حاجی صاحبؒ سے دست بدست بیعت کی نعمت سے مشرف ہوئے اور حاجی صاحبؒ کی خاص توجہاتِ روحانیہ حاصل کیں، جیسا کہ شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بھی اس قصہ کی تفصیل اقوال سلف جلد ۴ رص ۲۰۴ رمیں بیان کی ہے۔

تین کتابوں کے مطالعہ نے سب سے بے نیاز کردیا

حضرت حکیم الامتؒ کی تصنیفات کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے بھی زائد ہے

جنہیں حضرتؒ کی علمی شان اور تصنیفی کمالات کا یہ علم ہو جاتا ہے تو وہ استفسار کرنے لگتے ہیں کہ جس نے ہزار کتاب تصنیف کی ہوں وہ خود تو لاکھوں کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہوگا، ان کے مطالعہ واستفادہ اور اخذ واستنباط اور اوقات میں برکات کا طریقِ کار کیا ہوگا؟ مجھے بھی یہ تصور لاحق رہا اور بار بار سوال بن کر سامنے آتا رہا مگر آج کی روحانی اور کتابی ومطالعاتی ملاقات میں یہ عقدہ بھی حل ہو گیا، حضرتؒ نے خود ارشاد فرمایا:

''مجھے زیادہ کتب بینی کا شوق نہیں ہوا، کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا، عمل کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد وانقیاد تھا، جو کچھ قرآن وسنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایا تھا اس پر دل مطمئن تھا، اور جب تصنیفات کا ذکر آیا تو عرض کیا گیا کہ آپ کی جب اتنی تصنیفات ہیں تو ان کے لئے آپ نے بھی ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی؟ ارشاد فرمایا چند کتابیں ضرور دیکھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں: ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، ان تین کتابوں نے مجھے سب کتابوں سے بے نیاز کر دیا'' شاید ایسے حضرات کے متعلق کسی شاعر نے کہا تھا ؎

وانت الکتاب المبین الّذی باحرفه یظهر المضمر

(ماخوذ از بیس بڑے اولیاء، ص ۱۵۲)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری صاحبؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

نیز اس دور کے بہت بڑے عالم حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی اپنے اشکالات آپ ہی سے حل کرایا کرتے تھے، چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں'' تذکرۃ

الرشید‘‘ میں پیش کی گئی ہیں، جن میں زیادہ تر اشکال اور شکوک وشبہات خالص علمی ہیں، بہت سے تو ہدایہ جیسی ادق فقہی کتاب سے متعلق ہیں، جن کو سمجھنے اور حل کرنے کے لئے بھی فقیہانہ دماغ اور ذوق درکار ہے تبھی ان تحقیقات انیقہ کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ ایک خط میں اس طرح لکھتے ہیں، کمینہ غلامان خلیل احمد اپنے ملجا وماوئی، میزاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علی العالمین، غیاث المریدین، غوث المسترشدین، نائب رسول رب العالمین، قطب زمانہ، مجتہد عصرہ واوانہ، حضرت مولائی ومرشدی مولانا مولوی رشید احمد صاحب دام اللہ ظلال برکاتہم علی العالمین کے خدام کی خدمت عالی میں ملتمس عرض داشت ہے:

کرامت نامہ بجواب عرض داشت توقع سے بہت پیشتر اور امید سے نہایت بڑھ کر نعمتِ غیر مترقبہ ہوکر شرفِ وُرود لایا، اس کمترین غلامان کے سر نیاز کو تاجِ افتخار پہنایا، بوجہ عدیم الفرصتی حضور کے خیال تھا کہ جوابات بدیر اور مختصر ہوں گے لیکن الحمد للہ کہ حسب خواہش جوابات تحریر ہوئے، کس کس عبارت اور کون کون سے لطف کا شکریہ ادا کروں:

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار کہ اگر خار دگر گل ہمہ پروردۂ تست

کہ اس ناکارہ غلامان کے واسطے باوجود عدیم الفرصتی طبع کے تکلیف گوارا فرمائی صلوٰۃ کے بعد بیساختہ دعا نکلی کہ حق تعالیٰ شانہ ذات مصدر فیوض وبرکات کے علم وعمل وعمر میں برکت عطا فرماوے اور بایں فیض رسانی قائم رکھے بتوجہ حضور اکثر جوابات فہم میں آگئے اور شبہات رفع ہوگئے۔

حضرت علامہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے جہاں آپ سے فقہ وحدیث

میں کثیر استفادہ کیا وہیں روحانیت میں بھی بہت زیادہ استفادہ کیا جس کی مختصر تشریح اس طرح ہے: شیخ ومرشد، جامع الکمالات، منبع الفیوض والبرکات، حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ ومجاز مرشد العالم، قدوۃ الصالحین والعاشقین حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ اپنی بہترین تالیف اقوال سلف جلد ۴؍ ص ۲۸۲؍ میں تحریر فرماتے ہیں۔

گنگوہ کی حاضری

غالباً ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں رمضان کے مبارک مہینے میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی زیارت ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے قرآن شریف سنا جس سے آپ کو بیحد کیف وسرور حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بار بار آنے جانے لگے جس سے ان کی صحبت میں بیٹھنے اوران کے ارشادات سننے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ کی عظمت اوران کی محبت وعقیدت دل میں بیٹھنے لگی، آخر کار اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کو (جو حضرت گنگوہیؒ کے استاذ زادے تھے) بیعت کے لئے واسطہ بنایا اور سفارشی خط لکھا کر گنگوہ حاضر ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغناء کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم پیرزادے ہو، خود پیر ہو، تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت، مگر واہ رے خلیل کی قابلیت کہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور عرض کیا کہ حضرت کیسی پیرزادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں، بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں، چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجئے، میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے تھے اور حضرت کے چہرے پر انبساط کی لہر

دوڑنی تھی کہ آپ نے فرمایا بس بس بہت اچھا، اور اس کے بعد بیعت کرلیا۔

فائدہ: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طلب اور صدق ارادت ملاحظہ فرمائیے! پھر حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شانِ استغناء دیکھئے تو معلوم ہوجائے گا کہ طالب ومطلوب دونوں کی شانیں الگ الگ ہیں، پس اگر طالب مطلوب اور مطلوب طالب ہوجائے گا تو پھر فیض کا باب بند ہوجائے گا اور طریق بدنام بلکہ برباد ہوجائے گا جیسا کہ دریں زمانہ مشاہدہ ہے، پہلے چونکہ کام اصولِ طریق کے مطابق ہوتا تھا اس لئے طالبین ومریدین کو کامرانی نصیب ہوتی تھی مگر اب عموماً ایسا نہیں ہے اس لئے محرومی ہمارے لازمِ حال ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ''انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول'' یعنی وصول سے محروم ہوگئے اصول ضائع کرنے کی وجہ سے۔

اجازت وخلافت

آپ چونکہ طالبِ صادق تھے، رسماً تو بیعت ہوئے نہ تھے اس لئے بیعت کے بعد ذکر الٰہی، اصلاحِ اخلاق اور مجاہدہ وریاضت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، شب خیزی کے بھی پابند ہوگئے اور حضرت شیخ کو آپ پر کامل اعتماد ہوگیا تو خود حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مکہ مکرمہ اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں اپنے مرید حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اجازت وخلافت دینے کی گویا سفارش فرمائی، چنانچہ آپ جب رخصت ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے سینہ سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط اور حضرت کے نام مزیّن بہ مہر آپ کے حوالہ فرما کر رخصت کیا، پس جب آپ گنگوہ حاضر ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کا والا نامہ پیش کرکے یہ دونوں عطیئے بھی امام ربانی کے

سامنے رکھ دیئے حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو حضرت کا عطیہ ہے، آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو، نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی، لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا تعالیٰ میں پیش کرسکوں گا، حضرت امام ربانیؒ آپ کے اس حسنِ ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار کے حوالہ فرمایا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، تزکیہ واحسان کے کس بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے شیخ کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کو غور سے پڑھنا چاہئے!

اللہ تعالیٰ شانہ نے میرے قرۃ العین سعید ازلی خلیل احمد کو نسبتِ صحابہ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمہاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب ومناسبت ہے۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور/ص ۱۶۹)

نزہۃ الخواطر میں آپ کو ’’احد العلماء الصالحین وکبار الفقہاء والمحدثین‘‘ کے وقیع الفاظ سے یاد کیا گیا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے ایک خاص استفادہ کیا جس کی تعبیر اختصاص عظیم اور انتفاع کبیر سے کی جانی مناسب ہے، یہاں تک کہ حضرت گنگوہیؒ کے اخص ترین اصحاب میں اور اکبر ترین خلفاء میں اور حضرت کے علوم وبرکات کے مخصوص حاملین میں اور آپ کے طریقۂ فکر اور دعوت کے خاص ناشرین میں سے ہیں، یعنی فکر رشیدی کے بہت بڑے شارح وترجمان اور اپنے شیخ کے علوم کے ایک

عظیم ترین مبلغ اور داعی تھے، اسی کے ساتھ ساتھ عبادت وتلاوت، مجاہدہ ومراقبہ، خلوت مع اللہ، انقطاع عن الخلق، اتصال بالحق تعالیٰ آپ کے خصائل واوصاف تھے، اخیر میں چونکہ آپ کا قیام مدینہ طیبہ میں ہوگیا تھا، تمام نمازیں مشقت کے باوجود مسجد نبوی شریف علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتسلیم میں ادا کرنے کا زبردست اہتمام اور اذکار واوراد اور ذکر واشغال کے ساتھ بے پناہ شغف تھا، یہاں تک کہ جملہ ماسوا اللہ سے بالکل فارغ اور شغل یار میں مشغول ہوکر ایک خلیل اللہؑ کی صفات سے متصف ہوکر وقت گذار کر اللہ کو پیارے ہوگئے، آپ کو فقہ وحدیث میں ملکۂ تامہ، مناظرے اور محاجہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔
(نزہۃ الخواطر ص ۱۴۷ رج ۸)

مدرسہ مقصود نہیں رضاءِ الٰہی مقصود ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک اصلاحی مکتوب

حضرت مولاناؒ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ سے لے کر ۱۳۱۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم کی حیثیت سے رہے، وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ کے اہتمام کا تھا جو اس مدرسہ کے بانیین میں سے تھے، چند سال کے بعد ممبران کمیٹی کے اضافے میں اختلاف پیدا ہوا اور اس نے فتنہ وشورش پیدا کردی جس کا اثر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جو مدرسہ کے مدرس اول تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر جو مدرسہ کے مدرس دوم تھے بہت زیادہ پڑا، اس لئے دونوں حضرات نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مدرسہ کے حالات من وعن تحریر کئے اس کا جو جواب عنایت فرمایا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

برادران مکرمانِ بندہ مولانا محمود حسن صاحب ومولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما، بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید، آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا، آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی لہذا یہ تحریر ضروری ہوئی، میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب وپریشانی ہے تم تو ''ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ'' پر قانع رہو، مدرسہ سے فقط آپ کو اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ، اگر حق تعالیٰ مدرسہ بند کرادے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا، اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا، جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہوجائے گا، تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو؟، خبر بھی مت پوچھو کہ کیا ہو رہا ہے اپنا کام کئے جاؤ، تمہارے برابر تو کسی کے دست وپا نہیں چلتے تم کیوں بے دست وپا اپنے آپ کو لکھتے ہو، جس کام میں تم ہو اس میں تکرار نہیں، اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادتی ہو، تمہارا کیا حرج ہے؟ تم اپنا کام کرو، حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو، ہماری تمہاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف، اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہوگئے تو تم پر کیا بار ہے، بس تم جیسے لوگوں سے تردد کا ہونا بے موقع ہے تم کسی امر میں لب کشا مت ہو، کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے، انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیں اور اندیشۂ بدمعاشاں کیوں کرو، اس شعر کو مدنظر رکھو

شعر

قصدِ ظالم بسوئے کشتنِ ما　　　　دلِ مظلومِ ما بسوئے خدا

یعنی ظالم کا قصد تو ہمیں مار ڈالنے کا ہے، اور ہمارے مظلوم دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

او دریں فکر تا بما چہ کند ما دریں فکر تا خدا چہ کند

ظالم تو اس فکر میں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے، اور ہم اس فکر میں ہیں دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا کارروائی فرماتا ہے۔

اے عزیزان! روزِ ازل مقدر ہو چکا ہے، ذرہ ذرہ جو واقع ہوگا مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہوگا اور ہو کر رہے گا، خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے، پھر تم کیوں سرگشتہ ہوتے ہو، ''ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود'' یعنی محبوب کی طرف سے جو کچھ پیش آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! اس مکتوب گرامی میں کیسی نصیحتیں مذکور ہیں جن سے حضرت گنگوہیؒ کی فہم وفراست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، واقعی پیر دستگیر وہی ہے کہ پیروں کے پھسلنے کے موقع پر مریدین کو سنبھال لے، نہ کہ مزید الجھاوے اور قعرِ ضلالت میں گرادے، اس لئے ایسی نصائح کو تو پیر و مرید سبھی کو مستحضر رکھنا چاہئے تاکہ اصلاح وتربیت کا سلسلہ بخوبی جاری رہے (اقوال سلف رص ۲۸۱ حصہ چہارم)۔

الغرض: حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کی توجہ کیمیا اثر کی برکت سے علم ومعرفت، فضل وکمال، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، صبر وشکر، ذکر وفکر، اتباعِ شریعت وسنت، ردِ بدعات وخرافات، کے بلندترین مقام پر پہونچے اور تصنیف وتالیف، اور رجال اللہ کو تیار کرنے میں آپ نے بڑی زبردست خدمت کی، ایک طرف پورے دس سال پانچ ماہ دس دن حضرت شیخ زکریاؒ کی پوری معاونت کے ساتھ ''بذل المجہود'' ابوداؤد

شریف کی بے نظیر شرح لکھی جو عرب وعجم میں مقبول ہوئی، جس پر کبار علماء نے تقاریظ لکھیں، اور ہر حدیث کے طالب اور مدرس کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہوا اور جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ''حسام الحرمین'' نامی کتاب میں اکابر دیوبند کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے ان کی تکفیر کی اور علمائے حرمین سے اس پر دستخط کرائے تو بریلوی گروہ کے اس فتنۂ تکفیر سے متاثر ہوکر علمائے مدینہ نے اپنے طور پر حضرت اقدسؒ سے اہل دیوبند کے عقائد ونظریات کے متعلق ستائیس سوالات دریافت کیے تھے، جن کے مدلل جوابات حضرت نے تحریر فرمائے، یہ تالیف ''المُهَنَّد علی المُفَنَّد'' کے نام سے موسوم ہے لیکن معروف نام ''تصدیقات لدفع التلبیسات'' ہے'' نیز جب مولوی عبدالسمیع رامپوری نے ''انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ'' نامی ایک کتاب تالیف کی جس میں مولود وفاتحہ سے متعلق مروجہ بدعات کو ثابت کرنے کے لئے پورا زور قلم خرچ کر ڈالا تو حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی شیدائے سنت طبیعت ان بدعاتِ مزخرفہ اور عقائد باطلہ کی کہاں تاب لاسکتی تھی، آپ نے ان سب کی تردید فرمائی اور ان تمام بدعات کی قلعی کھول کر رکھدی جو سنت ومستحب کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کی گئی تھیں، اس کتاب کا پورا نام ''البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ'' ہے ۱۳۰۴ھ میں تالیف ہوئی (تاریخ مشائخ چشت رص ۳۲۱)۔

نیز آپ کو طالبین حق اور سالکین راہِ طریقت کے ارشاد میں بہت ملکہ تھا آپ کو اللہ پاک نے معرفت ویقین کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، صاحب نسبت قویہ، افاضات قدسیہ نیز جذبۂ الٰہیہ رکھنے والے بزرگ تھے، منازل سلوک معالم رشد وہدایت اور تصوف وطریقت کی باریکیوں میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، اور دوسری طرف آپ کی صحبت وتربیت سے

اصحاب شریعت وطریقت کی ایک کامل ترین جماعت تیار ہوئی جنہوں نے تصحیح عقائد باطلہ اور تربیت نفوس اور دعوت واصلاح میں زبردست کام کیا، جن میں حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ صاحب الدعوۃ المنتشرۃ فی العالم اور محدث جلیل حضرت شیخ محمد زکریا صاحبؒ (جن کے فیض و برکت، زبان وقلم، علم وفہم، درس وتدریس، مدرسہ اور خانقاہ سے ایک عالم کا عالم فیضیاب ہوا اور ہورہا ہے) اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ وغیرہم سرفہرست ہیں۔ آپ کے خلفاء میں گنگوہ کے علماء میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ مصنف تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق اور حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی مشاہیر اہل علم وصلاح میں شمار ہوتے ہیں:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس طرح حضرت گنگوہیؒ نے بدعات وخرافات کی اصلاح میں اپنے افراد کو تیار کیا اور ان کو ہر میدان میں اتارا، مناظروں کا موقعہ ہوا مناظرے کرائے، کتابیں تصنیف کراکر ان بدعات وخرافات کا ازالہ کیا، کبھی اہلِ بدعت کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی، کبھی شیعوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے اور کبھی انگریزوں کے خلاف جہاد کا میدان گرم کیا، عوام کو ذکر وفکر کے ذریعہ سے اور طلبہ کو قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ذریعہ سے فیضیاب کیا، الغرض جس طرح بھی ان کی وسعت اور قدرت میں تھا ہر نوع سے ایک عظیم تجدیدی کام انجام دیا، اور اس طرح حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی باطنی بصیرت نے جو مشاہدہ کیا تھا بوجہ اکمل ان صفاتِ عالیہ کا ان کی ذات سے ظہور ہوا، شریعت وطریقت کی تجدید کی، مسلمانوں اور اسلام کے تحفظ کیلئے ''شاملی'' کا میدان گرم کیا، اس طرح اپنی تمام عمر اشاعت اسلام، حفاظت ایمان میں صرف کردی، اللہ پاک

ان حضرات کے درجات بلند سے بلند فرمائے، آمین۔

وفات حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ

مدینہ پاک میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں اہل بیت کے مزارات کے متصل ۱۶؍ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء بروز چہار شنبہ مدفون ہوئے، آپ کے جنازہ میں اژدحام کبیر تھا اور انتقال کے بعد آپ کے تعلق سے بہت سے مبشرات لوگوں کو نظر آئے جن کی طرف صاحبِ نزہہ نے اشارہ کیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت شیخ الہندؒ حضرت الحاج مولانا محمود حسنؒ ہندوستان کے کبار علماء، صلحاء، اتقیاء اور عارفین میں سے ہیں، آپ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی شہر میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے چنانچہ صاحب ''تذکرۃ الرشید'' لکھتے ہیں کہ آپ علوم دینیہ میں خصوصاً حدیث کے اندر شہرۂ آفاق اور بخاریٔ وقت ہیں، کمالات علمیہ وعملیہ سے مالا مال اور دولت شریعت وطریقت کے بادشاہ ہیں، اپنی حالت کا اخفا اور کتمان اس درجہ ہے کہ خواص کو پتہ لگنا دشوار ہے، حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں[1]، اس وقت آپ کی بابرکت ذات سے کئی سو بلکہ کئی ہزار علماء محدثین بن چکے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اگر آپکو استاذ الکل کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے، کسر نفسی اور تواضع کا سبق آپ کے

---

[1] چنانچہ ہندوستان کے کبار علماء اور مشائخ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں جن میں حکیم الامہ حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ جیسے کبار علماء شامل ہیں۔

قدم قدم پر ہر حرکت وسکون سے حاصل ہوتا ہے، بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا مگر جو ہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے اور مشک کو کیسے ہی کپڑوں میں چھپایئے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا، آخر طالبین نے دامن پکڑا اور الحمدللہ ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال ہورہے ہیں، مولانا ممدوح کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے بھی تعلق زیادہ تھا ، اسلئے آسمان ہدایت کے ہر دونیّرین کے رنگ نسبت سے مستفیض ہیں، مولانا کی مدتوں عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے پاپیادہ گنگوہ پہونچتے اور جمعہ کی نماز حضرت امام ربانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیوبند آ لیتے تھے، کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دینا رہتا تھا، ہر ہفتہ ایک دن میں چالیس کوس کی مسافت کا طے کرنا جس غلبہ شوق ومحبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چپ چپاتے جاپہونچتے اور عام خدام کی طرح بیٹھ جاتے تھے، ایک بار حضرت نے آپ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ مولوی محمود حسن تو علم کا کٹھلا ہیں (تذکرۃ الرشید ۱۵۴/ج۲)۔

نیز صاحب نزہۃ الخواطر ص ۴۹۴/ج ۸/ میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ اللہ کی کھلی نشانی تھے، علو ہمت، اخذ بالعزیمت، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی محبت ، اعدائے اسلام سے نفرت وعداوت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان جملہ اوصاف کے ساتھ نہایت متقی وپرہیزگار اللہ کی طرف قلب وقالب سے متوجہ ہونے والے دین کی نصرت اور حق کی اعانت میں پیش پیش اللہ پر زبردست توکل اور اعتماد کی کیفیت رکھنے والے بزرگ تھے، آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ روحانیہ میں کثیر استفادہ کیا یہاں تک کہ آپ کو حضرت گنگوہیؒ سے

اجازت وخلافت حاصل ہوئی، چنانچہ تذکرۃ الرشید میں آپ کے خلفاء اور مستفیدین میں دوسرے نمبر پر آپ ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

نیز بعض بزرگوں کی تحریرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی براہ راست اجازت وخلافت حاصل ہوئی، چنانچہ اقوال سلف میں صفحہ ۲۶۵ رپر جہاں آپ کے حج کا تذکرہ ہے جو ۱۲۹۴ھ میں ہوا تھا، جس میں اکابر اعلام امت حضرت مولانا قاسم صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ تھے، آپ بھی ان کے ساتھ تھے اور مرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ان دنوں مکہ معظّمہ میں ہی مقیم تھے، چونکہ ہندوستان سے ہجرت فرما کر جا چکے تھے، یہ قافلہ ان کی زیارت کو پہنچا اور حج سے فراغت کے بعد پھر مدینہ پاک گئے، پھر مدینہ پاک سے مکہ معظّمہ واپس ہوکر ایک ماہ قیام ہوا، اس دوران حضرت نانوتویؒ کی خفیہ استدعاء پر حضرت حاجی صاحبؒ نے نہ صرف حضرت شیخ الہندؒ کو شرف بیعت عطا فرمایا بلکہ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا اور بعد میں اجازت نامہ ہندوستان روانہ فرمایا، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قصہ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کے تعلق کے بعد کی بات ہے، اور ان کے اس تعلق کا علم حضرت نانوتویؒ کو بھی تھا، اور حضرت نانوتویؒ کو حضرت حاجی صاحب سے تعلق تھا اس تعلق کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ ان کو بڑے حضرت کے فیوض وبرکات سے بھی مالا مال کرائیں اور فیضیاب کریں اس لئے انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا اور توجہ کرائی اور حضرت حاجی صاحب نے ان کے اوصاف وکمالات دیکھ کر اور

حضرت گنگوہیؒ کی تربیت اور اپنائیت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سے بھی منسلک کیا اور اجازت وخلافت سے بھی نوازا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نیز نزہۃ الخواطر ص۴۹۴ر ج ۸ر میں بھی اسی طرح ہے ثم اخذ الطریقة عن الشیخ رشید احمد الگنگوهی، وکان یترد د الیه غیر مرة فی السنة، وحصلت له الاجازة منه، حتی کبره موت الکبراء، لقیته بدیوبند غیر مرة، ووجدته ملازماً للعبادة والورع، وقیام اللیل والسداد فی الروایة، سریع الادراک شدید الرغبة فی المذاکرة بالعلم، ذاعنایة تامة بالفقه واصوله، بحفظ متون الاحادیث، وانتهت الیه رئاسة الفتیاوالتدریس فی آخر امره۔

حضرت شیخ الہندؒ کی حضرت گنگوہیؒ سے غایت درجہ عقیدت

حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت قدس سرہ کی شان مبارک میں فرمایا باوجودیکہ حضرت قدس سرہ خاندان حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ میں منسلک تھے مگر اتباع سنت میں ایسے ثابت قدم اور درجہ مقبولیت پر پہنچے ہوئے تھے کہ صوفیاء زمانہ کو یہ دکھلا دیا کہ اصل طریقہ چشتیہ یہ ہے اور نسبت نبویہ جو بواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مشائخ تک پہنچی ہے یہی ہے اور اس اصل میں سب طرق برابر ہیں اور منتہی سب کا یہی ہے، طریق ارشاد نیا اور نہایت عجیب وپراثر تھا بہت سی رسوم مروجہ کو مٹایا اور بہت سی سننِ مخفیہ کو ظاہر فرمایا، شریعت اور طریقت کی تجدید فرمائی اس آخری زمانہ میں مدار ہدایت وارشاد آپ کی ذات بابرکات تھی، احقر کو ایک بار بوقت حاضری سرہند یہ امر قلب پر وارد

ہوا کہ حضرت قدس سرہ قطب ارشاد ہیں اور اس وقت سلوک طریقہ مرضیہ ومقبولہ رسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ ہے، اور یہ کہ آپ مجدد ہیں، احقر نے اس اپنے خیال کو حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب قدس سرہ خلیفہٗ خاص حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں بھی عرض کیا تو حضرت مولانا موصوف نے اس کی تصدیق فرمائی، بہر حال یہ خیال احقر کا جس درجہ کا بھی ہو حضرت قدس سرہ کی تحقیقات جدیدہ متعلق احکام شریعت وطریقت ونکات قرآن وحدیث وبیان دقائق علمیہ اور آپ کا طریق ارشاد حجۃ واضحہ امور مذکورہ کی صحت کی ہے، اور کسی کے جواب وخیال کی حاجت اس کی تصدیق کیلئے نہیں کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' **ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم** (تذکرۃ الرشید ص ۲۶ ج ۲)۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر روشنی ڈالتی ہوئی حکیم الاسلامؒ کی ایک تحریر

موقع کی مناسبت سے حضرت شیخ الہندؒ کے مختصر حالات پیش کیے جاتے ہیں، یوں تو حضرت پر بہت سے لوگوں نے کتابیں اور مضامین لکھے مگر ہم تبرک کے طور پر حضرتؒ کے سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

''صدارتِ تدریس'' دارالعلوم کا اہم ترین اور ذمہ دارانہ عہدہ شمار کیا گیا ہے جس پر وہ ہستی فائز تھی جو حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کے نام نامی واسم گرامی سے معروف ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

آفتاب کو ممکن ہے کہ کچھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن علمی دائرہ کا کون فرد ہوگا جو اس یگانہ روزگار ہستی اور اس کے فیوض و برکات سے واقف نہ ہو؟ علمی میدان میں عارف باللہ، عملی میدان میں مجاہد اعظم، اخلاقی میدان میں فانی فی اللہ، سیاسی میدان میں زعیم مخلص، عقلی میدان میں فرزانہ فرید، شعر وادب کے میدان میں ادیب بے مثال، شخصیت کے میدان میں شیخ کامل، دارالعلوم کو اگر آسمان فرض کیا جائے تو اس آسمان کا سورج اپنے وقت میں شیخ الہند کی ذات بابرکات تھی، ان کی مدح کرنا اپنی مدّاحی ہے ''مادح خورشید مداح خوداست'' ان کی سوانح حیات الگ شائع شدہ ہے جس سے شیخ الہندؒ کے انفاس طیبہ عیاں ہیں ''اسیر مالٹا'' نامی کتاب الگ چھپ چکی ہے جس سے شیخ الہندؒ کے صبر و جہاد اور بغض للّٰہ وحب فی اللہ کی داستان حیات نمایاں ہے، تلامذہ کی تعداد ہزاروں کی الگ ہے جو ان کے علم وفضل کا اشتہار ہے، متوسلین ہزاروں کی تعداد میں الگ ہیں جو ان کی شان تربیت کا اعلان ہے، خود ان کی تصانیف الگ ہیں جو ان کے مدرک فکر کو نمایاں کر رہی ہیں، ملک وسیاست کی کھلی بساط پر ان کے مجاہدانہ کارنامے اور قید و بند اور تحمل شدائد و مصائب کی داستانیں الگ ہیں جو انکے جوش عمل کا کھلا تعارف ہیں اس لئے وہ کونسا دائرہ علم وعمل رہ جاتا ہے جسے اچھوتا سمجھ کر سپرد قلم کیا جائے، بجز اس کے کہ انکا نام نامی لے دیا جانا ہی سارے کمالات کا تذکرہ ہو جاتا ہے، سورج کا نام لے دینا ہی روشنی وگرمی کا تذکرہ ہے، نام لے کر اس کی روشنی وگرمی کا تعارف کرانا اس پر اور اس کے کاموں پر گویا خفاوتستر کا عیب لگانا ہے جس سے وہ بری ہے، آفتاب کے کاموں کی دلیل محض اس کا نام لے دیا جانا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت ممدوح کی ہمتِ ظاہری و باطنی سے علم و اخلاق کے کتنے پیکر تیار ہوئے اور عالم اسلامی میں ان کے آثارِ صالحہ کس حد تک پھیلے، نیز آپ کی ذات سے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے علمی و عملی و اخلاقی مسلک کا کس حد تک شیوع و فروع ہوا نہ اس کیلئے یہ سطریں کفایت کرسکتی ہیں اور نہ یہ اس تحریر کا موضوع ہی ہے مقصد صرف تذکار و یادگار اور اس حیلہ سے نام نامی اور اسم گرامی کا زبانِ قلم پر لے آنا ہے۔

آپ نے دارالعلوم میں ۱۲۹۰ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کی حیات ہی میں ۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم کے مدرس چہارم مقرر ہوئے ۱۲۹۷ھ میں جب کہ حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوئی فرطِ غم سے درس و تدریس کا سلسلہ ترک کردیا اور فرمایا کہ اب پڑھنے پڑھانے کا لطف نہیں، گھاس کھود کر زندگی بسر کرلیں گے اور یادِ استاد میں عمر گزار دیں گے، لیکن حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اور دوسرے اکابر کے کہنے اور سمجھانے پر راضی ہوئے اور پھر سلسلہ تعلیم جاری فرمایا ۱۳۰۸ھ میں آپ عہدۂ صدارت تدریس پر لئے گئے اور آپ کو حضرت گنگوہیؒ نے اس مقدس عہدہ کے لئے چنا اور آپ کے فیوض سے علمی حلقے مستفید ہونے شروع ہوئے، آپ کی ظاہری و باطنی برکات سے دارالعلوم دیوبند کا احاطہ چالیس برس تک جگمگاتا رہا۔

حضرتؒ کے صبر و تحمل کا ایک عجیب قصہ

حضرت کا بدن خلقی طور پر نہایت چکنا اور صاف تھا، رواں بہت کم تھا، کمر ملنے والے کچھ طلبہ کمر مل رہے تھے وہ یہ سمجھے کہ بدن چکٹا ہوا ہے صابن تو تھا نہیں کہ اس مزعومہ

چھلٹے پن کو وہ دور فرماتے تو ان ظالموں نے نہر کا ریت ہاتھوں میں لے کر کمر کو اس سے رگڑنا شروع کیا جیسے پرانے تانبے کا برتن مانجھتے ہیں اور زور سے گھسّے دینے شروع کئے جس سے حضرت کو سخت اذیت پہونچی کمر میں خون تک چھلک آیا مگر یہ نا سمجھ سمجھے نہیں کہ ہم راحت کے نام پر کتنی شدید اذیت پہونچا رہے ہیں مگر حضرت نے ''اف'' تک نہ کی کہ یہ طبیعت سے کمر مل رہے ہیں انہیں روکوں گا تو ان کا دل دکھے گا اور اس عرصہ میں ان نادان دوستوں نے کمر کو اچھا خاصہ زخمی کر دیا اور انہیں کوئی احساس نہ ہوا کہ ہم نے کیا کیا، بات اس طرح کھلی کہ نہا دھو کر جب حضرت مع ان طلبہ واپس ہوئے اور کمر میں سخت چرچراہٹ اور سوزش تھی تو راستہ میں کچھ بیل گزرے جس میں سے ایک بیل کی کوہان زخمی تھی اور اس میں سے خون بہہ رہا تھا تو یہی کمر مال طلبہ کہنے لگے کہ نہ معلوم یہ بیل بیچارہ کس طرح زخمی ہوا ہے؟ تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی پنجابی نے اس کی کمر ملی ہے، تب یہ طلبہ اپنے کئے کو سمجھے اور نادم ہوئے، مگر حضرت نے الٹے انہیں تسلی اور شاباشی دینی شروع فرمادی، سبحان اللہ! کیا داشت اور کیا دلداری تھی کہ اذیتیں سہتے تھے مگر کسی نادان تک کے دل کو میلا کرنا گوارہ نہ فرماتے تھے، اور اگر کبھی کسی کے پوچھنے پر کسی کی خدمت سے پہونچی ہوئی تکلیف کو ظاہر بھی کرنے کی نوبت آتی تو اتنے لطیف اور خوشگوار پیرایہ میں کہ وہ خود ایک مستقل علمی لطیفہ بن جاتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ چند پنجابی طلبہ ہی نے حضرت کے پیر دبانے شروع کئے اور دبانے میں اپنی جوانی کا زور پورا ہی صرف کر ڈالا، حضرت طبعاً بدن کے نازک تھے، اندازہ کیجئے کہ کس درجہ اس زور آوری سے کلفت ہوئی ہوگی مگر اف تک نہ کی کہ ان محبین

کا دل براہوگا وہ اس عقیدت ومحبت سے پیر دبا رہے ہیں اس لئے حضرت اس غیر معمولی اذیت کو برداشت کرتے رہے مگر ان محبوں کو اس کا قطعاً احساس نہ ہوا، یہ سب کچھ کرکے خبر سے داد لینے کی بھی ان حضرات میں آرزو پیدا ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت ٹانگوں کا درد تو جاتا رہا ہوگا، فرمایا ہاں پہلا تو جاتا رہا، اس سے وہ سمجھے کہ ہم نے پہلا درد تو رفع کیا یا نہیں کیا مگر نیا درد ضرور پیدا کردیا ہے، تب معذرت شروع کی مگر حضرت نے ہنس کر بڑی شفقت سے اوران کی دلداری شروع فرمائی اور محبت و پیار کے کلمات ارشاد فرمائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی کسرِ نفسی اور دلداری

جن حضرات کی کسرنفسی اور دلداری کا اپنے چھوٹوں کے سامنے یہ عالم تھا اندازہ کرلیا جائے کہ اپنے بڑوں کے سامنے ان کے عجز و نیاز کا کیا درجہ ہوگا؟ حضرت نانوتویؒ کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب مرحوم جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو علاج کے لئے دیوبند لائے گئے تھے، قیام حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر تھا دستوں کا مرض تھا بعض اوقات دستوں کی کثرت سے کپڑے بھی آلودہ ہوجاتے اور انہیں دھونا پڑتا تھا، حضرت نانوتویؒ کے خدام نے کپڑوں کا دھونا اپنے ذمہ لینا چاہا مگر حضرت اجازت نہیں دیتے تھے، اور فرماتے کہ یہ میرا حق ہے اسے تلف مت کرو چنانچہ خود کپڑے دھوتے تھے، اسی دوران ایک دفعہ دست چارپائی پر خطا ہوگیا، اس وقت نانوتویؒ یہاں موجود نہ تھے صرف حضرت شیخ الہند موجود تھے اور صورت ایسی ہوگئی کہ نجاست اٹھانے کے لئے کوئی ظرف بھی نہ تھا تو حضرت شیخ نے بے تکلف ساری نجاست اپنے ہاتھوں اور ہتھیلیوں میں

لے لی اور سمیٹنی شروع کر دی، تمام ہاتھ گندگی میں آلودہ ہی نہ تھے بلکہ ہاتھوں میں نجاست لبریزی کے ساتھ بھری ہوئی تھی، حضرت نانوتوی پہنچ گئے اور دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ نجاست سے اور مواد سے بھرپور ہیں اور وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر بار باہر جاتے ہیں اور پھینک پھینک آتے ہیں، اس پر حضرت نانوتویؒ بیحد متاثر ہوئے اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور عرض کیا کہ خداوندا! محمود حسن کے ہاتھوں کی لاج رکھ لے، اور اس خاص وقت میں جو بھی اپنے اس محبوب تلمیذ کے لئے مانگ سکتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے مانگتے رہے، اس قبولیت اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے کیا کچھ اثر نہ دکھلایا ہوگا، دکھلایا اور وہی مولوی محمود حسن تھے کہ ہند کے شیخ اور عالمگیر زعیم بنے جن کی فراست و جوانمردی اور جوش جہاد کے چرچے ہند و بیرون ہند میں تھے، امیر امان اللہ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں، جمال پاشاہ گورنر حجاز نے حضرت کے مختصر سے جثہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین اور سیاست بھری ہوئی ہے، برطانیہ کے ایک ذمہ دار (سر جیمس مسٹن گورنر یوپی) نے کہا تھا کہ اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر اڑے گی، یہ تو حکمرانوں اور سلاطین کے مقولے تھے جن سے حضرت اقدس کی سیاسی بصیرت جوش عمل اور بغض للہ ظاہر ہوتا ہے اور ادھر حضرت گنگوہیؒ نے جو حضرت شیخ الہند کے مربی تھے فرمایا کہ محمود حسن علم کا کھلا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا کمالِ احتیاط

اس جوش جہاد اور غیر معمولی بغض فی اللہ پر احتیاط و تدین کا یہ عالم تھا کہ تحریک

خلافت کے دوران جب ترک موالات کے بارے میں حضرت سے استفتا کیا گیا تو اپنے تین محبوب ترین شاگردوں (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کو بلا کر فرمایا کہ بھائی یہ استفتاء آیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا جواب آپ لکھ دیں کیونکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰىٓ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (سورۂ مائدہ) اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف کے خلاف کچھ کہو، عدل کرو کہ وہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور مجھے انگریزوں سے جس درجہ عداوت وبغض ہے اس کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہیں میں ان کے بارے میں خلاف انصاف کوئی بات نہ لکھ جاؤں، جو حضرات دشمنوں کے بارے میں بھی یہ احتیاط وتدین اور رعایت حدود فرمائیں ان کا تقویٰ وتقدس دوستوں اور حق کے بارے میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

بہر حال یہ تھے شیخ الہند اور یہ تھا ان کا ایمان وتقویٰ اور علم وفضل اور ورع واحتیاط، یہ چند باتیں سامنے کی گزری ہوئی ہیں اس لئے زبانِ قلم پر آگئیں اور وہ بھی بطور تذکرۂ عقیدت ومحبت ورنہ کہاں شیخ کی سوانح حیات اور رفیع حالات اور کہاں ہم جیسے ناکارہ؟ (عظیم مدنی نمبر ص ۷۰)۔

حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے اخلاص کا عجیب واقعہ

حیات شیخ الہند میں حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ لکھتے ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب کے اصرار سے ایک مرتبہ مدرسہ جامع العلوم کانپور

کے جلسۂ دستار بندی میں وعظ شروع فرمایا، حضرت مولانا ایک بڑا عالی مضمون بیان فرما رہے تھے جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھی ؒ اثنائے وعظ میں آکر شریک جلسہ ہوئے، حضرت کی ان پر نظر پڑی تو فوراً درمیان میں ہی وعظ قطع فرما کر بیٹھ گئے، اور آپ کے بے تکلف ہم سبق مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ نے جب کہا کہ مولانا یہ کیا کیا یہی تو وقت تھا؟ تو فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھکو آیا تھا اسی لئے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کیلئے ہوگا نہ خالصاً لوجہ اللہ (حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷)۔

حضرت شیخ الہندؒ کے لباس کا انداز

سنا ہے کہ جوانی میں حضرت مولانا لباس نفیس اور مکلّف پہنتے تھے، لیکن چند ہی روز کے بعد نہایت سادہ بالکل طالبعلمانہ ملائی وضع کا ہوتا تھا، نہ ایسا پھٹا پرانا کہ دیکھنے والے نفرت وکراہت کریں یا محتاج سمجھیں، نہ ایسا شاندار کہ امتیاز اور خصوصیت کا شائبہ ہو، مولانا محمد قاسمؒ کو کسی نے دیکھا ہو تو آپ کو دیکھ لے، اتفاقیہ کہیں قیمتی کپڑا میسر ہوگیا تو وہی پہن لیا، ادنیٰ سے ادنیٰ موجود ہوا تو اسمیں بھی عار نہیں، کبھی بیلدار چکن کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے جا رہے ہیں اور کبھی معمولی دھوتر اور گزری کا پیراہن پہنے ہوئے دار العلوم دیوبند کی صدر مدرسی کی مسند پر بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے ہیں، نہ اس میں افتخار نہ اس میں عار مالٹا کے سفر سے پہلے بھی دیسی کپڑے کو زیادہ پسند فرماتے تھے اور اب آخری زمانہ میں تو اس طرف نہایت ہی توجہ ہوگئی تھی اور دوسروں کی ترغیب وتحریص کیلئے معمولی دیسی کپڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے، آپ کا وصال ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء میں ہوا اور ''مزار قاسمی'' میں مدفون ہوئے (حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۴)۔

آپ کے وصال کے بعد اکابر پر کیا گزری اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے، جنکو حضرت مولانا سید اصغر میاں صاحب نے حیات شیخ الہندؒ میں ذکر کیا ہے۔

مدرسہ میں پڑ رہا ہے آج کیسا زلزلہ	قاسم الخیرات کا ثانی اٹھا جاتا ہے آج
باغباں رخصت ہوا گلزار سونا ہوگیا	رونقِ دارالحدیث و مدرسہ جاتا ہے آج
گونجتا تھا جس کی تقریروں سے سارا مدرسہ	وہ مقرر ساکت و صامت چلا جاتا ہے آج
مدتوں روئیگا جس کو آپ کا دارالعلوم	ہائے استاذِ علوم انبیا جاتا ہے آج
آئے ہیں لینے رشیدؔ و قاسمؔ امدادؔ و رفیعؔ	سوئے جنت سرپرستِ مدرسہ جاتا ہے آج
کون سکھلائے گا اب ہمکو علومِ انبیا	عالمِ علمِ حدیث مصطفٰی جاتا ہے آج
ان کے جانے سے مٹی جاتی ہیں پہلی صورتیں	وہ رشیدی قاسمی نقشہ مٹا جاتا ہے آج
بیکسی دیکھی نہیں جاتی ترے خدام کی	بیقراری سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے آج
یاد کرتا تھا اسیر مالٹا کو مالٹا	لیجئے ہندوستاں خالی ہوا جاتا ہے آج
قیدِ ہستی سے رہا ہوکر بصد فرح و سرور	ثانیٔ قاسم اسیر مالٹا جاتا ہے آج
جس کے دم سے کل تلک گلزار تھا دین تمام	چھوڑ کر بستی سوئے صحرا چلا جاتا ہے آج
دفن ہوتا ہے زمیں میں آج وہ شمس العلوم	تیرہ و تاریک اک عالم ہوا جاتا ہے آج
اہلِ عالم آج کیوں چھوٹے بڑے ہیں اشکبار	مرشدِ کامل ولیٔ رہنما جاتا ہے آج

(حیات شیخ الہندؒ ص ۱۵۳)

حضرت شیخ الہندؒ کی کثرت عبادت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ لوگ ان کو شیخ الہند کہتے ہیں حالانکہ وہ شیخ العالم تھے) کے قدم ایک مرتبہ کثرت عبادت کی بناء پر ورم کر گئے تو اس پر خوش ہو کر فرمایا کہ آج ایک سنت "حتی تورمت قدماہ" (حضور اقدس ﷺ کے قدمہائے مبارک کثرت قیام کی بناء پر ورم کر جایا کرتے تھے) پر آج اتباع نصیب ہوا ہے۔

جمعہ کے روز حضرت شیخ الہندؒ کا معمول

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ قیام دیوبند کے دوران جمعہ کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لیجاتے، کپڑے دھوتے پھر غسل فرماتے، یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل ہوجاتے تو پہنکر ایسے وقت چلتے کہ راستہ میں جمعہ کی اذان ہونے لگتی، اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے تاکہ آیت کریمہ "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ" (جب نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو) پر عمل ہو سکے۔

زمانہ عرس میں حاضری پر حضرت گنگوہیؒ کا حضرت شیخ الہندؒ کو ڈانٹنا

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کا معمول جمعرات کو چھٹا گھنٹہ پڑھانے کے بعد دیوبند سے گنگوہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں جانے کا تھا، ایک مرتبہ ان کے دوست نے جو زمانہ طالب علمی سے دوست تھے اور بعد میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی پوچھا کہ او محمود! بتا تو دے گنگوہ میں کیا رکھا ہے

جوتو ہر جمعرات کو دوڑا دوڑا جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں اب کے تو بھی چل وہ ساتھ جانے پر تیار ہوگیا، چنانچہ ساتھ لے گئے اتفاق سے ان دنوں میں شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار پر عرس بھر رہا تھا، حضرت امام ربانی کا معمول عرس کے ایام میں ابتداء تو یہ تھا کہ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے تھے خانقاہ خالی کر دیا کرتے تھے اور جب معذور ہو گئے تھے تو سفر تو ترک فرما دیا تھا ہاں خانقاہ میں نہیں آتے تھے البتہ نماز کیلئے پانچوں وقت تشریف لاتے بلکہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے، اتنا لحاظ عرس والے بھی کرتے تھے کہ اذان کے وقت سے جماعت ختم ہو جانے اور سنتیں وغیرہ پڑھنے تک قوالی بند کر دیا کرتے تھے اور ان ایام میں حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمد و رفت بالکل بند رہتی تھی، کسی سے مصافحہ تک نہیں کرتے تھے، غرض حضرت شیخ الہندؒ رات کے وقت گنگوہ پہونچے اور حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت نے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ ابھی واپس جاؤ آپ کے (شیخ الہندؒ کے) ایک اور دوست تھے، شاہ مظہر حسین صاحب گنگوہیؒ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ محشی ابوداؤد کے بھائی، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ عرس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آئے آپ کے پاس آئے ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں عرس میں شرکت کرنے کیلئے نہیں آئے، میں اتنا بھولا نہیں ہوں، میرے پاس آئے ہیں مگر آئے تو ہیں اس مجمع میں کو ہو کر ان کے ذریعہ اس مجمع کی رونق تو بڑھی ''من کثر سواد قوم فھو منھم'' (جس نے کسی قوم کے افراد میں اضافہ کیا وہ انہیں میں سے ہے) وارد ہوا ہے قیامت کو اپنی برأت کرتے رہیں اس کے بعد شاہ مظہر حسین صاحبؒ ان کو اپنے مکان پر لے گئے اور کہا روٹی تو کھالو اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حضرت تو فرمادیں ابھی چلا

جا، میں کس منہ سے کھاؤں، چنانچہ اسی وقت گنگوہ سے واپس ہو گئے پھر دوسرے وقت عرس ختم ہونے کے بعد حاضر ہوئے۔

صدر مدرس کون بنے؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سفر میں جانے سے پہلے دارالعلوم دیوبند میں یہاں کے مزاج کے مطابق چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ حضرت کے چلے جانے کے بعد صدر مدرس کون بنے؟ شدہ شدہ حضرتؒ کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی تو فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے ہوتے ہوئے یہ سوال کیوں ہوا کہ صدر مدرس کون بنے؟ اس فقرہ کو سن کر سب کی زبانیں بند ہوگئیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس میں

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں فجر کے بعد مجلس لگتی اور چائے کا دور چلتا، مجلس میں سب لوگ تو اپنی اپنی باتوں میں مشغول رہتے لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہتے اور کسی کی باتوں میں حصہ نہ لیتے، جب آہستہ آہستہ لوگ چائے پی کر چلے جاتے تب حضرت شیخ الہندؒ ان سے فرماتے کہ شاہ صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے؟ تو سر اٹھاتے اور عرض کرتے کہ جی ہاں فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے، حضرت شیخ الہندؒ جواب مرحمت فرماتے اس کے بعد شاہ صاحب واپس آتے۔

علامہ انور شاہ صاحب کو حضرت شیخ الہندؒ کی مفارقت کا غم

ارشاد فرمایا کہ جس وقت حضرت شیخ الہندؒ سفر میں جانے لگے جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانے کی نوبت آئی تو شاہ صاحب نے باوجودیکہ ترمذی شریف کا سبق پڑھانے کیلئے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی، مفارقت حضرت کے غم میں کچھ نہ فرمایا، بلکہ ذرا دیر

توقف فرما کر کتاب بند کردی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے یہ نہایت خاموشی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹالیا، حضرت نے بھی تکلف سے کام نہ لیا یوں ہی رہنے دیا، پھر فرمایا کہ شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے اور اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی، جاؤ خدا کے سپرد سبق پڑھاؤ (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت رص ۱۰۶ رج ۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن[1] صاحبؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ دارالعلوم دیوبند کے بڑے حضرات میں سے تھے حضرت گنگوہیؒ کے حکم

---

[1] آپ کبار فقہاء احناف میں شمار ہوتے ہیں ایک بڑی علماء ربانیین کی جماعت سے آپ نے استفادہ کیا اور مختلف مقامات پر پڑھایا، جب دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل کی طرف روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے اور پھر وہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، آپ شاہ رفیع الدین دیوبندی نقشبندیؒ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی نقشبندیؒ کے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور مجاہدہ و محنت کے ساتھ صدق واخلاص اور استقامت علی الشریعت کے حصول میں لگ گئے تو اپنے شیخ سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی، اس کے بعد پھر آپ کا جب حرمین شریفین کا سفر ہوا ۱۳۰۵ھ میں اور وہاں دوران قیام حضرت سید الطائفۃ الاولیاء حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی ملاقات ہوئی، ان کی خدمت میں بکثرت حاضر ہوکر استفادہ کرتے رہے اور آپ سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہوئی، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ آپ کے شیخ اول دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ثانی تھے، مدرسہ کے انتظام و انصرام کے ساتھ طلبہ کو روحانی فیض بھی پہنچاتے تھے اور نقشبندی انداز سے آپ کا حلقہ بھی لگتا تھا، مولانا اشرف علی تھانویؒ جس زمانہ میں دارالعلوم کے طالب علم تھے اس زمانہ میں آپ کے حلقہ میں شرکت کرتے تھے، صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ آپ کو فقہ وفتاویٰ میں ملکۂ تامہ حاصل تھا اور جزئیات وکلیات مستحضر تھے، اکثر اوقات بغیر مراجعت کتاب کے لکھدیا کرتے تھے، نہایت متواضع انسان تھے بیواؤں اور بوڑھی عورتوں کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے گھروں میں جاتے تھے اور ان کا سامان بازار سے خود خرید کر ان کے گھر تک پہنچایا کرتے تھے، بارش کے زمانہ میں غرباء فقراء کے مکانوں کی چھتوں کو ٹھیک کرتے تھے، مخلوق پر بہت شفیق تھے اور ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے آپ کا مستقل حلقہ ذکر و توجہ لگتا تھا اور آپ سے بہت سی کشف وکرامات ظاہر ہوئیں، آپ ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے، دیوبند مزار قاسمی میں مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر رص ۳۴۲ رج ۸)۔

سے آپ کو دارالعلوم کا باقاعدہ مفتی بنایا گیا اور آپ نے اس بارے میں بہت بڑی خدمت انجام دیں، جہاں انکو کوئی الجھن پیش آتی حضرت گنگوہیؒ سے رجوع کرتے، چنانچہ ایک دفعہ آپ کو سوتے وقت ایک آیت میں ایک علمی اشکال پیش آیا جب حل نہ ہوا تو اٹھے اور سیدھے گنگوہ کیلئے پیدل روانہ ہو گئے اور تہجد کے وقت گنگوہ پہنچ گئے، اتفاق سے اس وقت حضرت گنگوہیؒ تہجد کے لئے وضو فرمارہے تھے آپ نے سلام کیا فرمایا کون؟ عرض کیا عزیز الرحمٰن! فرمایا تم اس وقت کیسے؟ عرض کیا کہ ایک علمی اشکال لیکر حاضر ہوا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن تو نفع آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتارہا ہے یعنی کہہ رہا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورۂ نجم) جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے اور حدیث میں ہے کہ غیر کی سعی مفید اور مؤثر ہوتی ہے دوسروں کے اعمال سے بھی فائدہ پہنچتا ہے مثلاً ایصال ثواب کرنا، اس تعارض کا حل سمجھ میں نہیں آتا، حضرت گنگوہیؒ نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت قرآن میں سعی ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کی ہو جائے، اور حدیث میں سعی عملی مراد ہے جو ایک کی سعی دوسرے کے کام آسکتی ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں، حضرت مفتی صاحب یہ واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس جواب سے ایک دم سے میری آنکھ سی کھل گئی اور اس سے آئندہ کیلئے علم کا ایک بڑا دروازہ میرے لئے کھل گیا۔

فائدہ: اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کی طلب علم اور اس کیلئے سعی بلیغ کا بخوبی اندازہ ہوا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا بلا توقف جواب دینا آپ کے کمال علم و معرفت پر بین ثبوت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کو خاص طور سے

سرفراز فرمایا تھا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (اقوال سلف رص ۳۰۰ رج ۴)۔

ناچیز مؤلف کہتا ہے کہ اس طرح کا سوال حضرت گنگوہیؒ سے ایک اور عالم نے بھی کیا تھا جس کا تذکرہ، تذکرۃ الرشید رص ۲۶ رج ۲ رمیں ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ[1] ہندوستان کے باکمال بزرگوں میں سے ہیں جن کے فیض روحانیت سے بہت لوگ سیراب ہوئے، آپ کی ذات جامع کمالاتِ ظاہرہ والباطنہ تھی، آپ کو بھی حضرت گنگوہیؒ سے بیحد محبت وتعلق تھا، بار بار استفادہ کیلئے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے حالانکہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت ہو چکے تھے، اور سلسلۂ قادریہ میں اجازت وخلافت بھی پاچکے تھے اس کے باوجود حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں برابر آنا جانا رہا اور حضرت کے مربیانہ فیض سے برابر مستفیض ہوتے رہے، اور جب ان کے شیخ اول حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ کا انتقال ہوگیا تب سے تو حضرت گنگوہیؒ کے دربار سے مستقل طور پر وابستہ ہوگئے، بیعت ہوئے اور آپ کے خلیفہ ہوئے (تذکرۃ الرشید رص ۱۵۶ رج ۲)۔

---

[1] حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا اصلی وطن تگری ضلع انبالہ ہے، آپ یہاں ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے مگر بعد میں اپنے ننھیالی قصبہ رائپور ضلع سہارنپور میں سکونت اختیار کرلی تھی، آپ کی ذات جامع کمالات ہے اور اولیائے کبار میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے ممبر اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد خاص تھے، شیخ الہندؒ کے حج پر جانے اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں ان کی چلائی ہوئی تحریک کی سرپرستی اور قیادت ان ہی کے ذمہ تھی، آپ کی وفات ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء میں ہوئی اور رائے پور ہی میں مدفون ہوئے (اقوال سلف رص ۲۵۷)۔

نیز ملفوظات فقیہ الامت ص۸۰ میں اس کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

ہمارے سلسلہ کا نور گنگوہ میں ہے

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو خلافت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ سے حاصل ہوگئی تھی اور اپنا ایک حلقہ بھی رکھتے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ کے انتقال کے بعد کلیر شریف لے گئے اور کئی روز تک مزار مبارک پر مراقب رہے، کچھ معلوم نہ ہوا وہاں کوئی جانتا نہ تھا بس کام سے کام، نماز و دیگر ضروریات کیلئے جاتے باقی مراقب رہتے کہ اب کہاں جاؤں، چنانچہ ایک مرتبہ باہر آرام فرمارہے تھے رات میں اچانک ایسا معلوم ہوا کہ بوندیں پڑ رہی ہیں اٹھکر اندر چلے گئے مگر وہاں نیند نہ آئی، باہر آگئے، لیٹنے کے بعد پھر ایسا ہی محسوس ہوا کہ بوندیں آرہی ہیں آخر کار اسی طرح تین مرتبہ ہوا اس کے بعد وضو کر کے مزار پر حاضر ہوئے، آواز آئی عبدالرحیم! یہ سمجھے کہ کسی اور کو پکارا جارہا ہے پھر آواز آئی اور فرمایا عبدالرحیم! ہمارے سلسلہ کا نور اب گنگوہ میں ہے۔

ملفوظات فقیہ الامت ص۴۷ پر اس طرح ہے:

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں

شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو پہلے شیخ میاں عبدالرحیم سہارنپوریؒ سے اجازت وخلافت حاصل ہوگئی تھی، اس کے باوجود ان کے انتقال کے بعد کلیر شریف حضرت خواجہ علاء الدین مخدوم صابر رحمۃ اللہ کے مزار پر گئے، وہاں سے ان کو محسوس ہوا کہ ہمارے سلسلہ کا نور تو اب گنگوہ میں ہے، وہاں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے یہاں گنگوہ آئے اور بیعت کی درخواست کی، اس پر حضرت نے فرمایا آپ تو ماشاء اللہ خود پیر

ہیں اب کسی سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ انکے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی اس لئے جائے قیام پر واپس آئے اور جن جن کو بیعت کیا تھا ان کو کہا کہ بھائی! تم کو اب تک اندھیرے میں رکھا اللہ کے واسطے میری خطا معاف کر دو، کسی دوسرے مرد خدا سے بیعت کرلو، اس طرح ان کی بیعت کو فسخ کیا، تب حضرت گنگوہیؒ نے ان کو بیعت فرمایا۔

تنبیہ برائے تربیت

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ نے ان کو طلب فرمایا دریائے جمنا کے قریب ایک بستی میں رہا کرتے تھے، وہاں سے چلے دریا تک پہونچے تو کشتی نہیں تھی اور جمنا طغیانی پر تھی جو خادم خاص ساتھ تھا اس سے فرمایا کسی سے کہو گے تو نہیں؟ اس نے کہا کیا؟ فرمایا: جو ابھی ہوگا، عرض کیا نہیں! بس اپنا رومال پانی پر بچھایا اور اس پر بیٹھ گئے، خادم ڈرا، بھاگا، گھبرایا، ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر بٹھالیا، رومال چلنا شروع ہو گیا دوسرے کنارے پر آ کر رومال سے اتر کر رومال کو جھاڑ دیا اس کے بعد گنگوہ پہونچے، حضرت گنگوہیؒ کو اپنے یہاں بیٹھے ہوئے اس کا احساس ہوا تو چہرے کا رنگ غصہ کے مارے متغیر ہو گیا، جس وقت یہ خانقاہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو غصہ سے فرمایا کہ کہدو جادوگروں کو یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے، عبدِ ذلیل بن کر حاضر ہوں تو اجازت ہوسکتی ہے، اس پر انہوں نے معافی مانگی کہ آئندہ کبھی ایسا نہیں کریں گے تب حاضری کی اجازت دی، اس قسم کے تصرفات کثرت سے عوام کے عقائد خراب کرنے والے ہیں اس واسطے تنبیہ کی۔

(ملفوظات فقیہ الامت رص ۴۷)

نیز اقوال سلف رص ۲۵۶ رمیں آپ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے اندر توکل واستغناء کی شان بکمال درجہ تھی، تواضع وتذلل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے،

مہمان نوازی کی حد نہیں تھی، موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے کہ اگر اللہ تعالیٰ وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کرنا، نکاح بیوگان کے سلسلہ میں بہت کوشش کرتے تھے، خود اپنا نکاح بیوہ سے کیا، صاحبزادہ عبدالرشید کا انتقال ہو گیا تو بہو کو سمجھایا کہ دوسرا نکاح ضرور کرنا چاہئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت گنگوہیؒ سے روحانی استفادہ کرنے والوں میں ایک جامع الکمالات منبع الفیوض والبرکات ہستی حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی بھی ہے، آپ ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء قصبہ بانگرمؤ ضلع اناؤ یوپی میں پیدا ہوئے، پھر آپ کے والد صاحب موضع الہ داد پورہ قصبہ ضلع فیض آباد منتقل ہو گئے تھے، آپ کے فیض سے ایک عالم سیراب ہوا اور ہو رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس داستانِ عشق و محبت کو اور اس تعلقِ سلوک و روحانیت کو خود ان کی زبانی سنیں اس لئے حضرت قدس سرہ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی تحریر پیش کی جاتی ہے کیونکہ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات جتنا خود بیان کر سکتا ہے دوسرے اس کی وہ ترجمانی نہیں کر سکتے، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں۔

استفادۂ طریقت و روحانیت

پہلے ذکر آچکا ہے کہ خاندان کے اسلاف اہل معرفت و طریقت تھے صرف اخیر میں دو تین پشتیں دنیا دار زمینداروں کی ہو گئی تھیں، نیز یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ شاہانِ دہلی سے خاندان کو چوبیس گاؤں دیئے گئے تھے، شاہ مدنؒ کے بعد شاہ نور اشرف مرحوم نے سجادہ طریقت اور دوسرے بیٹے تراب علی مرحوم نے جائیداد کا انتظام سنبھالا، اس

طرح خاندان میں دو پٹیاں قائم ہو گئیں، مگر خاندان میں کوئی شخص باہر کسی دوسرے خاندان سے بیعت نہ ہوتا تھا، والد صاحب مرحوم سب سے پہلے باہر بیعت ہوئے، جس کی صورت یہ پیش آئی کہ ان کی شادی نانا اکبر علی مرحوم کی دختر سے ہوئی (نانا صاحب مرحوم ۱۸۵۷ء میں تمام جائیداد کے متصرف تھے اور ۱۸۵۸ء میں امن قائم ہونے پر ضلع بستی سے واپس آتے ہوئے دریائے گھاگرا میں کشتی الٹ جانے سے ڈوب گئے تھے) نانی صاحبہ مرحومہ سندرولی ضلع فیض آباد کی رہنے والی تھیں اور صاحب کشف ونسبت تھیں، انہوں نے اپنے ماموں سے میکہ ہی میں سلوک طے کیا تھا، ان کے ماموں بہت بڑے صاحب نسبت تھے، والد صاحب مرحوم کو انہوں نے ہدایت کی تھی کہ تمہارے گھرانے میں مرید کرنے کا طریقہ جاری ہے، مگر یہ غلط ہے جب تک کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کر لئے جائیں مرید کرنا جائز نہیں، قیامت میں سخت وبال ہوگا اسلئے والد صاحب مرحوم کو شیخ طریقت کی تلاش تھی، خاندان کے دوسرے لوگوں نے بغیر سلوک، خاندانی نام پر یہ سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور ان خاندانوں میں جو کہ اضلاع بستی گونڈہ، گورکھپور وغیرہ میں سلسلہ اسلاف میں داخل ہوتے جاتے تھے اور نذرانہ وغیرہ وصول کرتے تھے اور لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے، والد صاحب مرحوم جب صفی پور میں مدرس اور ہیڈ ماسٹر ہوئے تو چونکہ گنج مراد آباد شریف قریب تھا اور ان اطراف میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کا شہرہ تھا، ان کی کرامت اور بزرگی بہت زیادہ زبان زد عوام وخواص تھی اس لئے حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں آمد ورفت شروع کی اور وہ کمالات جو اہل اللہ میں ہونے چاہئیں دیکھ کر گرویدہ ہو گئے،

اور انہیں سے بیعت ہو گئے اور حسب تعلیم وارشاد فرائض سلوک انجام دینے لگے۔

جہاں تک معلوم ہے حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نے طریقہ قادریہ کا سلوک حضرت والد صاحب مرحوم کو تلقین فرمایا تھا، اور پھر جب تبدیلی بانگرمئو کی ہوگئی تو بہت زیادہ حاضری کا موقعہ مل گیا کیونکہ بانگرمئو گنج مرادآباد سے بہت ہی زیادقریب ہے غالباً دو یا تین ہی میل کا فاصلہ ہے، پھر والدہ مرحومہ کو بھی مولاناؒ ہی سے بیعت کرایا۔

خاندان کے لوگوں نے والد مرحوم پر باہر بیعت کرنے پر اعتراضات بھی کئے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، والد صاحب کے ارشاد پر ہم تینوں بھائیوں مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم اور مولانا سید احمد صاحب مرحوم اور راقم الحروف کو بھی دیوبند سے بعض اوقات میں واپسی پر گنج مرادآباد بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

جب بڑے بھائی صاحب مرحوم (مولانا محمد صدیق صاحب) دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو انہوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کی اجازت والد صاحب مرحوم سے طلب کی، والد صاحب کی منشا طبعی طور پر یہی تھی کہ وہ حضرت گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ العزیز ہی سے بیعت ہوں، دونوں میں عرصہ تک خط وکتابت رہی بالآخر والد صاحب مرحوم نے ان کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت ہونے کی اجازت دے دی اور وہ ان سے بیعت ہو گئے، اس عرصہ میں بھائی صاحب مرحوم بلند شہر اور سہوارہ وغیرہ بصیغۂ تدریس ملازم رہے اور حسب تعلیم ذکر وشغل بھی برابر کرتے رہے۔

۱۳۱۶ھ میں جب کہ والد صاحب مرحوم نے بعد وفات حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ العزیز ارادۂ ہجرت کیا (چونکہ والد صاحب مرحوم کو حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز سے بہت گہرا تعلق تھا اور تقریباً ان میں فنا تھے، اس لئے مولاناؒ کے

وصال سے انکو اسقدر صدمہ ہوا کہ ہندوستان میں بسر کرنا نہایت ناگوار معلوم ہونے لگا، اسی وقت سے اس فکر میں ہو گئے کہ کوئی انتظام کر کے مع جملہ متعلقین مدینہ منورہ میں گزر بسر کی جائے)اور ماہ شعبان میں بھائی صاحب جائے ملازمت سے دیوبند پہنچے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ ان دونوں (بھائی سید احمد صاحب اور حسین احمد) کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کرادو خدا جانے یہاں سے جانے کے بعد کس کے پلے پڑ جائیں، کہیں کسی بدعتی سے وابستہ نہ ہو جائیں، بھائی صاحب مرحوم نے ہم سے فرمایا، میں نے عرض کیا کہ میں تو حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوں گا۔

واقعہ یہ تھا کہ اگر چہ گنگوہ میں ایام طالب علمی میں بار ہا حاضری کی نوبت آ چکی تھی مگر حسن عقیدت اور محبت حضرت شیخ الہندؒ ہی سے تھی، بچپن سے ان کی خدمت میں رہنا ہوا تھا اور ابتدائی کتابوں سے لے کر آخری کتابوں تک کا اکثر حصہ انہیں سے پڑھتا رہا تھا، مضامین علمیہ اور اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ کے مشاہدات حاصل ہوئے تھے، حضرت شیخ الہندؒ ایسے الطاف وکرم فرماتے تھے جو کہ اولاد کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے پوری وابستگی انہیں سے تھی، حضرت گنگوہیؒ کو بہت بڑا عالم ضرور جانتا تھا مگر قلبی تعلق ایسا نہ تھا اور نہ طریقت کا کامل سمجھتا تھا، بھائی صاحب مرحوم نے جواب دیا کہ حضرت شیخ الہندؒ بیعت نہیں کرتے، میں نے خود بہت کوشش اپنے لئے کی تھی جب راضی نہیں ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو جانے کا ہی ارشاد فرمایا تب میں وہاں بیعت ہوا، تم دونوں کیلئے بھی ان کا یہی ارشاد ہے، بالآخر وہاں ہم دونوں حاضر ہوئے، اس زمانہ میں حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی وہیں خانقاہ میں رہتے تھے، اور مشاغلِ سلوک کے انہماک کے ساتھ حضرت قطب عالمؒ کی ڈاک کی خدمات بھی انجام

دیتے رہتے تھے، بھائی صاحب مرحوم نے ان کو خط لکھ دیا تھا کہ ان دونوں کو حضرتؒ سے بیعت کرادیجئے، جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دونوں کو یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ مولوی صدیق احمد صاحب نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں مولوی سید احمد اور حسین احمد کو بیعت ہونے کے لئے بھیجا ہے وہ حاضر ہیں، حضرتؒ کی عادت تھی کہ بیعت فرمانے میں بہت زیادہ ردوقدح فرمایا کرتے تھے، بالخصوص لکھے پڑھے اور عربی تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق تو بہت زیادہ کنج وکاؤ اور گفت وشنید کی نوبتیں آتی تھیں، بعض حاضرین اور بے تکلف خدام مثل مولانا محمد یحیٰی صاحب مرحوم کاندھلوی کے دریافت کرنے پر یہ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ کس شخص کو مجھ سے قلبی مناسبت ہے اور کتنی مناسبت ہے، اگر مناسبت نہیں ہوتی تو میں انکار کر دیتا ہوں ورنہ بیعت کر لیتا ہوں، بہرحال ہم دونوں پیش ہوئے تو کچھ پس وپیش نہیں فرمایا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے پیش فرمایا اور حضرتؒ نے بیعت فرمالیا، مگر کچھ تلقین نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے بیعت تو کر لیا اب تم مکہ معظمہ جارہے ہو وہاں حضرت قطب عالم حاجی امداداللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہیں ان سے عرض کرنا وہ ذکر تلقین فرمادیں گے، پس اسی روز ہم دیوبند واپس آگئے اور پھر وطن کو روانہ ہوگئے، دیوبند سے رخصت ہوتے وقت حضرت شیخ الہندؒ پیدل اسٹیشن تک ساتھ ساتھ تشریف لائے اور راستہ میں صدر چوکی کے پاس وصیت فرمائی کہ پڑھانا نہ چھوڑنا خواہ ایک ہی طالب علم پڑھنے والا ہو۔

برکاتِ بیعت

اگرچہ بیعت بادل ناخواستہ ہوئی تھی مگر اس کے آثار مبارکہ میں نے اپنے اندر

اسی دن محسوس کئے اس سے پہلے کبھی کبھی نماز چھوٹ جاتی تھی مگر اس روز سے برابر مداومت ہوگئی کبھی قضا نہیں ہوئی، اور اگر کسی عذر قوی سے بلا اختیار فوت بھی ہوگئی جو کہ شاذ ونادر ہوئی تو قضا کر لی گئی (جو نمازیں بیعت سے پہلے کبھی کبھی فوت ہوئی تھیں ان کو بھی ایام اسارت احمد آباد میں تخمینہ کر کے ادا کرنے کی توفیق ہوئی، وللہ الحمد)۔

بیعت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس کے بیچ میں ایک قبر ہے جو کہ حضرت خواجہ علاؤ الدین صابرؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ہے، خواب میں ایک ہی قبر کو دونوں بزرگوں کی قبر سمجھ رہا ہوں میں اس قبر کی طرف جا رہا ہوں اور بالکل قریب پہنچ گیا ہوں، میں نے اس خواب کو حضرت شیخ الہندؒ کے پاس لکھ کر بھیجا وطن پہنچتے ہی الہ آباد کو (جو کہ اس زمانہ میں یوپی کے حجاج کیلئے قرنطینہ کا مقام مقرر کیا گیا تھا) روانگی ہوگئی، وہاں تقریباً پندرہ بیس دن قیام کرنا پڑا، یہ جگہ شہر کے باہر پریاگ کے قریب خصوصی انتظام کے ساتھ حجاج کیلئے علیحدہ بنائی گئی تھی، وہیں جواب منگایا، حضرت اس وقت گنگوہ شریف میں بارادہ قیام رمضان شریف مقیم تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اس خواب کو حضرت قطب عالم گنگوہیؒ سے ذکر کیا تو تعبیر میں فرمایا لکھ دو کہ منزل مقصود کو پہنچے گا، یہ جوابی خط الہ آباد میں قرنطینہ کے کیمپ میں موصول ہوا، سفر حج کرتے ہوئے، جبکہ اواخر ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ میں حاضری مکہ معظمہ نصیب ہوئی تو جائے قیام پر اسباب وغیرہ منظم کرنے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں صبح کو حاضر ہونے کی عزت نصیب ہوئی، موصوف اس وقت بہت ضعیف ہوگئے تھے، اکثر لیٹے رہتے تھے، صبح کو مثنوی شریف پڑھایا کرتے تھے اس وقت

پلنگ پر کچھ دیر بیٹھ جایا کرتے تھے، مولانا محب الدین صاحبؒ اور مولانا شفیع الدین صاحبؒ اور چند حضرات حاضر درس ہوتے تھے، جب ہم سب مع والد محترم حاضر بارگاہ ہوئے تو حضرت قطب عالم نے بہت توجہ فرمائی، حضرت گنگوہیؒ کا سلام و پیام سنکر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے اور فرمایا کہ تمنا ہے کہ ایک مرتبہ پھر زندگی میں ان سے ملاقات ہو جاتی۔

بالآخر ہم دونوں بھائی (سید احمد صاحب اور راقم الحروف) نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بیعت تو کرلیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرت سے حاصل کرلینا تو آپ نے پاس انفاس کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو آکر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو، چنانچہ جب تک مکہ معظّمہ میں رہنا ہوا حتی الامکان روز حاضر ہوتے رہے، چونکہ زمانہ حج قریب تھا اس لئے جلد ہی وہ وقت آگیا کہ جس میں عرفات منیٰ وغیرہ کا سفر ہوا، حج سے فارغ ہونے کے بعد پھر خدمت میں چند دنوں حاضری کا شرف حاصل ہوا، جب قافلۂ حجاج اخیر عشرۂ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگا تو خلاف معمول بعد از ظہر ہم تینوں کو حاضری کا شرف حاصل ہوا، حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، ہم نے سکوت کیا تو فرمایا کہ کہو ہم نے قبول کیا، ہم نے حسب تلقین عمل کیا، حضرتؒ نے دعا فرمائی ہم نے رخصتی مصافحہ کیا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے، مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی مشغولیتیں پیش آئیں کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت نہ ہو سکی، چند مہینے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداداللہ صاحبؒ کا ماہ جمادی الاول میں وصال ہوگیا۔

مکہ معظّمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب کہ قضیمہ سے رابغ کو قافلہ جارہا تھا رات میں اونٹ پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں میں قدموں پر گر گیا، آپ نے میرا سر اٹھا کر فرمایا کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جو کتابیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہوجائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کے سمجھنے کی قوت پیدا ہوجاوے تو فرمایا کہ تجھ کو دیا۔

مدینہ منورہ پہنچنے سے کچھ عرصہ بعد بعض ہندوستانیوں اور بعض عربوں کی خواہش ہوئی کہ سلسلۂ تعلیم جاری کیا جائے، نحو صرف وغیرہ کی کتابیں ایک ایک دو دو آدمیوں کو خالی اوقات میں حسبِ ارشاد حضرت شیخ الہندؒ حرم محترم نبویؐ میں پڑھانے لگا اور دن کے باقی اوقات میں دوکان کا کام کرتا تھا یا کتابت کا، کیونکہ روزگار کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے یہ مشغلہ تھا کہ اجرت پر بعض کتابوں کو کتب خانہ سے نقل کرتا اور کبھی کبھی اس دوکان پر بیٹھتا (جو بڑے بھائی صاحب نے بازار میں کھولی تھی جس میں شکر، چائے، چاول، صابون وغیرہ بکتا تھا، اور نوبت بنوبت ہم تینوں اس پر بیٹھتے تھے) ان مشاغل نے اس قدر مشغول کیا کہ ذکر پر کوئی مداومت نہ ہوسکی، حضرت قطب عالم قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے بعد شوق پیدا ہوا کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت کی جائے، چنانچہ حرم محترم (مسجد نبویؐ) میں بیٹھ کر پاس انفاس کیا کرتا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت قطب عالم گنگوہیؒ سے محبت اور تعلق قلب میں بڑھنا شروع ہوا اور محسوس ہوتا تھا کہ جس طرح بعض درخت جلد جلد بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس طرح حضرت گنگوہیؒ کی محبت بڑھ رہی ہے، یہاں تک کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تعلق پر ان کا تعلق بہت بڑھ گیا حالانکہ حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق کم نہیں ہوا بلکہ اپنی حالت پر ہی قائم رہا۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سلسلۂ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کی نسبت کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور گریہ کی حالت طاری ہونی شروع ہوگئی، اس اثناء میں رویاءِ صالحہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت باسعادت خواب میں بکثرت ہونے لگی نیز ذکر کی وجہ سے جسم میں بے اختیاری حرکات بھی ہونے لگیں، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں چونکہ لوگوں کا مجمع ہر وقت رہتا ہے اس لئے ایسا وقت مقرر کیا جس میں کم سے کم مجمع رہے، وہ وقت آفتاب نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد کا تھا چنانچہ روزانہ ایسے وقت میں ناشتہ کر کے باوضو مسجد شریف میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد ادا کر کے مواجہہ شریف (قبر مبارک کے سامنے کی وہ جگہ جو کہ چہرۂ مبارکہ کے سامنے ہے) میں حاضر ہوتا، آداب والفاظ شرعیہ زیارت کے بعد جس قدر ممکن ہوتا الفاظ صلوٰۃ وسلام بجالا کر پھر مسجد شریف میں جہاں خالی جگہ پاتا وہاں بیٹھ کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ (جس قدر جی لگتا تھا) ذکر میں مشغول رہتا تھا مگر جب آثارِ ذکر جسم پر زیادہ ظاہر ہونے لگے تو لوگوں کی شرم کی وجہ سے شہر کے باہر جنگل میں جانے لگا، مسجد شریف کی مشرقی جانب جدھر بقیع شریف ہے (مدینہ منورہ کا مقبرہ) آبادی نہیں ہے ادھر نکل جاتا تھا اور کبھی مسجد الاجابہ میں (یہ مسجد مشہور ہے اور اب بالکل جنگل میں واقع ہے یہاں پر بعض ادعیہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مقبول ہوئی ہیں) اور کبھی اسی کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر ذکر کرتا رہتا تھا۔

اسی حالت پر ایک مدت گزری، جو حالتیں یا رویاءِ صالحہ وغیرہ پیش آتی تھیں ان کو قلمبند کر کے گنگوہ شریف بھیجا کرتا تھا، ایک روز مسجد نبوی ؐ میں بانتظارِ جماعت بوقت ظہر یا عصر بیٹھا ہوا تھا یکبارگی ایسا معلوم ہوا کہ میرا تمام جسم حضرت گنگوہیؒ کا جسم

ہو گیا ہے یہ حالت اس قدر قوی ہو گئی کہ میں اپنے جسم کو اپنا نہیں پاتا تھا اور تعجب سے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹتا تھا کہ دیکھوں یہ میرا جسم ہے یا نہیں اگر نہ ہوگا تو تکلیف محسوس نہ ہوگی، یہ حالت تھوڑی دیر گھنٹہ دو گھنٹہ رہی پھر زائل ہو گئی، میں نے اس حالت کو بھی لکھا، حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ یہ حالت فنافی الشیخ ہونے کی ہے، ۱۳۱۸ھ شوال میں والا نامہ گنگوہ شریف سے وارد ہوا کہ اگرچہ وہاں سب کچھ ہے مگر بہتر ہوتا کہ تو ایک مہینہ کیلئے گنگوہ آجاتا، چونکہ والد صاحب مرحوم اور بھائی صاحبان میری مشغولی ذکر اور بعض رویاء وغیرہ سے واقف تھے ادھر اس والا نامہ سے بھی واقف ہو گئے تھے، اس لئے جب کہ میں نے اس والا نامہ کے مضمون کی وجہ سے سفر کی اجازت طلب کی تو والد صاحب مرحوم نے بجز قلت خرچ اور کوئی عذر پیش نہیں فرمایا اور یہ واقعی تھا چونکہ اس مدت میں سرمایہ تقریباً قریب الختم ہو چکا تھا اس لئے مجبوراً سکوت کرنا اور سفر سے باز رہنا پڑا، مگر بڑے بھائی صاحب کو (مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم) جو کہ تمام کاروبار تجارت اور ضروریات کے انجام دینے والے تھے اور ہندوستان سے روانگی پر جب کہ حضرت گنگوہیؒ سے انہوں نے اپنے ذکر و شغل میں ناکامی کی شکایت کی تھی، اور حضرتؒ نے جواب میں فرمایا تھا کہ اب تو چلے جاؤ پھر وہاں سب کو چھوڑ کر چلے آنا یہ مقولہ یاد آ گیا، اور ان کی آتش شوق بھڑک اٹھی اور انہوں نے خفیہ طریقہ پر انتظام شروع کر دیا، ماہ ذیقعدہ میں جب کہ ایک قافلہ مدینہ منورہ سے رابغ کو روانہ ہو رہا تھا اس کے ساتھ چھپ کر بارادہ ہندوستان روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ساٹھ یا ستر روپے لے گئے، گھر میں جب دن بھر نہیں آئے تو تلاش ہوئی ان کے کمرے میں ایک تحریر لگی ہوئی پائی گئی جس

میں انہوں نے ارادہ کا تفصیلی ذکر لکھا ہوا تھا، اس پر مطلع ہونے کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم نے مجھ کو فرمایا اب تو بھی جا تجھ کو وہاں سے طلب کیا گیا تھا مگر وہ روانہ ہوگئے ہیں خرچ کے نہ ہونے کی وجہ سے میں متوقف تھا، ان کو راستہ میں تنہائی کی وجہ سے تکلیف ہوگی، چنانچہ انہوں نے زادراہ کا انتظام کردیا، بھائی صاحب مرحوم رابغ سے بادبانی جہاز پر جدہ پہنچے، راستہ میں تکلیف زیادہ ہوئی طبیعت میں استقلال اور جفاکشی کم تھی تنہائی بھی تھی جدہ میں کوئی جہاز ہندوستان جانے والا نہیں ملا دو چار روز جدہ میں رہ کر پریشان ہوگئے اور والد صاحب مرحوم کو مفصل خط لکھا کہ اب میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور چونکہ حج کا زمانہ قریب آگیا ہے حج کر کے واپس آجاؤں گا، والد صاحب مرحوم عزائم کے بہت پختہ تھے ان کو ناگوار ہوا، اور مجھ کو کہا کہ تو جا کر ان کو واپسی کے ارادہ سے باز رکھ اور تم دونوں ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ، مجھ کو بھی تقریباً ساٹھ روپے خرچ کیلئے عطا فرمائے اور مال لانے والے قافلہ میں جبکہ وہ مال پہنچا کر واپس ینبع البحر کو جارہا تھا تاجروں کے ذریعہ پشت شتر کرایہ کر کے روانہ کردیا، اگرچہ قوافل ینبع سے پانچ یا چھ دن میں آتے ہیں مگر یہ خالی اونٹ تھے مختصر راستوں سے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے رات دن چل کر دو یا تین دن میں ینبع پہنچ گئے، اتفاق سے خدیوی ڈاک کا جہاز جدہ جانے والا آیا ہوا تھا، فوراً اس پر سوار ہوگیا اور اگلے روز جدہ پہنچ گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم گھبرا کر مکہ معظمہ روانہ ہوگئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جہاز ممبئی سے آیا ہوا ہے اور وہ ممبئی واپس ہونے والا ہے، میں نے اس کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر یہ چاہا کہ میں جلد سے جلد حضرتؒ کی خدمت اقدس میں بھائی صاحب مرحوم سے پہلے پہنچ جاؤں

اوران کواس جلد بازی اورچھپ کرآنے کی سزادیدوں اس کا ٹکٹ چالیس روپے میں خریدلیا اورایک خط مکہ معظمہ میں بھائی صاحب اورایک مدینہ منورہ میں والد صاحب مرحوم کوتفصیلی لکھ دیااوراپنی روانگی کی اطلاع دیکر جہاز پر سوار ہوگیا،مگرایک روز کے بعد ہی ممبئی سے تارآ گیا کہ جہاز ممبئی نہ آئے بلکہ جدہ ہی میں ٹھہرا رہے،حج کے بعد حجاج کولیکر واپس ہو،اس بناپرایک یادودن جہاز میں رہنے کے بعد جدہ واپس آنا پڑا،یہ تاریخیں اواخر ذیقعدہ کی تھیں ٹکٹ کے روپے واپس لیکراب یہی ضروری معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ روانہ ہوکرنعمت حج اوررفاقت بھائی صاحب مرحوم کاشرف حاصل کیا جائے،چنانچہ والدصاحب مرحوم کواطلاع دیدی اور چونکہ خرچ کم تھااوراسباب بھی زائد نہ تھا،یکم ذی الحجہ شام کے وقت پیدل مکہ معظمہ روانہ ہوگیا،قرب حج کی وجہ سے راستہ میں پیدل جانے والوں کی کثرت تھی اخیرشب میں بحرہ پہنچ کرکچھ آرام کیااورپھردن بھرچل کرشام کومکہ معظمہ پہنچا۔

بھائی صاحب مرحوم میرے خط اور جہاز کی خبر سے سخت پریشان اور پشیمان ہوگئے تھے،اس واقعہ سے بہت خوش ہوئے،بفضلہٖ تعالیٰ اداءمناسک حج سے فارغ ہوکرجب جدہ پہنچےتوسفرشروع کیاچونکہ مجھ کوبحری سفرمیں چکرنہیں آتااس لئے اس تمام سفرمیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی،اس بحری سفرمیں میں نے ایک شب کوخواب میں دیکھا کہ حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضرہواہوں،آپ نے فرمایا توجوکھجوریں مدینہ منورہ کی دے گیاہےاس کوآکرتقسیم کردے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں توآپ کے لئے لایاہوں میرے یہاں توان کی دوکان ہےتوفرمایا کہ نہیں توان کوتقسیم کردے میں جانتاہوں کہ ہندوستان میں کھجوریں

کن دقتوں سے حاصل ہوتی ہیں، اس خواب کو میں نے گنگوہ شریف پہنچ کر جب حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز سے ذکر کیا تو فرمایا کہ تجھ کو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں سے اجازت ہوگئی میرے یہاں سے بھی ہوجائے گی، اس تعبیر پر میں شرمندہ ہوگیا کیونکہ میرے وہم وخیال میں بھی اس وقت اجازت حاصل کرنے کی طلب نہ تھی اور خیال ہوا کہ حضرتؒ سمجھیں گے کہ طلب خلافت اس کی غرض وغایت ہے۔

بہر حال سفر کرتے کرتے سہارنپور پہنچے چونکہ ہمارے پاس مدینہ منورہ کی کھجوریں اور دیگر تبرکات تھے اور کھجوروں پر چنگی لگنی ضروری تھی، پیسے پاس نہ تھے اس لئے مع اسباب اسٹیشن کی مسجد میں ٹھہر گیا اور بھائی صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں اس لئے چلے گئے کہ وہاں سے کچھ پیسے لاکر چنگی والوں کو دے دیے جائیں گے مگر مولانا مرحوم نے ان کو روک لیا اور کسی خادم کو مع پیسوں کے بھیج دیا، پھر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کی سعادت مجھ کو بھی نصیب ہوئی، بھائی صاحب مرحوم وہاں سے براہ راست گنگوہ شریف روانہ ہوگئے، مگر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے دیوبند حاضر ہولوں اس کے بعد وہاں سے گنگوہ شریف کا قصد کرونگا، جو ہدایا وہاں کے حضرات کے ہیں وہ بھی پہنچا دیے جائیں گے اور ان کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوجائے گا اور پھر باطمینان گنگوہ شریف میں قیام ہوسکے گا، گنگوہ شریف کے لئے جو تبرکات عامہ تھے وہ بھائی صاحب اپنے ساتھ لے گئے مگر حجرہ شریفہ کا غبار مسجد شریف کی کھجوریں (اس زمانہ میں صحن مسجد نبویؐ میں بھی چند درخت کھجوروں کے تھے) اور بعض خصوصی دیگر تبرکات میرے ہی پاس تھے چونکہ حجرہ مطہرہ نبویہؐ کے خاص خدام جن کو آغاوات

کہتے ہیں مجھ سے پڑھا کرتے تھے اس لئے خصوصی تبرکات مجھ کو حاصل کرنے میں آسانی ہوتی تھی، میں اول دیوبند گیا اور حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے شرف ملاقات حاصل کیا، میری ایک غرض اس میں یہ بھی تھی کہ میں حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں تنہا اور پیادہ پا حاضر ہوں بھائی صاحب پیادہ چلنے پر راضی نہ تھے۔

چونکہ ہم کو جدہ سے روانہ ہو کر تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے اس لئے حضرت والد صاحب مرحوم بیتاب تھے کیونکہ اس مدت طویل میں ان کو کوئی خبر ہماری نہیں ملی تھی، وہ اس خیال میں تھے کہ جہاز آٹھ دس دن میں ممبئی پہنچتا ہے تو پندرہویں سولہویں دن ممبئی یا کراچی پہنچنے کی خبر آجانی چاہئے، اس لئے انہوں نے گنگوہ شریف حضرت قطب عالمؒ کی خدمت میں خط بھیجا کہ بقصد حاضری بارگاہ عالی میرے فلاں فلاں لڑکے روانہ ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی خبر ان کے پہنچنے کی معلوم نہیں ہوئی، اس لئے فکر ہے، اس لئے وہاں بھی انتظار تھا، بھائی صاحب مرحوم کے پہنچنے سے پہلے حضرتؒ نے دو جوڑے نئے کپڑوں کے کرتہ پائجامہ تیار کرا رکھے تھے جب بھائی صاحب پہنچے تو فرمایا کہ میں نے تم دونوں کے لئے ایک ایک جوڑا کپڑوں کا تیار کرا رکھا ہے مگر جب دوں گا کہ حسین احمد آجائے، نیز پوچھا کہ حجرہ شریفہ کا غبار بھی لائے ہو یا نہیں؟ بھائی صاحب نے فرمایا کہ وہ حسین احمد کے ساتھ ہے، جو تبرکات کھجوریں زمزم وغیرہ بھائی صاحب لے گئے تھے ان کو پیش کیا اور مشرف بقبولیت ہوئے۔

دیوبند میں ایک دن قیام کرنے کے بعد ظہر کے بعد پیدل روانہ ہوا اور چونکہ گرمیوں کے دن تھے اس لئے راتوں رات چل کر صبح کو نو دس بجے گنگوہ شریف پہنچا، اپنی

نالائقی اور تن پروری اور راہ طریقت میں کسل مندی وغیرہ کی وجہ سے خجالت اور شرمندگی کا اثر بہت قوی تھا، اس لئے راستہ میں برابر گریہ طاری رہتا تھا اور شوق حضوری بارگاہ کشاں کشاں قدم بڑھا رہا تھا، بالآخر حاضر خدمت ہوا اور شرف ملاقات سے فیضیاب ہوا بہت زیادہ شفقت فرمائی اور وہ دونوں جوڑے عنایت فرمائے، چونکہ ان میں عمامے نہ تھے، اس لئے بھائی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم اپنے اپنے عمامے لے آتے اور پیش کرتے ہیں آپ اپنی طرف سے ہم کو وہ عطا فرمادیں تاکہ جوڑا اکمل ہوجائے، تو ارشاد فرمایا کہ نہیں پھر دیکھا جائے گا، اس کے بعد ذات حق کا مراقبہ تعلیم فرمایا اور کہا کہ یہ چیز وہاں کسی طرح لکھی جاسکتی تھی۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ حاضر باش خدمت تھے، ان سے کہلوایا کہ دونوں سے پوچھو کیوں آئے ہیں؟ اگر مدرِّسی یا ملازمت کے قصد سے آئے ہوں تو کوئی کوشش کی جائے، مجھ کو اس پر تعجب ہوا میں نے عرض کیا کہ میں کسی دنیوی مقصد یا نفسانی غرض سے نہیں آیا، میرا مقصد بجز طلب ذات حق سبحانہ اور کوئی نہیں ہے، ارشاد ہوا تھا کہ ایک مہینہ کے لئے تو یہاں آجا اس لئے حاضر ہوا ہوں، میں کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتا اس کو سن کر سکوت فرمایا۔

خانقاہ قدوسیہ میں ہر ایک کو ایک ایک حجرہ مل گیا اور وہاں رہنے لگے، کھانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے یہاں سے دونوں کا کھانا آیا کرے گا، چنانچہ جب تک قیام رہا حضرتؒ کے یہاں سے ہی کھانا آتا رہا، غبار حجرہ مطہرہ پیش کیا گیا اس کو سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ اس سرمہ کو استعمال فرماتے رہے، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی کھجوروں کے تین دانے پیش کئے گئے ان کو تقریباً ۲۷ر حصوں میں کرکے تقسیم

فرمائے، مدینہ منورہ کی کھجوریں جو تقسیم کی گئیں ان کے متعلق ہدایت فرمائی کہ ان کی گٹھلیاں پھینکی نہ جائیں ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا اور روزانہ اس میں سے تھوڑا سا پھانک لیا کرتے تھے، میں نے تعلیم فرمودہ مراقبہ پر عمل کرنا شروع کر دیا، عصر کے بعد جب کہ صحن میں مجلس عمومی فرماتے تھے تو میں اس مراقبہ میں حجرہ قدوسیہ (جس میں حضرتؒ رہتے تھے) کے برآمدہ میں ستون کے پیچھے (تقریباً دو تین گز فاصلہ سے) مشغول ہو جاتا تھا، مغرب کے وقت تک مشغول رہتا تھا، حضرتؒ کے یہاں مثل مشائخ نقشبندیہ توجہ اور حلقہ کی کوئی مجلس نہیں ہوتی تھی البتہ مسترشدین اپنی اپنی جگہ اپنے مشغلہ قلبی میں مشغول ہو جاتے تھے، عادت شریف یہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد حجرہ شریفہ میں داخل ہوتے اور دروازہ بند کر لیتے، مشاغل روحانیہ میں مشغول رہ کر ڈیڑھ دو گھنٹہ دن چڑھنے کے بعد دروازہ کھلتا اور صحن میں گولر کے درخت کے نیچے بیٹھتے تھے، مہمانوں سے باتیں، خطوط کے جوابات، فتاویٰ وغیرہ اسی وقت انجام پاتے تھے، یہ عام مجلس تقریباً گیارہ بجے تک رہتی تھی، مسترشدین کو اگر کوئی بات مجمع میں پوچھنی ہوتی تھی اسی وقت پوچھتے تھے ذاکرین اپنے کمروں میں مشغول رہتے تھے، اس کے بعد حضرتؒ مکان تشریف لے جاتے تھے اور کھانے کے بعد تشریف لا کر قیلولہ فرماتے تھے، ظہر کے بعد حجرہ شریفہ میں دروزاہ بند کر کے تلاوت قرآن شریف وغیرہ میں تھوڑی دیر مشغول رہتے تھے پھر درروزاہ کھلتا تھا، اس زمانہ میں ''معجم کبیر طبرانی'' کا ایک قلمی نسخہ آیا ہوا تھا، چونکہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اس لئے اسی وقت مجھ سے پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔

عصر کے بعد خدمت میں قریب بیٹھ کر مشغولیت مراقبہ سے مجھ کو نہایت قوی اور بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا، چند دنوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی میدان

میں وہ گولر جو صحن حجرہ میں تھا اور اس کے سایہ میں حضرتؒ بیٹھا کرتے تھے کھڑا ہے اور اس میں گولر پکے ہوئے لگے ہیں، کچھ لوگ ڈھیلے پھینک رہے ہیں تا کہ پکا ہوا گولر حاصل کریں، میں نے بھی یہی کوشش کی مگر کوئی گولر ہاتھ نہیں آیا، یکا یک دیکھا کہ ایک پکا ہوا گولر مع اس ٹہنی کے جس میں وہ لٹک رہا تھا خود بخود ٹوٹا اور لٹکتا ہوا نیچے اترتا ہوا آہستہ آہستہ میرے پاس آ گیا اور میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے، اس خواب کو میں نے حضرتؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ ثمرۂ مقصود ہاتھ آئے گا۔

ایک روز عشاء کے بعد دوسرے خدام کے ساتھ میں بھی حضرتؒ کا بدن دبا رہا تھا، میں پشت کی طرف تھا، دباتے دباتے آنکھ جھپک گئی تو دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ چالیس دن گزرنے کے بعد مقصود حاصل ہوگا، اس تاریخ کے ٹھیک چالیس دن گزرنے پر عصر کے بعد حضرتؒ نے بھائی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ بھائی صاحب لے آئے، حضرتؒ نے ہر ایک کے سر پر اس کا عمامہ باندھ دیا جس وقت حضرتؒ میرے سر پر عمامہ باندھ رہے تھے مجھ پر زوردار گریہ طاری تھا اور اپنی کم مائیگی اور خجالت کا شدید احساس تھا، اس کے بعد بھائی صاحب سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیسی دستار ہے؟ بھائی صاحب نے عرض کیا کہ دستار فضیلت ہے فرمایا کہ ''نہیں دستار خلافت ہے'' میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔

بھائی صاحب مرحوم کو بہت خوشی تھی مگر مجھ پر اس وقت سخت صدمہ تھا اور بار بار روتا تھا کیونکہ اپنی نا قابلیت، نامرادی اور بدحالی مشاہد تھی اور اس صدمہ کا اثر چہرہ اور گفتار و رفتار وغیرہ پر ظاہر تھا، مولانا صادق الیقین صاحب مرحوم نے (موصوف کرسی ضلع لکھنؤ کے باشندے اور حضرت گنگوہیؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے) جبکہ اس صدمہ کا

مذاکرہ ہو رہا تھا اور میں نے اپنی بے بضاعتی اور بد حالی کا تذکرہ کیا تھا، فرمایا کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے اس کا اعتبار ہونا ضروری ہے، اس کے دو تین دن بعد میں نے عرض کیا کہ سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک بھی میں طے کرنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ جو تعلیم میں نے دی ہے وہ سب کی بالکل آخری تعلیم ہے یہاں پر تمام سلاسل مل جاتے ہیں اسی کی مشق کرو، اسی میں جدو جہد کر کے پیر مرید سے بڑھ جائے یا مرید پیر سے بڑھ جائے[1]۔

اس میں شک نہیں کہ اس مدت میں جو احوال اور کیفیات قلب پر وارد ہوتی تھیں یا جو رویائے صالحہ وغیرہ پیش آتی تھیں ان کا تذکرہ حضرتؒ سے کر دیا کرتا تھا، اثناء سلوک میں انوار مکاشفات الہامات وغیرہ بالکل پیش نہیں آئے، ایک مرتبہ برقی کیفیت کے انوار پیش آئے حضرتؒ سے ذکر کیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی ہاں یہ بہت پیش آیا کہ اپنے سامنے بدر یا تیز روشنی کی شمع یا دائیں جانب ایک ایک یا دو دو شمع بین النوم والیقظہ دیکھتا تھا، جس کی تعبیر ظاہر ہے، یہ حالت مدینہ منورہ میں بھی اور بعد میں احمد آباد جیل وغیرہ میں بھی کبھی کبھی رہتی تھی جس سے حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی امداد معلوم ہوتی ہے۔

دو ماہ سے دو چار دن تقریباً زیادہ حاضر باشی کو ہو گئے تھے کہ یک بارگی بعد از اجازت یہ کیفیت پیش آئی کہ نماز میں اور باہر بھی یہ تمام فضا بین السمٰوات والارض مجھ کو تنگ معلوم ہونے لگی اور نماز میں اس قدر اس کا اثر ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ نماز توڑ کر بھاگ جاؤں، حضرتؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ کلیر شریف وغیرہ ہو آؤ، حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو بھی جب قبض پیش آتا تھا تو ایسے مقامات پر تشریف لے

---

[1] اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت گنگوہیؒ کا تصوف میں کیا مقام تھا کہ مولانا مدنیؒ کے عرض کرنے پر آپ نے کیا عجیب جواب دیا۔

جاتے تھے، چنانچہ ہم دونوں کلیر شریف اور دیو بند وغیرہ گئے اور چند دنوں میں واپس آ گئے، یہ حالت اس سفر میں جاتی رہی واپسی کے بعد تقریباً پندرہ دن قیام رہا، پھر فیض آباد اور بھوپال وغیرہ کا سفر پیش آ گیا وہاں سے واپسی پر موسم حج قریب آ گیا تھا، حضرتؒ نے دو حج بدل اپنے اعزہ کے عطا فرمائے جن سے مدینہ منورہ تک واپسی کی صورت ہوگئی اس زمانہ میں بھی ممبئی اور کراچی کے بندرگاہ بند تھے، پور بندرگاہ سے حجاج کرام کے جہاز کی روانگی مقرر ہوئی تھی، غالباً ابتدائے شوال میں جہاز روانہ ہوا، ذیقعدہ کے ابتدا میں جدہ پہنچا اور پھر بعد از حج ابتدائے ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس مدت میں طلبہ میں کافی شہرت ہوچکی تھی، ابتدائی کتابیں بھی صاف ہوچکی تھیں، عربی تقریر کی مشق بھی اچھی طرح ہوگئی تھی، اس لئے طلبہ کا ہجوم زیادہ ہوا، ضروری تھا کہ کچھ وقت مشاغل طریقت کے لئے روزانہ مقرر کیا جاتا اور اس میں تعلیم فرمودہ اشغال کو انجام دیا جاتا، مگر بدقسمتی سے جب بھی اس کے لئے بیٹھتا تو ہجوم خواطر وحوادث نفس وغلبۂ نوم سے پریشان ہو جاتا، ادھر طلبہ کے ہجوم نے اس پر مجبور کر دیا کہ جس قدر بھی ممکن ہوان کو اوقات تعلیم کے لئے دیئے جائیں، بالآخر اپنی بدقسمتی اور شومی احوال کی شکایت اور مشاغل تدریسیہ کی کیفیت حضرت قطب العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں لکھی تو جواب آیا کہ ''پڑھاؤ اور خوب پڑھاؤ'' نفس کو یہ جواب خوب پسند آیا، مشاغل طریقت تو تقریباً چھوٹ گئے اور مشاغل تعلیمیہ اس قدر جملہ فنون میں بڑھ گئے کہ دن رات میں تقریباً تین گھنٹہ بہ مشکل سونا ہوتا تھا، باقی اوقات تدریس اور مطالعہ اور شخصی ضروریات میں صرف ہوتے تھے، اس سے علوم وفنون میں تو قوت بحمد اللہ ترقی کرتی رہی

مگر معرفت وطریقت میں پسماندگی ہی رہی۔

یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت قطب عالم مرشد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری اور مشغولیت سے جو فیض روحانی میں محسوس کرتا تھا وہ نہایت ہی عظیم تھا اور اصلاح حال بہت زیادہ ہوتی تھی، کاش کچھ عرصہ تک اس کے حصول کی نوبت آتی تو خدا جانے کہاں تک ترقی ہو جاتی مگر:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　　　که خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بدقسمتی نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسے اسباب وعوارض پیش آ گئے جنہوں نے قیام نہ کرنے دیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ گھر کے لوگوں پر مدینہ منورہ میں سخت عسرت کا حال گزر رہا تھا، والد صاحب مرحوم کے بھی تقاضے آتے تھے، جن کی بناء پر بھی حضرت گنگوہیؒ نے جلد واپسی کا ارشاد فرمایا، بہر حال شومی قسمت اور طبعی رزالت، تن پروری، کسلمندی، عدم استقلال، راحت طلبی وغیرہ نے ایسے گل کھلائے کہ باوجود ہر قسم کے سامان ترقی کے محرومیت ہی کا منہ دیکھنا پڑا[1]:

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم　　　　چند بر خود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

---

[1] یہ سب حضرت قدس سرہ العزیز کی تواضع ہے ورنہ حضرت علم وعمل زہد وتقوی، خلوص وللہیت، عبادت اور ذکر وفکر کے اس مقام پر تھے کہ نہ بیان کیا جاسکتا ہے نہ سمجھا جاسکتا ہے اور اللہ پاک نے آپ سے شریعت، طریقت، سیاست، حریت کے وہ عظیم کارنامے انجام دلوائے جس کی ایک بہت بڑی تاریخ ہے، حضرت کے مجاہدات اور اشاعت اسلام کے جذبہ کی ایک بہت بڑی داستان ہے، جس کے لئے چند صفحات کافی نہیں بلکہ ایک ضخیم اور طویل کتاب کی ضرورت ہے، یہاں تو ہم نے صرف حضرت گنگوہیؒ کے تعلق سے تھوڑا اماذ کر کیا ہے ورنہ آپ کا حال یہ ہے جس کو صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۱۲۸ رج ۸ رمیں بیان کیا ہے "وجال في الهند طولاً وعرضاً يحضر الحفلات، ويلقي الخطب والمحاضرات، ويتحمل مشاق السفر، ويسهر الليالي، وهو محافظ على أوقاته وأوراده، يجهد نفسه ويحيي ليله في المطالعة والتدريس مع بشاشة دائمة وتواضع مفرط واكرام للوافدين وقضاء لحق الزائرين والسائلين"۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ایسے مقدس اور بابرکت اور کاملین اہل اللہ کے دروں تک پہنچایا جو کہ نہ صرف اپنے زمانہ کے ممتاز اور مایۂ ناز اور آسمان طریقت وشریعت کے درخشندہ آفتاب تھے بلکہ صدیوں میں بھی زمانہ کو ایسی ہستیاں نصیب نہیں ہوئی تھیں، مگر اپنی دنائت اور خست کی وجہ سے میں حقیقی معنوں میں ان بزرگوں بلکہ تمام سلسلہ کے لئے ننگ اور عار ہوا، کاش ان قدموں کی برکت سے مغفرت اور اصلاح حال کی نعمت اور رضائے الٰہی حاصل ہوجائے، وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

یظن الناس بی خیراً وانی　　　　لشر الناس ان لم یعف عنی

(نقش حیات رص ۱۰۵رج ۱)

یعنی آپ نے ہندوستان کے طول وعرض کا دورہ کیا، جلسوں میں بیانات کئے اور تقریروں کے ذریعہ سے ہندوستان کی آزادی کی روح پھونکی جو آپ کو اپنے اکابر سے ورثہ میں ملی تھی، سفر کی زبردست مشقتیں برداشت کیں، راتوں کو جاگتے تھے تہجد اور دیگر اوراد ووظائف میں مشغول رہتے اور دن میں اپنے تمام اوقات مطالعہ وتدریس، مہمانوں کی خدمت، آنے والوں کے استقبال اور ان کے احترام میں وقت گزارتے، حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے دیوبند سے ڈابھیل جانے کے بعد دارالعلوم کی مسند حدیث کے لئے اکابر نے آپ ہی کا انتخاب کیا تھا اور آپ نے اس کو پورے طور پر نبھایا، آپ علوم ومعارف اور جملہ فنون عقلیہ ونقلیہ میں اپنے پیش رو بزرگوں سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ روحانیت، زہد وتقویٰ، تواضع اور خدمتِ خلق میں بہت آگے تھے، مولانا عبدالماجد دریا آبادی ایک مقام پر لکھتے ہیں ''شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے فضل وکمال، مرتبہ ومقام پر گفتگو تو وہ کرے جو

خود بھی کچھ ہو، مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے، کہتا ہوں اور گویا خانۂ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں، بہترین رفیق سفر ہیں، مہمان ہوں تو آپ کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرضدار ہو جائیں گے لیکن آپ کی حاجت ضرور پوری کر دیں گے، خدانخواستہ بیمار پڑ جائے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے، نوکری کی ضرورت پیش آئے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو کسی امتحان میں بیٹھ جائے تو سفارش ناموں میں عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ ہی اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا جس طرح بھی ہوگا آپ کا کام نکالنے پر تل جائیں گے، اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں اپنے خوردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں'' حالؔی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں:

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا　　　خاکساری اپنی کام آئی بہت

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود حسن شیخ الہند دیوبندیؒ کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہونچتا (اقوال سلف ص ۲۵۸ ج ۴)۔

چنانچہ آپ کے فیض یافتگان تلامذہ و مریدین کی تعداد بے حساب ہے جنہوں نے اپنے اپنے علاقہ میں دینی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں، صاحب نزہۃ الخواطر یہاں تک لکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں خشوع وخضوع، رقت، ابتہال الی اللہ

اور اللہ پاک کی ملاقات کا شوق آپ پر غالب آ گیا تھا، نیز یہ بھی لکھا کہ صدق و اخلاص، علو ہمت، پختگیٔ ارادہ، مکارہ اور تکالیف پر صبر و استقلال میں آپ کا جواب نہیں تھا، الغرض خدمت خلق اور عبادت رب میں بے مثال واقع ہوئے تھے، اپنے خاص استاذ و شیخ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کے امین، مزاج شناس اور ان سے بے حساب محبت کرنے والے اور ان پر اپنی جان قربان کرنے والے تھے، یہاں تک کہ مالٹا کی جیل میں اپنے استاذ کا ساتھ دینے کیلئے پہنچ گئے اور جب تک وہ وہاں رہے ساتھ ساتھ رہے، آپ کے تفصیلی حالات کیلئے آپ کی خودنوشت سوانح ''نقش حیات'' اور آپ پر لکھی ہوئی دیگر کتابیں مطالعہ کرنی چائیں یہاں تو ضمنی طور پر کچھ باتیں لکھی گئی ہیں۔

حضرتؒ ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵؍ دسمبر ۱۹۵۷ء میں انتقال فرما گئے اور مزار قاسمی میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا نانوتویؒ کے برابر میں مدفون ہوئے، حضرتؒ کو حضرت گنگوہیؒ کی وجہ سے سر زمین گنگوہ سے اور اس پر قائم ہونے والے دینی ادارہ جامعہ اشرف العلوم سے اور اس کے مدیر و ناظم حضرت والد بزرگوار مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ سے بیحد محبت تھی اور بہت شفقت فرماتے تھے، تشریف لاتے جلسوں میں خطاب کرتے اور دعا فرما کر تشریف لے جاتے، اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند فرمائے آمین۔

حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ''آپ بیتی'' میں حضرت مدنیؒ اور ان کے گنگوہ میں قیام کے تعلق سے جو کچھ لکھا اس کا نقل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، چنانچہ تبرکاً مختصر لکھا جاتا ہے:

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کو اس

ناکارہ پر شفقت ومحبت اس وقت سے ہے جب کہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲ رسال سے بھی کم تھی ۱۳۳۲ھ میں حضرت مدنی قدس سرہ نے تقریباً دو ماہ قیام گنگوہ شریف میں کیا اور مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، معمول یہ تھا کہ حضرت عصر کی نماز خانقاہ کی مسجد میں پڑھا کر سیدھے حضرت قطب عالم کے مزار پر تشریف لے جاتے، مغرب تک وہاں مراقب رہتے اور غروب سے پانچ سات منٹ پہلے اٹھتے اور ہمارا گھر خانقاہ کے راستہ میں تھا، میری والدہ مرحومہ کئی نوع کی افطاری پھلکیاں وغیرہ تیار کر کے رکھتیں، اور ایک دسترخوان چارپائی پر بچھا کر اس پر آٹھ دس طرح کی افطاریاں رکھ دیتیں اور میں باہر کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا اور جب دور سے حضرت مدنیؒ کو آتے دیکھتا بھاگ کر اپنی والدہ سے کہتا کہ آگئے آگئے، وہ جلدی سے پردے میں ہو جاتیں، اتنے حضرت دروازے تک پہونچ جاتے اور میں دروازے سے آجاؤ، تشریف لے آؤ کا شور مچاتا، حضرت اندر تشریف لاتے بہت اطمینان سے افطار فرماتے، اسی قانون کے تحت جو میں اپنے والد صاحب کے افطار کا حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حال میں لکھوا چکا ہوں، خوب اطمینان سے افطار فرمانے کے بعد پانی وغیرہ پینے کے بعد ہاتھ دھو کر کلی کر کے خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے کہ اس زمانے میں مستقل امام وہی تھے، خانقاہ میں پہونچ کر ایک لوٹے سے پانی کے دو گھونٹ پی کر گویا افطار کر کے مصلے پر پہونچ جاتے، حقیقت میں تو یہ تھا کہ حضرت مدنی صاحبزادے صاحب حکیم مسعود احمد صاحب کے مستقل مہمان تھے اور حکیم صاحب کے لئے یہ چیز موجب گرانی تھی کہ وہ کہیں دوسری جگہ افطار کریں (آپ بیتی جلد ۱ ص ۳۹۳)۔

اس پوری داستان سے ہمارے ان بزرگوں کا طریقہ واضح ہوگیا کہ یہ حضرات تزکیہ واحسان کو کتنا اونچا کام سمجھتے تھے اور اس محنت کو اللہ کے دین کی ایک بڑی محنت خیال کرتے تھے، چنانچہ مزید اس کی اہمیت واضح کرنے کیلئے ایک تحریر پیش کی جاتی ہے:

تصوف وسلوک کی حقیقت

افادات از شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم امابعد!

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں بیعت وسلوک وطریقت کے متعلق عرض کروں، لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے اور اس چیز کی تعلیم آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی، اور چونکہ جولوگ طریقت وتصوف کے ذمہ دار ہیں ان کی حرکات وسکنات اور افعال شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں، اس واسطہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کے طریق اور تعلیم کے خلاف ہے، جب کہ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بیعت نام ہے عہد لینے کا، شریعت کی کسی بات کے لئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس خاص کام کو انجام دیں گے اس کو بیعت کہتے ہیں، حضور ﷺ نے بھی اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت لوگوں سے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئے تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے تب تک دشمنوں سے مقابلہ کریں گے اور اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اختیار کریں گے، اس کو قرآن شریف کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا گیا ہے: **لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل اللہ سکینتہ علیھم و اصابھم فتحا قریبا** (اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرر ہے تھے) کس بات کی بیعت کرر ہے تھے؟ حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم نے

حدیبیہ میں درخت کے نیچے کاہے کی بیعت کی تھی؟ تو وہ کہتے ہیں "علی الموت" ہم نے بیعت کی تھی موت کے اوپر، بیعت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم مرجائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں، اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور ان کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہو کر اس نے سکینت اور اطمینان کو ان کے دلوں میں ڈالا اور اس کے بدلہ میں فتح مندی عطا فرمائی، یہ سورۂ فتح میں "**لقد رضی اللہ عنی المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرة**" تک بیعت کا ذکر کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۂ فتح میں ہی فرماتا ہے "**ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفیٰ بما عٰھد علیه اللہ فسیؤتیه اجراً عظیماً**" (اے محمد ﷺ! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ سے عہد کرنا ہے جس شخص نے اپنے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیگا اور ثواب دیگا) اور جو عہد کر کے توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جو بیعت اللہ کے رسول ﷺ کے دست مبارک پر کی گئی وہ بیعت تھی جہاد کی، قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں عورتوں کو بیعت کرنے کا حکم دیا گیا "**یٰایھا النبی اذا جاءک المؤمنٰت یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شئیا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفترینه بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفرلھن اللہ**" (اے پیغمبر ﷺ! جبکہ عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ بیعت کریں اس بات پر کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی) (زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ فقر کے ڈر سے اپنے بچوں کو ماں

باپ قتل کر دیتے تھے) اور اسی طرح کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، حضرت محمد ﷺ کے حکم کو پوری طرح انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی تو حضرت محمد ﷺ کو اس کا حکم ہے کہ ''**فبایعهن واستغفر لهن الله**'' تو آپ بیعت کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔

تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے جب مکہ معظمہ میں انصار کے بارہ سرداروں سے ملے اور ان کو دین کی تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامتؓ جو انہیں سرداروں میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ''بایعونی علی ان لا تشرکوا شئیا ولا تسرقوا ولا تزنوا'' مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں، رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں اور فرمایا کہ اگر تم میں کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جگہ دے گا اس کی مغفرت کرے گا اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اس پر سے اٹھ جائے گی، اور اگر اس نے نافرمانی کی اور دنیا میں سزا نہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کر دے، تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بعض خاص باتوں پر اور کبھی کبھی عام باتوں پر یعنی پوری شریعت پر بیعت لی ہے، بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث شریفہ میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بعض اصحاب سے صرف اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی چیز مانگیں گے نہیں اور سوال نہیں کریں گے، تو اس دن سے ان صحابی کی یہ عادت ہوگئی کہ اگر گھوڑے پر سواری کی حالت میں ان کا کوڑا گر گیا تو یہ کوڑا دوسرے سے نہیں اٹھواتے بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر کوڑا اٹھا لیا کرتے تھے، حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے

اس بات پر بیعت لی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے، تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے خیر کی نصیحت کرتے تھے، تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے، قرآن واحادیث میں بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت اسی وقت سے جاری ہے، اب اسی مسنون بیعت میں یہ بیعتِ طریقت بھی داخل ہے جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک چلی آرہی ہے، بیعت اس پر کرنا کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے اس سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر واطاعت میں فوری توجہ سے کام لیں گے اس کو بیعت وطریقت کہا جاتا ہے، یہی بیعت کے طریقے تمام زمانہ میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے عہد لئے ہیں، یہ جو پیری مریدی کہی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے، البتہ بیعت کرنا ہر ایک شخص کا حق نہیں ہے جو شخص شریعت کا پابند ہو بدعات اور فسق وفجور سے بچتا ہو اور اس نے کسی ولی اور اللہ والے اہل دل کے پاس رہ کر نسبتِ باطنی حاصل کی ہو، فقر وفاقہ اختیار کیا ہو اس کے ہاتھ پر زمانہ سابق میں بیعت کی جاتی تھی اور وہی بیعت لینے کا مستحق بھی ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی بیعت لیتے تھے خلفاء راشدین اور خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے اور حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسن بصریؒ اور پھر ان کے خلفاء برابر یہ بیعت لیتے رہے ہیں، جو لوگ بیعت لیتے تھے ان کو پیر کہا گیا ہے، پیر کے معنی لغت میں عمر رسیدہ کے ہیں اور عربی میں اس کو شیخ کہتے ہیں چونکہ معمر آدمی جس نے زیادہ دنوں تک خداوند قدوس کی اطاعت کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ثابت رہا ہو وہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے عہد لے تو اس کو اس واسطہ عربی میں ''شیخ'' اور فارسی میں ''پیر'' کہا گیا ہے، وہ شخص

تجربہ کار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں عمر گذار چکا ہوتا ہے تو اس کو پیر کہا جاتا ہے، پیر کسی خاص آدمی کا نام نہیں ہے، کسی خاص نسب کا نام نہیں ہے، کسی خاص طریقہ کے کرنے والے کا نام نہیں ہے، جو شخص شریعت کا پابند ہو اور عرصۂ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں، ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو اور وہ دنیا کی طرف کھینچنے والا نہ ہو اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا ہوگئی ہو وہی پیر ہوتا ہے، وہی شیخ ہوتا ہے۔

جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھرے اور کھوٹے پائے جاتے ہیں، جو شخص شریعت کے اوپر نہ چلتا ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا تابعدار نہ ہو وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حق دار نہیں، قرآن شریف میں فرمایا گیا ''**یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین**'' (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) تو پیر سچوں ہی کو بنایا جاتا ہے، سچا وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی سچا ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی سچا ہو، جس کے اندر جلن، حسد، مکر، ایذارسانی نہ پائی جاتی ہو اللہ تعالیٰ کی سچی تابعداری کرتا ہو، لہٰذا کہا گیا ہے ''**کونوا مع الصادقین**'' کہ سچوں کے ساتھ رہو، قرآن شریف میں فرمایا گیا ''**یاایھاالذین آمنو اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون**'' (اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو ڈرو اللہ سے اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) وہ شخص جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کا اور رحمتوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اسی کو مرشد کہتے ہیں ''**وابتغوا الیہ الوسیلۃ**'' کی تفسیر میں محققین کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد مرشد ہے، جس کو پہلی آیت میں ''**کونوا مع الصادقین**'' کہا گیا ہے، پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا پھر اس کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا گیا، ان دونوں کے بعد ''**ابتغاء وسیلہ**'' یعنی مرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا یہ تیسرا حکم ہے اور چوتھا حکم ''**وجاھدوا فی سبیلہ**'' یعنی اللہ کے

راستہ میں کوشش کرو، جہاد کرو نفس کے خلاف، اپنی راحت کے خلاف کرو تو یقیناً ’’وابتغوا الیہ الوسیلۃ ‘‘ کی مانگ جوتقوی کے بعد زائد چیز ہے، جس کو مرشد کا تلاش کرنا کہتے ہیں اور اس کے حکم پر چلنا اور پھر اللہ کے راضی کرنے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے، تو یہ جو طریقت تصوف کے احکام ہیں، کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پرانی ہے اور اسی زمانہ نبوت سے چلی آئی ہے، تصوف کے جو اعمال ہیں ذکر وریاضتیں وغیرہ یہ چیزیں بھی اس زمانہ سے چلی آئی ہیں۔

اس پوری تحریر سے سلوک وتصوف کی اور بیعت وارشاد کی حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے، اب جو لوگ ان چیزوں کی اہمیت کو یہ کہہ کر ختم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سب انفرادی عمل ہے اور یہ دعوت وتبلیغ نہیں ہے، غور فرمایئے! کہ یہ خیال کس قدر لغو ہے اور بعض تو یہاں تک ہمت کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو لوگ بیعت وارشاد کی بات کرتے ہیں وہ اپنی طرف دعوت دے رہے ہیں، اور کوئی تو یہاں تک کہہ رہا ہے کہ یہ عقیدہ کی دعوت نہیں ہے بلکہ عقیدت کی دعوت ہے، ایسے لوگوں کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ جس وقت حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول پاک ﷺ کے دستِ اقدس پر تحت الشجرہ بیعت کررہے تھے کیا وہ انفرادی عمل تھا؟ یا اپنی طرف دعوت تھی؟ اور کیا وہ دعوت وتبلیغ سے ہٹ کر کوئی اور عمل تھا؟ اور کیا یہ سب چیزیں اعمال کے ذرات ہیں اور آپ کے اعمال پہاڑ ہیں؟ ان لوگوں نے اپنے اعمال کی اس قدر بڑی فضیلتیں گھڑی اور دوسرے اہم ترین اعمال کی اس قدر تحقیر کی جس کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے، چنانچہ بعض حضرات فرمارہے ہیں کہ انفرادی اعمال کے پہاڑ اجتماعی اعمال کے ذرات سے بھی چھوٹے ہیں اور انہوں نے مدارس اسلامیہ کی عظیم الشان خدمات اور اصحاب ذکر وفکر، اصحاب مراقبہ ومشاہدہ کے تمام مجاہدات اور اس کے ذریعہ سے عظیم الشان اصلاحی کام کو جو عہد رسول اللہ ﷺ سے اس وقت تک

برابر چلا آرہا ہے یہ کہہ کرامت کے ایک طبقہ کی نظر میں بالکل بے وزن کردیا کہ یہ سب کچھ مختیں انفرادی اعمال کے ضمن میں آتی ہیں، اور ہمارا چلنا پھرنا یہی جہاد ہے، یہی ذکر ہے اور یہی اجتماعی عمل ہے، اور اسی سے اصلاح ہوجائے گی، نہ اصلاح کیلئے مصلحین کے پاس جانے کی ضرورت، نہ مستقل خانقاہوں میں جانے کی ضرورت، نہ اور کسی دفاع اور ہمت وحوصلہ والی محنت کی ضرورت، نہ مدارس کی ضرورت، یہی مدرسہ، یہی خانقاہ، یہی سب کچھ ہے، جبکہ یہ خیال بالکل بچکانہ ہے اور دیگر تمام شعبہائے دین کا در پردہ ایک انکار اور استخفاف ہے، جس پر قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی زندگیاں لگ گئی ہیں، اور انہی کی برکت سے یہ بہار نظر آرہی ہے، اللہ پاک ہم سب کو عقل سلیم نصیب فرمائے اور خرافات سے حفاظت فرمائے، آمین۔

موقع کی مناسبت سے ذکر اللہ کی عظمت واہمیت کو سمجھانے کیلئے ذکر وفکر کے تعلق سے کچھ امور پیش خدمت ہیں!۔

ذکرِ قلبی

ذکرِ الٰہی اور ذکرِ کثیر کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں، کہیں ذکر اسم ذات کی تاکید ہے کہیں ذکرِ قلبی کی تلقین کی گئی ہے، جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے، بالخصوص ایک آیت جامع خصوصیات کی حامل ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجھر من القول بالغدو والأصال ولا تکن من الغافلین (اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے اور پکار سے کم آواز بولنے میں، صبح اور شام کے وقت، اور مت رہ بے خبر) اس آیت کی تفسیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سے ''نفحۃ العنبر من ہدی الشیخ انور'' کے ص ۱۳۵ پر یوں فرمائی ہے:

قال شیخ رحمه الله انور لا نخرج فیه عن اللفظ وبعنوانه الیٰ غیره فهو فی الذکر لا الصلوٰة وان کانت ذکرا،قوله واذکر ربک الظاهر المراد به ذکره فی القلب ولعله ندالم یقل واذکر اسم ربک وقال تضرعا وخیفة ولم یقل خفیةً ، فالخیفة من عقابه امر فی القلب کماقال انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم، وعند الترمذی من ابواب صفة جهنم عن انس عن النبی ﷺ قال یقول الله اخرجوا من فی النار من ذکرنی یوما وخانی فی مقام، هذا حدیث حسن ۔شیخ انورؒ نے فرمایا ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے اور نہ اس کے عنوان سے کسی غیر معنیٰ کی طرف جاتے ہیں، پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز، اگر چہ نماز بھی ذکر ہے اور ''واذکر ربک'' سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں، نماز تو ذکر لسانی ہے، شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ''واذکر اسم ربک ''نہیں فرمایا، خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف، جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور ترمذی شریف کی حدیث ''صفت ابواب جہنم'' میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا، یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ:

(۱) ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے (۲) ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت حاصل ہے (۳) ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے (۴) اللہ تعالیٰ نے صبح وشام ذکر کرنے کا حکم دیا (۵) صبح وشام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکرِ قلبی ہے نیز اور صبح وشام ذکر کا معمول ہے اور اس آیت پر ہمارا پورا پورا عمل ہے۔

فیض الباری ۲/۳۱۵ / پر درج ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مصر میں مجلسِ ذکر قائم کی تھی، ثم اندرست تلک المجالس حتیٰ جاء السیوطیؒ وشرع ثم انقطعت بعدہٗ بالکلیۃ (پھر یہ مجلس نابود ہوگئی پھر امام سیوطیؒ نے اپنے زمانے میں قائم کی پھر ان کے بعد منقطع ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین مجالس ذکر قائم کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے

فیض الباری ۲/۶۲ ۳ / پر ہے کہ نمازوں کے بعد سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ مجلسِ ذکر قائم کرتے تھے۔

اجتماعی ذکر

فالسنۃ الخاصۃ فی ذٰلک قاضیۃ علیٰ عموم الاحادیث فی الاذکار بعد الصلوٰۃ وفی المدخل لابن الحاج المالکی ان السلف الصالحین کانوا یحسبون بعد الصبح والعصر فی المسجد لھم زمزمۃ ودوی کدوی النحل (اس ذکر میں جو خاص سنت ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے، وہ نمازوں کے بعد عام حدیثوں سے ثابت ہے اور مدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین وتبع تابعین نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقہ لگا کر ذکر کرتے تھے، ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی) ذکر کی یہ صورت ذکر خفی ہے یا پاس انفاس، جس کا نقشبندیہ کے ہاں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

اجتماعی ذکر کا ثبوت

قال تعالیٰ: واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه o اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔

اس آیت کے حصہ ''مع الذین '' سے اجتماعی ذکر اور حلقۂ ذکر کا ثبوت ملتا ہے، حضور اکرم ﷺ کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے، اس سے ذکر اجتماعی کی فضیلت بھی ظاہر ہوگئی۔

حدیث سے اس کی تائید: عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملائكة يطوفون فی الطریق یلتمسون اهل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون الله تنادوا هلمّوا الی حاجتکم فیحفو نهم باجنحتهم الی سماء الدنیا الی ان قال فیقول تعالیٰ اشهد کم انی قدغفرت لهم قال فیقول ملک من الملائکة فیهم فلان لیس منهم انما جاء لحاجته قال هم الجلساء لایشقیٰ جلیسهم حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہلِ ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے تو اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے، چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے، پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہ سکتا۔

فوائد (۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجالسِ ذکر قائم کرنا ایسا محمود عمل ہے کہ

ملائکہ کرام مجالسِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور ذاکرین میں مناسبت ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔(۲) ذکرِ الٰہی ایسی عبادت ہے جس پر مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے کسی اور عبادت پر نہیں۔(۳) وسیلۂ صلحاء اور صحبتِ مشائخ کا محمود ہونا ثابت ہوا، ذاکرین کی جماعت میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کر لیتا ہے۔(۴) اولیاء کی ذرا سی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنا دیتی ہے۔

مجالسِ ذکر قائم کرنے کا حکم: عن ابی رزین انه قال له رسول الله ﷺ الا ادلک علی ملاکِ هذا الامرِ الذی نصیب فیه خیر الدنیا و الأخرة علیک بمجالس اهل الذکر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو؟ سنو! مجالسِ ذکر کو لازم پکڑو۔

فائدے: (۱) مجالسِ ذکر کی تلاش اور ان میں شامل ہونا مؤکد بتاکید ہے۔ (۲) مجالسِ ذکر دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔(۳) ذکرِ الٰہی سے رحمتِ الٰہی کا نزول اور اطمینانِ قلبی حاصل ہوتا ہے۔ ولنعم ماقیل ؎

انا من الرجال لایخاف جلیسهم ریب الزمان و لایریٰ مایرهب

صوفیاء کا معمول قرآن و سنت پر مبنی ہے

و اوراد الصوفیة التی یقرؤ نها بعد صلوٰةٍ علیٰ حسب عاداتهم فی ملوکهم لها اصل اصیل فقد روی البیهقی، عن انس ان النبی ﷺ قال لانی اذکر الله مع قوم بعد صلوٰة الفجر الیٰ طلوع الشمس احب الی من الدنیا وما فیها ولانّی اذکر الله تعالیٰ بعد صلوٰة العصر الیٰ ان تغیب الشمس احب الی من الدنیا ومافیها۔

صوفیاء کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے ''بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی کیا کروں''۔

وروی ابو داؤد عنه انه ﷺ قال لانی اقعد مع قوم یذکرون الله تعالیٰ من صلوٰۃ الغداۃ حتیٰ تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعة من ولدِ اسمٰعیل ولا نی اقعد مع قوم یذکرون الله من صلوٰۃ العصر الی ان تغرب الشمس احب الی من ان اعتق اربعة۔

اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذاکرین کے ساتھ مل کر صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکر کرنا مجھے اولادِ اسمٰعیل سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک ان کے ساتھ ذکر کرنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

وروی ابو نعیم انه ﷺ قال مجالس الذکر تنزل علیهم السکینة وتحف بهم الملائکة وتغشاهم الرحمة ویذکرهم الله تعالیٰ ۔

اور ابونعیم نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجالسِ ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزولِ سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔

وروی احمد ومسلم انه ﷺ قال لایقعد قوما یذکرون الله تعالیٰ الا حفتهم الملائکة وغشیتهم الرحمة وتنزلت علیهم السکینة وذکرهم

الله تعالیٰ فیمن عنده۔

واذاثبت ان لما یعتاده الصوفیة من اجتماعهم علی الاذکار والاوراد بعد الصبح وغیره اصلا صحیحا من السنة وهو ماذکر فلا اعتراض علیهم فی ذٰلک ۔

اورامام احمداور مسلم نے بیان کیا کہ جب کچھ لوگ ذکرِ الٰہی کے لئے بیٹھتے ہیں فوراً ہی ملائکہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزولِ سکینہ ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ صوفیائے کرام کے صبح وشام کے معتاد اجتماع اوراذ کار واوراد کی اصل سنت صحیح سے ثابت ہے اوراس کا ہم نے ذکر کردیا توان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اس باب کی ابتدامیں جو آیت ہم نے پیش کی تھی اس کی جامع اور مکمل تفسیر فتاویٰ الحدیثیہ کی مذکورۃ الصدرعبارت سے ہوگئی اور حلقۂ ذکر کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہوگئی۔

قرآن کریم سے حلقۂ ذکر کا ثبوت :تفسیر ’’کلام الملوک ،ملوک الکلام‘‘ میں زیرِ آیت انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورة بعد مایحمل علی التسبیح القالی کما هو ظاهر القرآن ومؤید بکشفِ کثیر من اهل الله تعالیٰ یؤخذ منه امران الاول الاجتماع علی الذکر تنشیطا للنفس وتقویة للهمة وتعاکس برکات الجماعة من بعض علیٰ بعض والثانی صحة مایتخیل فی بعض الاشغال من اشتغال کل مافی العالم بالذکر وله تاثیر عجیب فی جمع الهمة وقطع الخطرات۔

آیتِ قرآنی کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حلقۂ ذکر یعنی اجتماعی صورت میں

ذکر کرنا مؤید بالقرآن ہے اور صاحبِ تفسیر نے حلقۂ ذکر کے فوائد کی بھی نشان دہی کردی، ان میں سے نشاط اور تقویت کا احساس تو عام ہے مگر تعاکس برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہوسکتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی ''عجیب تاثیر'' کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہوسکتی اور جو لوگ صرف الفاظ سے کھیلتے ہیں انہیں ان کیفیات کا علم ہو تو کیونکر، لہٰذا اپنی محرومی کو چھپانے کے لئے انکار کا سہارا لیتے ہیں:

قاصر گر کند بر ایں طائفہ طعن قصور ... حاشاللہ کہ برآرام بزبان ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند ... روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ماخوذ از حجۃ القاطعہ یعنی دلائل السلوک رص ۹۹ رتا ۱۰۵)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت گنگوہیؒ

دربارِ رشیدی کے فیض یافتگان میں امام عصر، آفتاب علم ومعرفت، علامۂ زماں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی ہیں، آپ ۲۷ رشوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے پہلے آپ کے اشعار ملاحظہ فرمائیں!

ومن شعره قوله في مدح شيخه رشيد احمد الگنگوهیؒ

قفا يا صاحبي عن السفار ... بمرائي من عرار أو بهار

يسير بنشرها نفحات أنس ... وريا عند محي من قطار

يفيض لروحها رشحات قدس ... حيادة للبراري والقفار

وقد عادت صباها من رباها ... بأنفاس يطيب بها الصحاري

فيسري في قلوب الصحب وجد ... بأطراف الحديث لدى اعتبار

أطيب لنشره نفسا ونفسا ... فأروي من روايات الكبار

أتابعهم ويمليني دموعي — حديثي من شيوخي لأذكار
أجلهم وأبجلهم مقاماً — أبو مسعودهم جبل الوقار
لقد فرع الورى عملاً وعلما — مكارم ساعدت كرم النجار
امام قدوة عدل أمين — ونور مستبين كالنهار
فقيه حافظ علم شهير — كصبح مستنير هدى سار
اليه المنتهى حفظاً وفقهاً — واضحى في الرواية كالمدار
ففي التحديث رحلة كل راو — وفي الأخبار عمدة كل قارى
فقيه النفس مجتهد مطاع — وكوثر علمه بالخير جارى
وأحيى سنة كانت أميتت — واذ وضح النهار فلا تمارى
وأصبح في الورى صدراً وبدراً — منيرا واريا حلك التوارى
وأصبح مفرداً علماً رفيعاً — كرفع المفرد العلم المنار
وآية رحمة فضلا وفيضاً — عباباً مستطاباً للقوارى
وغرة دهره علماً ودينا — طراز زمانه مثل النضار
يقوم لشكره آثاره في — مدارس أو مساجد كالدرارى
متى ما جاد جود قام شكراً — له العزمات من باد وقار
وأما فضله ذوقاً وحالا — ففرد فيه لا أحد يجارى
علو مقامه قدماً وسبقاً — فلا من طائر فيه مطار
فضيل زمانه ورعاً وزهداً — وحاتم عصره عند امتيار
كان جبينه بدر مبين — تهلل نوره عند الزوار

وھمتہ کصبح مستطیر	أو الغیث المغیث لدی انتظار
لقد نفع الوری شرقاً وغرباً	وأشرق نورہ عند اعتکار
وزحزح عن حریم الحق نکراً	فحصحص فی البسیط علی الجمار
ودار مع استقامتہ مداراً	أصیل الأصل محمر الزمار
فرحمة ربہ أبداً علیہ	وطاب ثراہ من رضوان باری

(نزہۃ الخواطر ص۹۳ ج۸)

ان اشعار میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی بہت بلیغ انداز سے تعریف کی ہے اور آپ کو علم، عمل، اخلاص، اخلاق، تزکیہ واحسان کا امام اور مقتدا قرار دیا ہے، اور کہیں آپ کو اپنے دور کا سب سے بڑا محدث ہر طالب حدیث کا مرجع اور کہیں آپ کو فقیہ النفس مجتہد متاع، قرار دیا اور کہیں آپ کو اپنے زمانہ کا فضیل اور حاتم اصم قرار دیا اور کہیں آپ کو اللہ کی رحمت کی نشانی قرار دیا اور کہیں کہا کہ آپ سے شرق وغرب میں مخلوق کو فیض پہنچا، اس سب سے حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنے شیخ ومرشد حضرت گنگوہیؒ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت کا اظہار ہوتا ہے اور جبکہ کہنے والا خود اتنا بڑا آدمی ہے تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کا کیا مقام ہوگا، جبکہ خود علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں اکابر کے بلند ترین کلمات ہیں، چنانچہ صاحب ''نزہۃ الخواطر'' لکھتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ایک نادر عصر، وسیع الاطلاع علی العلوم، حدیث، فقہ، تفسیر اور تمام ہی علوم عقلیہ نقلیہ میں راسخ کامل تھے، ضبط واتقان میں مثال نہیں رکھتے تھے (نزہۃ الخواطر ص۹۱ ج۸)۔

نیز حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے، کہ واقعی حضرت

شاہ صاحبؒ ''آیۃ من آیات اللہ'' تھے، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک دفعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو جامعہ اسلامیہ کے طلبہ نے تقریر کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ حضرت علامہ کے حالات پر تبصرہ کریں تو بخاری صاحب نے فرمایا: میرے جیسا کم علم ان کے حالات کو کیا بیان کرسکتا ہے، البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ کا قافلہ جارہا تھا یہ پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت علامہؒ کے جلسۂ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی، لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ''معارف'' میں کس قدر بلیغ بات کہی تھی ''مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جسکی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن گہرائی موتیوں سے لبریز ہو''۔

آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو جو سند اجازت عنایت فرمائی تھی اس میں تحریر فرمایا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم وعمل، سیرت وصورت، ورع وزہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب جمع کردیا ہے، اور شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کو ''علامہ'' جیسے وقیع لفظ سے یاد فرماتے اور مسائل علمیہ میں جب کوئی دقیقہ سامنے آتا تو حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت فرماتے کہو علامہ! اس مسئلہ میں سلف کا کوئی قول یاد ہے؟ علامہ صاحب جواب دیتے اور حضرت شیخ الہندؒ مسرت واطمینان کا اظہار فرماتے، استاذ کا شاگرد کو علامہ سے یاد کرنا حضرتِ علامہ کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے۔

نیز جب حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۳ھ میں حجاز کے سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں آپ کے قیام کا ارادہ تھا تو آپ نے اپنی جگہ پر درس حدیث اور مسند صدارت پر آپ ہی کا انتخاب کیا تو آپ حقیقت میں جانشین شیخ الہند قرار پائے۔

نیز علامہ سید رشید رضا مصری جب دیوبند تشریف لائے تو عربی میں آپ کی تقریر سنی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سید رشید رضا بار بار اپنی کرسی سے اٹھتے تھے اور فرماتے تھے ''واللہ ما رایت مثل ھذا الرجل'' خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔

نیز علامہ اقبالؒ نے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے (اقوال سلف ص ۳۶۲ ج ۴)۔

نیز آپ کی علمی خدمات کے بارے میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ جو بہت بڑے محدث ومفسر، مؤرخ، متکلم، اور جامع علوم وفنون بزرگ ہیں علامہ اقبال کے تاثرات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں ''آخر کی پانچ صدیوں کا تمام علم اگر یکجا کرلیا جائے تو انور شاہؒ کے علم کی زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی'' آپ کے فرزند شیخ الحدیث حضرت مولانا انظر شاہ مسعودیؒ اپنے عظیم والد کے علم وفضل کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں ''مرحوم علامہ کشمیریؒ اپنے بے پناہ علوم کے اعتبار سے آخری صدیوں میں آیۃ من اللہ تھے، اسلامی علوم وفنون میں کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں وہ اپنی ذاتی رائے نہ رکھتے ہوں، خود فرماتے ''میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں، بجز فقہ کے کہ ابوحنیفہؒ کی تقلید محض کرتا ہوں'' انہوں نے قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کا بالغ نظری سے مطالعہ کیا تھا قرآن کریم پر بھرپور نظر تھی، اعجازِ قرآن کا مسئلہ جو آج تک زیر بحث چلا آرہا ہے فرماتے کہ ''یہ

مسئلہ میرے لئے سورج کی طرح روشن و منور ہے'' (حسن تدبیر ص۲۲۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھنے کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بھی علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ میں خوب استفادہ کیا جس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے، حضرت گنگوہیؒ سے آپ نے علم حدیث کی سند حاصل کی، اور آپ کے خلیفہ بھی ہوئے، مگر آپ نے اس چیز کو اس قدر اخفاء میں رکھا جس سے بہت سے لوگ اب تک آپ کو حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں نہیں سمجھتے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کشمیر سے اس علاقہ میں آئے تو دین ہم نے حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا، اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں دیکھا اس کے بعد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوریؒ کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا چاہے تو حضرت تھانویؒ کے یہاں جا کر دیکھے! نیز حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ حضرت گنگوہیؒ افقہ من الشامی تھے، یعنی علامہ شامی سے زیادہ فقیہ تھے، آپ ۳ رصفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء بعمر ساٹھ سال دار فانی سے دار بقاء کی طرف منتقل ہو گئے اور دیوبند میں عیدگاہ کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت مولانا یحیٰ صاحبؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کرنا

حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل

مولانا یحیٰ صاحبؒ یکم محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء بروز پنجشنبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ حضرت شیخ زکریاؒ کے والد بزرگوار ہیں، بہت ہی ذکی،

ذہین، جید الاستعداد عالم تھے، جب آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں حدیث کا شوق ہوا تو حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے اور استفادہ کیا اور پھر تو آپ کے لئے وقف ہو گئے جس کی تفصیل آپ کی حیات میں اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ نے چونکہ پہلے ہی طے کر رکھا تھا کہ حدیث پڑھوں گا تو حضرت گنگوہیؒ سے ورنہ نہیں، اور حضرت گنگوہیؒ امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض، خاص طور سے آنکھ میں نزول ماء کیوجہ سے ۱۳۰۸ھ سے سالانہ دورہ ملتوی فرما چکے تھے۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے حدیث کے امتحان میں (جو مدرسہ حسین بخش دہلی میں ہوا تھا اور مولانا نے مطالعہ اور محنت سے اس کی تیاری کی تھی جس کی تفصیل گزر چکی) کے جوابات دیکھ کر حضرت گنگوہی سے سفارش فرمائی کہ حضرت نے اعذار کیوجہ سے اسباق بند کردئے مگر ایک سال دورہ میری درخواست پر اور پڑھادیں کہ مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی ثم دہلوی کے لڑکے مولوی یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا، چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمالیا اور یکم ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ سے ترمذی شروع فرمادی، جو صرف ایک گھنٹہ ہوتی تھی کہ امراض کی کثرت اور عوارض کی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ وقت نہ ملا اسی وجہ سے یہ دورہ دو سال میں ہوا اور ترمذی ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو یعنی چودہ ماہ کے اندر ختم ہوئی، اس کے چار دن بعد ابو داؤد شریف ۲۲/ذی الحجہ پنجشنبہ کو شروع ہوئی، اس کے بعد چونکہ نزول آب کے آثار بھی شروع ہو گئے تھے، اس لئے بقیہ کتب کو عجلت سے طلبہ کے اصرار پر ختم کرایا اور ۷/ربیع الاول پنجشنبہ ۱۳۱۲ھ کو ابو داؤد ختم فرمائی اور اس کے بعد بخاری شریف دو دن بعد ۹/ربیع الاول شنبہ کے دن شروع ہوئی اور یکم جمادی الاول کو جلد اول ختم ہو کر اس کے ختم کے بعد جلد ثانی

شروع ہوئی جو ۱۷؍ جمادی الثانی کو ختم ہوئی اور اس کے بعد چونکہ نزول آب کی شدت ہوگئی تھی اس لئے نہایت عجلت میں دو ماہ کے اندر مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ پوری ہوئیں اور ۲۳؍ شعبان ۱۳۱۳ھ کو یہ دورہ ختم ہوا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا، ان میں ترمذی شریف پر محدثانہ، فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام اور ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا اور اس طرح حضرت کا یہ آخری دورہ ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے، اور مولانا یحییٰ صاحبؒ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہوچکی تھی اس آخری بہار کے دیکھنے کو پھر گنگوہ میں جمع ہوگئی، مولانا یحییٰ صاحبؒ کا یہ دورہ پڑھنے کے لئے گنگوہ آنا گویا حضرت کی خدمت کیلئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا کہ بارہ برس تک جانے کا نام نہ لیا حتی کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے اور وہ بہار ہی ختم ہوگئی جس نے دنیا کو قدوسی منظر دوبارہ دکھانے کیلئے اپنی طرف کھینچا تھا، آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا۔

ایک عبرتناک واقعہ

مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی، کاندھلہ قریب تھا مگر میں خود ان کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خود امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا، عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا بار بار تقاضا ہے جاؤ گھر ہو آؤ، تو میں کاندھلہ گیا اور فوراً واپس آ گیا جو صاحب قرأت کیا کرتے تھے ترمذی کا

ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے ہر چند میں نے اور دیگر شرکائے سبق نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا، مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا، چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا حضرت نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے، چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں، اس دن قاری کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق کم ہونے پر اس کو غصہ آیا اور جب تقریر تمام ہوئی تو میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کوئی اور حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو، میں اور حضرت اقدس دونوں چپ، کہ زبان سے کچھ نہ فرمایا مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا، سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل جاتی رہی نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ وغضب اولیاءہ۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے معلم کی نظر سے پیدا

حضرت گنگوہیؒ کے آخری تلمیذ رشید

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ''تذکرۃ الرشید'' میں حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ کا ذکر خیر کرنے کے بعد آخری تلمیذ رشید مولانا محمد یحییٰ صاحب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اور سب سے آخری دورہ میں امام ربانی، غوث صمدانی، قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے تلامذہ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ ہیں جن کے نام نامی سے حضرات منتسبین میں غالباً کوئی چھوٹا بڑا شخص ناواقف نہ ہوگا، اسی آخری دورہ میں چونکہ حضرت مولانا کی بینائی پر آشوب نے اثر کیا اور تحریر جوابات سائلین سے بالکلیہ

معذوری ہوگئی، اس لئے یہ شاگرد اس خدمت کے لئے منتخب ہوئے اور طبعی ذکاوت، رسائی فہم، تفقہ، صلاحیت واستعداد نفس اور شیخ المشائخ کی ہمہ وقت خدمت ومزاج شناسی کی بناپر تاوقتِ وصال یعنی کامل بارہ سال تک حضرت کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے، حضرت اقدس قدس سرہ کے علمی فیضان اور تدریس وتفقہ کے آثار کا نمونہ دکھلانے کے لئے اگر مولوی محمد یحییٰ صاحب کو پیش کردیا جاتا تو کافی تھا، چہ جائیکہ اس بحر ذخار سے سیراب ہونے والے سینکڑوں کی تعداد میں علماء فضلاء ہیں۔

(سیرت حضرت مولانا یحیٰی صاحب کاندھلویؒ ۹۷)

گنگوہ کا قیام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام الیاس اختر ہے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی الیاس کی تعلیم معقول نہیں ہورہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں والد صاحب نے اجازت دے دی اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے اور بھائی سے پڑھنا شروع کردیا۔

گنگوہ اس وقت صلحاء کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا الیاس صاحب کو شب وروز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام وماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا، جب گنگوہ

آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گزرا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو، مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کردیتے اور کہتے کہ اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو!۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا دستور تھا کہ وہ سارا زور مطالعہ پر دیتے تھے اور اس طرح مطالعہ کراتے تھے کہ کوئی خلجان اور کوئی بات بے سمجھی نہ رہے، پھر درس کے وقت اس کو اس طرح سنتے کہ گویا پڑھا ہوا سبق سنا رہا ہے، بیشتر ایسا ہوتا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا مطالعہ سنکر جب اطمینان ہوجاتا تو فرمادیتے جاؤ ساتھیوں کو کہلوادو، اور مولانا محمد الیاس صاحب وہ سبق ساتھیوں اور ہم سبقوں کو پڑھادیتے، نیز نیچے کی جماعتوں کے اسباق بھی بیشتر اوپر کی جماعتوں سے پڑھوایا کرتے تھے، اس طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی صلاحیت بھی پیدا ہوجاتی اور قابلیت واستعداد ہر طرح سے تام ہوجاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت استاذ کی نگرانی میں تمام کتابوں کو بار بار پڑھایا۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وتعلق

حضرت گنگوہیؒ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت

وتکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی ،مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے غیر معمولی حالات کی بناء پر انکی خواہش اور درخواست پر بیعت کرلیا، مولانا کی فطرت میں شروع سے محبت کی چنگاری تھی ،آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہوگیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کیلئے جاتا زیارت کر کے پھر آ کر سو رہتا، حضرت گنگوہیؒ کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی کہ خلوت کے وقت بھی آپ کو اجازت تھی۔

حضرت مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بھی یہی شکایت حضرت حاجی صاحب سے فرمائی تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ''اللہ آپ سے کوئی کام لے گا'' (سیرت حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ رص ۷۱)۔

چنانچہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے اللہ پاک نے دعوت وتبلیغ کی صورت میں بہت بڑا کام لیا، جس کا فیض دریاؤں کی طرح شرق سے غرب شمال سے جنوب پہنچ رہا ہے اور پہنچتا رہے گا، اس سب میں حضرت گنگوہیؒ کا بہت بڑا حصہ ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے بہت کچھ حاصل ہوا، خود اس بات کا بارہا اظہار کرتے تھے کہ جو کچھ اللہ پاک نے میرے ذریعہ سے کام لیا ہے یہ دراصل میرے شیخ کا فیض ہے اور اصل مجدد ہمارے سلسلہ کے حضرت گنگوہیؒ ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب کا ہمارے اکابر میں ایک خاص احترام اور مقبولیت تھی ،حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں ،حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ارشاد حضرت مولانا کے متعلق ایک بہت بڑی بشارت ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ حضرت

گنگوہیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت ہوئے اوران کی تربیت میں مقامات سلوک طے کیے،اور تعلیم دارالعلوم دیوبند جاکرمکمل کی (اقوال سلف رص ۴۶۰)۔

نیز سوانح مولانا یوسف صاحب رص ۱۴۴ رمیں لکھا ہے ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا وصال ہوا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس وقت بالیں پر موجود تھے اور سورۂ یسین پڑھ رہے تھے،اس حادثہ کا آپ کے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا،فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے ہیں ''ایک والد کے انتقال کا دوسرے حضرت اقدس گنگوہیؒ کے وصال کا''۔

حدیث کی تکمیل

حدیث کی ابتدائی تعلیم مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے گنگوہ میں حاصل کی اور پھر ۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے حلقۂ درس میں دیوبند جاکر شریک ہوئے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی اور بعد میں پھر اپنے فاضل یگانہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حدیث کا دورہ کیا، یہ دورہ چار مہینے میں مکمل ہوگیا۔

بیعت اور تکمیلِ سلوک

ابتداء میں بیعت تو حضرت گنگوہیؒ سے ہوگئے تھے اور اسی زمانۂ طفلی سے حالات وکیفیات میں روز افزوں ترقی ہورہی تھی لیکن جب حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہوگیا تو حضرت مولانا پر ایک عجیب حال طاری ہوگیا،سلوک ومراقبہ بڑھ گیا،اکثر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے روضہ کے پیچھے بوریہ بچھا کر بیٹھ جاتے اور دیر تک خاموش بیٹھے

رہتے اور بعد مغرب عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے اس وقت حضرت مولانا کی عمر ۲۰/۲۲/سال کی تھی، اس کے بعد جب شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھنے دیوبند تشریف لے گئے تو بیعت کی خواہش کی شیخ الہندؒ کے مشورہ پر مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا تعلق قائم کرلیا اور انہیں کی نگرانی اور تربیت میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت وخلافت سے سرفراز ہوئے (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب/ص ۱۴۴)۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ نے بھی حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور روحانیت میں رجوع کیا اور حضرت سہارنپوریؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا جس کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے ساتھ حضرت کو محبت کا جو بے نظیر تعلق تھا وہ دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ وطن چھوڑ کر حضرت امام ربانی کی خدمت میں محبوب اور پیشکار بارگاہ بن کر بارہ سال رہے اور وصال کے بعد حضرت سے تجدید بیعت فرمائی، کہ مجاز طریقت بنے اور ان کی وجہ سے ان کے بھائی مولوی محمد الیاس صاحب اور صاحبزادہ مولانا محمد زکریا صاحب بھی حضرت کے ایسے لاڈلے رہے کہ صلبی اولاد کی ان کے مقابلے پر کوئی حقیقت نہ تھی'' حتی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دوربیں بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولانا یحییٰ صاحب کوئی چیز ہیں (بڑے ذوق وشوق سے خود) گنگوہ جاکر وہ عمامہ جو آپ کو مرشد العرب والعجم (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل پیچوں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا، یہ کہتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے مولانا یحییٰ کے سر پر رکھ دیا کہ اس کے مستحق تم ہو اور

میں آج تک اس کا محافظ وامین تھا، الحمد للہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بارِ امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا، مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ر جولائی ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور بنگلہ والی مسجد مرکز حضرت نظام الدین میں مدفون ہوئے، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا انتقال ۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں ہوا، اور حاجی کمال شاہ سہارنپور میں مدفون ہیں (سیرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ ر ص ۱۲۳)۔

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اپنی تربیت واصلاح کیلئے اپنے مشائخ کی صحبت اختیار کی اور سالہا سال ان کے پاس رہکر ریاضت ومجاہدہ کیا اور تزکیہ وسلوک اور ذکر وفکر کیلئے بڑی زبردست محنتیں فرمائیں اور دسوں سال خانقاہ رشیدیہ میں گذارے، باضابطہ بیعت ہوئے اور شیخ کی مجالس کو اپنے لئے سب سے بڑی نعمتِ عظمیٰ اور غنیمتِ کبریٰ سمجھا اور تزکیۂ باطن اور سلوک وتصوف کے ذریعہ سے پہلے اپنا ایمان بنایا اپنے آپ کو عشق الٰہی سے مجلیٰ کیا اور اخلاق فاضلہ سے مزکیٰ کیا اس کے بعد دین کی اشاعت کیلئے باہر قدم نکالا، پہلے درس وتدریس کو اپنایا پھر عمومی لائن سے عوام الناس میں گھس کر ایمان اور اعمال صالحہ کی درستگی کی محنت میں تا آخر عمر مصروف رہے، آج ایک طبقہ اپنے ان بزرگوں کی اس زندگی کو بالکل نظر انداز کرر ہا ہے اور وہ بغیر تحصیل علم وسلوک کے اور تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن میں لگنے کے سب کچھ عوام الناس میں گھس کر اصلاح اعمال کو تصور کرر ہا ہے، اور صرف اسی کو اللہ کا راستہ اور ایک ہی طرز کو تبلیغ کا طریقہ اور دعوت کا ایک ہی ذریعہ قرار دے رہا ہے، جبکہ ان بزرگوں نے اپنے ملفوظات میں بار بار اس کی وضاحت فرمائی کہ علم وذکر، دعوت وتبلیغ کے دو بازو ہیں جن کے بغیر

دعوت وتبلیغ کی فضاء میں پرواز نہیں ہوسکتی، اور کہیں فرمایا کہ جولوگ بغیر علم وذکر کے اس کام میں لگیں گے مبادا خطرہ ہے کہ ان سے بجائے اصلاح کے فتنہ کا دروازہ نہ کھل جائے ، یہاں رک کر یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ کا راستہ کیا ہے اور انبیاءؑ نے کن کن طریقوں سے دعوت وتبلیغ کا کام کیا اور رسول پاک ﷺ سے لیکر حضرات صحابہ اور تابعین اور محدثین اور مصنفین اور مجاہدین اسلام نے اور صوفیاء کبار نے کن کن طریقوں سے دنیا میں دین پھیلایا، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دنیا میں آنے سے پہلے تک کتنی صورتیں اشاعت اسلام، حفاظت اسلام، اقامتِ اسلام اور استحکام اعمال صالحہ اور تزکیۂ اخلاق اور تزکیۂ نفوس کا کام مخلصین امت نے کس طرح انجام دیا؟ ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کیلئے جب کوئی شخص اہل علم سے رجوع کریگا تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ کام ہمیشہ ہوتا رہا اور اس کی مختلف صورتیں رہی، کہیں جہاد، کہیں خانقاہ، کہیں مدارس، کہیں وعظ و بیان، کہیں تصنیف وتالیف، ان سبھی کو اللہ کا راستہ مانا جاتا تھا اور اب بھی ان سب طریقوں سے دین کا کام جاری وساری ہے اور رہے گا، اور یہ سب چیزیں علماء، صلحاء، فقہاء، حکماء، محدثین نے اپنائیں، عہد صحابہؓ میں بھی یہ سب چیزیں جاری وساری رہیں اور ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہیں گی، دنیا کی کوئی طاقت ان چیزوں کو منسوخ نہیں کرسکے گی ، رسول پاک ﷺ نے فرمایا لایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خالفهم حتی یأتی امر الله ۔

حضرت شیخ زکریاؒ کا سرزمین گنگوہ سے تعلق

بچپن میں حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں آنا

حضرت شیخ ۱۲ر رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۵ر فروری ۱۸۹۸ء کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ اپنی خودنوشت سوانح آپ بیتی جلد نمبر ا رص ۸۹ر میں اس طرح لکھتے ہیں ''ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا، یہ منظر مجھے اب تک یاد ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ اس سیاہ کار کو اپنی گردن پر بٹھائے رکھتے، ایک ٹانگ سینے کے ایک طرف دوسری ٹانگ دوسری طرف لٹکائے ہوئے میں گردن پر سوار رہتا وہ اسی حالت میں اپنے کام میں مشغول رہتے، بازار جاتے یا کسی اور کام کو جاتے تب بھی میں ان کی گردن پر سوار رہتا، نماز کے وقت البتہ اتار دیتے تھے'' حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ ۱۳۲۰ھ میں گنگوہ حاضر ہوئے تھے اور اوائل ۱۳۲۴ھ میں حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے گئے تھے (آپ بیتی جلد ا رص ۸۹)۔

سب سے پہلا دور حضرت قطب عالم قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کا دیکھا میری عمر اڑھائی برس تھی، جب گنگوہ حاضر ہوا تو آٹھ برس کی تھی، جب حضرت قدس سرہ کا وصال ہوا، شعور تو اب تک بھی نصیب نہ ہوا مگر وہ تو عرف میں بھی بے شعوری کا زمانہ تھا اس بے شعوری اور بے تمیزی کے زمانے میں بھی اپنی چند حماقتیں ضرور یاد ہیں، سب سے پہلی تو یہ کہ حضرت قدس سرہ چار زانو

تشریف فرما ہوتے اور یہ بے ادب، بدتمیز، گستاخ حضرت قدس سرہ کے دونوں گھٹنوں پر ایک ایک پاؤں رکھ کر حضرت قدس سرہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لپٹ کر کھڑا ہو جاتا تھا، اب جب خیال آتا ہے تو دُھڑ دُھڑی آ جاتی ہے کہ میرے کپڑوں میں سے کتنی بدبو حضرت کو آتی ہوگی اور کتنی تکلیف حضرت کو پہونچتی ہوگی، یہ بھی خوب یاد ہے کہ حضرت قدس سرہ کی معیت میں حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کی کئی دفعہ نوبت آئی اور حضرت کو چونکہ نزولِ آب ہو چکا تھا اس لئے حضرت قدس سرہ تو بہت آہستہ آہستہ نوش فرماتے اور مجھے اس عمر میں جو بدتمیزی کرنی چاہئے تھی وہ کیا بیان کروں، البتہ چونکہ حضرت قدس سرہ کی صاحبزادی جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ برابر کھڑی ہوا کرتی تھیں اوران کے بارعب چہرے سے میں ڈرا کرتا تھا، اس لئے جب وہ ادھر ادھر ہوتیں تو جلدی سے دست درازی کیا کرتا تھا لیکن بعد میں بڑے ہو کر حضرت صاحبزادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی براہ راست جو شفقتیں ہوئیں وہ بھی لاتعدولاتحصی ہیں شاید ایک دو واقعہ کہیں لکھوادوں یہ میں باب دوم میں لکھوا چکا، اوران کی اہلیہ محترمہ میرے لئے پلاؤ خاص طور سے رکھا کرتی تھیں، یہ بھی خوب یاد ہے کہ مولانا سید احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ حضرت قدس سرہ کے لئے ایسی باریک ورقیاں امرودوں کی کاٹتے جیسے پتنگ کا کاغذ ہوتا ہے بڑی ہی مہارت تھی، حضرت قدس سرہ کے سامنے جو کچھ بچتا اس کا واحد وارث میں ہی تھا، اس کے علاوہ حضرت کی چارپائی کے نیچے پھل مٹھائی وغیرہ کی ٹوکریاں اور ہنڈیاں رکھی رہا کرتی ان پر بھی چوری سے نہیں اگر غصب سے کہوں تو بے محل بھی نہیں، بہرحال غاصبانہ تصرف میرا ہی ہوتا تھا، غصب میں نے اس لئے کہا کہ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ اگر دیکھتے تو گھورتے اور مجھے جھڑک بھی دیتے تھے لیکن حضرت مولانا سید احمد صاحب جو حضرت قدس سرہ کی اس قسم کی چیزوں کے منتظم تھے ان کی طرف

سے اذن عام تھا بلکہ والد صاحب کے گھورنے یا جھڑکنے پر میں اگر اس چیز کو واپس ڈال دیتا اور وہ دیکھ لیتے تو اٹھا کر چپکے سے اور کبھی ان کے سامنے بھی مجھے دے دیتے۔

حضرت قدس سرہ کے یہاں عام معمول چائے کا تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تھا یا نہیں لیکن یاد پڑتا ہے کہ کبھی کبھی دو حصہ دودھ اور ایک حصہ چائے کی ایک چھوٹی پیالی ہوتی تھی، البتہ صبح کے وقت میں دو تین بیضوں کا نیم برشت ایک تکیہ بنا کرتا تھا اور وہ بہت ہی عجیب چیز ہوا کرتی تھی اور بہت اہتمام سے بنا کرتا تھا، مولانا مرحوم تین بیضوں کو تقریباً آدھ گھنٹہ پھرکی سے اس قدر پھینٹتے کہ وہ پھول کر بڑا پیالہ ہو جاتا، پھر اس کو پکتے ہوئے گھی میں فریدان میں ڈالتے جس سے وہ بلا مبالغہ پھول کر ایک چھوٹے نان کے برابر ہو جاتا پھر جلدی جلدی اس کو بستر ے کی طرح سے لپیٹتے جس سے وہ گاؤ تکیہ معلوم ہونے لگتا جو اندر کی طرف سے تو بالکل کچا اور اوپر سے چلی کی طرح سے پکا ہوا بہت ہی لذیذ ہوتا، اس میں سے ایک دو چمچہ حضرت قدس سرہ نوش فرمایا کرتے تھے باقی وہ سارا گاؤ تکیہ اس حقیر و فقیر زاہد عن الدنیا کے حوالہ ہو جاتا، اکابر میں کوئی ہوتا تو ایک دو چمچہ بطور تبرک ان کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا۔

حضرت قدس سرہ کو ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام اور شوق تھا، گرمیوں میں حضرت کے لئے بعد ظہر اولے کا شربت شورہ قلمی میں ٹھنڈا کیا جاتا، پندرہ بیس منٹ تک حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ المونیم کے ڈبوں میں اس کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے اندر کے بند ڈبے میں شربت ہوتا اور باہر کے کھلے ڈبے میں شورہ، وہ پندرہ بیس منٹ تک اس کو گھماتے جس سے وہ برف سا ہو جاتا وہ اندر کے بند ڈبے کو بالکل صاف کر کے کہیں اس کے اندر اثر نہ رہ جائے گلاس میں حضرت قدس سرہ کو پلانے کیلئے نکالتے اور باہر

حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش کرنے کو لیجاتے، اور ایک چوتھائی کے قریب اس ڈبے میں خاص طور سے اس سیاہ کار کے لئے بھی چھوڑ کر جاتے، حضرت قدس سرہ کے گلاس میں جتنا بچتا اسی میں میرے والا حصہ ملا کر مجھے مرحمت فرما دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی، مولاناؒ تو حضرت قدس سرہ کو پلانے باہر تشریف لے گئے اور اس حریص ولالچی نے ان کے آنے سے پہلے ہی شورہ سے وہ ڈبہ نکال کر منہ کو لگایا اندر کا شربت تو دیر سے پہنچا اور باہر جو شورہ تھا وہ سب سے پہلے منہ کو لگ گیا جس سے سارا منہ کڑوا اور خراب ہوگیا کہ تھوکتا تھوکتا تھک گیا اتنے میں مولانا تشریف لے آئے، میری حالت دیکھ کر ڈانٹا کہ ایسی کیا گھبراہٹ تھی میں تو آ ہی رہا تھا کئی مرتبہ کلی کرائی پھر وہ بقیہ شربت پلایا، اس سیاہ کار نابکار نے جملہ مشائخ کے یہاں سے مادی مال ہی کھائے، اور اپنی بداعمالیوں سے روحانی کچھ نہ کھایا۔

حضرت قدس سرہ نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ کی ہمرکابی میں عیدگاہ میں جانا بھی خوب یاد ہے، ایک پالکی میں سرہانے کی طرف حضرت قدس سرہ ہوتے اور دوسری طرف (یعنی پاؤں کی جانب) یہ سیاہ کار بیٹھا ہوا کرتا اور بڑے بڑے مشائخ درس، اکابر صوفیا، محدثین اس کو اٹھانے والے ہوتے دس بارہ آگے ہوتے دس بارہ پیچھے اور دو سو اڑھائی سو کا مجمع ادھر ادھر، تشبیہ تو اچھی ہے نہیں مگر کوئی اور لفظ سمجھ میں نہیں آیا کہ جنازہ کی طرح سے ایسی جلدی جلدی کندھا بدلتے کہ میں بیٹھا اس منظر کی سیر کیا کرتا تھا، خانقاہ سے عیدگاہ تک نہایت آہستہ خراماں خراماں وہ پالکی چلتی اور ہر شخص کی تمنا ہوتی کہ مجھے بار بار یہ سعادت ملے، ہمت والے نوجوان تو دو دو بار نمبر لگا لیتے جس کو میں دیکھتا رہتا اور ضعفاء ایک آدھ ہی چکر لگا پاتے، مگر چونکہ تواضع اور احترام کا خاص منظر تھا اسلئے

دوسرے آنے والے کے بعد پہلے والے کو ہٹنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا تھا۔

ایک حماقت ساری عمر یاد رہے گی حضرت قدس سرہ کی سہ دری اور شرقی جانب ایک بہت بڑا چبوترا تھا اس کے اوپر ایک بہت بڑا چھپر پڑا رہتا تھا، وہ گویا میرے والد صاحب اور ان کے متعلقین وخدام ادب کی قیام گاہ تھی اس میں چارپائی بھی پڑی رہتی اور سردیوں میں پرال اور گرمیوں میں چٹائیاں وہی گویا میری بھی قیام گاہ تھی جب حضرت قدس سرہ دوپہر کو کھانا کھا کر مکان سے تشریف لاتے اور خانقاہ شریف کے اندر داخل ہوتے تو میں اس قدر زوردار جھٹکے سے ''السلام علیکم'' کہتا اور دونوں عینوں کو ایسے جھٹکے سے کہتا اور حضرت قدس سرہ اتنے ہی زوردار جھٹکے سے وعلیکم السلام کہتے کہ حضرت قدس سرہ کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی ہے اور اجل خلفاء اکابر علماء جب حضرت قطب عالم کی مجلس میں بیٹھتے تو ایسا سر جھکا کر بیٹھتے ''کان علی رؤسھم الطیر'' سناٹا چھایا ہوا ہوتا، البتہ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جو بعد میں ممبئی میں حکیم اجمیری کے نام سے مشہور ہوئے جب وہ گنگوہ حاضر ہوتے تو وہ کچھ نہ کچھ بات اکثر کرتے رہتے، یا حضرت صاحبزادے حکیم مسعود صاحب جن کا گدی دار موڑھا حضرت قدس سرہ کی چارپائی کے قریب یا پائنتی کی جانب ہوتا یا میرے والد صاحب قدس سرہ ڈاک سنانے کے لئے تشریف لاتے اور بہت چھوٹے سے بغیر گدی کے موڑھے کو چارپائی کے قریب لاکر اس پر بیٹھتے اور ڈاک سناتے ان کے علاوہ بڑے بڑے اکابر معمولی موڑھوں پر ایسے چپ چاپ آہستہ آہستہ دبے پاؤں موڑھوں پر آکر بیٹھتے کہ آہٹ نہ ہو، الا یہ کہ خود حضرت قدس سرہ کسی سے مخاطب ہوں تو وہ نہایت عجلت سے نہایت آہستگی سے جس کے

اندر آواز نہ ہو موڑھے کو قریب کر کے بیٹھتا اور جواب دیتا۔

ایک مقولہ حضرت قدس سرہ کا میں نے خود تو نہیں سنا مگر میرے والد صاحب اور چچا جان ہر دو سے کئی مرتبہ سنا ہے جو آگے آرہا ہے، حضرت قدس سرہ مکان سے کھانا کھا کر جب تشریف لاتے تو خدام مکان سے خانقاہ تک پیچھے پیچھے آیا کرتے تھے وہ حضرت قدس سرہ کے سہ دری میں تشریف لانے تک اپنی اپنی جگہوں پر واپس لوٹ جاتے تھے، دستور یہ تھا کہ جب حضرت قدس سرہ دونوں وقت کھانا کھانے مکان تشریف لیجاتے تو خدام میں سے دو چار نہایت آہستہ آہستہ پیچھے ہو لیتے، حضرت قدس سرہ کا ہاتھ پکڑ کر کوئی نہیں چلتا تھا، بلکہ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہوتی تھی اسی کی مدد سے بغیر سہارے تشریف لاتے اور تشریف لیجاتے، خدام جو مکان جانے پر ساتھ جاتے وہ حضرت قدس سرہ کے فارغ ہونے تک باہر دروازہ پر ہی کھڑے رہتے یا بیٹھ جاتے، اور حضرت کی واپسی پر ساتھ ساتھ خانقاہ آتے ہوئے جب حضرت قدس سرہ سہ دری تک آتے تو وہ لوٹ جاتے، ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ تشریف لائے حضرت نے سہ دری میں قدم رکھا اور خدام لوٹ گئے اور حضرت نے سہ دری میں کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے؟ میرے والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! یحیٰ اور الیاس ہیں، حضرت نے نہایت جوش میں فرمایا اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا، حضرت قدس سرہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے اسی وجہ سے جملہ مشائخ کے یہاں سلوک میں ''اللہ'' کا ذکر اور ورد جاری ہے کہ یہ اثر کئے بغیر نہیں رہتا (آپ بیتی جلد ا ص ۳۳۴)۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کا تذکرہ حضرت شیخؒ کی زبانی

ایک جگہ لکھتے ہیں اکابر کے حوادث کے سلسلہ میں بھی بعض عجیب قدرت کے کرشمے دیکھنے پڑے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول قطب الارشاد، سید الطائفہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ، قدس سرہ، اعلی اللہ مراتبہ کا حادثۂ وصال دیکھا جو ۸/ یا ۹/ جمادی الثانی علی اختلاف رویۃ الہلال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱/ اگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ہوا، وہ منظر اب تک آنکھوں کے سامنے ہے جمعہ کی نماز کے بعد تدفین عمل میں آئی صبح کے بعد سے اور جنازہ کے اٹھنے تک اس قدر سناٹا رہا کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آدمی کی آواز ہی نہیں جانور کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی، لب ہر شخص کے خوب ہل رہے تھے اور اس قدر مکمل سکوت کہ قرآن پڑھنے کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی، حافظ بھی قرآن پڑھ رہے تھے اور ناظرہ خواں بھی مسجد میں بیٹھ کر قرآن خوب کثرت سے پڑھ رہے تھے مگر زبان پر ایسا سکوت کہ آواز کا نام نہیں، اگر کوئی شخص کسی سے بات پوچھتا بھی تھا تو ایک دو منٹ کے بعد اشارہ سے جواب ملتا، جمعہ کی نماز تو میرے والد صاحبؒ نے جو پہلے سے حضرت قدس سرہ کی علالت سے امامت کر رہے تھے پڑھائی، بہت بھرائی ہوئی آواز میں جنازہ کی نماز حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے حکم سے پڑھائی اس لئے کہ سارے ہی اجل خلفاء موجود تھے، حضرت صاحبزادے سے پوچھا گیا، انہوں نے کہا مولوی محمود پڑھائیں گے، میں تو بہت ہی بچہ تھا چھپ چھپ کر قبرستان جا رہا تھا اور جگہ جگہ سے ہٹایا جا رہا تھا راستے میں مخلص کہتے کہ ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، قبر شریف تک تو پہنچ

ہی نہ سکا اس لئے کہ تقریباً چاروں طرف سے ایک میل زائد جگہ کا لوگوں نے احاطہ کر رکھا تھا وہ منظر خوب یاد ہے (آپ بیتی جلد ۱ ص ۱۷۲)۔

حضرت شیخ زکریاؒ اپنی حیات میں گنگوہ کے سفر کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے اور بارہا مزار رشیدؒ پر اور دیگر اکابر کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت حکیم نھو میاںؒ کے پاس ہوتے ہوئے مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لاتے اور دعائیں کرتے، مزار کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے، اور پھر حضرتؒ کے مزار اقدس پر مراقبہ کرتے اور تمام مجمع حضرت کے ساتھ ذکر جہری کرتا تھا، اور حضرتؒ اپنے متعلقین کو بھی ذکر واذکار کی اور اپنی اصلاح وتربیت کی بہت زیادہ تلقین فرمایا کرتے تھے، جس کی تفصیلات مکاتیب شیخ میں دیکھی جاسکتی ہیں، حضرت شیخ زکریاؒ کا وصال یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء بروز دوشنبہ بعد عصر ہوا اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

تذکرہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ

آپ کی پیدائش مصنف سوانح علمائے دیوبند کے مطابق ۱۸۴۶ یا ۱۸۴۷ء ہے خاندانی روایات کے مطابق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر دس، گیارہ سال کے قریب تھی، نیز اسی کتاب میں ایک جگہ تحریر کیا گیا ہے، کہ آپکی پیدائش دہلی میں ہوئی اور ابتدائی زندگی کے دس بارہ سال دہلی میں ہی گزرے، آپ انصاری النسل تھے یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھے۔

چنانچہ مصنف ''سوانح علمائے دیوبند'' ایک جگہ لکھتے ہیں: حضرت فخر العلماء کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں وہ انصاری النسل ہونے پر فخر کر سکتے ہیں وہاں انہیں یہ فخر بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی دادی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد میں سے تھیں، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعد جس شخصیت کے نام سے گنگوہ کی عظمت میں اضافہ ہوا وہ یہی حضرت فخر العلماء کی شخصیت ہے جو دنیائے اسلام میں حضرت مولانا فخر الحسن محدث گنگوہیؒ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۳/ج ۲)۔

حضرت فخر العلماء گنگوہ میں

حضرت فخر العلماء اپنے والد اور والدہ کے ہمراہ جب گنگوہ تشریف لائے تو عیش وعشرت کے بجائے تنگی اور تنگدستی کا دور دورہ تھا، دہلی سے گنگوہ کا سفر بھیس بدل کر مسافت طے کرنا، آزادی کی جدوجہد میں (جس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے انہوں نے کیا جس میں ان کے نانا نے پیش پیش حصہ لیا) دہلی کی تباہی، فرنگیوں کی فتح یہ وہ سارے

نظارے تھے جوان کے نانا کے سامنے سے گزرے، پھر وہ اس آتش سیال سے گزر کر گنگوہ کے نسبتاً پرسکون ماحول میں داخل ہوئے، ان کے والد جو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے سجادہ عماد الاسلام کے حقیقی نواسے تھے بیمار تھے ایک والدہ کا دم تھا جو حوصلہ اور ہمت کا مینار تھیں، لیکن جیسا کہ ہر دور میں ہوتا ہے مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، مسلمانوں کو اگر اس دور میں آسرا تھا تو وہ صرف خدا کی ذات سے تھا، لہذا ہر شخص اللہ سے رجوع کرر ہا تھا، پھر حضرت فخر العلماء کا خاندان تو اہل اللہ کا خاندان تھا لہذا جب حضرت کی تعلیم وتربیت کو پھر جاری کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا جو اس افراتفری کے باعث مہینوں معطل رہی تھی تو یہی فیصلہ ہوا کہ دینی تعلیم کا جو سلسلہ دہلی میں جاری تھا اسے از سر نو شروع کیا جائے، والدہ ماجدہ نے ہیرے کی انگشتری بیچ کر جو رقم حاصل کی تھی اسی سے سرائے پیرزادگان میں ایک مکان خریدا تاکہ سر چھپانے کی جگہ تو میسر ہو اور بیمار شوہر کی تیمارداری کی جائے۔(سوانح علمائے دیوبند ص۵۴۴رج ۲)۔

حضرت گنگوہیؒ کی شاگردی

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لینے سے پہلے گنگوہ میں حفظ قرآن کیا اور حفظ کرنے کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بھی پڑھا تھا، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے سوانح قاسمی میں اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں اس کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے درس کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک مجلس میں جس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب

تھانویؒ یہ غالباً کانپور کی بات ہے جہاں ایک زمانہ میں یہ دونوں حضرات جمع تھے، حضرت تھانویؒ کی زبانی مولانا فخر الحسن صاحب کی اس روایت کو سنئے، یہ روایت اس حدیث شریف سے متعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ''مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو''، جب یہ حدیث حضرت گنگوہیؒ کے درس میں آئی تو طلبہ نے اپنے اشکالات بیان کئے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ کی ایک حکایت سنائی جو مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ نے بیان کی تھی، کہ جب بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے یہ اشکال پیش کیا کہ آنحضرت ﷺ تو حضرت یونس علیہ السلام بلکہ تمام انبیاءؑ سے یقیناً افضل تھے، پھر آپ نے اس کی نفی کیوں فرمائی؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہی تو افضل ہونے کی دلیل ہے، جو افضل ہوتے ہیں وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ میں افضل نہیں، شاگردوں نے پھر اشکال کیا، حضرت مولانا نے پھر سمجھایا لیکن طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا، پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا فرمایا اچھا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو اپنے سے افضل یا کم تر؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' ہماری حقیقت ہی کیا ہے حضرت کے سامنے، پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ عرض کیا بالکل سچا، پھر فرمایا کہ اگر میں کسی بات کی قسم کھا کر کہوں پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا نہیں؟ کہا کہ تب تو اور بھی زیادہ آپ کی بات کا یقین کریں گے، جب ان سب باتوں کا اقرار کرا چکے تو فرمایا کہ تو اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں، بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی، سب بے تاب

ہوگئے، لوٹنے لگے اور مولانا چپکے سے اٹھ کر حجرے میں جا بیٹھے درس وغیرہ ختم ہو گیا، اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کہو بھئی اب بھی اس حدیث میں کچھ شبہ ہے؟ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت اب تو کوئی شبہ نہیں رہا'' اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد پھر حکیم الامت (مولانا تھانویؒ) نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے یہ تعریف کے مقصد سے نہیں کیا ہمارے حضرات اس کا قصد نہیں کرتے تھے مگر ہر شئے میں ایک خاصیت ہے، صدق میں بھی خاصیت ہے کہ از دل خیزد و بر دل ریزد (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۶ رج ۲)۔

دارالعلوم دیوبند سے وابستگی

حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں اکتساب علم کا سلسلہ جاری تھا جس میں اس مدت کے دوران جب آپ حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے یعنی ۱۲۸۰ھ سے لیکر ۱۲۸۴ھ تک فخر العلماء حضرت گنگوہیؒ سے علوم دین کا درس حاصل کرتے رہے، لیکن اگلے سال یعنی محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں جب مدرسہ دیوبند کا با قاعدہ آغاز ہوا تو آپ اپنے استاذ اور اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر دیوبند پہنچے، آپ کی والدہ ماجدہ جو آپ کے والد کے انتقال کے بعد اپنے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کی نگراں تھیں اپنے بڑے صاحبزادے کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں، لیکن جب انہوں نے فخر العلماء کے طلب علم کے جذبہ کو دیکھا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رضامندی پائی تو پھر حضرت والا کو دیوبند روانہ کرنے اور حصول علم کے جذبۂ اعلیٰ کی تسکین کی خاطر انہیں اپنے سے الگ کرنے پر رضامند ہوگئیں (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۷ رج ۲)۔

دارالعلوم دیو بند میں گنگوہ کا پہلا متعلم

خاندانی روایات کے مطابق حضرت فخر العلماء مدرسہ دیو بند کے قیام کے فوراً بعد ہی حضرت گنگوہیؒ کے ایماء اور اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت سے مدرسۂ دیو بند میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کیلئے تشریف لے گئے، وہ اس مقدس ومتبرک تعلیمی ادارے میں گنگوہ کے پہلے طالب علم تھے، دیو بند کے ابتدائی سالوں کی رپورٹ اگر مطالعہ میں آتی تو پتہ چلتا کہ حضرت فخر العلماء نے کب داخلہ لیا، مگر یہاں بھی حضرت مولانا اصغر حسین دیو بندیؒ نے اپنی مشہور تصنیف حیات شیخ الہندؒ کے صفحہ ۱۶۷ پر حضرت فخر العلماء کو حضرت شیخ الہندؒ اور احمد حسن امروہویؒ کا بے تکلف ہم سبق بتایا، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت فخر العلماء اول سال ہی سے مدرسۂ دیو بند میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہم سبق تھے۔ (سوانح علمائے دیو بند ص ۵۴۸ ر ج ۲)۔

حضرت قاسم العلوم کی شاگردی

یہ دیو بند ہی کا قیام تھا جس میں حضرت فخر العلماء حضرت قاسم العلوم کے شاگرد بنے ان کے زیر اثر آئے اور ان کی ذاتی توجہ، محبت اور شفقت ہی نے حضرت مولانا کو فخر العلماء بنایا۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے سفر وحضر میں دارالعلوم دیو بند کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے حدیث اور دیگر علوم کی کتابیں بھی پڑھیں، میرٹھ، نانوتہ اور دیو بند میں مولانا (حضرت قاسم العلوم) کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

حضرت قاسم العلوم جنگ شاملی کے ہیرو ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تلوار اور قلم بھی تھے، اور جن سے قدرت کو جنگ آزادی کی ناکامی کا بدلہ لینے کیلئے ایک گروہِ مجاہدین پیدا کرنے کا کام لینا تھا، حضرت فخر العلماء جب دیوبند آئے تو ہر طرح قاسم العلوم کے شاگرد بنے اور وہ تحریک دیوبند کے رکن رکین بننے کے اہل بھی تھے، حضرت فخر العلماء دیوبند تحریک کے رموز ونکات سے نہ صرف واقف تھے بلکہ وہی اس معاملہ میں تحریک کے محرک اول اور سربراہ کے قدم بہ قدم بلکہ اسے کامیاب بنانے میں ان سے بھی بڑھ کر تھے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور حضرت قاسم العلوم کے شاگردوں میں سے صرف یہ خصوصیت انہیں ہی حاصل ہے کہ وہ ابتدائے تحریک ہی سے اس کو کامیاب بنانے کیلئے اپنے تمام ساتھیوں کے مقابلہ میں نہایت بہتر طور پر تیار تھے، اور ان کی تیاری ذہن وفکر میں پوری صلاحیتوں کے ساتھ تھی، ان کے استاذ کو بھی ان کی ان خداداد صلاحیتوں کا پوری طرح اندازہ تھا (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۹/ج ۲)۔

حضرت نانوتویؒ سے غایت درجہ محبت

مگر یہ محبت یک طرفہ نہیں تھی، حضرت فخر العلماءؒ کو بھی حضرت قاسم العلوم سے ایسی محبت تھی کہ انہوں نے بھی اپنی ساری زندگی استاذ پر تج دی، انہوں نے کہا کہ تم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم نگینہ ضلع بجنور چلے جاؤ تو یہ بے چوں و چرا نگینہ چلے گئے، انہیں حکم ہوا کہ مدرسہ عبد الرب دہلی چلے جاؤ تو یہ وہاں چلے گئے، انہیں ہدایت فرمائی کہ تم خورجہ ضلع بلند شہر چلے جاؤ تو یہ خورجہ چلے گئے ان سے کہا کہ تم ابن ماجہ کی تصحیح کیلئے دہلی جاؤ تو یہ دہلی چلے گئے، غرضیکہ ان کی زندگی اس طرح بسر ہونے لگی جس طرح پروانہ کی زندگی شمع کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، انہوں نے حضرت قاسم العلوم کی محبت میں اپنی خانگی زندگی تک تباہ کرلی اور حضرت قاسم العلوم کی وفات تک ان سے جدا نہیں ہوئے، وہ جو کام بھی

کرتے تھے حضرت قاسم العلوم کی اجازت حاصل کرنے کے بعد، اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں فنافی الاستاذ کا درجہ حاصل تھا تو یہ غلط نہیں ہوگا، حد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کا نام بھی حضرت قاسم العلوم کے مشورہ سے رکھا۔

قاسم العلوم کے مکتوب دہم میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے، اس خط میں حضرت قاسم العلوم اپنے چہیتے شاگرد حضرت فخر العلماء کو لکھتے ہیں کہ (اصل خط فارسی میں ہے یہاں اس کا وہ ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم کے صفحہ ۱۰۲ پر ہے) ''پہلی گزارش تو یہ ہے کہ لڑکے کی پیدائش مبارک ہو، بہت بخشنے والا خدا عمر دراز کرے اور بخت نیک کو مددگار بنائے، اور علم وعمل سے بہرۂ وافر عطا فرمائے آمین اس کا نام محمد نور الحسن یا محمد حسن اچھا لگتا ہے، مگر ان کے خاندان میں اگر کوئی اس نام کا ہو تو اس صورت میں عورتوں کو غالباً یہ نام پسند نہیں آئیں گے، لہذا میں چاہتا ہوں کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کریں (ولادت گنگوہ میں ہوئی تھی) جو کچھ وہ فرمائیں وہی نام رکھ دیں'' حضرت قاسم العلوم نے نام تجویز کرنے کے ساتھ حضرت گنگوہیؒ سے مشورہ کا حکم دیا تھا مگر شاگرد رشید کیلئے تو حضرت قاسم العلوم کی تجویز ہی کافی تھی، لہذا فرزند اول کا نام نور الحسن ہی رکھا گیا۔

حضرت مولانا فخر العلماء کی زندگی کو اسی لئے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ حصہ جو قیام دار العلوم سے شروع ہو کر حضرت قاسم العلوم کی دیوبند میں تدفین پر ختم ہوا، دوسرا زندگی کا وہ دور جو حضرت قاسم العلوم کی رحلت سے شروع ہو کر کانپور میں بساطیوں کے قبرستان میں خود ان کی تدفین پر ختم ہوا، اول میں حضرت فخر العلماء حضرت قاسم العلومؒ کی تلوار اور قلم تھے اور دور ثانی میں آپ اپنے استاد گرامی کے ارشادات کے مبلغ، آپ کی

تحریروں کے مرتب، آپ کی سوانح کے مؤلف، اور فیوض قاسمی کے پیکر نظر آتے ہیں، گویا طالب علمی کے دور سے لے کر لحد کی آغوش میں جانے کے وقت تک حضرت فخر العلماء نے اپنے استاذ کی مرضی اور منشاء کے مطابق زندگی کا سفر طے کیا، اور ان ہی کی محبت کو متاعِ عزیز سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو مالک حقیقی کے سپرد کیا (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۵۰/ج ۱)۔

شاگردوں کے انتخاب کی وجہ

حضرت قاسم العلوم بلاوجہ شاگردوں کے انتخاب میں محتاط نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ گنجینۂ علم تھے اور آپ کی تقریروں کو سمجھنے کے لئے بھی اعلیٰ استعداد درکار تھی، حضرت کی احتیاط برمحل مناسب تھی، جیسا کہ مولانا انوار الحسن شیرکوٹی نے فرمایا کہ وہ اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں کو مختلف انداز اور مختلف سمتیں عنایت کرتے تھے مگر ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت فخر العلماء ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے، یعنی انہیں درس وتدریس اور تحریر وتقریر میں حضرت قاسم العلوم سے مناسبت خاص ہونے کے ساتھ ان کے اندر وہی جذبۂ جہاد کارفرما تھا جس کے سوتے حضرت قاسم العلوم کے ذہن سے پھوٹتے تھے، پھر بھی ان دو شاگردوں کی صلاحیتوں میں فرق تھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بقول جب حضرت شیخ الہندؒ درس وتدریس اور حضرت فخر العلماء تصنیف وتالیف کے میدانوں میں الگ الگ حضرت قاسم العلوم کے جانشین تھے، حضرت شیخ الہندؒ آگے چل کر اور حضرت قاسم العلوم کی صحبت اختیار کرنے کے بعد جذبۂ جہاد میں حضرت قاسم العلوم ثانی ثابت ہوئے، مگر حضرت فخر العلماء جنگ آزادی کے جن حوادث سے گزر کر حضرت قاسم العلوم کی خدمت میں داخل ہوئے تھے ان حوادث نے انہیں پہلے ہی جذبۂ جہاد سے سرشار کر رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے حضرت فخر العلماء کا اپنی ترتیب شدہ سوانح قاسمی میں تذکرہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ''مولوی فخر الحسن درستگیٔ مزاج میں مولانا کے قدم بہ قدم ہیں بلکہ کچھ بڑھ کر ہیں تو اس کا ضرور کچھ نہ کچھ سبب ہوگا''۔

(سوانح علمائے دیوبند ص ۱۵۵/ج ۲)

استاد کے انتقال پر صدمہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی رحلت حضرت فخر العلماء کی زندگی میں ایک نئے موڑ کا باعث تھی، اب تک یعنی زمانۂ طالب علمی سے لے کر حضرت قاسم العلوم کی وفات تک حضرت فخر العلماء کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا اور اس میں فرزندوں کے نام تک کا معاملہ شامل ہے جس میں حضرت قاسم العلوم کے ایماء، منشا اور ہدایت کو دخل نہ ہو، لیکن اب جبکہ مشفق استاد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو حضرت فخر العلماء کی زندگی میں ایک اندھیرا سا چھا گیا، جب تک وہ حیات تھے تو جہاں انہوں نے جانے کا حکم دیا اشارہ کیا تو اس کام میں لگ گئے جب حکم دیا کہ شاہ جہانپور چلو تو حاضر تھے، جب روڑکی جانے کا حکم ہوا تو وہاں موجود، منگلور جانے کی ہدایت کی تو ہدایت سر آنکھوں پر، اب کون ہدایت دینے والا حکم دینے والا اور مشوروں سے نوازنے والا باقی بچا تھا، مولانا کی زندگی کے آئندہ ادوار کا جب جائزہ لیا جائے گا تو پتہ چلے گا کہ اس حادثہ نے ان کی زمانۂ حیات کی کایا پلٹ دی اور انہوں نے حضرت قاسم العلوم کے انتقال کے بعد درس و تدریس کے پیشہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا، حضرت فخر العلماء کیلئے یہ رحلت ایسا سانحہ تھی جس کا اثر مرتے دم تک ان پر باقی رہا اور وہ ان کی رحلت کے بعد اٹھارہ سال زندہ تو رہے لیکن یہ زندگی ایسی تھی جو حسرت و یاس کی مستقل آماجگاہ تھی حضرت فخر العلماء نے اپنا غم

ہلکا کرنے کیلئے اپنے استاد کی سوانح لکھی، ترتیب علوم قاسمی کی اشاعت کا بیڑا اٹھالیا اور اس کام میں اپنے آپکو اتنا منہمک ومصروف کرلیا کہ وہ ان کی زندگی کے تمام کارناموں پر حاوی ہو گئے (سوانح علمائے دیوبند رص ۵۶۱رج ۲)۔

نیز تاریخ دار العلوم رص ۷۳رج ۲ رمیں ایسا لکھا ہے: حضرت اقدس حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آپ کے شاگردوں میں تین حضرات شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا احمد حسن امروہیؒ، مولانا فخر الحسنؒ کا شمار مشہورین میں ہوتا ہے ۱۲۸۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۰ھ میں انہوں نے حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کے ساتھ دار العلوم میں فراغت حاصل کی، سفر وحضر میں اپنے استاذ حضرت مولانا نانوتویؒ کے ساتھ اکثر وبیشتر رہا کرتے تھے، مناظرے سے مولانا کو کافی دلچسپی تھی، دہلی میں حکیم محمود خان صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی، گفتگو اور تقریر شیریں اور دلکش تھی۔

فراغت کے بعد ۱۲۹۴ھ میں خورجہ کے مدرسہ قاسمیہ میں جو حضرت قاسم العلوم کا قائم کردہ تھا صدر مدرس مقرر ہوئے، پھر دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں چلے گئے، حضرت نانوتویؒ کی بعض تصانیف شائع کرائیں ''مباحثہ شاہجہاں پور'' آپ ہی کا مرتب کیا ہوا ہے، اس کا اصل نسخہ دار العلوم میں موجود ہے انہوں نے حدیث میں ابو داؤد کا ایک مبسوط حاشیہ ''التعلیق المحمود'' کے نام سے لکھا ہے، یہ حاشیہ مطبع مجیدی کانپور میں چھپا ہے اور عام طور پر متداول ہے، اس کے علاوہ انہوں نے ابن ماجہ کا بھی حاشیہ لکھا ہے جو مطبع مجیدی کانپور میں چھپا تھا، ان کا ایک حاشیہ تلخیص المفتاح پر بھی ہے انہوں نے اپنے استاذ حضرت مولانا نانوتویؒ کی ایک مفصل سوانح حیات بھی لکھی تھی جو کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل

تھی، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اپنی بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے گنگوہ کی سکونت ترک کرکے کانپور چلے گئے تھے اور وہیں مطب اور مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی تھی، کان پور ہندو مسلم فساد میں ان کے مکان کا سامان لوٹنے کے بعد آگ لگادی گئی جس میں آپ کے عظیم الشان کتب خانہ کے ساتھ ''سوانح حیات'' کا مسودہ بھی جل گیا ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء کانپور میں وفات پائی، اور وہیں بساطیوں کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

زہے گنگوہ جس کا ایک ذکی فرد	شد فخر الحسن نامش زباں زد
فیوض قاسمی کا نورتن تھا	بہار قاسمی کا اک چمن تھا
یکے از ترجمان قاسمی بود	کہ علمش از قلم بنوشتہ آسود

(ارمغان اجلاس صد سالہ رص ۱۱ رسوانح علمائے دیوبند ج ۲)

ملفوظات فقیہ الامت میں آپ کے تعلق سے اس طرح لکھا ہے:

جنون کی اقسام: مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کو عدالت میں بیان دینے کی ضرورت پیش آگئی، وہاں کچہری میں جج کے سامنے جنون کا تذکرہ آگیا تو مولانا نے ستاون قسمیں جنون کی مع اسباب ومعالجات کے بیان کیں، یہ بھی بیان کیا کہ کون سی قسم کس علاقہ میں ہوتی ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۳۷۶ رج ۸ر پر آپ کو اس طرح یاد کیا ہے: احد العلماء المشهورين ممن اشتغل بالعلم وتميز وكتب واشتهر بالفضل والكمال من تلامذة الشيخ محمد قاسم النانوتوى وأصدقائه وملازميه فى السفر والإقامة۔

وكان حسن الشكل ضخماً ظريفاً بشوشا، حلو اللفظ والمحاضرة، موصوفاً بالصدق والصفاء، صاحب حمية وشجاعة، متصلباً فى المذهب ذا نجدة وجرأة، يصرف أوقاته كثيراً فى المناظرة بالهنود والنصارى، ويتلذذ بذكرها وفكرها۔

تذکرہ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ

مولانا حافظ فیض الحسن صاحبؒ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی اہلیہ محترمہ کے حقیقی برادر زادے تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد کانپور میں اپنے والد کے زیر سایہ اور دیگر مختلف مدارس میں عربی تعلیم حاصل کی اور تکمیل علوم کے بعد تجارت کتب اور مطبع کا کام کانپور میں شروع کیا، والد ماجد کی تربیت وتعلیم کی بنا پر مولانا فیض الحسن صاحبؒ بھی مختلف علوم وفنون میں دستگاہ رکھتے تھے اور اخلاق حسنہ سے کمال درجہ میں متصف تھے، خوش اخلاق، خوش گفتار، بلند کردار، صاحب علم وعمل، حافظ قرآن اور خوش اوقات تھے، یہی وجہ تھی کہ جب ایک عرصہ کے بعد سہارنپور گئے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بذل المجہود کی تالیف فرمارہے تھے، مولانا فیض الحسن صاحبؒ کے پہنچنے سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے اور نہایت محبت سے ملے اور باوجودیکہ بھتیجے تھے اور ہر طرح چھوٹے تھے مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے فرمایا کہ ان کو بذل المجہود کے اجزا دیدینا یہ دیکھیں گے، مولانا فیض الحسن صاحبؒ کہتے تھے کہ "اس وقت تک میں حضرت سے بیعت بھی نہیں ہوا تھا یہ سن کر میں پانی پانی ہوگیا اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکلا، حضرت تو یہ فرما کر مکان تشریف لے گئے اور میں محجوب ومنفعل کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا؟ اتنے میں مولوی زکریا صاحبؒ مجھے وہ اجزادے گئے اور تعمیلاً للارشاد میں نے کہیں کہیں سے کچھ دیکھا، دوسرے دن بھرے مجمع میں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں،

کیوں بھائی وہ بذل المجہود کے اجزا دیکھے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں جناب والا کے ارشاد کی تعمیل کردی، یہ سن کر حضرت نے ایک شفقت بھری خاص نظر مجھ پر ڈالی اور دریافت فرمایا کیسے ہیں؟ میں نے یہ سمجھ کر کہ متن کی کتابت حوض میں ہوگی اور شرح بصورت حواشی حاشیہ پر میں جس فن سے مناسبت رکھتا تھا اس کا لحاظ رکھ کر عرض کیا کہ قدرے طویل ہیں مگر پر منفعت ہونے میں کیا شک ہے، فرمایا حامل المتن ہونے کی وجہ سے کچھ طویل تو ضرور ہیں مگر ''عون المعبود'' مطبوعہ فاروقی دہلی کے طریقہ پر طبع ہوگی نہ کہ محشی ابوداؤد کے طرز پر (تذکرۃ الخلیل) مولانا فیض الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ اسی سفر میں حضرت مولانا سے بیعت ہوئے اور تقریباً ۶/۵ رہی سال میں تکمیل سلوک کر کے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، یعنی جب کہ حضرت مولانا آخری سفر حج کو ۱۳۴۴ھ میں روانہ ہوئے تو مولانا کو مجاز طریقت بنایا (ماخوذ از حیات محمود ص ۵۴/ج ۱)۔

تذکرہ حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ

سرزمین گنگوہ کے مشائخ اور علماء میں سے ایک اہم شخصیت حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ کی بھی ہے، آپ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے خاندان سے تھے، بہت شکیل وجیہ، حسین وجمیل انسان تھے، جیسا کہ راقم نے بعض حضرات سے سنا تھا آئینۂ مظاہر علوم کے خصوصی نمبر ص ۱۵۰ میں جو حضرت مولانا اطہر صاحبؒ کے حالات پر مشتمل ہے آپ کے حالات میں اس طرح لکھا ہے:

حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ نیک طینت عالم اور مظاہر علوم کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے آپؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری اور دیگر کبار اساتذۂ جامعہ سے علم حاصل کیا ۱۳۴۰ھ میں یہاں مدرس منتخب ہوئے، مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیا، آپ کا درس طلبہ میں نہایت مقبول تھا، آپؒ اپنے سبق میں دقیق علمی مباحث اور اہم پیچیدہ مسائل کی گتھیاں اپنی فصیح وبلیغ زبان میں ایسے انداز میں سلجھاتے تھے کہ طلبہ ان کی پرنور بصیرت افروز علمی تقریر کو نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ لیتے تھے، آپ کی تقریر نہایت مسلسل اور مربوط ہوتی تھی۔

آپؒ اپنی بات سمجھانے اور طلبہ کے اذہان وافکار میں کما حقہ بٹھانے کی مہارت تامہ رکھتے تھے وعظ وتدریس اور تذکیر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، بالخصوص سیرت نبویؐ کے موضوع پر وعظ وتقریر میں حذاقت کاملہ کے مالک تھے۔

وعظ وخطابت میں کمال

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے آپ کی سیرت کے موضوع پر تقریر سننے کے

بعد متعجب ہو کر فرمایا تھا کہ ''سیرت نبویؐ کے موضوع پر میں خود اچھی تقریر کر لیتا ہوں اور اہم علماء سے بھی اس موضوع پر مختلف تقریریں سنی ہیں لیکن سیرت نبویؐ کے موضوع پر میں نے حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہیؒ کی تقریر سنی تو حیرت زدہ رہ گیا اس لئے کہ آپ کی تقریر نہایت ہی عجیب وغریب ہے''۔

علمی کمال ورسوخ

حضرت مولانا مرحوم ایک بڑے عالم دین، فقہ، تفسیر، اصول فقہ، عربی ادب اور ہندی ادب میں درک رکھتے تھے اور عربی فارسی اور ہندی کے کثیر اشعار آپ کے ذہن ثاقب میں محفوظ تھے، آپ اپنے مواعظ وتقاریر میں نعتیہ اشعار کچھ ایسے رقت آمیز انداز اور فصیح لہجہ میں پڑھتے تھے کہ سننے والے کے قلوب اور ان کی روح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی تھی، یہ بات مؤلف نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ سے بھی بہت دفعہ سنی کہ مولانا زکریا قدوسیؒ کے خطاب میں بہت تاثیر اور سوز وگداز کی کیفیت تھی، سامعین میں کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اٹھ کر چلا جائے یہاں تک کہ آپ کا وعظ پورا ہو جاتا، چاہے کتنی ہی دیر لگ جاتی، آپ اپنے وقت کے اساتذۂ مظاہر علوم میں سب سے بڑے واعظ تھے اور حضرات منتظمین اہم مقامات پر آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کا طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے ساتھ جلسوں میں بہت جگہ جانا ہوتا تھا، اور قرآن پاک کی تلاوت اور قرأت کیلئے اکابر مظاہر علوم والد صاحبؒ کو حکم فرمایا کرتے تھے چونکہ وہ انکے بہت قریب تھے اور خادم کی حیثیت سے ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، آپ نے مظاہر علوم میں درس وتدریس اور وعظ سے تقریباً

۴۰ رسال خدمت کی، مختلف اجلاس و پروگرام میں بصیرت افروز خطاب فرماتے تھے، اسی طرح جامعہ مظاہر علوم میں مختلف مواقع پر کبار علماء کی موجودگی میں بیان فرماتے اور کبھی کسی کی وجاہت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، آپ کا وعظ عوام وخواص کے درمیان نہایت مقبول تھا، دوبار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں اور دوسری بار اپنی زندگی کے اخیر ایام میں اپنے مخصوص شاگرد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ساتھ ۱۳۶۲ھ میں شرف حج سے بہرہ ور ہوئے۔

فنِ مناظرہ میں مہارتِ تامہ

آپؒ کو بحث ومباحثہ اور مناظرہ میں بھی خصوصی مہارت حاصل تھی، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف پور قاضویؒ کے ہمراہ مرشد آباد میں اہل بدعت سے مناظرہ کیلئے حضرت مولانا قدوسیؒ بھی تشریف لے گئے تھے، مولانا مرحوم اپنی مستقل رائے رکھتے تھے اور کسی کی وجاہت سے اس کی تقلید ومتابعت پر بالکل آمادہ نہ ہوتے تھے، بعض لوگوں نے آپ پر مودودیت کا الزام لگایا لیکن سچائی یہ ہے کہ وہ صحیح الفکر والعقیدہ تھے، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اس سے سرمو انحراف نہ کرتے تھے البتہ حضرت مولانا مرحوم مودودیت کے بعض ایسے اصولوں سے اتفاق کرتے تھے جس سے اتفاق ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو کرنا چاہئے، مثلاً اسلامی حکومت کا قیام، شرعی قوانین کا نفاذ، لیکن حضرت مولانا مرحوم مودودیت کے باطل افکار اور فاسد نظریات کے قطعاً قائل اور معترف نہ تھے، جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔

آپ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ مال کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے، متقی، پاکباز، نیک طینت، متدیّن، متصلب، نیکوکار، طلبہ کیلئے نہایت مشفق اور ان کے ساتھ رعایت کرنے والے، طلبہ کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے والے، شفیق وغمگسار یہاں تک کہ ان کے آرام وراحت کیلئے اپنی گھریلو ضروریات کو بھلا دیتے تھے۔

آپ کے تلامذہ

حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ نے آپ سے اصول الشاشی کا کچھ حصہ پڑھا ہے، آپ سے نامور علماء نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ بلیاویؒ، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں (ماخوذ از آئینہ مظاہر علوم شیخ الادب نمبر ص ۱۵۰)۔

تذکرہ مفتی کفایت اللہ صاحب گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب فضل وکمال میں ایک پیکر علم وعمل حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ہیں، آپ نے ۱۳۲۳ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، مختلف مدارس میں مدرس رہے اور آخر ۱۳۵۶ھ میں دار العلوم کے دار الافتاء کیلئے آپ کو منتخب کیا گیا، بعدازاں ۱۳۵۹ھ کے اوائل میں شعبہ تدریس میں منتقل کر دیا گیا ۱۳۶۳ھ میں دار العلوم سے مستعفی ہو کر میرٹھ چلے گئے وہاں درس وتدریس کا مشغلہ رہا، ان کے دور میں ۵۸۴۰ر فتاوی دار الافتاء سے روانہ ہوئے (ماخوذ از تاریخ دار العلوم دیوبند ص ۲۵۷ر جلد ۲)۔

آپ بیتی ص ۱۰۰۶ر پر حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے بیعت تھے اور گنگوہ میں پرورش پائی تھی، مولانا جس زمانے میں اسیر مالٹا تھے ان پر اثناء ذکر وشغل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خودکشی کی رغبت ہوئی تھی مگر نہ کر سکے اور اس وجہ سے ایسے ضیق میں مبتلا تھے کہ مر جانا بہتر سمجھتے تھے انہوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور مدد چاہی، حضرت نے حسب عادت انکسار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرے بھی تھے کہ ”حیرانم کہ بچہ دہقان را بچہ کار سپرانند“

صلاح کار کجا ومن خراب کجا — ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

مجھے ایسے کام کے لئے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ، آخر میرٹھ سے دیوبند گئے اور وہاں سے تھانہ بھون ٹکٹ لے کر سہارنپور پہنچے، اتفاق سے تھانہ بھون کی گاڑی نہ ملی مجبوراً مدرسہ مظاہر علوم میں آئے، بعد نماز ظہر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

سہارنپوری سے ملے تو حضرت نے محبت کے ساتھ پاس بٹھایا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ تم نے کیا لکھا تھا، مجھے تعجب ہوا کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھتے ہو بھلا میں اس کا اہل کہاں، مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو یہ آپ پر نہیں بلکہ حضرت گنگوہیؒ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا، آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ ہیں چونکہ میں نے اسی دروازے پر تربیت پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے اس لئے میرا فرض تھا کہ اپنا دکھ درد عرض کردوں اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کہ کچھ نہیں بعد عشاء بکمال شفقت حال سنا اور ذکر دوازدہ تسبیح میں کچھ ترمیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو میں نے بتایا ہے، یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس و تدریس میں لگنا چھوڑا اس ذکر و شغل کو جس میں جان سے عاجز ہوگیا اور حضرت اصرار فرمادیں کہ گھبراؤ مت ذکر و شغل جاری رکھو اور کرتے رہو جو کر رہے ہو، یہاں تک کہ جب مکان تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ کتب خانہ کے سامنے والے کمرے میں پچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جائے اور پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں حجرے سے باہر مراقب ہو کر بیٹھ جاؤ، مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت اس کو اپنے دست مبارک سے صاف فرما رہے ہیں، بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہو کر بیٹھ جاتا تھا، بعد اشراق حضرت حجرے سے باہر تشریف لائے اور درس کے لئے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا، سبق میں

مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے، میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لئے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی، لہذا میں نے الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیئے، پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آ گیا، حضرت نے ایک ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کئے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں تلاش مت کرنا یہ جواب کتابی نہیں، بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے کہ یہاں ایک دوسرا اشکال اور ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال مع جواب خود ارشاد فرماتے، غرض وہ حال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا فرمایا کہ اچھا جاؤ مگر واپسی میں کم از کم یہاں کے واسطے رکھنا کہ ابھی خامی باقی ہے۔

چنانچہ واپسی میں بجائے ایک دن کے دو دن حضرت کے پاس قیام کیا اور جو خامی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرت کے حجرہ کے باہر مراقب ہو کر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جا رہی ہے جس سے دل میں سکون وقوت اور راحت معلوم ہوتی، غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک وصاف فرمایا اور دوسری میں زخموں کو مندمل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی اور بے نیاز بنا دیا، اللہ جزائے خیر دے حضرت کو میری ایسی دستگیری فرمائی کہ جس کا شکریہ تمام عمر ادا نہیں ہو سکتا۔

مفتی محمود صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ واقعہ براہ راست مولوی کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے بھی بیان فرمایا تھا۔ (آپ بیتی جلد دوم رص ۱۰۰۶)۔

تذکرہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے آپ اپنے دور کے نیک صالح لوگوں میں سے تھے، صاحب علم وعمل آدمی تھے، ابتداء دور میں عربی کی طرف راغب نہ تھے، حضرت مولانا یحیی صاحب کاندھلویؒ نے جو اس وقت گنگوہ میں مقیم تھے ان کی پابندی نماز کی وجہ سے ان سے تعلق قائم کیا اور ان کو عربی پڑھنے کا شوق دلایا اور خود ہی پڑھایا، رفتہ رفتہ شوق بڑھتا چلا گیا کہ یہاں تک کہ عربی علوم کی تعلیم تین سال میں مکمل کر لی۔

تدریس میں مہارت

ابتدائی تعلیم مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی اس درجہ مؤثر تھی کہ ان کے یہاں ہدایۃ النحو پڑھنے والا طالب علم ہدایہ کی عربی صحیح کرنے کی قابلیت پیدا کر لیتا تھا، مولانا عبداللہ صاحب فراغت کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں نو روپے ماہوار پر مدرس ہوئے ساتھ ہی تجارت کتب کا سلسلہ بھی رکھا، حضرت تھانویؒ نے اپنے مواعظ قلم بند کرنے کا کام بھی آپ کے سپرد کیا تھا۔

بیعت وخلافت کا تعلق

حضرت مولانا نے باطنی علوم ومعارف شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے حاصل کئے، آپ کے مجاز وخلیفہ بھی تھے، آپ کے ہی حکم سے اتمام النعم ترجمہ تجریب الحکم کی شرح لکھی، جو علم تصوف میں اہل اللہ کے یہاں ایک عمدہ رسالہ ہے اور بڑا مقبول ہے، اس کا شارح نے خود تذکرہ فرمایا ہے۔

مظاہر علوم میں درس وتدریس

۱۴ر شوال ۱۳۲۷ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں پندرہ روپئے ماہوار پر مدرس ہوئے ،۱۱ر شوال ۱۳۲۸ھ میں اکابر مدرسہ کی معیت میں زیارت حرمین کیلئے روانہ ہوئے ،واپسی پر چند روز مدرسہ مظاہر علوم میں پھر کام کیا،اس کے بعد اہل کاندھلہ کے ایما پر تشریف لے گئے اور اخیر تک وہاں مدرسہ عربیہ میں تعلیم دیتے رہے ،وہیں قیام کے دوران آپ نے تیسیر المنطق جو علم منطق میں مشہور کتاب ہے تالیف فرمائی اللہ نے اس کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ وہ ہمارے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے اس پر حکیم الامت نے تحشیہ فرما کر مزید قابل قدر بنادیا۔

وفات

۱۵ر رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ر مارچ ۱۹۲۱ء شنبہ کی رات کو داعی اجل کو لبیک کہا اور کاندھلہ ہی میں عید گاہ کے متصل قبرستان میں دفن کئے گئے جہاں بڑے بڑے علماء مدفون ہیں۔

تصانیف

تیسیر المنطق :علم منطق میں بہت قیمتی رسالہ ہے اسی طرح تیسیر المبتدی :فارسی سیکھنے والوں کیلئے بہت ہی عمدہ اور جامع رسالہ ہے ،دونوں کتابیں مدارس میں داخل اور بے حد مقبول ہیں۔

اکمال الشیم :تبویب الحکم کا ترجمہ ہے بہت ہی عمدہ ،مفید اور علم تصوف میں بیش قیمت مضامین کا ذخیرہ ہے ،حضرت شیخ زکریاؒ کے یہاں رمضان المبارک میں اس کے سنانے کا خاص اہتمام تھا۔

تسہیل النحو :علم نحو میں بہت عمدہ رسالہ ہے جو کہ قریب میں شائع ہوا ہے ۔

(ماخوذ از حیات محمود ج ۲)

تذکرہ مولانا داؤد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ باشندگان گنگوہ سے حضرت گنگوہیؒ کے صرف ایک صاحب مجاز بیعت تھے، مولانا داؤد صاحب جو محلّہ سرائے چوک میں رہتے تھے، مفتی ضیا صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور کے والد تھے، اور ان کا بھی حضرت گنگوہیؒ کی حیات میں انتقال ہوگیا تھا، ان کے علاوہ گنگوہ کے اور کوئی صاحب مجاز نہیں ہوئے البتہ مرید اور شاگرد اور بھی تھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے بعد میں خلافت اور سے ملی، اسی طرح مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ بھی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے لیکن خلافت اور سے ملی، عرض کیا گیا کہ مولانا عبدالمؤمن صاحب کے بارے میں لکھا ہے جو محلّہ ٹاکان میں رہتے تھے کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے سب سے پہلے شاگرد ہیں؟ فرمایا ہاں ہوں گے صرف یہ ہی نہیں اوروں نے بھی حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے، چنانچہ حضرت کے داماد ڈپٹی ابراہیم صاحب نے بھی حضرت سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے لیکن حضرت کے مرید نہیں تھے (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت ص ۶۵ ج ۱)۔

تذکرہ مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب گنگوہ کے ارباب فضل وکمال میں حضرت مفتی ضیاء احمد صاحب کی شخصیت بھی ہے جو بہت بڑے فاضل عالم تھے، آپ کے حالات کے بارے میں ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی تصنیفی و تعلیمی خدمات ص ۱۵۰'' میں اس طرح لکھا ہے:

والد محترم کا نام مولوی داؤد احمد ہے، مظاہر علوم میں آپ کی آمد شوال ۱۳۳۶ھ

میں ہوئی اس اولیں سال میں داخلہ لیکر آپ نے یہ کتابیں پڑھیں: حسامی، سلم العلوم، نورالانوار، شرح وقایہ، ۱۳۳۷ھ میں ملاحسن، دیوان متنبی، ہدایہ اولین، میرزاہد، ملاجلال، مطول، سبعہ، معلقہ، مقامات حریری، دیوان حماسہ، سراجی، میبذی، ۱۳۳۸ھ میں ہدایہ آخرین، نخبۃ الفکر، دیوان حماسہ، مشکوۃ وجلالین ۱۳۳۹ھ توضیح تلویح، درمختار، تصریح، اقلیدس، سبع شداد، امور عامہ، شمس بازغہ، میرزاہد، صدرا، شرح چغمینی، حمداللہ پڑھ کر ۱۳۴۰ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، صحاح ستہ کے ساتھ آپ نے بیضاوی، مدارک، خلاصۃ الحساب، قاضی مبارک شرح عقائد نسفی خیالی رشیدیہ بھی پڑھی ہے۔

امتحان میں انعام اور اعلیٰ معیار سے کامیابی

امتحان سالانہ میں پندرہ کتابوں کا امتحان دیکر ۲۸۳ نمبرات حاصل کئے اور پوری جماعت میں اعلیٰ طور سے کامیاب ہوئے، اس کامیابی پر تفسیر مدارک، امداد السلوک، اتمام النعم، تذکرۃ الرشید، براہین قاطعہ اور ایک جیبی گھڑی بطور یادگار تحفہ کے مدرسہ کی طرف سے آپ کو دی گئی۔

آپ کے مخصوص رفقاء

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیملپوریؒ (استاذ مظاہر علوم سہارنپور) مولانا فضل اللہ صاحب چاٹگامیؒ آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء میں ہیں، چونکہ مولانا اشفاق الرحمن صاحب کاندھلوی ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں رخصت لیکر تشریف لے جاچکے تھے، اسلئے مولانا ضیاء احمد صاحب موصوف کا تقرر مظاہر علوم کے شعبۂ افتاء میں ہوگیا ابتدائی کتب کے آپ استاذ بھی بنائے گئے، ۱۳۵۲ھ تک آپ دارالافتاء سے منسلک رہے،

جمادی الثانی، ۱۳۵۲ھ میں آپ خدمت افتاء سے سبکدوش ہو گئے، چونکہ مفتی ضیاء احمد صاحب موصوف سبکدوشی سے کئی ماہ قبل عارضی رخصت پر تھے، اسلئے حضرات سرپرستان مدرسہ کی تجویز کے مطابق ۱۳۵۱ھ میں عالی جناب مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دس روپے مشاہرہ پر نائب مفتی بنائے جاچکے تھے، مفتی ضیاء احمد صاحبؒ کے بعد عالی جناب قاری سعید احمد صاحبؒ مظاہر علوم کے باقاعدہ مفتی منتخب ہوئے (آپ بہت بڑے عالم، فاضل، محدث، فقیہ، عارف باللہ، صوفی، عابد، زاہد، متقی و پرہیز گار انسان تھے)۔

قیام حیدر آباد

مفتی صاحب موصوف مظاہر علوم سے سبکدوش ہو کر حیدر آباد دکن چلے گئے، وہاں ایک عرصہ تک آپ نے علمی و فقہی خدمات انجام دیں۔

حضرت تھانویؒ سے عقیدت اور ان کی خدمت میں حاضری

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ سے آپ کو بڑی عقیدت تھی کثرت سے تھانہ بھون جاتے رہتے ۱۳۵۱ھ میں ایک طویل زمانہ آپ نے حضرت کے پاس تھانہ بھون میں گزارا۔

مرضِ موت

اخیر عمر میں موصوف پر فالج کا حملہ ہوا، مسلسل چار سال اس اذیت ناک تکلیف میں مبتلا رہ کر ۲۹؍شوال ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۵ء یوم پنجشنبہ میں انتقال ہوا اور اپنے وطن گنگوہ میں تدفین عمل میں آئی (ماخوذ از علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص ۱۵۰؍ج ۲)۔

تصنیفات و تالیفات

رفع الخلاف عن حکم مونوغراف: گراموفون کے متعلق یہ ایک مختصر اور معلوماتی کتاب

ہے جس میں اس کی تاریخ اس کی حیثیت اور اس کا شرعی مقام بتلایا گیا ہے۔

تخریجِ احادیث حیات المسلمین: حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جلیل القدر کتاب حیات المسلمین اردو زبان میں ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ حضرتؒ کے اس ملفوظ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرے لئے سرمایہ نجات ہے، البتہ حیات المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی، اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں، اس کی قدر ان علما کو ہوگی جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا'' انتہی۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی حذاقتِ علمی اور فنِ حدیث میں گہری بصیرت اور اس سے نتائج ونکات کے استخراج کی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کو مرتب فرمایا اور صدہا احادیث اس میں تحریر فرمائیں، مفتی صاحب مرحوم نے حاشیہ پر ان کی اصل عبارات لکھیں اور تقریباً تمام احادیث کے ماخذ ومصادر جمع فرمادیئے یہ تخاریج اصل کتاب کے ساتھ دیوبند سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکیں۔

التبختر فی الصوم: اس رسالہ میں اس مسئلہ کی فقہی تحقیق بیان کی گئی ہے کہ روزہ کی حالت میں اگربتی اور دوسری خوشبوؤں کا مساجد اور مکانات میں جلانا کیسا ہے؟ مولانا کی یہ تالیف حیدر آباد کے قیام کی ہے (علمائے مظاہر علوم سہارنپور ص ۱۵۰؍ج ۲)۔

تذکرہ مولانا حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہیؒ

آپ بھی گنگوہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے ۱۸۵۸ء میں ولادت ہوئی، صاحب فضل وکمال، علم وعمل بزرگ تھے، آپ کے تعلق سے علماء مظاہر علوم ص ۲۵۰ ج ا میں ایسے لکھتے ہیں:

آپ مدرسہ مظاہر علوم کے ابنائے قدیم میں سے ہیں مدرسہ میں آپ کی آمد ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی ۱۳۰۱ھ میں آپ نے فراغت پائی، تکمیل علوم کے بعد مدرسہ کی جانب سے آپ کو جو سند دی گئی وہ روداد مدرسہ میں شائع ہوئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کر دیا جائے کیونکہ اس سے آپ کی تعلیمی کیفیت، استعداد کی پختگی اور بلند کرداری کا پتا چلتا ہے وہ سند یہ ہے:

مولوی محمد اسمٰعیل پسر شیخ محمد ابراہیم متوطن گنگوہ ضلع سہارنپور اواخر ۱۲۹۷ھ میں مدرسہ ہذا میں داخل ہو کر ۱۳۰۱ھ کو مدرسہ چھوڑا اس اثناء میں جو کتابیں یہاں تحصیل کیں ان کی تفصیل یہ ہے: مشکوۃ شریف اور صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، ہدایہ ہر دو جلد، درمختار تا کتاب النکاح، سراجی، نورالانوار، نخبۃ الفکر، توضیح، تلویح (قدرے) جلالین، بیضاوی تا سورۂ بقرہ، مقامات حریری پچیس مقامے، دیوان متنبیؔ، حماسہ (قدرے) مختصر المعانی، مطول رشیدیہ، شرح عقائد نسفی، حساب اربعہ متناسبہ، اور اسطرلاب کچھ کتب معقول بھی تحصیل کیں، کتب متذکرہ تفسیر وحدیث وغیرہ حسب قواعدِ مدرسہ سماعۃً وقرأۃً تحصیل کیں، استعداد اچھی ہے، نیک چلن، امانت دار،

سعادت مند، درست کردار ہے، جب تک مدرسہ میں اقامت کی کسی کے ساتھ خلافِ تہذیب کوئی امر پیش نہیں آیا خدائے تعالیٰ توفیق خیر وعمل نصیب کرے آمین۔

دستخط محمد مظہر عفی عنہ مدرس اول مدرسہ

قاضی محمد فضل الرحمٰن خاں مہتمم مدرسہ تاریخ تحریر ۱۵رذی الحجہ ۱۳۰۱ھ

عبدالواجد خاں عفی عنہ نائب مہتمم مدرسہ

حکیم صاحبؒ کا علمی کمال

حکیم صاحب موصوف بہت جید الاستعداد علماء میں سے تھے، مظاہر علوم کے سالانہ امتحانات میں آپ ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے جس پر آپ کو قیمتی کتابیں انعام میں ملتی رہیں، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا جمیعت علی صاحب پور قاضویؒ، حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سابق مہتمم آپ کے اساتذہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید محمود صاحبؒ نبیرہ قطب العالم حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے حکیم صاحب موصوف کے کچھ حالات تحریر کر کے بھیجے ہیں جو یہ ہیں:
مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ابن پیر جی محمد ابراہیم صاحب گنگوہیؒ یہ حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد میں تھے حکیم اجمیری کے نام سے گنگوہ میں معروف تھے بڑے حذاق اور مشاہیر اطبائے عصر میں شمار تھا صاحب علم اور ذی استعداد تھے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے محبّ اور محبوب تھے حضرت فرمایا کرتے تھے میرے لئے محمد اسمٰعیل اور مسعود احمد ایک ہیں، منتسبین رشیدی میں معروف متعارف اور خصوصی مقام رکھتے تھے لوگ حکیم صاحب کی منزلت عندالرشید کو جانتے اور مانتے تھے، حضرت اقدس مولانا خلیل

احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے ہمزلف بھی تھے علمی اشتغال رہتا تو سرآمد روزگار علمائے عصر ہوتے مگر طبی دنیا میں چلے گئے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کسی کو خط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا تھا: مسعود احمد پر افسوس، جمیل الدین پر تاسف اور محمد اسمٰعیل پر تاسف برتاسف کہ دوسری لائن میں چلے گئے، حضرت کو یہ راہ پسند نہیں تھی تینوں کے متعلق دینی علمی اشتغال رغبت صالحہ تھی۔

اخیر میں بمبئی کا مطب حکیم محمد سعید صاحب کے سپرد کرکے گنگوہ مقیم ہوگئے تھے بڑے رقیق القلب ،ملآء بکاء تھے اخیر چند سال دوام اشتغال اور تبتل وابتہال کے گزرے، حکیم صاحب ۱۳۱۳ھ سے لیکر ۱۳۴۱ھ تک تقریباً تیس سال دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر رہے اوراپنی اصابت فکر اورصلاحیتوں سے دارالعلوم دیوبند کو نوازتے رہے (علمائے مظاہرعلوم سہارنپور ص ۲۵۰ ج ۱)۔

حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ تعلق ومحبت

مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی نے ایک قصیدہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی مدح میں لکھا اور چونکہ موردعنایات ہونے کی وجہ سے بے تکلف زیادہ تھے، اس لئے ہرچند حضرت نے سننے سے تنفر ظاہر فرمایا مگرانہوں نے باصرار سنایا جب ختم کرچکے تو آپ جھکے اور زمین سے خاک اٹھا کران پر ڈالدی انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہوگئے آپ نے فرمایا ''منہ پر مدح کرنے والے کی یہی جزا ہے میں کیا کروں جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے'' آپ کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا (تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۱۶۶)۔

حکیم اسماعیل صاحب گنگوہیؒ کے فرزندان میں حضرت الحاج حکیم مسعود احمد صاحب اجمیریؒ ہوئے۔

تذکرہ حضرت حکیم محمد مسعود صاحب اجمیری گنگوہیؒ

آپ کی ولادت ۱۹۱۳ء اور وفات ۱۹۸۰ء میں ہوئی، حضرت حکیم صاحب اپنے وقت کے عالم فاضل نیک صالح، باوقار، بارعب وہیبت، انداز شاہانہ، مزاج فقیرانہ، طرز حکیمانہ، اسلوب ظریفانہ ایک عبقری شخصیت کے مالک گنگوہ کے مایۂ افتخار فرزند تھے، غالبًا حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے منسلک تھے ان کا تذکرہ بکثرت کیا کرتے تھے، آپ کے تفصیلی حالات تو راقم السطور کے علم میں نہیں ہیں البتہ بچپن میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جب بھی ان کے گھر پر ان کے مطب خانہ میں جانا ہوا تو طبیعت پر یہ تأثر ہوتا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑے شخص ہیں جن کے پاس حضرت والد صاحبؒ بار بار جایا کرتے تھے اور وہ بھی حضرت والد صاحبؒ کے اوپر بہت زیادہ شفیق تھے، ایک بار جب ان کی مجلس میں جس میں گنگوہ کی اہم شخصیات حاضر باش ہوتی تھیں کسی نے حضرت والد صاحبؒ کے تعلق سے کچھ ناشائستہ بات کہی تو حضرت حکیم صاحبؒ نے اس پر بہت سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور بڑے زبردست انداز میں اس کی اصلاح وتردید فرمائی، حضرت مرحوم کو والد صاحبؒ کی تلاوت اور ان کے معاملات بہت پسند تھے اور اپنے گھر کے بہت سے کام ان کے حوالہ کردیا کرتے تھے چونکہ مستقل طور پر حضرت حکیم صاحبؒ کا قیام بمبئی رہتا تھا اس لئے حضرت والد صاحبؒ سے برابر خط وکتابت رہتی تھی جس میں وہ اپنے کاموں کے لئے ان کو یاد کرتے تھے وہ بہت خوش دلی سے انجام دیتے تھے اور اس پر خوش ہوکر حضرت حکیم صاحبؒ بہت دعائیں دیتے تھے، مجھے وہ منظر بھی

یاد آتا ہے جب حضرت حکیم صاحبؒ فجر کے بعد اپنے باغ میں تشریف لیجاتے تھے جو ہمارے قدیم مکان کے پشت پر واقع ہے تو آتے جاتے گھر پر دستک دیتے اور حضرت والد صاحبؒ کے پاس کبھی کبھی ناشتہ بھی کرتے اور بہت ہی محبت کا مظاہرہ فرماتے تھے اور جب ایک بار گنگوہ کے کچھ شریروں نے مدرسہ میں کچھ ہنگامہ برپا کیا جس کو ایک طبقہ مستقل اپنا مشن بنائے ہوئے تھا وہ مدرسہ کی ترقیات میں خلل اندازی کرنے کو ایک بہت بڑا کام تصور کرتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ مدرسہ کی ترقیات رک جائیں اور یہ سب ہمارے قبضہ میں آجائے، ایسی صورتِ حال پر حضرت حکیم صاحبؒ نے والد صاحبؒ کو تسلی کا ایک خط لکھا جس سے ان کے قلبی جذبات کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے اور ان کا خلوص اور مدرسہ کے ساتھ ہمدردی ظاہر ہوتی ہے، وہ خط حسب ذیل ہے!

یہ مدرسہ آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے

از بندہ محمد مسعود غفرلہ کھڈک بمبئی ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

عزیزی قاری صاحب سلمہ السلام علیکم۔

آپ کا کارڈ ملا مدرسہ میں خلفشار کی وجہ سے گرفتہ دل نہ ہوں حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے علی الفور اس سب ہی اور خلفشار کو دور فرمادیں آمین۔ یہ مدرسہ کو آپ کی کاوشوں کا نتیجہ اور آپ کی دل سوزی اور جد وجہد اور کاوش وسعی کی مشکوریت کی صورت ہیں مگر اب تو اس دینی ودنیاوی نفع میں سب ہی بلا استثنا شریک ہیں، آپ گھبرائیں نہیں اس قسم کے خلفشار صلاح کاروں کو ہمیشہ پیش آئے، مدرسہ مظاہر علوم اور دار العلوم میں کیسے

کیسے انتشار ہوئے خدا چاہے یہ سب خلاف اور مخالفتیں ھبآء منثورا بن جائیں گی، مخالفتیں خدا چاہے ناکام ہوں گی آپس کے مناقشات زیادہ تر حسد سے ناشی ہیں اور اس رذیلہ نے مسلمانوں کو بڑا ہی نقصان پہونچایا، دل سے دعا ہے آپ کا قلب مضبوط ہو اور یہ سب مخالفین مایوس ہو جائیں آمین، یہ سمجھ لیں کہ اگر آپ خدانخواستہ شکستہ دل ہو گئے تو یہ مدرسہ مدرسہ عالیہ قدوسیہ کی طرح تلف ہو جائے گا، حضرت حکیم محمد یوسف صاحبؒ اس کے بانی ہیں جب یہ چلنے لگا تو باغیوں نے یہ سوچا کہ یہ فروغ وعروج ہمارے لئے کیوں نہ ہو اس کا روپیہ ہمارے پاس کیوں نہ ہو، حضرت حکیم صاحبؒ شکستہ دل ہو گئے اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے ورنہ اس ادارہ میں تعلیم کی یہ برکت تھی کہ اس کا ادنی طالب علم اپنے ہم عصروں میں ممتاز رہا اور جو زندہ ہے وہ ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدم رکھے اور مفید تدابیر کا آپ کے قلب میں القاء فرمائے آمین، دعا انشاء اللہ ضرور کروں گا آیت کریمہ کا کچھ ورد کرلیا کیجئے وخشعت الاصوات للرحمن، وعنت الوجوہ للحی القیوم وقد خاب من حمل ظلما کا یقین کے ساتھ تصور کریں آمین، وتم باللہ۔

تذکرہ مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب گنگوہیؒ

والد ماجد کا نام جناب یعقوب علی ہے حکیم صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز گنگوہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کے پاس کیا، ہدایۃ النحو تک تعلیم حضرت مولانا سے حاصل کر کے دس ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ میں آپ جامعہ مظاہر علوم میں آئے، یہاں آپ نے یہ کتابیں پڑھیں، مرقاۃ، قال اقول، ایساغوجی، کافیہ، ہدایۃ النحو، شرح تہذیب، شرح مأتہ عامل، دستور المبتدی، کبریٰ، صغریٰ، ابھی یہاں کے قیام کو ایک ہی سال ہوا تھا کہ آپ علیل ہو گئے جس کی بناء پر مظاہر علوم میں اپنا تعلیمی تسلسل برقرار نہ رکھ سکے۔

حضرت شیخ زکریاؒ اور مولانا محفوظ علی گنگوہیؒ کی درسی رفاقت

حضرت شیخ زکریاؒ، حکیم صاحب موصوف کے ساتھ اپنی رفاقت و مصاحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رجب ۱۳۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارنپور آ گیا سہارنپور آنے کے بعد باقاعدہ ہماری ایک مستقل جماعت بنی جس کے دوسرے ساتھی میرے حضرت قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ کے عزیز مظہر علی خاں راجو پوری تھے اور تیسرے ساتھی سید محفوظ علی گنگوہی جو بعد میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے سالے بن گئے تھے اور اس کے بعد دیوبند منتقل ہو گئے تھے، جب مرحوم کی ہمشیرہ کی شادی حضرت شاہ صاحبؒ سے ہو گئی اس وقت تک وہ سہارنپور ہی میں میرے والد صاحب کے پاس مقیم رہے اور اس سے پہلے گنگوہ میں بھی میرے والد صاحب ہی کے پاس

پڑھتے تھے، یہاں آ کر با قاعدہ میرے ساتھی بن گئے تھے اور مستقل جماعت ہماری تین آدمیوں کی خصوصی جماعت شمار ہونے لگی، سید محفوظ صاحبؒ کے دیوبند جانے کے بعد ہم دو ہی رہ گئے (آپ بیتی رص ۹۹ رج ۱)۔

نیز صفحہ ۱۱۳ رپر اس طرح لکھتے ہیں: اور یہ معروف چیز ہے کہ میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی، بغیر والد صاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی میرا انتہائی کھیل یا ابتدائی کھیل یا پورا کھیل بیت بازی تھی، ہم تینوں ساتھی مظہر اور حکیم محفوظ گنگوہی ثم الدیو بندی جب بھی ابا جان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کر دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی کہ بیت بازی کا کھیل قرآن پاک کی آیات سے شروع کر دیا، یعنی ایک شخص آیت پڑھے اور آیت شریفہ کا آخری حرف جو ہو دوسرا شخص وہ آیت پڑھے جس کے شروع میں یہ حرف ہو، میرے دونوں ساتھی حافظ نہیں تھے اور میں بھی صرف نام کا تھا مگر خوب یاد ہے کہ نہ معلوم آیتیں کس طرح سوچ لیا کرتے تھے، یہ حماقت تین چار دفعہ ہوئی اور پھر بالکل چھوٹ گئی اور منشاء اس کا یہ ہوا کہ عجیب بات تھی کہ جس دن یہ حرکت ہوتی اس دن بلا کسی معقول وجہ کے پٹائی ہو جاتی اس تجربہ نے دو تین دفعہ کے بعد ہی توبہ کرا دی (آپ بیتی رص ۱۱۳ رجلد اول)۔

۱۳۳۵ھ میں آپ نے علامہ انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھا تھا۔

فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں تقرر

فراغت کے بعد ۱۳۳۷ھ میں آپ دار العلوم دیوبند کے معین مدرس بنا دیے

گئے ۱۳۳۹ھ تک آپ نے مختلف کتابوں کا درس دیا، دارالعلوم دیوبند کے بعد مدرسہ تقویۃ الاسلام کاٹھیاواڑ کے صدر مدرس اور مہتمم بنائے گئے مشکوۃ وجلالین اور ہدایہ وغیرہ کتابیں آپ نے پڑھائیں۔

فنِ طِب سے لگاؤ

فن طب سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا چالیس سال تک آپ نے دیوبند میں خوش اسلوبی کے ساتھ اس فن کے ذریعہ عوامی خدمت کی، طب کی متعدد کتابوں پر آپ نے حواشی تحریر فرمائے کئی کتابیں اس موضوع پر بھی لکھیں ۱۳۸۰ھ میں آپ چند ماہ کے لئے شعبہ طب دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے، بعمر ۷۰ رسال یکم نومبر ۱۹۶۳ء میں آپ کا وصال ہوا اور دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیری کے مزار کے قریب مدفون ہوئے (علمائے مظاہر علوم سہارنپور ص ۲۲۶ رج ۱)۔

تذکرہ مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب فضل وکمال بزرگوں میں ایک شخصیت والا صفات حضرت مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسیؒ کی بھی ہے، علمائے مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کے تعلق سے لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے:

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ظہور الحق صاحب ہے، مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی کا آبائی وطن گنگوہ ضلع سہارنپور ہے لیکن وہ ۱۹۰۵ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے، سلسلۂ چشتیہ کے نامور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد سے ہیں، ابتدائی تعلیم اس زمانے کے رواج کے مطابق اپنی نانہال قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں مولانا شفیق احمد صاحب انبہٹوی سرپرست خصوصی ابتدائی تعلیمات مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کی، کچھ عرصہ تک مدرسہ مجددیہ سرہند میں تعلیم پاتے رہے اور پھر علوم مشرقیہ کی تکمیل ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر علوم سے کی، مظاہر علوم میں آپ کی آمد سات شوال ۱۳۴۰ھ میں ہوئی اس اولیں سال میں آپ نے بحث فعل، شرح تہذیب اور قدوری پڑھی ۱۳۴۱ھ میں آپ نے تلخیص المفتاح، میر قطبی، قطبی تصدیقات، کنز الدقائق، بحث اسم ۱۳۴۲ھ میں مشکوۃ، جلالین، ہدایہ اولین، نخبۃ الفکر پڑھکر ۱۳۴۴ھ میں مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی، کتب صحاح کے ساتھ آپ نے موطا امام مالک، موطا امام محمد، بیضاوی، مدارک، شاطبی، تیسیر الاصول بھی پڑھی۔

خصوصی رُفقاء

دورۂ حدیث شریف میں آپ کے خصوصی رفقاء یہ تھے: مولانا شیخ عبدالحق نقشبندی مدنیؒ، مولانا محمد یعقوب صاحب گنگوہیؒ، مولانا الحاج حکیم محمد طیب صاحب رامپوریؒ، شیخ عبدالکریم مدنیؒ استاذ حدیث مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ۔

حیدرآباد میں قیام اور دینی خدمات

۱۹۲۸ء میں آپ حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں ۱۹۵۱ء تک محکمۂ امور مذہبی سے وابستہ رہے، وعظ وتقریر کے ذریعہ وہاں مفید دینی خدمات انجام دیں، آپ ریاست کی طرف سے شہر ورنگل کے واعظ اور خطیب تھے۔

پاکستان کی جانب ہجرت

سقوط حیدرآباد کے بعد پاکستان چلے گئے اور سندھی ادبی بورڈ کراچی کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہوگئے، اس ادارہ سے وابستہ ہوکر سندھی تہذیب وادب کا ایسا چسکا پڑا کہ سندھ کی تاریخ وادب کا مطالعہ شروع کردیا اور کچھ عرصہ بعد ''سندھ کی تاریخی کہانیاں'' کے نام سے ایک ایسی کتاب تحریر کی جو نہ صرف حد درجہ مقبول ہوئی بلکہ اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ''تذکرہ صوفیائے سندھ'' کے نام سے ان تمام صوفیائے کرام کا تذکرہ قلم بند کیا جو اس سرزمین میں پیدا ہوئے اور جن کے فیوض وانوار سے اسلام کی جڑیں گہری ہوگئیں، یہ تذکرہ بھی اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔

آپ کا شاعرانہ ذوق

مولانا اعجاز الحق قدوسی اگرچہ علمی وادبی حلقوں میں بہ حیثیت شاعر کے بہت کم متعارف تھے لیکن وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے ان کی غزلوں اور نظموں میں رنگینی کیف اور ندرتِ خیال کا ایک دلکش اور حسین امتزاج ہوتا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کا تفصیلی تذکرہ ''تاریخ علمائے مظاہر علوم اور ان کی دینی خدمات'' میں کیا گیا ہے، یہاں صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) رسول پاک ﷺ کی صاحبزادیاں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے دو محبوب: اس رسالہ میں حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے حالات جمع کئے گئے ہیں۔

(۳) تذکرہ صوفیائے سندھ: سندھ کی تاریخ اور مشائخ سندھ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) ہمارے نبی ﷺ کے صحابہؓ: اس میں ارکان اسلام اور ان کے فضائل اور صحابہٴ کرامؓ کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) سیرتِ بتولؓ: حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور ان کے صاحبزادگان کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) سراپائے رسولؐ: یہ سیرت طیبہ پر ایک رسالہ ہے جس میں رسول پاک ﷺ کے حلیہ اور معمولات حیات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

(۷) مسلمان بیبیاں: یہ کتاب صحابیاتؓ کے حالات پر مشتمل ہے ۱۹۳۲ء میں مصنف کا قیام حیدرآباد دکن میں تھا، وہیں یہ کتاب ترتیب دی گئی۔

(۸) تذکرہ صوفیائے پنجاب: اس کتاب میں ۹۳ ربزرگوں کے حالات زندگی ہیں۔

(۹) شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی تعلیمات: یہ رسالہ حضرت شیخ کی سوانح حیات ہے بلکہ سلسلہ چشتیہ، صابریہ کی عہد حاضر تک مستند تاریخ بھی ہے۔

(۱۰) تذکرہ صوفیائے بنگال: یہ کتاب بنگال کی ستر ۷۰ رمایۂ ناز ہستیوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) سیرت امام حسنؓ: یہ کتاب حضرت امام حسنؓ کی پاکیزہ سیرت پر مشتمل ہے۔

(۱۲) سیرت حضرت عائشہؓ: یہ کتاب حضرت عائشہؓ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔

(۱۳) حضرت عثمان غنیؓ۔

(۱۴) حضرت علی مرتضیٰؓ۔

یہ دو کتابیں دو جلیل القدر صحابہؓ کے حالات پر مشتمل ہیں۔

(۱۵) تاریخِ سندھ۔

مصنف نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں سے صوبۂ سندھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہاں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اسلام سے قبل اس علاقہ میں ایسی قابلِ رشک تہذیبوں نے جنم لیا جن کی اعلیٰ تمدنی زندگی کے موجودہ بچے کھچے آثار نے زمانہ حال کے بیشتر محققین اور ماہرین کو ورطۂ حیرت میں ڈالدیا ہے الیٰ آخرہ۔

(۱۶) حضرت امام حسینؓ: حضرت امام حسینؓ کی عظیم شخصیت اور واقعہ کربلا پر نہایت جانفشانی وعرق ریزی کے ساتھ یہ تذکرہ مرتب کیا ہے۔

(۱۷) عہدِ رسالت کے دو بچے۔

(۱۸) درسگاہِ رسول ﷺ کے دو طالبِ علم۔

(۱۹) سندھ کی تاریخی کہانیاں۔

(۲۰) تذکرہ صوفیائے سرحد۔

(۲۱) پاک وہند کے علمائے کرام اور ڈاکٹر اقبال۔

آپ کا انتقال ۱۹؍فروری ۱۹۸۶ء کو کراچی میں ہوا (مشاہیر علماء جلد ۱؍ص ۱۰۸؍علمائے مظاہر علوم سہارنپور ج ۱؍ص ۴۳۷)۔

❁❁❁ ——— ❁❁❁

تذکرہ مولانا عادل صاحب قدوسی گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب علم وعمل، فضل وکمال میں ایک بڑے عالم حضرت مولانا عادل صاحب قدوسی گنگوہیؒ بھی ہیں، آپ کے والد ماجد کا نام محمد عاقل ہے مولانا موصوف مظاہرعلوم میں ۱۳۳۳ھ میں داخل ہوئے اور از ابتداء تا انتہاء تمام درسی کتب یہیں پڑھیں مولانا عبداللطیف صاحبؒ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں (ماخوذ از علمائے مظاہر علوم ص ۲۳۰)۔

مظاہر علوم سے فراغت اور اساتذۂ کبار

۱۳۴۲ھ میں آپ نے مظاہرعلوم میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، بیضاوی شریف، موطا امام مالک، موطا امام محمد اور ہدایہ آخرین بھی اسی سال پڑھیں، آپ نے بخاری شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے، مسلم شریف، نسائی شریف، مسلسلات، موطائین حضرت اقدس سہانپوریؒ سے، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ سے پڑھی ہیں۔

خصوصی رفقاء

مولانا مشتاق احمد بن حکیم سید حسن صاحب پور قاضویؒ، مولانا سید فضل احمد صاحب گنج مرادآبادیؒ، حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز خاں صاحب گمتھلویؒ (جانشین خاص حضرت اقدس رائے پوریؒ وسابق سرپرست مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور) مولانا

الحاج مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ، مولانا محمد حیات صاحبؒ بن جناب عبدالخالق صاحب دیوبندی آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء اور شرکاء میں سے ہیں۔

حیدرآباد دکن میں قیام

فراغت کے بعد آپ ایک عرصہ تک حیدرآباد دکن رہے، وہاں آپ دائرۃ المعارف کی جانب سے کتابوں کی طباعت واشاعت کے نگراں بنے، اس زمانے میں بہت سی علمی، دینی اور حدیث پاک کی اونچی کتابیں آپ کے قلم سے تصحیح وتنقیح کے بعد طبع ہوئیں، تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان منتقل ہوئے اس کے بعد سے وہیں مقیم رہے۔

فصاحت وبلاغت

موصوف اپنی ادیبانہ زبان وبیان کی صلاحیتوں اور عربی زبان پر قابو یافتہ ہونے کی بناء پر علمی اور ادبی حلقوں میں مشہور ومعروف ہیں، پاکستان میں جب ۱۹۵۲ھ میں مؤتمر علماء مسلمین کا انعقاد ہوا اس میں تمام اسلامی ملکوں کے ممتاز ومعروف علماء جمع ہوئے اس موقعہ پر اہل مؤتمر کی جانب سے ترجمانی کے فرائض انجام دینے کے لئے موصوف ہی منتخب ہوئے تھے، ۱۹۵۲ء میں جلالۃ الملک ابن سعود سے بطور خاص منظوری لینے کے بعد سفارت خانہ سعودیہ عربیہ پاکستان میں ایک شعبہ ''الشئون الدینیہ'' (شعبۂ اسلامیات) قائم کیا گیا اس کے مدیر وناظم اعلیٰ مولانا مقرر ہوئے۔

تصنیفات وتالیفات

(۱) رسالت خاتم النبیینؐ (یہ ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے) مترجم نے ضرورت کے مطابق جابجا تشریحی نوٹ اور توضیحی حواشی بھی لکھے ہیں یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے،

حصہ اول و دوم کے مجموعی صفحات ۶۵۶ رہیں حصہ سوم میں معجزات کی بحث ہے۔

(۲) رسالہ قضاء وقدر: سید عبدالحمید صاحب کی عربی تالیف ہے جس کی اردو ترجمانی مولانا عادل صاحبؒ نے کی ہے اس میں درج ذیل عنوانات قائم کئے گئے ہیں (۱) قضاء وقدر پر ایمان لانے کی بحث (۲) اللہ تعالیٰ کی مشیت (۳) اللہ تعالیٰ کا ارادہ (۴) اللہ تعالیٰ کا علم، ان عنوانات پر مصنف نے بحث کی ہے کتاب کے شروع میں مصنف کی جانب سے ایک اچھا خاصا طویل مقدمہ بھی ہے جس میں کتاب کی وجہ تالیف اور اپنے تاثرات لکھے ہیں۔

(۳) سیرت صدیق اکبرؓ: یہ علامہ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ کی عربی تالیف کا اردو ترجمہ ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات واقعات جمع کیے گئے ہیں (علمائے مظاہر علوم سہارنپور رص ۲۳۰ رج ۲)۔

تذکرہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ

بزبان حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ میرے استاذ ہیں میں نے ان سے آمد نامہ کے چند اسباق اور بوستاں پڑھی ہے، یہ مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کے شاگرد تھے، گنگوہ کے محلّہ بہاؤالدین میں رہتے تھے اور بڑے مولوی جی کے نام سے مشہور تھے، جب کسی کے گھر کوئی نئی چیز پکتی تو پہلے ان کے یہاں پہنچائی جاتی، میرے والد صاحبؒ قوت اعصاب کے لئے ایک نسخہ تیار فرمایا کرتے تھے تو پہلے ان کے یہاں پہنچایا کرتے، رمضان شریف شروع ہوتا تو کوئی شخص اپنی بھینس کا دودھ ہر روز نکال کر دے آیا کرتا، درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا مشغلہ مستقل نہ تھا اکثر گوشہ نشین رہتے تھے، کوئی طالب علم اصرار کرتا تو گنگوہ کی لال مسجد میں آکر اس کو سبق پڑھا دیا کرتے تھے، اپنے استاذ مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ سے بہت تعلق تھا، بڑی محبت وعقیدت سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے جب ان کا ذکر آتا تو آبدیدہ ہوجاتے اور فرماتے کہ مولانا بڑے پایہ کے آدمی تھے، بس یہی جملہ ان کے یہاں بڑی تعریف تھی، ایک بہت مختصر بوسیدہ کچا مکان چھپر کا تھا اس میں رہتے تھے بارش ہوتی تو ٹپکتا ادھر سے ٹپکتا تو ادھر چارپائی کھینچ لیتے اور ادھر سے ٹپکتا تو ادھر کھینچ لیتے، احباب واعزہ نے نیا مکان بنانے پر اصرار کیا تو منظور نہیں فرمایا پوری زندگی اسی میں گذاری۔

مسجد میں نہ آنے کی وجہ

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مسجد میں نہیں آئے، دروازہ بند کئے مکان میں رہے، جب دوسرے

وقت بھی نہیں آئے تو لوگ مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور مزاج پوچھا تو دروازہ کھولے بغیر اندر سے جواب دے دیا کہ ہاں اچھا ہوں کئی روز اسی طرح گذرے جمعہ آیا تو نماز جمعہ کیلئے باہر تشریف لائے، نئے کپڑے پہنے ہوئے بالکل ہشاش بشاش اکثر گلاب کے پھول کی طرح مسکراتے رہتے تھے، غرض بیماری کا کوئی اثر نہ تھا، رات میں کوئی صاحب کپڑے کا تھان لئے بڑے مولوی جی کو تلاش کررہے تھے اس سے پتہ چلا کہ مولانا کے پاس کپڑے نہ تھے جس کی وجہ سے مکان سے باہر نہیں آئے، رات کپڑا آیا تو رات ہی درزی کو بلا کر سلوایا تب اس کو پہنکر صبح تشریف لائے۔

ملازمت نہ کرنے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ موصوف (مولانا فخر الدین صاحب) نے کبھی بھی ملازمت نہیں کی، ایک مرتبہ مطبع نولکشور لکھنؤ سے تصحیح کتب حدیث کیلئے مولانا مظہر نانوتویؒ کے پاس اطلاع آئی کہ کسی مستعد کو اسّی روپے (چاندی) ماہوار پر بھیجدیجئے تو حضرت مولانا مظہر صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اپنے فخر الدین کو بنئے کے پاس نوکری کے لئے نہیں بھیجتا، ایک مرتبہ کچھ احباب منصوری لے گئے اور خود طے کرلیا کہ مولانا کو ماہانہ پچیس یا تیس روپے دیدیا کریں گے، مولانا سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا رات کو خواب میں مولانا نے مولانا مظہر صاحب کو دیکھا کہ انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ کیا فخر الدین میں نے اسی لئے پڑھایا تھا کہ یوں نوکریاں کرتا پھرے، صبح ہوتے ہی وہاں سے واپس ہونے لگے احباب نے ٹھہرنے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ نا بھائی ٹھہرنے کا حکم ہی نہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ص ۱۱۱ رج ۱)

تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(مفتی اعظم ہند)

مشہور عالم فاضل اور مایۂ نازادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی نے اپنی شاندار کتاب ''پسِ مرگ زندہ'' میں آپ کا ذکر جمیل اس طرح کیا ہے:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

آخری مفتی

ہماری طالبِ علمی کے زمانے میں طلبۂ دارالعلوم کی زبان پر اکثر یہ جملہ رہا کرتا تھا کہ آخری مہتمم (یعنی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ) آخری شیخ الحدیث (یعنی حضرت مولانا سید فخر الدین احمد ہاپوڑوی ثم المرادآبادیؒ) اور آخری مفتی (یعنی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ) کا زمانہ دیکھ لو، اب دارالعلوم میں ان کے بعد ان کی جگہ پر جو بھی آئے گا وہ ہرگز ان کے برابر نہ ہوگا۔

واقعی وہی ہوا جو چیدہ خلقِ خدا یعنی مہمانانِ رسول ﷺ طلبۂ دارالعلوم کی زبان سے اکثر سننے کو ملتا تھا کہ دارالعلوم میں مذکورہ بالا عظیم ہستیوں کی جگہ پر جو حضرات آئے یا آتے رہے وہ اپنی ساری خوبیوں کے باوجود ان کا جواب اور ان کے ہم پلہ بھی نہیں تھے۔

عظیم سلف کے عظیم خلف

مفتی محمود حسن صاحبؒ میں اپنے عظیم اسلاف و مشائخ و فقہا و علماء کی طرح استحضار

علمی، سرعت انتقالِ ذہنی، فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، اصول وفروع کی تطبیق کی لیاقت، سابقہ نظائر و اَشباہ پر نئے مسائل کے قیاس کی وہ مہارتِ تامہ پائی جاتی تھی جو کسی عبقری مفتی اور فرعی اجتہاد کا عمل انجام دینے کی وہبی لیاقت والے مجتہد کی شان ہوا کرتی ہے۔

ساتھ ہی وہ اپنے اکابر ہی کی طرح دینی غیرت واستقامت، عقائدی صلابت، احسانی کیفیت اور تعلق مع اللہ کے باب میں بھی مثالی عالم کے اعلیٰ رتبے پر فائز تھے، اخلاص واحتساب اور سلوک وعرفان کے حوالے سے بھی وہ دار العلوم کے اساتذہ ومشائخ کے معاشرے میں ایسا لگتا ہے کہ ''خاتم العارفین الصادقین'' تھے، ان کے ایسا بلند پایہ صاحبِ نسبت شیخ ومربی کو دیکھنے کے لئے نہ صرف طلبہ واساتذہ ومتعلقین دار العلوم کو بلکہ ساری ہندی ملت کو نہیں معلوم کہ کب تک انتظار کرنا پڑے گا، ذیل کا شعر بہت گھس پٹ جانے کے باوجود حقیقت بیانی کے لئے اپنا جواب نہیں رکھتا:

ہزاروں سال نرگس، اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

علم وعمل کی صحیح جامعیت

مفتی صاحبؒ کے وجود سے دار العلوم کے ماحول میں علم وعمل کی صحیح جامعیت کا رنگ کسی نہ کسی درجے میں قائم تھا اور ہر آنے جانے والے کو بالخصوص جس میں دینی شعور اور اسلامی آگہی وادراک کی خو بو پائی جاتی تھی یہ محسوس ہوتا تھا کہ دار العلوم کے ماحول کے خاکستر میں ابھی ایسی چنگاری باقی ہے جو فقرِ غیور اور عشقِ جسور کے آتشِ فروزاں کا

رنگ اختیار کر لینے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے، لیکن ان کی وفات کے بعد دار العلوم کے درو دیوار ہر کہ ومہ کو بے رونق سے لگتے ہیں، مفتی صاحبؒ کی صحبت میں بیٹھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسلاف کے علم وعمل کے حقیقی وارث کا رنگ وڈھنگ ابھی اس مے خانۂ علم وعرفان میں الحمدللہ کسی درجے میں قائم ہے۔

ان کی وفات کے بعد ہی نہیں بلکہ ان کے آخری سفرِ افریقہ (جوان کی وفات پر منتج ہوا) کے دوران ہی مجھ جیسے بے شعور اور فراست وبصیرت سے یکسر عاری انسان کو بھی دل کی گہرائیوں میں چھتہ مسجد اس کے سامنے کی سڑک اور دار العلوم کے ماحول میں ایک طرح کی ناقلِ توجیہ تاریکی کا احساس ہونے لگا تھا اور دل کے خاموش گوشوں میں یہ آواز سنائی دیتی تھی کہ شاید اب یہ مردِ خدا دوبارہ اپنی دید سے ہم لوگوں کو لذت یاب نہیں کرے گا اور وہی ہوا جو دل نے کہا زندگی کا اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ دل کی آواز بہت بار سچی ثابت ہوتی ہے۔

مسجدِ چھتہ کا سُوناپن

مسجدِ چھتہ اب بھی قائم ہے اس کا قاسمی حجرہ اب بھی باقی ہے، اس کے در وبام اب بھی نمازیوں کی سجدہ ریزیوں سے منور ہیں، لیکن وہ روحانی روشنی، وہ عرفانی کرنیں اور وہ احتسابی کیف جس سے اس کا گوشہ گوشہ معمور تھا، دور دور تک نظر نہیں آتا، میں افریقی منزل قدیم سے (جہاں میری اور متعدد اساتذہ کی اپنے بچوں کے ساتھ رہائش ہے) دار العلوم آتے جاتے ہوئے روزانہ مسجد چھتہ کے سامنے کی سڑک سے گزرتا ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان گلیوں کی تاریکیوں میں محسوس طور پر

اضافہ ہوتا جاتا ہے:

تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں ــــ شام و سحر کا نام ہے، شام و سحر کہاں

عرصہ ہوا کہ رسمِ محبت بدل گئی ــــ دامن سے اب معاملۂ چشمِ تر کہاں

حرفِ علم کے آشناؤں کی اب بھی کوئی کمی نہیں (اور آئندہ بھی نہیں ہوگی) لیکن عرفانِ حقیقت، یقینِ محکم، عملِ پیہم اور محبتِ فاتحِ عالم کے درِ نایاب سے ان کے صدف کی آغوش ہم جیسوں کو تو بہت خالی نظر آتی ہے: اس لئے ان کی ذات سے تمام برکاتِ علم وحکمت کے باوجود وہ روشنیاں نہیں پھیل پاتیں جن سے عالمِ رنگ و بو کے بیاباں کی حقیقی تاریکی کافور ہوا کرتی ہے:

گماں آبادِ ہستی میں، یقیں مردِ مسلماں کا ☆ بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

جس کو دنیائے آب وگل میں آنے کی بیماری لاحق ہوگئی ہے اسے ایک نہ ایک دن ضرور ناپید ہوجانا ہے: لیکن جو لوگ حبِ الٰہی اور عشقِ نبوی ؐ سے اپنے دل کو منور اور اپنے وجود کو روشن کر جاتے ہیں وہ موت کے بعد بھی پائندہ رہتے ہیں:

تو محبت کو لازوال بنا ــــ زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات

دوشنبہ اور سہ شنبہ مورخہ ۱۷/۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (ہندوستانی کلینڈر کے مطابق) ۱۹/۲۰/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (جنوبی افریقہ کی تقویم کے مطابق) مطابق ۲/۳/ستمبر ۱۹۹۶ء کی درمیانی شب تھی کہ اچانک احاطۂ دارالعلوم دیوبند کے بیچ میں واقع مسجدِ قدیم کے مناروں پر نصب لاؤڈ اسپیکر کے ہارن گونج اٹھے اور اس افسوس ناک خبرِ وفات کا اعلان کیا گیا کہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کا جنوبی افریقہ

کے شہر ''جوہانس برگ'' میں انتقال ہوگیا جہاں آپ ۲۰/اپریل ۱۹۹۶ء سے مقیم تھے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔(ماخوذ از پس مرگ زندہ/ص ۳۳۰)

حضرت الاستاذ الفقیہ المحدث، جامع علوم عقلیہ نقلیہ، ماہر فنون، جامع علم وعمل، منبع الفیوض والبرکات، ماہر شریعت وطریقت، آگاہ اسرار حقیقت، مرجع العلماء والصلحاء حضرت مفتی صاحبؒ اپنے دور میں حضرت گنگوہیؒ کے نظیر تھے، آپ سے امت کو شریعت وطریقت، تعلیم وتبلیغ، ذکر وخانقاہ کی لائن سے بہت بڑا فیض پہنچا، آپ کی سیرت وحالات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے ''حیات محمود'' دوجلدوں میں مفصل طور پر موجود ہے جس میں حضرت کے تفصیلی حالات بیان کردئے گئے ہیں، پھر اس کا اختصار ایک رسالہ میں کیا گیا ہے جو مختصر مگر جامع اور بہت مفید ہے (جس کا نام ذکر محمود ہے) اس کے باوجود حضرت الاستاذ سے محبت اور ان کی شفقتوں کے پیش نظر اور گنگوہ کی شخصیات میں آپ کی عظیم شخصیت اور اسلافِ اکابر کی ایک بہترین یادگار ہونے کا یہ مقتضی ہے کہ اس کتاب میں بھی تبرکاً آپ کے حالات حسب توفیق لکھے جائیں، پہلے کچھ مضامین ''ذکر محمود'' سے لئے جاتے ہیں، چونکہ وہ اس موضوع پر مختصر اور جامع کتاب ہے، آپ کے مشہور خلیفہ عالم جلیل حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب میرٹھی، جامع ''فتاویٰ محمودیہ'' ودیگر کتابوں کے مرتب اور جامعہ محمودیہ علی پور میرٹھ کے مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی نہایت شاندار وجاندار محنت وکاوش کا نتیجہ ہے، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ولادت باسعادت

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کو ٹھیک دوسال گزر چکے تھے کہ تقریباً اسی ماہ اور اسی

تاریخ میں قصبہ گنگوہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء شب جمعہ ہوئی، گویا علم وعمل کا ایک آفتاب غروب ہوا تو دوسرا طلوع ہوا، چنانچہ ایک مجذوب نے کہا تھا جب ان کو اطلاع ملی کہ مولانا حامد حسن صاحبؒ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے کہ ''مولانا رشید احمد صاحبؒ کا بدل آگیا ہے''۔

حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ والدِ محترم حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ

حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ بھی اپنے دور کے بہت متقی اور پرہیزگار عالم تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگرد تھے، حضرت مدنیؒ کے ساتھیوں میں سے تھے، آپ ہزاروں حدیثوں کے بھی حافظ تھے، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت وسلوک کا تعلق رکھتے تھے، نہٹور ضلع بجنور میں قیام تھا جہاں آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مدرسہ میں بھیجا تھا پوری زندگی وہیں گزاری اور ۲۱ رمحرم الحرام ۱۳۷۱ھ میں وہیں انتقال فرمایا اور نہٹور ہی میں مدفون ہوئے۔

جدِ بزرگوار

حاجی خلیل احمد صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے خادم بھی رہے اور حضرت نانوتویؒ سے بیعت تھے، تہجد گزار اور اوراد ووظائف کے پابند، گوشہ نشیں، صاحب دل، صاحبِ ذوق، صاحبِ دردوفکر بزرگ تھے، جب آپ کا انتقال ہوا حضرت مفتی صاحب کی عمر ۵ رسال تھی۔

سلسلۂ حسب ونسب

آپ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں جس کی تفصیل ''حیات محمود'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ کی بسم اللہ

ذکر محمود میں لکھا ہے: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ اور علماء ہمراہ تھے، دونوں اکابر کے ذریعہ حضرتؒ کی بسم اللہ کرائی گئی۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مفتی صاحبؒ کے مکان کے قریب ہی حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صاحبہ صفیہ خاتونؒ کی بیٹھک میں مکتب قائم تھا اس میں حضرتؒ کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔

حفظ کلام پاک

حافظ کریم بخش صاحبؒ نابینا سے کلام پاک حفظ کیا ختم میں سترہ سطریں باقی تھیں کہ حافظ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تو پھر حافظ عبدالکریم امام جامع مسجد سے تکمیل فرمائی۔

ابتدائی فارسی

حفظ کلام پاک کے بعد حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ سے آمدنامہ کا ایک صفحہ اور بوستاں کے چند اشعار پڑھے۔

نہٹور میں قیام

بعدہ حضرت کے والد صاحبؒ اپنے ہمراہ نہٹور لے گئے وہاں مولانا امتیاز حسین صاحبؒ سے آمد نامہ، حمد باری، مصدر فیوض، کریما، پندنامہ کتابیں پڑھیں اور والد صاحبؒ سے میزان، منشعب، مالا بدمنہ اور بوستاں کے چند اسباق پڑھے۔

مظاہر علوم میں حاضری

۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور علم الصیغہ ،فصول اکبری وغیرہ سے لے کر جلالین شریف تک کی کتابیں سات سال کے اندر پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام

۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر دو سال میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

مظاہر علوم میں آمد

دارالعلوم دیوبند میں تین سال قیام دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ سے ابوداؤد شریف پڑھی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھیں۔

ایثار وقناعت

زمانۂ طالب علمی میں ایک وقت کھانے کا معمول تھا اور ایک وقت کا کھانا کسی غریب طالب علم کو جس کا مدرسہ میں کھانا نہیں ہوتا تھا کھلاتے تھے، ناشتہ کرنا جانتے نہیں تھے، زمانۂ طالب علمی کے بعد مدرسی کے زمانہ میں بھی مہمانوں کے ہجوم ہونے سے قبل تک یہی معمول تھا۔

اعتماد اور توکل علی اللہ

ایک مرتبہ والد صاحب نے تحریر فرمایا کہ اگر کچھ ضرورت ہو تو لکھو، حضرتؒ کے

پاس اس وقت دو پیسے تھے اور اس وقت کارڈ دو پیسے کا آتا تھا ان ہی دو پیسوں کا کارڈ منگایا اور اس پر لکھا: الحمدللہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

زمانۂ طالبِ علمی میں ایک معمول

مظاہر علوم کے دورِ طالب علمی میں حضرتؒ سمیت چار ساتھی ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے مگر جب امتحان قریب ہوتا تھا تو آپس میں ہاتھ ملالیا کرتے تھے کہ اب امتحان کے بعد ملاقات ہوگی، کھانا سب الگ الگ لیا کریں گے۔

شوق وطلب

مطالعہ کا ایسا ذوق وشوق تھا کہ ایک مرتبہ مدرسی کے زمانہ میں لالٹین جلا کر کمرہ بند کر کے مطالعہ میں مشغول ہوگئے، اچانک کمر دکھنے لگی، لالٹین کو دیکھا کہ تیل ختم ہوگیا گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ آٹھ گھنٹے ہو چکے درمیان میں صرف نماز عشاء کے لئے اٹھنا ہوا۔

پیدل سفر

زمانۂ طالب علمی میں سہارنپور سے گنگوہ، گنگوہ سے سہارنپور عموماً پیدل سفر ہوتا تھا، ایک مرتبہ سہارنپور سے دیوبند، دیوبند سے سہارنپور کا سفر بھی پیدل فرمایا کہ کسی ضرورت سے دیوبند جانا تھا گاڑی میں دیر تھی اس لئے گاڑی کا انتظار کئے بغیر پورا سفر پیدل ہی فرمایا۔

سفر میں تلاوتِ کلام پاک

بچپن سے کلام پاک کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، سفر میں عموماً تلاوت کا معمول تھا، سہارنپور سے گنگوہ کے سفر کے دوران بیس، بائیس پارے ہو جاتے تھے۔

سبق کی پابندی

سبق کی پابندی کا خاص اہتمام تھا، کبھی سبق ناغہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا، چنانچہ بخاری شریف از اول تا آخر اس شان سے پڑھی کہ کسی سبق کی غیر حاضری نہیں ہوئی اور کوئی ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی، ایک دفعہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ بیمار ہوئے عیادت کے لئے اجازت طلب کی اور یہ بھی لکھ دیا کہ دیوبند سے سہارنپور آنے جانے میں ایک سبق کا ناغہ ہوگا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ''ایک سبق تو بڑی چیز ہے ایک حدیث کا استاد کے سامنے سے رہ جانا بھی میرے نزدیک ناقابل تلافی نقصان ہے'' اس لئے حضرت شیخ قدس سرہ کی عیادت کے لئے جانا ملتوی فرمادیا۔

اولاً ہم آپ کے تعلق سے بعض وہ مضامین پیش کرتے ہیں جو مختلف علماء نے مختلف کتابوں میں لکھے ہیں، چنانچہ علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی دینی خدمات میں رص ۳۳۰ ر پر اس طرح لکھا گیا ہے:

اساتذۂ کرام

مظاہر علوم کے اساتذۂ کرام

مولانا مفتی ضیاء احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ، حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ۔

دار العلوم کے اساتذۂ کرام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ، حضرت مولانا میاں قاری اصغر حسین صاحبؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ۔

بیعت و تکمیلِ سلوک

اصلاح باطن کی فکر حضرت کو بچپن سے تھی، زمانۂ طالب علمی ہی سے قصد السبیل دیکھ کر ذکر وغیرہ شروع فرما دیا تھا اور طالب علمی کے اخیر سالوں میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ بیعت ہو گئے تھے۔

انتخابِ شیخ

اس وقت مشائخ کاملین میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ یہ سب اکابر موجود تھے مگر ان سب کی موجودگی میں حضرتؒ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا انتخاب کیا چونکہ حضرت شیخ ان سب سے کم عمر تھے اور چند وجوہات یہ تھیں:

(۱) کہ حضرت شیخ کے ساتھ زمانہ زیادہ ملے گا اور اصلاح نفس واصلاح اخلاق زیادہ ہو سکے گی اس لئے اکابر مشائخ کے ہوتے ہوئے ان میں سب سے کمسن کو منتخب فرمایا۔

(۲) دوسری وجہ یہ بھی ہوئی کہ بعض خواب دیکھے تھے جس کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی جانب میلان ورجحان زیادہ ہوا۔

(۳) تیسری وجہ رجحان کی یہ ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دیگر مشائخ

کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت زیادہ ہوتی مگر اپنے عیوب پر پردہ پڑ جاتا، اور جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنے عیوب سامنے ہوجاتے جس سے یہ خیال پختہ ہوگیا کہ میری اصلاح حضرت شیخ قدس سرہ کے ذریعہ ہوگی، ان سب وجوہات کی بناء پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا انتخاب فرمایا۔

درخواستِ بیعت وامتحان طلب

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی حضرت شیخ نے تھانہ بھون، دیوبند، رائے پور، دہلی حضرات اکابر کی خدمت میں جانے اور ان حضرات سے بیعت ہونے کو فرمایا، کبھی استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے غرضیکہ کئی ماہ اسی طرح ٹالتے رہے اور جب ہر طرح ٹھوک بجا کر دیکھ لیا کہ طلب صادق ہے اور کسی دوسری جانب کوئی رجحان ہی نہیں تو پھر بیعت فرمالیا۔

فنافی الشیخ

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا، اور مناسبت تامہ پہلے سے تھی اس لئے باقاعدہ بیعت ہونے کے بعد اپنے آپ کو حضرت شیخ کے اس طرح حوالہ اور سپرد فرمادیا جس طرح مریض اپنے آپ کو معالج کے حوالہ کردیتا ہے کہ معالج جس طرح چاہے مریض کے اندر تصرف کرے مریض کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ معالج کے ہر تصرف پر دل سے خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنا محسن وخیر خواہ سمجھتا ہے یا ''کالمیّت فی ید الغسال'' جس طرح مردہ غسل دینے والے کے

ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے کروٹ دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے پانی ڈالتا ہے، میت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح حضرتؒ نے اپنے آپ کو حضرت شیخ کے اس طرح حوالہ کیا کہ گویا اپنا کوئی اختیار ہی باقی نہ رہا اور اپنا کوئی کام حضرت شیخ کے منشاء ومرضی کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہر کلی وجزوی میں، ہر امر میں حضرت شیخ کے مشورہ کو ضروری جانا اور حضرت شیخ کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہی اس کو انجام دیا اور اپنے آپ کو بالکلیہ مرضیٔ شیخ میں فنا کر کے فنافی الشیخ کے درجہ پر فائز ہوئے اور اس شعر کے مصداق بن گئے:

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم وبیش را

اور یہ شعر آپ کے حسب حال ہو گیا ہے

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن دل بدست دیگرے دادن وحیراں بودن

حضرت شیخ کی عنایت وشفقت

اسی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ عنایت وشفقت کا معاملہ فرماتے کہ دیکھنے والے دیکھ کر حیران ہوتے۔

دیگر اکابر سے استفاضہ

اسی غایت شفقت وعنایت کی بنا پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خواہش ہوتی کہ حضرت مفتی صاحبؒ دیگر اکابر سے بھی پورے طور پر مستفیض ہوں۔

حضرت شیخ کے یہاں جب اکابر میں سے کسی کی تشریف آوری ہوتی تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بطور خاص حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو ان کی خدمت میں رہنے

اوران سے مستفیض ہونے کی تاکید فرماتے خودان حضرات کی خدمت میں جانے اور قیام کر کے اکتساب فیض کی تاکید فرماتے۔

رائے پور میں قیام

چنانچہ اسی مقصد کے لئے رائے پور حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں بار بار حاضری ہوتی اور بعض مرتبہ طویل قیام ہوتا۔

ایک مرتبہ تقریباً اڑھائی ماہ رائے پور قیام فرمایا اور حضرت رائے پوریؒ حضرتؒ کو اذکار واشغال بتا کر (کہ جس میں چوبیس گھنٹہ کا تمام وقت گھیر دیا گیا تھا) خود سفر میں تشریف لے گئے، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کو خط لکھا اور اپنے حالات کی اطلاع دی، اس میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا:

اے وائے بر اسیرے کہ از یاد رفتہ باشد   در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

مرکز نظام الدین میں قیام

ایک موقع پر حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس سرہ کی وفات کے قریب تقریباً ایک ماہ حضرت دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں قیام فرمایا، حضرت مفتی صاحبؒ قدس سرہ کا یہ قیام حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے حکم اور تجویز کے مطابق ہی تھا۔

۲۳/جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۵/جون ۱۹۴۴ء میں آپ حضرت شیخ کے حکم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، مقصد سفر حضرت شیخ کے الفاظ میں یہ تھا ''روانگی مفتی محمود نظام الدین فرستادہ زکریا بمد سلوک''۔

دہلی کے اس زمانۂ قیام میں آپ عالی ہمتی کے ساتھ اپنے اشغال و معمولات میں مشغول رہے، حضرت کی مجالس میں بھی اہتمام سے شرکت فرماتے۔

اجازت وخلافت کا مطلب

اسی موقع پر ایک مرتبہ حضرت دہلویؒ نے فرمایا کہ مولوی محمود جانتے ہو مشائخ جو مجاز بنایا کرتے ہیں، اجازت دیا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ مفتی صاحبؒ کے انکار پر فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ طالب نے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے فنا کر دیا خدمت کرتے کرتے اپنا ارادہ اور اپنی رائے کو بالکل ختم کر کے پورے طور پر شیخ کے تابع ہوگیا اپنی مرضی کو شیخ کے ماتحت کر دیا جب اس کے اندر اس کا رسوخ حاصل ہوگیا عاجزی اور تواضع کا مضمون پختہ ہوگیا تو پھر شیخ اس کو دعوت دیتا ہے کہ اچھا جو معاملہ تم نے عاجزی اور تواضع کا میرے ساتھ کیا اب میں اجازت دیتا ہوں کہ تمام مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا جو تم نے اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہے۔

آپ کے دہلی قیام کے ۲۹ ردن بعد حضرت دہلویؒ کا وصال ہوا پھر آپ سہارنپور واپس تشریف لے آئے اور دوبارہ مظاہر علوم میں اپنی علمی فقہی اور درسی مشغولیات میں مصروف ہوگئے۔

خرقۂ خلافت

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے پاس ایک جبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا عنایت فرمایا ہوا تھا جس کو حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر تین روز تک رکھا تھا عنایت فرمایا۔

حضرت والا قدس سرہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''حضرت نے جبہ مرحمت فرمایا تھا اور بہت اہمیت کے ساتھ فرمایا تھا، کہ یہ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا ہے، انہوں نے اس کو تین روز تک روضۂ اقدس پر رکھا تھا اس کے بعد مجھے عنایت فرمایا، بہت بوسیدہ تھا میں نے اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگوالیا تھا، پس میں نے کبھی کبھی رمضان کے مہینہ میں اس کو پہن کر تنہائی میں دو رکعت پڑھی ہیں اس کے بعد اٹھا کے رکھ دیا''۔

اس عطیہ شاہی کے بارے میں بجز اس کے کیا کہا جائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اعتمادِ شیخ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو حضرت والا قدس سرہ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی اور خصوصی معاملات بلکہ قلبی کیفیات حتی کہ سفر حرمین وغیرہ کے سلسلہ میں بھی حضرت والا قدس سرہ سے استخارہ کراتے مشورہ لیتے اور اس پر حد درجہ اطمینان فرمایا کرتے۔

حضرت والا قدس سرہ کا ایک ملفوظ ملاحظہ ہو جس سے ان سب چیزوں پر روشنی پڑتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

''ہندوستان سے حجاز جانے کے لئے سفر کی تیاری تھی مگر تردد تھا کہ تشریف لے جائیں یا نہ لے جائیں، عصر کے بعد مدرسہ قدیم کی مسجد میں جمعہ کے روز ذکر ہوتا تھا میں بھی ذکر میں مشغول تھا، الحاج ابوالحسن نے آ کر مجھ سے کہا حضرت کا ارشاد ہے کہ استخارہ کرو، استخارہ کر کے بتاؤ کہ میں سفر میں جاؤں یا نہ جاؤں میں نے کہا کہ ''یہ تو میں ابھی بتادوں گا بغیر

استخارہ کے'' کہا کہ نہیں استخارہ کا حکم ہے، آئندہ جمعہ کو آؤ تو استخارہ کر کے آنا۔

آئندہ جمعہ کو میں حاضر ہوا تو فرمایا''مفتی جی! بتاؤ میں جاؤں یا نہ جاؤں؟'' میں نے کہا''حضرت! میں نے ایسا دیکھا کہ حضرت کھڑے ہوئے ہیں تنہا ہیں نہایت قوی کسی قسم کے ضعف کا اثر محسوس نہیں ہوتا اور بالکل خاموش ہیں پنڈلیاں کھلی ہوئی ہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ اوپر لنگی ہے یا پائجامہ مگر پنڈلیاں کھلی ہیں اور پنڈلیوں پر نشانات ہیں جیسے جھاڑ جھنکاڑ میں کوئی آدمی چلے اس کے لگنے سے نشانات ہو جاتے ہیں اور ایک جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے ہیں جو سفید ہے، اس کے اوپر بڑی شعائیں ہیں جو بڑی دور تک جارہی ہیں، لندن، امریکہ، افریقہ وغیرہ ممالک میں جارہی ہیں اور جہاں پر وہ شعائیں پہنچتی ہیں وہاں پر ایک چھاپ لگ جاتی ہے محمد ﷺ کی اور آپ خاموش ہیں کوئی آس پاس نہیں ہے، میں یوں خواب میں سوچ رہا ہوں کہ وہ دسترخوان کے مریدانِ با اخلاص کہاں ہیں ان میں سے کوئی نہیں، غور کر کے دیکھا تو چار آدمی نظر آئے دور فاصلہ پر ایک مولانا منور حسین صاحب، ایک مولانا عبدالرحیم صاحب، ایک قاری امیر حسن صاحب، ایک مولانا عبدالجبار صاحب اور چاروں کے چاروں اتنے ضعیف اور مضمحل ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے ابھی سخت بیماری سے اٹھے ہوں اور ان کے چہروں پر خون کے آثار تک محسوس نہیں ہوتے کہ بدن میں خون ہے، بول کوئی کچھ نہیں رہا سب خاموش ہیں۔

حضرت شیخ نے خواب سن کر یوں بیان فرمایا کہ''اچھا بتاؤ محمد ﷺ کیوں لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ کیوں نہیں؟ میں نے کہا''وہ تو ظاہر ہے کہ حضرت کا جو کچھ کام ہے وہ اہل توحید میں ہے منکرینِ توحید میں نہیں، جو کلمہ پڑھنے والے ہیں ان کے پاس کلمہ کا پہلا جز تو

موجود ہے آپ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہوا، نہیں لوگوں میں آپ کا کام ہے اور انشاء اللہ کام آپکا دور تک دیگر مما لک میں پہنچے گا، چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ آج دنیا کے ہر ملک، ہر شہر بلکہ ہر بستی میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا فیض پہنچا ہوا ہے۔

جامع العلوم کانپور میں قیام

ارباب جامع العلوم کانپور نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں اصرار فرمایا، ان کے اصرار پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں جامع العلوم کانپور قیام فرمایا اور جامع العلوم جہاں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے چودہ برس قیام فرمایا تھا اور حضرت حکیم الامتؒ کے بعد مدرسہ انتہائی خستہ اور کس مپرسی کی حالت میں تھا حضرت نے اس کو سنبھالا تمام ضروریات کا انتظام فرمایا اور حضرت قدس سرہ کے ذریعہ مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

یکم ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مطابق ۸ر نومبر ۱۹۵۲ء آپ جامع العلوم تشریف لے گئے اور مدرسہ کو باقاعدہ سنبھالا، مطبخ کا انتظام کیا، کتب خانہ درست کیا، طلباء کی نگرانی فرماتے، مطبخ کا انتظام فرماتے، خود ہی چندہ کرتے، کتابیں پڑھاتے، فتاویٰ کے جوابات لکھتے، وعظ کے لئے جگہ جگہ سفر فرماتے، اس طرح آپ بیک وقت استاد و مدرس بھی تھے، صدر مدرس و ناظم بھی تھے، ناظم کتب خانہ و ناظم دارالاقامہ و ناظم مطبخ بھی، مفتی بھی محرر و ناقل فتاویٰ بھی، واعظ و مبلغ بھی، سفیر و محصل بھی، مصلح اور شیخ طریقت بھی، شخص واحد کا ان سب کاموں کو انجام دینا موجب تعجب موجب حیرت ضرور ہے مگر اللہ پاک کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحدٍ

افتاء وتفقُّہ

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطاء فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علوم درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس وتدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمال درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت اور گہرائی وگیرائی، علوم کا استحضار، رسوخ فی العلم اور رسوخ فی الدین کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت، اس کے ساتھ طبع سلیم، فہم مستقیم، فطرت صحیحہ پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت عرف سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بھی اہمیت دی ہے، نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت اور عموم بلویٰ کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی، اہل زمانہ کے عقود ومعاملات اور تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیرات زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصد شریعت اور حکمت تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان وپاسبان ہے، اور اس پر جذبۂ خدمت خلق اور کمال اخلاص وللہیت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت وہ آپ کا وصف ممتاز اور موہوب خداوندی ہے، جس نے آپ کو آپ کے تمام اقران وامثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کر دیا، ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دار الافتاء کے مفتی اعظم

ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔

سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اورانہوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا یا نئے قائم کئے اورفتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعت دین اورمخلوق کی رہبری و ہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے۔

فقیہ الامت اور مفتیٔ اعظم ہند کا خطاب

ادھر حضرت والا کے تحقیقی فتاویٰ کی متعدد مبسوط جلدیں شائع ہوکر علمی وفقہی اورتحقیقاتی دنیا میں حضرت والا کی جلالتِ شان اورکمال فقاہت کالوہا منوا چکی ہیں جس کی وجہ سے آج پوری علمی دنیا میں حضرت والا کوفقیہ الامت اور مفتیٔ اعظم ہند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت والا کے فتاویٰ پر اعتمادِ اکابر

حضرت والاقدس سرہ کے فتاویٰ پر اکابر کواعتماد ابتداء ہی سے رہا، اسی کمال اعتماد کی بنا پر اکابر مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نور اللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہر علوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف آوری کے بعد

یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے برابر کوشاں اور ساعی رہے۔

اور اسی کمال اعتماد کی بنا پر مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی صدارت اور مفتی اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابر دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نوراللہ مراقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا، دیگر مفتیان کرام کی آراء اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوئیں تو حضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے اور فیصلہ کن اور قابل اعتماد سمجھی جاتی۔

قرآن سے عشق وتعلق

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے تعلق ومحبت کا لازمی نتیجہ اس کتاب سے عشق ومحبت ہے چونکہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، عشق کے لئے اس دار دنیا میں بجز کلام اللہ کے اور کوئی چیز تسلی کی نہیں کہ عشاق کو جب محبوب کا وصال نصیب نہیں تو اس کے کلام اور نام سے ہی تسلی اور لذت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت والا قدس سرہ کے قلب میں عشق الٰہی کی جو قندیل روشن تھی اس کا روغن آپ قرآن پاک سے ہی حاصل فرماتے تھے، مشہور ہے مَنْ اَحَبَّ شَيْئاً اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ جس کو جس شے سے تعلق ہوتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، حضرت والا قدس سرہ کو قرآن پاک سے وہ تعلق خاطر تھا کہ ہر وقت زبان مبارک پر قرآن پاک کی تلاوت

جاری رہتی تھی، سفر میں ہر وقت تلاوت کلام پاک کا محبوب ترین مشغلہ تھا، سہارنپور سے گنگوہ پیدل سفر فرمایا کرتے اور اس مسافت میں ۲۲/۲۰ پارے ختم فرما لیتے تھے۔

ایک لمبے عرصہ تک یومیہ تمام قرآن پڑھنے کا معمول رہا جس میں نصف قرآن نماز میں ہوتا تھا اور گھنٹوں نماز میں ایسی محویت ہوتی تھی گویا: قرّۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کی تفسیر سامنے آجاتی تھی اور اَرِحْنَا بِالصَّلوٰۃِ یَابِلَال (بلال ہم کو نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ) کا مفہوم سمجھ میں آجاتا۔

حضرت والا قدس سرہ کی نماز دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا قدس سرہ کا اس عالم سے رشتہ منقطع ہو کر محبوب حقیقی تعالیٰ شانہ کے ساتھ وصال کی نعمت سے سرشار ہیں، اخیر میں کثرت امراض اور ضعف شدید کی بنا پر جب کہ چلتے ہوئے چکر پر چکر آتے تھے، کھڑے ہوتے ہوئے چکر آتے تھے، مگر نماز میں وہی سکون اور اطمینان کی کیفیت رہتی تھی بلکہ نماز میں ایک نئی تازگی اور نیا نشاط حاصل ہوتا تھا، ایک دفعہ ارشاد فرمایا سجدہ سے کھڑا ہونا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔

مظاہر علوم و دارالعلوم میں بہت سے طلباء اذان پر مسجد میں پہنچ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، حضرت والا قدس سرہ ہمیشہ اذان فجر پر بعض دفعہ اذان سے قبل مسجد پہنچ جاتے اور اذان پر فجر کی سنت پڑھ کر تلاوت و تسبیح میں مشغول ہوتے اور طلباء کی تلاوت کلام پاک کی آوازوں سے دل و جان کو سرور بخشتے اور محظوظ ہوتے۔

طالبین و مسترشدین کو خصوصاً روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کی تاکید فرماتے، اور حفاظ کو کم از کم تین پارے نفلوں میں پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

اتباعِ سنت

حضرت والا قدس سرہ کے اندر اتباع سنت کا جو جذبہ اور شیفتگی تھی اس کو اس شعر سے تعبیر کر سکتے ہیں:

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اتباعِ سنت میں حضرت والا کو گویا کمال فنائیت کا درجہ حاصل تھا، عبادات سے لے کر طبعی مرغوبات تک میں اتباع سنت کا پورا اہتمام رہتا تھا گویا سنت کے علاوہ نہ کسی چیز کی رغبت تھی نہ خواہش، خواہش ورغبت تھی تو سنت کی یہی آپ کے یہاں اصل بزرگی اور ولایت کی نشانی تھی اور اتباع سنت کے بغیر بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

عبادات میں آداب وسنن کا اہتمام

اس لئے حضرت والا قدس سرہ زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا معاشرت سے قدم قدم پر سنت نبوی ﷺ کی پیروی فرماتے تھے اور کسی حال میں بھی اس بارے میں سرِ موفرق نہیں آنے دیتے تھے، ہر وقت باوضو رہنا عادت شریفہ میں داخل تھا، عبادت میں ہر ہر رکن میں آداب وسنن کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے، مثلاً نماز میں قیام وقرأت سنت کے موافق (کمال خشوع وخضوع کے ساتھ) اس کے بعد رکوع بھی موافق سنت، ہر رکن میں پوری تعدیل اور ہر جز میں کامل سکون، غرض کہ سنت وآداب ومستحبات کی پوری رعایت فرماتے۔

تصنیفات وتالیفات

(۱)مسئلۂ تقلید اور جماعت اسلامی: مفتی صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ بتلایا ہے کہ اسلام میں تقلید کی کس قدر اہمیت ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے، نیز یہ کہ تقلید کے بارے میں جماعت اسلامی کا نظریہ علمائے حق کے عقیدہ سے کس درجہ مطابقت رکھتا ہے اس کو بھی واضح کردیا تالیف گومختصر ہے مگر قابل مطالعہ ہے اس کے ۳۲ صفحات ہیں۔

(۲) حواشی بہشتی گوہر: بہشتی گوہر مختلف ناشروں کے یہاں سے طبع ہوا اور ہر ناشر نے کچھ نہ کچھ کمی زیادتی کی اس پر حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ سے درخواست کی گئی کہ آپ اس پر نظر ثانی فرمائیں تاکہ معتمد ومعتبر ہوجائے، حضرت نے عدم فرصت اور تنگی وقت کا عذر فرماکر لکھا کہ وہیں مظاہر علوم کے علماء میں سے کسی سے نظر ثانی کرالو، چنانچہ مولانا الحاج قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم اور مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب زادمجدہ نے نہایت جانفشانی سے ان مسائل کی تحقیق فقہ کی معتبر ومستند کتابوں سے کرکے مسائل کی اس طرح تصحیح فرمائی کہ اصل عبارت کو باقی رکھ کر حاشیہ پر اس کی تصحیح کردی۔

(۳) مسئلہ تنقید اور جماعت اسلامی: تنقید کے متعلق مودودی صاحب کا نظریہ اور اس سے پیدا شدہ مفاسد کا اسمیں تفصیلی تذکرہ کردیا گیا اور ہر کس وناکس کو ناقد بنادینے کے جو نقصانات ہیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، ماہنامہ ''نظام کانپور'' میں یہ مضمون متعدد قسطوں میں شائع ہوا۔

(۴) گلدستۂ سلام: نومبر ۱۹۷۶ء میں میڈیکل ہسپتال کلکتہ میں حضرت مفتی صاحب زادمجدہ آنکھ کے آپریشن کی غرض سے داخل ہوئے، وہاں کے زمانۂ قیام میں ''گلدستۂ سلام'' کے نام سے ایک نعتیہ قصیدہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا اس قصیدہ میں آپ کے معجزات اور اوصاف وکمالات کا بھرپور تذکرہ ہے یہ فارسی زبان میں کہا گیا ہے، حضرت مفتی صاحب کے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور ان تمام آیات واحادیث اور معجزات، اوصاف وخصائص کی تشریح کر دی جن کا اشعار میں اختصار کے ساتھ تذکرہ ہے، یہ قصیدہ عشق ومحبت اور درد وسوز کا ایک بیش قیمت اور بیش بہا مجموعہ ہے۔

(۵) نغمۂ توحید: اس کتاب میں بتلایا گیا ہے کہ عالم کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتا ہے اور ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے جلال وکمال کا مظہر ہے، اصل کتاب فارسی میں ہے اسکا اردو ترجمہ سلیس اور آسان زبان میں کر دیا گیا ہے اس کے ۴۸ رصفحات ہیں۔

(۶) وصفِ شیخ: اس کتاب میں حضرت اقدس قطب العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زادمجدہ کے اوصافِ عالیہ، کمالات، دینی خدمات اور عشق رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ عجیب جذب وشوق اور وارفتگی کے انداز میں کیا گیا ہے، یہ کتاب منظوم فارسی میں ہے ۸۳ راشعار پر مشتمل اوصاف کی تشریح وتوضیح اور ان کی تاریخ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے کی ہے۔ رمضان المبارک

۱۳۹۹ھ میں یہ پہلی مرتبہ مکتبہ محمودیہ جامع مسجد میرٹھ سے شائع ہوئی۔

(۷) اسبابِ غضب حدیث کی روشنی میں: اس کتاب میں ان اعمال واسباب کو بیان کیا گیا ہے جن کے کرنے پر انسان اللہ جل شانہ کے غضب اوراس کی پکڑ کا مستحق ہوجاتا ہے، اس موضوع پر اس کتاب میں ایکسو پینتالیس احادیث لکھ کران کی توضیح وتشریح کردی گئی، توضیح وتشریح مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے کی ہے۔

(۸) حقوقِ مصطفیٰ ﷺ: نبی کریم ﷺ کے اس امتِ مرحومہ پر لاتعدُّ ولاتحصیٰ احسانات ہیں، امت کسی بھی احسان کا حق ادانہیں کرسکتی، اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا تفصیلی تذکرہ ہے مولانا محمد فاروق صاحب موصوف نے ۱۴۰۰ھ میں اس کتاب کو مرتب کیا ہے، دیوبند سے یہ کتاب شائع ہوئی (علمائے مظاہرعلوم سہارنپور ص ۳۳۰ ر ج ۲)۔

(۹) فتاویٰ محمودیہ: یہ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ ہے جو ہزاروں قیمتی مسائل وفتاویٰ پر مشتمل ہے جو کبار علماء کے حواشی کے ساتھ بار بار شائع ہورہا ہے اور طالبین فقہ وفتاویٰ کے لئے ایک بہت بڑا مرجع بنا ہوا ہے، جو بیس جلدوں میں شائع ہوا۔

(۱۰) خطباتِ محمود: یہ حضرتؒ کے خطبات کا ایک بہترین مجموعہ ہے جو حضرتؒ نے متعدد موقعوں پر ارشاد فرمائے اور جن سے بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی اور آرہی ہے، یہ سب حضرتؒ کے بہترین باقیات صالحات ہیں۔

(۱۱) مسلک علماءِ دیوبند اور حب رسول ﷺ: آپ سے سفرِ کشمیر کے دوران اکابر دیوبند کے متعلق سوالات کیئے گئے، حضرت زید مجدہم نے جوابات ارشاد فرمائے

جس سے بہت سے حضرات کی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور وہ تائب ہوئے۔

(۱۲) حدودِ اختلاف: یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد شان کی حامل ہے موجودہ اختلافات کا بہترین حل ہے، اختلافات کے اصول وحدود قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۳) آسان فرائض: علمِ میراث کے کثیرالوقوع مسائل وقواعد اس رسالہ میں سہل وعام فہم اردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۴) حقیقتِ حج: حج کے باطنی فوائد وثمرات کے موضوع پر نہایت قیمتی مضامین پر مشتمل رسالہ ہے۔

(۱۵) رفعِ یدین اور قرأت خلف الامام: ایک غیر مقلد عالم کے جواب کا جائزہ نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

(۱۶) اسبابِ لعنت کی چہل حدیث: جن کاموں کے کرنے پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے اس کے متعلق چالیس احادیث کو مع ترجمہ وتشریح جمع کیا گیا ہے۔

(۱۷) آپ کے خلفاء اور تلامذہ: آپ کے تلامذہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں اچھی بڑی شخصیات ہیں، اسی طرح آپ کے خلفاء بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں جن کی بہت بڑی تعداد ہے ان کا تذکرہ ذکرِ محمود میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱۸) شوریٰ واہتمام: یہ رسالہ غیر جانبدارانہ اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

(۱۹) عورت کی خلافت وامامت: اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے۔

(۲۰) ارمغان اہلِ دل: اہل اللہ کے ایمان افروز واقعات کا مجموعہ۔

آپ کے مشہور خلفاء

(۱) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۲) حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند۔

(۳) حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مفتی واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات۔

(۴) حضرت مولانا محمد سلمان صاحب محدث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سہارنپور۔

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد علی صاحب بھوپالی مدرس دارالعلوم زکریا، زکریا پارک افریقہ۔

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی، استاذ دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔

(۷) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور، خادم خاص فقیہ الامتؒ جوہانسبرگ ساؤتھ افریقہ۔

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صالح جی، مہتمم مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ دربن۔

(۹) حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب دیسائی، استاذ مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ دربن۔

(۱۰) حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، مفتی واستاذ حدیث دارالعلوم زکریا زکریا پارک لینیشیا۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب سالوجی، مہتمم دارالعلوم زکریا، زکریا پارک لینیشیا۔

(۱۲) حضرت مولانا حسین احمد صاحب، مدرسہ اسلامیہ ناشر العلوم پانڈولی سہانپور۔

(۱۳) حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب ابن مولانا اسلام الحق صاحب راندیر سورت گجرات، مقیم حال برطانیہ۔

(۱۴) حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب انبہٹوی، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری، مفتی دار العلوم دیوبند۔

(۱۶) حضرت مولانا مفتی سید خالد صاحب، مفتی مظاہر علوم سہانپور۔

وفات

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کے بعد شب سہ شنبہ میں بروز دوشنبہ جنوبی افریقہ میں وفات فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے انتقال پُر ملال کے موقع پر آپؒ کے متعلق

حضرت مولانا الحاج قاری شریف احمد صاحبؒ کی ایک تحریر

موت العالِم موت العالَم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آہ! وفات حسرت آیات فقیہ زماں حضرت الحاج مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ اکابر گنگوہ کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی حضرت مفتی صاحب، جو اپنے زمانہ کے سب ہی اکابر کے معتمد علیہ، علمی و روحانی کمالات میں یکتائے روزگار، علم و عرفاں کا سمندر، ذہن ثاقب، حذاقت طبع بے مثال، ذکاوت و فراست، ذہن و حافظہ وسیع، مسائل و فقہ میں کلیات و جزئیات کا استحضار، علمی و الزامی جواب کا کمال، حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز کے سچے جانشیں، نشست گاہِ قاسمی کے علمی، روحانی، تجدید کنندہ، عسر و یسر کے وقت بھی سخاوت و داد و دہش، دوسروں پر خرچ کرنا جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، غرضیکہ حضرت موصوف کے کن کن اوصاف کو گنوایا جائے، وطن و جائے قیام سے ہزاروں میل دور افریقہ کے مشہور شہر جوہانس برگ میں اپنے مخلص ومحبّ و خادم خاص مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور کے مکان پر ۱۸؍ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ مطابق ۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء سہ شنبہ کی شب میں ۱۱؍بجے اپنی عمر عزیز کے بانوے سال پورے کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، انا للہ و انا الیہ راجعون آپ داغ کے اس شعر کے مصداق بنے:

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے　　　مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

چلے گئے، صبر کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین، اور اہل گنگوہ کو کوئی نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

احقر شریف احمد

ناظم و مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حضرت الاستاذ شیخ و مرشد مفتی صاحبؒ کی ذات شریعت و طریقت کا سنگم تھی، آپ نے زندگی بھر شریعت اور طریقت دونوں کی زبردست خدمت فرمائی اور دونوں لائنوں میں باکمال لوگوں کو چھوڑا اور دونوں لائنوں میں آپ کی طرف منسوب کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں، جہاں ایک طرف ''فتاویٰ محمودیہ'' کی شکل میں آپ کے تفقہ اور افتاء کے چشمے جاری ہیں اور دنیا ان سے فیضیاب ہو رہی ہے وہیں آپ کے خلفاء اور

مسترشدین کے ذریعہ طریقت کی لائن میں آپ کے فیوض وبرکات عالم میں جاری وساری ہیں اور ایک خلق اللہ فیضیاب ہورہی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ سے یہ ناکارہ مؤلف بھی طالب علمی کے زمانہ میں منسلک تھا اور آپ بہت محبت وشفقت فرمایا کرتے تھے اور بہت سی کتابیں بھی آپ نے عنایت فرمائیں، جو آپ کے تبرکات کی صورت میں مؤلف کے پاس محفوظ ہیں، نیز دارالعلوم دیوبند میں افتاء کے سال حضرت موصوفؒ سے الاشباہ والنظائر پڑھی اور بہت دفعہ آپ کے سامنے عبارت پڑھنے کا موقع ہوتا تھا اور پھر سبق کے بعد کافی کافی دیر تک آپ کے پاس بیٹھنے اور خدمت کا موقع ملتا تھا اور بہت دفعہ مسائل کے جوابات آپ کو سنا کر آپ سے ہدایات لینے کا موقع حاصل ہوا، اس طرح حضرت موصوفؒ کی رہنمائی سے بہت سی راہیں کھلیں، موقع کی مناسبت سے یہاں چند خطوط ذکر کئے جاتے ہیں۔

دین کی خدمت کیلئے اخلاص کی دعاء

محترمی مولانا خالد سیف اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا دل سے دعا کرتا ہوں خداوند تعالیٰ آپ کو علم دین کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ مشغول رکھے، واقفین کو حسب صوابدید سلام مسنون، فقط والسلام۔

سلام از ابراہیم دعاؤں کی درخواست

املاہ العبد محمود غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۰۳ھ

خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے

عزیزم مولوی خالد سلمہ سلام مسنون!

آپ کا پرچہ ملا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دورۂ حدیث شریف کی دولت عطا فرمائی مبارک ہو، خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے، آپ آئندہ ایک سال اور دورہ میں لگانا چاہتے ہیں اس میں منفعت کا پہلو تو ظاہر ہے لیکن دوسرے مضرت کے پہلو بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے، فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۹ رشوال ۱۴۰۵ھ

حضرت مفتی محمود صاحبؒ اور جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

نیز حضرتؒ کو جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ آپ کے وطن کا اکابر گنگوہ کے بعد باضابطہ طور پر پہلا مدرسہ تھا، آپ بارہا تشریف لاتے امتحانات لیتے، معائینہ جات لکھتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے، چنانچہ معائینہ جات کے رجسٹر میں جو آپ کے معائینہ جات ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں۔

نیز حضرتؒ کو والد بزرگوار جامع الاوصاف والکمالات حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کے ساتھ بھی بہت خاص تعلق تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ بھی بچپن سے آپ کے قریب تھے، بکثرت آنا جانا، خدمت کرنا، پڑھنا اور مشورے لینا ان کا عمل تھا، چنانچہ دونوں حضرات میں کس قدر محبت اور تعلق کا رشتہ تھا اور ایک گونہ بے تکلفی کا تعلق وہ ایک دوسرے کو بے تکلف مشورے دینے سے ظاہر ہوتا ہے جو ان

حضرات کے باہمی گہرے ربط اور تعلق کا آئینہ دار ہے، جبکہ تکلف رکھنے والا مرید یا شاگرد اس قسم کے بے تکلف مشورے اور باتوں سے محروم رہتا ہے، پھر ایسا سمجھنا کہ حضرتؒ کو جامعہ سے یا ارباب جامعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ ان کی حیات میں بعض لوگوں نے اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈے اور قبیح افواہیں ایک خاص مقصد کے تحت پھیلائی تھیں، ان تمام خطوط سے ان سب کی تردید ہوتی ہے اور صحیح صورتِ حال سامنے آجاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو جامعہ اشرف العلوم کے ساتھ شروع ہی سے خاص تعلق تھا، خصوصاً اسلئے بھی کہ یہ آپ کی بستی کا اکابر گنگوہ کے بعد باضابطہ شروع ہونے والا سب سے پہلا مخلصانہ کردار تھا، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ تشریف لاتے تعلیمی جائزہ لیتے اور معائنہ جات لکھا کرتے تھے، چنانچہ مدرسہ کے قدیم رجسٹر سے آپ کے لکھے ہوئے چند معائنے نقل کیے جاتے ہیں۔

معائنہ جات حضرت اقدس مفتی صاحبؒ

عام مسلمانوں سے عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً تعاونِ مدرسہ کی اپیل

حامداً و مصلیاً. احقر نے مدرسہ کے چند طلبہ کا قرآن کریم سنا بفضلہٖ تعالیٰ ابتدائی بچے بھی تجوید سے پڑھتے ہیں اور نماز، وضوء، غسل کے مسائل بھی بچوں کو خوب یاد ہیں، اللہ پاک ترقی و برکت عطا فرمائے اور کارکنانِ مدرسہ کو بیش از بیش خدمت و اخلاص کی توفیق دے، مدرسہ میں طلبہ زیادہ ہیں اسلئے کم از کم ایک مدرس کا فوری طور پر اضافہ ضروری ہے، عامۂ مسلمین کو عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً مدرسہ کی ہر نوع کی امداد ضروری اور لازم ہے و اللہ الموفق لما یحب و یرضیٰ۔

العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۴/۱۰/۱۳۶۵ھ

اہلِ گنگوہ اسکی قدر کریں

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

آج ۱۸ر شوال ۱۳۶۵ھ کو حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نفعنا اللہ بطول بقائہ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا غلام رسول صاحب جالندھری مع دیگر چند احباب گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لائے اور ایک بچے سے چند آیات سنیں اور کچھ مسائل سنے جس سے حد درجہ مسرور ہوئے اور اہلِ گنگوہ کو اس دینی خدمت پر مبارکباد دی، نیز اپنی بابرکت دعاؤں سے نوازا، احقر بھی ہمرکاب تھا، قلتِ وقت کیوجہ سے کوئی معائنہ تحریر نہیں فرما سکے اور بندہ

کوحکم دیا کہ اہل گنگوہ کو ترہیب وترغیب کیلئے ایک تحریر ہماری طرف سے لکھدینا، لہذا گزارش ہے کہ ان اکابر اہل اللہ کا مبارکباد دینا انتہائی سعادت اور مدرسہ کیلئے امید افزاء اور فالِ نیک ہے، اسلئے اہل گنگوہ اسکی قدر کریں اور پوری جدوجہد اور زائد از زائد خلوص وللّٰہیت کیساتھ مدرسہ کی خدمت وامداد کو سرمایۂ سعادت اور بہت بڑا ذریعہ رضائے خداوندی سمجھیں، توقع قوی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت جلد اس مدرسہ کو ترقیات کے ثمرات عطا فرمائیں گے، وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو علی کل شئی قدیر وبالاجابۃ جدیر فقط ۔ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۸/۱۰/۱۳۶۵ھ

بفضلہٖ تعالیٰ سب طلبہ کامیاب ہوئے

حامداً ومصلیا احقر نے جناب قاری حافظ محمد ابراہیم صاحب کے درجہ کا امتحان لیا ۹ر طلبہ نے حفظ امتحان دیا ۶ر نے ناظرہ، بفضلہٖ تعالیٰ سب کامیاب ہوئے نقشۂ امتحان میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہے جسکی جناب حافظ عبدالحکیم صاحب کو تفہیم کردی گئی، واللہ الموفق لما یحب ویرضی فقط ۔ حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین امابعد!

احقر نے بمعیت مولوی قاری شریف احمد صاحب ومولوی حافظ محمد اسحاق صاحب مدرسہ اشرف العلوم کا سہ ماہی امتحان لیا، نتیجہ نقشہ جات امتحان سے ظاہر ہے، اکثر طلبہ نے

بہت اچھا امتحان دیا، حق تعالیٰ شانہ اساتذہ وطلبہ وکارکنان مدرسہ کو استقامت ومزید اخلاص عنایت فرمائیں، بچوں میں کافی تہذیب ومتانت موجود ہے، مسائل نماز وطہارت سے بھی اکثر بچے واقف ہیں، فقط۔ احقر محمود حسن گنگوہی غفرلہ ۴؍صفر ۱۳۷۶ھ

احقر شریف احمد عفی عنہ، نیازمند محمد اسحاق گنگوہی

معائینہ جات میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

اس سب کے بعد یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں کے اساتذہ ان خدمات کثیرہ کے باوجود مشاہرہ بہت قلیل لیتے ہیں، حالانکہ اگر کسی دوسری جگہ تشریف لیجائیں تو زیادہ تنخواہ ان کو مل سکتی ہے، مگر چونکہ ان حضرات کو روپیہ کمانا ہی مقصود نہیں اور خدمت کلام اللہ شریف کو دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا بھی نہیں چاہئے اس لئے اس اقل قلیل قابل گذارہ مشاہرہ پر قانع ہیں اور دل نہاد ہو کر خدمت دین میں مشغول ہیں اور اپنی سب ضروریات کو خالق مسبب الاسباب کے سپرد کردیا ہے "من كان لله كان الله له " اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے، یقین ہے کہ حق تعالیٰ شان اس اعتقاد کی برکت سے ان حضرات کو پریشان نہ ہونے دیں گے اور خزانہ غیب سے ان کی ضروریات کو پورا فرماتے رہیں گے۔

ارکانِ مدرسہ کی خدمت میں بھی عرض ہے کہ مدرسین حضرات کا بیش از بیش خیال رکھیں اور ان کی خدمت اور دلجوئی کو سرمایۂ سعادت تصور کریں، یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہمارے ملازم ہیں اور ان کی خدمات کا معاوضہ ہم بصورت تنخواہ ادا کردیتے ہیں، کیونکہ خدمتِ قرآن کریم اور تعلیمِ دین کا کوئی معاوضہ دے ہی نہیں سکتا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی برحق محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل سے طلبہ

میں شوق، محنت، جذبۂ عمل، بڑوں کا ادب، علم کی قدر پیدا فرمائے اور اساتذہ میں استقامت، مزید اخلاص، طلبہ پر شفقت، توکل، اعتماد علی اللہ کا اضافہ فرمائے اور ممبران وجملہ باشندگانِ گنگوہ اور عامۂ مسلمین کے قلوب میں مدرسہ کی قدر وخدمت، اساتذہ واعانتِ طلبہ واشاعتِ دین کے جذبات کو قائم رکھے مضبوط ومستحکم فرمائے ترقی بخشے آمین فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/۴/۱۳۶۹ھ

وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کو جانتا ہے وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے جو پیسہ وہاں جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ صحیح مصرف میں صرف ہوگا، فقط۔

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

خطوط حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ بنام حضرت والد صاحبؒ

ان شاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائیں گے

مکرم محترم زید احترامہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا آپ کی پریشانی سے قلق ہے حق تعالیٰ سکون دے حالات کو سازگار کرے۱ بار قرض سے سبکدوش فرمائے نقصان سے بچائے ”یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

---

۱ مدرسہ کے معاملات میں مخالفت کا کوئی معاملہ ہوگا جو ہوتا رہتا تھا، حاسدین اور مفسدین کو مدرسہ اور اس کی ترقی برداشت نہیں تھی اس لئے مسلسل رکاوٹیں اور قسم قسم کی نازیبا حرکتیں کرتے تھے، مگر باری تعالیٰ نے سب سے حفاظت فرمائی اور مدرسہ کو عروج بخشا فللہ الحمد۔

اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین ''کا ورد کثرت سے کریں ان شاءاللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائیں گے، والسلام۔

احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۳/۱/۱۳۸۳ھ

حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھیں ضرور نصرت فرمائیں گے

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا پریشانی کا حال معلوم ہوکر قلق ہوا، حق تعالیٰ آپ کو اس پریشانی اور تمام پریشانیوں سے نجات دے، بار قرض سے سبکدوش فرمائے ہر قسم کے شرور سے محفوظ رکھے، دین کی خدمت کا موقع دے، میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں اور حق تعالیٰ کے ساتھ پورا حسن ظن رکھیں کہ وہ ضرور آپ کی پوری نصرت فرمائیں گے، والسلام۔

احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۸/۱۰/۱۳۸۴ھ

مدرسہ کی ترقی پر اظہارِ مسرت

مکرم محترم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا مدرسہ کی ترقی سے مسرت ہوئی، ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ کے عشرۂ اولیٰ میں جس روز دل چاہے تشریف ارزانی فرمائیں، والسلام۔

احقر محمود غفی عنہ ۲۸/۱۰/۱۳۸۱ھ

مدرسہ میں دورۂ حدیث کا آغاز پرانی تمنا

مکرم محترم الحاج قاری شریف احمد صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث یاد آوری اور موجب مسرت ہوا، اس میں جناب نے اپنے پرانے لگاؤ کے تحت جو مشورہ دیا ہے اس سے تو بہت ہی خوشی ہوئی مگر مشورہ بہت مجمل ہے جو صاف سمجھ میں نہیں آیا، امید کہ وقتِ ملاقات اس کی وضاحت ہو جائے گی، اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے آپ کے مدرسہ میں دورۂ حدیث پاک شروع ہو گیا یہ یقیناً میری پرانی تمنا ہے جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے قبول فرمائے۔

عزیز مولوی خالد سلمہ نے دورہ پڑھ لیا اس پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، خدائے تعالیٰ علوم نافعہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے نوازے، ان کے لئے دوبارہ دار العلوم میں دورہ پڑھنا تجویز فرما رہے ہیں اس کو بھی حق تعالیٰ نافع فرمائے مضرتوں سے محفوظ رکھے، میں نے یہاں آپ کے مدرسہ کے لئے بھی بعض متعارفین سے کہا ہے بلکہ نام اور پورا پتہ لکھوا دیا ہے، اللہ تعالیٰ مثمر فرمائے، فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۹ر شوال ۱۴۰۵ھ

گنگوہ میں دینی فضاء کے قیام کی تمنا

مکرم و محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا اجتماع قابل مبارکباد ہے، خدائے پاک اصول کی پابندی اور اخلاص و استقامت عطا فرمائے اور مکارہ سے محفوظ رکھے، حضرات نظام الدین کی تشریف آوری کی خبر سے بہت بہت مسرت ہوئی، کیا بعید ہے کہ گنگوہ کی بنجر زمین میں بھی کچھ تازگی پیدا ہو اور کچھ سبزہ اگ آئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اس کی بڑی تمنا تھی اور مدت دراز

تک بڑی بڑی جماعتیں بھیجتے رہے، ممکن ہے کہ ان کی تمنا پورا ہونے کا وقت آ گیا ہو اور آپ کے ہاتھوں پوری ہوا یہاں کل حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری متوقع ہے غالباً متعدد حضرات بوڈر پر تشریف لے جا چکے ہیں، ادھر امتحان تقریری شروع ہو چکا ہے اور تحریری شنبہ سے شروع ہے، جمعہ کو سہارنپور ''ختم مسلسلات'' میں بہت بڑا مجمع تھا دار جدید میں درس ہوا مسجد بھی ناکافی ہوگئی دور دراز سے لوگ آئے مگر آپ نہیں تھے اور بھی کوئی صاحب گنگوہ کے نظر نہیں پڑے ممکن ہے کہ مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ پڑے ہوں، بفضلہٖ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ختم ہوگیا اور یہ ناکارہ رات کو ہی سہارنپور پہونچ گیا تھا بنا بر حسب معمول جمعہ کو بعد مغرب واپس آیا یہاں خیریت ہے، ممکن ہے کہ میں بھی شنبہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں والأمر بید اللہ تعالیٰ، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۷/۱۳۸۸ھ

آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے

مکرم محترم مولانا الحاج القاری المقری شریف احمد صاحب

شرفکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا آپ جو کچھ علمِ دین کی خدمت کر رہے ہیں جملہ

---

[1] مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ طلبہ کے اندر دعوت وتبلیغ اور ہر ہفتہ جمعرات کو عوام میں بھیجنے کا سلسلہ حضرت والد ماجدؒ نے بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا اور اب تک جاری وساری ہے اور اس کے کافی فوائد ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

اساتذہ وملازمین وطلبہ آپ کے رہینِ منت ہیں اہل بستی بھی شکر گزار ہیں کہ آپ کی وجہ سے یہ باغیچہ موجود ہے، ترقی کررہا ہے، حق تعالیٰ اس کو مزید مادی ومعنوی ترقیات سے نوازے، ثمراتِ صالحہ مرتب فرمائے، دشواریوں کو دور کرے مکروہات سے بچائے، آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض" دل میرا بھی چاہتا ہے کہ مدرسہ میں کتب خانہ کا کمرہ ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے عرض بھی کیا تھا مگر اس وقت آپ نے اس طرح سنا جیسے یہ بالکل بے فائدہ اور غیر متعلق بات ہے یہ سوچ کر خاموش ہوگیا کہ ع

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

جناب کو شاید پورا علم نہیں کہ میری جس قدر تنخواہ ہے تقریباً اسی قدر خرچ ہے کچھ پس انداز نہیں ہوتا، نہ ڈاکخانہ یا بینک میں کچھ جمع ہے، یہ بھی حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ قرض بھی نہیں آیا ضرورت پوری ہوئی خرچ ہوگیا۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۲۳/۱۱/۱۳۹۵ھ

ایک حادثہ ایک خواب

حضرت والا سیدنا المحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا، آپ کے گرنے اور چوٹ لگنے کے واقعہ سے بیحد تشویش ہے، یونہی اگر گرجانا ہوجاتا تو کوئی خاص بات نہیں تھی مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی اسکیم کے تحت کسی نے کچھ کردیا جس سے یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ پہلے بھی

آچکا ہے، بہر حال خود ہی توجہ دینے اور اس کا علاج کرنے کی زحمت فرمانے کی ضرورت ہے ہلکی سی بات خیال کر کے کچھ نہ کیا لیکن زیادہ کا اندیشہ ہے، بہر حال اس خادم کی گزارش پر توجہ فرما کر ضرور کچھ نہ کچھ فرمادیں۔

گزشتہ ہفتہ ایک خواب دیکھا کہ میں ایک سڑک پر جارہاہوں سامنے ایک بڑا درخت ہے جس پر ایک محال ہے، بہت سے لوگ جمع ہیں سب محال توڑنے کی فکر میں ہیں مجھے ان کو دیکھ کر کسی قدر وحشت اور دہشت ہوئی اور اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا، خواہش ہوئی کہ میں بھی شہد حاصل کرتا فوراً ہی محال کے اندر سے ایک چھتا مع شہد جس میں ایک ڈنڈی بھی لگی ہے میرے ہاتھ میں آگئی اور سب لوگ جو جمع تھے وہ دیکھتے ہی رہ گئے تعبیر سے مطلع فرمائیں۔

مسجد کا کام برابر جاری ہے آٹھ ڈاٹیں تیار ہوگئیں صرف تین ڈاٹیں باقی ہیں جن کی تیاری ہورہی ہے ویسے ہر طرح مدرسہ کے حالات بہتر ہیں، دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے فقط۔ احقر شریف احمد ۲۱ رصفر ۱۳۹۳ھ

حضرت مفتی صاحبؒ کا مختصر جوابی مکتوب

مکرم محترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیریت ہوں حق تعالیٰ حفاظت فرمائے، آپ نے توجہ دلائی شکریہ آپ کے تعلق کی دلیل ہے جزاکم اللہ۔

تعبیرِ خواب

یہ علم دین ہے اللہ تعالیٰ آپ سے خدمت لے رہاہے اس کا فضل وکرم ہے، احسان

ہے، حق تعالیٰ ہر طرح مدد و حفاظت فرمائے، اللہ تعالیٰ تکمیل کردے، والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲/۲۳/ ۱۳۹۲ھ

کتب خرید لی ہیں

مکرم محترم مولانا الحاج القاری الحافظ شریف احمد صاحب مدت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے شرف فرمایا کتب خرید لی ہیں جب دل چاہے جس طرح مناسب ہو منگالیں، حق تعالیٰ فیوض میں ترقی مرحمت فرمائے والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱/۲۴/ ۱۳۹۶ھ

تذکرہ حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود صاحبؒ

آپ ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۱۰ء بوقت دوپہر بروز یکشنبہ محلّہ غلام صابر میں پیدا ہوئے، ایک بار حضرت شیخ الہندؒ گنگوہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو محبت میں ''نھو'' فرمایا تو پھر آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے، حضرت علامہ مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم (وقف) دیوبند اپنی کتاب ''لالہ وگُل'' میں رص ۲۲۵ر میں لکھتے ہیں:

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پوتے دارالعلوم دیوبند کے فاضل حاذق طبیب اور گوشہ نشیں دانشور، لباس و پوشاک نفیس، گفتگو نستعلیق، ان کی اردو عرب کے صحرا سے اس طرح گزری کہ اردو برائے نام اور عربی کا غلبہ تمام، حافظہ بے نظیر، مضامین متحضر، بولنے پر آتے تو بے تکان بولے چلے جاتے، ناز میں پلے ہوئے، نیازمندی سے بہت دور، مرزا مظہر جان جاناںؒ نے لکھا ہے کہ ''نازک مزاجی لازم صاحبزادگیست'' مرزا مرحوم کے اس قول کی تصدیق حکیم صاحب کو دیکھ کر کرنی پڑتی ہے مشہور مقولہ ہے کہ بیوی اور خادم کسی کے معتقد نہیں ہوتے، خاکسار کی جانب سے اس میں صاحبزادوں کا بھی اضافہ کرنا چاہئے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حکیم صاحب کو حضرت علامہ کشمیری صاحب مرحوم سے بے پناہ عقیدت تھی، خاکسار سے فرمایا کہ میں جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کو ارادتاً پہروں دیکھتا اور یہ سوچتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی رفتار و گفتار، آپ کی نشست و برخاست، قعود و قیام،

لباس و پوشاک، انداز کلام و گفتگو اس طرح ہوگا (ماخوذ از لالہٗ وگل رص ۲۲۵)۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی تحریر کا ایک نمونہ

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے لکھا جو بلاشبہ بہت بڑے ادیب تھے، چنانچہ آپ کی ایک تحریر بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا قلم کس انداز کا تھا، جس زمانہ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں متعلم تھے اس زمانہ میں آپ نے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے حالات پر ایک مختصر رسالہ لکھا تھا، جس کا مقدمہ آپ نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے:

''میں بھی کتنا خوش قسمت ہوں کہ میرا تخیل مجھے بنی آدم کے ان پاکیزہ نفوس کی مقدس سرحد پر لیجارہا ہے جن کے اوپر دنیا نے فخر کیا اور جن کی معیت کے کیف نے ایک عالم کو بیخود بنادیا، گو آج سے قبل میرا شیشۂ تقدیر کتنا ہی مکدر تھا لیکن مجھے فخر ہے کہ یہ تکدر خیزیاں آج برہم ہوگئیں کیونکہ انہیں مقدسین اور آفتابہائے علوم نے جو مشرقی پردے اٹھائے تھے اور انہیں کے سپیدۂ تنویر نے جو مسکرا مسکرا کر شب دیجور کی تاریکیاں چمکائی تھیں آج انہیں کا تذکرہ میری زبان پر ہے اور انہیں کے حالات میرے قلم پر''۔

پڑھنے والو! تم ان کے محسوساتِ دلسوز سے آگاہ ہوجاؤ! ان کی ضیا پاشیاں ملاحظہ کرو، منجمد تاریکیوں کا خاتمہ انہیں جیسے چمکنے والے نیّروں کا شرمندۂ احسان ہے، فضائے نوری میں انہیں جیسے افراد کے نقوش بنتے ہیں اور ضیاء معطر میں انہیں جیسے لوگوں کی ترنم ریزیاں رونما ہوا کرتی ہیں۔

کتنا تعجب خیز ہے یہ امر کہ ہندوستان جیسے کفرستان میں جہاں ایمان کا اپنے جادۂ مقرر سے ہٹ کر کفر والحاد کی فضا میں تحلیل ہو جانا بالکل یقینی تھا، انہیں جیسے مقدسین کے پیکروں نے اپنے دلدوز نغموں سے بجائے خود تحلیل ہو جانے کے اس کو تحلیل کر کے ایمانی ترنم بپا کر دیا، اور کفرستان کو ایسا منور کیا کہ تنویر ہر جزو نے نبویؐ اخبار کی تصدیق پیش کر کے مسرت کا ایک گیت گایا اور انبساط و بہجت سے سرشار ہو کر خدائے قدوس کی درگاہ میں سر نیاز خم کر دیا۔

میرے دوستو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہی وہ مقام ہے جس کی نکہتِ جانفزا کو عربی رسول ﷺ نے محسوس کیا اور مستقبل میں مہکنے والے علمی سدابہار پھولوں کی دلآویز مہک نے یکدم متوجہ کر دیا۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانتا ہے، یہ کسے خبر تھی کہ سرزمین ہند پر ایسی ایسی ہستیاں بھی اپنی رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہوں گی جن کے لامتناہی فیوض سے مشرق اور مغرب سیراب ہوگی، جن کی ضوفشانیاں عجم سے گزر کر عرب تک پہونچ جائیں گی، ہند کی تاریکیاں اسلام کے انہیں نونہالوں کی آغوش میں تحلیل ہو کر ندرفنا ہو جائیں گی اور ہند ہی ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں کے بسنے والے ایمانی نشاط سے سرشار ہو کر ایمان داروں کے لئے آغوش حفاظت پھیلا دینگے۔

محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ کا ہندوستان پر حملہ کرنا کیا تھا خدائی نوامیس کے بے نقاب ہونے کی تمہید تھی، ادھر مسلمانوں کی مداخلت ہوئی ادھر سمائے ہند پر علمی کواکب

چمکنے لگے، کہیں مجدد الف ثانی چمکے اور کہیں نظام الدین اولیاءؒ اور علاؤالدین صابریؒ، پھر کسی جگہ جلال الدینؒ اور عبدقدوسؒ سے ضیا پاشی ہوئی تو کہیں عبدعزیزؒ اور ولی اللہؒ جیسے لوگوں سے ضوفشانیاں شروع ہوگئیں، وفات نبویؐ کے بعد جب حضرات صحابہؓ طول ارض میں پھیلے تو فن حدیث کو ساتھ لیکر آئے، عبدالمالک ایک محدث تلمیذ سخاوی صحیح بخاری لے کر آئے ان کے متعلق کہا جاتا ہے ''کان حافظا للقرآن وصحیح البخاری'' علاؤالدین علی گجرات آئے، گجرات ہی باب العرب تھا، حدیث کا چرچہ شروع ہوا، شیخ طاہر پٹنی مصنف مجمع البحار امیر العلماء تھے، شیخ عبدالحق دہلویؒ نے دہلی کو مرکزی حیثیت بخشی، شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مجددانہ کارناموں کے ساتھ ساتھ اشاعتِ حدیث کے شائق وساعی رہے فصوص کے مقابلہ میں نصوص کی افضیت اقدمیت پیش نظر رہی، طالبین وسالکین کو برابر حدیث کی طرف توجہ دلاتے رہے ''فان القول ماقال الرسول'' انکا مذاق تھا اور ''والعلم ماکان قال فیہ حدثنا وما سواہ فوسواس الشیاطین'' کا ولولہ وورد ان کا حال تھا۔

اخیر میں مکتبِ ولی اللہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادرانِ عالی مقام نے نہ صرف ہندوستان بلکہ حجاز مقدس تک اس فیض کو پہنچایا اور ان کے خوان یغما سے گنگوہ، دیوبند، مظفرنگر، سہارنپور جیسے پسماندہ قریٰ بھی چمک اٹھے۔

غرض ہندوستان علماء کا گہوارہ اور صوفیاء کا مرکز بن گیا، سراپا داستانِ علوم، پیکر ان صداقت اور مجسمات سیادت اسی سرزمین سے پیدا ہونے لگے، پیدا ہونے والی کرنیں آوارہ ہوکر

سارے ہند پر چھا گئیں، ہند کی ضلالتیں مضطرب ہوکر انہیں کرنوں میں جذب ہوکر رہ گئیں۔

مگر آج وہی ہستیاں جن کا ہند مرہون منت اور جن کے اہل ہند شرمندۂ احسان تھے موت کی آغوش میں جا چھپیں، خدائے قدوس کی دعوت پر لبیک کہتی ہوئی ہمیں مضطرب اور پریشان چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں، ساری نورانیت اور کل شادابیاں انہیں کے ساتھ تھیں جب وہی نہ رہیں تو یہ بھی بے نور ہوکر رہ گئیں، سچ ہے کہ ریگستان کے ذرے خورشید ہی کے منت کش تابش ہیں، آہ وہ تصوف کے لطائف وہ علوم کی موشگافیاں آج نہ رہیں، وہ انجمن درہم برہم ہوگئی، دل والے نہ رہے، جانوں کا خدا حافظ، روحانی سرپرست اٹھ گئے، خدا ہی نگہبان ہے ہم بلاد اسلامیہ پر آنسو بہائے جائیں، اندلس میں قرطبہ اور جامعہ قرطبہ کو روئیں یا غرناطۂ بغداد اور دہلی وآگرہ پر دل کڑھائیں، روحانی سرپرستوں کا ماتم کریں یا ان کی برکات کو یاد کریں، آہ یہ تو بڑی خونچکاں داستاں ہے جسکے سننے کی تم میں طاقت اور جس کے تصور کا تم میں تحمل نہیں، مگر نہیں:

اے جنوں ہنگامِ وحشت بادیہ پیما نہ ہو
تنگیٔ دل میں تڑپ منت کشِ درماں نہ ہو

تم سنبھلو اور اٹھو! گہوارۂ چشم میں طفلِ اشک کو مچلنے نہ دو، اضطراب فضول ہے اور گریہ بے سود، پہلوں کے حالات اور اپنے بڑوں کی سوانح مجھ سے سنو، مگر نہ اس لئے کہ زیادہ روؤ اور بیتاب ہو بلکہ تقلید واتباع کرکے بام ترقی پر پہنچنا چاہو۔

یاد رکھو! تمہارے لئے بہترین استاذ تمہارے شفیق مرشد، اور مہربان مربی پہلوں

کے حالات ہیں اور تمہارے بڑوں کی سوانح تاریخ کے انہیں سیاہ نقوش میں اور کاغذات کے انہیں مجموعوں میں قوموں کی ترقی کا راز مضمر اور جماعتوں کی بلندی پوشیدہ ہوتی ہے، گرتے ہوؤں کو سنبھالنا اور چڑھتے ہوؤں کو ابھارنا اسی کا کام ہے۔

تمہارے ایک ادنیٰ فرد اور چھوٹے نے اسی ضرورت کو محسوس کر کے قلم اٹھایا ہے، پس کیا وہ امید کرے کہ اپنا اصل مقصد دیکھ سکے گا؟

ایک مدت سے ارادہ تھا کہ لوگوں اور خصوصاً پیرزادگان گنگوہ کے سامنے ان کے قریب ہی کے اجدادؒ کی مختصری سوانحِ عمر پیش کروں، مگر اپنی کم مائیگی یاس آفریں اور بے بضاعتی متامل کر رہی تھی، مستند کتب نایاب اور موجودہ ذخیرہ اتنا کم تھا کہ تشنگانِ ذوق کے لب تر نہیں ہو سکتے تھے، تاہم نکتہ نکتہ کی جستجو کر کے جو اور جتنا میسر آیا آج اس مبارک سلسلہ کی پہلی کڑی اور اول حصہ پیشکش اربابِ گنگوہ کرتا ہوں:

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈھ کر

دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

چونکہ یہ مقدس بزرگ سمائے شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے درخشندہ کوکب تھے، ضرورت تھی کہ ان کے حالات کے ساتھ ان مباحث پر بھی کچھ روشنی ڈال کر انطباق دکھلا دیا جاتا، مگر ناظرین معاف فرماویں کہ میں ان مسالک سے محض نابلد ہوں اور ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے بمشکل اپنی عمر کے ابھی صرف اکیس مرحلے ہی طے کئے ہوں اور اس کے ظاہری علوم بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچے ہوں ایسے دقیق

اہم اور بلند عنوانات پر کیسے بحث کرنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر مقدر نے مساعدت کی، حیات نے دامن نہ چھوڑا، الٰہی توفیق شامل حال رہی، ناظرین نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور آئندہ طباعت کا خیال پیدا ہوا تو اس قسم کی کمی ضرور پوری کی جائے گی اور وہ وقت بھی دور نہیں جب کہ اس مقدس سلسلہ کے باقی حصص بھی ناظرین کے سامنے آجائیں، انشاءاللہ۔

اس کتاب کی کل روایات میں کوئی روایت میری نظر سے ایسی نہیں گذری جس کو میں نے اصول روایت ودرایت کے خلاف سمجھتے ہوئے درج کردیا ہو، اکثر روایات وہ ہیں جن کا مستند کتب سے حوالہ دیا گیا اور جو ایسی نہیں وہ میری نظر میں کم از کم کسی ثقہ راوی سے ضرور مروی ہے، میرا خیال اس سوانح کے متعلق ایک وسیع پیمانہ پر تھا لیکن چونکہ مجھ جیسے عربی طالب علم کے لئے شعبان اور رمضان سے زیادہ فرصت کا وقت نہ تھا اور اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اگلے سال پر ملتوی رکھنے کی ناقابل بیان تکلیف برداشت کرتا، اس لئے جو اور جتنا اس عرصہ میں ہوسکا پیش کررہا ہوں، اخیر میں اتنا اور عرض کرونگا کہ ہر مصنف اور مؤلف اپنی کتاب لکھتے وقت رفاہ عام اور اپنی ایک یادگار چھوڑتے ہوئے ناظرین سے خیر اور دعائیہ کلمات کے ساتھ یاد رکھنے کی توقع جیسا اہم مقصد نظرانداز نہیں کرسکتا، علی ہذا اس کتاب کے لئے بھی یہی مقصد علت غائی کا درجہ رکھتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ گنگوہی اصحاب سے میری یہ توقع غیر معمولی ہے، لیکن اس موقعہ پر میں ان اصحاب کا شکرادا کئے بغیر نہ رہوں گا جنہوں نے اس کار خیر میں میری اعانت فرمائی اور کافی مادہ

اور امدادی کتب سے میرا بار گراں ہلکا کیا، میرا یقین ہے کہ اس خدمت کے اجور میں خدا چاہے یہ حضرات بھی شریک رہیں گے (سیرتِ قدوسیہ رص ۱۳)۔

حکیم صاحب تحریر کی طرح تقریر کے بھی بادشاہ تھے، آپ کی ایک طویل تقریر ہے جو کل ہند موتمر کے اجلاس منعقدہ ۲۴ر جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ میں فرمائی تھی جس کو سن کر علماء پاکستان وہندوستان حیران رہ گئے تھے اس کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے:

مقاصد نبوت

ان پانچوں میں نمبر اول کو مقاصد نبوت بنا کر متعدد مقامات پر بیان فرمایا گیا کہیں فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (البقرہ) کہیں فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ال عمران) کہیں فرمایا: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ) ان آیات سے مقاصد نبوت چار معلوم ہوئے (۱) تلاوت کتاب (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس۔

رجالِ امت کی خدمات

تمام صحابہ وتابعین اتباع تابعین، فقہاء ومحدثین اور اس کے بعد محققین وصوفیاء نے اپنی عمریں انہیں مقاصد کی خدمت میں گزار دیں، مقصد اول: تلاوت کتاب اس کی تکمیل حضرات قراء نے فرمائی تجوید وقرأت اس کی شرح وایضاح ہیں، مقصد دوم: یعنی

تعلیمِ کتاب اس کی تکمیل حضرات مفسرین نے فرمائی، مقصد سوم: تعلیمِ حکمت اس کی تکمیل حضرات فقہاء اور محدثین نے فرمائی اس لئے کہ فقہاء ہی اعلم بالسنۃ ہیں، رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہوئے، پھر حضرات محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور رواۃ ورجال کی تحقیق اور جرح وتعدیل کے اصول وضع کئے ایک لاکھ سے زیادہ رواۃ ورجال کے احوال وکوائف کا ذخیرہ مرتب کیا جوانہیں زندۂ جاوید بنا گیا، آج دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہ اس کی آسمانی کتاب محفوظ ہے نہ اس کے کسی نبی اور رسول کی سیرت محفوظ ہے اور نہ رواۃ ورجال کا سلسلہ محفوظ ومنضبط ہے یہ شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے، سینوں میں بھی اور سفینوں میں بھی، ان کے نبی ﷺ کی سیرت کا ایک ایک صفحہ ایک ایک ورق ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف محفوظ ہے اور رواۃ ورجال کے کوائف کا ذخیرہ بھی مرتب ہے اسی لئے تو فرمایا گیا تھا: لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ (القیامہ) اسی لئے فرمایا تھا: اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر) اور ایک خاص احتیاط ملاحظہ ہو!

طالب علم غور سے سنیں! کہ نزولِ وحی کے وقت خاص طور پر اپنے محبوب نبی ﷺ کے تمام ظاہری حواس اور دواعی کو معطل کرنا پسند کیا گیا تاکہ مراد حق غیر حق سے مختلط نہ ہوجائے پھر محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور فقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت فرمائی اس طرح احکام بھی محفوظ ہوگئے معانی ومطالب بھی محفوظ ہوگئے اور زنادقۂ روزگار اور ملاحدہ روزگار اور تجدید پسندوں کی دست وبرد سے ہمیشہ کے لئے صیانت ہوگئی، اللہ اکبر!۔

حضرات صوفیاء کی خدمات

اب رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل صوفیائے کرام ہوئے کہ جنہوں نے اس نسبتِ احسانی کی پاسبانی اور قلوب کے تصفیہ، تزکیہ، تجلیہ اور تطہرہ سے اصلاح سیرت واخلاق کی ذمہ داری لی اور رسوخ فی الذکر کے ساتھ تہذیبِ اخلاق اور اکتساب احسان کو اپنا موضوع قرار دیا، قرون اولیٰ میں یہ خود بخود میسر تھا مابعد القرون میں ایک مستقل شعبہ بنا۔

علمِ تصوف کی جامعیت مطلوب ہے

اور ایک حبر امت نے تو اس کو ایک نہایت خوبصورت سلسلۃ الذہب میں مرتب کر کے دکھلایا، فرمایا: لَا دِیْنَ اِلَّا بِالْعِلْمِ وَلَا عِلْمَ اِلَّا بِالْکِتَابِ لَا کِتَابَ اِلَّا بِمُرَادِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَلَا یَتَبَیَّنُ مُرَادُہٗ اِلَّا بِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَتَّضِحُ السُّنَّۃُ اِلَّا بِکَلَامِ الْفُقَھَاءِ وَلَا یُفِیْدُ کَلَامُ الْفُقَھَاءِ اِلَّا بِالْاِنْصِبَاغِ وَلَا یَلُوْحُ الْاِنْصِبَاغُ اِلَّا بِالتَّزْکِیَۃِ وَلَا یَتَأَتَّی التَّزْکِیَۃُ اِلَّا بِمَعِیَّۃِ الشُّیُوْخِ وَلَا الْمَعِیَّۃُ اِلَّا بِاتِّبَاعِھِم اسی لئے بزرگوں کی اولاد بزرگوں کے خدام بزرگوں کی بیویاں باوجودیکہ ان کو قرب ومعیت حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ قرب ومعیت مشروط ومقید بالاتباع ہے اور وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا اسی وجہ سے اکثر کورے کے کورے رہتے ہیں، اب دیکھئے ایک طرف تو یہاں علما کو تنبیہ ہوگئی کہ نرے علم پر نازاں نہ ہوں نرا علم خشک کھجور ہے، دوسری طرف صوفیاء کو بھی تنبیہ ہوگئی کہ جب تک علم نہیں کچھ نہیں اس لئے کہ علم سابق المعرفت نہیں مگر معرفت سابق العلم ہے، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ جس زمانہ میں حضرت تھانویؒ کے یہاں حاضر ہوئے تو گویا

یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے ع

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز وشب مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علم نخیل بے رطب

تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے: مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ جس نے تفقہ حاصل کیا یعنی علم ظاہر اور تصوف حاصل نہیں کیا وہ ذرا خشک سا رہے گا تصوف کے نام سے بعض لوگوں کو چڑ ہے، آپ اسے احسان وتزکیہ اور اخلاص کہہ لیجئے اور جس نے تصوف تو حاصل کیا احسان وتزکیہ کی طرف تو چلا لیکن علمِ ظاہر حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہو کر رہے گا اور جس نے دونوں کو جمع کرلیا وہ تحقیق کے مرتبہ پر پہنچ گیا، اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی کے یہاں مہمان بن کر گیا تھا میزبان نے اس سے کہا بھائی میرے یہاں تھوڑا سا دودھ ہے اور کچھ گھی ہے آپ دودھ سے روٹی کھانا پسند کریں گے یا گھی سے؟ مہمان تھا بڑا ہوشیار کہا میں تو گھی لگا کر دودھ سے کھاؤں گا۔

اسی تقریر میں ایک جگہ تصوف سے متعلق گفتگو فرمائی ہے وہ بھی پیش خدمت ہے:

غیر ضروری سوال سے بچنا

میں ایک چیز سنایا کرتا ہوں آپ کو بھی سنادوں، مظفر نگر شہر میں میرا بیان ہو رہا تھا ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا مولانا کچھ تصوف کے متعلق بھی فرمایئے میں نے کہا ارے بھائی میں مولانا نہیں ہوں بلکہ مولانا قسم کا بھی آدمی نہیں ہوں، ایک حکیم ہوں میری ترکی ٹوپی سے اندازہ نہ ہوا کہ میں مولوی مولانا نہیں ہوں کہیں مولوی بھی ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں؟ لیکن یہ تو

بتائیے کہ آپ کون سے تصوف کے متعلق مجھ سے سوال کررہے ہیں آیا ایرانی تصوف یا یونانی تصوف یا نوفلاطونی الہیاتی تصوف یا ہندو جوگ یوگ کا مخلوط تصوف آیا ہندوستان کا وہ سدا بہار سدا سہاگن والا تصوف یا ہندوستان کا وہ طبلہ نواز موسیقاری تصوف پھر عربی تصوف یا عجمی تصوف، پھر عربی تصوف میں حضرات صحابہ کرامؓ کا احسانی تصوف یا بعد کے صوفیا چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ نظامیہ والا تصوف، پھر منصور کا انا الحق والا تصوف یا علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا وہ مدارج السالکین والا تصوف شیخ اکبر ابن العربی والا تصوف یا محمد ابن حزم الظاہری المحدث امام داؤد ظاہری کے مقلدوں کا تصوف، پھر تصوف کے کون سے موضوع پر عرض کروں آیا مقدمات ومبادی پر عرض کروں یا مقاصد کے متعلق کچھ کہوں نیز مجھے یہ بھی بتائیے کہ تصوف کے امہات مسائل سے بحث کروں یا پھر موانع سے متعلق کچھ کہوں نیز مجھے یہ بھی بتائیے واحدیت احدیت وصمدیت، تسمی بالذات البحت والاتعین مراتب الٰہی مراتب کونیہ، مراتب جامعیہ، ظہور علمی، ظہور عینی یا پھر وسائل، جزئیہ، ذکر وفکر، ربط قطع، قبض وبسط، انس وحزن، تجلی واستتار، اتحاد وامتیاز، عینیت وغیریت، وجودیت، شہودیت پر بیان کروں تصوف کا تو بڑا وسیع جنگل ہے اس میں ہر قسم کے اجناس ہیں ہر قسم کے اشجار ہیں ہر قسم کے اثمار وازہار ہیں ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اور عقاقیر ہیں متعین کر کے فرمائیے کون سے تصوف اور اس کے کس موضوع کے متعلق عرض کروں اس پر وہ خاموش ہو گئے، بات اپنی بضاعت سے بڑھ کر نہیں کہنی چاہئے (ماخوذ از حیات نجومیاں، ص ۱۳۰)۔

اسی طرح حضرت حکیم صاحبؒ کو کتابوں کی لمبی لمبی عبارتیں بھی ازبر تھیں، مکاتیب شیخ میں آپ کے متعلق اس طرح لکھا گیا ہے:

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

بہت بڑے عالم، فاضل، طبیبِ حاذق تھے، اور بہترین مقرر وخطیب تھے، کلام فصیحانہ بلیغانہ آب زلال کی طرح دُرَرْ ولآلی کی ایک لڑی معلوم پڑتا تھا، ادیب اریب تھے، علماء کبار سے استفادہ کیا تھا، مؤتمر دار العلوم کے اجلاس میں آپکی تقریر نے علماء کو حیران وششدر چھوڑا تھا سامعین عش عش کر رہے تھے، حضرت والد ماجدؒ پر بیحد شفیق تھے، مدرسہ میں بارہا تشریف لاکر خطاب فرماتے اور دعائیں دیکر جاتے، حضرت والد صاحبؒ نے اپنے قلم سے ایک جگہ انتقال پُر ملال پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے ''۲۱ر شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳ر مارچ ۱۹۹۵ء پنجشنبہ دن میں گیارہ بجے مولانا مرحوم کا انتقال ہوا، آپ گنگوہ کے ایک بڑے عالم فاضل تھے، رخصت ہوکر اپنا مقام خالی چھوڑ گئے، اب جلدی سے کوئی دوسرا حکیم نھو پیدا نہ ہوگا، میرے سب بچوں کا نکاح حضرت موصوف نے پڑھایا، اور ہمیشہ نگاہ شفقت اس خاک سار پر رہی، اللہ پاک انکی قبر کو نور سے بھردے، اعلی علیّین میں مقام عطا فرمائے آمین'' ان جملوں سے دونوں معاصر بزرگوں میں تعلقات ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے، جس پر حضرت مولانا محمد سلمان صاحب استاذ حدیث وافتاء جامعہ اشرف العلوم رشیدی نے ''حیات نھو میاں'' میں تفصیلاً روشنی ڈالدی ہے وہاں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی تصنیفات

(۱) سیرت قدسیہ (۲) ضمیمہ تعارف جامع المجددین حضرت تھانویؒ (۳) الکتاب المحمود فی خطاب ابن مسعود (۴) اجتماع گنگوہ کے متعلق بعض غلط بیانیوں کا ازالہ (۵) مکتوبات ثلاثہ (۶) مکتوب حقیقت (۷) اشعار محمود۔

تذکرہ حضرت مولانا محمد میاں قدوسی گنگوہیؒ

حضرت مولانا محمد میاں قدوسی گنگوہ کے بہت نیک صالح، متقی و پرہیزگار، ولی صفت انسان تھے، دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، حضرت تھانویؒ سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھتے تھے، فراغت کے بعد کافی زمانہ کوہ منصوری پر جو دہرادون سے متصل ایک خوشگوار و شاندار ٹھنڈا علاقہ ہے کسی مسجد میں امامت کے سلسلہ میں گزارا پھر وہاں اپنے صاحبزادہ مولانا طاہر میاںؒ کو چھوڑ کر آ گئے اور خود گنگوہ مقیم ہو گئے اور محلّہ سرائے گنگوہ کی مشہور مسجد جو مولانا منظور صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے بسلسلہ امامت منسلک ہو گئے اور تمام حیات امامت اور ذکر و شغل اوراد و وظائف میں گزار دی، موصوف شہرت سے بہت مجتنب اور محترز تھے اور خلوت مع اللہ کے عادی اور شائق تھے، حضرت موصوف کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور خاص طور پر وہ اولیاء اللہ جو خلق سے ہٹ کر حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں ان کا طرز ان کی حیات سے پورے طور پر جلوہ گر ہوتا تھا، مرحوم کے ایک صاحبزادہ محترم حافظ احمد میاں مرحوم بھی نیک صالح آدمی تھے، ایک زمانہ گنگوہ کے قریب بلہ مزرعہ میں امامت کے تعلق سے مقیم رہے اور پھر تمام عمر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ایک مخلصانہ کردار، شریفانہ انداز رکھنے والے مدرس بنکر کام کرتے رہے یہیں ملازمت اور تدریس کے زمانہ میں موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے حق تعالیٰ مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کو حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ساتھ بہت محبت تھی اور ان کے بلانے پر مدرسہ میں بار بار تشریف لاتے تھے اور دعائیں کرتے تھے، والد صاحبؒ کے تعلق اور محبت کی وجہ سے راقم الحروف کے ساتھ بھی موصوف کو بہت زیادہ شفقت تھی حالانکہ وہ ان کی عمر کا آخری دور تھا مگر جب بھی ان کی خدمت میں حضرت گنگوہیؒ اور دیگر حضرات کے مزارات کی زیارت سے قبل و بعد حاضری ہوتی تھی تو حضرت مرحوم فوراً پہچان لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے قاری صاحب کے لڑکے ہو! اور پھر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے دادا جان حافظ حبیب احمد صاحب مرحوم کو بھی میرے ساتھ بہت محبت تھی اور بہت ہی مسکین طبیعت تھے، اللہ پاک ان حضرات کے درجات بلند فرمائے اور بعد والوں کو شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

تذکرہ حکیم قریش احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت حکیم قریش احمد صاحب بن حضرت حکیم محمد قمیش صاحبؒ اپنے آباء واجداد کے سلسلہ سے خلافت یافتہ بزرگ تھے جو ان کے خاندان میں اوپر سے چلا آرہا تھا، آپ حضرت قطب عالم عبدالقدوس صاحبؒ کی اولاد میں سے تھے، قدوسی النسل بھی تھے اور قدوسی صفات کے مالک بھی تھے، اگر چہ درسیات کے باضابطہ عالم نہیں تھے، لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عارف باللہ انسان تھے اور نماز روزہ کے پابند اذکار واوراد پر مواظبت کرنے والے، حسین وجمیل، شکیل ووجیہ، نہایت خوبصورت، بڑی بڑی آنکھیں، صاف وشفاف نورانی چہرہ مہرہ، دلکش اور حسین منظر، شب بیدار اور نہایت ہی صالح انسان تھے، اگر چہ وہ عرس وغیرہ کی بدعات بھی کرتے تھے لیکن صوم وصلوۃ، ذکرو درودشریف اور عبادات واوراد میں بھی اس قسم کے کام کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت بہتر، معتدل مزاج اپنے تمام بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے، ایک طرف جہاں وہ اپنے جدامجد حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے جبہ کی زیارت ہر سال کرایا کرتے تھے جس کی زیارت کیلئے دور دراز سے لوگ آتے ہیں لیکن اس کی زیارت سے قبل وہ کئی ماہ تک مسلسل روزے بھی رکھتے تھے اور بے انتہا اوراد ووظائف اور عبادت الٰہی میں مشغول بھی ہوتے تھے، ان کی حق پرستی اس قصہ سے ظاہر ہوتی ہے جو براہ راست راقم الحروف کے سامنے پیش آیا۔

راقم الحروف کو ان کے ساتھ ایک محبت وعقیدت تھی اس لئے کہ وہ ہمارے

بزرگوں کی اولاد میں سے بسا غنیمت اور اوصاف و کمالات رکھنے والے بزرگ تھے، ایک بار ان کی خدمت میں یہ راقم السطور اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ایک ساتھی کے ساتھ ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا عصر و مغرب کے درمیان کا وقت چل رہا تھا ایک غیر مسلم آیا اور اس نے ان کے پاؤں چومے جس سے ہیئت ایسی بنی جیسا کہ وہ سجدہ کر رہا ہو، یہ منظر دیکھ کر ہمیں بہت ناگوار لگا ہم نے فوراً ان کو ٹوکا کہ کیا اس صورت کی شریعت میں گنجائش ہے اور طریقت میں اجازت ہے؟ اور شیخ عبدالقدوسؒ جن کے آپ متبع ہیں اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ ایسا ہی کیا کرتے تھے، اپنے مریدین کے ایسا کرنے پر خوش ہوا کرتے تھے؟ اس پر انہوں نے صاف اقرار و اعتراف کیا کہا کہ بیٹا یہ سب غلط ہے شریعت و طریقت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہمارے آباء و اجداد ایسا کرتے تھے جو ہم کر رہے ہیں، حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس صاحب اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ یہ سب نہیں کرتے تھے، اس جواب سے ان کی حقانیت سمجھ میں آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب معاملہ شریعت و طریقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور وہ خود بھی اس کو بہت برا جانتے تھے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں خود بھی اس کو منع کرتا ہوں اگرچہ اس بات میں کچھ کمزوری ہے، اگر شدت سے اس قسم کے منصب پر بیٹھنے والے لوگ سختی سے منع کریں تو پھر ان کے متعلقین اور مریدین کیوں نہیں باز آئیں گے اور کیوں نہیں صحیح سمت پر چلیں گے، جیسا کہ بڑے مشائخ نے جن لوگوں کی اصلاح پر محنت کی اور ان کو حق پر شریعت و سنت پر چلانے کیلئے تن من دھن کی بازی لگادی تھی اور شریعت و سنت کی اتباع خود بھی کرتے تھے اور کرایا کرتے تھے اور ذکر اللہ، تزکیۂ نفس، اخلاق حمیدہ حاصل کرنے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کیلئے مجاہدات کرایا کرتے تھے، یہی خانقاہیت کا مقصد ہے اور

آج کل ایک طبقہ نے اپنے آباء واجداد کے اصل کمال، اصل طریقہ کو چھوڑ کر عرس، قوالی، بدعات، مزارات پر چادریں چڑھانا، پیسے چڑھانا وہاں جا کر نذر و نیاز کرنا بکروں مرغوں کو ذبح کرنا اور سر پٹخنا، رونا چلانا، سجدے وطواف کرنا، گانے گانا، عورتوں مردوں کا جمع ہونا بلکہ مردوں سے زیادہ عورتوں کا ہجوم جن پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے صاف فرمایا کہ ایسی عورتوں پر لعنت جو بار بار قبروں پر جائیں مزارات کی زیارت کریں، نیز ان پر بھی لعنت جو وہاں چراغاں کریں اور سجدے کریں، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس کی تخریج کی ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ یہ سب نہیں کرتے تھے اپنے مریدین کی اصلاح میں اپنا وقت لگاتے تھے اور ان کا معاملہ صرف اتنی حد تک تھا کہ وہ اپنے جدامجد کے جبہ کی زیارت کراتے تھے اور اس کے لئے بھی روزے رکھتے تھے، ان کی بندہ پر ایک شفقت یہ بھی یاد رہے گی کہ انہوں نے ایام عرس کے علاوہ جبکہ جبہ شریف کو دھوپ دینے کیلئے رکھتے تھے بندہ کو خصوصی زیارت کرائی تھی اور حضرت شیخؒ کی کلاہ مبارک دستار بابرکت حاوی بر روحانیت اس بندۂ نالائق کے سر پر بھی رکھوائی تھی، اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اس سب میں اس تعلق کو دخل ہے جو حضرت والد صاحبؒ سے ان کو تھا اور اس بات کو بھی دخل ہے کہ والد صاحبؒ کے ماں موجو ایک بہت بڑے نیک صالح بزرگ تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے، جب میں ان کے یہاں ہوتا اور نماز کا وقت آجاتا کہ عموماً وہاں مغرب ہو جاتی تھی تو مغرب کی نماز میں مجھ ہی سے امامت کراتے تھے، حالانکہ وہاں ان کے بریلوی مریدین بھی ہوتے تھے جو مراد آباد اور بریلی وغیرہ سے آئے رہتے تھے لیکن انہوں نے کبھی میرے ہوتے ہوئے کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھی

اور قرآن پاک بھی سنتے تھے، ان پر قرآن پاک سننے سے وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اس زمانہ میں جبکہ میں حضرت شیخ پر مضامین لکھ رہا تھا وہ مضامین بھی ان کو سنایا کرتا تھا اس پر بھی وہ بہت زیادہ مسرور اور شاداں وفرحاں رہتے تھے اور ان کی توجہات مجھ پر رہتی تھی۔

یہ واقعہ بھی لطف سے خالی نہیں ہے کہ ایک بار میں اس تالیف کے دوران جو شیخ کے حالات پر لکھ رہا تھا جب اس میں حضرت قطب عالمؒ کے جبہ کا ذکر آیا جس کی وہ خاص طور پر زیارت کرایا کرتے تھے وہاں شیخ احمد عبدالحق ردولوی ضلع بارہ بنکی کے مزار کے سجادہ نشین بھی موجود تھے جو یہاں عرس کے موقع پر آئے ہوئے تھے اور میں عصر کے بعد اپنے لکھے ہوئے مضامین ان کو سنانے جایا کرتا تھا، اس میں شیخ کے جبہ کا تذکرہ آیا تو اکثر جگہ تو جبہ کے ساتھ شریف کا لفظ بولا گیا اور پڑھا گیا لیکن ایک آدھ جگہ صرف جبہ بھی لکھا گیا اور اسی طرح پڑھا گیا، اس پر انہوں نے لقمہ دیا اور کہا کہ جبہ شریف کہو، بات ان کی بجا تھی لیکن کہنے کا انداز اس وقت کچھ ناگوار سا گزرا اور نہ ان سے کوئی واقفیت تھی نہ کوئی الفت وعقیدت، محبت کا تو سوال ہی کیا؟ درمیان میں ان کے بولنے سے طبیعت پر ایک اثر ہوا اور ایک بحث ان کے ساتھ شروع ہوگئی، میں نے کہا کہ جبہ کی عظمت، اہمیت، شرافت، فضیلت، عقیدت، محبت تو دل میں اپنی جگہ پر موجود ہے مگر بار بار کے تلفظ میں اس میں کبھی کبھار چھوٹ بھی جاتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یاد رکھئے! کہ ان جبوں کی زیارت سے نجات نہیں ہوسکتی، یہ تو شیخ کا جبہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ کا جبہ بھی ہو اور ایمان نہ ہو اور عمل صالح نہ ہو تو اس سے بھی نجات ممکن نہیں ہے، عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو کہ رئیس

المنافقین تھا اس خبیث کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دی تھی اس میں اس کو دفنایا گیا تھا کیا اس کی نجات کیلئے کافی تھا، اور کیا اس کو کچھ فائدہ ہوا؟۔

یہ بات الگ ہے کہ حضور ﷺ کے پیش نظر اس کی نجات کا معاملہ تھا بھی نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل نہ اس کی نجات کیلئے کیا تھا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ نجات کیلئے ایمان اور عمل درکار ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا دیا تھا کہ اگر آپ ایسوں کیلئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تو بھی ان کی نجات کا کوئی سوال نہیں ہے ''اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ '' کہ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل صرف اس لئے فرمایا تھا کہ ایک موقع پر رئیس المنافقین نے حضرت عباسؓ کو اپنی قمیص دی تھی یہ اس احسان کا بدلہ تھا اور اس منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ جو ایک نیک صالح نہایت مخلص صحابی تھے اپنے باپ کے رویہ سے بیزار تھے اور نفرت رکھتے تھے ان کی دلداری کیلئے تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض یہ ساری گفتگو حکیم صاحب مرحوم کے سامنے ہو رہی تھی جس پر انہوں نے یہ کہا اب یہ فقہی گفتگو چل پڑی ہے جسے ہمیں تسلیم کرنا ہی پڑیگا، بزرگوں کا یہی شیوہ اور وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی ان کے سامنے شریعت اور حق کی بات آئی انہوں نے اس کا اعتراف کیا اور قبول کیا، اس قصہ سے بھی حضرت مرحوم کی صلاح ظاہر ہوتی ہے، آپ کی وفات ۲۷ر اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز جمعہ ہوئی اور حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

❁❁❁.................❁❁❁

تذکرہ الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی گنگوہیؒ

الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی نبیرہ حضرت گنگوہیؒ یعنی حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب کے بیٹے اور حضرت حکیم نھو میاںؒ کے چھوٹے بھائی ہوتے تھے، بڑے نیک صالح اور اد و وظائف میں مشغول انسان تھے، بالکل نرالا البیلا اپنا ایک منفرد انداز تھا خانقاہ قدوسیہ اور رشیدیہ کو آپ نے آباد کیا اور وہیں آپ کا مستقل قیام تھا، جس حجرہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ اور حضرت والا قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا قیام تھا، جب تک آپ گنگوہ رہے اس خانقاہ کو ذکر و فکر سے آباد رکھا اور وہاں آپ کے مریدین و متعلقین بھی آیا جایا کرتے تھے، مزاج میں بہت نفاست تھی خود بھی بہت نفیس الطبع تھے، عطر میں نہاتے تھے، کپڑے بہت صاف و شفاف شاہانہ انداز کے پہنتے تھے اور اپنے چہرہ مہرہ کی تزئین کا بے انتہاء اہتمام کرتے تھے، آپ کے ملفوظات بھی عجیب وغریب نکات پر مشتمل ہوتے تھے جن پر ان کے بڑے بھائی حضرت حکیم نھو میاں صاحبؒ ناراض بھی ہوجاتے تھے اور اصلاح بھی کرتے تھے، چونکہ آپ باضابطہ طور پر درسیات کے عالم نہ تھے اور نہ اس کی آپ نے کوئی تکمیل کی تھی، چند کتابیں بچپن میں غالباً پڑھی ہوں گی جن کا ہمیں کوئی تفصیلی علم نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس حضرت گنگوہیؒ کی نسبت سے والد صاحبؒ اور دیگر بزرگوں کا جانا آنا رہتا تھا اور پھر ان کی وضع قطع خود اپنے اندر ایک کشش رکھتی تھی جہاں سے گزر جاتے لوگ ان کو دیکھنے پر مجبور ہوجاتے، واقعی وہ ایک دیکھنے کی چیز بھی تھے، خود اپنی نشست گاہ کو اس قدر

صاف وشفاف رکھتے تھے کہ ہر چیز میں بیاض ہی بیاض تھا، ہر چیز سفید ہی سفید تھی، کپڑے بھی نہایت سفید، نشست گاہ پر رنگ بھی سفید اس کے اوپر نقشین لکڑی کا تکیہ وہ بھی سفید، وہاں ایک درخت کا تنا تھا جو اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا جس پر گیس کی لالٹین لٹکائی جاتی تھی وہ بھی سفید، بیٹھنے کا قالین اور نہایت عمدہ گاؤ تکیہ بھی سفید، حتیٰ کہ جوتے بھی سفید اور پھر موزے بھی سفید، جب کہیں سفر کرتے تھے تو پیسوں کی بارش بھی کرایا کرتے تھے۔

الغرض ان کا ایک شاہانہ نرالا انداز معیشت، انداز بیان بھی نرالا، انداز رفتار بھی نرالا، ہر چیز میں ایک انفرادی شان تھی، یہ ناکارہ راقم السطور ان کے یہاں کبھی حاضر باش ہوتا تو وہ بہت زیادہ شفقت کرتے تھے بلکہ ایک بار انہوں نے غایت شفقت میں یہاں تک کہا کہ تو اگر میرے پاس رہے تو اس کمرہ کی چابی میں تجھے ہی دیدوں لیکن راقم السطور ہرگز اپنے آپ کو نہ اس کا اہل سمجھتا تھا اور نہ اس کے خیال وپرواز میں یہ سب چیزیں تھیں، ایک بار ان کی شفقت کا اس طرح مظاہرہ ہوا کہ راقم السطور نے ان سے حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے خاص حجرہ میں نماز پڑھنے کیلئے اجازت طلب کی جس میں وہ عام طور پر کسی کو جانے نہیں دیا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ کل مغرب کی نماز میرے ساتھ پڑھنا، چنانچہ راقم السطور نے ایسا ہی کیا ان کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے فوراً بعد وہ مجھکو وہاں لے گئے اور اپنے والد صاحبؒ کی وہ کلاہ جو وہ خود استعمال کرتے تھے میرے سر پر رکھی اور اس خاص حجرہ میں بالکل بیچ میں مجھ کو کھڑا کیا اور کہا کہ یہاں نماز پڑھ کہ یہ جگہ سب سے عمدہ جگہ ہے اور وہ خود باہر تشریف لے آئے، تو اس بندہ نے وہاں کافی دیر تک نماز کا لطف لیا اور اللہ سے مناجات کرتا رہا اور بڑی زبردست لذت اور کیفیت محسوس

ہوئی، پھر جب کافی دیر گزر گئی اور میں وہاں سے نکلنے کو جلدی سے تیار نہیں ہو رہا تھا تو انہوں نے اپنے خادم خاص کو بھیجا جس نے اپنا سب کچھ اپنے شیخ کی محبت میں فنا اور ختم کر دیا تھا آیا اور کہا کہ بہت دیر ہوگئی ہے اب جلدی نکل آؤ، تو میں وہاں سے نکل کر باہر چبوترے پر جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے بیٹھ گیا اور پھر چلا آیا۔

دورۂ حدیث سے فراغت پر جب انہوں نے تمام طلباء کی دعوت کی تو بڑے شوق و ذوق سے کی تھی یہ طالب علم بھی شریک تھا اور بڑی شفقت فرمائی تھی، نیز ایک بار جب بندہ راقم السطور نے ان کی خدمت میں عطر کی ایک شیشی پیش کی تو انہوں نے ایک عمدہ قسم کی عطر کی شیشی عنایت فرمائی تھی کیونکہ وہ تو شاہ آدمی تھے اور ان کے پاس ہدایا اور تحائف کی بھی بہتات تھی، بڑے بڑے اغنیاء اور مالدار لوگ بمبئی وغیرہ کے ان کے مرید اور متعلق تھے، پھر جب گنگوہ کے لوگوں نے ان کی زیادہ قدر نہ کی تو وہ یہاں سے مستقل طور پر پاکستان چلے گئے، چونکہ وہاں ان کی نسبی اولاد بھی تھی اس لئے بھی ان کا دل، دماغ، روح، جسم وہیں منتقل ہوگیا اور وہاں جا کر انہوں نے ایک خانقاہ بنائی اور وہاں ان کی طرف رجوع عام ہوا، ہر طبقہ ہر مکتبۂ فکر اپنے وغیر، رؤساء و اغنیا، لیڈران، ارباب سیاست، سیادت، قیادت، حکومت، دولت ان کے پاس بکثرت حاضر ہوتے تھے اور دعائیں وغیرہ کراتے اور اپنا دامن مراد بھر کر واپس ہوتے تھے، وہاں بیشتر لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور کچھ اعتراض بھی، جیسا کہ ہر دور میں ہر ایک کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے، الغرض پاکستان جانے کے بعد وہ اپنے وطن ہندوستان گنگوہ شریف کی پیاری سرزمین پر دوبارہ قدم رنجانہ ہو سکے اور وہیں اپنے فیوض و برکات لوگوں میں تقسیم

کر کے ۱۱؍اپریل ۲۰۰۳ء کراچی پاکستان میں واصل بحق ہو گئے، وہاں ان پر کیا ہوا کیا گزرا اور کس کس نے فیض پایا اس کا ہمیں کوئی تفصیلی علم نہیں ہے، اس لئے ان کے تذکرے پر یہیں اکتفا کیا جاتا ہے، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے بلند درجات نصیب فرمائے آمین۔

حضرت مولانا احمد سعید بزرگ گجراتیؒ نے ان کے پاس کچھ رقم ارسال کی جس پر انہوں نے مندرجہ ذیل تحریر لکھوائی جو بندہ کے پاس محفوظ ہے:

هو الله

جناب الحاج مولوی سعید احمد بزرگ صاحب

بعد سلام مسنونہ عرض ہے کہ آئندہ یہ سو روپیہ قاری شریف احمد صاحب کو منتقل کر دیں یا مدرسہ کو جو بہتر گمان ہو وہ کریں، الحمد للہ اب میں ایسی رقوم کا مستحق نہ رہا پہلے البتہ سخت ضرورت تھی مگر رب حق تعالیٰ خود کفیل بن چکا ہے نہایت سکون حقانیہ عنایت فرما دیا ہے اپنے فضل و کرم و رحم مانند کبراحمراب آپ لوگ مانگتے ہیں کہ ''اے اللہ دے'' میں کہتا ہوں کہ ''نہ دے اپنے پاس بلا کر فنا دے مرنے کو تیار بیٹھا ہوں کیا لوں دوں اور جمع کروں'' فقط والسلام۔

راقم الحروف عاجز بندہ مصطفٰی کامل

اعرابی رشیدی عفی عنہ گنگوہ خانقاہ قدوسیہ رشیدیہ

۶؍رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ
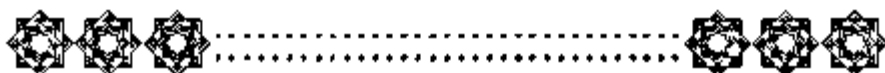
تذکرہ حضرت مولانا شفیق احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا شفیق احمد صاحبؒ ۱۸۹۴ء میں محلہ ٹاکن گنگوہ میں پیدا ہوئے، جو حضرت تھانویؒ کے مجازین صحبت میں تھے، بھوپال سرکاری اسکول میں مدرس رہے، گنگوہ سے ترک سکونت کر کے ۱۹۱۵ء میں مستقل طور پر بھوپال ہی میں رہائش اختیار کی اور اپنی عمر پوری کر کے وصال فرماگئے، اب ان کے ہونہار بیٹے صاحبِ خلق، سراپا اخلاص مولانا عتیق احمد صاحب بھوپال میں سرکاری اسکول میں فارسی کے پروفیسر تھے، اگرچہ سکونتِ گنگوہ ترک کر کے بھوپالی ہوگئے مگر گنگوہ سے تعلق ان کے رگ وریشہ میں رہا، گاہے گاہے تشریف لاتے اور اپنے مخصوص ملنساری کے انداز سے محظوظ فرماتے رہتے تھے۔

مولانا عتیق احمد صاحب فارسی کے بڑے ادیب تھے اور نہایت سلیقہ شعار عمدہ گفتار، ملنسار طبیعت کے مالک تھے، جس سال شیخ حذیفی امام مسجد نبوی ﷺ شریف دامت برکاتہم نے ایرانی صدر کے حضرات شیخین کی شان میں گستاخی کرنے پر جمعہ کے دن طویل خطبہ دیا تھا وہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے اس سفر کی پوری روداد راقم الحروف کو سنائی تھی اور جو کچھ شیخ حذیفی کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی بتایا تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین۔
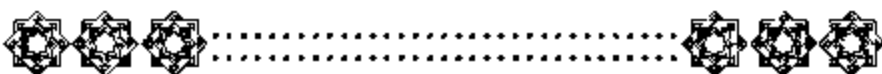
تذکرہ حکیم لیاقت صاحب گنگوہیؒ

حکیم صاحب مرحوم ہمارے قصبہ گنگوہ کے ایک نیک نام طبابت میں ماہر متقی و پرہیز گار نیک صالح انسان تھے، اللہ پاک نے آپ کو فن طبابت میں ایک خاص کمال عطا فرمایا تھا، آپ کی طرف ایک بڑے طبقہ کا رجوع تھا اور آپکے ذریعہ سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی، مرحوم کی اہلِ قصبہ کے دل میں ایک محبت تھی، حضرت مرحوم کو مدرسہ کے ساتھ بھی ایک خصوصی لگاؤ تھا ہر سال ماہ محرم کے موقع پر مدرسہ کے طلباء کی دعوت بھی کیا کرتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت تھی کیونکہ دونوں کا محلّہ بھی ایک ہی تھا، ایک ہی مسجد میں جس کا نام ''شیر علی والی مسجد'' ہے نماز پڑھتے تھے کثرت سے ملاقات رہتی تھی، معاصرانہ چشمک سے پاک ایک مخلصانہ محبت اور رفیقانہ تعلق تھا، بلکہ حضرت مرحوم کو اپنے بعض متعلقین پر اتنا یقین اور اعتماد نہیں تھا جتنا حضرت والد صاحبؒ پر یقین واعتماد تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنے انتقال کے بعد اپنے ترکہ کی تقسیم کی ذمہ داری حضرت والد صاحبؒ کے حوالہ کی تھی، وہ راقم الحروف کو یاد ہے کہ موصوف کی رقومات گننے کے لئے کئی افراد گھر پر حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ لگے تھے عشاء کے بعد سے صبح تک پوری رات اس میں گزر گئی تھی تب جا کر وہ عمل پورا ہو پایا تھا اور ان کے متعلقین کو ان کی امانتیں سپرد کی گئی تھیں جس پر ان کے بعض

متعلقین کو سخت ناراضگی ہوگئی تھی جو ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی کو دینا نہ چاہتے تھے جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کی شدید مخالفتیں کیں اور زندگی کے اخیر حصہ تک مخالفت اور دشمنی کرتے رہے، حضرت مرحوم کی اولاد میں مولانا حافظ غفران الحق ہوئے جو نیک صالح نوجوان تھے کچھ عرصہ پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، موصوف بھی اپنے والد کی طرح ایک ملنسار خوش اخلاق مرنجاں مرنج انسان تھے، مدرسہ اور منتظمین سے لگاؤ رکھتے تھے، آپ کا وصال ۲۶؍رجب ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۴؍جولائی ۱۹۷۷ء بروز پنجشنبہ ہوا اور اپنے آبائی قبرستان کے پاس گنگوہ میں مدفون ہوئے۔

تذکرہ صوفی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

صوفی رشید احمد صاحب قصبہ گنگوہ کے نیک صالح اور بزرگوں سے محبت رکھنے والے اوراد ووظائف کے پابند، صاحبِ صوم وصلوٰۃ انسان تھے، حضرت شیخ زکریاؒ کے مرید تھے اور حضرت شیخ زکریاؒ کا انکے گھر پر جانا اور اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا بھی ہوتا تھا اور حضرت شیخ کے بہت زیادہ معتقد تھے اپنی صورت وشکل، وضع قطع اور دیگر معاملات سے ایک اللہ والے انسان محسوس ہوتے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے بھی کافی قریب تھے یہ پورا خاندان حضرت والد صاحبؒ سے بہت محبت رکھتا تھا اور ان کے پاس ان کی آمد ورفت بھی رہتی تھی، اس خاندان کے اور بھی کئی بزرگ اپنی صورت وشکل، باوقار وضع قطع اور علم وعلماء سے محبت، دین کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور کافی اوصاف وکمالات اور اچھے اخلاق رکھنے والے تھے، انہیں میں صوفی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ بھی تھے، ان کے حالات کا تفصیلی مجھے کوئی علم نہیں ہے اس لئے اجمالی تذکرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

تذکرہ صوفی حمید احمد صاحب گنگوہیؒ

صوفی حمید احمد گنگوہ کے ایک نیک صالح انسان تھے، اپنے حالات ومعمولات میں سچے صاف نیک طبیعت خوش طبع، ملنسار، صاحبِ اخلاق علماء صلحاء سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے، حضرت والد صاحبؒ کے پاس بھی ان کا کافی آنا جانا تھا اور راقم السطور سے بھی بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے، حق تعالیٰ شانہ درجات بلند فرمائے۔

تذکرہ حکیم شفیق احمد صاحب قدوسی گنگوہیؒ

حکیم شفیق صاحب مرحوم گنگوہ کے ایک علمی گھرانے کے فرزند تھے، خاندانی پیشہ طبابت تھا، نہایت باوقار اپنے پیشہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعت میں صلاح وتقویٰ کے آثار رکھتے تھے، میری ملاقاتیں ان سے بہت کم رہی ہیں مجھے ان کے ساتھ زیادہ واقفیت کا موقع نہیں ہوا، آپ کا وصال ۱۱ر جون ۲۰۰۱ء میں اور حضرت گنگوہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں کیونکہ راقم السطور طالب علمی اور بعد میں تدریس کی وجہ سے زیادہ کتابوں کی دنیا میں رہا اس لئے گنگوہ کے اور بہت سے لوگوں کے حالات سے مجھے واقفیت کا موقع نہیں ہوا اور نہ ان کا کوئی مستند تذکرہ بندہ کے پاس ہے۔

تذکرہ حکیم جمیل احمد صاحب گنگوہیؒ

اسی طرح کے ایک صاحب حکیم جمیل مرحوم بھی تھے، نیک صالح آدمی تھے اگرچہ خاندانی پیشہ طبابت رکھتے تھے اور عقائد میں مودودی صاحب کے افکار وخیالات سے متاثر تھے ،ایک باران سے اس سلسلہ میں بحث بھی ہوئی تھی جبکہ ان کے پاس ایک مرض کے علاج کے سلسلہ میں جانا ہوا تو انہوں نے مودودی صاحب کی تعریف وتوصیف اور کمالات کا ذکر کیا اور مجھے ان کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' پڑھنے کیلئے دی، غالباً یہ آخری پارہ کی تفسیر تھی دوتین دن کے بعد میں ان کے پاس گیا اور سورۂ قدر کی تفسیر میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ ان کو سمجھایا اور بتایا کہ یہ بالکل جمہور سے ہٹ کر ہے اور محدثین ومفسرین اور خود احادیث شریفہ کی تفسیر کے خلاف ایک اپنے زعم خیال اور رائے کی بنیاد پر لکھی گئی تفسیر ہے، پھر ایک دوسرا موقع ان کو دکھایا جہاں انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک نامناسب لفظ استعمال کیا پھر ان کو بتایا کہ موسیٰؑ، حضرت یونسؑ اور دیگر بہت سے صحابہؓ پر انہوں نے تنقیدات کی ہیں تو مرحوم کو سخت ناگواری ہوئی کیونکہ یہ ان کے محبوب پر تنقید تھی، جب ان کی یہ صورتِ حال دیکھی تو یہ بات بھی سامنے آئی کہ ان کو ناگواری نہ ہونی چاہئے کیونکہ خود ان کا اصول تھا کہ کوئی شخص تنقید سے بالاتر نہیں اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھنا چاہئے، جب ان کو بتایا گیا کہ خود ان کا یہ اصول ہے تو وہ خود تنقید سے بالاتر کیسے ہوسکتے ہیں؟ بحث کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے ان کی ذاتی شرافت ووقار اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ایک دوستانہ تعلق کا خیال کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہونا مناسب سمجھا گیا، اللہ پاک حق سمجھنے اور کہنے کیلئے ہمیشہ قبول فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے آمین۔

تذکرہ حافظ مقبول احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ راقم الحروف کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے اور ایک محترم اور شفیق استاذ بھی، مدرسہ میں ایک زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول رہے اور عنفوان شباب میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اللہ سے جا ملے، مرحوم میں مختلف قسم کے کمالات تھے، بہترین حافظ قرآن اور قاری تھے، ایک زمانہ تک درجۂ حفظ کے استاذ رہے اور بہت سے طلباء نے آپ کے ذریعہ سے قرآن پاک حفظ کیا، قرآن پاک سے تو گویا عشق کا تعلق تھا، عموماً چلتے پھرتے گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے گھر آتے جاتے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ومصروف رہا کرتے تھے اور طبیعت میں بہت محنت اور لگن تھی جس کام پر لگ جاتے تھے بڑی محنت سے انجام دیا کرتے تھے، آپ حساب وکتاب میں بھی بہت ماہر تھے، طبیعت میں بہت زیادہ سادگی اور تواضع تھی، اخلاص اور اخلاق کا پیکر تھے ایک شریف الطبع انسان تھے، اپنے کام میں طلباء پر محنت کرنے میں اور کام کرانے میں دوسرے ہم عصر مدرسین سے سبقت اور آگے بڑھنے کا ذوق تھا، حضرت والد صاحبؒ کے شاگرد بھی تھے اور عزیز قریب بھی، مرحوم کے انتقال کے بعد کئی بار انکو خواب میں دیکھنے کا اتفاق ہوا بڑی اچھی حالت میں نظر آئے، جلسوں کے موقعوں پر طلباء کو انعام تقسیم کرنے کا بھی خاص مزاج تھا، ایک بار تو اسی طرح نظر آئے کہ بہت ہی ہشاش وبشاش گھوم رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ لوگ ہمیں مردہ سمجھتے ہیں حالانکہ ہم تو زندہ ہیں، مرحوم کا یہ جملہ خواب میں بیان کردہ ایک بشارت ہے جس کا برحق ہونا بہت سے قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر وفکر اور قرآن پاک کے عاشق ودیوانہ ہوتے ہیں ان کو ایک طرح کی شہادت اور حیات بعد الموت انعامات ربانیہ اور تجلیات الٰہیہ حاصل ہوتے ہیں، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، اور ان کی اولاد کو ظاہری وباطنی برکات سے نوازے، ان کی اولاد میں دین کا جذبہ پیدا فرمائے ان کے فرزند حافظ محمد معقول، مدثر، مذکر وغیرہ ہوتے ہیں، اول الذکر حافظ قرآن ہیں اور صورت وشکل میں اپنے والد کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، ۲۰؍مئی بروز جمعہ ۱۹۹۱ء میں آپ کا انتقال ہوا، اور قبرستان امام صاحب میں مدفون ہوئے۔

مآخذ ومراجع

القرآن الکریم	تاریخ مظاہر علوم سہارنپور	ایک عالمی تاریخ
بیان القرآن	حلیۃ الاولیاء	تذکرہ مشائخ چشت
بخاری شریف	عرفان محبت	لطائف قدوسی
مسلم شریف	اقوال سلف	زبدۃ المقامات
ترمذی شریف	تذکرہ شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ	مواعظ حضرت تھانویؒ
ابوداؤد شریف	امام نانوتوی آثار واحوال	سیرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ
ابن ماجہ شریف	ذکر محمود	مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ
مشکوۃ شریف	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	تاریخ دعوت وعزیمت
شعب الایمان	دینی دعوت	امداد المشتاق
فتاویٰ عالمگیری	مکتوبات قدوسی	ارواح ثلاثہ
فتاویٰ رحیمیہ	عقود الجمان	علمائے مظاہر علوم
تذکرۃ الرشید	اشرف السوانح	عظیم مدنی نمبر
ظفر المحصلین	حیات محمود	حیات شیخ الہندؒ
اقتباس الانوار	حیات نھومیاں	سیرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ
فتاویٰ شامی	کاروان تھانوی	حسن تدبیر
فتاویٰ محمودیہ	درالمعارف	ارمغان اجلاس صد سالہ
امداد الفتاویٰ	نزہۃ الخواطر	آئینہ مظاہر علوم شیخ الادب نمبر
تذکرۃ الخلیل	لالہ وگل	مکاتیب حضرت شیخ زکریاؒ
مرآۃ الاسرار	نقوش دوام	مکتوبات مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
سیرت قدوسیہ	ماہنامہ صدائے حق	مشاہیر علماء
شیخ عبدالقدوسؒ اور ان کی تعلیمات	ماہنامہ القاسم	تاریخ اولیاء
آپ بیتی	ماہنامہ محدث عصر	تذکرہ اولیائے ہند
سوانح علمائے دیوبند	ماہنامہ حرا کا پیغام	تاریخ دارالعلوم دیوبند
نقش حیات	ماہنامہ نقوش اسلام	اخبار الاخیار
مکتوبات خواجہ معصوم	سیرت حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ	چراغ محمدؐ
مرقاۃ المفاتیح	بیس بڑے اولیاء	طرب الاماثل
ازالۃ الخفاء	پس مرگ زندہ	صحائف معرفت
دلائل السلوک	ملفوظات فقیہ الامت	

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۂ فاطر)

تذکرہ اکابرِ گنگوہ (جلد دوم)

یعنی

﴿تذکرہ شریف الامّت﴾

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

بانی ومدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

تالیف

ابوحذیفہ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر

شعبۂ نشرواشاعت جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

فون: 01331,232357

ملنے کا پتہ

"دارالکتب الاسلامیۃ" نزد جامعہ اشرف العلوم رشیدی مین روڈ قصبہ گنگوہ

موبائل: 09412508475

نام کتاب: تذکرہ اکابر گنگوہ جلد دوم (تذکرہ شریف الامت حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ)

مؤلف: ابوحذیفہ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صحبت یافتہ امام العارفین قدوۃ الصالحین حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی مجددیؒ۔
اجازت یافتہ شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم۔
وپیر طریقت واقف اسرار حقیقت حضرت شیخ آصف حسین صاحب فاروقی نقشبندی مدظلہم العالی برطانیہ۔
وجامع الاوصاف حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ۔

کمپیوٹر کتابت: محمد دلشاد رشیدی کھیڑہ افغان: 09358199948

تصحیح: مولانا عبدالواجد صاحب رشیدی مدرس جامعہ ہذا
مولانا مفتی عبدالصمد صاحب رشیدی مدرس جامعہ ہذا

قیمت: ۱۵۰/روپے

تعداد صفحات: ۲۰۰

تعداد طباعت: گیارہ سو/۱۱۰۰

جلد: ثانی

طبع اول: ۱۴۳۴ھ

ناشر: شعبۂ نشر واشاعت جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ
www.jamiaashrafululoom-gangoh.com
email.sadaehaque313@gmail.com

ملنے کا پتہ: ''مکتبہ شریفیہ'' جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

پانچواں باب

دیگر مشائخ عصر سے ربط وتعلق

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

جاری ہے روشنی کا سفر

مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری

مدیر تحریر ماہنامہ ''صدائے حق'' واستاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

گنگوہ کی سرزمین مدت ہائے دراز سے دین ودانش اور علم وعرفان کی ان نادرۂ روزگار شخصیات کی مولد ومسکن رہی ہے جن کی حرارت آمیز ایمانی شعاؤں سے کفروشرک کے پرہول سناٹے کافور ہوئے اور تاریک زدہ مسلم معاشرہ کوروشنی نصیب ہوئی، اس بابرکت سرزمین پر جنم لینے والوں میں بعض ایسے خوش نصیب بھی ہوئے جن کی علمی اور روحانی زندگی سراپا سنت وشریعت سے عبارت اور یاد الٰہی سے آباد وشاداب تھی اور وہ بجاطور پر اس شعر کی عملی تصویر تھے کہ:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

ماضی کے جھروکوں سے دیکھئے تو اسلام کی گذشتہ پانچ سوسالہ تاریخ میں سنت وشریعت کی ترویج واشاعت میں مستفیدین گنگوہ اوراس کے جیالوں کا نام سنہرے حروف سے لکھا نظر آتا ہے اوران عشاق وعارفین باللہ اور کبار علماء کا تذکرۂ جمیل آتے ہی عقیدت والفت کے ملے جلے جذبات مچلنے لگتے ہیں، واقعی رب ذوالجلال نے اپنے دین کی صیانت وفروغ کیلئے ان اہل اللہ کو دل دردمند اور فکر ارجمند بخشا تھا ان کی دینی وایمانی بصیرت اور سدابہار پاکیزہ فکروتربیت نے بہتوں کو قعرمذلت سے نکال کر ہمدوش ثریا کیا، ان انفاس قدسیہ میں اقطاب ثلثہ حضرت شیخ

عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شاہ ابوسعیدؒ اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم جیسے علم ودانش اور تصوف وروحانیت کے فرزانے ودیوانے نظر آتے ہیں جن کی حیات وخدمات کا ہر پہلو روشن اور لائق اسوہ ہے، ان مشائخ عظام اور اہل دل علماء نے مردوں کی مسیحائی کچھ اس انداز سے کی کہ تاریخ کے صفحات ان کے کردار وعمل سے روشن ہو گئے۔

لیکن بیسویں صدی کے بالکل اوائل یعنی ۱۹۰۵ء میں فقہ وفتاویٰ اور تصوف وسلوک کی عبقری شخصیت امام ربانی عالم حقانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وصال سے بالآخر علم وادب اور فقہ وتصوف کی وہ مجلسیں ویران اور سونی ہوا چاہتی تھیں جہاں شمع محمدیؐ کے دیوانے پروانہ وار جمع رہتے تھے حتیٰ کہ دارالعلوم ومظاہر علوم جیسے کلیدی اداروں کے سرخیل اور تدریس واہتمام کے مقتدر اصحاب فضل وکمال نیازمندانہ حاضری دیا کرتے تھے، جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی، حضرت مولانا الیاس بانی تبلیغ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا صدیق احمد انبہٹوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم جیسے اساطین علم وفن نے توباقاعدہ حضرت گنگوہیؒ کے خوان علم سے خوشہ چینی کی ہے۔

چنانچہ حدیث وفقہ اور روحانیت کی اتنی عظیم درسگاہ قریب تھا کہ بالکل ختم ہوکر رہ جاتی اور اپنی عظمت رفتہ کی صرف ایک داستان بن جاتی جس طرح بخاریٰ وسمرقند آج حسرت ویاس کے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں، لیکن حق جل مجدہ کو

اس مقدس سرزمین سے پیار تھا اور اس سے کام لینا تھا ویسے بھی نہ معلوم کتنی پیشانیاں اس سرزمین کی شادابی کیلئے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوئی ہوں گی، چنانچہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اسلاف کی اس گرانمایہ امانت کی نئی نسل میں محفوظ منتقلی کیلئے حضرت مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہ نے ۱۳؍اگست ۱۹۲۸ء بروز دوشنبہ کو جناب حافظ حبیب احمد صاحب گنگوہیؒ کے یہاں ایک دینی گھرانہ میں آنکھیں کھولی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی جبکہ حفظ کی تکمیل حضرت گنگوہیؒ کے خاص تربیت یافتہ حافظ عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم کے پاس کی، بعدازاں تجوید وقرأت کیلئے سہارنپور تشریف لائے جہاں قاری عبدالخالق صاحبؒ سے تجوید وقرأت میں اختصاص پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کو حدر ترتیل اور تدویر کے خوبصورت لب ولہجہ میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے کے اندر کمال حاصل کیا، ادھر عربی کی تعلیم مظاہر علوم میں شروع ہوئی چند سال پڑھ کر آپ دیوبند آگئے جہاں تین سال بسلسلۂ تعلیم مقیم رہے اور ۱۹۴۹ء میں سندفراغت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی دیوبند وسہارنپور کے بزرگوں اور اساتذہ کے مشوروں اور حکم پر ۱۹۴۴ء میں بنام خدا مکتب کی شکل میں جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی داغ بیل ڈالی اور دارالعلوم دیوبند سے تعلیمی مراحل پورے کرکے مذکورہ ادارہ کی تعمیر وترقی میں رات دن کچھ اس طرح لگے کہ جامعہ بہت جلد تعلیم وتربیت کی مثالی دانش گاہ قرار پائی، عمدہ اور ٹھوس تعلیم کیلئے ماہر فن اساتذہ کرام کا تقرر کیا، شب وروز طلبہ کے تابناک مستقبل کی زلفیں سنوارنے انہیں ہر طرح سے آرام پہنچانے اور لائق وباصلاحیت بنانے کی فکر اور دوڑ دھوپ میں

اس طرح گذر جاتے کہ اپنا بھی خیال نہ رہتا۔

اسی پختہ اور ٹھوس تعلیم وتربیت کے ماحول نے جید الاستعداد علم وعمل سے آراستہ فضلاء دین کو جنم دیا جو دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور جیسے عالم گیر شہرت کے حامل مرکزی اداروں میں تدریس وافتاء کے مناصب پر متمکن ہو کر اپنی مادر علمی کا نام روشن کرر ہے ہیں اور بانی جامعہ کی روح کو ٹھنڈک پہنچار ہے ہیں اللهم زد فزد۔

ایک مثالی مربی ومہتمم اور کامیاب منتظم کے اندر جو اوصاف ناگزیر ہوتے ہیں وہ حضرت قاری صاحبؒ کے اندر علی وجہ الاتم موجود تھے، علم وعمل کے مرکز شہر گنگوہ کی دینی عرفانی اور روحانی شناخت کو باقی رکھنا اور اکابر علماء کی آرزوؤں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا جوئے شیر لانے سے کیا کم تھا، اس پر مستزاد مضبوط قسم کے فتنہ پردازوں سے پالا پڑا مخالفتیں ہوئی مقدمات بھی قائم کرائے گئے اور اس بندہ خدا کو بہر صورت محبوس کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی لیکن ان کا حوصلہ جوان تھا مضبوط اور فولادی عناصر سے آپ کی تشکیل ہوئی تھی، تعلق مع اللہ عبادت وریاضت اور دینی درد وکرب اور سحر خیزی وزندہ دلی کی تکبیر مسلسل نے انہیں دانائے روزگار بنادیا تھا، فیاض ازل نے انہیں فہم وفراست سے کچھ اس طرح ہم عناں کیا تھا کہ وہ زمانہ اور اپنے گردوپیش کے مدوجزر کو قبل از وقت تاڑ لیا کرتے تھے اسی لئے کہا گیا ہے اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله، چنانچہ بدخواہوں کے شاطرانہ حربے آپ کے سامنے تار عنکبوت ثابت ہوئے اور جامعہ اشرف العلوم کی شکل میں جو چراغ آپنے

روشن کیا تھا الحمدللہ وقت اور ضرورت کے عین مطابق اس کی لو بڑھ رہی ہے:

بجھنے سے پہلے میں نے جلائے ہیں کئی چراغ
جاری ہے روشنی کا سفر میرے بعد بھی

حضرت مولانا قاری شریف احمد رحمۃ اللہ علیہ اکابر دارالعلوم ومظاہر علوم کے منظور نظر تھے آپ نے ان حضرات کی خدمت کر کے سب کے دل جیت لئے تھے اور ان کی مستجاب دعاؤں وبرکتوں کے حصول کو اپنا وظیفہ حیات بنالیا تھا، انجذاب الی اللہ کی کیفیت نے برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے دست حق پر بیعت کرادیا کم وبیش چالیس سال شیخ کے وصال تک اصلاح وارشاد کا یہ زریں سلسلہ قائم رہا، حضرت شیخ بھی جامعہ اشرف العلوم سے تعلق خاطر رکھتے تھے چنانچہ مدینہ منورہ کی مقدس وادیوں سے اپنے ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں ''یہ ناکارہ آپ کے مدرسہ کیلئے اور آپ کیلئے بہت اہتمام سے دعا کرتا رہتا ہے اور آپ کی طرف سے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تم لوگوں کی مدد فرمائے اور مدرسہ کو خلفشار سے بچائے آمین۔

بلاشبہ آج اگر جامعہ اشرف العلوم کا اپنے حسن انتظام، عمدہ تعلیم وتربیت اور زمانی ومکانی وسعتوں کے لحاظ سے ملک کے ممتاز اور نیک نام اداروں میں شمار ہوتا ہے تو اس میں حضرت قاری صاحبؒ کی جدوجہد اور اہل دل علماء واکابر کی مستجاب دعائیں اور نیک تمنائیں شامل ہیں فللہ الحمد۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ رب العزت نے بے شمار اوصاف

وکمالات اور خصوصیات و میزات سے آراستہ کیا تھا ان میں صبر و شکر، توکل ورضاء،
استغناء و قناعت پسندی، سلیقہ شعاری، جرأت و بسالت، ہمت و استحکام، عفوودرگذر،
جگر سوزی دلیری، مہمان نوازی وانکساری جیسے متضاد اوصاف جمع ہو گئے تھے، حق
بات کہنے اور حق بات سننے کا خوبصورت مزاج رکھتے تھے، صاف گوئی میں کسی
مصلحت کے روادار نہ تھے، اپنے زمانہ کے تمام اکابر کا وہ بے حد احترام کرتے ان
کی خدمت میں جاتے یہاں گنگوہ آنے کی دعوت دیتے، ان کے بیانات سے اہل
مدرسہ اور قصبہ والوں کو استفادہ کے بار بار مواقع فراہم کرتے، اکابر بھی انہیں قدر
کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی دعوت پر ضرور تشریف لاتے، اگر کوئی عذر ہوتا تو پیشگی
یا بروقت مطلع بھی فرماتے، ذیل کے اس خط سے اندازہ کیجئے جو حضرت شیخ الاسلام
مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کو لکھا ہے۔

"محترم المقام زید مجدکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک ! مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا اعذار کی بنا پر اس
قدر تاخیر ہوئی کہ گاڑی چھوٹ گئی پھر ہم لاری کے اڈے پر گئے مگر وہاں پونے چار بجے پہنچے
معلوم ہوا کہ پونے پانچ بجے تک انتظار کرنا ہوگا اس لئے میرا عذر اراکین مدرسہ سے ذکر کر دیں
اور معافی کی درخواست کر دیں چوں کہ حضرت مولانا محمد طیب مہتمم صاحب اور دوسرے حضرات
پہنچ گئے ہیں اس لئے میری غیر حاضری سے جلسہ میں کوئی نقصان نہیں ہو سکتا، تقدیر الٰہی پر تدبیر
غالب نہیں آ سکتی جملہ اراکین مدرسہ سے سلام عرض کر دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۷رشوال ۱۳۷۲ھ

آپ کی قلبی دعوت پر مشائخ وقت اکثر تشریف لاتے رہتے تھے، جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین دہلی اور دیگر مقامات کے تمام بڑے اکابر بھی جامعہ میں قدم رنجہ ہوتے، مدرسہ چند طلبہ اور بعض مدرسین کی محدود تعداد سے شروع ہوا تھا لیکن تعلیم وتربیت کے قابل رشک انتظام نے ادارہ کو بہت جلد مرجعیت ومحبوبیت دیدی، اہل دل علماء اپنی اولاد واحفاد اور متعلقین کو تحصیل علم کے لئے یہاں بھیجتے بقول مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ مدیر ندائے شاہی کہ ''اشرف العلوم رشیدی دارالعلوم دیوبند کے لئے زینے کی حیثیت رکھتا تھا اور ہمارے بہت سارے بنگلہ دیشی درسی رفقاء گنگوہ سے تیاری کر کے آئے تھے''۔

حضرت قاری صاحبؒ تعلیم کے باب میں آزمودہ کار شخصیت کے مالک تھے، انہیں افراد شناسی کا خوب ملکہ تھا، چنانچہ وہ اساتذہ کے تقرر میں اس ملکہ سے بھر پور فائدہ اٹھاتے اور ایسے اساتذہ کا تقرر کرتے جو باصلاحیت بھی ہوں اور بافیض بھی، طلبہ کو صلاح وصلاحیت سے ہم کنار کرنے کے لئے دارالعلوم ومظاہر علوم کے جید الاستعداد اساتذہ وعلماء سے وقتاً فوقتاً مشورہ کرتے انہیں امتحان کیلئے اشرف العلوم آنے کی دعوت دیتے اور ارباب اہتمام سے باقاعدہ اس کی اجازت لیتے، ذیل کے ایک خط سے آپ بھی اندازہ کیجئے!

''مکرم ومحترم زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا جواباً گذارش ہے کہ آپ کے مدرسہ کے امتحان کے لئے ۵/۶ شعبان ۱۳۷۹ھ چہارشنبہ وپنجشنبہ مقرر ہوئی ہیں ان تاریخوں میں امتحان لینے کے لئے مولوی

عبدالعزیز صاحب اور مفتی یحییٰ صاحب تشریف لائیں گے، رفقاء کار کی خدمت میں سلام مسنون۔

بندہ محمد اسعد اللہ غفرلہ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

چنانچہ ان اداروں کے مقتدر اساتذہ بغرض امتحان تشریف لاکر طلبہ کی تعلیمی وتربیتی صورت سے بزبان وقلم آگاہ فرماتے اور ترقیات کے لئے دعا گو رہتے، ایسے ہی ایک موقعہ پر دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ امتحان کے لئے تشریف لائے اور درج ذیل تأثرات کا اظہار فرمایا "بسلسلۂ سفر احقر کو آج مدرسہ اشرف العلوم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور مدرسہ کے چند بچوں کا کلام مجید نیز بعض بچوں کا علمی مکالمہ بھی سنا، مدرسہ کی حالت اور تعلیم وتربیت دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، طرز تعلیم ماشاء اللہ نہایت عمدہ ہے، بچوں میں کافی صلاحیت پائی جاتی ہے" یہ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے ورنہ رجسٹر معائنہ میں بے شمار خطوط محفوظ ہیں جن میں اساتذہ دارالعلوم ومظاہر علوم نے یہاں کی تعلیم پر اطمینان کا اظہار کیا ہے اور حضرت قاری صاحبؒ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کا اساتذہ کے ساتھ معاملہ بھی بڑی شفقت کا تھا حالانکہ ادارہ میں پہلے ہی سے قلیل تنخواہوں کا معمول رہا جس کی وجہ اغلباً سرمایہ کی فراہمی اور تعمیرات کا بوجھ رہا ہوگا لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا حسن سلوک انہیں اس کی اجازت نہ دیتا کہ وہ حضرتؒ سے تنخواہوں کے مسئلہ پر گفت وشنید کی ہمت بھی جٹا سکیں، حضرت قاری صاحبؒ کی ایسی معصوم ادائیں اور محبت کی داستان جب سننے کو ملتی ہیں تو آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہیں، راقم الحروف نے انہیں کبھی نہیں دیکھا

جبکہ احقر کے دارالعلوم میں دس سالہ قیام کے زمانہ میں شروع کے پانچ سال تک وہ بقید حیات رہے، ان کے بارے میں ہم طلبہ دارالعلوم ذکر خیر کرلیا کرتے تھے، بعض مستفیدین اشرف العلوم بتلاتے کہ حضرت قاری صاحب طلبہ پر بے حد شفیق ہیں اور جو طلبہ ان سے قریب رہتے ہیں وہ ان سے والدین کی طرح محبت کرتے ہیں، یہی بات استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ محدث دارالعلوم دیوبند نے اپنے پیغام میں رقم فرمائی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کے کسی پہلو کو گفتگو کا عنوان بنائیں، وہ ایک کامل مرد انسان تھے ان پر لکھے گئے معاصرین کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اخفائے حال کے دستور پر عمل پیرا تھے جو انہیں اپنے اسلاف سے موروثی طور پر ملا تھا، پہلے لوگ چھپنے کے بجائے چُھپ کر خدمت کرتے تھے مگر سنت الٰہی کے مطابق بلندیاں انہیں کو سلام کرتی تھیں من تواضع للہ رفع اللہ کا عملی مشاہدہ ہمیں ان خاصان خدا کی بابرکت زندگیوں میں صاف نظر آتا ہے، بہرکیف بات طویل ہورہی ہے وقت کا دامن بھی تنگ اور ان کی داستان طویل وعجیب بقول شاعر:

کبھی فرصت سے سن لینا عجب ہے داستاں ان کی

تقریباً ستر سال تک اشرف العلوم کی آبیاری کرنے والا دین وملت کا یہ مخلص خادم مشائخ کا منظور نظر ہزاروں نفوس کا روحانی باپ ماہر تعلیم سماجی خدمت گار اور مصلح امت ۴ رمئی ۲۰۰۵ء کو اپنے مالک حقیقی سے اس فرمان الٰہی کو سننے کے

ساتھ جاملایا۔ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِي ٥ اس موقعہ پر خاکسار کو حضرت قاری صاحبؒ کے بالکل مناسب حال معروف سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے اپنے چھوٹے بھائی کی وفات پر کہے گئے اشعار یاد آرہے ہیں:

وہ وفاکیشی احباب ،وہ مردانہ شعار	وہ دل آویزیٔ خو، ونگہ الفت یار
صحبت رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی	اس کی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی
حق نے کی تھی کرم ولطف سے اس کی تخمیر	خوبیٔ خُلق وتواضع میں نہ تھا اس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر	اس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصاف کثیر
بس کہ خوش طبع تھا وہ صاحب تدبیر بھی تھا	سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا
اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا	وہ کبھی مدعی رہبریٔ عام نہ تھا
اس کو مطلوب کبھی گرمی بازار نہ تھی	اس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی
اس کو معلوم جو تھا وسعت تعلیم کا راز	اس نے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز
اسنے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز	مگر افسوس کہ تھا راہ میں رخش تگ وتاز

علم وعمل کی ایسی بافیض ودلنواز شخصیت کے اس دنیا سے پردہ کناں ہونے کے بعد ہی سہی لیکن ضرورت تھی کہ آپ کی حیات وخدمات ، دین وملت کیلئے آپ کی بے لوث تگ وتاز اور دین کی خاطر سب کچھ نچھاور کرنے والے اس جانباز مجاہد، مرد آگاہ وحق شناس اور نگہ بلند، سخن دلنواز جاں پرسوز جیسے اوصاف وکمالات سے آراستہ ہزاروں ابناء وقراء اور خدام دین کے روحانی باپ پر باضابطہ طبع آزمائی ہوتی۔ ان

کی ہشت پہل شخصیت پر تحقیقی مقالات ومضامین مرتب ہوتے اور سیمینار وغیرہ کی صورت میں ان کے افکار وآثار سے ملت کو روشناس کرایا جاتا، لیکن وقت گذرتا گیا اور ایسی کوئی منظم ومرتب تحریک وجود میں نہ آسکی نیز اس مرد درویش کو زیب داستان نہ بنایا جاسکا، اگرچہ بعض جزوی نوعیت کی کوششیں بھی ہوئیں، مثال کے طور پر اس خاکسار نے جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''صدائے حق'' کی حضرت قاری صاحبؒ پر خصوصی اشاعت کو دستاویزی شکل دینے اور بین الاقوامی سطح پر مشاہیر امت اور ارباب لوح وقلم سے آپ کی حیات وخدمات کے اعتراف میں مشاہدات وتاثرات قلم بند کرانے کیلئے مراسلت کی تو بفضل اللہ تعالیٰ اسے صاحب تذکرہ کی ہر دل عزیزی ہی سے تعبیر کر لیجئے کہ سبھی بزرگوں نے اس خصوصی اشاعت میں عملی دلچسپی کا اظہار کیا اور ملک کی بیشتر ممتاز دانش گاہوں کے سربراہان اور نمائندہ اشخاص نے مذکورہ اشاعت کو اعتماد واعتبار بخشا اور اپنے قلمی تعاون سے دریغ نہیں فرمایا۔ جس کے نتیجہ میں نقوش دوام کا دستاویزی شمارہ سال گذشتہ منظر عام پر آسکا تھا والحمد للہ علیٰ ذالک۔

ظاہر ہے کہ نقوش دوام مستقل سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اسے ایک یادگاری مجلّہ کہا جاسکتا ہے، اس لئے باضابطہ سوانح حیات کی ضرورت محسوس ہوتی رہی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے محبین، متعارفین ومعتقدین اور تلامذہ وفیض یافتگان اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے رہے، بالآخر اس بابرکت عمل کو انجام دینے کی سعادت وتوفیق بھی آپ ہی کے خلف الرشید صاحبزادہ گرامی مرتبت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم کے حصہ میں آئی جو الولد سر لابیہ کے بجا طور پر مصداق

ہیں۔ پیش نظر کام اگر چہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور بعض دیگر معاونین نے بھی اس کارِ خیر میں شرکت فرمائی لیکن وہ ابتدائی نوعیت کا تھا۔ مقام مسرت ہے کہ ہمارے مخدوم ومکرم نے اس ضروری کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اپنے حسنات کو اضعافاً مضاعفہ اور والد گرامی کے قرضہ حسنہ کو باَحسن وجوہ ادا کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مؤلف کی اپنے عظیم والد محترم پر یہ قلمی کاوش بنام تذکرہ اکابر گنگوہ جلد دوم زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے جو صرف ایک سوانح حیات ہی نہیں بلکہ ایک دعوت ایک پیغام اور مسلسل دہرایا جانے والا سبق ہے۔ جس میں سوز بھی ہے اور ساز بھی ہے، علم وحکمت کا وافر خزانہ بھی ہے اور تعلیم وتربیت کا سدا بہار ذخیرہ بھی، جس سے یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالم کا عرفان ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنے مشمولات ومحتویات اور فکر رسا مواد ومضامین کے لحاظ سے وقیع سے وقیع تر ہو گئی ہے جس میں حضرت قاری صاحبؒ کے گود سے لیکر گور تک کے تمام ضروری احوال وکوائف نہایت جزم واحتیاط کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، کتاب کی ہر سطر سے عقیدت والفت کی خوشبو مہک رہی ہے، صاحب تذکرہ کے اوصاف وکمالات، ان کے صاف وشفاف کردار کی دل نواز حکایات، بلندیوں حتیٰ کہ ستاروں پر کمندے ڈالنے والے حوصلہ افزا واقعات، سعادتوں اور خوش بختیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی مقدور بھر کوششیں، اپنے اساتذہ ومشائخ عظام کی ہر ادا کو اپنا لینے کا بھر پور

قابل رشک جذبہ واظہار تمنا، معاصرین میں امتیازی شناخت کا اعتراف اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے نت نئے انداز، نیز بہر حال صبر وشکر اور رضا بالقضاء کا عملی مظاہرہ ونمونہ۔ الغرض مذکورہ بالا وہ چند عناوین ہیں جو آپؒ کی ہمہ جہت شخصیت کے محور ہیں جن سے آپ کی با مقصد زندگی کے روشن پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں اور قاری کو اپیل کرتے ہیں اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ تذکرہ اکابر گنگوہ یا حیات شریف الامت ایک مرد مجاہد کی وہ داستان ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے روح کو تازگی اور عمل کو زندگی ملتی ہے، اللہ کرے یہ داستانِ مجاہد نئے چراغوں کی روشنی کا بھی سامان بن جائے　ع

ہم چراغوں سے اجالا نہیں مانگا کرتے　ہم چراغوں کیلئے اپنا لہو دیتے ہیں

آج جب جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے در و بام پر نظر پڑتی ہے تو آپ کے روشن کردہ چراغوں کی لو ظلمات کے پر ہول سناٹوں کو چیرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور یہاں کے در و دیوار سے قال اللہ وقال الرسولﷺ کی زمزمہ سنجیاں کانوں میں رس گھول دیتی ہیں جس سے بانی جامعہ کا نورانی چہرہ بھی نگاہوں کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے شب و روز کے مناظر جن آنکھوں میں محفوظ ہیں اور ان کی دینی زندگی کے کمالات و واقعات جن نصیبہ وروں کی یادداشتوں کا حصہ ہیں، وہ ببانگ دہل یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ واقعی صاحب تذکرہ غیر معمولی انسان تھے، جس کا کسی قدر اندازہ کتاب مذکور کے مطالعہ سے بھی ہوگا۔

ہم شکر گزار ہیں حضرت والا دامت برکاتہم کے کہ آپ نے ایسے تقدس

مآب، علم پرور اور دین وملت کے محسن اور سچے خادم کے نقوش زیب قرطاس کر کے ایک لائق وفائق فرزند اور محسن شناس ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا، شائقین علم وکتاب جب بھی تذکرہ وسوانح کے اس رنگا رنگ باغ کی سیر کریں گے تو صاحب تذکرہ اور مؤلف کو اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازے بغیر نہ رہیں گے۔

یہاں اس تاثر کا اظہار برمحل ہوگا کہ حضرت مؤلف گرامی کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ماشاء اللہ آپ عظیم باپ کے خوش نصیب ولد صالح ہیں، بہت سے مشائخ اہل اللہ کی نسبتوں کے جامع، واعظ وخطیب، محدث بھی مقرر بھی، مرشد وپیر بھی اور کاروان جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے قافلہ سالار بھی۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت سوانح مذکور کو دائمی محبوبیت ومقبولیت سے ہمکنار کر کے مرتب کیلئے ذریعۂ ترقی ونجات بنائے، ان سے اپنے والد گرامی کے طرز پر خدمت دین کا نمایاں کام لیں اور آپ کی مقبول دعاؤں میں اس خاکسار کا حصہ بھی مقدر فرمائے آمین، وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

احقر الوریٰ

محمد ساجد قاسمی کھجناوری

نزیل جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۷/۵/۱۴۳۴ھ/۲۰/۳/۲۰۱۳ء

پیشِ گفتار

اکابر گنگوہ کی جلد اول میں آپ حضرات تفصیل کے ساتھ بہت سے علماء، صلحاء، فقہاء، حکماء، عارفین، اتقیاء وغیرہم کے حالات پڑھ چکے ہیں، پیش نظر جلد میں مشائخ گنگوہ اور اکابر گنگوہ کی ایک صحیح جانشینی کا فریضہ انجام دینے والی عظیم المرتبت شخصیت کے بصیرت افروز حالات واقعات اور مجاہدات ہیں جن کے ذریعہ بزرگوں کی لاج رکھنے اور ان کے مشن کو سرزمین گنگوہ پر زندہ بلکہ تابندہ و پایندہ رکھنے کا کام اللہ پاک نے لیا، وہ مخلص اولوالعزم ہستی اور چمکدار ستارہ ہے جس نے گنگوہ کی عظمتوں کو نہ صرف بحال کیا بلکہ عروج بخشا، جبکہ درمیان میں اس سرزمین پر ایسا دور آچکا تھا کہ سب داستانیں قصۂ پارینہ ہو چکی تھیں اور حضرت امام ربانیؒ کے بعد جمود و خمود کی چادروں نے احاطہ کرلیا تھا، ایک دفعہ کو عوامی سطح پر جہالت و غفلت کا دور دورہ ہو گیا تھا اور یہاں کے بعض بزرگ جن کا ذکر جلد اول میں آچکا ہے دوسرے علاقوں میں خدمت انجام دے رہے تھے، یا ان کی خدمت ایک مخصوص انداز کی تھی، اور اس سرزمین پر چند چراغ ابتدائی مکاتیب کی شکل میں جل رہے تھے۔

پھر سے اس سرزمین پر جس بزرگ ہستی کو اس کام کی توفیق ملی جو بزرگوں کے ابتداہی سے منظور نظر رہے، یعنی بمصداق وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ عنایتِ ربانی نے اختصاص سے کام لیکر جن کا انتخاب فرمایا اور اخلاص واستقلال کا جنکو کوہِ ہمالیہ بنایا، جو صرف ایک میرے ہی مربی استاذ و والد نہیں بلکہ ہزاروں کے استاذ و مربی ہیں، یعنی حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ جن کی

وجہ سے گنگوہ کا حال و مستقبل پھر سے روشن و تابناک ہوا اور رشد و ہدایت کا دور دورہ ہوا، اور رحمتِ ربانی کا بادل قرآن و حدیث کی شکل میں برسا، بہاریں لوٹ آئیں، علماء، صلحاء، حفاظ تیار ہوئے، نہ صرف علاقۂ گنگوہ بلکہ ہندوستان کے شمال و جنوب، مشرق و مغرب، شہر شہر، قریہ قریہ قرآن و حدیث کا ایک عظیم فیض پہونچا اور پہونچ رہا ہے، بلکہ ہندوستان کے باہر بھی بہت سے ممالک اسلامیہ وغیر اسلامیہ (امریکہ، افریقہ، برطانیہ، سری لنکا، پناما، برما، بنگلہ دیش) وغیرہ میں یہاں کا فیض جاری وساری ہے، یعنی وہ طبقہ جس نے اس چشمۂ صافی سے صاف وشفاف پانی پیا اور اس روحانی وعرفانی گلستاں سے عمدہ عمدہ پھول چنے اور اس خوان یغماء سے بہترین غذائیں حاصل کیں اور تر وتازہ ہوکر چہار دانگ عالم میں یہاں سے حاصل کردہ نورِ شریعت وطریقت پھیلنے اور پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں اور اپنے اپنے علاقوں میں توحید وسنت کی بڑی بڑی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں اور کفر وشرک، بدعات وخرافات اور معاشرہ میں پھیلنے والی برائیوں کے خلاف اپنی زبان وقلم سے مصروف کار ہیں، یہ سب اسی عظیم المرتبت ہستی کا فیض ہے جس کی برکت سے ان میں یہ روح بیدار ہوئی اور وہ اس فکر کو لے کر ابر باراں کی طرح اٹھے اور برس رہے ہیں "فللہ الحمدو المنة"۔

اتنی عظیم خدمت کیلئے اللہ پاک نے اپنی عنایت بے غایت سے جس شخص کا انتخاب فرمایا اور ان کے خلوص وللّٰہیت، محنت ولگن، جانفشانی اور مجاہدے کی قدردانی ان کے مشائخ واساتذہ نے اور ان کے ارباب فہم وعقل معاصرین نے اور بعد کے علمانے جن کو ان کے حالات کا صحیح علم ہوا بلا جھجک اعتراف کیا اور ان کو داد تحسین دی،

جس پر ''نقوش دوام'' جیسی دستاویزی اشاعت میں ذکر کردہ تحریرات شاہد عدل اور بین ثبوت ہیں، جس کا لطف اسی کے پڑھنے سے حاصل ہوسکتا ہے اور بصیرت میں اضافہ کا باعث بھی ہوگا۔

ان کے چاہنے والوں کا پیہم اصرار رہا کہ حضرت بانی مدرسہ وناظم جامعہ کی سوانح جامع انداز میں تیار کی جائے تا کہ ہمیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا صحیح اندازہ ہوسکے اور ہمارے لئے عبرت وسبق حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور ہمیں اپنے روحانی مربی اور مشفق مہربان انسان جس نے اپنے بچوں کی طرح ہماری تربیت کی اور ہمیں بہترین علم واخلاق سے مزین کرنے میں ایک مثالی کردار اور حکیمانہ اسلوب اور نہایت مخلصانہ ہمدردانہ طرزِ عمل اپنایا، جس کی یاد ہمیں بار بار تڑپاتی ہے ان کے حالات کو پڑھنے اور سننے سے ہمیں تسلی بھی ہوگی اور ہم پر بہت سی راہیں بھی کھلیں گی اوران کا کچھ حق ادا کرنے کی فکر بھی ہوگی، اس وجہ سے ضروری تھا اور یہ حق سب سے زیادہ اس ناچیز مؤلف پر بنتا ہے، چونکہ مجھ پر انکے ایک مشفق والد، مہربان استاذ، مخلص مربی اور بام عروج تک پہنچانے میں ان کا جس قدر عمل دخل، قلبی جذبات، رات کی تنہائیوں میں اللہ کے سامنے رورو کر دعائیں مانگنا، بے پناہ محبتوں، چاہتوں اور آرزوؤں کو دخل ہے وہ ظاہر ہے اور پھر امر ربانی بھی ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۝ (سورۂ اسراء) ''اور فیصلہ کیا تیرے رب نے اس بات کا کہ مت عبادت کرنا کسی کی سوائے اللہ کے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو'' جہاں زندگی میں ان کے ساتھ بہترین سلوک کرنے یعنی ان کی عظمت ادب واحترام، اطاعت وفرمانبرداری کا حکم ہے

وہیں اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے بعد ان کے لئے ایصال ثواب کے کام اور ان کے احسانات اور حسنات کے تذکرے بطور خاص جبکہ وہ ایک بڑا کارنامہ انجام دے گئے ہوں، جس سے لاکھوں کو فائدہ ہوا اور ہو رہا ہوایک ضروری امر ہو جاتا ہے اور ان کے ذکر خیر کے جاری ہونے کا ذریعہ بھی بنتا ہے، بحمد اللہ تعالیٰ وہ اسی مقام پر فائز تھے کہ ایک عالَم میں ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کا ایک طویل سلسلہ ہے اور وہ ان سب کی محبتوں کے مرکز ہیں۔

آپ کی ذات سے جامعہ اشرف العلوم کی شکل میں علوم الٰہیہ اور فیوضات نبوؐیہ کا ایک عظیم سمندر جاری ہوا، اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کے حالات مستقل لکھے جائیں، چنانچہ اس پر کچھ کام شروع ہو چکا تھا اور جامعہ ہذا کے بعض احباب اور مدرسین جن میں خاص طور پر عزیزم مولانا مفتی محمد احسان صاحب رشیدی مدرس جامعہ ہذا نے کئی سال تک اس پر محنت کی آخر کار پھر بندہ کو اس پر متوجہ ہونا پڑا اور بہت سے مضامین ترتیب دئے اور انہوں نے بہت کچھ لکھا یہاں تک کہ ایک اچھا خاصہ مواد اس پر اکھٹا ہو گیا اور ان کی زندگی کے کچھ حالات اس میں آ گئے ہیں، یہ ان کے پورے حالات نہیں کہے جا سکتے، تاہم کچھ نہ ہونے سے اتنا ہونا بھی اہم ہے، اللہ پاک اس مختصر سی خدمت کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے نقوش پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، لہٰذا آپ کے تفصیلی حالات شروع کئے جاتے ہیں!۔

خالد سیف اللہ عفا اللہ عنہ

خادمِ حدیث وافتاء و جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۵/۵/۱۴۳۴ھ

باب ششم
ولادت باسعادت
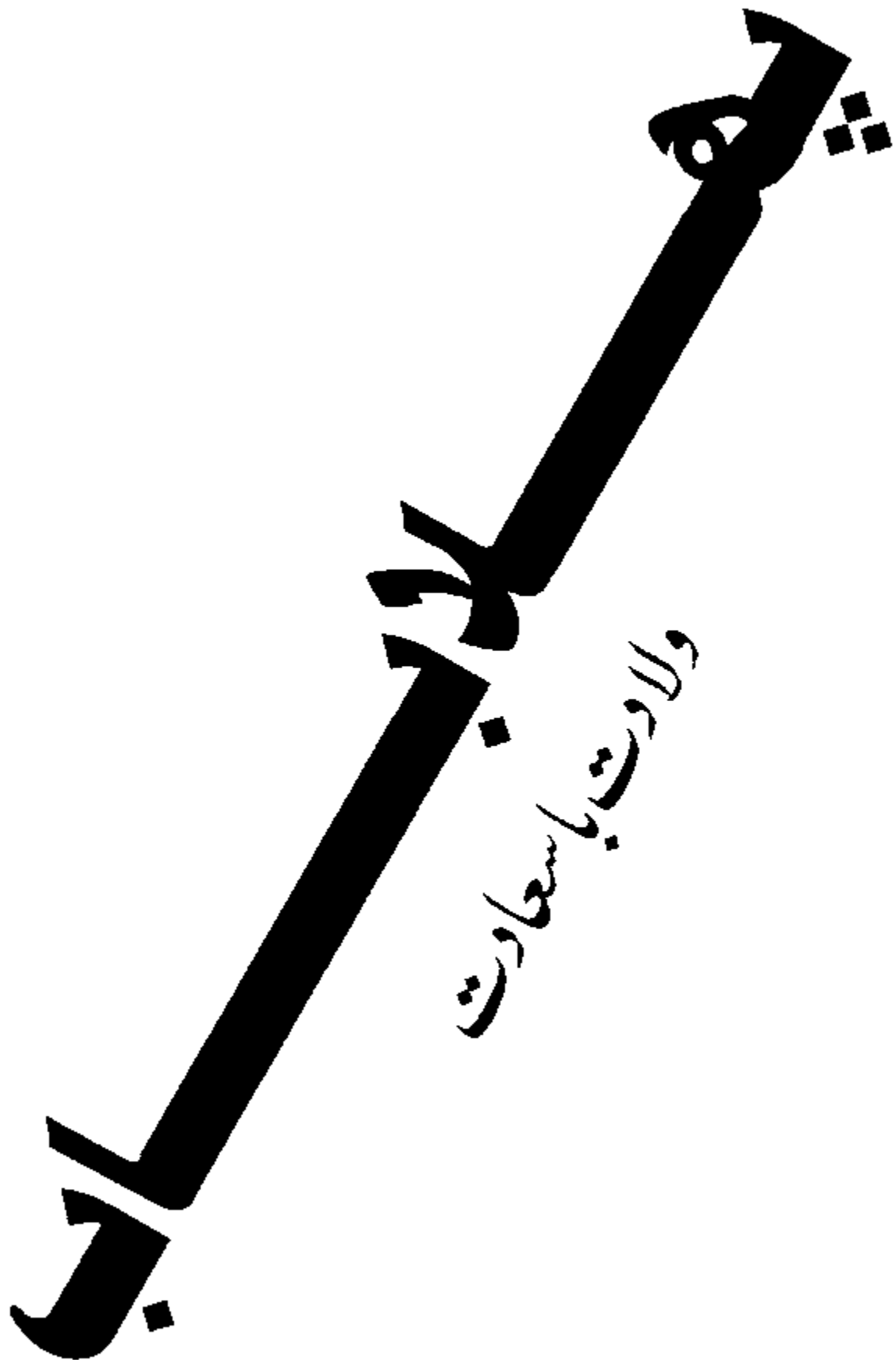
ولادت باسعادت

امامِ ربانی عالمِ حقانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے انتقال کو تقریباً ۲۳ رسال گزر چکے تھے، جن کی برکت سے سرزمین گنگوہ علومِ الٰہیہ، معارف ربانیہ، حدیث، فقہ، تفسیر کا مرکز بن چکی تھی اور ہزاروں انسانوں نے فیض حاصل کیا تھا، انکی مبارک سرزمین کو پھر سے علوم کا مرکز بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب جس پر پڑی وہ گوہر نایاب سرزمین گنگوہ کے محلّہ کوٹلہ سرائے میں ۲۶ رصفر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۳ر اگست ۱۹۲۸ء بروز دوشنبہ بوقت صبح ۸ بجے پیدا ہوا، یہ علاقہ اقطاب ثلاثہ (شیخ عبد القدوس، شاہ ابوسعید، مولانا رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہم) سے قریب کا محلّہ ہے۔

قبیلہ، خاندان، والد اور دادا جان مرحوم کا تذکرہ

جس گھرانہ میں آپ کی پیدائش ہوئی وہ گھرانہ مدتِ بسیار سے اہل اللہ اور دین داروں کا گھرانہ چلا آرہا تھا، آپ کے والد بزرگوار حافظ حبیب احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہترین حافظ قرآن تھے، نہایت متواضع مخلص، صاحب دل انسان تھے، گنگوہ کے قریب ایک گاؤں دربوزی میں امامت کرتے تھے وہاں کے لوگ ان کے بڑے معتقد تھے، امانت داری اور دیانت داری میں اونچا مقام رکھتے تھے، خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار تھے لوگوں کے گھروں کا سامان لاکر دیتے اور سامان کیساتھ ہی فوراً حساب سمجھا دیتے، لوگ کہتے حافظ جی ابھی تو آپ کا پسینہ بھی نہیں سوکھا ہے آپ بہت جلدی کرتے ہیں، فرماتے کہ مجھے چین نہیں آئیگا جب تک میں تمہارا

حساب اور باقی پیسے ادا نہ کردوں، اپنے متعدد اوصاف وکمالات کی وجہ سے حافظ حبیب احمد صاحبؒ لوگوں کے درمیان ایک مقبول شخص تھے، عموماً مسائل میں حضرت مولانا محمد میاںؒ سے رجوع کرتے تھے، حضرت مولانا محمد میاں صاحب گنگوہیؒ (ان کا ذکر خیر جلد اول میں گزر چکا) نے راقم السطور سے فرمایا کہ تمہارے دادا میرے پاس بار بار آتے تھے اور یہ کہ تمہارے دادا حافظ حبیب احمد صاحبؒ بڑے مسکین طبیعت مزاج کے سادہ انسان تھے، متواضع، خلیق، امانت دار، مخلص بزرگ تھے، اپنے بیٹے (مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ) سے انکے کمالات کی وجہ سے بڑے خوش رہتے تھے، حافظ حبیب احمد صاحب کا انتقال ۲۱ر شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر مارچ ۱۹۶۳ء بروز دوشنبہ ہوا، حافظ حبیب احمد صاحبؒ کے والد حافظ عبد الرحمٰن صاحبؒ تھے، یہ بھی اپنے دور کے جید حافظ قرآن تھے، بچوں کو قرآن مجید پڑھانا ان کا محبوب مشغلہ تھا، قرآن کریم سے بے حد شغف رکھتے تھے، آپ بھی نہایت مخلص، محنتی، متواضع، صاحب دل، فرشتہ خصلت آدمی تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے راہ سلوک میں منسلک تھے اور کثرت سے ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے، اپنے شیخ کی توجہات کی برکت سے انوارات الٰہیہ سے منور تھے، تقویٰ پرہیز گاری ذکر وشغل شب بیداری کے آثار چہرے پر نمایاں اور عیاں تھے، محلّہ کے لوگوں کے درمیان مقبول ومحبوب تھے، قصبہ میں ان کی بڑی عظمت اور وقعت تھی، جدِّ امجد حافظ عبد الرحمٰن صاحب کا انتقال ۱۳ر ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں ہوا، اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور مقامات عالیہ سے نوازے آمین۔

حسب ونسب

خاندان اور قبیلہ کا بڑا ہونا ایک دنیوی شرافت وفضیلت کی بات ہے مطلقا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا مگر عند اللہ محبوب ومقبول منتخب ہونے کیلئے کسی بڑے خاندان میں پیدا ہونا ضروری نہیں، اللہ پاک اپنا ولی کہیں بھی پیدا کر سکتے ہیں اور کسی سے بھی کام لے سکتے ہیں ''وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم'' بہت سے دلائل سے اس واضح امر کو ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، تاہم قارئین کے افادہ کیلئے بعض آیات وروایات، آثار واخبار کو قلم بند کیا جا رہا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے انسانوں ہم نے تم کو مذکر ومؤنث (آدم وحواء) سے پیدا کیا اور تم کو مختلف برادریوں، خاندانوں اور قبیلوں میں پھیلا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو (آسانی کیساتھ) پہچان سکو (اور یاد رکھو) کہ اللہ پاک کے یہاں مرتبہ والے تم میں وہ ہیں جو زیادہ متقی وپرہیز گار ہیں، بیشک اللہ پاک خوب جاننے والے ہیں اور خبر رکھنے والے ہیں، یہ آیت کریمہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حسب ونسب کی تقسیم فخر وغرور اور کسی پر طعن وتشنیع کیلئے نہیں بلکہ اسلئے ہے تا کہ آپسی رشتوں کو بسہولت پہچان سکیں اور قرابت داری کے حقوق ادا ہو سکیں، صاحب جلالین حضرت علامہ جلال الدین محلیؒ اس آیت کریمہ کے تحت رقمطراز ہیں، یہ آیت کریمہ دراصل اس گندی ذہنیت کو ختم کرنے کیلئے نازل ہوئی جس کے نتیجے میں آدمی دوسروں کو حسب ونسب کی بنا پر کمتر وحقیر سمجھنے لگتا ہے اگر چہ وہ کتنے ہی دینی دنیوی کمالات وفضائل رکھتا ہو ویسے بھی کسی ادنی سے ادنی مسلمان کو حقیر وذلیل سمجھنے کی اسلام میں

قطعاً گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ پاک کے نزدیک اس کا کوئی عمل مقبول ہو جس کی وجہ سے وہ اونچا مقام حاصل کرلے اور تیرا کوئی عمل وفعل اللہ پاک کے یہاں قبیح و مذموم ہو جس کی وجہ سے تیرا مقام کم یا ختم ہو جائے۔

دوسری جگہ بھی اللہ پاک نے یہی سمجھایا کہ اے لوگوں تمہاری اصل ایک ہی ہے۔ تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو، کیونکہ سب کا نسب آدم علیہ السلام سے جا ملتا ہے، لہذا محض خاندان اور نسب کی بنا پر کسی کو فخر کا حق حاصل نہیں، خاندان برادریاں تو محض تعارف کیلئے ہیں تا کہ آپس میں صلہ رحمی کرسکو، خاندان اور قبیلہ ایک دوسرے پر برتری کے اظہار کیلئے نہیں بنائے، جیسا کہ بدقسمتی سے حسب ونسب کو برتری کی بنیاد بنالیا گیا ہے، اسلام نے اس فخر و غرور کی ذہنیت کو مٹایا تھا اور اس کو زمانۂ جاہلیت کی خرافات قرار دیا تھا، نیز آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر نہایت واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا: **لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ ان اکرمکم عندالله اتقاکم.** کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے، بلاشبہ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے (مجمع الزوائد ص ۸۴/ ج ۸/) معلوم ہوا مدار فضیلت اللہ نے تقوی کو بنایا ہے، چونکہ یہ اختیاری چیز ہے اس کو ہر کوئی حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے اور نسب کو اللہ تعالی نے مدار فضیلت نہیں بنایا چونکہ وہ ایک غیر اختیاری چیز ہے، اور تعارف کیلئے بنایا گیا ہے اس کو تفاخر کے طور پر استعمال کرنا

آیات وروایات کی روشنی میں قطعاً درست نہیں، بلکہ آپ علیہ السلام نے نسب کو تفاخر کے طور پر استعمال کرنے والوں کیلئے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ''ضرور بالضرور ایسے لوگ باز آجائیں جو اپنے مردہ آباء واجداد پر فخر کرتے ہیں بس وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں (جنکا انتقال کفر پر ہوا) اللہ پاک کے نزدیک ان کی حیثیت کم ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے نسب کے سلسلہ میں جاہلانہ غرور وفخر کو ختم کردیا ہے ایمان والا تو اللہ کا مقرب ہے اور فاجر بد بخت محروم ہے سب کے سب انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں'' (ترمذی شریف رص ر۲۳۲ رج ر۲)۔

اس حدیث پاک سے مسئلہ بالکل واضح ہوگیا کہ اللہ پاک کے یہاں محبوبیت مقبولیت اور قرب کی بنیاد ایمان، اعمال صالحہ، دینداری، تقویٰ وپرہیزگاری ہے، چاہے انسان کسی خاندان، قبیلے، برادری سے تعلق رکھتا ہو بس اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اور صرف اس کا مقام ہے جو اعمال صالحہ، تقوی اور پرہیزگاری کیساتھ متصف ہو، حسب ونسب کے اعتبار سے اللہ پاک کی نگاہ میں سب برابر ہیں، موقعہ کی مناسبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خودنوشت سے کچھ صفحات برکۃً نقل کردیے جائیں تاکہ مسئلہ اور بھی منقح ہوجائے، چنانچہ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں ''نسبی تفاخر اور غرور نہایت قبیح مرض ہے جس کے ازالہ کیلئے اسلام نے انتہائی جدوجہد کی ہے، بارگاہ خداوندی میں عملی جدوجہد ہی کی پوچھ ہے، نسب بغیر عمل صالح اور بغیر اخلاق کاملہ اور عقائد صادقہ کے کوئی وقعت نہیں رکھتا، اسلام کے نصب العین میں حضرت بلالؓ

اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیبؓ کو جو بلندی اور رفعت حاصل ہوئی ابولہب اور ابوجہل امیہ اور ولید کے انساب عالیہ نے اس کا کروڑواں حصہ بھی حاصل نہ ہونے دیا، ان سرداران قریش کے غرور نے ان کو دوزخ کا کندہ بنا کر چھوڑا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود بُعدِ نسبی اپنے اخلاص اور سچی قربانیوں کی بنا پر خلیفۂ اول اور صدیق اکبر بن کر حضرت خاتم النبیینؐ کے پہلو میں مدفون ہوئے، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باوجود قرب نسبی یہ شرافت حاصل نہ ہوئی، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء افسوس کہ مسلمان ہند میں اب تک یہ جھوٹا غرور اور غلط گھمنڈ پایا جاتا ہے، جس کو اذہان وقلوب سے بالکل ہی چلا جانا چاہئے تھا"۔

حضرت سید صاحب (احمد شہیدؒ) باوجودیکہ سادات میں سے ہیں بہت بڑے پیرزادہ ہیں اور تکیہ رائے بریلی کے چوٹی کے مشہور ومعروف خاندان سے وابستہ ہیں ان کے اسلاف میں بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں، مگر دیکھئے درج ذیل الفاظ میں نہایت مؤثر پیرایہ میں اس نسبی افتخار کی شناعت بیان فرماتے ہیں:

"سخت ضرورت ہے کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دیا جائے اور اپنے اعمال، اخلاق، عقائد کو درست کیا جائے تا کہ کمالات اور قرب خداوندی کی وہ بے پناہ نعمتیں حاصل ہوں جن سے نہ صرف نجات حاصل ہو سکے، بلکہ تمام خاندان کیلئے دینی اور دنیوی عزت اور افتخار کی شرافت ملے اور پروردگار عالم اپنی رضاء وخوشنودی سے نوازے، نسبوں پر فخر کرنے والے نہ صرف عملی میدان میں کسل مند اور لنگڑے ہوتے ہیں بلکہ ان کے اخلاق اور عقائد بھی بگڑ جاتے ہیں، جہالت اور بے کمالی کا بھوت دنیا پرستی اور نفس پروری کا شیطان ان پر سوار ہو جاتا ہے، بے ہودہ اور غلط

اوہام کے اس قدر متوالے ہو جاتے ہیں کہ تمام مسلمانوں حتی کہ اہل علم وتقوی کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں، ناشائستہ کلمات اور رنجیدہ افعال ومعاملات سے دوسروں کا سامنا کرتے ہیں جو لوگ نسبی حیثیت سے کچھ کم یا گرے ہوئے ہوتے ہیں خواہ کتنے ہی متقی یا عالم اور پرہیز گار ہوں انکی توہین وتذلیل میں انتہائی دلیری عمل میں لاتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ امر اسلامی تعلیمات اور اسلافِ کرام کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے، احادیث میں مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تحقیر کرنے سے سختی سے روکا گیا ہے اور اس کی عظمت اور ہمدردی کا زور دار حکم وارد ہوا ہے، نیز تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر پیشہ اور حرفت کے لوگوں میں بڑے بڑے اعلام امت مشائخ علماء، صلحاء، فضلاء، اہل دل، اصحاب علم وفضل، اولیاء کبار پیدا ہوئے، پیشہ اور حرفت کی وجہ سے ان کے مقام ومرتبہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوا'' جس پر مؤرخ اسلام حضرت علامہ مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے بڑی بسط وتفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''ہر طبقہ میں علم وعلماء'' میں روشنی ڈالی ہے اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی قدس سرہ نے اپنی کتاب ''تذکرۃ النساجین'' میں بالتفصیل والایضاح مضامین سپرد قلم کیے ہیں اور جن بعض حضرات نے حسب ونسب کی بنیاد پر مسلمانوں کے ایک طبقہ کی تذلیل اور تحقیر کی ان کے خلاف بہت سے علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، بفضل اللہ تعالی ہمارا خاندان کافی اوپر سے دینداروں کا گھرانہ چلا آرہا تھا اور تعلیم وتعلم ہی ان کا مشغلہ تھا، حضرت علیہ الرحمۃ کے والد اور آپ کے جدّ بزرگوار سب ہی حفاظ اور دیندار حضرات تھے۔

حضرت والد بزرگوار کی والدہ ماجدہ محترمہ بھی بڑی پاکباز، صالحہ، عابدہ،

ولیہ خاتون تھیں اپنے گھرانہ میں ایک امتیازی مقام رکھتی تھیں، بڑی مدبرہ، عقلمند، نظم وضبط سے واقف، سلیقہ شعار عورت تھیں، حضرت والد ماجدؒ کی تربیت میں اصل انہی کا حصہ ہے، دادی جان کو عالم فاضل قاری بنانے کا شوق تھا اور ساتھ ساتھ خاندان کے دوسرے افراد کی خواہش بھی شامل ہوگئی جس سے یہ سب مراحل آسان ہوتے چلے گئے آپ کا نام (شریف) جس نے بھی رکھا اس نے کمال کا ثبوت دیا، بلاریب اس مسمّٰی ذات گرامی نے اس قدر شرافت پائی کہ زمانہ نے آپ کو قاری شریف ہی کے نام سے جانا پہچانا اور یاد کیا، باوجودیکہ آپ علیہ الرحمہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز علماء وفضلاء میں سے ہوئے، زمانہ طفولیت ہی سے سعادت وشرافت کے آثار چہرہ پر نمایاں تھے۔

بالائے سرش زہوشمندی	می تافت ستارۂ سربلندی
مردحقانی کی پیشانی کا نور	کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

ابتدائی تعلیم

بچپن ہی سے آپ نے اس قدر شرافت پائی تھی کہ اپنے معاصر بچوں میں کھیل کود کے بجائے سارا وقت مکتب میں گزارتے تھے، جبکہ عموماً اس عمر میں بچوں کو کھیل کود کا شوق ہوتا ہے مگر آپ کی طبیعت قرآن کریم کی طرف مائل تھی آپ اپنا سارا وقت اسی میں لگاتے تھے یہی آپ کا شوق تھا اور یہی آپ کی منزل تھی، نیز اس وقت میں سرزمین گنگوہ پر کوئی بڑا مدرسہ قائم نہ تھا حضرت گنگوہی قدس سرہ کے وصال کو کافی عرصہ گزر چکا تھا تاہم مکاتب محلّہ در محلّہ قائم تھے میاں جی اور حافظ جی

حضرات پڑھایا کرتے تھے، آپ کے دادا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ کا بھی محلہ میں ایک مکتب چلتا تھا، چنانچہ آپ نے حفظ قرآن کریم کا سلسلہ اپنے جد امجد کے پاس ہی شروع کیا اور تکمیل حفظ دوسرے حافظ صاحب کے پاس ہوئی جن کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا ان کے پاس ہوئی، یہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب حافظ عبدالحکیم صاحب مرحوم کے والد ماجد تھے، بڑے صالح، متقی، پرہیز گار بزرگ تھے، ان کی زندگی قرآن کریم کی خدمت کیلئے وقف تھی، ان کا مکتب ان کے گھر کے پاس مسجد میں قائم تھا، قصبہ میں بہت سے بچوں نے ان سے قرآن کریم پڑھا تھا، تاہم آپ انکے پاس قلیل عرصہ میں حافظ قرآن ہو گئے اس وقت آپ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی، اللہ پاک نے اس قلیل عمر میں آپ کو اس عظیم الشان نعمت سے نواز دیا تھا اور اس وقت سے لیکر آخر عمر تک آپ قرآن کریم کی تلاوت اور تجوید کیساتھ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہے اور اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے میں اپنی عمر عزیز صرف کر دی:

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرا باب
فارسی، تجوید اور قرآن کریم کی تعلیم

فارسی وتجوید قرآن کی تعلیم کیلئے

مدرسہ تجوید القرآن محلّہ قاضی سہارنپور میں داخلہ

تکمیل حفظ کے بعد آپ بالتجوید قرآن پاک پڑھنے کیلئے شیخ القراء، امام وقت، یکتائے روزگار، ماہرفن قاری، جناب مولانا قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ کی خدمت میں پہونچے، اس وقت قاری عبدالخالق صاحبؒ کا طوطی بول رہا تھا (قاریان ہند/ص/۳۶۳) آپ مکہ اور مدینہ کے فیض یافتہ تھے، بڑی عمدہ اور دل پذیر آواز تھی، حجازی لہجے کے علاوہ دوسرے عربی لہجوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے، راہ سلوک میں حضرت اقدس تھانویؒ سے منسلک تھے، ورع وتقوی، پرہیز گاری، خصائل حمیدہ، اوصاف حسنہ کیساتھ متصف تھے، کافی عرصہ سے مدرسہ تجوید القرآن محلّہ قاضی سہارنپور میں بے نظیر انداز پر خدمت قرآن کریم کا سلسلہ جاری تھا، ہزاروں شاگرد فیض یاب ہو چکے تھے، ساتھ ساتھ آپ جامع مسجد سہارنپور کے امام بھی تھے، وہاں پر طلبۂ مظاہر علوم بھی آپ سے مشق کیلئے آیا کرتے تھے، قاری عبد الخالق صاحبؒ بوڑھے ہوگئے تھے اس پیرانہ سالی اور بزرگی کی عمر میں ایک ہونہار، ذی شعور، عمدہ آواز والا گنگوہ کا یہ طالب علم آپ کی خدمت میں پہونچا اور بڑے ذوق وشوق، محنت ولگن کیساتھ مشق قرآن کریم شروع کی، دواڑھائی مہینہ کی قلیل مدت میں قاری عبدالخالق صاحبؒ کا لب ولہجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، اس تعلیمی محنت اور استاذ محترم کی مستقل اور خوش اسلوبانہ خدمت نے آپ کو استاذ محترم

کا منظور نظر بنا دیا، چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے آپ کو طلبہ کی مشق حوالہ کرنے کے ساتھ ساتھ گھر اور مدرسہ کے کئی امور سپرد کئے جن کو آپ نے نہایت خوش اسلوبی کیساتھ انجام دیا، حضرت الاستاذ قاری عبدالخالق صاحبؒ آپ کو بہت پسند کرتے اور بے حد شفقت فرماتے تھے، باہر کہیں جانا ہوتا آپ کو ساتھ لے جاتے اور محافل ومجالس میں قرآن کریم پڑھنے کا حکم فرماتے، آپ نے اسی طرح دو سال کا عرصہ قاری عبدالخالق صاحبؒ کی خدمت میں گزارا اور قراۃ بروایت حفص حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کئی لہجوں میں مہارت حاصل کی، خصوصاً حجازی اور حسینی لہجہ پر مکمل دسترس ہوگئی تھی، تجوید وقراۃ کا یہ شوق کہاں سے پیدا ہوا اور مدرسہ تجوید القرآن میں داخلہ کا سبب کیا بنا اس کو حضرت خود بیان فرمایا کرتے تھے، نیز مدرسہ تجوید القرآن کے قیام کے دوران کی پوری تفصیل خود حضرت کی زبانی سنتے چلئے!

چنانچہ فرمایا: کہ میرا قرآن پورا ہو چکا تھا مگر حروف کی ادائیگی درست نہیں تھی ایک دن دادا مرحوم نے میرا پارہ سنا تو فوراً انہوں نے یہ فیصلہ لیا کہ سہارنپور قاری عبدالخالق صاحب کے پاس مدرسہ تجوید القرآن میں داخلہ کرانا ہے، ویسے دادا مرحوم کا یہ ارادہ بہت پہلے سے تھا کیونکہ وہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے تعلق رکھتے تھے اور سہارنپور ان سے ملاقات کیلئے جایا کرتے تھے اور کوشش یہ کرتے کہ کوئی جہری نماز جامع مسجد میں قاری عبدالخالق صاحبؒ کے پیچھے ادا کریں، دادا مرحوم قاری صاحبؒ کی خوش الحانی اور عمدہ قراۃ سے بہت متأثر تھے نماز کے بعد قاری صاحب سے شرف ملاقات حاصل کرکے نہایت محظوظ ہوتے تھے اور میری خوش آوازی کے پیش نظر یہ رائے قائم کئے ہوئے تھے کہ مجھکو قاری

عبدالخالق صاحب کے مدرسہ میں داخل کرائیں گے، اس درمیان میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے دادا مرحوم کی ملاقات ہوگئی اور میری اگلی تعلیم کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی، مفتی صاحب نے مشورہ دیا کہ مظاہر علوم میں داخلہ کرادیا جائے۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے مشورہ سے ۱۳/شوال ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۴/نومبر ۱۹۴۲ء میں میرا داخلہ مظاہر علوم میں فارسی کی جماعت میں کرادیا گیا، وہاں صرف دو کتابیں تیسیر المبتدی اور تاریخ حبیب اللہ شروع ہوئیں، مگر وہاں قرآن پاک اور قراءۃ کا کام نہیں تھا اسلئے تصحیح قرآن اور قراءۃ کا شوق تشنہ طلب رہا اور قاری صاحب کی طرف کشش بڑھتی رہی، یہاں تک کہ بقرعید کی تعطیل میں گھر پہونچا اور دادا مرحوم سے پوری کیفیت بتلائی، چنانچہ انہوں نے بقرعید بعد خود جاکر مدرسہ تجوید القرآن محلّہ قاضی میں حضرت قاری صاحب کے پاس داخلہ کرادیا، یہ پورا سال اور دوسرا سال حضرت قاری صاحب کے پاس رہنا ہوا، قرآن پاک کا دور شروع کیا اور بروایت حفص مشق شروع کرائی، ادھر قرآن پاک پر پوری توجہ دیتا اور دوسری طرف نہایت لگن اور شوق کیساتھ استاذ محترم کی خدمت انجام دیتا، قاری صاحبؒ میرا جذبۂ خدمت اور اسلوب کو دیکھ کر بے حد شفقت فرمانے لگے تھے، حتی کہ مدرسہ کے بہت سے امور پر بندہ کو مامور فرمادیا تھا، مدرسہ میں ۲۰/بیس ۲۵/پچیس طلبہ کا قیام رہتا تھا مطبخ کا انتظام اور مستقل کوئی روٹی پکانے والا نہیں تھا، بلکہ شہر کے مختلف محلوں میں مختلف گھروں پر طعام کا نظم ہوتا تھا، ہر طالب علم کے بارے میں کھانا بند کرنے اور کھولنے کا معاملہ بندہ کے ذمہ تھا، خود میرا کھانا بھی خانی باغ بازار میں حافظ محمد یعقوب صاحب علی پورہ والوں کے گھر پر تھا،

ان کی کتابوں کی دکان تھی اور گاؤں علی پورہ میں کاشت کاری ہوتی تھی، حافظ یعقوب صاحب اور ان کے اہل خانہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ کھانا کھلاتے تھے، چنانچہ پہلے چٹائی اندر سے آتی پھر لوٹا گلاس پھر طعام سینی میں رکھ کر آتا، طعام کے ساتھ ہر دن کوئی بھی پھل آتا تھا، حافظ محمد یعقوب صاحب مرحوم بہت خلیق اور محبت کے آدمی تھے، اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے آمین۔

شام کا طعام محلّہ قاضی میں مسجد سے متصل جنوبی گلی میں حاجی علی احمد مرحوم کے مکان پر ہوتا تھا جو عصر کے بعد بہت بھاگ دوڑ کی کیفیت میں جا کر کھاتا تھا وہ بھی اسی اعزاز واکرام کے ساتھ کھلاتے تھے، بھاگ دوڑ کی وجہ یہ تھی کہ مغرب کے فوراً بعد حضرت قاری صاحب کا کھانا لیکر جامع مسجد جانا ہوتا تھا، نیز حضرت قاری صاحب کو بوجہ ضعف وکمزوری اور بازار کی بھیڑ کے سبب جامع مسجد چھوڑ کر آتا تھا، چونکہ حضرت قاری صاحب کا معمول تھا کہ قبل عصر جامع مسجد تشریف لے جاتے اور بعد عشاء واپس تشریف لاتے تھے، تینوں نمازیں بوجہ پیرانہ سالی اور ضعف کے ایک ہی آمد ورفت میں ادا ہوتی تھیں، اس لئے بعد مغرب طعام وہاں لے جانا ضروری ہوتا تھا اور عشاء پڑھکر حضرت قاری صاحب کو واپس مکان پر لا کر چھوڑتا تھا، حضرت قاری صاحب بڑے مجاہدہ والے انسان تھے، ایک مرتبہ جب حضرت قاری صاحب کی خدمت کر رہا تھا تو میں نے حضرت قاری صاحب کی گردن پر ایک نشان (یعنی گڈھا) دیکھا اس نشان کی بابت میں نے حضرت سے سوال کیا یہ گڈھا کیسا ہے؟ حضرت نے اپنی عمومی عادت کیساتھ بعجلت فرمایا کچھ نہیں کچھ نہیں، ایک مرتبہ پھر معلوم کرنے پر بتلایا کہ یہ گڈھا نہیں بلکہ ایک نشان ہے اور اس نشان کی وجہ یہ ہے کہ

جب میں مکہ میں استاذ محترم شیخ القراء حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ کے پاس پڑھتا تھا اس وقت چونکہ مکہ مکرمہ میں پانی کی قلت تھی صرف ایک نہر زبیدہ تھی، لوگ پانی نہر سے ہی لاتے تھے میں بھی حضرت کے گھر کیلئے نہر زبیدہ سے پانی لاتا تھا اور میں نے پانی لانے کیلئے دو بہنگیاں (لکڑی میں لٹکانے والے دو ڈول) بنا رکھی تھیں جن کو دونوں کندھوں پر رکھ کر لاتا تھا یہ انہیں کا نشان ہے۔

شاگرد کی خدمت اور استاذ کی محبت

مدرسہ تجوید القرآن میں محلّہ اور شہر کے جو بچے پڑھنے کیلئے آتے تھے وہ قصباتی اور شہری زبان کے درمیان فرق پہچاننے کی بنا پر میری باتوں کا مزاق بنایا کرتے تھے، مگر چونکہ قاری صاحب کی بے پناہ توجہ اور دواڑھائی مہینہ کی مسلسل محنت اور مشق نے قرآن کریم پڑھنے کا رنگ ڈھنگ، انداز و اسلوب یکسر بدل ڈالا تھا اور قاری صاحب کو صحت تلفظ کے متعلق اعتماد پیدا ہوگیا تھا، نیز خداداد خوش الحانی نے مزید قابل توجہ بنادیا تھا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ محلّہ کے جو بچے میری بول چال سنکر استہزاء کرتے تھے وہی بچے جب حضرت قاری صاحب کے پاس سبق سنانے جاتے اور ان کو سبق یاد نہ ہوتا تو حضرت انکو فرماتے چلو چلو پہلے شریف احمد کو سنا کر آؤ اور اس سے سبق کہلوا کر آؤ، اور جب بھی کوئی جدید طالب علم درمیان سال میں داخل ہوتا تو اس کو بھی میرے ہی حوالہ کر دیا جاتا اور حضرت کا حکم ہوتا کہ اس کا تلفظ صحیح کراؤ اور اس کا سبق بھی کہلواؤ، اس کے علاوہ مدرسہ اور گھر کے کئی کام مجھ سے متعلق تھے، چنانچہ گھر کا سارا ساز و سامان لانا میرے ذمہ تھا، روزانہ بازار

سے سبزی، گوشت دیگر مصالحے جات لایا کرتا تھا اور ہفتہ میں ایک مرتبہ بازار سے گیہوں خرید کرلانا اور مدرسہ میں ان کو صاف ستھرا کر کے چھان پھٹک کر پھر چکی میں پسوا کرلانا اور آٹا چھاننا گھر دیکر آنا میرے ذمہ تھا، انہیں ضرورتوں کے پیش نظر بندہ نے ایک چھاج اور ایک چھلنی مدرسہ ہی میں رکھ لی تھی، حضرت قاری صاحب کا ایک معمول یہ تھا کہ پورے سال کیواسطے لکڑیاں اکھٹی ہی خرید لیا کرتے تھے اور ان کا چٹہ لگوا دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ لکڑیوں کا چٹہ لگانا اور ان کو پھاڑ کر حسب ضرورت قاری صاحب کے گھر پہونچانا میرے ذمہ سپرد تھا اور مدرسہ کے بھی کئی کام میرے سپرد تھے، ایک یہ کہ اس زمانہ میں ہر جگہ بجلی کی سہولت فراہم نہیں تھی اکثر مقامات پر لوہے کے فریم میں بڑی بڑی لالٹینیں کھمبوں پر یا دیواروں میں نصب کی جاتی تھیں، ان میں ایک چراغ رکھا ہوا ہوتا تھا، جس میں عموماً سرسوں کا (کڑوا) تیل جلا کرتا تھا، تاہم ہمارے مدرسہ تجوید القرآن میں بھی اسی نوعیت کی ایک لالٹین دیوار میں نصب تھی اور اس میں سرسوں کا تیل ہی جلا کرتا تھا، وہ تیل مدرسہ کیلئے دوتین دکانوں سے آتا تھا، یہ دوتین دکانیں روغنگروں کی جامع مسجد پر واقع تھیں، ان دکانوں سے اس تیل کی فراہمی اور مدرسہ پہونچانے کی ذمہ داری بھی بندہ کے ذمہ سپرد تھی، دوسرے یہ کہ قاری صاحب کا معمول تھا کہ وہ قربانی کیلئے جانور عید الفطر کے بعد ہی خرید لیا کرتے تھے، جن کی مکمل دیکھ ریکھ گھاس دانہ کی ذمہ داری میرے حوالہ رہتی تھی، چنانچہ تقریباً دو مہینے تک منڈی سے ان جانوروں کیلئے گھاس لاتا اور اس کو کاٹ کر ان کے سامنے ڈالتا اور

جانوروں کو پانی پلایا کرتا تھا، مدرسہ کے بہت سے کام متعلق ہونے کی وجہ سے دکان دار اور محلّہ کے سب ہی لوگ واقف ہوگئے تھے۔

حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کی قلبی دعاء

حضرت قاری صاحب جب کسی کام سے خوش ہوتے تو بلا تکلف فرمایا کرتے تھے شریف تیرے لئے تہجد میں دعاء کرتا ہوں، استاذ محترم کی عنایات بے حد تھیں، چنانچہ جب کہیں باہر سفر میں تشریف لے جاتے تو مجھکو ساتھ رکھتے، ایک مرتبہ قاری صاحبؒ دھامپور ضلع بجنور جناب مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کے مدرسہ میں بغرض امتحان تشریف لے گئے، اس موقعہ پر بندہ بھی بطور خادم ساتھ تھا، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ چونکہ مظاہر علوم سے فارغ تھے اور تجوید حضرت قاری صاحبؒ سے ہی پڑھی تھی اسلئے امتحان کیواسطے حضرت استاذ محترم کو ہی بلایا کرتے تھے، نیز حضرت قاری صاحب بغرض امتحان دارالعلوم دیوبند بھی بارہا تشریف لے جاتے رہتے تھے، ایک مرتبہ وہاں ساتھ جانے کا موقعہ ہوا، اسی طرح ایک مرتبہ قاری صاحب کے صاحبزادے قاری عبدالباری صاحبؒ کی شادی میں حضرت کے ہمراہ بحیثیت خادم شریک ہوا، یہ شادی روڑکی کے قریب منگلور نامی قصبہ میں ہوئی تھی اور اس شادی میں مظاہر علوم کے ناظمِ اعلیٰ جناب حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ نے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت فرمائی تھی، میں بارات میں بھی ان حضرات کی خدمت کرتا رہا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، حضرت ناظم صاحبؒ کے لئے وضو کا پانی لایا اور پھر پاس ہی کھڑا ہوگیا کہ شاید مزید پانی کی ضرورت پیش آجائے تو ناظم

صاحب نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں گنگوہ کا رہنے والا ہوں اور حضرت قاری صاحب کے پاس تجوید پڑھتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ نماز کے بعد مجھکو قرآن سنانا، چنانچہ نماز سے فارغ ہوکر جب حضرت ناظم صاحبؒ اور دیگر حضرات بھی بیٹھے تو آپ نے مجھکو تلاوت قرآن پاک کا حکم فرمایا میں نے مشق کیا ہوا رکوع حسینی لہجہ میں پڑھا، نیز حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ بھی عام طور پر اسی لہجہ میں پڑھتے اور مشق کراتے تھے، حضرت ناظم صاحبؒ نے جب میرا رکوع سنا تو بے حد خوش ہوئے یہاں تک کہ مسرت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سے پہلی ملاقات

بس آج کی یہ ملاقات اور تعارف حضرت ناظم صاحبؒ سے تعلق کی ابتداء کا پہلا دن تھا، پھر تو جب بھی میں حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ سے ملاقات کیلئے مظاہر علوم جاتا حضرت ناظم صاحبؒ سے ضرور ملاقات کرتا۔

حضرت تھانویؒ کی پہلی زیارت اور جنازہ میں شرکت

مدرسہ تجوید القرآن کی تعلیم کے دوران حضرت اقدس تھانویؒ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا، آپ کی زیارت کا موقعہ اس طرح ہوا کہ میں قاری صاحب کے کسی کام کیلئے بازار گیا تھا پھر واپسی میں نخاسہ بازار کو آرہا تھا، دیکھا کہ جناب منفعت علی صاحب ایڈوکیٹ کے مکان پر لوگوں کی بھیڑ اکھٹا ہورہی ہے لوگوں سے وہاں جمع ہونے کا سبب معلوم کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ حضرت اقدس تھانوی تشریف لائے ہوئے ہیں اور اسٹیشن جانے کیلئے اوپر سے نیچے تشریف لانے والے ہیں،

اصل بات یہ تھی کہ حضرت تھانویؒ بغرض علاج لاہور تشریف لے جارہے تھے، دریں اثناء وکیل صاحب کے مکان پر قیام فرمایا تاہم ٹرین کی روانگی کا وقت قریب آچکا تھا، سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں اور تانگہ باہر کھڑا تھا، لوگ زیارت ومصافحہ کیلئے بے چین و بے قرار تھے، میں بھی لوگوں کے نیچے سے ہوتا ہوا آگے پہونچ گیا، حضرت اوپر زینہ سے نیچے تشریف لارہے تھے کہ ایک سیڑھی چھوڑ کر اوپر ہی ٹھہر گئے، ایک صاحب حضرت کی طرف سے اعلان کرنے لگے کہ کوئی صاحب مصافحہ نہ کریں اور حضرت کو تانگہ تک جانے کیلئے راستہ دے دیں، مگر لوگوں میں سے کوئی ہٹنے کیلئے تیار نہیں تھا اور شوقِ زیارت ومصافحہ میں حضرت پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑرہے تھے، لوگوں کا یہ عمل حضرت کو ناگوار گزر رہا تھا جس کے اثرات حضرت کے چہرے پر محسوس ہورہے تھے، میں چونکہ حضرت کی اس ناگواری کو تاڑ چکا تھا اسلئے زینہ کے قریب ہونے کے باوجود مصافحہ کی ہمت نہ کرسکا، تاآنکہ حضرت ہجوم میں ہوتے ہوئے تانگہ میں سوار ہوکر اسٹیشن کیلئے روانہ ہوگئے، اس اتفاقی زیارت سے پہلے حضرت تھانویؒ کی زیارت وملاقات کا داعیہ بار بار پیدا ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں مولانا شبلی صاحب سے بات چیت بھی ہوئی تھی، مولانا شبلی حضرت تھانویؒ کے یہاں حاضر باش لوگوں میں سے تھے، انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ شعبان کی تعطیل میں حضرت اقدس تھانویؒ کی زیارت وملاقات کیلئے جائیں گے، مگر افسوس کہ دوبارہ زیارت کا موقعہ نہ ہوسکا، اسلئے کہ حضرت اقدس تھانویؒ ۱۷ ررجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء شنبہ کی شب میں بعد نماز عشاء اس دار فانی سے رخصت ہوگئے اور رفیق اعلیٰ سے جاملے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مجھے حضرت کی وفات کا علم ایسے ہوا کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاری عبدالخالق صاحبؒ چونکہ حضرت تھانویؒ سے منسلک تھے اسلئے حضرت تھانویؒ کی علالت کے زمانہ میں مولانا ظہورالحسن صاحب کسولویؒ مدرس مظاہرعلوم کے پاس ہر روز بعد فجر حضرت تھانویؒ کی خیریت معلوم کرنے کیلئے بھیجا کرتے تھے، مولانا ظہورالحسن صاحبؒ بھی چونکہ حضرت تھانویؒ سے خاص تعلق رکھنے والوں میں سے تھے اور آپ کے مجاز صحبت بھی تھے اسلئے حضرت تھانویؒ سے متعلق خاصی معلومات حاصل کرکے رکھتے تھے اور جب میں جاتا تو آپ سے متعلق حالات سے آگاہ ومطلع کرتے، حسب معمول میں مولانا ظہورالحسن صاحبؒ کے پاس ۱۷ ررجب المرجب ۱۳۶۲ھ بروز شنبہ صبح کے وقت حضرت تھانویؒ کے متعلق حالات معلوم کرنے کیلئے پہونچا تو مولانا نے بتلایا کہ حضرت تو رات اس دار فانی سے رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، میں نے بڑی عجلت کے ساتھ آکر حضرت قاری صاحب کو اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع دی، ادھر یہ غم اندوہ خبر پورے شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ہر شخص تھانہ بھون جانے کیلئے اسٹیشن کی طرف دوڑتا ہوا نظر آتا تھا، میں حضرت قاری صاحب کے خانگی امور اور مدرسہ کے کاموں کی وجہ سے شہر میں اِدھر اُدھر جاتا رہا، جدھر کو بھی نکلتا تھا بازار، سڑک، گلی کوچوں میں ایک کہرام بپا تھا، ہر آدمی پرنم اور اداس نظر آتا تھا، میں بھی جیسے ہی حضرت قاری صاحب کے کاموں سے فارغ ہوا مجھے بھی تھانہ بھون جانے کا داعیہ پیدا ہوا اور میں ہمت، کوشش، دوڑ دھوپ کرکے اسٹیشن پہونچ گیا، وہاں جاکر دیکھا ایک ٹرین سواریوں سے لبالب بھری کھڑی ہے اور یہ

بھی معلوم ہوا کہ یہ آخری ٹرین ہے تو لوگوں کی منت خوشامد کر کے بمشکل تمام جوں توں کر کے ٹرین کے اندر گھس گیا اور ٹرین چل پڑی، اس زمانہ میں چھوٹی لائن چلتی تھی، ٹرین نے تھانہ بھون پہونچتے پہونچتے بہت دیر لگادی، ہم تھانہ بھون اسٹیشن پر اترے اور سب لوگ اتر کر اس باغ کی طرف دوڑ پڑے جس میں حضرت اقدس تھانویؒ کی تدفین عمل میں آئی تھی، یہ باغ اسٹیشن سے قریب تھا، میں باغ میں ہجوم کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ لوگ حضرت کو سپرد خاک کر کے واپس ہو رہے ہیں، نہایت ہی افسوس وملال ہوا اور حسرت ویاس کے عالم میں حضرت کی قبر پر پہونچا اور دیر تک ایصال ثواب کرتا رہا، پھر خانقاہ میں جا کر مغرب کی نماز ادا کی، بعد مغرب کھانے کا تقاضا ہوا اور شدت کی بھوک لگی، چونکہ دن بھر حضرت قاری صاحب کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے کھانے کی فرصت نہیں ملی تھی بھوک بہت بڑھ گئی تھی اور اس موقعہ پر عجیب اتفاق یہ ہوا کہ پیسے بھی ساتھ نہ تھے، خانقاہ میں بیٹھے بیٹھے عشاء کا وقت ہوگیا اور بظاہر کھانے کا کوئی سلسلہ نظر نہیں آرہا تھا، نہ کوئی متعارف اور شناسا اور نہ کوئی واقف کار دکھائی دیا، کچھ دیر بعد ایک صاحب کو دیکھا جو میرے واقف کار اور ایک درجہ میں میرے شاگرد بھی ہوتے تھے، اس طرح کہ یہ مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور مشق قرآن کریم کیلئے حضرت قاری صاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے اور قاری صاحب کا ان دنوں یہ معمول بن گیا تھا کہ ہر آنے والے جدید طالب علم کو ایک دو ہفتہ میرے پاس مشق کے لئے بھیجتے تھے، چنانچہ یہ بھی انہیں نو وارد طلبہ میں سے ایک تھے، تاہم یہ صاحب آئے انکے ساتھ ایک شخص اور آیا جو روٹیوں کا ٹوکرا لئے ہوئے تھا، پیچھے پیچھے دوسرا شخص

اور آیا وہ سالن کا دیگچہ سر پر رکھے ہوئے تھا، یہ تینوں صاحبان خانقاہ میں حوض کے پاس بیٹھ گئے انہیں دیکھ کر میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا، لیکن کچھ دیر بعد ایسی مایوسی ہوئی کہ اس وقت کی خوشی اور مایوسی دونوں آج تک ذہن میں ہیں، خوشی تو یہ ہوئی تھی کہ روٹی والا میرا واقف کار ہے اب تو کھانا مل ہی جائے گا، چنانچہ انہوں نے بیٹھتے ہی آواز لگانا شروع کی کہ روٹی دال کیساتھ ایک آنہ کی اور گوشت کیساتھ ایک روپے کی، مگر اپنے پاس نہ ایک آنہ پیسہ تھا نہ روپیہ، بھوک شدت کے ساتھ لگی ہوئی تھی میں کئی مرتبہ ان کے سامنے کو بھی گزرا اور اس طرح زور سے سلام کیا کہ کسی طرح یہ متوجہ ہوں اور کھانے کو پوچھیں مگر انہوں نے منھ اٹھا کر سلام کا جواب تک نہ دیا، بے حد ہجوم تھا اور بہت بھیڑ تھی میں دیکھتا رہا کہ تھوڑی دیر میں دیکھتے ہی دیکھتے سب روٹی سالن ختم ہوگیا، بہر حال ان سے وابستہ امید بھی جاتی رہی اور یہ صاحب اپنا ٹوکرا اور سالن کا برتن اٹھا کر اپنے گھر چلے گئے، بھوک کی شدت کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ قدم آگے کو نہ اٹھتا تھا، خانقاہ سے باہر نکلا تو دیکھا کھانے کی کوئی دکان نظر نہ آئی جو دکانیں تھیں وہ بھی بند ہو چکی تھیں، وہاں کوئی واقف کار اور شنا سا بھی نظر نہ آتا تھا، کسی طرح وہاں سے آکر قریب کے محلّہ کی ایک مسجد میں بیٹھ گیا بہت دیر سوچتے سوچتے یاد آیا کہ یہاں تھانہ بھون میں گنگوہ کے رحمت اللہ نامی ایک صاحب ہیں (جو حکیم سعید صاحب مرحوم بمبئی والوں کے یہاں خانگی ملازم تھے اور حکیم صاحب اس وقت حضرت تھانویؒ کے معالج ہونے کی حیثیت سے یہیں پر خانقاہ کے قریب قاضی احسان صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھے) لہذا انکو تلاش کیا جائے، چنانچہ معلومات حاصل کر کے رحمت اللہ تک پہونچ گیا، میں

نے رحمت اللہ سے ملاقات کی اور اس سے کہا مجھکو شدت کی بھوک لگی ہے اس لئے جس طرح بھی ہو سکے کچھ کھانے کا انتظام کیجئے، اس نے جواباً کہا حکیم صاحب کے مکان کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے چلو کسی دکان پر چلیں، کافی دور جا کر دیکھا کہ ایک بنیا اپنی دکان کے سامنے چار پائی پر لیٹا ہوا ہے، رحمت اللہ نے لالہ کو آواز دیکر اٹھایا اور کہا او لالہ! تیری دکان میں کچھ کھانے پینے کو ہے؟ وہ اٹھا اور کہنے لگا بھنے ہوئے چنے تو ہیں اور کچھ نہیں ہے، چنانچہ رحمت اللہ نے ایک پیسہ کے چنے لئے میں نے چنے کھا کر پانی پیا تب جا کر پیٹ میں کچھ سہارا ہوا، پھر ہم دونوں مسجد میں آکر لیٹ گئے اور صبح ہوتے ہی بذریعہ ٹرین سہارنپور واپس ہو گئے اور میں مدرسہ تجوید القرآن پہونچ کر اپنی تعلیم اور دیگر متعلقہ امور میں مشغول ہو گیا۔

مدرسہ تجوید القرآن کے قیام کے دوران ہی فارسی کی کچھ کتابیں مدرسہ کے بعض اساتذہ سے پڑھتا رہا، زیادہ تر وقت حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت، مدرسہ کے کاموں اور مشق قرآن کریم میں گزرتا تھا، اس زمانہ میں دوسرے قاری شریفؒ روپڑی والے بھی وہاں زیر تعلیم تھے، حضرت قاری صاحب دونوں کو شریفین شریفین کہا کرتے تھے، دو سال کا عرصہ برابر مدرسہ تجوید القرآن میں استاذ محترم کے زیر عاطفت گزرا، اس کے بعد میزان و ہدایۃ النحو پڑھنے کیلئے مدرسہ مخزن العلوم لکھی گیٹ سہارنپور میں داخلہ لیا، یہاں رہ کر بھی حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ہوتا تھا، چنانچہ مندرجہ ذیل دو خط استاذ محترم کیساتھ غایت درجہ تعلق کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

(۱) مکتوب گرامی حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ

عزیزم سلمہ بعد دعاء

میں الحمدللہ اچھا ہوں امید ہے تم بھی فی الجملہ بعافیت رہکر قرآن شریف سنا رہے ہوں گے؟ تمہاری فرمائش مطلوبہ دس عدد پنکھے علی گڈھ سے آج میرے پاس بخیریت پہونچ گئے، اب تمہارے پاس کس طرح پہونچیں کہو تو منشی ابراہیم صاحب تمہارے ماموں کو دیدوں، گھی غالباً خالص فراہم کر کے رکھا ہوگا آجائے تو ضرورت ہے، یہ کارڈ خاص اس غرض سے اس وقت لکھ رہا ہوں کہ علی گڈھ میں شبینہ ہے، سالِ گزشتہ بھی تین صاحب گئے تھے ممکن ہو تو امسال تم بھی بیسویں شب میں پڑھ کر علی الصباح بیس کو یہاں چلے آؤ اور فوراً کسی گاڑی سے سوار ہو کر شام تک علی گڈھ پہونچ کر ۲۱/۲۲/۲۳/ شب کو پڑھ کر شب ہی میں آخری گاڑی سے سوار ہو کر سہارنپور چلے آؤ اور جو کچھ بقیہ چھوڑ آؤ وہ گنگوہ پہونچ کر پورا کرلو، سہارنپور سے جانے والے بھی اسی طرح کریں گے، یعنی سوا کے حساب سے ۲۵/ پارے کر کے بقیہ پانچ پارے واپس آکر پورے کریں گے، امید کہ تم میری تجویز پر ضرور عمل کر کے علی گڈھ والوں سے مجھے سرخرو کرو گے، کرایہ آمد و رفت مع کچھ نذرانہ پیش کر دیا جائے گا، بواپسی ڈاک مجھے جواب دو تا کہ اس کے مطابق ان کی درخواست کا جواب دیدوں، زبانی یہ مضمون مفتی محمود سلمہ سے بھی کہدیا تھا نہ معلوم تم سے کہا یا نہیں؟ فقط دعاء، دادا صاحب، والد صاحب و پرسان حال کی خدمت میں میری طرف سے سلام بچوں کو پیار۔

عبدالخالق غفرلہ از سہارنپور

۱۴/رمضان ۱۳۷۱ھ یوم سہ شنبہ ۲۰/مئی ۱۹۵۲ء

(۲) مکتوب گرامی مولانا قاری عبدالخالق صاحب نور اللہ مرقدہ

عزیزم سلمہ بعد دعا، کل مرسلہ کارڈ بخیریت موصول ہوکر کاشف حالات ہوا اعذار تو واقعی اپنی جگہ سب صحیح ہیں، مگر کیا کیا جائے ضروری کام بھی کرنے ہی پڑتے ہیں مجبوری ہے وعدہ کرلیا ہے، خیر تم یہ کرو کہ عارضی انتظام کر کے چار روز نکال لو اور شب چہار شنبہ گزار کر علی الصباح موٹر سے سوار ہوکر سہارنپور چلے آؤ اور اگر پہلے موٹر سے سوار ہوکر آنے میں کوئی عذر ہو تو دوسرے سے آجاؤ، غرض یہ ہے کہ چہار شنبہ کو عصر تک ضرور سہارنپور پہونچ جاؤ تاکہ بعد نماز عشاء پہلی گاڑی جو ایک بجے کے بعد سہارنپور سے چلتی ہے مع اپنے رفقاء یعنی شب پنجشنبہ میں سوار ہوکر ٹھنڈے وقت علی الصباح علی گڈھ پہونچ کر دن گزار کر بائیسویں شب یعنی شب جمعہ میں قرآن شروع کردو اور پھر جمعہ وہیں پڑھ کر شب شنبہ وشب یکشنبہ میں پڑھ کر آخری شب میں ہی سوار ہوکر بروز یکشنبہ گیارہ بجے تک سہارنپور پہونچ جاؤ اور سہارنپور سے موٹر میں سوار ہوکر قبل افطار گنگوہ پہونچ جاؤ، اللہ تعالی یہ سفر گو گرمی کا ہے اپنے فضل وکرم سے آسان فرمائے آمین۔

آتے وقت گھی ہمراہ لیتے آنا، بس اب میں مطمئن ہوں امید ہے کہ تم میرے خط پر عمل کر کے چہار شنبہ کو ضرور مع الخیر پہونچ جاؤ گے خدا خیریت سے لائے تین روز سے گرمی یہاں بھی کافی ہو رہی ہے ارحم الراحمین رحم فرمائے، آمین!

میری طرف سے سب کو سلام۔　　　　عبدالخالق غفرلہ

یوم شنبہ/۱۶ر رمضان ۱۳۷۲ھ/۲۲ مئی ۱۹۵۳ء

الغرض حضرت والد صاحب اپنے استاذ محترم جناب قاری عبدالخالق صاحبؒ کا تذکرہ بڑے مزے اور لطف کے ساتھ کیا کرتے تھے، بسا اوقات استاذ محترم کی شفقتوں اور عنایتوں کو یاد کر کے روتے، حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کی اولاد میں سے جو طلبہ مدرسہ میں داخل ہوئے ان پر بڑی کرم نوازیاں فرمائیں اور اسی دیرینہ تعلق کا اثر تھا کہ ان بچوں کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا کرتے تھے اور ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے، حضرت والد کا اپنے استاذ قاری عبدالخالق صاحبؒ کیساتھ کس درجہ والہانہ تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جامعہ اشرف العلوم میں نہایت حسین عمارت شریفیہ دارالقرآن پر جلی حروف میں اپنے استاذ کا نام لکھوایا اس طرح اپنے استاذ محترم کا ذکر جمیل اور انکی یادگار بعد میں آنے والوں کے لئے چھوڑ گئے، اپنے استاذ گرامی کے احسانات کو یاد کرتے اور ان کا بدلہ دعاؤں کے ذریعہ ادا کرنے کی ہر وقت فکر فرماتے تھے، اللہ پاک ہمیں بھی ان کا اتباع نصیب فرمائے آمین یارب العلمین۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کے ساتھ لدھیانہ میں

ابھی تعلیم کا آغاز ہی ہوا تھا کہ ۵/ذی قعدہ ۶۴/۱۳۶۳ میں جناب حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کیساتھ لدھیانہ جانا پڑا اور وہیں میزان الصرف کی جو کتابیں شروع ہو چکی تھیں پڑھیں، قصہ یہ ہوا کہ تحریک احرار کے قائد جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب احراری لدھیانویؒ جنگِ آزادی کے زمانہ میں جیل چلے گئے تھے،

مولانا کے زیر اہتمام لدھیانہ میں انور یہ شاہی مسجد کمیٹی باغ کے نام سے ایک مدرسہ چلتا تھا انکی عدم موجودگی میں مدرسہ کے نگرانِ اعلیٰ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کے بھائی مولانا یحییٰ صاحبؒ ہوئے ،ان کے مدرسہ میں سابق صدر مدرس چلے جانے کی وجہ سے ایک صدر مدرس کی اشد ضرورت تھی انہوں نے ارباب مظاہر علوم سے صدر مدرس کی درخواست کی تو مظاہر علوم سے صدر مدرس کیلئے حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کا جانا طے ہوا،حضرت مفتی صاحب نے اپنے ساتھ میرا لیجانا تجویز کیا،لدھیانہ میں چھ ماہ قیام رہا، یہ جنگ آزادی کا دور تھا پنجاب میں عام ماحول یہ تھا کہ حضرات ائمہ اپنی اپنی مساجد میں آزادی سے متعلق پر جوش بیانات کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب بھی حسب معمول لدھیانہ کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ سے قبل بیان کرتے اور جمعہ پڑھاتے تھے، جب میں وہاں پہونچا تو اذان خطبہ مجھ سے ہی پڑھوانے لگے تھے،اس درمیان میں ایک جمعہ کو یہ لطیفہ پیش آیا کہ مولانا یحیی صاحب نے بیان فرمانے کے بعد خطبہ کی اذان کیلئے مجھ کو کھڑا کیا خطبہ خود انہوں نے پڑھا بعد خطبہ نماز کیلئے بھی مجھے ہی آگے بڑھا دیا، جب میں نماز پڑھانے کیلئے مصلی پر جانے لگا تو اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے مخصوص مزاحی انداز میں چپکے سے یہ فرمایا کہ تکبیر بھی پڑھ لے اس پر مجھے ہنسی آگئی نماز تو میں نے ضرور پڑھائی مگر حضرت مفتی صاحبؒ کی خوش طبعی سے جو کیفیت پیدا ہوئی تھی اس پر بہت مشکل سے قابو پا سکا تھا۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ کے گھر بھی بندہ کافی آتا جاتا تھا،ان کے بیٹوں میں سے مولانا انیس الرحمٰن صاحبؒ ،مولانا طیب صاحبؒ،مولانا محمد احمد صاحبؒ سے گہرا تعلق ہو گیا تھا اور ہر جمعہ کو فجر کی نماز

کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے گھر پر حضرت مفتی صاحب کیساتھ جانا اور ناشتہ کرنے کا ایک معمول سا بن گیا تھا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ بڑی عابدہ زاہدہ نیک سیرت خاتون تھیں، ان کو قرآن کریم سے بڑا عشق تھا اسلئے میرا قرآن پاک بے حد شوق سے سنا کرتی تھیں، جب کبھی وہ مجھ سے قرآن پاک سننے کی خواہش ظاہر کرتیں تو پردہ کے پیچھے بیٹھی ہوئی سنتی رہتی تھیں، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے تمام ہی گھر والوں سے گھر جیسا تعلق ہوگیا تھا، مولانا کے فرزندان سے اخیر تک تعلق رہا، چنانچہ مولانا انیس الرحمٰن صاحب مظاہریؒ تھے ان سے چھوٹے طیب، اظہر، محمد احمد، سعید الرحمٰن تھے، ان میں سے اظہر میرے میزان کے ساتھی بھی رہے، تقسیم ہند کے بعد ان میں سے کچھ پاکستان چلے گئے تھے اور کچھ ان میں سے والد محترم کے ساتھ دہلی منتقل ہو گئے تھے، غالباً بلّی ماران دہلی میں انہوں نے ایک مکان لے لیا تھا یہ اسی میں رہائش پذیر ہو گئے تھے، میری ملاقات محمد اظہر سے خصوصاً دہلی کی آمد ورفت کے دوران ہوتی رہتی تھی ۔

مذکورہ بالا جملہ تفصیل حضرت نے اپنی زبانی ارشاد فرمائی تھی جس کو بعینہ قلمبند کر دیا گیا ہے، لدھیانہ چھ ماہ قیام کر کے واپسی کے بعد حضرت نے جماعتِ میزان کی باقی کتب اور ہدایۃ النحو مدرسہ مخزن العلوم لکھی گیٹ سہارنپور میں پڑھیں اور اسی دوران حضرت قاری عبدالخالق صاحب کے پاس آمد ورفت وملاقات کا سلسلہ جاری رہا، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ پاک کو آپ سے عظیم الشان کام لینا منظور تھا، اسلئے شروع ہی سے اس انداز پر تربیت کرائی گئی کہ آنے والے زمانہ میں آپ کیلئے تمرین اور مشق کے درجہ کا کام دے، آپ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی

سے خوبیوں اور کمالات کا مالک بنایا تھا، بچپن ہی سے آپ کے ہر کام میں نظم ونسق، ترتیب بندی، مجاہدہ ومحنت کے پہلو گاہ بگاہ نظر آتے ہیں، مسلسل جد وجہد کی عادت، بروقت کام انجام دینے کی طبیعت، استاذ کی بے لوث خدمت نے آپ کو ایک عالم باعمل، خاشع، خاضع انسان اور آئندہ کیلئے ایک مرد مجاہد، ایک بہترین مدبر اور ایک عظیم منتظم بنا کر ثابت کیا اور آپ کی مخلصانہ خدمت کے جذبے، بے حد تواضع، اخلاق نے آپ کو اپنے دور کے اکابر اہل اللہ کا منظور نظر بنا دیا تھا، قاری صاحبؒ کے پاس سے تعلیم پوری کر کے آپ نے مظاہر علوم میں داخلہ لیا۔

تیسرا باب
مظاہر علوم میں داخلہ اور اساتذۂ ذیشان کے ساتھ ربط

مظاہر علوم میں داخلہ اور اساتذۂ کبار کے ساتھ ربط

سید القراء جناب حضرت قاری عبد الخالق صاحبؒ سے تجوید وقراءۃ کے سلسلہ میں بھرپور استفادہ کرنے کے بعد آپ نے عربی علوم کی تکمیل کیلئے زمانہ کے مشہور ومعروف ادارہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں جماعت کافیہ میں داخلہ لیا، یہ وہ دور تھا جسمیں مظاہر علوم کے اندر زمانہ کی مشہور ومعروف علمی، عرفانی، روحانی، عملی، اصلاحی شخصیات جلوہ افروز تھیں اور مظاہر علوم اس وقت علماء کبار، صلحائے عظام، محدثین، مفسرین، فقہاء، صوفیاء کا مرکز تھا اور آج بھی ہے، یہ دارالعلوم دیوبند کا معاصر اور مدارس میں اسکی حیثیت مقبول بین العوام والخواص مدرسہ کی تھی، بڑے بڑے جبالِ علم، صاحب فضل وکمال، زہد وتقویٰ کے امام، جمیع علوم وفنون کے ماہر حضرات کا علمی اصلاحی فیضان جاری تھا، بقول شیخ المشائخ حضرت شیخ زکریا صاحبؒ پورا مدرسہ، علماء، صلحاء، ذاکرین وشاغلین اور نورانی چہروں کی وجہ سے ایک طرف درسگاہِ عظیم دوسری طرف خانقاہ معلوم ہوتا تھا، چنانچہ مظاہر علوم کے اس مقدس ومبارک دور میں آپ نے مدرسہ میں داخلہ لیکر جملہ اکابر سے علمی عملی اصلاحی بھرپور فیض حاصل کیا اور اپنے فطری اوصاف حمیدہ اور خدمت گزاری سے اکابر مظاہر علوم واساتذہ کرام کی عنایات خاصہ حاصل کیں اور آپ سب ہی اساتذہ کے منظور نظر بنے، خصوصاً سرتاج المحدثین شیخ محمد زکریا صاحبؒ، امیر النظماء استاذ الکل حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ، جامع المعقول والمنقول، مناظر الاسلام، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ،

استاذ الفقہاء، مفتی اعظم حضرت مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی، جامع الاوصاف والکمالات حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری، مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جیسے حضرات سے غایت درجہ تعلق رہا، ان اکابر کی خدمت میں باربار حاضر ہوکر ان کی توجہات، شفقتیں، عنایتیں حاصل کیں اور ان مذکورہ اکابر ہی کی موجودگی میں دارالطلبہ قدیم کی مسجد مظاہرعلوم میں تین سال امامت کی سعادت حاصل کی، جس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب نے امامت کی پگڑی سر پر باندھی اور فرمایا کہ آج سے یہ امامت کیا کریں گے، اساتذۂ کرام آپ کی عمدہ قرأت اور حسینی لہجہ کو بے حد پسند فرمایا کرتے تھے، مسلسل تین سال کا عرصہ اس علمی، روحانی، نورانی ماحول میں گزرا اور اس دور میں مختلف اساتذہ کے پاس آپ نے جماعت کافیہ، شرح جامی، مختصر المعانی کی تعلیم حاصل کی، اس دوران اکابر کیساتھ اسفار بھی کئے اور جماعت کافیہ پڑھنے کے سال آپ کے دل میں سرزمین گنگوہ پر اشرف العلوم کے قیام کا داعیہ پیدا ہوا، جس کا اظہار آپ نے حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب کے سامنے کیا، حضرت نے حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ رمضان المبارک میں مقامی حضرات کی ذہن سازی کرکے ہم خیال بناؤ، چنانچہ آپنے ایسا ہی کیا اور رمضان المبارک بعد باہر لی مسجد میں اشرف العلوم کی داغ بیل ڈال کر ابتداء کردی گئی، آپ زمانۂ تعلیم ہی سے اشرف العلوم کیلئے دوڑ دھوپ اور نگرانی فرماتے رہے اکابر کو یہاں لانا اور مدرسہ کے جملہ حالات سے آگاہ کرتے رہنے کا سلسلہ زمانۂ تعلیم ہی سے جاری رہا، حصول علم کی محنت تعلیمی مصروفیت کیساتھ ساتھ وقت کے تمام اکابر سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے مستقبل

کے ایک عظیم الشان ادارہ کیلئے دوڑ دھوپ اور نگرانی کے امتیازی وصف کیساتھ باری تعالیٰ نے آپکو متصف فرمایا تھا مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران اکابر کیساتھ تعلقات اور پیش آمدہ واقعات اور اکابر کے حالات کو حضرت اپنی زبانی بیان فرمایا کرتے تھے، ہم قارئین کی علمی زیادتی اور آپ کے کلمات مبارکہ کی حلاوت حاصل کرنے کیلئے مظاہر علوم کی تعلیمی زندگی آپ کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: میں نے حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کے پاس ''تجوید وقراۃ'' کا علم حاصل کر کے حضرت قاری صاحب کی اجازت سے مدرسہ مخزن العلوم لکھی گیٹ سہارنپور میں داخلہ لیکر ''میزان'' کی مابقیہ کتب اور ''ہدایۃ النحو'' پڑھ کر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں جماعت ''کافیہ'' میں داخلہ لیکر مستقل پڑھنا شروع کیا اور تین سال تک مظاہر علوم ہی میں تعلیم حاصل کی، ان تین سالوں میں جن حضراتِ اساتذۂ گرامی کے پاس مختلف کتابوں کے اسباق رہے ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں! کتاب ''کافیہ'' حضرت مولانا سید ظریف احمد صاحب پورقاضویؒ کے پاس شروع کی ''قدوری'' کا سبق حضرت مولانا عبدالمجید صاحبؒ مہسری والوں کے پاس رہا، ''اصول الشاشی'' حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ سے پڑھی۔ مظاہر علوم کے دوسرے سال میں ''شرح جامی'' امام النحو علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ سے پڑھی اور ''کنز الدقائق'' حضرت مولانا اکبر علی صاحب سے ''نور الانوار'' حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے اور ''قطبی'' حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ کے پاس رہی۔ مظاہر علوم کے تیسرے سال میں ''مختصر المعانی'' حضرت مولانا منظور احمد خانصاحب سہارنپوریؒ سے پڑھی ''ہدایہ

اولین‘‘ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کیمل پوریؒ سے۔’’سلم العلوم‘‘ حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ سے پڑھی اور بندہ نے تعلیم کے زمانہ میں اپنے تمام اساتذہ کے پاس آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھا اور حتی المقدور ان حضرات کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت مولانا شاہ عبد اللطیف صاحب پورقاضویؒ

آپ پر استاذ العلماء حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحب پورقاضویؒ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور کی عنایات خاصہ رہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۹۹ھ پورقاضی ضلع مظفر نگر میں ہوئی، والد صاحب کا نام مولانا جمعیت علی ہے، حفظ قرآن پاک مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد پورقاضی میں حافظ امانت علی صاحب بھکروی سے کیا، ابتدائی کتب فارسی والد محترم سے بہاولپور میں پڑھیں، ۱۳۱۵ھ مظاہر علوم سہارنپور میں جماعت میزان الصرف میں داخلہ لیکر یہاں کے شیوخ اساتذہ اور کبار محدثین سے مختلف علوم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲۳ھ میں فراغت ہوئی، فراغت کے بعد مظاہر علوم ہی میں تقرر ہوگیا۔

آپ اپنے زمانہ میں فن حدیث کے مشہور اور جید الاستعداد عالم تھے جملہ علوم وفنون کے جامع اور انتظام وانصرام کے ماہر تھے، آپکے دورِ اہتمام وانتظام میں مظاہر علوم بام عروج پر پہونچا، واردین وصادرین آپکے حسن انتظام سے بے حد متاثر ہوتے اور کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ عمارت کے

حساب سے تو دارالعلوم بڑا ہے اور نظم وانتظام کے اعتبار سے مظاہر علوم، کیونکہ وہاں حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ جیسے مدبر کے زیراہتمام کام ہوتا ہے، آپنے مظاہر علوم کیلئے ہندوستان کے مختلف شہروں علاقوں کے علاوہ بیرون ممالک کے بھی سفر کئے، برما کے دوسفر ہوئے جہاں پر آپکا علماء تجار معززین ملک نے شاندار استقبال کیا، جگہ جگہ تقریبات منعقد ہوئیں پورے ملک میں شور تھا حضرت ناظم صاحب تشریف لائے ہیں، وہاں کے دوروں میں آپکے ہمراہ علماء، صلحاء، عمائدین ملت رہے، وہاں بہت سے مدارس کا قیام عمل میں آیا اور قدیم دینی مدارس کو استحکام حاصل ہوا، آپ ۱۳۷۲ھ بضرورت مدرسہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں طبیعت ناساز ہوئی ۲۰ر جمادی الثانی کو واپسی ہوئی اور واپسی کے بعد مرض میں شدت ہوتی چلی گئی بالآخر ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ دوشنبہ کی صبح وصال ہوگیا اور حاجی شاہ کمال میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

مدرسہ مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران حضرت والد صاحبؒ کا آپ کیساتھ بے حد تعلق رہا اور آپ کیساتھ شناسائی وتعارف تو مدرسہ تجوید القرآن کی تعلیم کے دوران سے ہو چکا تھا، جب پور قاضی میں قاری عبدالخالق صاحبؒ کے صاحبزادے کی شادی کے موقعہ پر ملاقات ہوئی تھی اور اسکے بعد سے برابر مظاہر علوم میں آمدورفت کے دوران ملاقات ہوتی رہی، پھر جب مستقل داخلہ مظاہر علوم میں ہوگیا تو اس تعلق میں مزید تقویت پیدا ہوئی، حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحبؒ نے آپکو دارالطلبہ قدیم کی مسجد کا امام بنایا، بڑے اہتمام کے ساتھ آپکے سر پر عمامہ باندھا اور امامت کا اعلان کیا اور آپکو بہت سی مرتبہ ہمراہ سفر میں لے جاتے رہے، نیز جب حضرت والد صاحبؒ نے

گنگوہ میں مدرسہ کے قیام کے سلسلہ میں حضرت کو اپنے جذبہ وداعیہ سے مطلع کیا تو آپنے بھرپور تائید کی اور سرپرستی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا جس کے نتیجہ میں اشرف العلوم کا قیام عمل میں آیا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے جب باقاعدہ مدرسہ اشرف العلوم کی باگ ڈور سنبھالی اور یہاں انتظام واہتمام کیساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت بھی حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کی عنایات وتوجہات برابر جاری رہیں اور مظاہر علوم سہارنپور سے گنگوہ تشریف آوری بھی ہوتی رہی اور حضرت بھی آپکی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر جملہ حالاتِ مدرسہ سے آگاہ فرماتے رہے اور مختلف قسم کی خدمات کا بھی شرف حاصل کرتے رہے، آپکے ساتھ اس دیرینہ تعلق کی وجہ سے کہ حضرتؒ نے مدرسہ اشرف العلوم میں باب رشید کے عقبی حصہ میں آپکا نام کندہ کرایا ہے جوتا قیام مدرسہ حضرت کی یاد تازہ کرتا رہے گا، حضرتؒ آپکو بے حد یاد کیا کرتے اور شوق سے آپکا تذکرہ کیا کرتے تھے، اسلئے ہم یہاں بطور تبرک حضرت والد صاحبؒ کی زبانی مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کے حالات واقعات نقل کرتے ہیں جو شروع ملاقات سے لے کر آخر تک آپکے ساتھ پیش آتے رہے۔

چنانچہ فرمایا کرتے تھے: استاذ العلماء، جناب حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ نہایت پروقار، بارعب چہرہ والے، قدآور، لحیم، شحیم، خوبصورت انسان تھے، چنانچہ حضرت مولانا حکیم عبدالرشید عرف نھو میاں صاحبؒ نبیرہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص سے مرعوب نہیں ہوتا جتنا کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سے مرعوب ہوتا ہوں۔

حضرت کے ساتھ ایک قصہ بطور لطیفہ نقل کیا جاتا ہے

ایک مرتبہ میں حضرت کے ہمراہ تھا ماہی کوٹہ جانے کیلئے ٹرین میں سوار ہوئے اور ناگل اسٹیشن پر اتر گئے، گاؤں سے کوئی سواری نہیں آئی حضرت نے فرمایا کہ چلو سواری راستہ میں مل جائے گی، ہم گاؤں کی طرف چل پڑے تھوڑی دور چلنے کے بعد ایک آدمی راستہ میں ملا اس سے معلوم کیا کہ بھائی گاؤں ماہی کتنی دور ہے؟ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا اجی یہی ہے سامنے، حضرت نے فرمایا کہ سامنے تو آسمان بھی ہے اور گاؤں والوں کا سامنا بہت لمبا ہوتا ہے یہ بتلا کہ کتنے کوس ہے؟ اس نے کہا اجی بس چار ک کوس ہے، حضرت نے فرمایا سن لیا بھائی چار کوس کو یہ کہہ رہا ہے کہ سامنے ہی تو ہے، تھوڑی دور اور چلے تو گاؤں سے بیل گاڑی آ گئی ہم اس میں بیٹھ کر گاؤں پہونچے عصر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگ ملاقات کیلئے آنے شروع ہو گئے تو حضرت ہر ایک سے پوچھتے تھے، کھیتی کا کیا حال ہے، ڈنگر کیسے ہیں، ڈنگر کتنے ہیں، بھینس کتنی ہیں، بیل کتنے ہیں؟ سب لوگ بتلاتے رہے، ایک صاحب آئے ان سے بھی حضرت نے یہی سوال کیا اور پوچھا کہ بھائی تیرے بیل بھینس کتنے ہیں اور ٹھیک ٹھاک ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ”(ہجرت جی) بس پوچھ کے کیا لے جو تیرے مقدر کا ہوگا ملجا گا“ اس طرح اس نے دیہاتی زبان میں اپنے خیالات کی ترجمانی کی، حضرت اس موقعہ پر ماہی گاؤں میں جناب حاجی مقصود صاحب کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے، حاجی صاحب کا معمول یہ تھا کہ ہر جمعہ کو ماہی سے پیدل چل کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حاجی صاحب حضرت سے خاص تعلق رکھنے والوں میں سے تھے۔

حضرت ناظم صاحبؒ کے ساتھ دوسرا سفر اور حضرت مولانا زکریا قدوسیؒ کا وعظ در کرنال

ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ کرنال کا سفر ہوا اس موقعہ پر سفر میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ والد گرامی جناب حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ہمراہ تھے، حضرت والد صاحبؒ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں:

''مولانا زکریا صاحب قدوسی گنگوہیؒ کا بیان کرنال کی جامع مسجد میں ہونا تھا، چنانچہ نماز جمعہ کے بعد اولاً حضرت ناظم صاحبؒ نے مجھ کو تلاوتِ کلام پاک کا حکم فرمایا بعد تلاوت کلام پاک مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ کا بیان شروع ہوا عصر تک بیان جاری رہا مجمع میں شاید ایسا کوئی آدمی رہا ہوگا جس کی آنکھ میں آنسو نہ آئے ہوں، بندہ حضرت ناظم صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس وقت حضرت ناظم صاحبؒ کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں پرنم ہو رہی تھیں، رات میں قیام کر کے صبح کے وقت سبھی حضرات کی بخیر واپسی ہوئی''۔

دوران طالب علمی کا عجیب قصہ

ایک مرتبہ مولانا عبد المجید صاحبؒ مہسری والوں کے سبق کے دوران عبد الرؤف کیساتھ چھیڑ خانی ہوگئی مولانا عبد المجید صاحبؒ مظاہر علوم کے ناظمِ تعلیمات تھے ظہر کے بعد ہم ان کے پاس ''قدوری'' کا گھنٹہ پڑھا کرتے تھے، عبد الرؤف جو حضرت مولانا سید عبد اللطیف صاحبؒ کے صاحبزادے تھے میرے

درسی ساتھی تھے اور ہم دونوں سبق میں قریب قریب بیٹھتے تھے، عبدالرؤف نے چھیڑ خانی شروع کی جو آداب سبق کے خلاف تھی، چھیڑ خانی ہوتے ہوئے مولانا عبدالمجید صاحب نے دیکھ لیا فوراً وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے منھ پر طمانچہ مارا اور عبدالرؤف کو کچھ نہیں کہا، حضرت ناظم صاحب سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے میں نے جلدی سے جا کر حضرت کو کہدیا کہ ہم دونوں چھیڑ خانی کرر ہے تھے مولانا نے میرے تو ماردیا اور عبدالرؤف [1] کو کچھ بھی نہیں کہا، حضرت ناظم صاحب نے فوراً عبدالرؤف کو آواز دی اور فرمایا کہ یہاں کان پکڑلو، یہ لفظ حضرت کی زبان سے سنکر بے حد افسوس ہوا اور اپنی شکایت پر ندامت ہوئی، میں نے تبھی حضرت ناظم صاحب سے عرض کیا کہ حضرت میں معافی چاہتا ہوں بس آپ معاف فرمادیجئے اور اس کو چھوڑ دیجئے، چنانچہ میں

---

[1] ۵رذی الحجہ ۱۴۳۰ھ کو حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب عالی بھی آغوش رحمت میں جا بسے انا للہ و انا الیہ راجعون، مولانا مرحوم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے معمار اور یادگار ناظم ومتولی حضرت اقدس مولانا شاہ عبداللطیف صاحب پورقاضوی نوراللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند تھے مولانا عبدالرؤف عالی عالم دین، اہل قلم، مترجم اور بہترین ادیب وشاعر تھے، انہوں نے سرزمین دیوبند کو اپنی جولان گاہ بنایا اور مختلف سمتوں میں سفر کیا، زمانہ کی ناہمواریوں اور ناگفتہ بہ مسائل نے انہیں تختۂ مشق بنایا لیکن وہ صبر واستقامت کے پہاڑ بنے رہے اور بشکر ورضاء آگے بڑھتے رہے، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف کے متعدد شعبوں میں انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں اور مفوضہ امور کی انجام دہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، وہ دیوبند کے اس وقت کے تصنیفی ادارہ دارالفکر سے بھی وابستہ رہے جہاں انہوں نے متعدد کتابوں پر کام کیا، علم حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح کے قدیم ترجمہ ''مظاہر حق'' کی ترتیب جدید کا انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا جو معارف المشکوۃ کی شکل میں بالاقساط منصۂ شہود پر آتا رہا اور شائقین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بھی بہت سے کام اللہ نے ان سے لئے جو انشاء اللہ مرحوم کیلئے بہترین صدقۂ جاریہ ثابت ہونگے، مولانا عبدالرؤف عالی کا جامعہ اشرف العلوم رشیدی سے والہانہ تعلق تھا وہ بکثرت یہاں تشریف لاتے اور جامعہ کی تعمیر وترقی سے خوش ہوتے، بانی جامعہ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب علیہ الرحمہ بھی ان کی آمد سے مسرور ہوتے اور حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحب پرقاضوی کی وجہ سے ان کا بیحد احترام فرماتے تھے۔

بار بار یہی الفاظ دہراتا رہا کہ حضرت معاف فرما دیجئے اور اس کو چھوڑ دیجئے حضرت نے فرمایا کہ بس اتنی جلدی تیرا دل پسیج گیا، تاہم حضرت نے عبدالروف کو چھوڑ دیا اور کہا جاؤ۔

حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا، آپ پر بارگاہِ خداوندی میں جواب دہی کے استحضار کا غلبہ رہتا تھا اور یہ بات نہایت قابل توجہ اور لائق التفات ہے جس کا خیال ہر فرد بشر کو رہنا چاہئے، یہ صفت فی زمانہ مفقود سی ہوتی جا رہی ہے۔

حضرت ناظم صاحبؒ کی احتیاط

حضرت اپنے انتظامی امور میں نہایت ہی محتاط طریقہ اختیار فرماتے تھے، چنانچہ ہر دو چار دن میں تقسیم طعام کے بعد جو کچھ شوربا بچ جاتا تھا وہ شوربا کیا بس تلچھٹ اور گادھ ہوا کرتی تھی، اس کو مولانا اسماعیل صاحبؒ ناظم مطبخ ایک چھوٹی دیگچی میں حضرت ناظم صاحبؒ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، یہ تو مجھے اندازہ نہیں کہ حضرت اس تلچھٹ کا کیا کرتے ہونگے البتہ اگلے دن صبح کو ایک آنہ یا چھ پیسے شوربے کے معاوضہ میں میرے ذریعہ دفتر میں جمع کرایا کرتے تھے، یہ طریقۂ کار بار ہا دیکھنے کے بعد ایک مرتبہ میں نے ہمت کر کے حضرت سے معلوم کیا کہ یہ پیسے شوربے کے عوض کیوں جمع کراتے ہیں؟ حضرت نے بہت ہی شفقت آمیز انداز میں فرمایا کہ ''میرے انتظام میں مدرسہ کا سالن پکتا ہے اور جو بچ جاتا ہے خدا کے یہاں اسکے بارے میں جواب دہی مجھ سے ہوگی'' یہ تھے ہمارے اکابر اور اسلاف جنہوں نے عہد نبویؐ عہد صحابہؓ وتابعینؒ و تبع تابعینؒ کی یادیں تازہ کر دیں اور امانت داری و دیانت داری نیز اخلاص وللّٰہیت کے وہ نقوش چھوڑے کہ رہتی دنیا تک انکو بھلایا نہ جاسکے گا، ان حضرات نے احترام شریعت،

تقویٰ، طہارت، معاملات میں صفائی واحتیاط کی وہ مثالیں پیش کی ہیں کہ ان پر عمل کرنے والے اب بھی ہمت سے چل سکتے ہیں اوراپنی آخرت بنا سکتے ہیں، جو مدارس اسلامیہ کے قیام اوروجود کی اصل غرض وغایت ہے اور فی زمانہ ایک طبقہ محض دنیائے دنی کے حصول کیلئے مدارس قائم کررہا ہے اور کذب وافتراء، اختلاف اور فساد پر بنیادیں رکھی جارہی ہیں اور حلت وحرمت کا خیال اور آخرت میں جواب دہی کے فکر سے بالاتر ہوکر صرف پیٹ بھرنے اور بڑھانے میں مشغول ہے اللہ پاک ہدایت نصیب فرمائے۔

مظاہر علوم میں قیام کے دور کی چند باتیں

اپنے احباب ورفقاء کے تعلق سے حضرت والد صاحبؒ کچھ اس طرح بیان فرماتے تھے کہ مظاہر علوم میں ایک ہی کمرہ میں ہم پانچ ساتھی رہتے تھے اور اتفاق دیکھئے کہ وہ کمرہ بھی پانچ ہی نمبر تھا، ساتھیوں کے اسماء یہ ہیں (۱) عبدالحکیم میاں والی (پنجاب) (۲) مولوی شریف احمد بہٹوی[۱] جو بعد میں مدرسہ کاشف العلوم چھٹملپور کے بانی ہوئے (۳) مولانا حنیف صاحب مہتمم مدرسہ خادم العلوم باغوں والی[۲] (۴) مولوی فرزند علی ٹانڈا چھپرولی (۵) اور ایک احقر، سبھی ساتھی نہایت ذی شعور اور

---

[۱] آپ کاشف العلوم چھٹمل پور کے ۳۰ رسال مسند اہتمام پر فائز رہے اور حاجی عبدالغفور صاحب جودھ پوری خلیفہ خاص حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا ۲۶ رصفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۶ رجنوری ۱۹۷۹ء بروز جمعہ جان جان آفریں کے سپرد کردی اور جامعہ ہی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

[۲] آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۲ء میں ہوئی مظاہر علوم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں تقرر ہوگیا پھر یکم جنوری ۱۹۵۵ء میں مدرسہ خادم العلوم باغوں والی کے مہتمم بنادئے گئے اور ۶۰ رسال وہاں مہتمم رہے، آپ کی وفات ۲۲ رصفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۷ رجنوری ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔

نیک سیرت تھے مگر ان میں عبدالحکیم نہایت ہی باشعور اور دلچسپ تھا، اس نے علم دین میں مشغولی کا اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ میں چودھویں کلاس میں پڑھتا تھا ایک مرتبہ میرے سامنے مولانا مودودی صاحب کی کتاب ''پردہ'' آئی میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس کے مطالعہ سے میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ عربی فارسی پڑھوں، چنانچہ میں نے عربی فارسی کی تعلیم شروع کردی مجھ کو بزرگوں سے بے انتہاء تعلق ہوگیا، چنانچہ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ مجھے علم دین حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حضرت شیخؒ کے یہاں تشریف لائے، عبدالحکیم نے مجھ سے کہا کہ میں حضرت مدنیؒ کی زیارت وملاقات کا خواہش مند ہوں میں انکو حضرت شیخ زکریاؒ کے گھر لے گیا، حضرت مدنیؒ سامنے چبوترہ پر ہی تشریف فرما تھے مگر میں جیسے ہی حضرت شیخؒ کے مکان میں داخل ہوا تو عبدالحکیم پیچھے سے غائب ہوگیا، مجھے یہی خیال تھا کہ عبدالحکیم میرے ساتھ پیچھے چلتے ہوئے داخل ہوجائے گا، مگر میں نے حضرت سے ملاقات کرنے کے بعد فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا تو عبدالحکیم موجود نہیں تھا واپس آکر میں نے عبدالحکیم سے معلوم کیا کہ تم ملاقات کرنے کیلئے اندر کیوں نہیں آئے تھے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آگے بڑھنے کی میری ہمت نہ ہوئی اور دور کھڑے ہوئے حضرت کی زیارت کرتا رہا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا پایا؟ اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اللہ والوں کے چہرہ کا عجیب رعب ہوتا ہے، میرے ساتھی عبدالحکیم فرمایا

کرتے تھے کہ میرے اندر کچھ متضاد باتیں موجود ہیں جیسے حضرت مدنیؒ سے بے انتہا محبت اور کانگریس سے نہایت نفرت، اور مجھ کو دین کی رغبت مولانا مودودی کی کتابیں دیکھ کر ہی ہوئی مگر دین سے انتہائی محبت اور مولانا مودودی سے نفرت۔

ہم پانچ ساتھی کمرہ نمبر ۵ رمیں ہی رہتے تھے ان میں سے ایک ساتھی کے والد ماجد نہایت قابل ذی شعور اور باصلاحیت عالم مفتی تھے جو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے رفیق درس رہے تھے اور انہوں نے مظاہرعلوم ہی میں مدرس ہوکر تدریسی خدمت انجام دی، مگر چونکہ مزاج میں آزادی اور لاابالی پن تھا کبھی کبھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی مذاق بنایا کرتے تھے، بس تضحیک وتذلیل خداوند قدوس کو پسند نہ آئی اور عتابِ خداوندی کی زد میں آگئے، نتیجہ یہ ہوا کہ علم دین کی خدمت سے محروم ہوگئے بالآخر اپنے گھر چلے گئے اور گاؤں جاکر کبوتر بازی جیسے ناجائز کاموں میں زندگی گزارنی شروع کردی اور آخر عمر تک انہیں خلاف شرع امور میں مشغول رہے۔

ایک مرتبہ میں ان کے گاؤں گیا گھر میں ان کا ذاتی کتب خانہ تھا جس میں بہت سی عمدہ تصانیف موجود تھیں انکے کتب خانہ میں ''نیل الاوطار'' کا ایک قدیم نسخہ دیکھا، میں نے خیال کیا کہ ہمارے مدرسہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب نہیں ہے نیز ایک قدیم نسخہ بھی ہے اسلئے میں اس کو ان کی اجازت سے گنگوہ لے آیا تاکہ یادگار بھی باقی رہے اور ان کیلئے صدقۂ جاریہ بھی بنے۔

مذکورہ واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ خوامخواہ بزرگوں پر تجزیئے اور تبصرے نہیں کرنے چاہئے اور ان کے معمولات ومصروفیات کی مذاق نہیں بنانی چاہئے،

کہیں ایسا نہ ہو کہ آدمی کب اور کس صورت میں عتابِ خداوندی کا شکار ہو جائے اور پوری زندگی کی محنت برباد ہو کر دنیا اور آخرت کی رسوائی مقدر ہو جائے، حدیث پاک میں ہے ''من عاد لی ولیاً فقد آذنته بالحرب'' جو کوئی میرے ولی سے دشمنی رکھے گا اس کو تکلیف پہونچائیگا اس کیلئے میرا اعلان جنگ ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حملہ سے کون بچ سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کا ایک اصلاحی انداز

حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کا انتظامی انداز بہت ہی عجیب وغریب اور مجددانہ تھا، ایک مرتبہ آپ نے ٹین کے ایسے لوٹے تیار کرائے جن کی ٹینٹوں باریک بنوائی گئی تھی اور طلبہ کو اپنے سامنے بٹھا کر وضو کرائی اور ہدایت فرماتے رہے کہ پانی بہت کم استعمال کرو اور وضو مکمل کرو، طلبہ کی سمجھ میں بات نہ آئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے، وضو سے فراغت کے بعد فرمایا کہ یہ کم سے کم پانی استعمال کرنے کا طریقہ ہے، اگر اللہ جل شانہ نے تمہیں کسی ایسی جگہ خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی جہاں پانی کی قلت ہو تو وہاں پانی کی قلت کے سبب وضو کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

ایک مرتبہ مدرسہ قدیم کی بجلی خراب ہوگئی ایک طالب علم سامنے نظر پڑا حضرت نے اس کو بلا کر فرمایا کہ بجلی گھر جاؤ اور وہاں سے کسی کو بلا کر لاؤ، اس نے جواب میں کہا کہ حضرت میں نہیں جانتا کہ بجلی گھر کہاں ہے، حضرت نے اس کو بٹھا لیا اور کہا اچھا بیٹھو دوسرا ایک طالب علم سامنے آیا اس کو بلا کر یہی فرمایا کہ بجلی گھر جاؤ اور وہاں سے کسی کو بلا کر لاؤ اس نے بھی جواب میں یہی کہا کہ میں بجلی گھر سے واقف نہیں،

غرض یہ کہ دس طالب علم سامنے آئے اور سب نے یہی جواب دیا اور حضرت نے سب کو بٹھالیا، پھر ملاّ اللہ بندہ کو بلوایا کہ ان سب کو بجلی گھر دکھلا کر لاؤ اور وہاں سے بجلی ٹھیک کرنے والے کو بلا کر لاؤ تا کہ یہ سب جان جائیں اور جب کبھی ایسا موقعہ پڑے تو اس طرح کا بہانہ نہ کریں کہ ہم جانتے نہیں، مزید اس میں یہ مصلحت بھی ہو سکتی ہے کہ اگر انہوں نے جانے کے بہانے سے کہا ہے تو جانا پڑا، اگر واقعی معلوم نہیں تھا تو جانے سے معلوم ہو جائے گا، نیز لائٹ چلی جانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ لالٹین جلاؤ جو اوپر دیوار میں نصب تھی، جیسا کہ پہلے زمانہ میں یہی دستور تھا کہ سڑکوں کے کناروں پر چوراہوں اور بڑے بڑے مقامات میں ٹین کی بنی ہوئی ایسی لالٹینیں لگائی جاتی تھیں جن میں چاروں طرف شیشہ لگا ہوتا تھا، ملاّ جی نے لالٹین اتاری تو دیکھا کہ چمنی صاف نہیں اور لالٹین میں بتی اور تیل بھی موجود نہیں، حضرت نے فوراً چمنی صاف کرائی بتی اور تیل منگوا کر اسمیں ڈلوایا اور حکم فرمایا کہ اب ہر جمعرات کو لالٹین جلنی چاہئے تا کہ تیل بھی موجود رہے اور چمنی بھی صاف رہے۔

جامعہ اشرف العلوم کی تأسیس ونام

نیز جامعہ سے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کی ابتداء

آپ فرماتے ہیں: کہ کافیہ کے سال میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ گنگوہ کی سرزمین پر کوئی مدرسہ ہونا چاہئے، میں نے اپنی اس خواہش اور تمنا کا اظہار حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب کے سامنے کیا انہوں نے میری اس خواہش پر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ گنگوہ میں ضرور مدرسہ قائم ہونا چاہئے اور اسکی

شکل یہ کی جائے کہ جب تم سالانہ امتحان کے بعد گنگوہ جاؤ تو مقامی لوگوں کو اپنا ہم خیال بناؤ، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور مقامی کچھ لوگوں کو ہم خیال بنایا اور ماہِ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء باہرلی مسجد میں مدرسہ کی داغ بیل ڈالی گئی ،حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ نے مدرسہ کا نام اشرف العلوم تجویز فرمایا، چونکہ یہ حضرت والد صاحبؒ کا طالب علمی کا دور تھا اپنی تعلیم کو مکمل کرنا تھا اس لئے اس دور کے مراکز علمیہ سہارنپور میں تین سال اور دیوبند میں تین سال رہے، اس وجہ سے یہاں وہ مشغول نہ رہ سکتے تھے، ادھر یہ کام شروع ہو چکا تھا، محلّہ اشرف علی کے کچھ معزز حضرات کو یہ ذمہ داری سونپی گئی اور خود تعلیم میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی دیکھ بھال اس کی انتظامی کمیٹی میں ایک اہم فرد کی حیثیت سے شرکت اور تعلیمی نگرانی میں حصہ لینا اور اپنے بزرگوں کو یہاں لانا معائنہ کرانا اور ان سے مشورے لینا برابر چلتا رہا۔

یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو شروع ہی سے کسی چیز کی فکر اور تڑپ ہو ورنہ اس عمر میں ان چیزوں سے کیا سروکار اور کیا مطلب ہوتا ہے، نہ دماغ ادھر متوجہ ہوسکتا ہے اور نہ اس کا موقعہ ہی ہوتا ہے، مگر اللہ پاک کو جب کسی سے کام لینا ہو تو پھر اس کو اس کی توفیق بھی دیجاتی ہے، اسی فکر اور محنت اور لگن کی وجہ سے آپ کو اس ادارہ کا بانی ومبانی کہا جاتا ہے، کیونکہ بنا اور تاسیس محض اس کا نام نہیں ہے کہ کسی سے تبرکاً بلا کر ایک اینٹ رکھوالی جائے اور دعاء کرالی جائے ،ٹھیک ہے یہ بھی تاسیس کی ایک شکل ہے جو بزرگوں سے برائے برکت اور دیگر مقاصد کیلئے ہوتی ہے مگر اس کے بعد جو مستقل اسی ذکر وفکر میں ہو اور اس کے دل ودماغ پر اس کا بوجھ اور اس کا غم سوار ہو، اصل تو وہی

ہوتا ہے اور اسی کی لگن و محنت سے آئندہ کا کام بھی بتوفیق اللہ تعالیٰ وجود پذیر ہوتا ہے۔

اول مہتمم اور اول مدرس

اس عرصہ میں چونکہ آپ کی تعلیمی مصروفیت ضروری تھی اس لئے ارکان شوریٰ کے مشورہ سے اور چونکہ اس وجہ سے اس مدرسہ کی ابتداء میں محلّہ اشرف علی کے لوگوں کا خصوصی تعاون شامل رہا، خاص طور پر جناب الحاج حافظ محمد اسماعیل صاحب گنگوہیؒ کا جو شروع میں اس مدرسہ کے ذمہ دار بنائے گئے[1] اور حافظ حسام الدین صاحب گنگوہیؒ امام باہرلی مسجد کو مدرس بنایا گیا، دونوں حضرات بڑے نیک صالح اور دینی تعلیم سے کافی دلچسپی رکھنے والے تھے، مدرسہ کے ابتدائی دور کے مہتمم حافظ محمد اسماعیل صاحبؒ رہے حق تعالیٰ انکی خدمت کو قبول فرمائے اور حافظ حسام الدین صاحبؒ بچوں کو بڑی لگن اور محنت سے پڑھاتے تھے انکی مخلصانہ محنت اور مساعی جمیلہ سے ابتدائی تعلیم کا نظام نہایت مضبوط اور مستحکم رہا، آپ چھٹیوں کے اوقات میں مدرسہ کی تعلیمی و تعمیری ترقی کیلئے دوڑ دھوپ کرتے تھے، یہ تفصیل آپ اپنی زبانی سنایا کرتے تھے بلاشبہ آپ نے اپنے مشائخ اساتذہ سے علمی، اصلاحی استفادات کے ساتھ ساتھ مدرسہ اشرف العلوم کی تعمیر و ترقی کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے مشائخ و اساتذہ کو مدرسہ کے احوال و کوائف سے باخبر کرتے رہے، نیز مشائخ و اساتذہ کی آمد و رفت وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، حضرات اکابر رحمہم اللہ آپکی حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور مفید مشوروں

---

[1] حضرت والد صاحبؒ کی ڈائری میں ان کے تعلق سے اسطرح لکھا ہوا ہے: ۱۲/اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۳/ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ پنجشنبہ جمعہ ۶ بجے حاجی محمد اسماعیل صاحب کا انتقال ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون، موصوف نے ابتداء مدرسہ سے تا انتقال خیر خواہی اور تعاون کیا نیک اور بھلے آدمی تھے۔

سے نوازتے رہے اور اشرف العلوم اکابر کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھتا چلا گیا اور اپنے کمال تک پہونچا جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپکا تعلق اپنے اساتذہ و اکابر سے بعد تک رہا اور اپنے مشائخ واساتذہ کی نگرانی میں کام کرتے رہے، چنانچہ مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ بارہا اشرف العلوم میں تشریف لائے حوصلہ افزائی فرمائی دعائیں دیں، کبھی کسی کام کیلئے حضرت والد صاحبؒ کو حکم فرمایا تو آپنے نہایت خوبی کیساتھ تعمیل فرمائی، آپکے ارسال کردہ خطوط اس امر کے آئینہ دار ہیں۔

یہ مکاتیب اس دور کے ہیں جب کہ حضرت والد صاحبؒ مدرسہ اشرف العلوم کے ناظم بن گئے تھے، لیکن چونکہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کا ذکر چلا آرہا تھا اور ان کا تعلق وربط کا تذکرہ کرنا تھا اس لئے یہ مکاتیب یہاں ذکرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔

مکتوبات

حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

(۱) از جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۵ رجمادی الاولی ۱۳۷۲ھ

عزیز مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے کام کے لئے آپ نے جو سعی فرمائی ہے اس کے لئے دعاء کرتا ہوں، جب کُل لوٹے تیار ہو جائیں تو مدرسہ میں ایک کارڈ سے اطلاع دیدی جائے اسی وقت انشاء اللہ بوریاں بھی بھیجدی جائیں گی اور امیر صاحب کو بھی مطلع کردیا جائے گا، مدرسہ میں بہمہ وجوہ خیریت ہے آپ کی خیریت کا خواہاں ہوں، رفقاء اور پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون۔ موٹر میں آنے سے

لوٹے ٹوٹیں گے تو نہیں اور جس قدر ٹوٹیں گے وہ کس کے حساب میں لگیں گے؟۔

عبداللطیف　ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مدرسہ کی مساجد میں لوٹوں کی ضرورت ہے

(۲) از دفتر جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور مورخہ ۱۶؍ جمادی الثانی ۱۳۷۲ھ

جناب مولانا قاری حافظ شریف احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ مدرسہ میں خیریت ہے امید کہ مزاج سامی بھی بعافیت ہوگا، مدرسہ کی مساجد میں لوٹوں کی ضرورت ہے اور شہر میں عمدہ لوٹے نہیں بنتے اسلئے آپ انتظام کرسکیں تو اچھا ہے، لوٹے اگر تیار مل سکیں تو پانچسو لوٹے خرید لئے جائیں یا پہلے سے کہکر بنوانے مناسب ہونگے؟ دونوں شکلوں میں جو بھی جناب مناسب فرماویں، نرخ معلوم کرکے مطلع کریں اور اگر پیشگی رقم کی ضرورت ہو تو لکھیں روانہ کردی جائے گی، امید کہ بواپسی ڈاک معلومات کرکے مطلع کریں گے اسلئے جوابی کارڈ ارسال ہے۔

عبداللطیف

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

جمیع مقاصد کیلئے دعا گو ہوں

(۳) از جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۷۲ھ

عزیز محترم سلمکم اللہ تعالیٰ، کل آپ کے مرسلہ لوٹے پہنچ گئے ہیں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور سے آگاہ کرنا ضروری ہے، پہلے جو لوٹے آئے ہوئے تھے ان میں گھاس لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے کافی حفاظت رہی اب جو ۴۰۱ لوٹے آئے ہیں

ان میں گھاس لگا ہوا نہیں تھا اسلئے ان میں سے ۱۷ رلوٹے ٹوٹے ہوئے نکلے ہیں، نیز پہلے کے مقابلہ میں یہ لوٹے کمزور اور اکثر پیلے ہیں پختہ نہیں ہیں۔

آپ کے جمیع مقاصد کے لئے دعا گو ہوں امید ہے آں عزیز بھی دعاء سے فراموش نہ فرمائیں گے۔

عبد اللطیف

ناظم مظاہر علوم سہارنپور ۲۴ ر ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ/۵ اگست ۱۹۵۳ء

مظاہر علوم سے برائے امتحان علماء کی تشریف آوری

(۴) ۱۰ رمحرم ۱۳۷۳ھ/از مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور

مکرمی جناب حافظ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جوابی کارڈ برائے تقرر امتحان سہ ماہی مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ پہونچ کر کاشف حال ہوا ہے، یہاں کا امتحان سہ ماہی ۳۰ رمحرم ۱۳۷۳ھ یوم شنبہ ہوگا اور اس سے پہلے ۳ ر یوم کی مہلت کیلئے اسباق بند ہوجاتے ہیں لہذا آپ کے یہاں مولانا امیر احمد صاحب مع ایک دوسرے شخص کے ۲۷ رمحرم یوم چہار شنبہ کو انشاء اللہ تعالیٰ پہونچ جائیں گے ۲۷، ۲۸ رمحرم ۱۳۷۳ھ یوم چہار شنبہ و پنجشنبہ امتحان کی تاریخیں مقرر کردی جائیں، جمعہ کو مولانا واپس تشریف لے آویں شنبہ سے یہاں امتحان شروع ہیں۔

عبد اللطیف

ناظم مدرسہ ہذا ۱۰ رمحرم ۱۳۷۳ھ

اس دور میں مدرسہ مظاہر علوم سے اساتذہ کرام امتحانات کیلئے تشریف لاتے تھے اور امتحان کی تاریخ مقرر کرنے کیلئے مدرسہ مظاہر علوم کو اطلاع دی جاتی تھی، وہاں سے حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ امتحان لینے والے اساتذہ وتاریخ کی تعیین فرما کر مطلع فرماتے تھے، اس طرح کے اور بہت سے مکاتیب ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ مدرسہ اشرف العلوم رشیدی کے سرپرست اول تھے، اسی مناسبت سے گاہ بگاہ گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لایا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا کے کمرہ مدرسہ مظاہر علوم قدیم میں چوری کا واقعہ پیش آ گیا تھا اور اس وقت گنگوہ کا ایک طالب علم عتیق نامی مظاہر علوم میں پڑھتا تھا اور وہ گنگوہ آیا ہوا تھا اس کو اس سلسلہ کی کچھ معلومات تھیں جسکی تحقیق کیلئے آپ سخت گرمی کی دوپہر میں اچانک تشریف لائے جس کی تفصیل حضرت والد صاحبؒ نے اس طرح بیان کی تھی: ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں دوپہر کے وقت تقریباً ساڑھے بارہ بجے مدرسہ سے گھر پہونچا اور جون کا مہینہ چل رہا تھا، کچھ دیر بعد ہی ایک طالب علم مدرسہ سے گھر آیا اور اس نے بتلایا کہ ایک مولانا صاحب سہارنپور سے آئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں، میں فوراً اس کے ساتھ ہولیا راستہ میں اس سے پوچھتا رہا کہ کیسے ہیں کس شکل کے ہیں لمبے چوڑے ہیں کالے گورے ہیں؟ وہ بتلاتا رہا ایسے ہیں، لیکن بات سمجھ میں نہ آ سکی کہ کون ہیں، جب میں دار قدیم مدرسہ اشرف العلوم میں اپنی درسگاہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ تشریف فرما ہیں میں حیران و

ششدر رہ گیا کہ حضرت اس سخت گرمی کی دوپہر میں کیسے تشریف لے آئے آخر کیا واقعہ پیش آیا اس سے قبل کبھی اس طرح تشریف نہیں لائے ،مگر حضرت اپنی خداداد فہم وفراست اور عقل ودانش سے میری (اچانک آمد سے پیدا ہونے والی) حیرانی کو دفعۃً سمجھ گئے اور خود ہی فرمانے لگے کہ فوری ایک ضرورت پیش آ گئی تھی اطلاع کا وقت نہیں تھا اسلئے بغیر اطلاع کے آ گیا ،دوسرے یہ کہ خشکہ چاول اور مسور کی دال کا شوق ہے یہ جلدی سے پک بھی جاتے ہیں ،بس حضرت نے میری دونوں مشکلیں آسان فرمادیں ایک تو یہ کہ حضرت اچانک سے کیوں تشریف لائے دوسرے یہ کہ حضرت کیلئے فوری طور پر کیا تیار کیا جائے ،حضرت نے اپنے تبادر ذہنی کی بنیاد پر میرے لئے آسان صورت تجویز فرمادی جس سے میری مشکل آسانی میں بدل گئی ، میں نے جلدی سے گھر اطلاع کرادی آدھا پون گھنٹہ میں کھانا پک کر آ گیا اور حضرت نے کھانا تناول فرمایا، کھانے سے فارغ ہو کر حضرت نے کہا کہ مجھے مولوی عتیق احمد سے ملنا ہے حضرت کے یہ فرمانے پر میں حضرت کی تشریف آوری کا مقصد سمجھ گیا، میں نے حضرت سے کہا کہ مولوی عتیق احمد کو یہیں بلوا لوں حضرت نے فوراً فرمایا نہیں بلکہ انہیں کے گھر چلنا ہے، میں حضرت کو انکے گھر لیکر گیا وہ مل گئے کچھ دیر ان سے گفتگو کے بعد حضرت واپس باہر لی مسجد میں تشریف لے آئے ،نماز میں چونکہ دیر تھی اس لئے حضرت نے نماز ظہر تک آرام فرمایا نماز ظہر پڑھ کر حضرت کو چائے پلائی اور آپ کو بس میں سوار کر دیا ،لیکن مولوی عتیق احمد سے کیا گفتگو ہوئی اسکا پتہ نہ چل سکا ،مولوی عتیق احمد صاحب اس وقت مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے اور

مدرسہ قدیم میں دفتر کے پاس ہی ان کا کمرہ تھا، مدرسہ میں کوئی واقعہ پیش آیا تھا جسکی تحقیق کیلئے حضرت تشریف لائے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبداللطیف صاحبؒ کے بعد مظاہر علوم کے انتظام واہتمام کا تعلق حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ کے ساتھ وابستہ کیا گیا جس پر آپ مدۃ العمر قائم دائم رہے اور اپنی ذات گرامی سے ادارہ کو بے حد فیض پہنچایا، حضرت والد صاحبؒ کو بھی مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت کا تعلق تھا اور ان کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتے تھے اس لئے اب ان کا ذکر جمیل کیا جاتا ہے اور ان کا مختصر تعارف بھی لکھا جاتا ہے، اگر چہ وہ بے حد متعارف ہیں اور ان پر بعض علماء نے مستقل ضخیم کتاب حیات اسعد بھی لکھی ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ان کے حالات وہاں دیکھ سکتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ کے ساتھ ربط وتعلق

مناظر الاسلام حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات عالی، علمی، روحانی، اصلاحی، ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی ولادت بابرکت شوال المکرم ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء اپنے وطنِ مالوف مصطفیٰ آباد شہر رامپور یوپی میں مفتی محمد رشید اللہ کے یہاں ہوئی، تاریخی نام مرغوب اللہ اور چراغ علی ہے، غیر تاریخی نام اسعد اللہ اور تخلص اسعد ہے، ابتدائی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک مدرسہ امداد العلوم خانقاہ تھانہ بھون میں پڑھیں، بعد ازاں ۱۳۳۳ھ مظاہر علوم میں تعلیم کا آغاز فرمایا فراغت کے بعد مظاہر علوم میں معین

مدرس مقرر ہوئے پھر ایک سال کے بعد مستقل مدرس ہو گئے، حضرت شیخ زکریا صاحبؒ آپ کے درسی رفقاء میں سے ہیں۔

آپ بے شمار علوم وفنون کے ماہر کامل اور اسرار وحکم کے منبع اور سرچشمہ تھے، حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس الشاہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل اور انکے علوم وحکمت، اسرار وطریقت کے امین تھے، تقویٰ، طہارت، ذہانت وفطانت میں اپنے شیخ کا عکس جمیل تھے، آپ کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیز گاری سے عبارت ہے، نیز باطل کیلئے شمشیر برہنہ تھے، آپنے ہمیشہ بڑی دلیری جواں مردی اور ہمت کیساتھ باطل پرستوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بے شمار آریوں، عیسائیوں، رضاخانیوں، قادیانیوں اور شیعوں کے ہر میدان میں چھکے چھڑائے، اکثر فرق باطلہ آپکا نام سنتے ہی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، آپکو بیک وقت چار زبانوں پر مہارت تامہ حاصل تھی، عربی، فارسی، اردو، انگلش، شعروادب میں ہم عصروں پر فائق تھے، اکثر شعراء آپکو استاذ مانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ غضب کی عطا فرمائی تھی، ہزار ہا اشعار، لطیفے، نکتے بغیر سوچے آپکی زبان پر جاری ہوتے تھے، حق تعالیٰ نے آپکو مصلحانہ شان اور مجتہدانہ انداز عطا فرمایا تھا، کبر وغرور سے بہت دور اور نام ونمود سے نفرت کرتے تھے، آپ اپنے تمام ہی کاموں میں پابندی استقلال ومداومت فرماتے تھے، آپکی زندگی نہایت سادہ اور تکلفات سے پاک تھی، زہد وقناعت، صبر وتوکل آپکی گھٹی میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، رؤساء اہل ثروت لوگوں کی قربت کو زیادہ پسند نہ فرماتے تھے، اخلاق ومعاملات کی صفائی پر نہایت زور دیتے تھے، مظاہر علوم سہارنپور میں آپکی علمی، روحانی، اصلاحی، انتظامی زبردست خدمات ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ (مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران سے آپکے علم وفضل، تقویٰ وطہارت کے پیش نظر بے حد انسیت ومحبت ہوگئی تھی، گاہ بگاہ حضرت کے کمرہ میں آمد ورفت ہوتی تھی اور کبھی کبھی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ آپکی ضیافت کا اہتمام فرماتے جو بڑے سلیقہ کیساتھ ہوا کرتی تھی، نیز حضرت والد صاحبؒ کی عمدہ قرأۃ وخوش الحانی سے بڑے متاثر تھے آپ کے موجود ہوتے ہوئے انہیں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حضرت والد صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ اسعد اللہ صاحب کو بہت قریب سے دیکھا تھا، تین سال کا عرصہ آپکے ہی بغل کے کمرہ میں گزارا اسلئے حضرت والد صاحبؒ آپکو بہت یاد کرتے اور آپکی باتیں سنایا کرتے تھے، مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی کچھ باتیں اور عادتیں حضرت والد صاحبؒ کی زبانی یہاں بیان کی جاتی ہیں:

آپنے فرمایا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ بندہ کیساتھ بہت ہی مشفقانہ برتاؤ فرماتے تھے اور جب بھی دیکھتے محبت میں فرمایا کرتے:

''سراپا شرف ہیں جناب شریف''

چونکہ بندہ بفضلہٖ تعالیٰ قرآن کریم تجوید کے ساتھ تو پڑھتا ہی تھا مگر خداداد خوش الحانی نے اسمیں مزید عمدگی پیدا کردی تھی اسلئے حضرت والا میرے موجود ہوتے ہوئے کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت نہایت ہی رقیق القلب اور طلبہ پر بے انتہا مشفق ومہربان تھے، سالانہ امتحان سے فارغ ہوکر جب طلبہ اپنے گھروں کو جاتے وقت حضرت سے مصافحہ کرتے تو حضرت پر گریہ طاری ہوجاتا، بہت سے طلبہ آپکی اس محبت وشفقت سے متاثر ہوکر روتے ہوئے

رخصت ہوتے تھے، آپکا کمرہ دار الطلبہ قدیم میں گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی داہنی طرف تھا جو اس وقت کمرہ نمبر ایک سے موسوم تھا، یہی کمرہ حضرت کی قیام گاہ اور درسگاہ بھی تھی، احقر اسی لائن میں کمرہ نمبر پانچ میں رہتا تھا اور دار الطلبہ قدیم کی مسجد میں امامت کرتا تھا، یہ کمرہ چونکہ مسجد جاتے ہوئے حضرت کے راستہ میں پڑتا تھا اسلئے ہر روز صبح کو نماز کیلئے جاتے وقت میرے کمرہ پر حضرت ہاتھ مار کر ان الفاظ کے ساتھ آواز دیتے ارے بھائی چلے گئے؟ کبھی کبھی سردی کے زمانہ میں نماز فجر کے بعد مجھ کو بلا کر گاجروں کا مربا کھلاتے جسکی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ غایت درجہ اہتمام کے ساتھ دستر خوان بچھواتے پھر پلیٹ میں رکھ کر کھانے کا حکم فرماتے، میں اس وقت خیال کرتا تھا کہ دستر خوان کا اہتمام مربّے سے زیادہ ہے، مگر یہ بعد میں سمجھ میں آیا کہ کوئی تصنع نہیں تھا بلکہ اسمیں اتباع سنت کا جذبہ کارفرما تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا کو سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سے بے انتہا عشق تھا جو ہر کمال کا سرچشمہ اور اصل الاصول ہے ع

درکف جام شریعت درکف سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

اتباعِ سنت کا خیال

اس بے بہا سرمایہ کی وجہ سے وہ کمال کی بلندیوں اور حیرت انگیز رفعتوں پر فائز ہوئے ہیں، سنت نبوی ﷺ پر عمل آپکی عادت مستمرہ اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، اگر اتفاق سے کوئی عمل خلاف سنت سرزد ہو جاتا تو اس پر بے حد رنج وافسوس کا اظہار

کرتے اور اسکی مکافات کی کوشش کرتے، چنانچہ حضرت والا ایک مرتبہ قضاء حاجت سے فارغ ہوکر بیت الخلاء سے باہر آئے اور پھر واپس اندر تشریف لے گئے اور پھر جلد ہی بیت الخلاء سے باہر نکل آئے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چیز بیت الخلاء میں گر گئی ہوگی جس کو اٹھا کر باہر تشریف لائے ہیں، وہاں کھڑے ہوئے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت کوئی چیز بیت الخلاء میں گر گئی تھی بندہ کو حکم دیدیتے تو بندہ اٹھا کر حاضر خدمت کردیتا، فرمایا نہیں بلکہ بیت الخلاء سے نکلنے کی مسنون دعاء پڑھنا بھول گیا تھا اسلئے میں نے اپنے نفس کو یہ سزادی کہ دوبارہ جا کر بیت الخلاء سے نکلا اور مسنون دعاء پڑھی، اس طرح آپ ہر موقعہ پر سنت کا خیال فرماتے جو عشق نبوی ﷺ کی مضبوط و مستحکم دلیل ہے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی طالب علم حضرت والا کے پاس جانا شروع کردیتا تو اس کیلئے ضروری ہوتا کہ وہ مستقل طور پر جایا کرے ورنہ تو حضرت ناراض ہوجایا کرتے تھے، چنانچہ میرے ایک درسی ساتھی قاری ظہیر احمد جو حضرت کی خدمت میں روزانہ جایا کرتے تھے، اتفاق سے وہ ایک دن نہ جاسکے دوسرے دن شرمندگی کی وجہ سے نہ گئے اسلئے کہ حضرت معلوم کریں گے کہ کل کیوں نہیں آئے تھے، اسی طرح ایک دودن اور گزر گئے تو انہوں نے حضرت کی خدمت میں جانا بالکل ہی بند کردیا حضرت والا ان سے ناراض ہوگئے، قاری ظہیر احمد کو حضرت کی ناراضگی معلوم ہوچکی تھی اس لئے خوف وشرم کی وجہ سے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، بندہ نے ان سے کہا کہ کیا میں نے تمکو پہلے ہی آگاہ نہیں کیا تھا کہ حضرت کے یہاں جب جانا شروع کرو تو مستقل طور پر جایا کرو ورنہ تو حضرت ناراض ہوجائیں گے، چنانچہ اب دیکھو ایسا ہی ہوا تم نے

حضرت کے پاس جانا بند کر دیا حضرت ناراض ہو گئے، پھر احقر نے ان کو سمجھایا کہ آپنے یہ اچھا نہیں کیا کہ حضرت کے پاس جانا چھوڑ دیا آپ جا کر کسی طرح بھی حضرت کو خوش کریں، مگر وہ خوف وخجالت کی وجہ سے تیار نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ ہم تین چار ساتھیوں نے ملکر ایسا کیا کہ انکو کسی طرح بہلا پھسلا کر باتیں کرتے کرتے حضرت کے کمرہ کی طرف لیکر چلے، جب ہم لوگ چلتے چلتے حضرت کے کمرہ کے سامنے پہونچے تو ایک دم انکو حضرت کے کمرہ میں دھکیل دیا سامنے ہی حضرت بیٹھے ہوئے تھے آپکی نظر ان پر پڑی تو فوراً اپنے مخصوص لب ولہجہ میں فرمایا آپ کیسے اور کیوں تشریف لے آئے؟ میرے جنازہ کا انتظار کرلیا ہوتا، اور ادھر ہم سبھی ساتھی پیچھے کھڑے ہوئے چٹکیاں لیتے رہے اور حضرت کی گفتگو سنتے رہے تھوڑی دیر بعد ہم تینوں چاروں ساتھی حضرت کے کمرہ میں پہونچ گئے، ہمارے پہونچنے سے قاری ظہیر احمد کی ہچکچاہٹ دور ہوگئی اور ہماری حکمت عملی کامیاب ہوگئی، چنانچہ قاری ظہیر احمد[1] نے پھر سے حضرت والا کے پاس مستقل جانا شروع کیا، مذکورہ بالا تفصیلی واقعات آپنے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی پڑھنے سے بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ حضرت والا کا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کیساتھ کیسا گہرا تعلق رہا اور آپکی صحبت مبارکہ سے فیضیاب ہوئے، نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بعد میں مدرسہ کے جملہ حالات حساب کتاب وغیرہ قلمبند

---

[1] یہ قاری ظہیر احمد صاحب بعد میں چل کر مرکز نظام الدین کے مبلغ ہوئے اور آخر عمر تک تبلیغی کام انجام دیتے دیتے اللہ کو پیارے ہو گئے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جب بھی مرکز جانا ہوتا تھا ان کے پاس بھی تشریف لے جاتے وہ بڑے ہنس مکھ بزرگ تھے اور جب پان کھاتے لال وسرخ بڑے خوبصورت لگتے تھے۔

کر کے حضرت کی خدمت میں لے جاتا تھا اس پر مولانا اسعد اللہ صاحب بڑی توجہ سے نگاہ فرماتے اور کبھی مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کے حوالہ فرماتے، حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ (والد محترم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ) حساب کتاب چیک فرما کر مناسب حال مشوروں سے نوازتے، اس طرح حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب و اساتذۂ مظاہر علوم سے برابر ربط و تعلق رہا اور اپنے اساتذہ و بزرگوں کی خدمت کا جذبہ تو آپکی گھٹی میں پڑا تھا، چنانچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے مختلف مواقع پر لوٹے بنوانے کیلئے خطوط ارسال فرمائے، اس وقت گنگوہ میں مٹی کے عمدہ قسم کے لوٹے تیار ہوتے تھے، ان خطوط میں سے کچھ بطور نمونہ یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں۔

مکتوبات

حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور

بڑوں کا چھوٹوں سے دعاء کرانا

(۱) از جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۱؍ جمادی الاولی ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۵؍ فروری ۱۹۵۵ء

عزیز محترم قاری صاحب سلمکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا حالات سے آگاہی ہوئی مولانا امیر احمد صاحب کے نام جو خط آپ نے لکھا ہے اس کا جواب پہونچ چکا ہوگا۔ آپ کا خط مولانا موصوف کے پاس بھیجدیا تھا انہوں نے بتلایا کہ کتابیں کافی باقی ہیں جو ختم کرانی ہیں

اسلیئے اس وقت غالباً فرصت نہ ہوگی، لیکن اگر موقعہ ہوسکا تو ضرور شرکت کی جائے گی کوئی حتمی اور پختہ وعدہ نہیں۔ بہرحال ہماری جانب سے جناب مولانا کو پورے طور پر اجازت ہے۔ جملہ احباب واکابر سے سلام فرمادیں، میرے لئے دعاء بھی کیجئے اور مدرسہ کے لئے بھی فقط۔

محمد اسعد اللہ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

مدرسہ کے لئے اراضی خریدنے اور کام شروع ہونے پر مسرت

مدرسہ اشرف العلوم میں مدرسہ کیلئے اراضی خریدی گئی اور اس پر کام شروع ہوا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کو علم ہوا تو اظہار مسرت کیلئے خط ارسال فرمایا۔

(۲) مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور یکم جولائی ۱۳۷۲ھ

مخدومی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جناب کے خط سے تشریف آوری اور ملاقات نہ ہونے سے افسوس ہوا، ضعیف العمری ہے اور عمر کا بھی تقاضا ہے اور علالت کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ اس ہفتہ میں تو بالکل چین ہی نہیں ہوئی، ہر وقت لیٹا رہتا ہوں اور دیگر ضروریات بھی کمرہ ہی میں پوری کرتا ہوں، مگر خدا کا شکر ہے کہ نمازیں جماعت کیساتھ مسجد میں دوسروں کے سہارے جا کر ادا ہوجاتی ہیں، دعاء فرمادیں اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے، مدرسہ کی آراضی خریدنے کا تو پہلے سے علم تھا اب مسرت ہوئی کہ اس میں کام بھی شروع ہوگیا، جی تو بہت چاہتا ہے مگر اپنی اس پیرانہ سالی سے مجبور ہوں مگر دعاء ہمیشہ کرتا رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ اسکی تعمیر کو جلد از جلد سلامتی کیساتھ پایۂ تکمیل کو

پہونچائے اور اگر کچھ رکاوٹیں ہوں تو انکو ختم فرمادے، راقم الحروف کی جانب سے سلام مسنون قبول فرماویں فقط۔

حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی
بقلم مظفر الحسن[1]

حضرت ناظم صاحب رنگون میں

(۳) از جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

عزیز مکرم سلمکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب بطلب ممتحن موصول ہوا، غالباً آپ کو علم ہوگا کہ حضرت ناظم صاحب رنگون تشریف لے گئے ہیں اور ان کے ہمراہ دو مدرس اور جانے والے ان حضرات کی کمی کے باوجود جمادی الاولی کے پہلے ہی ہفتہ میں مدرسہ ہذا کا امتحان ششماہی ہے، بر بنا اندریں احوال واعذار اس مرتبہ اس سلسلہ میں مدرسہ کو معذور تصور فرمایا جائے، مہتمم صاحب اور جملہ مدرسین مدرسہ اشرف العلوم کی خدمت میں سلام مسنون، فقط۔

محمد اسعد اللہ

۲۵ / ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ ۲ / جنوری ۱۹۵۴ء

---

[1] یہ مولانا مظفر الحسن صاحبؒ ابن مولانا عبد المالک صاحبؒ ہیں۔

چار سو لوٹے اچھے عمدہ قسم کے بنوا کر روانہ فرما دیئے جائیں

(۴) از جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

عزیز محترم سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گنگوہ میں پہلے آپ کی معرفت لوٹے بنے تھے، اس وقت بھی کہ مدرسہ میں لوٹے قریب الختم ہیں اور دوسری جگہ پختہ لوٹے بننے کا امکان نہیں، آپ کو تکلیف دے رہا ہوں کہ مدرسہ کے لئے چار سو لوٹے اچھے عمدہ قسم کے بنوا کر روانہ فرما دئے جائیں اور جلد قیمت پیش کر دی جائے گی۔ دعا کرتے رہیں اور میں بھی دعاء کرتا ہوں، سب احباب واکابر سے سلام کہہ کر قاری اسمٰعیل صاحب سے سلام کہہ دیجئے۔

محمد اسعد اللہ ۲۷/۱/۴/ ۱۳۷ھ

آپ کے یہاں امتحان میں بیٹھنے والوں کیلئے دعاء کرتا ہوں

(۵) دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/ ربیع الآخر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۶/ نومبر ۱۹۵۶ء

مکرم ومحترم قاری صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہو کر اسی ہفتہ میں امتحان دلانے کا عذر معلوم ہوا، اگلے ہفتہ مدرسہ کا امتحان ششماہی ہے اسلئے اسکے بعد والے ہفتہ کی بدھ، جمعرات ۱۳/۱۴/ دسمبر ۱۹۵۶ء تاریخ تجویز کی گئی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس مجوزہ تاریخ پر مدرسہ کی جانب سے ممتحن صاحبان پہونچ جائیں گے، آپ کے یہاں امتحان میں بیٹھنے والے اصحاب کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں، احباب وواقفین کی خدمت

میں سلام مسنون ۔　　　　　　　　　　　　اسعد اللہ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

امتحان کے نقشے تیار کر لئے جاویں

(۶) از دفتر مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/۴/۱۳۷۶ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جوابی کارڈ برائے تقرر امتحان ششماہی موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہاں مدرسہ کا امتحان ۲۷ ربیع الثانی سے ہوگا اس لئے اس ہفتہ میں تو آپ کے یہاں امتحان نہیں ہوسکتا اور بعد میں یہ مناسب نہیں اس لئے اس سے پہلے ہفتہ میں ہی ہوسکتا ہے، لہذا آپ کے یہاں کی تاریخ امتحان ششماہی ۲۴ و ۲۵ ربیع الثانی بروز بدھ، جمعرات تجویز کردی گئی ہیں، مولانا اکبر علی صاحب مع اپنے ایک ساتھی کے جسکو وہ لیجانا چاہیں تشریف لائیں گے، امتحان کے نقشے تیار کر لئے جاویں، فقط والسلام۔

محمد اسعد اللہ ناظم جامعہ ہذا

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ

دارین میں ہمہ نوع ترقیات کی دعاء

(۷) از مظاہر علوم سہارنپور ۶ محرم ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۵۶ء

عزیز گرامی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا، مدرسہ کے لئے پانچ بوریاں محمد یامین صاحب

آڑھتی بازار شہید گنج سہارنپور کی معرفت وصول ہوگئی ہیں، ارسال اطلاع میں عوارض کے باعث بیشک قدرے تعویق ہوگئی ہے، آپ کی تحریر کے مطابق آڑھت کی دکان سے مدرسہ تک کی مزدوری کے دام دیدئے گئے ہیں، آپ نے اسی سلسلہ میں جو گراں قدر سعی فرمائی ارباب مدرسہ ان الفاظ میں شکر گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور دارین میں ہمہ نوع ترقیات سے نوازے آمین۔　　محمد اسعد اللہ

استفسار رویتِ ہلال

(۸) دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۵؍ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۴ جولائی ۱۹۵۷ء

مکرم و محترم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الجواب: استفسار رویتِ ہلال مولوی یحییٰ مرسلہ مکتوب موصول ہوا، یہاں پر یکم ذی الحجہ ۷۶ھ یکشنبہ کو ہوئی۔ شنبہ کو ہمارے یہاں ذیقعدہ کی ۳۰؍تاریخ تھی اور یہ ذیقعدہ کی تاریخ رویت کی تاریخ تھی، آج مدرسہ میں ذی الحجہ کی پانچ تاریخ ہے۔

محمد اسعد اللہ

۵؍ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم پنجشنبہ ۴؍جولائی ۱۹۵۷ء

جوابی کارڈ برائے تقرر ممتحنین موصول ہوا

(۹) از دفتر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۷؍۱؍۱۳۷۷ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جوابی کارڈ تو برائے تقرر ممتحنین موصول ہوا، جواباً تحریر ہے کہ مولانا اکبر علی

صاحب تو پرسوں پاکستان چلے گئے البتہ مولانا امیر احمد صاحب تاریخ مقررہ میں مع ایک اور صاحب کے پہنچ جائیں گے، تاریخ وہی ہوگی جو قارئین کو ملی ہے، یعنی یکم صفر بروز چہار شنبہ کو پہونچیں گے، چہار شنبہ پنجشنبہ دو روز ہی ہوگا فقط۔

محمد اسعد اللہ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کے بھائی کے یہاں تولدِ فرزند پر مسرت

(۱۰) دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مکرم ومحترم قاری صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوکر ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ کے اخیر ہفتہ میں امتحان نہ دلائے جانے کے اعذار کا علم ہوا، اب آپ کے تحریر فرمانے کے مطابق امتحان جمادی الاولیٰ کے دوسرے ہفتہ میں تجویز کردیا گیا ہے، تاریخ ۴؍۵؍ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز چہار شنبہ، پنجشنبہ مقرر ہوئی ہیں، چاند کی تاریخیں ۱۱؍۱۲؍ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ ہوں گی، اس تاریخ پر یہاں سے مولانا ظریف احمد صاحب اور مولانا مظفر صاحب امتحان کے لئے تشریف لائیں گے، آپ کے بھائی صاحب کے یہاں فرزند تولد ہونے سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ اس کو دارین میں ہمہ نوع کامیاب وکامران فرمائے اور ترقیات سے نوازے، موجودہ سال کے تین تاریخی نام لکھتا ہوں ان میں سے منتخب فرماکر کوئی نام رکھدیجئے اور بعد انتخاب مجھے

اطلاع فرمادیجئے، جملہ حضرات اہلِ دفتر کی جانب سے سلام مسنون، تاریخی نام افتخارالدین، مرغوب الزماں، خورشید انور۔

محمد اسعد اللہ عفی عنہ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

امتحان لینے والے حضرات سے خود گفتگو کرلیں

(۱۱) از دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۳۰ رشوال ۱۳۷۸ھ مطابق ۹ رمئی ۱۹۵۹ء

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا مدرسہ کی جانب سے شرکت جلسہ کے لئے دونوں حضرات کو اجازت دیدی گئی ہے، لیکن مولانا امیر احمد صاحب نے آپ کے خط پر تحریر فرمایا کہ میری یہ تاریخیں خالی نہیں، ان کو تو یہ عذر ہے اور مفتی مظفر حسین صاحب کچھ دوسرے اعذار کی بناء پر معذور ہیں، مفتی صاحب نے تحریر فرمایا میں مختلف اعذار کی بناء پر معذور ہوں اسی ہفتہ اب آپ ان حضرات سے براہ راست معاملہ طے فرمائیں۔

محمد اسعد اللہ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ایک ہزار لوٹے بعجلت ممکنہ روانہ فرمادیں

(۱۲) از دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۶ رذیقعدہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۳ رمئی ۱۹۶۰ء

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بروقت تشریف آوری دفتر میں آپ سے لوٹوں کیلئے عرض کیا گیا تھا اب بطور یاددہانی یہ عریضہ ارسال ہے محمد حسن کوزہ گر، محلّہ اشرف علی گنگوہ رمضان سے قبل سو لوٹے لایا تھا اسی وقت اس سے مزید لوٹوں کے لئے بات چیت ہوئی تھی وہ دس روپے فی سینکڑہ کے حساب سے کہتا تھا، مدرسہ کو ایک ہزار لوٹے خریدنے ہیں اس کے حساب سے سو روپے کے ہوتے ہیں اور حاجی مولوی عبدالمالک صاحب نے نوے روپے کہدئے تھے اس سے بات کرلی جائے اگر وہ ایک ہزار لوٹے نوے روپے میں دیدے تو اسی سے لے لئے جائیں ورنہ کسی اور جگہ معاملہ فرمایا جائے اور اگر اسی کے یہاں لوٹے اچھے ہوں اور دس روپے سینکڑہ سے کم پر آمادہ نہ ہو تو اسی قیمت پر طے کر لیا جائے یعنی دس روپے فی سینکڑہ ہوجائیں تو ایک ہزار لوٹے عجلتِ ممکنہ روانہ فرمادیں، جوابی کارڈ ارسال ہے۔

نیازمند نیاز کیثر محمد اسعد اللہ
ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

امتحانات کیلئے مفتیان مظاہر علوم کی آمد

ایک مرتبہ مدرسہ اشرف العلوم میں امتحان کی تاریخوں کی تعیین کے سلسلہ میں لکھا حسب سابق مظاہر علوم سے برائے امتحان اساتذہ کی طلب پر مندرجہ خط تحریر فرمایا:

(۱۳) دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۸؍رجب ۱۳۷۹ھ/۱۸؍جنوری ۱۹۶۰ء

مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا جواباً گزارش ہیکہ آپکے مدرسہ کے امتحان کیلئے ۶/۵؍شعبان ۱۳۷۹ھ چہارشنبہ پنجشنبہ مقرر ہوئی ہیں ان تاریخوں میں امتحان

لینے کیلئے مولوی عبدالعزیز صاحب اور مفتی یحییٰ صاحب تشریف لائیں گے، آپکی خیر وعافیت کا خواہاں ومتمنی ہوں اور آپکے جمیع مقاصد کیلئے دعا کرتا ہوں، رفقاء کار کی خدمت میں سلام مسنون۔

بندہ محمد اسعد اللہ غفرلہ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

خدمت پر قدردانی کے مستحق ہوں گے

(۱۶) از دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یکم ربیع الاول ۱۳۸۱ھ۔

مکرم ومحترم قاری صاحب وحاجی صاحب زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گنگوہ کے جن صاحب سے پہلے لوٹے خریدے گئے تھے مولانا اور مولانا عبدالمالک صاحب سے ان کی اس مرتبہ بھی لوٹوں کی خریداری کے متعلق گفتگو ہوچکی ہے، گذشتہ مرتبہ لوٹے متفرق طریقہ سے آئے تھے جس میں کافی دقت رہی اور ہر مرتبہ کچھ لوٹے شکستہ ہوگئے، اس مرتبہ یہ خیال ہے کہ ایک ہزار لوٹے یکجائی طور پر ایک ہی مرتبہ آجائیں کہ لوٹوں کی شکستگی کے علاوہ باربار کی قباحت ودقت بھی نہ ہو، کیا لوٹوں کے ایک مرتبہ آنے کا کوئی مناسب ومحتاط نظم ہوسکتا ہے اور اس صورت میں ایک ہزار لوٹوں کا کیا کرایہ ہوگا اور اگر ایک ہزار سے زائد منگائے جائیں تو کیا اس میں کرایہ کی کچھ مزید رعایت ہوگی، یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ایک ٹرک میں کتنے لوٹے آتے ہیں اور اس کا کرایہ کتنا ہوتا ہے، امید ہے بعد تحقیق جواب سے آگاہ فرمائیں گے اور اہل مدرسہ کی قدر نیز دعاء کے مستحق ہوں گے، جملہ رفقاء

کار و احباب سے سلام فرمادیں۔ محمد اسعد اللہ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کیلئے بے لوث مساعی کی وجہ سے بخلوصِ دل دعاء کرتا ہوں

(۱۷) از دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۱ء

الحاج جناب مکرم و محترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لوٹے یہاں قریب الختم ہیں امید ہے آرڈر کے مطابق لوٹے تیار ہو چکے ہوں گے اور ان کی روانگی کا کوئی نظم بھی آپ نے متعین فرمالیا ہوگا اسلئے جلد ان کی روانگی کی سبیل فرمائیے، آپ کے لئے میں بے لوث مساعی کی وجہ سے بخلوص دل دعاء کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ آپ کو دارین کی صلاح وفلاح سے نوازے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق سے بہرہ ور کرے۔

ٹرک والے سے آپ نے دریافت کیا ہوگا آپ اسی میں ۵۰۰ ۱ر لوٹوں کے لانے کا تیس پینتیس روپیہ کرایہ اندازہ فرماتے تھے ۲ ر روپے سینکڑہ کچھ گراں تو نہیں آپ ہی اس پر غور فرمالیں اور اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ٹرک ہی کا نظم فرمالیں، براہ کرم پہلے یہ تحریر فرمادیں کہ کرایہ کیا طے ہوا ہے تاکہ غور کر کے اور مشورہ سے پھر آپ کو اربابِ مدرسہ کی رائے لکھدی جائے۔

محمد اسعد اللہ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

مفتی صاحب کو اختیار ہے کہ اپنے ہمراہ دوسرا شخص لے جائیں

(۱۸) دفتر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۷؍رجب ۱۳۸۴ھ/۳؍دسمبر ۱۹۶۴ء

برادر مکرم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ مکتوب موصول ہوا جو تاریخیں آپ کے مدرسہ کے امتحان کی ہیں انہیں میں یہاں مولوی محمد یامین صاحب کے پاس تقریری امتحان ہے اس لئے وہ تو اسی عذر قوی کی بنا پر نہیں آسکیں گے باقی جناب مفتی صاحب کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ہمراہ کوئی دوسرا شخص لے جائیں جسکو وہ اپنی صواب دید میں مناسب خیال فرمائیں، فقط۔

اسعد اللہ

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مولانا مظفر الحسن صاحبؒ

خادم خاص حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ

یہ مولانا مظفر الحسن صاحب مرحوم ابن جناب حضرت مولانا عبدالمالک صاحبؒ سابق ناظم مالیات مظاہر علوم سہارنپور ہیں، جو حضرت ناظم صاحبؒ کی خدمت اقدس میں رہا کرتے تھے اور ان کی بہت خدمت کرتے تھے، بعد میں مظاہر علوم میں کتب خانہ میں ناظم رہے پھر وہاں سے دوسرے شعبوں میں منتقل کردیئے گئے اور مختلف احوال سے گزر کر مختصر عمر میں افسوس صد افسوس اللہ کو پیارے ہوگئے،

بندہ راقم الحروف کے بہنوئی ہوتے تھے اور ان کے ساتھ بڑی محبت دل لگی رہتی تھی، موصوف بہت ہی ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھے، مندرجہ ذیل تحریر آپ کے انتقال پر مزید روشنی ڈال رہی ہے جو مولانا محمد ساجد صاحب مدرس جامعہ ہذا کے قلم سے ماہنامہ ''صدائے حق'' میں شائع ہوئی تھی۔

گذشتہ ماہِ جون کی ۱۹/۲۰ر تاریخ رہی ہوگی کہ شب میں تقریباً ساڑھے گیارہ بجے موبائل کی گھنٹی بجی، فون رسیو کیا تو حضرت مولانا مظفر الحسن مظاہری ندوی بول رہے تھے، علیک سلیک کرتے ہی فرمانے لگے ارے بھائی! کیا حال ہے؟ کافی دنوں سے ملاقات ندارد ہے فون پر بھی رابطہ نہیں آخر کیوں؟، پھر خود ہی گویا ہوئے کہ ہاں آخری ایام چل رہے ہیں تمام تر توجہ درسی کتب کی تکمیل پر مرکوز ہوگی، راقم الحروف نے اثبات میں جواب دیا، مکالمہ آگے بڑھا ہنس ہنس کر گفتگو کرتے رہے وہی خوش گفتاری، بذلہ سنجی اور دل موہ لینے والی ناقابل فراموش باتیں ان کی نوک زباں رہیں، بالکل آخر میں بولے کہ ۲۳ر جون کو نا چیز کی تحریک پر اصلاح معاشرہ کے عنوان سے یہاں محلّہ کے دین پسند نوجوانوں کے تعاون سے ایک دینی اجتماع منعقد ہو رہا ہے، کلیدی خطاب کیلئے حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ مدظلہم مدعو ہیں آپ بھی شرکت کرلیں، خاکسار نے حاضری کی حامی تو بھر لی مگر افسوس کہ ایمرجنسی مشغولیات بروقت سد راہ بن گئیں اور ان سے اس کے بعد ملاقات کی حسرت دل ہی دل میں رہ گئی۔

آخر کسے معلوم تھا کہ باغ و بہار شخصیت کے مالک مولانا مظفر الحسن

اچانک ہمارے درمیان سے اس طرح رخصت ہو جائیں گے کہ ان کی یادوں کے نہ بجھنے والے روشن چراغ ہی باقی رہ سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۲۷ رجون ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ کو بوقتِ دوپہر مختصر علالت کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رحلت کی خبر ملتے ہی چاروں طرف رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، فون پر فون بجنے لگے احقر کو اس جانکاہ حادثہ نے جس صدمہ سے دوچار کیا اسے لفظوں کا لباس نہیں دیا جاسکتا، چند روز قبل ان سے فون پر ہوئی گفتگو جو آخری ملاقات کہی جاسکتی ہے ایک مرتبہ پھر کانوں میں گونجنے لگی، ان کی خوش طبعی، ملنساری، چہرہ کی مسکراہٹیں، دل آویز حکایتیں دین وملت کے لئے کی گئی ان کی مخلصانہ تگ وتاز آپ کے روشن کردار کی بقاء وبلندی کیلئے کافی ہے۔

جسم مر جاتا ہے انسان کا کردار کہاں
موت ہر حال میں ہو موت ضروری تو نہیں

موت ایک اٹل حقیقت ہے ہر جاندار کو اس کا مزہ چکھنا ہے، دنیا میں کسی شخص کا آنا ہی اس کے جانے کی بدیہی دلیل ہے، اس لاریب سچائی کا آج تک کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ ہی کیا جاسکتا، موت کا فرشتہ آتا ہے اور جسم سے روح کو ختم کردیتا ہے، لاتعداد انسان اس مرحلہ سے ہر روز گزرتے ہیں اور لاشئی بن جاتے ہیں، مگر کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو جسمانی طور پر تو فنا ہو جاتے ہیں لیکن ان کا کردار انہیں زندۂ جاوید بنا دیتا ہے، مولانا مظفر الحسنؒ بھی کردار کے غازی تھے،

لوگوں کے مابین ان کی محبوبیت کا اندازہ ان کے آخری سفر سے ہوا، انہیں کندھا دینے والوں میں علماء وصلحاء، خواص وعوام سبھی تھے، پورے شہر سہارنپور سے لوگوں کا جم غفیر ان کے جنازہ میں شریک تھا، ہر شخص نے ان کے حادثہ کی کسک محسوس کی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا۔

مولانا مظفر الحسن نے ۷ رنومبر ۱۹۵۰ء کو ایک دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، ان کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالمالک صاحبؒ ایک ممتاز عالم دین تھے جو مظاہر علوم سہارنپور جیسے شہرت یافتہ ادارہ کے کلیدی عہدہ دار رہ چکے ہیں، مذکورہ ادارہ کے لئے اس گھرانے کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، اگرچہ ان کی خدمات کی قدردانی نہیں کی جاسکی اور نہ اس کو اجاگر کیا گیا مگر عنداللہ انشاء اللہ ان کی خدمات کا اجر عظیم ان کو ملتا رہے گا۔

مظاہر علوم سے تعلق خاطر کے سبب مولانا مظفر الحسن کی تعلیم کے مراحل بھی یہیں طے ہوئے، دریں اثناء یہاں کے بزرگوں سے خادمانہ تعلق بھی قائم ہوگیا جسے دل وجان سے خوب نبھایا، اس وقت کے درویش صفت بزرگ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ کی خوب خدمت کی حضرت شاہ صاحب بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، بسا اوقات آپ ہی سے اپنے خطوط کا املاء کراتے، حضرت شاہ جی کے جو مکتوبات بانی جامعہ اشرف العلوم کے نام تحریر کئے گئے ہیں ان میں بھی چند ایک آپ ہی کے قلم سے ہیں۔

مظاہر علوم سے آپ کی فراغت ہوئی، آپ کے رفقائے درس میں خادم

القرآن والسنہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی، حضرت مولانا حبیب احمد باندوی، حضرت مولانا عبدالرحیم جونپوری اور بعض کتب میں تبلیغی مرکز بستی حضرت نظام الدین دہلی کے مبلّغ مولانا زبیر احمد صاحب کاندھلوی مدظلہم بھی شامل ہیں، مظاہر علوم کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی آپ نے کسب فیض کیا جہاں حضرت مولانا معین اللہ ندویؒ آپ کے سرپرست تھے۔

بعد ازاں عملی میدان میں قدم رکھا پھر کچھ ہی عرصہ بعد مظاہر علوم میں تقرر ہوگیا، راقم کی معلومات کے مطابق وہ دفتری امور کے علاوہ ابتدائی کتابوں کے بھی مدرس تھے، سنا ہے کہ وہاں کے کتب خانہ میں بھی ایک عرصہ تک کام کیا، الغرض ان کی زندگی کے قیمتی ایام اپنی مادر علمی کی خدمت میں گذرے جو انشاء اللہ مرحوم کے لئے ذریعۂ نجات ثابت ہوں گے، اس خاکسار پر ان کی شفقتیں بے پناہ تھیں، افتاء کی تکمیل کے بعد جب احقر کا تقرر جامعہ اشرف العلوم میں بحیثیت مدرس عربی ہوا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی ان کی عنایتیں شامل تھیں، مولانا یہاں کے رکن شوریٰ بھی تھے، حضرت ناظم صاحب دام ظلہ بھی ان کی اصابت فکر کے بے حد قدرداں رہے اوران کی رائے کا احترام فرماتے، افسوس کہ جامعہ ہذا بھی اپنے ایک مخلص خیر خواہ سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگیا، اللہ پاک آپ کے درجات بلند فرمائے اور اپنے جوار خاص میں جگہ عنایت فرمائے، جملہ متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی کرے آمین یارب العالمین،

پسماندگان میں تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں، سب سے بڑے صاحبزادے قاری منورالحسن جامعہ میں ہی تجوید وقرأت کے مدرس ہیں، حضرت مولانا مظفرالحسن صاحبؒ کے ساتھ ہی رونق بزم بھی رخصت ہوگئی، اب تو صرف ان

کی یادیں ہی باقی رہ گئی ہیں، بہر کیف آپ ۶۱ رسال کی عمر میں ۲۷ رجون ۲۰۱۱ء بروز پیر دو پہر کو یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے:

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اسی روز بعد العشاء آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے پڑھائی اور نرگن شاہ قبرستان سہارنپور میں آپ کو سپرد خاک کردیا گیا:

آسمان ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے!!!

الغرض یہ خطوط کے چند نمونے یہاں پر بطور مثال نقل کردئے ہیں ورنہ اس نوع کے متعدد خطوط ہیں جو حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے تسلسل کیساتھ ارسال کئے گئے ہیں، جن سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کی مدرسہ اشرف العلوم اور بانی مدرسہ سے گہرے درجہ کی محبت والفت اور تعلق کا ثبوت ملتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ شروع ہی سے ایک ہمہ گیر اور جامع الاوصاف شخصیت کے مالک تھے اپنے بڑوں کے قدرداں اور حق شناس تھے، ایک مرتبہ جس کے ساتھ تعلق ہوگیا اس کو ہمیشہ یاد رکھا اور نبھایا پھر آپکی اس مخلصانہ محبت سے سبھی متأثر ہوئے، بڑوں نے حوصلہ افزائی کی اور ترقی کی راہیں دکھلائیں نیک مشورے دئے ہر مشکل اور پریشانی کے وقت میں دعاؤں سے تعاون کیا، اسی لئے جامعہ اشرف العلوم شرق وغرب میں بے حد مقبول ہوا، کیونکہ اس میں جملہ اکابر کی خصوصی عنایتیں اور دعائیں آخر تک شامل حال رہیں، اس طرح یہ گروہ اکابر کی دعاؤں کا شاندار ثمرہ منصۂ شہود پر آیا۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ آپکو اپنے زمانے کے بزرگوں سے بے حد عقیدت ومحبت کا تعلق رہا ہے، انہی حضرات میں سے ایک مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ بھی ہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۱۰/ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ اجراڑہ ضلع میرٹھ میں ہوئی، والد صاحب کا نام نورمحمد ہے، حفظ اورابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کرکے ۱۳۳۶ھ کو مظاہرعلوم میں داخلہ لیکر تجوید وقرأت اورمختلف علوم وفنون اور دورۂ حدیث شریف سے ۱۳۴۲ھ میں فارغ ہوئے، فراغت کے فوراً بعد ۱۳۴۳ھ میں مدرس تجوید مقرر کئے گئے، چنانچہ آپ نے تجوید وقرات کی تقریباً دس سال تک تعلیم دی پھر ۱۳۵۲ھ میں صدر مفتی مقرر ہوئے اور ۱۳۶۶ھ میں صدر مدرس بنادئے گئے۔

مفتی صاحب کیساتھ زمانۂ طالب علمی سے تعلقات اورعلمی روحانی استفادہ کے واقعات لکھے جاتے ہیں اور ان واقعات سے قبل مختصراً آپ کی شخصیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جامع المعقول والمنقول، فقیہ بے بدل، حاوی علی الفروع والاصول، لاجواب محقق مصنف، زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کے پیکر، مفتیٔ اعظم جناب حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ مفتیٔ اعظم مظاہرعلوم سہارنپور کی بے مثال شخصیت کے مالک تھے، جنکی نوکِ قلم سے نکلے ہوئے ہزاروں فتاویٰ پر علمائے وقت نے اعتماد کیا، فرشتہ صفت، ذاکر وشاغل، کثیر المطالعہ و

مدیم التلاوۃ انسان تھے، اپنی عمدہ صلاحیت اور قابلِ رشک فقہی حذاقت ومہارت کی بنا پر مظاہر علوم کے مدرس ہوئے پھر مسند صدارت پر فائز ہوئے، ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ، فقہ وفتاویٰ کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی خدمت کی اور مختلف علوم وفنون تجوید وقراٗۃ کے موتی بہائے، حضرت والد صاحب ؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ سے بھی خاصا تعلق تھا، حضرت والد صاحبؒ کو مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران سے زیارت وملاقات کا کثرت کیساتھ شرف حاصل رہا، حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت ناظم صاحب کے پاس دفتر مظاہر علوم میں اکثر وبیشتر تشریف لاتے تھے اور میری آمد ورفت حضرت ناظم صاحبؒ کے پاس کثرت سے رہتی تھی اسلئے وہیں پر اکثر ملاقات ہوجایا کرتی تھی، فرمایا کہ حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ ہندوستان کے ان مایۂ ناز مفتیوں میں سے ایک تھے جن کے فتاویٰ پر اعتماد کیا گیا اور جلدی سے کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور اتنے بڑے علم وفضل کے باوجود سادگی کا یہ عالم تھا کہ میں دوپہر کو چھٹی کے بعد جب مدرسہ سے باہر نکلتا تو اکثر دیکھتا تھا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم دائیں ہاتھ میں المونیم کا پیالہ اور پیالہ میں سالن اور اسکے اوپر روٹی اور اس کے اوپر کپڑا اس طرح لپیٹ کر اپنے گھر سے لاتے اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے مکان پر جاکر حضرت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، اس وقت حضرت شیخ صاحب کے یہاں ایک دو ہی مہمان ہوتے تھے پھر واپس ہوتے ہوئے وہی پیالہ حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ میں دیکھتا تھا جس کو لیکر آپ واپس جاتے، میں نے اس طرح بارہا مشاہدہ کیا،

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کے ہاتھ سے پیالہ لیکر جانا چاہا لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے پیالہ نہ دیا۔

ص ۷/۵۸۷ ج ۱/ پر آپ بیتی میں مرقوم ہے: ایک مرتبہ شیخ زکریاؒ نے حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کے اوصافِ حمیدہ تقویٰ وصلاح کے آثار کو دیکھ کر فرمایا تو تو بڑا اچھا لڑکا نکلا ہے، کل سے دوپہر کی روٹی میرے ساتھ کھایا کر، اللہ اس مرحوم کو بہت ہی بلند مراتب عطاء فرمائے ترقیات سے نوازے، میری اس پیش کش کو ایسا نبھایا کہ جب تک وہ اپنے مرض الوصال میں چارپائی پر سے اٹھنے سے معذور نہ ہو گئے کبھی بھی دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا نہیں چھوڑا بلکہ انکے ذاتی مہمان بھی اگر آجاتے انکا بھی کھانا گھر سے منگا کر میرے ساتھ ہی انکو کھلاتے تھے اور میرے جو خصوصی مہمان آتے تھے انکے ساتھ شام کو بھی بجائے میرے وہ ہی میزبانی کرتے تھے اور تعلق دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور پھر تو میرے سفر وحضر کے مصاحب بن گئے اور انہوں نے بہت ہی حقِ دوستی ادا کیا مرحوم کیلئے بہت ہی دعائیں کرتا ہوں۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ علم وعمل، زہد وتقوی، نظافت و طہارت، ذہانت وفطانت، حذاقت ومہارت کے پیکر تھے، جملہ علوم وفنون میں کمال کا استحضار تھا، اس زمانہ میں مظاہر علوم میں حضرت شیخؒ کی روایت اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب کی درایت فقہی مسلّم تھی، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے مشق فتاوی انہیں کی نگرانی میں شروع کی تھی، اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ ان کی نظر سے گذارتے اور تصحیح کراتے تھے اور ان کے مشوروں کو قبول کرتے تھے اور یہ مثال صادق آئی کہ

بڑے تو بڑے تھے ہی چھوٹے بھی کسی سے کم نہیں نکلے اور فقیہ الامت سے ملقب ہوئے، حضرت مفتی سعید صاحبؒ کے فتاویٰ نہایت مکمل و مدلل ہوتے تھے، آپ کا انتقال ۲ رصفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۹ راگست ۱۹۵۷ء بروز جمعرات ہوا اور قبرستان حاجی کمال شاہ میں دفن کئے گئے، حضرت مفتی صاحب کی ایک نصیحت اور کچھ فتاویٰ درج کئے جاتے ہیں:

حضرت مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ کی ایک نصیحت

جیسا کہ سابق میں ذکر کیا جا چکا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں کام کو آگے بڑھاتے رہے اور مدرسہ کا باقاعدہ حساب وکتاب لکھ کر مظاہر علوم حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کے پاس تشریف لے جاتے اور حساب وکتاب چیک کراتے رہے، چنانچہ حضرت والد صاحبؒ نے ایک بار خود فرمایا کہ میں مدرسہ کے حالات ایک کاپی میں لکھ کر لے جاتا تھا حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحب کی خدمت میں پیش کرتا کہ مدرسین اتنے ہیں، طلبہ اتنے ہیں، خرچ اتنا ہے، آمد اتنی ہے وغیرہ، حسب معمول ایک مرتبہ لکھ کر لے گیا، اس وقت حضرت اقدس ناظم صاحبؒ کسی آدمی سے باتوں میں مشغول تھے اور حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ وہیں تشریف فرما تھے، حضرت اقدس ناظم صاحبؒ نے اشارہ فرمایا کہ مفتی صاحب کو دکھلا دو، چنانچہ میں نے کاپی حضرت اقدس مفتی صاحب کے سامنے پیش کر دی آپ نے کاپی کو بغور پڑھا اور پڑھنے کے بعد پوچھا کہ اس میں تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ حالات کے مطابق بالکل صحیح صحیح لکھا ہے یا بڑھا چڑھا کر لکھا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ حضرت بالکل حالات کے مطابق ہے ایک بات بھی بڑھا کر نہیں لکھی ہے، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے کاپی رکھ کر فرمایا کہ مدرسہ اور مدرسہ کی تعلیم سب اللہ کی رضاء کے لئے ہے، اور اللہ کی رضاء کیلئے کام کرنے میں کوئی بات خلاف واقعہ اور غلط نہیں ہونی چاہئے، اگر تم نے کوئی بات خلاف واقعہ لکھدی اور وہ بڑھ چڑھ کر لوگوں کے سامنے آبھی گئی اور اس سے کوئی فائدہ بھی ہوگیا مگر اللہ تو حقیقت حال سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو اور لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہو، ایسا کرنے سے کام کی برکت ختم ہوجاتی ہے، حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے یہ قیمتی اور بیش بہا جملے دل میں گھر کر گئے تھے۔

اساتذہ کی توجہات کا اثر ہے کہ آج تک مدرسہ کے حالات بیان کرنے میں کبھی بڑھا چڑھا کر کام نہیں کیا، کیونکہ واقعی اس سے کام کی برکت ختم ہوجاتی ہے اور اللہ کی مدد اٹھ جاتی ہے اور میرے اس معمول کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے جو چندہ دلوایا اسمیں خیر وبرکت رہی اور آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کبھی کسی استاذ کی مہینہ کی تنخواہ رکی ہو، ہمیشہ چاند کی پہلی دوسری تیسری تاریخ میں تنخواہ دینے کا معمول رہا ہے جواب بھی بحمد اللہ بدستور قائم ہے، اللہ تعالی اپنے غیبی خزانوں سے مدرسہ کی ضروریات کو پورا فرمائے اور مدرسہ کا اصلی مقصد جو رضاء الٰہی ہے اس کو حاصل کرنے کی سب کو توفیق نصیب فرمائے۔

کس قدر حسین اور لائق عمل ہیں یہ جملے جو خصوصاً اہلِ مدارس کیلئے ہیں، یہی باتیں تھیں ہمارے اکابر واسلاف کی جو مدارس کی روح اور جان تھیں، اسی ہدفِ صادق ایمان کامل پر مدارس کی بنیادیں قائم ہوئیں تو مدارس امت کیلئے متاع گرانمایہ،

سرمایہ نایاب، مرکز توجہ بن گئے اور جب سے نیتوں میں فساد آیا دنیوی مفادات اور نفسانی اغراض کے حصول کی خاطر بنیادیں پڑنے لگیں، صرف یہیں تک نہیں بلکہ فی زمانا ایک طبقہ وہ بھی نکل چلا ہے جس نے مدارس اسلامیہ کو خالص تجارت بنا کر رکھدیا ہے اور وہ مدرسے صرف اس لئے قائم کرر ہے ہیں کہ اس سے حصول زر کی راہیں ہموار کی جائیں اور اپنا پیٹ بھرا جائے، جبکہ مدارس کے قیام کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے اور اپنی آخرت بنانا ہے، اس کے لئے فتنے، ہنگامے، فساد، کذب وافتراء، دجل وفریب کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ بلکہ یہ چیزیں تو ایک عام مسلمان کے لئے بھی ممنوع ہیں چہ جائیکہ وہ لوگ کریں جو اہل علم کہلائے جاتے ہیں اور دنیا میں دین کو عام کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کا دماغ اکلِ حلال کے لئے جائز اور صحیح پیشہ اختیار کرنے کی طرف ہرگز نہیں چلتا بلکہ وہ ہر تقویٰ اور نصیحت کی بات کو رد کرتے ہیں اور اُلٹی بحث شروع کردیتے ہیں اور عالم ہوکر بالکل جاہلانہ سوچ رکھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جبکہ ہمارے اکابر اور اسلاف نے مدارس کو معاد اور آخرت کی اصلاح کیلئے اور دنیا میں دین حق کے فروغ کیلئے قائم فرمایا تھا، انہوں نے صاف صاف فرمایا کہ مدارس مقصود نہیں بلکہ مقصود تو رضائے الٰہی ہے اور یہ صرف اسباب وذرائع ہیں اصل تو دینِ حنیف کی خدمت ہے، جس طریقہ سے بھی جو شخص دین کے جس شعبہ کو بھی زندہ کررہا ہو اور کسی طرح بھی دین کے کام میں اخلاص کے ساتھ مشغول ہو وہ ہی حقیقت میں اللہ کا ولی اور دوست ہے، آج ہمارے ایک طبقہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مدارس کا قیام مال حاصل کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے اس کے ذریعہ سے

بآسانی چندہ کرنے کا راستہ کھل جاتا ہے، پھر بعض نے تو اس میں اور ترقی کی مدارس قائم کر کے بے شمار سفراء کی فراہمی اور بہتات اختیار کی اور ان کو نصف نصف پر اجرت تک دینے لگے، بلکہ بعض تو اور اس سے بھی آگے بڑھ گئے کہ بس ایک تہائی مدرسہ کو مل جائے اور باقی تم رکھا کرو، اس طرح سے اصحابِ خیر کی زکوۃ اور صدقات غلط مصارف میں جارہے ہیں اور ایسے سفراء کا سفر برائے مدرسہ نہ ہو کر برائے سفیر ہو رہا ہے اور وہ سفیر تو کم بلکہ فقیر ہو رہا ہے، کیا اس سے یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ کوئی حلال پیشہ اختیار کر لیتا کہ اس میں کوئی عیب نہ تھا کہ کبار انبیاءؑ، اولیاء، علماء، صلحاء نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف النوع حرفت اور کام کئے ہیں، کسی نے زراعت کی، کسی نے تجارت کی، کسی نے نجاری کا پیشہ اختیار کیا، کسی نے حیاکت کی یہاں تک کہ بعض صحابہ نے یہود تک کی عارضی ملازمت کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کی اور جب ضرورت پوری ہوگئی تو چھوڑ دیا۔

چنانچہ ایک دور تھا کہ علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ علمِ طب کے مہذب پیشہ سے جڑا ہوا تھا اور وہ اس لائن سے بھی دنیا میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت امام الائمہ امام اعظمؒ کے یہاں مستقل کپڑے کا کام ہوتا تھا خود بھی کرتے تھے اور ان کے تلامذہ بھی کرتے تھے، بعض ائمہ عطر فروخت کرتے تھے، بہت سے محدثین گھی اور تیل کی تجارت کرتے تھے، بہت سے دباغت اور کھالوں کے پیشہ سے وابستہ تھے اور بہت سے جوتے تک صحیح کر کے اپنی حلال روزی کماتے تھے اور بہت سے حلوہ اور مٹھائیوں کی دکانوں پر کام کرتے تھے، الغرض جس کو جس طرح بھی رزقِ حلال حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ملتا تھا وہ اس سے گریز نہیں کرتا تھا، لیکن ان کے دل

و دماغ میں دین فروشی اور دین کو طلبِ دنیا کیلئے کرنا سب سے زیادہ معیوب اور مذموم تھا، باقی چھوٹے سے چھوٹا کوئی بھی ذریعہ رزقِ حلال اختیار کرنے میں انہیں کوئی عار اور شرم محسوس نہ ہوتی تھی، ایک وقت وہ رزقِ حلال کیلئے بھی معمولی پیشہ اختیار کرتے ہوتے تھے اور دوسری طرف مسند حدیث، مسند تفسیر، مسند فقہ، مسند تصوف پر بیٹھ کر خانقاہوں، مدارس، مساجد میں بڑے بڑے حلقے قائم کرتے تھے کیا اس میں اہل بصیرت کیلئے کوئی عبرت و بصیرت نہیں ہے؟۔

جب مدارس ایک بزنس ایک تجارت کے انداز پر قائم ہونے لگے اور اس میں تسابق بلکہ تحاسد، تباعد، تباغض اور مقابلہ بندی کی کیفیت پیدا ہوگئی تو اہل اسلام کی نگاہوں میں رفتہ رفتہ وقعت گھٹنے لگی مزید یہ کہ دشمنان اسلام بھی فاسد نیتوں کی بنا پر جری ہوتے چلے گئے۔

ایک وہ دور تھا کہ غیر ہمارے اکابر کا چہرہ دیکھ کر متاثر ہو جاتا اور عظمت کے پیش نظر کھڑا ہو جاتا تھا، اور ایک دور یہ بھی ہے کہ اپنے بھی متاثر نہیں ہو پا رہے ہیں اور اتنی کثرت کے باوجود عوام الناس کے اندر جو صالح انقلاب پیدا ہونا تھا وہ مفقود ہے، چونکہ علماء کے حالات اور کیفیات جب عوام الناس کے سامنے آتی ہیں تو ان پر بہت غلط اثرات واقع ہوتے ہیں اور وہ دین کے قریب آنے کے بجائے اور دور چلے جاتے ہیں، اس طرح سے ہم لوگوں کو دین سے قریب کرنے کے بجائے دور کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں، اللہ پاک ہمیں عقلِ سلیم نصیب فرمائے ہادی اور مہتدی بنائے آمین یا رب العالمین۔

کئی مسائل میں حضرت والد صاحبؒ نے استفسار فرمایا تو بغرض افادہ حضرت مفتی صاحب نے بذریعہ خطوط جواب تحریر فرمائے جن کی نقول یہاں پر قلمبند کی جاتی ہیں:

مکاتیب وفتاویٰ

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ

(۱) حج کی فلم کا فتوی

محترمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سنیما دیکھنا ناجائز ہے، حج کی فلم میں تصاویر وغیرہ سب چیزوں کی دکھائی جاتی ہیں اور اس میں سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ حج کو کھیل اور تماشہ بنایا گیا ہے، ارکان حج کی نقل اتارنا اس سے اسلامی شعار کی توہین ہے اسلئے اسکا تماشہ اور تماشوں سے بھی برا ہے، اس وجہ سے سہارنپور میں اس کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا اور لوگوں کو اس کے تماشہ سے منع کیا گیا ہے، مگر افسوس ہے کہ مسلمان بھی اس تماشہ کو دیکھنے کیلئے سب سے زیادہ جاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اچھی چیز ہے، جس طرح نماز کی نقل اتارنا گناہ ہے ایسے ہی حج کی نقل بھی گناہ ہے، اس میں متحرک تصاویر اور گانا بجانا بھی شامل ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا الآیۃ اور فرمایا: وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا اس سے دین اور اعمال دین کے ساتھ استہزاء کرنیوالوں کی مذمت معلوم ہوگئی، استہزاء اور دین کو

لہو ولعب بنانا کفر ہے ،اعاذ نا اللّٰہ و ایاکم منہ،فقط واللہ اعلم ۔

سعید احمد غفرلہ

مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۲ محرم ۱۳۷۰ھ

(۲)عید میں شہادت کی ضرورت اور عشر وغیرہ کے چند مسائل

محترمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) سہارنپور میں بھی غبار تھا مگر چاند عام طور پر دیکھا گیا ہے اور شہر میں کافی لوگوں نے دیکھا ہے،قرب وجوار میں دیہات میں دیکھا گیا اسلئے اعلان کردیجئے کہ پہلا روزہ جمعہ کا ہے،صرف خبر کافی نہیں ہوتی ،رمضان کیلئے قابل اعتماد شخص کی خبر کافی ہے یا کثرت سے لوگ خبر دیں تو بھی کافی ہے، عید میں شہادت کی ضرورت ہے، شہر کے توابع میں اعلان یا ذمہ دار حضرات کی اطلاع کافی ہے،جو جگہ مستقل ہو وہاں خود تحقیق کی ضرورت ہے،آپ شہر سے بعید ہیں اسلئے باقاعدہ تحقیق کرلیجایا کرے (۲) حفاظ کو ختم پر دینے کا رواج ہے اور المعروف کالمشروط کی بناپر بلاطلب کے بھی اسی حکم میں ہے،اگر کسی کی امداد کرنی ہوتو دوسرے وقت کردیجئے ختم پر نہ دیا جائے (۳) جو زمینیں سلطنت اسلامی کے زمانہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہوں ان پر عشر ہے خواہ وہ لگان پر ہوں یا اپنی ہوں،بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ عشر دیدیا جائے ۔

سعید احمد غفرلہ

مظاہر علوم سہارنپور ۱۶؍رمضان ۱۳۷۲ھ

(۳) اپنے اختیار کے مطابق تصرف کرسکتا ہے

محترم جناب قاری صاحب زادمجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر مدرسہ کا کوئی قاعدہ ہے کہ جو اچھا کام کریگا اسکو کچھ انعام دیا جائیگا علاوہ تنخواہ کے تو مدرسہ سے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر کوئی قاعدہ نہیں ہے تو پھر ممبران کی رائے پر ہے اگر وہ مناسب سمجھیں تو دے سکتے ہیں، اخراجاتِ مدرسہ کا حق اگر مہتمم صاحب کو کچھ دیا گیا ہے تو وہ بھی اپنی رائے اپنے اختیار کے مطابق تصرف کرسکتا ہے اس میں ہر مدرسہ کا ضابطہ اور قاعدہ علیحدہ ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے فقط، واللہ اعلم۔ سعید احمد غفرلہ

مظاہر علوم سہارنپور ۳۰/۵/۷۵ ۱۳ھ

ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ

مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران جن بزرگوں سے حضرت والد صاحب قدس سرہ کو شرفِ ملاقات وزیارت حاصل رہا ان میں سے ایک حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ بھی ہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۲۷/ اگست ۱۸۸۲ء بہبودی ضلع کیمبل پور مغربی پنجاب پاکستان میں ہوئی، والد صاحب کا نام مولانا گل احمد ہے، فارسی وابتدائی عربی کتب اپنے وطن میں مولانا فضل حق شمس آبادی سے پڑھیں، پھر مظاہر علوم سہارنپور میں ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء دورۂ حدیث

شریف کی تکمیل کی، مولانا شبیر فاروقی تھانوی اور مولانا حیات سنبھلی آپ کے مخصوص رفقاء میں سے ہیں، پھر مزید ایک سال دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے درس میں شریک ہوئے، ۱۳۳۳ھ میں دیوبند سے واپسی پر مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوگئے اور ۱۳۴۴ھ میں صدر مدرس تجویز ہوئے۔

آپکا درسِ ترمذی شریف بہت مشہور تھا اور بڑی خوبیوں، فطری صلاحیتوں، نیز کمالات ومحاسن کے مالک تھے، ریاضت ومجاہدات کے بعد جن ملکات کا حصول وجہ شرف وکمال خیال کیا جاتا ہے آپ کو منجانب اللہ اچھے خاصے عطا کیے گئے تھے، بردباری، تواضع، صلاح وتقوی میں یگانۂ روزگار تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت اقدس تھانویؒ نے بغیر بیعت کے ہی آپکو مجاز بیعت بنا دیا تھا، اس پر آپ نے معذرت نامہ بھی لکھا کہ میں نے تو ابھی تک بیعت بھی نہیں کی پھر خلافت کا استحقاق کیسا؟ اس پر حضرت تھانویؒ نے جواب تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں، نیز حضرت اقدس تھانویؒ حضرت مولانا کے بارے میں یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا کیمل پوری نہیں بلکہ کامل پورے ہیں، نیز حضرت تھانویؒ بیعت ہونے والے اکثر علماء فضلاء کو تربیت کیلئے حضرت مولانا کے حوالہ فرماتے تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے آپکو مظاہر علوم کا پہلے عارضی طور پر صدر مدرس پھر حجاز مقدس پہنچ کر مستقل صدر مدرس ورئیس الاساتذہ بنا دیا تھا، چنانچہ آپ آزادیٔ ہند تک عہدۂ صدارت پر متمکن رہے، حیات محمود میں ایک جگہ پر ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے زمانۂ صدارت میں مدرسہ کے لئے انضباط تعلیم کا نقشہ ترتیب دیا گیا جس کا

مقصد یہ تھا کہ اساتذہ کی تعلیمی رفتار کا علم ہو سکے، ہر ماہ یہ نقشہ جات حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوتے تھے اور ان کو ملاحظہ فرما کر تعلیمی فروگزاشتوں پر اساتذہ کو متوجہ فرماتے اور متعینہ مقدار سے کم پڑھانے پر باز پرس فرماتے۔

۱۹۴۷ء رمضان المبارک کی تعطیل میں اپنے وطن کیمل پور تشریف لے گئے لیکن اسی دوران ملک تقسیم ہو گیا اور راستے مسدود ہو گئے جو جدھر تھا ادھر ہی رہ گیا لہذا آپ کا بھی سہارنپور واپس آنا دشوار ہو گیا تھا اسلئے آپ وہیں قیام پذیر ہو گئے، حضرت مولانا کی زمانۂ صدارت کی کل مدت ۲۳ رسال ہے اور مجموعی طور پر مظاہر علوم میں آپ کی خدمت کا عرصہ ۲۵ رسال ہے۔

نیز پاکستان میں بڑی تیزی کے ساتھ مدارس کا قیام عمل میں آیا اسلئے آپنے وہیں پر مختلف مدارس دین کی مخلصانہ خدمت انجام دی، خیر المدارس ملتان، دار العلوم ٹنڈو والہ حیدرآباد میں، جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں اہم مناصب پر متمکن ہو کر علوم وفنون کے دریا بہائے اور امت کے بے شمار نونہالوں کو فیضیاب کیا اور ۲۷ رشعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ ردسمبر ۱۹۶۵ء پنڈی پاکستان میں یہ علم وعمل کا روشن مینارہ آسودۂ خاک ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون، آپ کے صاحبزادہ مولانا سعید الرحمٰن نے آپ کی مفصل سوانح تجلیات رحمانی کے نام سے لکھی۔

حدیث پر عمل کرو اور بزرگوں کے کلام کا ادب کرو

والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بڑی محبت کیساتھ آپکا تذکرہ فرمایا کرتے تھے اور ان کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب ترمذی شریف کا درس دے رہے تھے، سبق کے دوران وہ حدیث آئی جس میں اذان کی دعاء ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے حق میں دعاء وسیلہ کی گئی ہے، اس پر ایک طالب علم نے اعتراض کیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ مقام جتنی دعاؤں پر ملنا تھا انکی تعداد مکمل ہو چکی اسلئے اب مقام وسیلہ ملنے کیلئے دعاء کی ضرورت نہیں، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت کی کتاب سر آنکھوں پر اس کو پڑھ کر ایک طرف طاق میں رکھدینا اور عمل اس حدیث پر کرنا۔

حضرت مولانا زکریا قدوسی صاحب گنگوہیؒ

جناب حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی گنگوہیؒ نہایت ہی متقی، پرہیز گار، شیریں سخن، شیریں بیاں، کثیر المطالعہ، جامع الاوصاف والکمالات انسان تھے، گنگوہ کے باشندے اور جامعہ مظاہر علوم کے مدرس تھے، آپ کے تفصیلی حالات اس کتاب کی جلد اول میں گزر چکے، مظاہر علوم کی طرف سے مختلف علاقوں میں تقریر و بیان کیلئے تشریف لے جاتے تھے، آپکا بیان نہایت ہی اثر انگیز اور رقت آمیز ہوتا تھا، زبان میں بے حد رسیلا پن تھا، ہر شخص آپ کے بیان سے مکمل طور پر محظوظ ہوتا تھا، حضرت والد صاحبؒ بھی مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں آپ کیساتھ پروگرام میں تشریف لے جاتے تھے اس دور میں جو انکی صفات دیکھیں انکا حال والد صاحبؒ یوں بیان کیا کرتے تھے: ”کہ ایک مرتبہ جمعرات کی شام کو مولانا زکریا قدوسی صاحب کیساتھ پنجاب گاؤں برالہ انبالہ کے قریب

جانے کا اتفاق ہوا رات میں وہاں پر مولانا نے بیان فرمایا اور صبح واپس ہوئے، واپسی کے وقت ایک صاحب نے مدرسہ مظاہر علوم کیلئے دس کلو مسور (دال) دی اور پانچ کلو مسور حضرت مولانا کے واسطے بھی دی، میں نے دونوں کو دو علیحدہ علیحدہ کپڑوں میں باندھ لیا، سہارنپور پہونچ کر مدرسہ کیلئے دی گئی دس کلو مسور مطبخ میں جمع کردی اور حضرت مولانا والی پانچ کلو مسور حضرت کے مکان پر دے دی، اگلے دن جب مولانا مدرسہ تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا کہ مسور کا کیا کیا؟ میں نے بتلایا کہ دس کلو تو مطبخ میں جمع کردی اور پانچ کلو والی آپ کے گھر دے آیا، تو اس پر حضرت نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور مجھ کو کہا کہ گھر سے مسور واپس لیکر آؤ، چنانچہ میں گھر گیا اور وہ پانچ کلو مسور واپس لیکر آیا تو حضرت نے وہ بھی مطبخ میں جمع کرادی اور فرمایا کہ ہمیں کون ہدیہ دے ہے بھائی ہدیہ تو وہ ہے جو یہاں بیٹھے بٹھائے آئے، ہم لوگ مدرسہ کے کام سے گئے تو اس نے مدرسہ کو دی پھر اس نے خیال کیا کہ مولوی بھی للچا رہا ہوگا تھوڑی اسے بھی دیدو، یہ تھی ہمارے اکابر کی احتیاط اور تقویٰ کی کیفیت، اللہ پاک ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

اس وقت مظاہر علوم کی جانب سے تقریر وخطابت کیلئے جانے والے تین چار حضرات تھے جن میں سے حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی، حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی اور حضرت مولانا ظریف احمد صاحب پورقاضوی اکثر وبیشتر تشریف لے جایا کرتے تھے، ان سب حضرات کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کہیں بیان کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو جو کچھ داعی کی طرف سے ملتا اس میں سے آمد ورفت کا کرایہ پورا کرنے کے بعد مابقیہ داعی کو واپس فرمادیتے یا اس سے اجازت

لیکر مدرسہ میں جمع کر دیا کرتے تھے، یہ ان حضرات کی انتہائی دیانت داری امانت داری کا ثبوت تھا، حالانکہ اس وقت مظاہر علوم میں تنخواہیں اقل قلیل تھیں اور بعض حضرات جیسے حضرت شیخ زکریاؒ بلا تنخواہ بھی پڑھاتے تھے پھر بھی عمدگی کے ساتھ گزر اوقات ہوتی تھی چونکہ ان کی نیتیں مخلصانہ تھیں اور مدرسہ کی رقومات سے تنخواہ لینے کو مجبوری اور ضرورت سمجھتے تھے نہ کہ مدرسہ کی ملازمت برائے تنخواہ یا عیش و آرام یا برائے حصول مال یا جاہ وعزت کرتے تھے، اس لئے اللہ پاک نے ان کو ظاہری و باطنی برکتوں سے نوازا تھا اور صبر و قناعت، خودداری اور عفاف و عفّت، امانت وتقویٰ، مدرسہ کے مال میں انتہائی درجہ احتیاط اور مدرسہ کے اوقات کو اللہ کی ایک امانت سمجھتے تھے، نہ مدرسہ کے اوقات کو اپنے ذاتی اوقات تصور کرتے تھے اور نہ مدرسہ کے اموال واشیاء کو اپنی ذاتی ملکیت اور جاگیر سمجھتے تھے، بلکہ خوف خدا کو مستحضر رکھکر ایک ایک چیز کو اللہ کے یہاں حساب دینے کے تصور سے استعمال کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر مدرسہ کا وقت کم لگا یا اپنے کسی کام میں لگا تو اتنے گھنٹوں کو ایام بناتے اور پھر اسی حساب سے اس کی تنخواہ کٹواتے۔

آج جبکہ ہماری نظریں دنیا پر اور دنیا داروں کی طرح عیش اور آرام کی طرف جارہی ہیں اور مدرسہ ہی سے اپنی تمام ضروریات کا انتظام اور تکفل کرنے کا خیال آنے لگا ہے تو پھر تنخواہوں میں برکتیں اوقات میں برکتیں اور قلوب میں راحتیں اور عندالناس عزتیں اور عنداللہ قبولیتیں اور آخرت میں مغفرت اور راحتوں کی امیدیں وابستہ رکھنا اور یہ سب چیزیں تلاش کرنا امرِ عجیب ہے، اللہ پاک ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائے اور ہمیں اپنے اکابر اور اسلاف کے نقوش

قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سرہ سے تعلق

یوں تو حضرت والد صاحبؒ نے مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران تقریباً تمام ہی اکابر سے استفادہ کیا، مگر شیخؒ کی ذات گرامی ایک ایسی ہے کہ جن کی الفتوں، محبتوں، عنایتوں کے اسیر اور ان کی محبت آمیز نظروں کے تیر سے گھائل اور ان سے بے حساب عقیدت واحترام، محبت وعظمت کے جذبات اور ان کی ذات میں فنا، ان کی خدمت میں بے حساب حاضری دینے کا سلسلہ عرصہ دراز تک رہا، چونکہ حضرت والد صاحب کو دارالطلبہ قدیم کی مسجد کا امام بنایا گیا تھا، اس مناسبت سے تمام ہی اساتذہ آپ سے واقف تھے اور والد صاحبؒ بھی گاہ بگاہ حضرت شیخؒ کی مجلس میں جایا کرتے تھے ملاقات کا شرف حاصل کرتے تھے، بعد میں جب حضرت والد صاحبؒ پڑھنے کیلئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے تو حضرت شیخؒ سے بیعت بھی ہو گئے تھے اور زندگی بھر آپ ہی کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف پر عامل رہے، اس کا تفصیلی تذکرہ انشاء اللہ العزیز مستقل باب کے تحت آئے گا کہ حضرت شیخؒ سے کس درجہ تعلق رہا اور کیا کیا عنایتیں حضرت شیخ کی آپ پر ہوئیں اور شیخ کی کن کن کرامات کا ظہور آپ کے گھر پر ہوا اور شیخؒ کی کن کن خدمات کا شرف حاصل کیا اور شیخؒ نے آپ بیتی میں کتنی جگہ آپ کا تذکرہ فرمایا نیز شیخؒ نے کون کون سے مکتوبات آپ کو ارسال فرمائے اور کیا کیا بشارتیں اور دعائیں دیں، یہ جملہ باتیں انشاء اللہ تعالیٰ

ایک مستقل عنوان کے تحت عنقریب قلم بند کی جائیں گی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کی خدمت وتعلق

حضرت مفتی صاحبؒ سے آپ کو بچپن ہی سے تعلق تھا اور آخر دم تک رہا، جبکہ حضرت مفتی صاحب مظاہر علوم کے مایہ ناز استاذ تھے اور والد صاحبؒ وہاں ایک طالب علم کی حیثیت سے تھے، اس سلسلہ میں حضرت والد صاحبؒ نے بارہا اس طرح بیان کیا ''مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران جناب حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی تین سال مسلسل خدمت کا خوب موقعہ ملا، اس سے قبل حضرت مفتی صاحب کیساتھ لدھیانہ کا سفر ہوا تھا اور حضرت نے وہاں چھ ماہ قیام فرمایا تھا ان چھ ماہ میں بھی برابر خدمت کی سعادت میسر آئی تھی، اب جبکہ مظاہر علوم میں مستقل داخلہ لے لیا تھا تو آغاز تعلیم ہی سے حضرت کا ناشتہ اپنے کمرہ میں بنا کر آپ کی خدمت میں پہونچانے کا اہتمام رکھا اور یہ معمول دیر تک رہا، پھر جب کمرہ میں ناشتہ تیار کرکے آپ کے پاس لیجانے میں دقت محسوس ہونے لگی اور وقت کا حرج زیادہ ہونے لگا تو میں نے اپنی کوئلہ کی انگیٹھی مفتی صاحب کے کمرہ کے سامنے سہ دری میں رکھدی تھی پھر میں نے وہیں جاکر حضرت کیلئے ناشتہ بنا کر پیش کرنے کا معمول بنالیا تھا، چنانچہ تین سال تک یہی معمول رہا، حضرت مفتی صاحب کا یہ وہ زمانہ تھا جس میں حضرت کو مظاہر علوم سے ۱۸؍روپیہ مشاہرہ ملتا تھا جس میں سے آپ پندرہ روپے ہر ماہ اہل خانہ کیلئے گنگوہ بھیج دیا کرتے تھے اور آپ یہ رقم اکثر وبیشتر میرے حوالہ فرمادیا کرتے تھے اور باقی تین روپے جن میں سے اڑھائی

روپے طعام کی قیمت کے طور پر مدرسہ میں جمع کر دیا کرتے تھے مگر الحمدللہ تعالیٰ اس سب کے باوجود میں نے اپنے معمول میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور استاذ محترم کی خدمت کو اپنے لئے باعث صد افتخار و سعادت سمجھا‘‘۔

مذکورہ بالا کلمات حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود ارشاد فرمائے تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت کا خوب موقعہ ملا مگر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت کا یہ سلسلہ وہیں پر منقطع نہیں ہو گیا تھا بلکہ بعد میں بھی جب آپ مدرسہ اشرف العلوم میں ذمہ داری سنبھال چکے تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اس وقت آپ نے حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کیلئے بڑی محبتوں کا ثبوت دیا ہے ان کا اندازہ خطوط سے ہو سکتا ہے، بعض مشکل مواقع ایسے بھی آئے کہ اس میں آپنے حضرت مفتی صاحب کیلئے جانبازی و جانثاری کا ثبوت دیا اور اس طرح آپنے ایک شاگرد رشید ہونے کا حق ادا کیا، بعد میں بھی حضرت مفتی صاحب کیساتھ آپ کے گہرے تعلقات رہے جن پر بہت سے خطوط دلالت کرتے ہیں، جنکو علیحدہ طور پر مکتوبات فقیہ الامت کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے، نمونے کے طور پر ان کا ایک معتد بہ حصہ یہاں شامل کیا جا رہا ہے تا کہ حیات شریف پڑھنے والے بھی ان سے مستفیض ہو سکیں۔

مکتوبات

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(۱) حسب قرارداد آپ نے دورہ کیا ہوگا

عزیزم قاری شریف احمد صاحب سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہ تعالیٰ میں خیریت سے ہوں، آپکا خط ملا، آج یہاں بخاری شریف ختم ہوگئی، کل جمعرات کو حضرت ناظم صاحب کی ہمرکابی میں میرٹھ کے ایک گاؤں میں جانا ہے، پھر واپسی کے بعد منگل کو شام کے موٹر سے گنگوہ حاضری کا قصد اور بدھ جمعرات کو امتحان ہوگا، پھر جمعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ سہارنپور واپسی ہوگی، ہمارے مکان پر بھی اطلاع کرادینا، اگر عزیزم قاضی محمد تحسین ہوں تو انکو بھی اطلاع کردینا، امید ہے کہ حسب قرارداد اس ہفتہ میں آپ نے دورہ کیا ہوگا، سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون دعا کی درخواست، فقط والسلام۔

احقر محمود حسن گنگوہی غفرلہ

(۲) اللہ تعالیٰ ہر قسم کے خلفشار سے محفوظ رکھے

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ خیریت سے ہوں، پچھلے دنوں کچھ کھانسی نزلہ کی شکایت ہوگئی تھی، وہ رفع ہوگئی فالحمد للہ علی ذلک، گرامی نامہ ملا، آپ کی علالت، کمزوری،

پریشانی کا حال پڑھکر قلق ہوا، حق تعالیٰ صحت دے، سکون دے، خدمت دین میں ترقی دے، رقم حقیر کیلئے آپ سوچ میں نہ پڑیں، کوئی فکر کی بات نہیں، جس طرح آپ چاہیں مجھے عذر نہیں، مدرسہ کے سلسلہ میں اگر خط سے کام چل سکتا ہوتو خط سے مشورہ کرلیں، ورنہ وہاں قرب وجوار میں کسی بھی صائب الرائے صاحب سے مشورہ کرسکتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے خلفشار سے محفوظ رکھے، والسلام۔ احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور

(۳) انشاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائینگے

مکرم محترم زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا، آپکی پریشانی سے قلق ہے، حق تعالیٰ سکون دے، حالات[1] کو سازگار کرے، بارقرض سے سبکدوش فرمائے، نقصان سے بچائے "**یاحی یا قیوم برحمتک استغیث اصلح لی شانی کله ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین**" کاورد کثرت سے کریں، انشاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائینگے، والسلام۔ احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۳/۱/۱۳۸۳ھ

---

[1] مدرسہ کے معاملات میں مخالفت کا کوئی معاملہ ہوگا جو ہوتا رہتا تھا حاسدین اور مفسدین کو مدرسہ اور اسکی ترقی برداشت نہیں تھی، اسلئے مسلسل رکاوٹیں اور قسم قسم کی نازیبا حرکتیں کرتے تھے، مگر باری تعالیٰ نے سب سے حفاظت فرمائی اور مدرسہ کو عروج بخشافللہ الحمد۔

(۴) آپ کو پورا اختیار ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، الحمدللہ یہاں پر سب طرح خیریت ہے، مدرسہ میں اسباق شروع ہو چکے ہیں، ۱۵؍شوال تک داخلہ وغیرہ سے فراغت ہوکر باضابطہ تعلیم جاری ہے، حضرت شیخ دامت برکاتہم نے خود ہی اپنا نظام تو تحریر فرمادیا ہے، ساتھ ہی اس ناکارہ کو دہلی حاضری سے منع بھی فرمادیا ہے کہ اسباق کا حرج ہوگا، اسلئے اب دہلی حاضری کا قصد نہیں، قاضی محمد تحسین صاحب سے آپ ملاقات کرلیں، جب وہ آپکو عنایت فرمادیں تو آپکو اختیار ہے کہ مسجد محلّہ میں صرف کردیں یا جہاں دل چاہے، خواہ مدرسہ میں خواہ اپنے ذاتی مکان میں، خواہ دوکان میں خواہ قرض میں، غرض آپ کو پورا اختیار ہے، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، والسلام۔ احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کانپور ۲۴؍۱۰؍۸۳ھ

(۵) ذکر اللہ شروع کرنے پر مسرت کا اظہار

مکرم محترم زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ یہاں پر خیریت ہے، محبت نامہ ملا کیفیتِ واپسی معلوم ہوئی، ذکر شروع کرنے سے بہت بہت مسرت ہوئی، حق تعالیٰ اخلاص، استقامت اور اس کے ثمرات

سے نوازے، پرسوں یکشنبہ ۲۴؍ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ کو مدیر نظام کی شادی تجویز ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، مدرسہ میں ابھی کوئی مدرس نہیں مل سکے[1]، آج کل یہاں بارشیں خوب ہو رہی ہیں، شب میں سخت گرمی ہوتی ہے، خدائے پاک آپکو مع متعلقین بہمہ وجوہ عافیت سے رکھے، والسلام۔ نظام کا تصوف نمبر شائع ہو گیا ہے۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۳/۴/۱۳۸۳ھ جمعہ

(۶) مقاصد میں کامیابی کیلئے اوراد کی تلقین

مکرم محترم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بعافیت ہوں مدت دراز کے بعد گرامی نامہ باعث یادآوری ہوا، شکریہ ان مسماۃ کا جن کے اصرار پر آپ نے خط لکھا، اللہ پاک انکے مقصد میں کامیابی دے، **یا مقلب القلوب والأبصار یاخالق اللیل والنهار یاعزیز یالطیف یاغفار** بعد نماز عشاء ۲۰۰؍دفعہ پڑھنے کیلئے بتا دیجئے دونوں کو، اول وآخر درود شریف ۷؍دفعہ، تعویذ تو کارڈ میں نہیں آسکتا، اس سے قبل بھی آپ نے غالباً صاحبزادہ بلند اقبال کیلئے منگایا تھا تو میں نے عرض کیا تھا کہ کارڈ میں کیسے بھیجوں، آپ نے خط

---

[1] اس سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی اس بے پناہ محبت واعتماد کا اندازہ ہوتا ہے جو حضرت والد ماجدؒ کے ساتھ قائم تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ جانثار شاگرد اور معتمد علیہ شخص تھے۔

میں تکلیفوں کا ذکر فرما کر گذشتہ زمانہ یاد دلا دیا، حق تعالیٰ آپ کو ہمیشہ شاد رکھے اور پریشانیوں سے نجات دے، والد صاحب کو صحت عطا فرمائے اور جمیع مقاصد میں کامیاب فرمائے والسلام۔ احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم پٹکا پور کانپور ۱۸؍۷؍ ۱۳۷ھ

(۷) قبر کی ضرورت وفکر کسی کو نہیں

محترمی جناب قاری صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی گرامی نامہ ملا، مسجد کا فرش پورا ہونے سے مسرت ہوئی، الحمدللہ و جزاکم اللہ، تعمیر بھی مرض متعدی ہے اسلئے بڑھتا اور دوسروں کو لگتا رہتا ہے، مسجد کی معمولی چھت کی تبدیلی سے یہ مرض شروع ہوا پھر توسیع کی ضرورت ہے، پڑوسی کے مکان کا کچھ حصہ لینے کی ضرورت ہوئی، اندرونی دیوار توڑنے اور صحن، محراب اور دروں کے بدلنے کی ضرورت ہوئی، نئے در بنانے کی ضرورت ہوئی، فرش نیا بنوانے کی ضرورت ہوئی، ادھر رقم ختم ہوگئی مگر زینہ، غسل خانہ، دروازہ (وغیرہ) کی ضروریات (غیر متناہی) باقی ہیں ''کارِ دنیا کسے تمام نکرد'' آگے بڑھ کے مکان کے اندر لنٹر کی ضرورت ہوئی، الماری کی ضرورت ہوئی، ادھر قاضی صاحب کو برآمدہ کی ضرورت ہوئی، مگر قبر کی ضرورت کسی کو نہیں کہ وہاں کی بھی کچھ فکر کرلی جائے، یہ ممکن ہے کہ قبر پر قبہ کی ضرورت بھی پیش آئے انا للہ۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح مبلغ پانچ سو کی رقم مفتی یحییٰ صاحب کے پاس جمع

کرنے کی کوشش کروں گا والأمر بیداللہ آئندہ کام جاری نہ رکھیں، آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ کس طرح یہاں سے جمعرات کو نکل کر جانا ہوتا ہے اور وہاں کی مشغولی ہوتی ہے، آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ہفتہ تفریح کیلئے جاتا ہے، جیسے مظفرنگر، میرٹھ، سہارنپور وغیرہ ہفتہ وار بعض آدمی چھ روز کا تکان اتارنے کیلئے جایا کرتے ہیں، اسلئے یہاں بھی آجائے تو کیا مضائقہ ہے، علاوہ ازیں وہاں پہونچنے پر جو ضروریات پیدا ہوں گی اور سامنے آئیں گی انکا بھی اندازہ آپ کو نہیں اور نہ یہ اندازہ کہ ان ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے کیا صورت اختیار کی جائیگی، اپنے اہل خانہ اور نمازیان مسجد کو سلام مسنون۔

احقر محمود غفی عنہ دارالعلوم دیوبند
۲/۲۹/۱۳۸۸ھ

(۸) اصل چیز یقین کی پختگی ہے

مکرم محترم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جب جواب لکھنے کا ارادہ کیا آپ کے تجویز کردہ احباب نے اصل خط کہیں غائب کردیا ہر چند تلاش کیا نہ ملا (اس سے پہلا خط بھی ملا تھا اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی قصہ پیش آیا تھا) آج ارادہ کر کے جواب لکھنے بیٹھ گیا تو اچانک خط سامنے لا کر رکھدیا، آپ کے بیگ اور کسٹم کے سامان کا حال اس سے پہلے معلوم نہیں تھا معلوم ہو کر قلق ہوا، بتانے والے بتا بھی دیتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ وہ سچے ہی ہوں، میرے احباب کا عام حال یہی ہے کہ صدق اقل ہے کذب اکثر،

ممکن ہے کہ آپ کے احباب کا حال اس سے مختلف ہو، تازہ وضو کر کے اول دو رکعت بہ نیت توبہ پڑھیں۔

اول رکعت میں والضحی دوسری میں الم نشرح پھر درود شریف ۱۱ر بار پھر یاحفیظ ۱۱۹ر بار پھر سورۂ لقمان کی آیت یابنی انہا ان تلک سے خبیر تک ۱۱۹ر بار پھر درود شریف ۱۱ر بار پڑھ کر دعا کریں اپنی فرصت اور یکسوئی کا وقت اس کیلئے تجویز کرلیں اگر اخیر شب ہو تو بہتر ہے ورنہ بعد عشاء یا بعد مغرب یا اشراق کے وقت پڑھا کریں اور کسی سے تذکرہ نہ کریں، حق تعالیٰ مقصد میں کامیاب فرمائے، الجھن سے قلب کو فارغ کرلیں، اگر کوئی چیز آپ کے مقدر کی ہے تو وہ آپ سے بچ کر جانہیں سکتی اگر مقدر کی نہیں تو وہ آنہیں سکتی، اصل چیز یقین کی پختگی ہے اور یہ کہ ہمارے خالق کو ہم پر ہم سے زیادہ شفقت ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں اس سے کہیں زیادہ خیر ہے جو ہم خود اپنے لئے تجویز کریں، آخر حکیم کی تجویز کو اپنی تجویز کے مقابلہ میں اختیار کرنا مسلمہ مسئلہ ہے پھر وہ تو حکیم علی الاطلاق ہے جسکی تجویز میں خطا کا احتمال ہی نہیں، یہ چیز اگر حاصل ہو جائے تو بہت سکون ہو اور مخلوق پر شفقت ہی شفقت ہو، مولانا غلام یزدانی صاحب کا خط آیا ہے آپ حضرات کی خیریت دریافت کی ہے، آج کل ششماہی امتحان ہو رہا ہے، مولوی منظور احمد صاحب کی طرف سے سلام مسنون، فقط والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۳/۵/۱۳۸۱ھ

(۹) ذکر اللہ کے باوجود دلجمعی نہ ہونا

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ خیریت سے ہوں گرامی نامہ کاشف احوال ہوا، مدیر نظام سے آج کل ملاقات کم ہوتی ہے ان تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو پاتی، تاہم آپ کی مبارکباد پہونچادی گئی، ربیع الثانی اور جمادی الاولی کی برکتیں واقعی قابل رشک ہیں اللہ پاک نے آپ کو نوازا اسکا شکر ہے، ذکر کیساتھ الجھن کا رہنا، دلجمعی کا حاصل نہ ہونا، اسباب غامضہ[۱] کی بناپر ہے ورنہ ذکر اللہ کا موجب اطمینان قلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے، گل بنفشہ زکام میں مفید ہے لیکن اگر بد پرہیزی بھی ہو تو اثر نہیں ہوتا، دوسرے مکان کیلئے وسعت نہ ہونیکی صورت میں یہ کیا ضروری ہے کہ اپنا مملوک اور جدید ہی ہو، کرایہ کا پرانا بھی تو ہوسکتا ہے، نزاع کا رفع کرنا اور تالیف قلب لامحالہ ضروری ہے مگر اس کا انحصار نئے مملوک مکان میں سمجھنا غلط ہے، مولوی قمر الدین صاحب مولوی منظور صاحب اور حاضرین کی طرف سے آپ کو اور حاضرین مجلس کو سلام مسنون۔ دُم مع السرور والعافیة فقط فی امان اللہ[۲]

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کانپور ۲۴/۶/۱۳۸۳ھ

---

[۱] اس خط میں یہ مضمون اہم ہے کہ ذکر اللہ کے باوجود اگر اطمینان ودلجمعی نہ ہو تو اس کے اسباب وجوہات دوسری اشیاء ہوں گی جن کا ازالہ ضروری ہوگا تب اطمینان حاصل ہوگا۔ [۲] ترجمہ: بس آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی امان میں سرور وعافیت کے ساتھ رہیں [۳] معلوم نہیں کیا معاملہ ہوگا، مدرسہ کے سلسلہ میں مختلف النوع مشکلات سامنے آتی رہتی تھیں، اس قسم کی کوئی بات ہوگی واللہ اعلم۔

(۱۰) فجر کی سنت وفرض کے درمیان اعمال برائے نجات

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیریت ہوں، دیر بعد گرامی نامہ صادر ہوا، تعمیر سے فراغت ہوگئی فالحمدللہ، حاجی قدیر بخش صاحب محلّہ کرنیل گنج چھپائی والی گلی کانپور پتہ کافی ہے، معاملۂ مکتوبہ سے تشویش ہوئی فجر کی سنت اور فرض کے درمیان الحمد شریف مع بسم اللہ ۴۱ رد فعہ اول وآخر درود شریف ۱۱ رد فعہ پڑھا کریں، اللہ پاک نصرت فرمائے اور پریشانی سے نجات دے، ایک مسماۃ جنکا نام خالہ جنت ہے جوکہ میری والدہ صاحبہ مرحومہ سے بہت محبت کرنے والی ہیں، اب تقریباً بالکل معذور ہوگئی ہیں حکیم عبداللہ صاحب کے مکان پر رہتی ہیں، انکے لئے یہ منی آرڈر ہے، آپ تکلیف کر کے انکو پہونچادیں، احسان ہوگا والسلام، مولوی منظور صاحب بخیریت ہیں، سلام کہتے ہیں۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۲/۶/۱۳۸۲ھ

(۱۱) اللہ پاک ذکر کی مداومت کو بارآور کرے

مکرمی قاری صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی روز ہوئے آپ کا خط آیا، میں چندروز سے بخار، سعال، زکام میں مبتلا ہوں، اسلئے جواب نہیں لکھ سکا، اب دوسرے کے قلم سے لکھوارہا ہوں اللہ پاک ذکر کی

مداومت کو بار آور کرے اور قبول فرمائے، پریشانیوں سے نجات دے، استغفار کی کثرت پریشانی سے نجات کا بہت بڑا ذریعہ ہے، مولانا روم فرماتے ہیں:

غم چوں بینی زود استغفار کن

مولوی قمرالدین صاحب کو آپکے خط کی اطلاع کردی ہے، گنگوہ حاضری کے متعلق ابھی تاریخ کی تعیین نہیں کرسکتا، والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور

(۱۲) آپ کے عربی پڑھانے سے مسرت ہوئی

مکرم محترم مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ خیریت سے ہوں، مدت کے بعد گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف حالات ہوا، میرے پاس آج کل حمد باری، اوجز السیر، مفید الطالبین، قدوری، کنز، شرح نقایہ، حماسہ بس یہ ہے، اسباق ہورہے ہیں بقیہ کام فتاوی، تبلیغ، کتب خانہ، نظمِ نظام، اکل وشرب، نوم کا ہے، یہ معلوم ہوکر مسرت ہوئی کہ آپ نے عربی اسباق [1] پڑھائے اور اب بھی دو سبق ہیں اور آپ کا بیشتر وقت تدریس میں صرف ہوا، یہاں برسات کا یہ حال ہے کہ ایک یا دو بارشیں ہوئی ہیں اور بس، اللہ پاک فضل فرمائے حکیم عبداللہ صاحبؒ کے انتقال کی خبر معلوم ہوکر قلق ہوا حق تعالی جنت الفردوس عطا فرمائے

---

[1] حضرت والد صاحبؒ نظامت واہتمام کے ساتھ اجراء قرآن کریم اور گلستاں، بوستان، نفحۃ الیمن، نفحۃ العرب، مفید الطالبین وغیرہ کے ساتھ دیگر کتب بھی پڑھایا کرتے تھے آپ کا درس بہترین تربیت بھی ہوتا تھا، آپکے درسِ بوستاں میں بہت سوز وگداز تھا اور عشق الہی پورا جلوہ گر ہوتا تھا۔

اور پسماندگان کو صبر جمیل دے، آج کے خط سے شاہ ظریف حسین صاحب کا انتقال بھی معلوم ہوا، حق تعالیٰ مغفرت فرمائے، والسلام علیکم و علی من لدیکم ۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۷/۳/۱۳۸۵ھ

(۱۳) ہمت سے کام لینا چاہئے نصرت غیبی شامل ہوگی

مکرم محترم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا حالات معلوم ہوئے ایک کمرہ تیار ہو گیا غنیمت ہے بقیہ جب منظور الٰہی ہوگا وہ بھی تیار ہو جائے گا، جبکہ روپیہ موجود نہیں تو رہنے دیجئے کیوں پریشان ہوتے ہیں اللہ کا کام ہے وہ کفیل ہے، بہر حال ہمت سے کام لینا چاہئے نصرت غیبی شامل ہوگی دعا والتجاء ضروری ہے، میرا مطالبہ اگر سر دست پورا کرنے کی صورت نہیں تو اس میں توسع ممکن ہے، غالباً آپ نے ذکر پر پابندی نہیں کی اس پر پابندی کیجئے، نیز حزب اعظم کا ورد ضرور رکھئے اگر خدانخواستہ حالات ایسے ہو جائیں کہ چھوڑنا ہی پڑے تو پہلے وہاں کا انتظام مکمل کر دیں اور ایک خط یہاں لکھدیں، امید ہیکہ اللہ تعالیٰ بہتر صورت پیدا فرمائیں گے، اللہ پاک کیساتھ حسن ظن اور اعتماد لازم ہے، میں ہر حال دعا گو ہوں اور ہر خدمت کیلئے آمادہ، مولانا منظور صاحب کی طرف سے سلام مسنون ۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور

(۱۴) ایک مزاحیانہ مکتوب [۱]

مکرم محترمی جناب قاری صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ میں سفر سے بعافیت واپس آ گیا آپکا پرچہ ملا تھا جس میں آپنے میری سعی اخفاء سفر میں ناکامی اور اپنی سعی دریافت میں کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا تھا اسوقت پرچہ پڑھکر کچھ جواب بے اختیار قلب میں آیا تھا اس کو بے تکلف لکھتا ہوں، میں آپ سے چھپ کر خواہ کوئی کام کروں اور کسی جگہ کروں مگر آپ معلوم کر ہی لیتے ہیں اور آپ کے مؤکل آپ کو بتا ہی دیتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ تکوینی طور پر قدرت کی طرف سے مامور ہیں اور قدرت کو آپ کے ذریعہ سے میرے مخفی امور کی اشاعت اور پردہ دری منظور ہے اس لئے آپ اپنی سعی میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور میں ناکام رہتا ہوں، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۸/۲/ ۱۳۸۰ھ

(۱۵) آپکی تشویش باعث قلق ہے

مکرم محترم جناب قاری صاحب زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ایک خط میرے خط کے جواب میں ملا، جہاں اس بات سے قلق ہوا کہ میرے مؤکل آپ کو بتا دیتے اور مجھ سے منافقت کا برتاؤ کرتے ہیں وہیں اس بات سے

---

[۱] یہ مکتوب دونوں حضرات استاذ و شاگرد کے مابین بے تکلفانہ تعلقات اور محبت و خلوص کا ثبوت ہے۔

مسرت بھی ہوئی کہ آپ اورآپ کے مؤکل مرض نفاق سے بالکل پاک صاف ہیں، آپ کی تشویش باعث قلق ہے، میرے پاس آنے سے اگر سکون کی توقع ہوتو علی الرأس والعین، لیکن اگرایسا ہوتا تو بُعد ہی کی نوبت کیوں آتی، تاہم جیسے آپ کی مصلحت ہو، آپ نے سفرِ حجاز کا مصمم ارادہ کرلیا ہے یانہیں اگر نہ کیا ہوتو ضرور کرلیں، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کانپور ۲۰/۳/۱۳۸۰ھ

(۱۶) ارادۂ حج مبارک ہو

مکرمی محترمی زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ خیریت سے ہوں (۱) شامی کی قیمت یکصد روپیہ ہے، کاغذ کمزور ہے، پیوند کار ہے مگر صحیح ہے (۲) دیوبند میں مستقل ادارہ اس کیلئے قائم ہوا ہے اور متعدد کتب اس سلسلہ میں شائع بھی ہوئی ہیں، امید ہے کہ وہ ادارہ اب بھی ہوگا، نیز حکیم صاحب مستقل اہل قلم ہیں، بندہ ناکارہ تو اس کا اہل نہیں، لکھنے کا سلیقہ ہی نہیں (۳) ارادۂ حج مبارک ہو جس قدر کمی ہے، حق تعالیٰ غیب سے مدد فرمائے اور ہر قسم کی الجھنوں کو دور کرے، حج مبرور نصیب فرمائے، میرے پاس تو سردست کوئی انتظام نہیں مگر اسکا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، مانگنے والا مانگتا رہے، آپ بھی دعا کرتے رہیں، میں بھی دعا کرتا ہوں، امید تو ہے کہ شعبان میں حاضری کا موقعہ ملے گا والأمر بید اللہ تعالیٰ والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۱۸/۶/۱۳۸۰ھ

(۱۷) مدرسہ کی ترقی سے مسرت ہوئی

مکرم محترم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، مدرسہ کی ترقی سے مسرت ہوئی، ذیقعدہ کے عشرۂ اولیٰ میں جس روز دل چاہے تشریف ارزانی فرمائیں، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ
۲۸/۱۰/۱۳۸۱ھ

(۱۸) اپنی پریشانی کیلئے نماز و دعاء کا اہتمام کریں

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، آپ کی پریشانی سے قلق ہے مگر یہ پریشانی آپکی خود خرید کردہ ہے، آپ نے پیسے دے کر مول لی ہے، اب اس سے اُکتا رہے ہیں، حق تعالیٰ اس دلدل سے آپ کو باہون وجوہ نجات دے اور خدمت دین پر لگائے، میرے پاس اگر ایسا تعویذ ہوتا کہ اس سے موذیوں کی ایذا سے چھٹکارہ مل سکتا تو میں ضرور آپکی خدمت میں پیش کر دیتا اور خود اپنے لئے بھی حفاظت کا کام لیتا، دعا میں کوئی انکار نہیں، جس بات کو آپ دریافت کر رہے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ شب جمعہ میں بعد نماز عشاء تنہائی میں تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھیں۔

پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے سورۂ انعام پڑھیں، جب سورۃ ختم ہو جائے تو دوبارہ اسی سورۃ کو شروع کر دیں اور وکنتم عن آیاتہ تستکبرون

پر پہونچ کر رکوع کر دیں، پھر دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے لقد جئتمونا فرادیٰ سے ختم سورۃ تک پڑھکر رکوع سجدہ کر کے نماز ختم کر دیں اور پھر درود شریف ایک ہزار دفعہ پڑھکر اپنی ضرورت کیلئے خوب تضرع سے دعا کریں ہر شب جمعہ میں کریں، حق تعالی کامیاب فرمائے، والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

(۱۹) آپکے مشورہ کی اکابر کے یہاں بہت قدر ومنزلت ہے

محترمی قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا اپنی حماقت اور جہالت پر آپ کو تعجب وافسوس ہوا کیونکہ غالباً آپ کے نزدیک یہ نئی بات اور پہلا موقعہ ہے اگر ایسا ہے تو واقعتاً تعجب وافسوس ہونا چاہئے مگر کچھ مضائقہ نہیں بتقاضائے بشریت، سہارنپور کے حالات کا علم ہوا ایک اخبار میں بھی آیا تھا، یہاں کے ایک اخبار میں مراسلہ آیا تھا اسمیں نام بھی درج تھا کہ ایک استاد صاحب کی سرپرستی میں مدرسہ قائم ہوا ہے، آپ نے مدرسہ کا نام مظہر العلوم لکھا ہے، مگر ایک دوسرے خط میں اس کا نام کنز العلوم[1] ہے آپ کا یہ خیال کہ اکابر تک آپ کی

---

[1] کنز العلوم کے تعلق سے حیات اسعد میں حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامع الہدیٰ مراد آباد و سابق مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی لکھتے ہیں کچھ لوگوں نے جامعہ مظاہر علوم کے مقابلہ میں جامعہ کنز العلوم کھولا اور چند ماہ وہیں سے اشتہارات وخرافات شائع کر کے مظاہر علوم کو بدنام کرنے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہے، بالآخر "نہ رہا بانس اور نہ بجی بانسری" اللہ پاک نے سبھی کا نام ونشان ختم کر دیا وھو القاھر فوق عبادہ: (بقیہ آئندہ صفحہ)

پہونچ نہیں ہے اور آپ اس قسم کا کوئی مشورہ نہیں دے سکتے مجھے ہرگز تسلیم نہیں، ممکن ہے کہ کوئی اور تسلیم کرے میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کی پوری پہونچ ہے اور آپکے مشورہ کی اکابر کے یہاں بہت قدر و منزلت ہے، البتہ میرا حال یہ ضرور ہے کہ پہونچ نہیں، مولانا قمرالدین صاحب اور مولانا منظور صاحب سلام کہتے ہیں مولانا نصیر صاحب شاید گنگوہ بھی پہونچیں بقرعید وہ سہارنپور کریں گے اسکے بعد گنگوہ کا نمبر ہے، والسلام۔

احقر محمود غفی عنہ

۱۲/۸/۱۳۸۲ھ جمعہ

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
بگولہ تھا ہوا نے ایک گرہ دیدی تھی پانی میں

یہ چند سطور ضرورۃً لکھدی گئی ہیں ورنہ اس حادثہ کی تفصیلات، شرپسندوں کی مسلسل زیادتیاں بد سے بدتر حرکتیں اور حق تعالیٰ کی قدم بقدم پر ارباب مدرسہ کی نصرتیں ایک مستقل ضخیم کتاب کا تقاضا کرتی ہیں لیکن:

کوئی روداد بھی دل پر مرے تحریر نہیں
ذہن میں اب کوئی نقشہ کوئی تصویر نہیں

اسٹرائک ملعون قوموں کا طریق کار ہے، اسی لئے اکابر ملت نے اس کو موجب لعنت خیال کیا ہے جو طلبہ اس حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں ان کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے، ان سے کوئی مفید کام اور دینی خدمت نہیں ہو پاتی، حضرت شیخ مذکورہ بددعا اسی لئے فرماتے اور ہر مجلس میں فرماتے بلکہ بعض بعض مجلسوں میں ان کلمات کا اعادہ بار بار فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسٹرائک شیطانی گناہ ہے، جس کا منشاء تکبر ہے، جو نا قابل معافی ہے، جس نے کبھی اسٹرائک میں حصہ لیا ہو اگرچہ وہ تائب ہو گیا ہو وہ ہرگز مجھ سے بیعت نہ ہو اگر ایسا آدمی کوئی مجھ سے بیعت ہوا ہو تو اس کی بیعت فسخ ہے مجھ سے اس کو فیض نہیں ہو سکتا، نیز فرماتے ہیں کہ اپنے ذاتی حقوق معاف کرتا ہوں، مگر جس نے مدرسہ کو نقصان پہنچایا اس کو معاف نہیں کر سکتا کیونکہ میں مدرسہ کا مالک نہیں ہوں، یہ پوری امت کی امانت ہے وغیرہ وغیرہ دل ہلا دینے والے کلمات ارشاد فرماتے تھے، حق تعالیٰ اپنے اولیاء کی عداوت، حق کی مخالفت اور ہر سرکشی و گناہ سے پوری امت کی خصوصاً علماء اور طلباء کی حفاظت فرمائے آمین۔ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور غیبت و بدگوئی وغیرہ سے انتہائی محتاط تھے کہ کوئی نازیبا بات کہنا تو درکنار سننا بھی گوارا نہ تھا لیکن اسٹرائکی سورماؤں کیلئے ان کے بعض خطوط میں ایسے کلمات تھے جو اور لوگوں کے نزدیک تو بہت ہی احتیاط کے تھے اور واقعی ایسے ہی تھے لیکن حضرت والاؒ کے مزاج کو جاننے والے حضرات کے نزدیک وہ کلمات شدید تکلیف اور انتہائی کرب و بے چینی کے ترجمان ہوتے تھے، حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے ذریعہ اس حادثہ اور دیگر حوادث کی تاریکیوں کو جامعہ مظاہر علوم سے دور فرما کر اس گلستان حق کی فضاؤں کو پرنور اور انوار سے معمور فرمایا: فللہ الحمد۔ (ماخوذ از حیات اسعد ص ۲۳۷)۔

(۲۰) مدرسہ میں دورۂ حدیث شریف کی شروعات میری پرانی تمنا ہے

مکرم محترم الحاج قاری شریف احمد صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث یادآوری اور موجب مسرت ہوا، اس میں جناب نے اپنے پرانے لگاؤ کے تحت جو مشورہ دیا ہے اس سے تو بہت ہی خوشی ہوئی مگر مشورہ بہت مجمل ہے جو صاف سمجھ میں نہیں آیا، امید کہ وقتِ ملاقات اسکی وضاحت ہوجائیگی، اللہ پاک آپکو جزائے خیر دے، آپکے مدرسہ میں دورۂ حدیث پاک شروع ہوگیا یہ یقیناً میری پرانی تمنا ہے، جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، قبول فرمائے۔

عزیز مولوی خالد سلمہ نے دورہ پڑھ لیا اس پر آپکو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، خدائے تعالیٰ علوم نافعہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے نوازے، ان کیلئے دوبارہ دارالعلوم میں دورہ پڑھنا تجویز فرمارہے ہیں اسکو بھی حق تعالیٰ نافع فرمائے مضرتوں سے محفوظ رکھے، میں نے یہاں آپکے مدرسہ کیلئے بھی بعض متعارفین سے کہا ہے بلکہ نام اور پورا پتہ لکھوادیا ہے، اللہ تعالیٰ مثمر فرمائے، فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ

۹؍شوال ۱۴۰۵ھ

(۲۱) گنگوہ میں دینی فضاء کے قیام کی تمنا

مکرم ومحترم جناب قاری صاحب مدفیضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، اجتماع قابل مبارک باد ہے، خدائے پاک اصول کی پابندی اور اخلاص واستقامت عطا فرمائے اور مکارہ سے محفوظ رکھے، حضرات نظام الدین کی تشریف آوری کی خبر سے بہت بہت مسرت ہوئی، کیا بعید ہے کہ گنگوہ کی بنجر زمین میں بھی کچھ تازگی پیدا ہو اور کچھ سبزہ اگ آئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اسکی بڑی تمنا تھی اور مدت دراز تک بڑی بڑی جماعتیں بھیجتے رہے، ممکن ہے کہ ان کی تمنا پورا ہونے کا وقت آ گیا ہو اور آپ کے ہاتھوں پوری ہو[1] یہاں کل حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری متوقع ہے، ادھر امتحان تقریری شروع ہو چکا ہے اور تحریری شنبہ سے شروع ہے، جمعہ کو سہارنپور ''ختم مسلسلات'' میں بہت بڑا مجمع تھا، دار جدید میں درس ہوا، مسجد بھی ناکافی ہوگئی، دور دراز سے لوگ آئے مگر آپ نہیں تھے اور بھی کوئی صاحب گنگوہ کے نظر نہیں پڑے، ممکن ہے کہ مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ پڑے ہوں، بفضلہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ختم ہو گیا اور یہ نا کارہ

---

[1] مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ طلبہ کے اندر دعوت وتبلیغ اور ہر ہفتہ جمعرات کو عوام میں بھیجنے کا سلسلہ حضرت والد ماجدؒ نے بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا جو اب تک جاری وساری ہے، اور سالہا سال سے مسلسل مرکز نظام الدین سے حضرات مبلغین جن میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب کھیڑوی مکیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ اور موجودہ حضرات مبلغین برابر آتے رہے ہیں اور ادارہ کے طلباء بھی زمانہ دراز سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے کافی فوائد ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

رات کو ہی سہارنپور پہونچ گیا تھا، بنا بر حسب معمول جمعہ کو بعد مغرب واپس آیا،
یہاں خیریت ہے، ممکن ہے کہ میں بھی شنبہ کو آپکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں و الأمر
بیداللہ تعالی، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ
دار العلوم دیوبند، سہارنپور
۲۹/۷/۱۳۸۸ھ

(۲۲) آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے

مکرم محترم مولانا الحاج القاری المقری شریف احمد صاحب شرفکم اللہ تعالی فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا، آپ جو کچھ علمِ دین کی خدمت کرر ہے ہیں جملہ اساتذہ وملازمین وطلبہ آپ کے رہین منت ہیں، اہل بستی بھی شکر گزار ہیں کہ آپ کی وجہ سے یہ باغیچہ موجود ہے ترقی کر رہا ہے، حق تعالی اسکو مزید مادی ومعنوی ترقیات سے نوازے، ثمراتِ صالحہ مرتب فرمائے، دشواریوں کو دور کرے، مکروہات سے بچائے، آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے، لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے و لا تتمنوا مافضل اللّٰہ به بعضکم علی بعض، دل میرا بھی چاہتا ہے کہ مدرسہ میں کتب خانہ کا کمرہ ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے عرض بھی کیا تھا مگر اسوقت آپ نے اس طرح سنا جیسے یہ بالکل بے فائدہ اور غیر متعلق بات ہے یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ۔

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

جناب کو شاید پورا علم نہیں کہ میری جس قدر تنخواہ ہے تقریباً اسی قدر خرچ ہے کچھ پس انداز نہیں ہوتا، نہ ڈاکخانہ یا بینک میں کچھ جمع ہے، یہ بھی حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ قرض

بھی نہیں آیا ضرورت پوری ہوئی خرچ ہو گیا، والسلام۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۱۳۹۵/۱۱/۲۳ھ

(۴۳) انسان کا اپنا ارادہ اصل نہیں بلکہ مشیت الٰہی اصل ہے

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا، نہایت نادم ہوں کہ تعمیل نہیں کر سکا، امسال دارالعلوم اور مظاہر علوم کی رقم بھی نہیں دی جا سکی، اس جمعرات کو یعنی پرسوں گذشتہ میرا خود ہی آنے کا ارادہ تھا مگر بس نہیں ملی، ورنہ خیال تھا کہ شب میں ٹھہر کر صبح جمعہ کو سہارنپور چلا جاؤں گا لیکن انسان کا اپنا ارادہ کیا ہے کچھ بھی نہیں، وکان امر اللہ قدرا مقدورا، والسلام۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۰/۶/۱۳۹۵ھ

(۴۴) خدائے پاک آپکو دارین کی ترقیات سے نوازے

مکرم محترم زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا، پڑھکر بہت ہی قلق ہوا، اول تو میں نے بات کو جب ہی ختم کر دیا تھا کہ اب اسکا ذکر چھوڑو بالکل ختم کر دو، دوسرے آپکے مکان پر بغیر بلائے ہوئے جا کر پورے انشراح کے ساتھ کھانا کھایا، آپ کو خود سوچنا چاہئے تھا کہ تغیر

مزاج کا اثر ہوتا تو یہ بات کیوں ہوتی، آپ نے جس نوعیت سے تعلق کا نقشہ کھینچا ہے اس کا اثر خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہوا، میں اس کو تحریر نہیں کرسکتا، اب مختصر یہ کہ الحمدللہ میرے قلب میں آپ کی طرف سے کوئی بے جا تأثر نہیں بےفکر رہیں، خدائے پاک آپکو دارین کی ترقیات سے نوازے، مراتب عالیہ عطا فرمائے، میرے جس کلمہ سے آپ کو اذیت ہوئی، اپنے مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے درگزر فرمائیں، اللہ پاک اجر دیگا، والسلام۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۸/۱۱/۱۳۹۴ھ

(۲۵) اللہ تعالیٰ آپ کی پوری پوری نصرت فرمائے

محترمی زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا، جن افکار کا آپ نے تذکرہ کیا ہے کم وبیش تمام ہی اہل مدارس ان میں مبتلا ہیں، دارالعلوم میں کئی بار اساتذہ وملازمین کو بلاکر مشورہ کیا گیا، اسلئے کہ غلہ ملازمین کیلئے نہیں رہا، طلبہ کیلئے صرف ۱۰ رمئی تک کا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کی پوری پوری نصرت فرمائے خزانۂ غیب سے مدد فرمائے، سالِ آئندہ آپ مشکوۃ شریف کا ارادہ فرمارہے ہیں، جلسہ غلہ اسکیم پر جب آپکے مدرسین حضرات تشریف لائے انہوں نے تو لاعلمی بلکہ اسکے خلاف علم کا اظہار کیا تھا، ممکن ہے کہ اسکے بعد آپکا ارادہ ہوا ہو، جب آپ پڑھائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ کتابیں بھی اللہ پاک عطا فرمائیں گے، آپ حج فرض مع مزید ادا کرچکے، اہلیہ پر فرض

نہیں تو پھر پریشانی بے محل ہے، تاہم اگر بے قراری ہے تو یہ ضرور رنگ لاکر رہے گی اور قدرت کی طرف سے انتظام ہوگا، شرور وفتن سب جگہ ہیں کہیں امن نہیں، بجز اس کے کہ جن امور کو موجب فتنہ قرار دیا گیا ہے ان سے احتراز کیا جائے اور مالک الملک کی طرف التجا کی جائے، خدائے پاک حفاظت فرمائے آپ کی بھی میری بھی اور تمام احباب کی بھی والسلام، حسب صوابدید سلام مسنون۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور ۲۴/۴/۱۳۹۲ھ

(۲۶) اکابر عرس کے موقعہ پر ترک وطن کردیتے تھے

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے شرف فرمایا، ملاقات کا اشتیاق اور وہ بھی بیحد جذبہ کے ساتھ قابلِ قدر ہے اور پھر اس پر اس ناکارہ کے حاضر ہونے کی فرمائش تو پرواز تخیل سے بالاتر سعادت ہے مگر ع در کوئے نیک نامی مارا گزر رانند

جو تاریخ آپ نے متعین فرمائی وہی تاریخ جلد ثانی بخاری شریف کے منتقل ہونے کی متعین ہوئی اور اعلان کردیا گیا، جمعرات کو سہارنپور نہیں جاسکا تھا جمعہ کو گیا وہاں کچھ اور ہی دیکھا، پھر بجائے گنگوہ جانے کے شام کو ہی دیوبند واپس آگیا اور بعد نماز عشاء بخاری شریف کا سبق ہوا، سہارنپور کا کام باقی تھا اسلئے شنبہ کو صبح پھر واپس سہارنپور گیا اور شام تک پھر دیوبند آگیا، ادھر اسی تاریخ سے نزلہ ہوکر ہچکی شروع ہوگئی جسکی وجہ سے سبق میں بہت دشواری ہوئی ہے مگر قلت وقت کیوجہ سے حرج کرنے کی

بھی ہمت نہیں ہوئی، اب تعمیل ارشاد کی سعادت حاصل کرنے سے جو موانع پیش آئے وہ یہ ہیں (۱) بخاری شریف جلد ثانی کا سبق (۲) سہارنپور کا کام (۳) ہچکی لیکن غورو فکر سے معلوم ہوا کہ اصل بات ایک اور ہے، وہ یہ کہ آپ نے زیارتِ جبہ کی دعوت دی تھی، پہلے اکابر تو اس موقعہ پر وطن ترک کر دیتے تھے اور اب بلایا جاتا ہے کتنا بڑا فرق ہوگیا، اللہ الصمد۔ والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

دار العلوم دیوبند ۶/۲۶/۱۳۸۹ھ

(۲۷) مشکوۃ شریف کا آغاز

مکرم ومحترم مدت فیوضکم وزیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث عزت وافتخار ہوا، یہ ناکارہ ابھی میڈیکل میں داخل ہے اور ابتدائی مراحل میں ہے آپریشن ابھی نہیں ہوا امید کہ عنقریب ہو جائیگا، حضرت شیخ دامت برکاتہم کے تشریف لیجانے کی صحیح تاریخ ابھی معلوم نہیں ہوسکی، آپ نے بھی گول مول (ہفتہ عشرہ) تحریر کیا ہے، ایک صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ ۱۲ر نومبر کو روانگی ہے، ایک صاحب نے ۷ر نومبر لکھا ہے، امسال بھی حضرت شیخ دامت برکاتہم نے مشکوۃ شریف شروع کرائی ہے بہت مبارک ہے، زیادہ شرف مع مہمانوں کے جناب کے دولت خانے پر کھانا تناول کرنے کا ہے، اللہ تعالی مبارک کرے، انشاء اللہ یہ بھی فال نیک ہے، مولوی صاحب یہاں موجود نہیں ہیں کہیں باہر گئے ہوئے ہیں، اب تک ان سے ملاقات نہیں ہوئی اس کے لئے جمیل صاحب اور دیگر

آپکے واقفین سلام مسنون کہتے ہیں۔ املاہ العبد محمود غفرلہ

کتبہ الاحقر شریف ہردوئی، شعبان ۱۳۹۵ھ

(۲۸) حقیقت حال سے آگاہی کیلئے ایک مکتوب

از حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ۲۶/۵/۱۳۹۹ھ

حضرت سیدنا المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی بعافیت ہوں اور کلکتہ سے بخیریت تمام واپسی ہوئی ہو، آنکھ دکھلا کر کیا نتیجہ سامنے آیا کب بنے گی اور کب تک انتظار کرنا پڑے گا، آپ کو دیکھ کر دیوبند حاضری کے وقت بہت ہی افسوس اور طبیعت پر گرانی آئی مگر میں خود اپنی پریشانیوں میں مبتلا تھا کچھ زیادہ اظہار نہ کرسکا محض اظہار سے بھی کیا ہوتا، حضرت شیخ مدظلہ العالی کی زیارت سے محرومی ہوچکی اگرچہ آپ کے پاس زیادہ آنا جانا نہیں ہوتا مگر ایک ڈھارس ہے کہ جب دل چاہیگا حاضر خدمت ہوکر شرف نیاز حاصل کرونگا، سوچ رہا تھا کہ ایک دو یوم دیوبند قیام کرکے واپس آؤنگا مگر یہاں کے حالات سے اطمینان نہیں رہا[1] یہاں سے جانے والے مدرسین اور طلبہ سب ہی یہ بات پھیلا رہے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب نے ہمکو گنگوہ کے مدرسہ سے نکل جانے کی اجازت دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ایسی ظلم کی جگہ سے چلے جانا ہی بہتر ہے اور یہ کہ ہمارے لئے بہت سے طلبہ کے کھانے کا وعدہ بھی فرمایا کہ میں

---

[1] ۱۳۹۹ھ میں مدرسہ کے اندر تین اساتذہ کے درمیان معاملہ تھا پھر ہوتے ہوتے حضرتؒ کے سر پڑ گیا تھا بغاوت اور فتنہ خود کرتے ہیں اور الزام انتظامیہ پر رکھتے ہیں یہ قدیم طرز چلا آرہا ہے، مدارس اسلامیہ میں فساد و فتنہ اور اسٹرائک کرنا کس قدر مذموم ہے، اس کے لئے حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ اسٹرائک اور حضرت شیخ زکریا قدس سرہ کی تحریرات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

انتظام کردوں گا، مزید ساتھ ہی یہ بھی ملا دیا کہ مفتی صاحب قاری شریف سے بہت ناراض ہیں اگرچہ میں ان باتوں کی حقیقت اور آپ کے مزاج اور انداز گفتگو سے سمجھ گیا کہ آپ نے کیا فرمایا ہوگا، مگر آپ کی طرف سے گئی ہوئی تحریر سب جگہ پیش کر کے اپنے کو مظلوم بنایا جا رہا ہے اور پھر آپ کی اجازت کا حوالہ دیکر سہارا لیا جا رہا ہے، جب انہوں نے یہاں کے ظلم کی شکایت کی تو جناب والا کے سامنے کوئی ایک مثال ظلم کی رکھی تھی، خیریت مزاج اور جواب سے سرفراز فرما کر مطلع فرمادیں۔ احقر شریف احمد

جواب از حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکرم و محترم حضرت قاری صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا حالات کا علم ہو کر بہت قلق ہوا، مجھے بتایا گیا کہ ہم پر انتہائی ظلم کر کے ہم کو نکالدیا گیا اور ہم کو ہلاک کرنے کے لئے غنڈوں کو بلایا گیا اور ہم کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس کا جواب یہی تھا کہ مظلوم کی نصرت ہوتی ہے، ظالم کو بھگتنا پڑتا ہے، خداوند تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے اور مدرسہ کو ترقیات سے نوازے، شرور وفتن سے محفوظ رکھے، میں نے یہ بھی کہا کہ میں دار العلوم کی اسٹرائک کا حال دیکھ چکا ہوں کہ کس کس طرح پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے جنہوں نے اولاد کی طرح تمہاری پرورش کی کیا وہ بلاقصور کے تمہاری جان کے درپے ہوگئے؟ میں نے یہ بھی کہا جو حالات آپ لوگ بیان کر رہے ہیں کہ بغیر کسی قصور کے آپکو اس طرح ذلیل کیا اور نکالدیا کوئی سمجھدار آدمی اس کو قبول کریگا نہیں، فطری طور پر سوال پیدا ہوگا کہ کسی ناظم مدرسہ کو جنون کا دورہ پڑا، خدانخواستہ اگر ایسا ہے تو آپ

ہی کے ساتھ یہ صورت کیوں پیش آئی، کسی اور کے ساتھ کیوں نہ پیش آئی؟ فقط والسلام۔

مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ

بقلم عبدالرشید غفرلہ

معائنے

(۱) عامۂ مسلمین کو عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً مدرسہ کی ہر نوع کی امداد ضروری ہے

حامداً و مصلیاً:

[۱] احقر نے مدرسہ کے چند طلبہ کا قرآن کریم سنا بفضلہ تعالیٰ ابتدائی بچے بھی تجوید سے پڑھتے ہیں اور نماز، وضوء، غسل کے مسائل بھی بچوں کو خوب یاد ہیں، اللہ پاک ترقی و برکت عطا فرمائے اور کارکنانِ مدرسہ کو بیش از بیش خدمت و اخلاص کی توفیق دے، مدرسہ میں طلبہ زیادہ ہیں اسلئے کم از کم ایک مدرس کا فوری طور پر اضافہ ضروری ہے، عامۂ مسلمین کو عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً مدرسہ کی ہر نوع کی امداد ضروری اور لازم ہے و اللّٰہ الموفق لمایحب و یرضی۔

العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۴/۱۰/۱۳۶۵ھ

---

[۱] یہ بہت قدیم معائنہ ہے ۱۳۶۴ھ میں مدرسہ کا قیام ہوا یہ اگلے ہی سال کا معائنہ ہے۔

(۲) اہل گنگوہ اسکی قدر کریں

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

آج ۱۸؍شوال ۱۳۶۵ھ کو حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نفعنا اللہ بطول بقائہ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا غلام رسول صاحب جالندھری مع دیگر چند احباب گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لائے اور ایک بچے سے چند آیات سنیں اور کچھ مسائل سنے جس سے حد درجہ مسرور ہوئے اور اہلِ گنگوہ کو اس دینی خدمت پر مبارکباد دی، نیز اپنی بابرکت دعاؤں سے نوازا، احقر بھی ہمرکاب تھا قلتِ وقت کیوجہ سے کوئی معائنہ تحریر نہیں فرما سکے اور احقر کو ارشاد فرمایا کہ اہل گنگوہ کو ترہیب وترغیب کیلئے ایک تحریر ہماری طرف سے لکھدینا، لہذا گزارش ہے کہ ان اکابر اہل اللہ کا مبارکباد دینا انتہائی سعادت اور مدرسہ کیلئے امید افزاء اور فالِ نیک ہے، اسلئے اہل گنگوہ اسکی قدر کریں اور پوری جدوجہد اور زائد از زائد خلوص وللّٰہیت کیساتھ مدرسہ کی خدمت وامداد کو سرمایۂ سعادت اور بہت بڑا ذریعہ رضائے خداوندی سمجھیں، توقع قوی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت جلد اس مدرسہ کو ترقیات کے ثمرات عطا فرمائیں گے، وماذلک علی اللّٰہ بعزیز وھو علی کل شئی قدیر وبالاجابۃ جدیر فقط۔ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۸؍۱۰؍۱۳۶۵ھ

(۳) بفضلہٖ تعالیٰ سب کامیاب ہوئے

حامداً و مصلیاً

احقر نے جناب قاری حافظ محمد ابراہیم صاحب کے درجہ کا امتحان لیا ۹ رطلبہ

نے حفظ کا امتحان دیا ۶ ر نے ناظرہ، بفضلہٖ تعالیٰ سب کامیاب ہوئے، نقشۂ امتحان میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہے، جسکی جناب حافظ عبدالحکیم صاحب کو تفہیم کردی گئی، و اللہ الموفق لمایحب و یرضی فقط۔ حررہ العبد

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

(۴) اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا

الحمد للہ رب العالمین و العاقبة للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد!

احقر نے بمعیت مولوی قاری شریف احمد صاحب و مولوی حافظ محمد اسحاق صاحب مدرسہ اشرف العلوم کا سہ ماہی امتحان لیا، نتیجہ نقشہ جات امتحان سے ظاہر ہے، اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا، حق تعالیٰ شانہ اساتذہ وطلبہ و کارکنان مدرسہ کو استقامت و مزید اخلاص عنایت فرمائے، بچوں میں کافی تہذیب و متانت موجود ہے، مسائل نماز وطہارت سے بھی اکثر بچے واقف ہیں، فقط۔ احقر محمود حسن گنگوہی غفرلہ

احقر شریف احمد عفی عنہ

نیازمند محمد اسحٰق گنگوہ ۴؍صفر ۱۳۹۶ھ

(۵) وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے

بعد الحمد و الصلوٰۃ :

احقر مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ کو جانتا ہے وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے، جو پیسہ وہاں جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ صحیح مصرف

میں صرف ہوگا، فقط۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور

راقم السطور کے ساتھ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کو محبت تھی اس پر خطوط دلالت کرتے ہیں۔

(۱) دین کی خدمت کیلئے اخلاص کی دعاء

محترمی مولانا خالد سیف اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، دل سے دعا کرتا ہوں، خداوند تعالیٰ آپ کو علم دین کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ مشغول رکھے واقفین کو حسب صوابدید سلام مسنون، فقط والسلام۔ سلام از ابراہیم دعاؤں کی درخواست۔

املاہ العبد محمود غفرلہ

۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

(۲) خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے

عزیزم مولوی خالد سلمہ سلام مسنون

آپ کا پرچہ ملا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دورۂ حدیث شریف کی دولت عطا فرمائی مبارک ہو، خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے، آپ آئندہ ایک سال اور دورہ میں لگانا چاہتے ہیں اس میں منفعت کا پہلو تو ظاہر ہے لیکن دوسرے مضرت کے پہلو بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔ فقط والسلام۔ املاہ العبد محمود غفرلہ

۹/شوال ۱۴۰۵ھ

حضرت فقیہ الامتؒ کے انتقالِ پُر ملال کے موقعہ پر

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یادگار تحریر

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آہ! وفات حسرت آیات:

فقیہ زماں حضرت الحاج مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ اکابرِ گنگوہ کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی حضرت مفتی صاحب جو اپنے زمانے کے سب ہی اکابر کے معتمد علیہ، علمی وروحانی کمالات میں یکتائے روزگار، علم ودعرفان کا سمندر، ذہن ثاقب، حذاقت طبع بے مثال، ذکاوت وفراست، ذہن وحافظہ وسیع، مسائل وفقہ میں کلی وجزئیات کا استحضار، علمی والزامی جواب کا کمال، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز کے سچے جانشیں، نشست گاہ قاسمی کے علمی روحانی تجدید کنندہ، عسر ویسر کے وقت بھی سخاوت ودادودہش، دوسروں پر خرچ کرنا جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

غرضیکہ حضرت موصوف کے کن کن اوصاف کو گنا جائے، وطن وجائے قیام سے ہزاروں میل دور افریقہ کے مشہور شہر جوہانس برگ میں اپنے مخلص ومحبّ وخادم خاص مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور کے مکان پر ۱۸؍ربیع الآخر

۱۴۱۷ھ مطابق ۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء سہ شنبہ کی شب میں ۱۱؍ بجے اپنی عمر عزیز کے بانوے سال پورے کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، آپ داغ کے اس شعر کے مصداق بنے:

☆ مرحبا داغ تجھے خوب نبھائی تو نے ☆

☆ مر کے بھی پہلوئے محبوب میں مدفون ہوا ☆

ہزاروں محبین، مخلصین، مریدین کے قلوب محزون، ہزاروں آنکھیں اشکبار زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کہ

☆ جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے ☆

☆ مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے ☆

چلے گئے، صبر کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین، اور اہل گنگوہ کو کوئی نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر شریف احمد

ناظم و مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۴۱۷ھ

باب ششم
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی فطری خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور متعدد وہبی انعامات آپ پر ہوئے ہیں، ان میں ایک بہت بڑی نعمت، عمدہ آواز اور خوش الحانی بھی ہے، جس کی بدولت اکابر واساتذہ کی اولین توجہ آپکو حاصل ہوتی تھی، پھر مزید باطنی کمالات کی بنا پر آپ اکابر سے بھرپور استفادہ کرتے تھے اور آپ کا شوق قرأۃ بھی فطری تھا، جسکی تکمیل کیلئے تقریباً تین سال کا عرصہ شیخ القراء جناب قاری عبدالخالق صاحبؒ کی خدمت میں سہارنپور مدرسہ تجوید القرآن میں گزارا، پھر علوم عربیہ کی تحصیل کیلئے مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور تین سال مظاہر علوم میں گزارے اور اکابر علماء، صلحاء کی توجہات حاصل کیں، مگر آپ کا ذوق قرأۃ ابھی تک تشنہ طلب رہا، کیونکہ قاری عبدالخالق صاحب کے پاس حجازی حسینی لہجوں کو حاصل کیا تھا مزید لہجے حاصل کرنے کی تمنا تھی اور سبعہ عشرہ پڑھنے کا بار بار داعیہ پیدا ہوتا تھا، بالآخر آپ نے اس مقصد کی تکمیل کیلئے ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، آپنے تین سال میں درس نظامی (سال ہشتم) یعنی مختصر، مشکوۃ دورۂ حدیث شریف کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ صدر القراء جناب حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی خدمت میں رہکر سبعہ عشرہ کی تکمیل کی اور مزید لہجوں پر عبور حاصل کیا، اور آپ کی عربی کتب کے اسباق زمانہ کی شہرت آفاق جلیل القدر شخصیات کے پاس ہوئے، جیسے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، امام المعقول والمنقول

حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ ،شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ، فصیح اللسان حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ،استاذ المحدثین حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ ، جامع الکمالات حضرت مولانا معراج صاحبؒ ان جبال علم وعمل ،اخلاص وللہیت کے پیکر ،رہبران ملت سے آپ نے بلاواسطہ فیض حاصل کیا اور پڑھنے کی حد تک نہیں بلکہ ان اکابر اساتذہ کی خدمت میں مسلسل حاضری دیکر (جیسا کہ آپ کا شروع ہی سے ذوق بنا ہوا تھا) بھر پور استفادہ کیا ،خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں ہر روز حاضری دیتے یہانتک کہ آپ کے مہمان خانہ میں رہکر آپ کے خدام میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا اور مزید یہ کہ آپ شیخ الاسلامؒ کی توجہ خاص حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کیساتھ آخر تک گہرا تعلق رہا۔

حضرت قاری صاحبؒ اپنے دارالعلوم کے اساتذہ کے حالات سنایا کرتے تھے، شیخ الاسلامؒ کے ساتھ آپکو جو قلبی تعلق تھا اس کا احساس ہر پاس بیٹھنے والا کرتا تھا، آپکو شیخ الاسلام کے خلیفہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے خلافت حاصل ہوئی یہ شیخ الاسلام سے غایت درجہ محبت کا اثر تھا، آپ نے دارالعلوم میں داخلہ کیوں لیا اور کن حالات میں داخلہ ہوا اور کن اساتذہ سے کون کون سی کتابیں پڑھیں آپ اس کو تفصیل کے ساتھ یوں بیان کیا کرتے تھے۔

بندہ کو قرأۃ میں تحسین اور لہجہ میں عمدگی پیدا کرنے کا غیر معمولی شوق تھا اور چونکہ حضرت قاری عبدالخالق صاحب بوجہ پیرانہ سالی وضعف ترتیل میں صرف حسینی لہجہ اور حدر میں حجازی لہجہ پڑھتے تھے اسلئے کہ دوسرے لہجوں میں طاقت وقوت کا

استعمال زیادہ ہوتا ہے، الغرض اسی شوق نے مجھکو دارالعلوم میں آنے پر مجبور کیا اور میں نے اساتذۂ مظاہر علوم حضرت ناظم صاحب اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے تذکرہ کئے بغیر ہی دارالعلوم میں داخلہ لے لیا، لیکن مظاہر علوم کے اساتذۂ کرام کے ساتھ ربط وتعلق ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا، خصوصاً حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے قلبی تعلق کی بنا پر سہارنپور کو گھر آتے ہوئے ضرور شرف ملاقات حاصل کرتا اور بھی اساتذۂ کرام کی زیارت وملاقات سے محظوظ اورانکی نصائح عالیہ سے مستفیض ہوتا رہا۔

۱۹۴۷ء کے خوف ناک حالات میں بندہ کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا چونکہ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو متحدہ ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی تھی اس وقت ہر طرف افراتفری، ماردھاڑ، قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا، مگر بندہ ان تمام حالات سے بے خبر ماہ شوال المکرّم میں عید کے ایک ہفتہ کے بعد گنگوہ سے دیوبند جانے کیلئے بذریعہ بس روانہ ہوا، سہارنپور اتر کر ریلوے اسٹیشن جاتے ہوئے راستہ میں عجیب سناٹا خوفناک اور وحشت ناک صورت حال دیکھی جس کا گھر سے چلتے وقت تصور اور خیال تک نہ تھا، مگر جوں توں کر کے اسٹیشن تک پہونچ گیا اور ٹکٹ بغیر ہی گاڑی میں سوار ہو گیا تو دیکھا کہ پورے ڈبہ میں میرے علاوہ صرف دو مسلمان عورتیں سوار تھیں جو دیوبند اترنے والی تھیں، مجھے ملک کے اس قدر خوفناک حالات کا یکسر علم نہ تھا کہ مارکاٹ تک شروع ہو چکی ہے اور اس بے خبری کے عالم میں سفر کر گیا، اگر اس درجہ خطرناک حالات کا پہلے سے علم ہوتا تو شاید سفر کی ہمت ہی نہ ہوتی، تاہم خداوند قدوس کو ایسا ہی منظور تھا، بندہ بعافیت دیوبند پہونچا اور دارالعلوم

جا کر داخلہ لے لیا، ہفتہ عشرہ داخلہ کی تکمیل میں صرف ہوا، نیز تمام اسباق مکمل طور پر شروع ہونے میں کافی دیر لگی چونکہ جو اساتذہ اپنے گھر گئے ہوئے تھے حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے ان کو بروقت مدرسہ پہونچنے میں تاخیر ہوئی، صرف وہی اساتذہ جو دیوبند میں مقیم تھے اسباق شروع کرا سکے تھے، اس زمانہ میں چونکہ ہر وقت پریشان کن خبروں کا تسلسل رہا اسلئے تعلیم میں کچھ دنوں تک ایک قسم کی بدنظمی و بے ضابطگی سی رہی تھی، حالات درست ہوتے ہی تعلیم شباب پر آ گئی تھی۔

صدر القراء جناب مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ[1]

اس زمانہ میں ہمارا زیادہ تر وقت حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ صدر شعبۂ قرأۃ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں گزرتا تھا، حضرت قاری صاحب مچھلی کے شکار کے بڑے شوقین اور دلدادہ تھے، اس کام کیلئے ان کے کمرے میں بڑی بڑی چھڑیں اور لمبی لمبی ڈوریں رہا کرتی تھیں ان کو درست کرنے کیلئے ہم بھی حضرت قاری صاحبؒ کیساتھ لگے رہتے تھے، اس وقت ہم چار ساتھی تھے[2]

---

[1] آپ ضلع پرتاب گڈھ کے رہنے والے تھے ولادت ۱۳۱۷ھ کی ہے آپ ماہر فن اور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ بڑے خوش الحان اور خوش لہجہ بھی تھے ادائیگی پر کامل عبور تو تھا ہی بے شمار عربی لہجوں کے جامع تھے آپ کے زمانے میں ملک اور بیرون ملک سے فن تجوید کے شائقین طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے اس شعبہ کا فیض ملک سے باہر آپ کے دور سے نمایاں نظر آتا ہے آپ نے کم وبیش چالیس سال تک تجوید و قراءت کی خدمات دارالعلوم دیوبند میں انجام دیں، ۲۴؍شوال ۱۳۸۸ھ کو آپ ایک طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہیں (حسن المحاضرات؍ص ۲۵۸؍ج ۲) [2] یہ سب اللہ کے یہاں جا چکے ہیں، اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے آمین یارب العالمین۔

(۱) مولانا قاری محمد میاں صاحبؒ گلاوٹھی والے (۲) مولانا قاری مشتاق احمد صاحبؒ صدر مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ[۱] (۳) مولانا قاری عبد الجلیل صاحب نانوتویؒ (۴) اور بندہ شریف احمد گنگوہیؒ ہم چاروں حضرت قاری صاحب کی درسگاہ کے حاضر باش تھے اور سبعہ عشرہ کی کتابوں کے شریک درس بھی تھے، میں نے قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے سبعہ عشرۃ پڑھی اس وقت شاطبیہ وغیرہ کتب قاری صاحب سے ہی متعلق تھیں، نیز قاری صاحب سے ہی دس پاروں کا سبق میں اجراء بھی کیا جو میرے پرانے قرآن پاک پر لکھا ہوا تھا اب وہ گم ہوگیا، حضرت قاری صاحب قریب ہی کے ایک گاؤں لبکری میں شکار کیلئے تشریف لے جاتے تھے اور اکثر و بیشتر شکار میں قاری عبدالجلیل صاحب کو شرف رفاقت حاصل رہتا تھا، حضرت قاری صاحب زندہ دل، پر وقار، سنجیدہ مزاج، پاکیزہ طبیعت اور گوناگوں اوصاف حمیدہ کے حامل تھے، آپ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ کسی نووارد طالب علم کی جانب جلدی سے ملتفت نہیں ہوتے تھے، بلکہ عرصہ دراز کے بعد التفات فرماتے اور یہ بات مجھ کو دارالعلوم میں داخلہ کے بعد ہی بعض احباب کے ذریعہ معلوم ہوگئی تھی

---

[۱] اصل نام مشتاق احمد ہے، والد صاحب کا نام بشیر احمد ساکن املیا ضلع بلند شہر، ولادت باسعادت ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۲ء بروز دوشنبہ ہوئی، فراغت کے بعد مدرسہ منبع العلوم جامع مسجد گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا، ڈیڑھ سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہی اور یکم ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ میں آپ خادم الاسلام تشریف لے آئے، آپ روز اول ہی سے جامعہ کے کامیاب مدرس اور ناظم تعلیمات و صدر المدرسین رہے، ۱۹۷۶ء میں جب جامعہ میں دورۂ حدیث کا آغاز ہوا تو آپ ہی کو شیخ الحدیث منتخب کیا گیا اور اخیر عمر تک وہیں پر خدمت انجام دیتے رہے، آپ کی وفات ۸؍ شوال ۱۴۲۱ھ میں ہوئی اور محلہ کریم پورہ بلند شہر میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اسلئے میں حضرت قاری صاحب کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے فکر مند تھا اور یہ کوئی غیر مناسب بات نہ تھی بلکہ ہر طالب صادق کی فکر یہی ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ استاذ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرے تا کہ استفادہ آسان اور کثیر ہو، مجھکو یہ فکر دامن گیر تھی ہی کہ اللہ جل شانہ نے اس کیلئے سبب جمیل مہیا فرمایا اور اتفاق ایسا ہوا کہ ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد ملک کے حالات میں کچھ بہتری رونما ہوئی خوف ودہشت کا عالم ختم ہوا امن وامان کی فضا قائم ہوئی اور آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا تو گنگوہ سے میرے مخصوص مہمان وکرم فرماء جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب نبیرۂ امام ربانی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ملاقات کیلئے دیوبند تشریف لائے میں نے حافظ یعقوب صاحب سے حضرت قاری صاحب کی اس عادت کا تذکرہ کیا نیز درخواست کی کہ حضرت قاری صاحب سے میری طرف توجہ کرنے کے سلسلہ میں کچھ عرض فرمادیں، اس موقعہ پر بھی عجیب اتفاق یہ ہوا کہ بعد نمازِ عصر حضرت مدنیؒ کی مجلس میں حافظ محمد یعقوب صاحب رونق افروز تھے دریں اثنا حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب تشریف لے آئے اور جس چارپائی پر حافظ صاحب تشریف فرما تھے اس پر بیٹھ گئے سامنے دوسری چارپائی پر حضرت شیخ الاسلام جلوہ افروز تھے اور قریب ہی میں پڑی ہوئی تیسری چارپائی پر میں بھی بیٹھ گیا تو حضرت حافظ صاحب مرحوم نے فوراً ہی حضرت قاری صاحب کو متوجہ فرماتے ہوئے زور سے اس انداز میں کہا کہ حضرت مدنیؒ بھی سن لیں کہ قاری صاحب یہ لڑکا مظاہر علوم چھوڑ کر آپکے پاس صرف قرأۃ پڑھنے اور آپ سے لہجے سیکھنے کے شوق میں آیا ہے اس کا ذرا خیال رکھنا، اس بات کا اثر یہ ہوا کہ میں جب بھی

درسگاہ میں حاضر ہوتا قاری صاحب فوراً ہی فرماتے کہ پہلے پڑھ لو پھر بیٹھنا۔

دار العلوم دیوبند میں اسباق کی ترتیب

دار العلوم دیوبند میں پہلے سال مندرجہ ذیل کتب مختلف اساتذہ کے پاس پڑھیں، پہلے سال ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ میں جلالین شریف تین استاذوں سے پڑھی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے صرف پندرھواں پارہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، وجہ ظاہر ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ علوم وفنون کے بحر بیکراں تھے آپکی زبان وبیان میں نہایت سلاست، روانی، شستگی وشگفتگی پائی جاتی تھی، دوران تقریر ایسا لگتا تھا کہ کسی دریا کے دہانے کا منھ کھول دیا گیا ہو، آپ کا درس علوم ومعارف کے بہتے دریا کا سماں پیش کرتا تھا، اسلئے طویل وعریض تقریر پر مشتمل اسفار کی کثرت اور اتنے بڑے مدرسہ کی انتظامی مصروفیات کی وجہ سے ایک ہی پارہ میں لمبا وقت صرف ہوا، پھر آپنے جلالین شریف کا سبق خود ہی مولانا بشیر احمد خانصاحبؒ برادر محترم جناب مولانا نصیر احمد خانصاحبؒ کی طرف منتقل فرمادیا تھا، چنانچہ بندہ نے از پارہ ر۱۶ رتا ر۳۰ رجلالین شریف مولانا بشیر احمد صاحبؒ سے پڑھی اور جلالین شریف جلد اول جناب مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ سے پڑھنے کی سعادت میسر آئی، آپ بھی نہایت محققانہ کلام فرماتے تھے اور زبان وبیان میں بڑی کشش وجاذبیت تھی، جناب مولانا جلیل احمد کیرانویؒ سے میبذی پڑھنے کا موقعہ ملا اور جناب مولانا عبدالاحد صاحبؒ دیوبندی سے ملاحسن پڑھی، شیخ الادب حضرت مولانا معراج صاحب سے مقامات حریری پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں دوسرا سال ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۷ھ

مشکوٰۃ شریف اور دیوان متنبی فخر المحدثین جناب مولانا فخر الحسن صاحبؒ سے اور دیوان حماسہ حضرت مولانا معراج صاحبؒ سے، شرح عقائد حضرت مولانا جلیل احمد صاحب کیرانویؒ سے پڑھی۔

دارالعلوم دیوبند میں تیسرا سال ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ

بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف مکمل شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، طحاوی شریف، نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے صبح نمازِ فجر کے بعد پڑھنے کا موقعہ نصیب ہوا اور ابو داؤد شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھنے کی سعادت میسر آئی اور موطاء امام مالک و موطاء امام محمد و مسلم شریف کے اسباق دیگر اکابر اساتذہ سے متعلق رہے۔

دارالعلوم کی تعلیم کے دوران حضرت مدنیؒ سے والہانہ تعلق

دارالعلوم میں ہم دو ساتھی (۱) بندہ شریف احمد (۲) قاری عبدالجلیل نانوتویؒ روزانہ سبق سے چھٹی کے بعد بالاستقلال حضرت مدنیؒ کے مہمان خانہ میں مہمانوں کی خدمت کیلئے پہونچ جایا کرتے تھے۔

حضرت مدنی قدس سرہ کا کمال اخلاق

ایک مرتبہ ایک مجذوب صاحب حضرت مدنیؒ کے یہاں مہمان ہوئے جو

اپنی ظاہری حالت کے اعتبار سے نہایت ہی مفلوک الحال تھے، کپڑے میلے کچیلے، لمبے لمبے سفید بال، نیز بالوں اور کپڑوں میں جوئیں بے حد جو کپڑوں پر صاف پھرتی ہوئی نظر آتی تھیں اور حضرت کا یہ حال تھا کہ مجذوب صاحب کی اس پراگندگی کے باوجود اپنے ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلاتے تھے جس کی وجہ سے حضرت کے کپڑوں میں بھی جوئیں چڑھ جاتی تھیں، اس صورت حال کو دیکھ کر ہم نہایت پریشان اور متفکر ہوتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے کہ حضرت کے مہمان خانہ میں کسی کو کسی مہمان سے یہ پوچھنے کی ہمت ومجال نہ ہوتی تھی کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کتنے دن ٹھہرو گے، اسلئے ان مجذوب صاحب سے بھی کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی، ادھر ہم لوگ دل ہی دل میں کڑھتے تھے کہ مجذوب صاحب کو حضرت سے کس طرح علیحدہ کیا جائے اور حضرت کا حال تھا کہ ان کو علیحدہ کرنے کیلئے تیار نہ تھے، آخر کار ہم لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ آج مجذوب صاحب کو حضرت کے آنے سے پہلے ہی کھانا کھلا دیا جائے اور اس طریقہ سے کھلایا جائے کہ حضرت مدنیؒ بھی ان کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ لیں، اس کا طریقہ ہم نے یہ کیا کہ سہ دری کے اس حصہ میں جو زنان خانہ سے قریب ہے اور حضرت کے اندر آنے کا راستہ بھی ہے مجذوب صاحب کو اس میں بٹھا کر کھلانے کا پروگرام بنایا، چنانچہ جب حضرت کی آمد کا وقت ہوا تو ہم نے مولوی نصیر احمد صاحب سے کہا کہ مجذوب صاحب کیلئے گھر سے کھانا لیکر آؤ، چونکہ مولوی نصیر احمد صاحب فیض آبادی رشتہ میں حضرت کے پوتے ہوتے تھے گھر میں انکی آمد ورفت بھی رہتی تھی، حضرت کے گھرانہ کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے اور حضرت کے

گھر کے کام کاج انہیں کے سپرد تھے اسلئے گھر سے کھانا لانے کیلئے انہیں کو کہا، چنانچہ مولوی نصیر احمد صاحب گھر سے کھانا لیکر آ گئے مہمان خانہ میں جو چار پائیاں رہتی تھیں ان میں سے ایک چار پائی پر دستر خوان بچھا کر اس پر کھانا رکھدیا اور مجذوب صاحب کو کہا کہ آیئے کھانا کھا لیجئے، مجذوب صاحب ہاتھ دھو کر دستر خوان پر آ گئے اور کھانا کھانا شروع کر دیا، مجذوب صاحب ابھی کھانے میں مشغول ہی تھے کہ حضرت مدنیؒ اندر سے تشریف لے آئے اور مجذوب صاحب کو کھانا کھاتے اور ہمیں پاس کھڑے دیکھ کر فرمایا ارے آج ان کو پہلے ہی کھلا رہے ہو تم لوگوں نے یہ کیا حرکت کی؟ بس یہ فرما کر مزید کچھ نہیں فرمایا اس کے بعد ہم ہر دن اسی طرح کرنے لگے اور حضرت دوسرے مہمانوں کیساتھ کھانا تناول فرمانے کیلئے بیٹھنے لگے، ہم کو بہت راحت ملی اور جب تک مجذوب صاحب رہے ان کیساتھ ہمارا یہی عمل رہا کہ حضرت کی آمد سے پہلے ہی ان کو کھانے سے فارغ کر دیتے تھے۔

حضرت مدنیؒ کی مجاہدانہ شان کا ایک واقعہ

جس مسند پر دارالعلوم کے دارالحدیث میں درس حدیث دیا جاتا ہے حضرت الاستاذ حضرت مدنی کو خالی چوکی پر بیٹھے دیکھ کر گدا بنوایا، حضرت شیخ الاسلامؒ تیسرے اور چوتھے گھنٹہ میں ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے، خالی چوکی پر تین تین گھنٹے مسلسل بیٹھے دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑی کوفت ہوتی تھی اور بار بار آپکی تکلیف کا احساس ہوتا تھا، ہم نے حضرت کی اس پریشانی کو دیکھ کر مولانا نصیر احمد صاحب (خادم خاص شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ) سے کہا کہ تم کوئی تدبیر کرو کہ کس

طرح حضرت کیلئے گدا بنوایا جائے کیونکہ ساتھیوں کے پاس وسائل نہ ہونے کی وجہ سے گدا بنوانا مشکل ہے، اماں جی سے درخواست کرو کہ وہ گدا بنوا کر بھجوادیں، چنانچہ مولانا نصیر احمد صاحبؒ نے حضرت کی اہلیہ محترمہ سے جو کہ مولانا نصیر احمد صاحب کی قریبی رشتہ دار بھی تھیں اس تکلیف کا ذکر کیا، چنانچہ انھوں نے ایک گدا تیار کرایا اور گدا تیار کرا کے حضرت سے ذکر کردیا کہ آپ بہت دیر تک تخت پر خالی چٹائی پر بیٹھتے ہیں تھک جاتے ہوں گے میں نے گدا بنوا کر بھجوادیا ہے آپ اس پر بیٹھ کر سبق پڑھایا کریں، اماں جی کو اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ حضرت پر اس بات کا کیا اثر ہوگا اور حضرت کے سامنے تذکرہ سے کیا ثمرہ مرتب ہوگا، تاہم گدے کی بات حضرت کے ذہن میں نقش ہوگئی اور معاملہ کا رخ پلٹ گیا اگر اماں جان ذکر نہ کرتیں تو شاید معاملہ مبہم رہتا اور حضرت کا ذہن اس طرف متوجہ نہ ہوتا، بہر حال حضرت کے دارالحدیث میں تشریف لانے سے پہلے چوکی پر گدا اور گدے کے اوپر چادر بچھادی گئی، حضرت تشریف لائے جیسے ہی حضرت کی نظر گدے پر پڑی حضرت نے بلا کسی تاخیر کے انتہائی ناگواری کیساتھ پہلے چادر اٹھا کر پھینکی پھر گدا اٹھا کر پھینکا اور ساتھ میں گدے کے نیچے بچھی چٹائی اٹھا کر پھینک دی اور خالی چوکی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ صرف چوکی پر بیٹھ کر سبق پڑھایا کرتے تھے اب اس پر چٹائی بچھ گئی اور چٹائی پر چادر بچھ گئی اب گدے بھی بچھنے لگے ہیں، آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نے چوکی پر چٹائی اور چادر بھی بچھوانا بند کردی، ہم یہ صورت حال دیکھ کر نہایت ہی ملول اور رنجیدہ رہتے تھے اور خالی چوکی پر تین تین گھنٹہ بیٹھے دیکھ کر نہایت دکھ ہوتا تھا، مگر سوائے قلق واحساس کے کوئی چارہ نہ تھا۔

حضرت مدنیؒ کے درس کا انداز

حضرت مدنیؒ کتاب شروع کرانے سے پہلے فضائل علم حدیث ومبادیات فن بیان کرتے اور علم حدیث کی عظمت وشرافت کو آیات وروایات سے مدلل فرماتے تھے، آپ روزانہ درس حدیث دینے سے پہلے خطبۂ مسنونہ خود پڑھتے اور عربی لہجہ میں یہ عبارت پڑھتے تھے فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد ابن اسماعیل ابن المغیرۃ ابن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمۃ اللہ تعالی ونفعنا بعلومہ آمین یہ عبارت عربی لہجہ میں جس عجیب کشش اور جاذبیت ہوتی تھی اور عشق الٰہی کا سوز وگداز شامل ہوتا تھا سنکر ہر سامع کا دل کھچا چلا جاتا تھا، پھر آپ حدیث پاک پر نہایت محققانہ، مدققانہ، مکمل تشفی بخش کلام فرماتے، اختلافِ ائمہ بیان فرمانے کے بعد مذہب حنفی کو ترجیح دیتے اور حدیث پاک کے ساتھ اس طرح منطبق فرماتے معلوم ہوتا تھا کہ فقہ حنفی ہی احادیث نبوی کے عین مطابق ہے۔

آپ کی پوری تقریر نہایت صاف شفاف موتیوں کی طرح لڑی میں پری ہوئی معلوم ہوتی تھی، دوران سبق تصوف کے بہت سے مسائل حل ہوجایا کرتے تھے، آپ طلبہ کی اخلاقی تربیت کے پیش نظر اخلاقی درس بھی دیا کرتے تھے اور عالمی انسان بننے کی فکر دلاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت نے بخاری شریف کے سبق کے

دوران نہایت ہی عجیب وغریب واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ آدمی جیسی عادت بناتا ہے ویسی ہی عادت بن جاتی ہے اور یہ کہکر آپ نے واقعہ سنایا کہ جیل میں ہمارے ساتھ ایک آدمی صرف پانی پی کر گذارہ کرتا تھا اور اسکی تمام ضروریات بول وبراز وغیرہ دوسروں کی طرح معمول کے مطابق پوری ہوتی تھیں، میں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کس طرح عادت بنائی؟ اس نے بتلایا کہ اولا میں نے اپنے کھانے میں کمی شروع کی اور کچھ دودھ کا اضافہ کیا کھانے میں کمی کرتا رہا دودھ میں اضافہ کرتا رہا یہاں تک کہ غذا بالکل ختم کردی اور صرف دودھ پی کر گزارہ کرنے لگا، پھر یہ خیال ہوا کہ دودھ پینا بھی ختم کروں اور صرف پانی پر اکتفا کروں، چنانچہ جتنی مقدار دودھ پینے کی عادت تھی اس میں کچھ کمی کرنا شروع کردی اس طرح کہ جتنا دودھ کم کرتا اس میں اتنا ہی پانی کا اضافہ کردیتا مگر یہ عمل ہر روز نہیں کرتا تھا بلکہ ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ تھوڑا دودھ کرکے اس میں اتنا ہی پانی ڈال دیا کرتا تھا، ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہونچی کہ میں نے دودھ ختم کردیا اور پانی پر اکتفا کرنے لگا اب صرف پانی پیتا ہوں اور اپنی تمام ضروریات معمول کے مطابق پوری ہوتی ہیں اور مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی غذا کی طرف میرا میلان ہے۔

دوران درس ایک طالب علم کا سوال

حضرت شیخ الاسلامؒ بخاری شریف کا سبق پڑھا رہے تھے ایک طالب علم نے پرچی کے ذریعہ سوال کیا کہ حضرت کیا آپ کو کانگریس سے وظیفہ ملتا ہے؟ حضرت مدنیؒ برداشت وتحمل کے پہاڑ تھے آپ نے نہایت سنجیدگی اور بردبار لہجہ

میں ارشاد فرمایا کہ حسین احمد جب جیل میں ہوتا تھا تو حسین احمد کے گھر میں فاقے پڑتے تھے اور جواہر لال نہرو جب جیل میں ہوتا تھا تو اسکی قوم اس کے گھر اشرفیوں کی تھیلیاں بھیجا کرتی تھی، میں نے کانگریس کے نام پر ایک پان تک بھی نہیں کھایا، واقعی حضرت مدنیؒ نے کانگریس کی بے لوث خدمت کی ہے، جب میں مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا اس وقت کانگریس اور مسلم لیگ شباب پر تھی، لیگی لوگ حضرت مدنیؒ کو گورنمنٹ کا پٹھو سمجھتے تھے حضرت مدنیؒ کا نظریہ یہ تھا کہ پاکستان مت بناؤ اور حضرت نے اپنے نظریہ کو تقویت دینے اور فروغ دینے کیلئے بہت زیادہ اسفار بھی کئے، اس موقعہ پر مسلم لیگ کے بہت سے ناعاقبت اندیشوں نے آپ کی شان میں نہایت بے ہودہ گستاخیاں بھی کیں، جن کا حشر بہت برا ہوا کوئی قتل ہوا کوئی ڈوب کر کوئی بھٹی میں جل کر مرا، کسی کے بدن میں پھوڑے نکلے اور ان میں لمبے لمبے کیڑے پڑ گئے آخر گل سڑ کر مر گیا، بہر حال جس نے بھی حضرت کے ساتھ کسی طرح کی بدتمیزی یا بدسلوکی کا معاملہ کیا اس کو دنیا ہی میں برا انجام بھگتنا پڑا۔

اس دوران جبکہ میں مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا حضرت شیخؒ کے یہاں حضرت مدنیؒ تشریف لائے حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت رائے پوریؒ حضرت مدنیؒ کا بے حد احترام کرتے تھے، آپنے حضرت مدنیؒ سے فرمایا کہ حضرت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اگر آپ سن لیں چھوٹا منھ بڑی بات ہے، اتنا کہکر خاموش ہو گئے دوسری مرتبہ پھر کہا کہ حضرت کچھ گزارش ہے چھوٹا منھ بڑی بات ہے پھر خاموش ہو گئے تیسری مرتبہ پھر فرمایا اس پر حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ حضرت فرمایئے تو سہی کہتے تو کچھ نہیں، حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ

ہی اپنے اسفار بند کردیں یہ قوم بدبختی میں مبتلا ہے جہالت میں ڈوبی ہوئی ہے وہ لوگ بے حرمتی پر اتر رہے ہیں ان کو اس کا انجام معلوم نہیں آپ اسفار کرتے ہیں ان کو گستاخیاں کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اس لئے آپ اس سلسلہ کو ترک فرمادیں کیونکہ میں پنجاب کی طرف اپنی آنکھوں سے عذاب کو اترتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

یہ سن کر آپ پر عجیب وغریب کیفیت اور حال طاری ہوگیا اور طبیعت میں ایک جوش ابھر آیا اور آپ نے جواب میں اس طرح فرمایا کہ کیا حق کی خاطر اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے نکالا نہیں گیا، کیا حق کی خاطر عمر فاروقؓ کو شہید نہیں کیا گیا، کیا حق کی خاطر عثمان غنیؓ کو شہید نہیں کیا گیا، کیا حضرت شاہ ولی اللہ کو حق کا اعلان کرنے پر تکلیفیں نہیں پہنچائی گئیں، کیا حضرت گنگوہی نے حق کیلئے جہاد نہیں کیا، کیا حضرت شیخ الہندؒ کو حق کا اعلان کرنے پر مالٹا کی جیل میں بھیج کر برف کی سلوں پر لٹا کر تکلیف نہیں دی گئی؟ حضرت نے فرمایا مجھ تک جو حق پہونچا ہے کیا میں اس کو چھوڑ دوں؟ چنانچہ حضرت مدنیؒ کے اسفار جاری رہے حضرت مدنیؒ تقاریر کے ذریعہ حق سمجھانے کی کوشش کرتے مگر ناعاقبت اندیش اور بدبخت لوگ آپ کے ساتھ بدسلوکیاں بدتمیزیاں کرتے، مغلظات بکتے، غلاظتیں اوپر پھینکتے، مگر آپ صبر وتحمل کا پہاڑ بنے رہتے، کہیں کہیں تو پورا مجمع آپ پر ٹوٹ پڑتا اور آپ کے قتل کے درپے ہوتے بلکہ قاتلانہ حملہ کردیتے، مگر نصرت الٰہی آپ کی دستگیری اور حفاظت کرتی رہی۔

دراصل آپ کی یہ سیاسی جدوجہد صرف ملک کی سالمیت اور آزادی کیلئے نہیں تھی بلکہ آپ اس کو شرعی فریضہ کے طور پر انجام دیتے تھے اور حضرت سمجھتے تھے کہ

میں دین کا اہم کام کر رہا ہوں اور میری یہ تمام کوشش اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہے، اس لئے اس راہ کی مصیبت کو باعث اجر وثواب سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ توہین وتذلیل کے مواقع پر کبھی آپ کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکلا جو مقام صبر ورضا کے خلاف ہو، حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں چودہ مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی اور اللہ نے اپنے فضل سے مجھے یہ بصیرت عطاء فرمائی ہے کہ امت کے اولیاء کرام کو میں پہچان لیتا ہوں، بندہ نے چودہ بار کعبہ میں موجود اولیاء کرام کو دیکھا مگر حضرت مدنیؒ کے ہم پلہ کسی کو نہ پایا۔

فراغت از دارالعلوم دیوبند

حضرت والد صاحبؒ کی فراغت دارالعلوم سے شعبان ۱۹۴۹ء مطابق ۱۳۶۸ھ میں ہوئی اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد والد صاحبؒ نے مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اس وقت بھی آپ کا حضرت مدنیؒ سے برابر تعلق قائم رہا بلکہ حضرت کے ساتھ تعلق میں مزید قوت پیدا ہوئی اور حضرت نے اپنی بے پناہ توجہات سے نوازا، چنانچہ آپکی درخواست پر حضرت مدنیؒ دیگر اکابر کے ساتھ ماہ رمضان ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں گنگوہ تشریف لائے اور جامعہ اشرف العلوم کا سنگ بنیاد رکھا اور آپ کی دعوت پر بار با مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لائے اجلاسات کو خطاب کیا، حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ گنگوہ میں جمے رہنا، دعاؤں سے نوازا، مدرسہ کا معائنہ لکھا، چنانچہ ایک معائنہ میں لکھتے ہیں:

الحمد لله و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

آج بروز دوشنبہ ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مجھکو گنگوہ شریف میں مدرسہ اشرف العلوم کے معائنہ کا شرف حاصل ہوا، چند بچوں کے قرآن شریف سننے اور بعض مسائل دینیہ کے سوال کی بھی نوبت آئی، بحمد اللہ بچوں کی صلاحیت امید افزاء ہے، ایسے مدارس کا مسلمانوں میں جاری ہونا ازبس ضروری ہے، مدرسین کی تعداد ضرورت سے کم ہے، میں ان مدرسین کرام کی جدو جہد اور کوششوں کی تعریف کرنے سے چشم پوشی نہیں کرسکتا، اہل قصبہ اور اہل ہمت مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ اس مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں بیش از بیش حصہ لیں اور اس کو اعلیٰ پیمانہ پر پہونچائیں، اخیر میں دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطاء فرمائے اور عام مسلمانان قصبہ اور ان کے بچوں کو زیادہ سے زیادہ علمی ترقیات پر پہونچائے واللہ الموفق۔

ننگ اسلاف: حسین احمد غفرلہ

مدرس دارالعلوم دیوبند

حضرت مدنیؒ اور مجاہد ملت کی تشریف آوری

حضرت والد صاحبؒ کا تعلق حضرت مدنیؒ سے بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ جب بھی حضرت مدنیؒ کا علاقہ گنگوہ میں تشریف آوری کا علم ہوتا تو فوراً حاضر خدمت ہوکر مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لانے کی دعوت دیتے اور حضرت مدنیؒ اس کو بخوشی قبول فرمالیتے، چنانچہ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی گنگوہ کے قریبی گاؤں میں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر تشریف آوری طے

ہوئی اور مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں نے حضرت کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ حضرت آپ جمعرات کو فلاں گاؤں میں تشریف لے جائیں گے ہمارے یہاں کا بھی پروگرام بنا لیجئے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جمعرات کو تو گاؤں میں ٹھیک ہے اور جمعہ کو آپ کے یہاں پروگرام ہو جائے گا، اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت جمعہ کو دوپہر کا کھانا ہمارے یہاں ہوگا اور جمعہ کی نماز کے بعد بیان ہوگا اس کو حضرت نے منظور فرمالیا، پھر کسی کام سے دہلی گیا وہاں پر حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی ؒ سے ملاقات کی اس سے قبل بھی بارہا اس بات کا اشتیاق ہوا تھا کہ حضرت مولانا موصوف کسی موقعہ پر ہمارے یہاں اشرف العلوم میں تشریف لائیں مگر یہ تمنا ابھی تک پوری نہ ہوئی تھی اسلئے حضرت سے عرض کیا کہ گنگوہ کا پروگرام بنالیجئے اور پرچہ بھی لکھ کر دیدیا، چونکہ حضرت کے اوقات بے حد مشغول رہتے تھے اسلئے آپ کو تحریری طور پر دینا پڑتا تھا۔

بہر حال حضرت نے قبول فرما کر منظور فرمالیا اور اپنے منشی کو تاریخ نوٹ کرادی کہ اس تاریخ میں گنگوہ چلنا ہے، جبکہ اس موقعہ پر حضرت کے سامنے اور بھی پروگرام تھے مگر حضرت نے گنگوہ کی تاریخ کو رد نہ فرمایا، منشی نے تاریخ نوٹ کرلی تھی اور ان کو پرچہ بھی دے دیا تھا اسلئے میں مطمئن ہو کر گنگوہ چلا آیا اور یہاں آکر قصبہ اور اطراف قصبہ میں اعلانات کرائے کہ فلاں دن اور تاریخ میں حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی تشریف لا رہے ہیں اور اشرف العلوم میں خطاب فرمائیں گے، اطراف گنگوہ میں بھی چونکہ اسی تاریخ میں ایک مدرسہ میں جلسہ ہونا تھا

ان لوگوں کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلسہ کے دن حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لاکر خطاب کریں گے تو اس مدرسہ کے ایک مدرس نے بالآخر یہ حرکت کی کہ ایک خط ہماری جانب منسوب کرکے حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب کے نام لکھا اور اس ڈھنگ سے مضمون مرتب کیا گویا کہ میں اشرف العلوم سے خط لکھ رہا ہوں اور یہ بات لکھی کہ قریب کے ایک گاؤں میں آپکی تشریف آوری کے دن حضرت مولانا حسین احمد مدنی تشریف لارہے ہیں اسلئے آپ کو مدرسہ اشرف العلوم میں جس پروگرام کیلئے آنا تھا نہ آئیں، یہ خط جب حضرت کے پاس انہوں نے بھیجا تو حضرت نے گنگوہ آنے کا ارادہ ملتوی کردیا اور اس تاریخ میں حضرت کو جو میٹنگ کرنی تھی لوگوں کو کہلوادیا کہ انشاءاللہ اس دن میٹنگ ہوگی، مجھے اس بارے میں کچھ خبر نہ تھی کہ بالآخر ہمارے پروگرام کو بگاڑنے کی کوئی سازش رچی جارہی ہے، الغرض حضرت نے ایک خط گنگوہ بھیجا کہ آپ کے جلسہ کے التواء کا خط ہم کو مل گیا ہے یہ خط جیسے ہی مجھ کو ملا میں حیران وششدر رہ گیا کہ ہم نے پورے علاقہ میں حضرت کی آمد کا اعلان کررکھا ہے ادھر یہ حال کہ کسی نے حضرت کے پاس خط بھیج دیا کہ جلسہ ملتوی ہوگیا اور مزید پریشانی یہ کہ تاریخ قریب سے قریب تر ہوتی چلی جارہی ہے، چنانچہ میں بذات خود بلا تاخیر دہلی گیا اور حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سے ملاقات کی اور حضرت کا روانہ کردہ خط خدمت میں پیش کرکے کہا کہ حضرت آپ کی جانب سے یہ خط پہونچا ہے ہم نے تو آپ کے پاس التواء کا کوئی خط نہیں بھیجا، حضرت کو بڑا تعجب ہوا اور اپنے منشی کو بلاکر کہا کہ جو خط گنگوہ کے جلسہ کے التواء کا ہمارے پاس آیا تھا وہ نکال کرلاؤ

چنانچہ منشی جی نے وہ خط نکالا اس میں دستخط دیکھے تو محمود نامی شخص کے دستخط تھے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ میرا نام تو شریف احمد ہے میں نے جو پرچہ لکھ کر دیا تھا اس پر میرے دستخط ہیں اور اس خط پر تو محمود کے دستخط ہیں، حضرت کو اس پر مزید تعجب ہوا کہ یہ غلطی ہم سے کیسے ہوگئی؟ کہ ہم نے بلا تحقیق التواء کا خط جاری کر دیا، تاہم حضرت نے اپنے منشی کو سخت لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے دیکھا بھی نہیں کہ پہلے پرچہ پر جو دستخط ہیں وہ شریف احمد کے ہیں اور جلسہ کے التواء کا جو خط ہمارے پاس آیا ہے اس میں محمود کے دستخط ہیں، بہر حال حضرت نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اچھا گنگوہ ضرور چلیں گے اور منشی کو کہا کہ گنگوہ والی تاریخ میں جو میٹنگ ہونی طے کر دی تھی وہ ملتوی کر دو اور سب لوگوں کو کہلوا دو کہ فلاں تاریخ میں حضرت کہیں تشریف لے جائیں گے اس لئے میٹنگ نہیں ہو سکے گی اور مجھے کہا کہ آپ چلے جائیں انتظام کیجئے ہم ضرور گنگوہ آئیں گے، چنانچہ تاریخ مقررہ پر حضرت دہلی سے بذریعہ ٹرین سہارنپور پہونچے اور وہاں سے بذریعہ ٹیکسی گنگوہ تشریف لائے، بعد نماز عشاء آپ کا بیان ہوا لوگ بڑی تعداد میں جوق در جوق شریک اجلاس ہوئے اور حضرت کا بیان بڑی دلجمعی، ذوق وشوق کیساتھ سنا، اور پروگرام بخوبی اختتام پذیر ہوا۔

اجلاس کے بعد حضرت نے کھانا تناول فرمایا اور پھر کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد لیٹ گئے صبح ناشتہ سے فراغت کے بعد حضرت نے چلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت قریب کے ایک گاؤں خانپور میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں اور ابھی وہیں پر ٹھہرے ہوں گے تو حضرت نے کہا بہت

اچھا ضرور ملاقات کروں گا، چنانچہ بذریعہ ٹیکسی ہم گاؤں میں پہونچے حضرت سے ملاقات ہوئی دونوں اکابر کی ملاقات بڑی ہی پر کیف تھی، ملاقات اور گفتگو سے فراغت کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب وہیں سے سہارن پور کیلئے روانہ ہوگئے اور پھر وہاں سے بذریعہ ٹرین دہلی پہونچے، میں گاؤں میں ہی حضرت مدنی کے پاس ٹھہر گیا اور حضرت سے ملاقات کی حضرت بڑے غصہ کی حالت میں تھے فرمایا کہ آپ لوگ پوری رات سے کہاں ہو میں یہاں سردی میں ٹھٹر گیا، میں نے دیکھا کہ جس کمرہ میں حضرت کو آرام کرایا گیا تھا اس کے جنگلوں میں کھڑکیاں نہیں تھیں، حضرت کی اس بے آرامی پر بے حد احساس ہوا اور طبیعت پر حضرت کی پریشانی بڑی ہی گراں بار ہوئی، میں نے کچھ دیر توقف کیا پھر حضرت سے گنگوہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی اور حضرت کو گنگوہ کا پروگرام بھی یاد دلایا، حضرت نے فرمایا ضرور چلیں گے، چنانچہ حضرت نے اہل مدرسہ سے کہا کہ ناشتہ جلدی لاؤ ورنہ ہم چلتے ہیں، تھوڑی دیر بعد حضرت کو کسی نے بتلایا کہ ابھی ناشتہ میں دیر ہے تو حضرت فوراً چلنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تو مدرسہ والوں نے کہا کہ حضرت صرف دس منٹ میں ناشتہ تیار ہو جائے گا، حضرت نے گھڑی دیکھ لی جب دس منٹ پورے ہوگئے تو حضرت اٹھ کھڑے ہوئے اور بغیر ناشتہ کے ہی چلدئے اور مجھ سے فرمایا کہ تیرے گھر میں تو کھانا مل ہی جائے گا؟ میں یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا کیونکہ یہ بات ذہن میں تھی کہ حضرت دوپہر کا کھانا گاؤں میں تناول فرما کر گنگوہ تشریف لائیں گے اور حضرت نے بھی اپنا پروگرام اسی طرح طے فرمایا تھا اسی لئے

پہلے سے گھر میں کھانے کی کوئی خاص تیاری اور انتظام نہیں کیا تھا، تاہم حضرت بذریعہ کار گنگوہ کیلئے روانہ ہو گئے میرے پاس اپنی ایک پرانی سائیکل تھی جس کو میں اس زمانہ میں استعمال کرتا تھا میں اس پر سوار ہو کر حضرت کے پیچھے پیچھے چلا اور تقریباً ساتھ ساتھ ہی گنگوہ پہونچ گیا۔

حضرت مدنی اور اکثر اکابر کا اس زمانہ میں یہ معمول تھا کہ جب گنگوہ تشریف لاتے تو اولاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پرنواسے حضرت مولانا ایوب صاحب کے یہاں قیام فرماتے کسی اور جگہ جانا ہوتا تو اس کے بعد جاتے، چنانچہ حضرت مدنی حسب معمول مولانا ایوب صاحب کے مکان پر پہونچ گئے، ادھر میں نے ایک طالب علم بڑی تیزی کے ساتھ گھر دوڑایا کہ جلدی معلوم کر کے آؤ کہ رات کا بچا ہوا کچھ کھانا رکھا ہے یا نہیں، گھر سے جواب ملا کہ رات کا بچا ہوا کھانا رکھا ہے بس میری جان میں جان آ گئی، چونکہ رات میں حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب کی آمد پر پلاؤ تیار کرائی تھی میں نے جلدی سے اس کو گرم کرایا، اُدھر حضرت مولانا ایوب صاحبؒ بہت متفکر تھے کہ حضرت کی دفعۃً آمد پر کیا کھانا تیار کرایا جائے، چنانچہ وہ ابھی اسی شش و پنج میں تھے کہ میں پلاؤ گرم کرا کے مولانا ایوب صاحب کے مکان پر پہونچ گیا مولانا موصوف بے حد خوش ہوئے اور راحت کی ٹھنڈی سانس لی، دسترخوان بچھا دیا گیا اور حضرت کھانے کیلئے بیٹھ گئے کھانا تناول کرنے کے دوران مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ارے وہاں تو تو بولا نہیں اور یہاں اتنی جلدی کھانے کا انتظام بھی ہو گیا، میں نے عرض کیا حضرت رات یہ پلاؤ مولانا حفظ الرحمان صاحب کے لئے بنوائی تھی لیکن میں یہ جواب دینے کے بعد سوچ

میں پڑ گیا اور تعجب کرنے لگا کہ حضرت نے کیسے تاڑ لیا کہ کھانا میں لایا ہوں جبکہ دستر خوان تو مولانا ایوب صاحب کا ہے اور حضرت نے بلا کسی شبہ کے پورے یقین کے ساتھ کیسے فرما دیا کہ وہاں تو تو بولا نہیں اور یہاں اتنی جلدی کیسے انتظام ہو گیا؟۔

سچ ہے کہ اولیاء اللہ خداداد فراستِ ایمانی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اس نورِ ایمان کی روشنی میں وہ بہت ساری ان باتوں کو ایسے دیکھ لیتے ہیں جیسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اسی لئے حدیثِ پاک میں وارد ہوا ہے: اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله (ترمذی شریف) اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں کشف والہام سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ان کو دوسروں کے قلب ودماغ کی بات ایسے صاف نظر آتی ہے جیسے دوسرے لوگوں کو اپنی صورت آئینہ میں نظر آتی ہے، پھر حضرت شیخ الاسلامؒ کی بصیرتِ ایمانی تو جس قدر بڑھی ہوئی تھی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، حضرت شیخ الاسلامؒ نے کھانے سے فارغ ہو کر جمعہ کی تیاری فرمائی اور جمعہ کے بعد حضرت کا نہایت ہی ولولہ انگیز پر مغز اور مؤثر بیان ہوا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی خدمت

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مولانا ایوب صاحبؒ کے یہاں اکثر وبیشتر تشریف لاتے رہتے تھے، مہینہ میں ایک مرتبہ اور کبھی تو بیس ہی دن میں تشریف آوری ہوتی تھی تو میں ہر موقعہ پر حاضر ہو کر خدمتی امور انجام دیتا تھا، مثلاً دستر خوان بچھانا، دروازہ سے طعام لیکر دستر خوان پر رکھنا، پانی کا گھڑا اٹھانا، گلاس میں پانی بھر کر رکھنا اور بوقت طلب پانی پیش کرنا، بول وبراز کی ضرورت ہوتی

توڈھیلے اور پانی کا لوٹا رکھنا، نیز پھر وضو کیلئے پانی رکھنا، بعد وضو تولیہ پیش کرنا، ہاتھ میں ٹوپی دینا، سردی کا زمانہ ہوتا تو عمامہ اور جبہ مبارک پیش کرنا اور پوری تیاری کے بعد حضرت کے ساتھ نماز باجماعت پڑھنے کے لئے جانا، حضرت کو اس بات کا خاص اہتمام تھا کہ مسجد جاکر نماز پڑھیں حالانکہ مسجد اونچی تھی کئی سیڑھیاں چڑھنی پڑتی تھیں، حضرت کے ساتھ ساتھ مسجد جاتا اور نماز جماعت سے پڑھتا، بحمد اللہ بندہ کو حضرت کی ان خدمات کا شرف حاصل ہوا اور حضرت کی توجہاتِ کاملہ نصیب ہوئیں جو میری زندگی اور مدرسہ کی ترقی میں رنگ لائے بغیر نہ رہ سکیں، حق تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے بھر دے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔

مذکورہ بالا خدمات کا شرف حاصل ہونے میں جناب مولانا ایوب صاحب گنگوہیؒ کا خصوصی تعاون رہا، وہ بھی میرے ساتھ بہت ہی شفقت ورحمت کا معاملہ فرماتے تھے، ان کے والد گرامی قدر جناب حافظ محمد یعقوب صاحب حضرت گنگوہیؒ کے نواسے تھے میں نے سات سال تک انہیں کی کرم فرمائیوں اور مہربانیوں کی بدولت انکی مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنایا، وہ اپنی قلبی محبت کی وجہ سے مجھے کسی طرح بھی نہیں چھوڑتے تھے، انکی وفات کے بعد دوسری مساجد میں سنانے کا موقعہ ہوا بڑے ہی مہربان تھے، کبھی کبھی اپنے گھر پر بلا کر مجھکو رس کی کھیر کھلاتے اور چائے کا اہتمام کرتے، کبھی کبھی تو میرے انتظار میں چائے نوش نہ فرماتے اور کھانا نہ کھاتے تھے، اللہ تعالیٰ موصوف کو جنت میں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی مدرسہ اشرف العلوم میں بار بار تشریف آوری ہوئی خصوصاً سالانہ اجلاس کے موقعہ پر اکثر وبیشتر آپ جلسہ کو رونق بخشتے تھے اور اپنے

گراں قدر وعظ اور بیش بہا خطاب سے لوگوں کو مستفیض فرماتے تھے، مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بروقت شدید اعذار پیش آنے کی وجہ سے آپ کی تشریف آوری نہ ہو پاتی تھی، جب کبھی ایسا ہوتا آپ معذرت نامہ تحریر فرماتے اور تواضع جو آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی آپ کی تحریر سے عیاں ہوتی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں جلسہ کے عین موقعہ پر آپ کو شدید مرض لاحق ہوا جسکی وجہ سے آپ تشریف نہ لا سکے آپ نے معذرت پر مشتمل تحریر روانہ فرمائی۔

حضرت مدنیؒ کا ایک گرامی نامہ

تقدیر الٰہی ہی غالب رہتی ہے

(۱) محترم المقام زید مجدکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک! مجھے سخت افسوس ہے کہ میں گنگوہ اس وقت حاضر نہ ہو سکا باوجودیکہ میں دوشنبہ اور سہ شنبہ کو بیمار ہو گیا تھا دو قے اور چھ سات دست آئے اور اسکی وجہ سے بہت ضعف ہو گیا تھا، ڈاکٹری دوائیں کل تک استعمال کرتا رہا مگر آپ کے نمائندہ مولوی حافظ شبیر احمد صاحب کے آنے پر پختہ ارادہ کر کے روانہ ہو گیا تھا، یہاں لوگوں کا اصرار تھا کہ موجودہ حالت میں تجھکو نہ جانا چاہئے مگر میں ایفاء وعدہ کرنا چاہتا تھا افسوس کہ وہ تانگہ جسکو حافظ شبیر احمد صاحب لائے تھے نہایت ہی خراب تھا باوجودیکہ گاڑی میں پندرہ منٹ باقی تھے وہ راستہ میں ہی نہایت سست چلا قدم قدم پر ٹھہرتا تھا، راستہ ہی میں صدر چوکی کے کچھ آگے تھا کہ گاڑی آگئی تیز چلنے کی جب تاکید کی گئی اور چلایا گیا تو یک بارگی پہیہ نکل گیا گھوڑا گر گیا اگرچہ کسی کو

خدا کے فضل سے چوٹ نہ آئی، مگر اس قدر تاخیر ہوگئی کہ گاڑی چھوٹ گئی پھر ہم لاری کے اڈہ پر گئے مگر وہاں پونے چار بجے پہونچے تو معلوم ہوا کہ پونے پانچ بجے تک انتظار کرنا ہوگا اس لئے بمجبوری ارادہ فسخ کرنا پڑا، میرا عذر اراکین مدرسہ سے ذکر کردیں اور معافی کی درخواست کردیں، چونکہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دوسرے حضرات پہونچ گئے ہیں اس لئے میری غیر حاضری سے جلسہ میں کوئی نقصان نہیں ہوسکتا۔

تقدیر الٰہی پر تدبیر غالب نہیں ہوتی جملہ اراکین مدرسہ سے سلام مسنون عرض کردیں، والسلام۔

ننگ اسلاف: حسین احمد غفرلہ
۲۷ رشوال ۷۲ھ؁

ایفائے وعدہ کا اہتمام

(۲) اس طرح ایک اور اجلاس کے موقعہ پر آپ کو شدید عذر پیش آیا آپ کی طبیعت بے حد ناساز تھی آپ نے اس کے باوجود کوشش کی مگر کارگر نہ ہوسکی، چنانچہ میں اشرف العلوم کے سالانہ جلسہ کی تاریخ کی تعیین کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے جمعرات کا دن مقرر فرمایا میں نے یہاں آکر قرب وجوار کے قصبہ میں سالانہ جلسہ اور اس میں حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری کی اطلاعات اعلانات لوگوں میں کرادیئے اور حضرت کو لینے کیلئے دیوبند پہونچ گیا، برسات کا موسم تھا نماز ظہر سے قبل حضرت سے ملاقات ہوگئی ملاقات کے بعد حضرت کو اشرف العلوم کے جلسہ کی تاریخ یاد دلائی، حضرت نے فرمایا ہاں ضرور چلوں گا، دریں اثنا حضرت سے میں بات ہی کررہا تھا کہ سامنے والے حجرہ

سے مولانا قاری سید اصغر صاحبؒ خادم خاص حضرت مدنیؒ آگئے اور مجھے بات کرتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ حضرت کو بخار ہے اور حضرت کی طبیعت ناساز ہے، انہوں نے کہا کہ اتنا بھی خیال نہیں کرتے اور حضرت کو لینے کے لئے آگئے، پھر وہ حضرت مدنیؒ سے مخاطب ہوئے اور بہت ہی سخت مگر ہمدردانہ لہجہ میں کہا کہ آپ گنگوہ نہیں جائیں گے آپ کی طبیعت خراب ہے آپ کی طبیعت خراب ہے دو تین مرتبہ دہرایا، مگر حضرت نے ان کے یہ جملے سننے کے بعد فرمایا کہ انہوں نے جلسہ کا انتظام کر رکھا ہے اور میں نے وعدہ کر رکھا ہے اس کا کیا ہوگا؟ لوگ یوں کہیں گے کہ وعدہ کرتے ہیں مگر اس کو پورا نہیں کرتے، مگر وہ بار بار محبت میں یہی کہتے رہے کہ حضرت آپ کی طبیعت خراب ہے عذر تو ہو ہی جاتا ہے اور آپ کو تو واقعی عذر ہے، اس گفتگو کی وجہ سے نماز میں بھی پانچ سات منٹ کی تاخیر ہوگئی، حضرت مسجد میں نماز کیلئے تشریف لے گئے نماز کے بعد مجھ سے فرمایا کہ تانگہ لے آؤ، میں تانگہ کی تلاش میں نکلا اس وقت تمام تانگے اسٹیشن جا چکے تھے پھر میں جامع مسجد تک تانگہ سواری کی تلاش میں گیا وہاں صرف گھوڑا بگی تانگہ ملا جو کمزور قسم کا تھا میں اس کو لے آیا اور آکر حضرت کو اطلاع کردی کہ حضرت تانگہ آگیا حضرت شیروانی پہن کر اندر سے تشریف لائے اور تانگہ میں بیٹھ کر ہم لوگ اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے، حضرت مدنیؒ پیچھے کی سیٹ پر بیٹھے میں اور مولانا اسعد مدنی صاحب آگے کی سیٹ پر بیٹھے، تانگہ چلا تانگہ ابھی بازار ہی میں تھا کہ ٹرین کے آنے کی آواز کانوں میں پڑی تانگہ والے نے ذرا تیز بھگانا شروع کیا تانگہ جب حکیم محمد عمر صاحب مرحوم کی مسجد کے قریب پہونچا تو گاڑی نے روانگی کی سیٹی دیدی تانگہ والے نے اور تیز بھگانا چاہا

مگر گھوڑا ایک دم گر گیا، ہم دونوں چونکہ آگے تھے اس لئے ہم دونوں کو معمولی سی چوٹ لگی اور حضرت بحمد اللہ محفوظ رہے، ادھر اسٹیشن سے ریل گاڑی روانہ ہوگئی، حضرت نے فرمایا گھر چلو چنانچہ ہم لوگ گھر کی طرف واپس ہوئے، حضرت اندر گھر میں تشریف لے گئے اور میں عجیب مایوس کن حالت میں باہر کھڑا رہ گیا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی اسلئے کہ رات میں جلسہ ہونا ہے لوگ قصبہ ودیہات سے شریک اجلاس ہونے والے ہیں اور حال یہ ہے کہ اب گنگوہ کے لئے میری واپسی کا راستہ نظر نہیں آتا، کیونکہ اس زمانہ میں سہارنپور آنے کے لئے بسیں نہیں چلی تھیں ٹرین ہی واحد ذریعہ تھا وہ جا چکی تھی، پھر میں نے ٹیکسی والے کو تلاش کیا مگر وہ بھی نہ ملا اس لئے کہ ٹیکسیوں کا بھی اس وقت زیادہ رواج نہیں پڑا تھا، بالآخر مایوس ہوکر بعد نماز مغرب سہارنپور روڈ پر آکر کھڑا ہوگیا اس خیال سے کہ شاید کوئی سواری مل جائے اور میں کسی طرح گنگوہ پہونچ جاؤں، کافی دیر بعد ایک ٹرک آیا میں اس میں بیٹھ کر سہارنپور پہونچا سہارنپور سے آخری بس مل گئی اس میں بیٹھ کر گنگوہ پہونچ گیا، برسات کا موسم تھا یہاں گنگوہ میں بارش ہورہی تھی جسکی وجہ سے جلسہ کا سارا نظام بگڑ گیا تھا، پھر اگلے دن صبح کو جلسہ کی دوسری نشست ہوئی اور جلسہ کا پروگرام نمازِ جمعہ سے قبل پایۂ اختتام کو پہونچا۔

ع
پھر بھی آئیں گے گر خدا لایا

جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں حضرت مدنیؒ کا آخری ورودِ مسعود

سالانہ جلسہ کا پروگرام تو حالات واعذار کی نذر ہوگیا تھا مگر ڈیڑھ دو ماہ بعد حضرت شیخ الاسلام گنگوہ اپنے پروگرام سے تشریف لائے حسب معمول آدابِ

ملاقات وشرف نیاز حاصل کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت نماز عشاء مدرسہ میں ادا فرمالیں اور بعد نماز چند دعائیہ کلمات ارشاد فرمادیں، میری اس درخواست پر حضرت نے فوراً فرمایا ہاں ہاں تیرا قرض بھی تو میرے ذمہ باقی ہے، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت نے اس ناچیز کو کس قدر یاد رکھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اپنے چھوٹوں پر بڑی توجہ فرماتے اور حسب موقعہ اس کا اظہار بھی فرمادیتے تھے، تاہم آپ مدرسہ تشریف لائے اور بعد نماز عشاء حضرت نے موعظت ونصیحت کے کلمات ارشاد فرما کر دعاء فرمائی۔

حضرت مدنیؒ کے جنازہ میں شرکت

حضرت کو مسلسل جدوجہد، اسفار کی کثرت، اجلاسات کی شرکت نے عوارض جسمانیہ میں مبتلا کر دیا تھا، انتقال سے دو سال قبل یہ حالت ہوگئی تھی کہ تھوڑی دور پیدل چلنا دشوار تھا اس کے باوجود آپنے ایک دینی جلسہ کی شرکت کیلئے مدراس کا سفر کیا، وہاں آپ کو قلب کا عارضہ پیش آیا تو سفر مختصر کر کے جلد واپس تشریف لے آئے، اس سفر میں طبیعت اس قدر خراب ہوئی تھی کہ آئندہ سفر جاری رکھنا سخت نقصان دہ تھا زیادہ تقریر کرنے اور چلنے سے سانس پھولنے لگتا تھا، جب یہ حالت ہوگئی تو ڈاکٹروں نے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا اور زیادہ چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی اور ڈاکٹروں نے کھڑے ہونے سے منع کیا مگر آپ نے ان کی بات نہ مانی اور مہمان خانہ میں باجماعت نماز ادا فرماتے رہے، کچھ دن بعد آپکی حالت بہتر ہوگئی مگر اچانک دوبارہ تنفس کا حملہ ہوا معالجین نے اپنا علاج

شروع کیا مگر مرض کی شدت بڑھتی چلی گئی اور کمزوری اس قدر آ گئی تھی کہ سہارے
کے بغیر اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے، اسی دوران شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ
تشریف لائے تو حضرت نے فرمایا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی وہیں سے دعاء
فرمادیتے، شیخ صاحب نے فرمایا کہ خدا آپ کا سایۂ مبارک قائم رکھے مجھے کوئی
تکلیف نہیں ہوئی، حضرت شیخ زکریاؒ ڈاکٹر برکت علی کو ساتھ لائے تھے انہوں نے
حضرت کا پون گھنٹہ معاینہ کیا اور بڑی حیرت کے ساتھ کہا کہ حضرت زندہ کیسے ہیں؟
ان کے اعتبار سے زندہ رہنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی، وصال سے تین دن
قبل آپ بصحت معلوم ہوئے اور یہ خیال ہوا کہ اب صرف کمزروی باقی ہے، مگر تین
دن بعد آپ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ گفتگو کرنے کے بعد بستر پر لحاف اوڑھ کر لیٹ
گئے اور کروٹیں بدلنے لگے زبان پر اللہ اللہ جاری تھا، عرض کیا گیا کہ حضرت کچھ
تکلیف زیادہ ہے؟ فرمایا ہاں بھائی ذرا اٹھا دو سہارا دیکر اٹھا دیا گیا، آپ نے پانی
طلب فرمایا پانی پلایا گیا پھر آپ نے کچھ علمی گفتگو کرنے کے بعد فرمایا مجھے لٹا دو آپ
لیٹ گئے اور صبح نماز فجر آپنے اول وقت ادا فرمائی اشراق تک وظائف میں مشغول
رہے، جب اچھی طرح دن نکل آیا تو آپ نے صحن میں آنے کی خواہش ظاہر فرمائی
آپ کو صحن میں چارپائی پر لٹا دیا گیا بارہ ۱۲ ربجے شربت کے چند گھونٹ پئے اور ٹیک
لگا کر بیٹھ گئے، اہلیہ محترمہ نے کہا آپ لیٹ جائیے آپ لیٹ گئے اور حضرت مولانا
اسعد صاحب بدن دبانے لگے، حضرت مولانا اسعد صاحب نے دیکھا کہ حضرت
سو گئے تو وہاں سے آہستہ آہستہ ہٹ گئے اور ہر دس منٹ بعد کمرہ میں کوئی نہ کوئی آتا
جاتا رہا، جب اڑھائی بج گئے تو آپ کو اُٹھانا چاہا مگر بدن میں کوئی حرکت پیدا نہیں

ہوئی گھبراہٹ ہوئی، حضرت مولانا اسعد صاحب کو بلایا گیا آپ آئے نبض دیکھی تو ساکت تھی، مولانا اسعد صاحب مولانا اصغر صاحب وغیرہ حضرات نے خوب اچھی طرح دیکھا موت کے بالکل آثار نہیں، نہ چہرہ پر مردنی ہے، نہ روح کے پرواز کرنے کی علامتیں ہیں سب حیران تھے، ڈاکٹر کو بلایا گیا اس نے دل پر آلہ لگا کر دیکھا تو دل کی دھڑکنیں بند ہو چکی تھیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جان کر منجملۂ خاصان مے خانہ مجھے
مُدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

تمام اہم مقامات پر بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی ہم کو عصر کے وقت ہی حضرت کے وصال کی خبر مل گئی تھی، میں علی الفور حضرت مولانا ایوب صاحب گنگوہی کو لیکر دیوبند روانہ ہو گیا تھا، تجہیز و تکفین میں جلدی کی گئی بعد مغرب ہی غسل کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں غسل دینے والے حضرات میں حضرت شیخ زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا عبدالاحد صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند مولانا راشد حسن عثمانی صاحبؒ نبیرہ حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ حضرات شریک تھے، جنازہ رات آٹھ بجے ہی تیار ہو گیا تھا، جنازہ کی چارپائی میں لمبی لمبی بلیاں باندھی گئی تھیں تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جنازہ اٹھانے کی سعادت حاصل ہو سکے، لوگ ٹرینوں، بسوں، ٹیکسیوں اور ٹیمپوؤں کے ذریعہ بڑی تعداد میں دیوبند پہونچے، مجمع اس قدر زیادہ تھا کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، جنازہ احاطۂ مولسری لیجانے میں ۵۰ منٹ کا وقت لگا، آخری دیدار کیلئے آپ کا جنازہ دارالحدیث میں رکھا گیا، حضرت شیخ زکریاؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

چراغ محمدی میں لکھا ہے کہ انتقال کے بعد حضرت شیخ زکریاؒ تشریف لائے

حضرت کی پیشانی کو بوسہ دیا تو ایسا پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ کر رہ گیا، پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں جنازہ قبرستان قاسمی میں لایا گیا اور آپ کو شیخ الہندؒ کے قریب میں دفن کیا گیا۔

اس طرح یہ شیخ الہندؒ کا وفادار اور مخلص شاگرد جو سفر وحضر میں، مصیبت وتکلیف میں، ان کے کام وکاز میں، ان کے عزم وارادہ اور منصوبہ کی تکمیل میں اور ان سے حاصل کردہ امانت کی اشاعت میں ہمیشہ اپنی جان، مال، وقت قربان کرتا رہا اور دیوبند سے لیکر مالٹا تک اور ہندوستان سے حرمین تک ہمیشہ ساتھ دیتا رہا، بالآخر آخرت کی منازل میں بھی رفاقت اختیار کر گیا اور اپنے محبوب استاذ کے ہی قرب میں آرام کرنے کیلئے ہمیشہ ہمیش کیلئے لٹا دیا گیا، اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

جان دیدی ہی جگر نے پائے زلفِ یار پر
مدتوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت والد صاحب قدس سرہ فرماتے تھے: بندہ کے ساتھ حضرت کا زندگی بھر بے حد مشفقانہ والہانہ تعلق رہا، جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں حضرت کی بار بار تشریف آوری ہوئی، دعائیں دیں، ہمت بندھائی، دار قدیم کا سنگ بنیاد رکھا، حضرت کی یادگار میں مدرسہ میں کتب خانہ قائم ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار مختلف علوم وفنون کی کتابیں موجود ہیں، حضرت شیخ الاسلامؒ کے سلسلہ میں مدرسہ کی روئیداد میں بسال وفات حضرت والد صاحبؒ نے اس طرح لکھ کر اپنے غم وافسوس کا اظہار کیا:

تازہ صدمہ

اب حسین احمد نہیں ہیں گو ہمارے درمیاں لیکن ان کا فیض روحانی تو ہے رحمت فشاں
وہ حسین احمد یہاں تھے کل جو محبوب نظر آج ہیں بامِ حقیقت کی فضا میں جلوہ گر

علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا، علمی وعملی دُنیا بلکہ تمام عالم سوگوار ہے اور ارباب فضل وکمال غم والم کے عمیق سمندر میں ڈوب گئے، شیخ الاسلامؒ کی موت نے ہم جیسے کمزور انسانوں کی کمر ہمت توڑ دی، حضرت شیخ سراپا شفقت ومحبت تھے وسعت علم میں اپنی مثال آپ تھے، پھر حافظہ کی بے پناہ قوت، قدرتی ذکاوت اور طبعی ذہانت بھی از بس تھی، جن لوگوں کو آپ سے ملاقات کا موقعہ ملا ہے وہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت شیخ میں دین کا کیسا مخلصانہ جذبہ تھا، علم میں اگر آسمان کی سی وسعت کے مالک تھے تو عمل میں سمندر کی گہرائی رکھتے تھے، حمیت وغیرت کا جیسا جوش وتلاطم تھا اس کی مثال اب کم ہی دیکھنے میں آئیگی ۔

برون بینم اوصافِ شیخ از حساب نگنجد دریں نامۂ مختصر ہمچناں

ایسے موقعہ پر سخت کمی ہوگی اور اس روداد میں ایک خاص نقص ہوگا جو یہ ظاہر نہ کیا جائے کہ سالانہ اجتماع میں خصوصاً وقتاً فوقتاً عموماً مدرسہ اشرف العلوم رشیدی قصبہ گنگوہ کو حضرت شیخ اپنے فیوض وبرکات سے مستفیض فرماتے تھے، نیز مجاہد جلیل عالم کبیر حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے وطنِ مالوف ہونے کے باعث بیحد شفقت وکرم اور خاص وابستگی رکھتے تھے کہ یہ مقام علم وعمل سے خالی نہ رہے، حضرت شیخ نے ۱۲؍ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بوقت ۳ ربجے شام دیوبند ہی میں انتقال فرمایا اور ان کے بعد ہمارے لئے ان کے اخلاص ومحبت اور نیکی اور نیکوکاری کی صرف یاد باقی رہ گئی ہے، ہم خدامان وکارکنان مدرسہ ہذا دعا گو ہیں اور اپنے دوستوں سے دعائے مغفرت کے طلبگار ہیں کہ حق تعالیٰ حضرت شیخ مرحوم کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے اور رحمت الٰہی حیاتِ اُخروی میں ان کی دستگیر

ہو اور ان کے متعلقین صبر اور زندگی کا حوصلہ پائیں آمین ثم آمین۔

ناشر

شریف احمد

ناظم مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مدنیؒ کے تعلق سے کچھ اشعار یہاں ذکر کردیے جائیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

وہ شیخ الہند محمود الحسن کی آنکھ کا تارا　وہ نور عینِ امداد و رشید قطبِ ربانی

رسول اللہ کا وارث ولی اللہ کا وارث　وہ فخر خاندانِ قاسمی وہ شیخِ ربانی

وہ شمس علم و حکمت جس سے عالم ہوگیا روشن　عجم میں جس کی تنویریں عرب میں جس کی تابانی

وہ شیرِ بیشۂ اسلام وہ مستانۂ وحدت　وہ جس کی گونج سے دُشمن کا پتہ ہوگیا پانی

حسین احمد اسی قدسی صفت کا نامِ نامی ہے　اسی پر آج ہے اتمام نعمت ہائے ربانی

اسیر مالٹا وہ یاد گار احمد حنبل　اسیر قیدِ زنداں ہوگیا وہ یوسفِ ثانی

دبانے سے نہیں دبتے یہ حُریت کے متوالے　کہیں روکے سے رُکتی ہے سمندر کی بھی طغیانی

کبھی مردانِ غازی غیر حق سے ڈر نہیں سکتے　یہی وہ ہیں جو کرتے ہیں فقیری میں بھی سلطانی

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی تلوار ہاتھوں میں　نظر آجائے سِیْمَاھُمْ جو کوئی دیکھے تو پیشانی

تَرَاھُمْ رُکَّعاً او سُجَّداً فی اللّیل رھبان　شعارِ زندگانی ابتغاءِ فضلِ ربانی

صحابہؓ کا نمونہ اور رسول اللہؐ کا اُسوہ　انہیں دیکھو کہ ہیں یہ منظرِ آیات قرآنی

حسین احمد کے حصّے کا پلاؤ کھانے والوں کو　تن آسانی تو آسان ہے مگر مشکل ہے قربانی

خدا کی راہ میں مر مٹنے والوں سے کوئی پوچھے　کہ قید و بند میں ہیں کیسی لذت ہائے روحانی

(چراغ محمدؐ ص ۳۷۰)

یہاں تک حضرت مدنیؒ کے تعلق کے واقعات کا کچھ تذکرہ ہوا ہے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کے جو دوسرے اساتذہ تھے اب ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے جن کا اجمالاً ذکر شروع میں آچکا ہے جہاں آپ کے اسباق کا ذکر آیا تھا۔

آپ کے دیگر اساتذۂ ذیشان

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مفسر قرآن دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دارالعلوم کے مشہور استاذ محدث ومفسر اور بڑے خطیب وواعظ تھے، اگر خاص امت یعنی طالبان علوم نبوت کو درس وتدریس کے ذریعہ عوام الناس کو جلسوں میں وعظ وبیانوں کے ذریعہ سے آپ کی ذات سے بہت زبردست فائدہ پہنچا، حضرت والد صاحبؒ کو اپنے استاذ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب سے بھی خاص لگاؤ تھا، راقم الحروف کو یاد آتا ہے کہ حضرت والد صاحبؒ مجھ کو اپنے ساتھ دیوبند لیجایا کرتے تھے اور حضرت مولانا کے مکان پر ان سے ملاقات کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا بھی بہت شفقت وعنایت فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے جلسہ میں آپ بکثرت تشریف لایا کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے، چنانچہ اپنے ایک معائنہ میں اس طرح لکھتے ہیں:

گنگوہ ایک تاریخی قصبہ ہے

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حامداً ومصلیا: احقر فخر الحسن مدرس دارالعلوم دیوبند حضرات اکابر کی

ہر کا بی میں قصبہ گنگوہ حاضر ہو، بالخصوص حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم قابل ذکر ہیں، مدرسہ اشرف العلوم قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور ایک ایسا ادارہ ہے جہاں قرآن ناظرہ وحفظ قرآن پاک وتجوید قرآن پاک سے لیکر عربی کی اونچی کتابیں، مثلا جلالین شریف ہدایہ اولین وغیرہ اس مدرسہ میں پڑھائی جارہی ہیں، قابل اساتذہ کا مجمع ہے، تعلیمی حالت کے پیش نظر طلبا کا اچھا خاصہ اجتماع رہنے لگا، تو جناب عزیز محترم مولانا قاری شریف احمد صاحب مہتمم مدرسہ نے ایک دارالطلبہ اور ایک بڑی مسجد کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ۲۰ رجنوری ۱۹۷۲ء کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مسجد مدرسہ کا سنگ بنیاد ایک عریض ووسیع میدان میں رکھا، گنگوہ ایک تاریخی قصبہ ہے جہاں نامور علماء اور ائمہ طریقت واصلاح پیدا ہوئے ہیں، اسکے عوام وخواص سے ضلع سہارنپور خصوصاً اور تمام مخلص مسلمانوں سے عموما گزارش ہے کہ وہ مدرسہ کی مسجد اور مدرسہ کے دارالاقامہ کی پوری پوری مدد فرمائیں اللہ تعالی مدد کرنے والوں کی مدد فرمائے آمین۔

فخر الحسن غفرلہ دارالعلوم دیوبند

یکم رجب ۱۳۹۵ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۷۲ء

اور اگر کبھی جلسہ میں آنا نہ ہوتا تو اس پر افسوس کے ساتھ معذرت کرتے چنانچہ اس سلسلہ کے دو خط یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

عزیز مکرم زاد مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے جلسہ کی شرکت اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتا ہوں، لیکن امسال اپنے بعض اعذار کیوجہ سے حاضر نہ ہوسکوں گا معذور خیال فرمائیں۔ نورالحسن سلمہ سلام عرض کرتے ہیں، فقط والسلام۔

احقر فخرالحسن غفرلہ

۲۶/۱/۱۹۷۶ء

باسمہ تعالیٰ

عزیز مکرم زیدت معالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے اپنی غیر حاضری پر کسی جلسہ میں افسوس نہیں ہوتا سوائے گنگوہ کے اجتماع کے، نہایت افسوس ہے کہ میری ۴/مارچ دوسری جگہ دی جاچکی ہے جسکی وجہ سے حاضری سے معذور ہوں اور متاسف ہوں، اللہ تعالیٰ آپکے جلسہ کو کامیاب فرمائیں، مولوی نورالحسن سلمہ آپ کی خدمت میں سلام مسنون عرض کرتے ہیں۔

احقر فخرالحسن غفرلہ دارالعلوم دیوبند

۵/رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ کے متعلق تاریخ دارالعلوم دیوبند میں اس طرح لکھا ہے کہ " آپ ۱۰/رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء کو اپنے آبائی وطن قصبہ عمری ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے اور مختلف مدارس میں آپ نے پڑھا، یہاں تک کہ ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوئے پھر فراغت کے بعد مختلف مدارس میں پڑھایا یہاں تک کہ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم میں طبقۂ علیاء کے ایک مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا اور

مسلم شریف، بیضاوی شریف آپ کے خاص اسباق رہے اور آپ کا درس تقریر تفسیر الحاوی مشہور و معروف ہے اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل ہے'' وفات ۱۳۹۸ھ اور مزار قاسمی میں تدفین ہوئی۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۶۱/۲۱۹ ج ۲)

بندہ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا کے صاحبزادہ مولانا نورالحسن صاحب والد صاحبؒ کے ساتھ بہت گہرا ربط رکھتے تھے اور برابر گنگوہ آتے رہتے تھے اور والد صاحبؒ بھی ان کے یہاں جایا کرتے تھے، دیوبند میں ان کا کتب خانہ فخریہ کے نام سے چلتا تھا، راقم السطور نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کے یہاں سے ان کے کتب خانہ کی مطبوعات خریدی تھی اور ان کے پاس جانا آنا رہتا تھا، مولانا نورالحسن مرحوم بھی اپنے والد کی طرح ایک کریم الاخلاق انسان تھے، بندہ نے جب اپنی پہلی کتاب خیرالکلام فی مسئلۃ القیام لکھی تو مولانا موصوف ہی نے اس کو طبع کرایا تھا، مولانا موصوف کا کئی سال پہلے انتقال ہو چکا ہے اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے آمین۔ آپ کے اساتذہ میں ایک علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ بھی ہیں لہٰذا اب ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ

حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت کے جامع تھے اور علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، چنانچہ تاریخ دارالعلوم ص ۱۰۴ میں لکھا ہے'' مولوی محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ تمام علوم میں کامل الاستعداد تھے،

معقول وفلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے تھے، فلسفہ و منطق اور کلام کے انتہائی اسباق صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، امور عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے تھے، طلباء کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا تھا، نہایت خوش تقریر تھے، غرض یکہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت ووقعت حاصل کرنے والے مدرس تھے''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

حضرت علامہ بلیاویؒ ہر علم وفن خصوصاً علم کلام وعقائد میں یگانۂ روزگار تھے، انہوں نے تفسیر وحدیث، عقائد وکلام اور دوسرے علوم کی جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، ان کے درس وتدریس کی مدت ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ۶۰ رسال ہوتی ہے، طلباء ان کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے تھے اور ان کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے، درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی، درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ لطائف وظرائف دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے میں خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا قصص وحکایات کو مسائل پر اس طرح منطبق کردیتے تھے کہ مسئلے کے تمام پہلو واضح اور منقح ہوجاتے تھے، ان کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری مناسبت ہوجاتی تھی اور ان پر علم ودانش کی راہیں کھل جاتی تھی، وہ اپنے عہد میں عقائد وکلام اور فلسفہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے تھے، حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی گہری نظر تھی، حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ

کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی باوجود اس کے کہ وہ آپ کے شاگرد تھے، آپ کی تفصیلی حیات پر راقم السطور کے ایک دوست مولانا محمد عمران بگیانوی زید مجدہ نے بنام ''تذکرہ علامہ بلیاویؒ'' مفصل کتاب لکھدی ہے، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، تفصیلی حالات وہاں دیکھنے چاہئے، حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ کا بارہا تذکرہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ کو مٹھائی کھانے کا بہت شوق وذوق تھا اور میں ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔

آپ ۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے اور بہت سے مقامات پر پڑھایا اور ۸۴ رسال کی عمر میں ۲۴ رمضان ۱۳۸۷ھ کی دوپہر کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں دفن کئے گئے، اللہ پاک درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت کے جامع تھے، آپ کے حالات تاریخ دارالعلوم میں اس طرح لکھے گئے ہیں:

دیوبند کے شیوخ خاندان سے تھے، ان کے پردادا مولانا شمس الدین حضرت سید احمد شہیدؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل تھے، مولانا عبدالشکورؒ نے دارالعلوم میں تعلیم پائی اور ۱۳۲۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ صدیقیہ دہلی اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں مدتوں تدریسی خدمات انجام دیں ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تدریس کے لئے ان کا انتخاب

ہوا، شوال ۱۳۶۷ھ میں حجاز چلے گئے اور وہیں مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ میں مدرس مقرر ہوگئے، حجاز میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درس کو بڑی مقبولیت بخشی اور بہت سے عرب طلباء ان کے درس سے فیض یاب ہوئے۔

مولانا موصوف کی شخصیت اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، ایثار وانکسار اور اخلاص وسادگی کا ایک پرکشش مجموعہ تھی، ان کی ساری عمر قرآن شریف کے درس وتفسیر وحدیث نبویؐ کی خدمت میں گزری، قرآن شریف کے جید حافظ تھے، ایسے دل گداز اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے لہجے میں قرأت کرتے کہ سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا، جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۹۶۳ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے پہلو میں مدفون ہیں، اللہ پاک حضرت موصوف کے درجات بلند فرمائے (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۱۱ تا ۱۱۳/ج ۲)۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ علم وعمل، زہد وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت کا پیکر جمیل تھے، آپ کی ولادت باسعادت شہر بدایوں میں ۱۳۰۰ھ مطابق نومبر ۱۸۸۲ء ہوئی، آبائی وطن امروہہ ضلع مرادآباد ہے، ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، دیگر مدارس میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا، آپ کے حالات لکھنے کے لئے جب کتابیں دیکھی گئیں تو ان میں سب سے زیادہ عمدہ اور جامع مافی الضمیر کی صحیح ترجمانی کرنے والی وہ تحریر ملی جو مشہور عالم

فاضل، محدث ومفسر، خطیب وواعظ، علامہ ابن علامہ یعنی انظر ابن انور رحمہما اللہ نے اپنی البیلی کتاب لالۂ وگل میں تحریر فرمائی ہے، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسی کو ذکر کردیا جائے، چنانچہ پہلے وہ تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

''استاذ کل شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے وہ نامی گرامی استاذ جن کی ۴۷ رسالہ زندگی کے ساتھ خدمت علم کی ایسی طویل تاریخ وابستہ ہے جس کی نظیر متاخرین علماء میں کمیاب نہیں بلکہ نایاب ہے، فنا فی اللہ فنا فی الرسول فنا فی الشیخ کے مراتب تو مشہور ہیں لیکن مرحوم ''فنا فی العلم'' تھے، ان کا علمی انہماک دارالعلوم کی خدمت طلباء کے ساتھ شفقت، امانت ودیانت تقوی وتورع بے نظیر تھا، نصف صدی کے قریب دارالعلوم دیوبند کی اس طرح خدمت کی کہ سب کچھ دارالعلوم کو دیا یعنی اپنا شباب، اپنی قوت عمل، اپنے شب وروز، اپنا علم اور اپنا حسن عمل، حضرت علامہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جملہ تلامذہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے بھی شاگرد ہیں، ترجمان دارالعلوم کی ایڈیٹری، دارالافتاء کی خدمت، اہتمام میں مسند نشینی، نظامت تعلیمات، نیابت صدر مدرسی، خدا جانے کتنے خدمت کے شعبے تھے جنہیں وہ مثالی طور پر انجام دیتے، شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت شاہ صاحبؒ کے خصوصی مستفیدین میں تھے''۔

راقم الحروف کے قلم سے ''تذکرۃ الاعزاز'' اور مولوی عبدالاحد صاحب مونگیری کے قلم سے ''کردار اعزاز'' اور مرحوم کے بھتیجے سابق استاذ دارالعلوم دیوبند مولوی افتخار علی صاحب کی ''سوانح اعزاز'' وہ سوانحی خاکے ہیں جن میں ایک فنا فی العلم

خادم علم وخادم دین کی زندگی پڑھی جاسکتی ہے (ماخوذ از لالہ وگل ص ۸۹)۔

نیز تاریخ دار العلوم دیوبند ص ۹۴ ج ۲ میں اس طرح لکھا ہے:

''فقہ وادب آپ کا خاص فن تھا، آپ جب ابتداءً دار العلوم دیوبند میں تشریف لائے تو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نور الایضاح وغیرہ آپ کو ہی دی گئیں، مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ ''شیخ الادب والفقہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے، عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، حضرت مولانا مدنیؒ کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف کے پڑھانے کا بھی ان کو موقعہ ملا، غرض کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب، علم تفسیر وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر ان کو عبور حاصل تھا، تعلیم کے ساتھ طلباء کی تربیت اور نگرانی کا ان میں خاص ذوق تھا، جس سے طلباء کو بے انتہا فائدہ پہنچا اور آج تک آپ کے شاگرد آپ کو یاد کرتے ہیں، آپ کی پابندیٔ اوقات ضرب المثل تھی اور اوقات درس کی پابندی میں آپ خود ہی اپنی نظیر تھے، حتیٰ کہ بعض اساتذۂ دار العلوم نے درس میں اوقات کی پابندی کا سبق حضرت شیخ الادب ہی سے حاصل کیا۔

بے نفسی اور تواضع میں ید طولیٰ رکھتے تھے، بڑی سے بڑی کتابوں کے درس کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی آپ کو عار نہ ہوتی تھی، ترمذی وبخاری کا درس بھی دے رہے ہیں اور بچوں کو میزان الصرف، علم الصیغہ اور نور الایضاح وغیرہ بھی پڑھا رہے ہیں، آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب طالب علم وہ ہوتا تھا جو یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں لگا رہے اور سب سے زیادہ مبغوض وہ ہوتا تھا جو

غیر تعلیمی مشاغل میں لگ کر پڑھنے میں تساہل کرے۔

انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلم تھی اور وقتاً فوقتاً ادارۂ اہتمام میں بھی آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا تھا، غرض آپ ایک بے نظیر استاذ اور متبحر عالم دین اور ایک جامع شخصیت تھے، دارالعلوم میں آپ کی علمی خدمات کا دور چوالیس برس تک ممتد رہا، آپ نے علمی اعتبار سے بہت بڑا کام کیا، شرح وقایہ، کنز الدقائق، دیوانہ حماسہ، دیوان متنبّی پر حواشی وغیرہ لکھے، نیز درس نظامی کی مشہور کتاب نفحۃ العرب آپ ہی کی تصنیف ہے، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کے علمی کارناموں سے لوگوں کو استفادہ کی توفیق بخشے ۱۳؍رجب بروز چہار شنبہ مطابق ۱۳۷۴ھ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے" (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۹۴؍ج ۲)۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ والہانہ تعلق

حضرت والد صاحبؒ نے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے دارالعلوم میں جلالین شریف پڑھی تھی، حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا درس طویل وعریض تقریر پر مشتمل ہوتا تھا نصف سال میں بمشکل تمام ایک پارہ ہوتا تھا دوران درس علوم ومعارف کی بارش ہوتی تھی آپ کی تقریر کا تسلسل بہتے دریا کا سماں پیش کرتا تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ کو والد صاحبؒ سے قلبی لگاؤ تھا بارہا گنگوہ تشریف لائے مدرسہ کے ساتھ ابتداء ہی سے آپ کو تعلق رہا جو آخر تک چلتا رہا، چنانچہ مدرسہ

۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں قائم ہوا اور تعلیم کا آغاز ہوا، اگلے سال آپ کی تشریف آوری ہوئی اور سب سے پہلا معائنہ مدرسہ کے رجسٹر میں آپ ہی کے قلمِ مبارک کا لکھا ہوا ہے جو پیش خدمت ہے!۔

مدارس روشنی کے مینارے ہیں

معائنہ حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

نحمدہ ونصلی

بسلسلۂ سفر گنگوہ احقر کو آج مدرسہ اشرف العلوم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور مدرسہ کے چند بچوں کا کلام مجید نیز کچھ بچوں کا علمی مکالمہ بھی سنا۔ مدرسہ کی حالت اور تعلیم وتربیت دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، اسوقت مدرسہ میں سو سے اوپر طلبہ تعلیم پا رہے ہیں اور آمد بحمد للہ جاری ہے، آج کے دور جہالت و بے دینی میں ایسے مدارس قرآن شریف حقیقتاً دینی روشنی کے منارے ہیں، تحریر تعلیم ماشاء اللہ عمدہ ہیں، بچوں میں کافی صلاحیت پائی جاتی ہے اور مدرسہ کی رفتار دیکھ کر توقع ہوئی ہے کہ یہ مدرسہ انشاء اللہ تعالی کافی ترقی کریگا، میں نے جہاں تک دیکھا مدرسہ مقدس ہاتھوں میں ہے، جناب حافظ حسام الدین صاحب کی مخلصانہ مساعی اور جد وجہد قابل تحسین وآفریں ہے، جنہوں نے اپنا تمام وقت اسی مقدس کام کیلئے وقف کردیا ہے، حق تعالی اس مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے اور خدام مدرسہ کی مساعی کو قبول فرمائے، مسلمانان گنگوہ کا خصوصا اور عام مسلمانوں کا عموماً دینی فریضہ ہے کہ وہ اس مدرسہ کی ترقی وبہبودی کیلئے دامے، درمے، قدمے، قلمے اعانت وامداد سے دریغ

نہ فرماویں ۔ان اللہ لایضیع اجر المحسنین ۔

محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

۴؍ شوال ۱۳۶۵ھ

اس طرح بارہا جامعہ اشرف العلوم میں تشریف لائے اور خطاب فرماتے، بچوں کا امتحان لیکر معائنہ جات تحریر فرماتے رہے، آپ نے زبان وقلم سے والد صاحبؒ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اشرف العلوم کی تعلیم وتربیت دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ مدرسہ کی رفتار دیکھ کر توقع ہو رہی ہے کہ یہ مدرسہ انشاء اللہ کافی ترقی کرے گا۔ ایک موقعہ پر تحریر فرمایا کہ مدرسہ زیر نگرانی وسرپرستی جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب روز بروز ترقی پذیر ہے، عمارت اور مسجد عالی شان تیار ہو رہی ہے اور فرمایا یہاں کے علماء فضلاء دیوبندی فکر صحیح پر تعلیم دے رہے ہیں نیز آپ نے دعائیں دیں کہ حق تعالیٰ اس مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے ۔حضرت حکیم الاسلام کی یاد میں جامعہ اشرف العلوم کے اندر باب طیب نام سے ایک بڑا دروازہ بنایا گیا ہے جسے دیکھ کر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات محتاج تعارف نہیں تاہم ''مشتِ نمونہ از خروارے'' کے طور پر آپ کی ذات گرامی سے متعلق چند سطور قلمبند کی جاتی ہیں:

حضرت حکیم الاسلام حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی اولاد میں ایک درخشندہ ستارہ تھے، حضرت قاسم صاحبؒ کے علوم ومعارف کے ترجمان، اکابر دیوبند کی نسبتوں کے پاسباں، اسلاف کی خصوصیات کے جامع، حضرت اقدس تھانویؒ کے خلیفۂ اجل، حضرت مدنیؒ کے منظور نظر، ایک

عظیم الشان مشہور شہرہ بین الآفاق ادارہ کے روح رواں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اور بانی، جملہ علوم وفنون کے ماہر، بے نظیر امتیازات وخصوصیات کے حامل، فکر ولی اللہی کے امین اور حکمت قاسمی کے وارث، جماعت دیوبند کے امیر، پاکیزہ کردار، نیک سیرت، حسین صورت، لاثانی خطاب کے مالک انسان تھے، دستِ قدرت نے آپ کو گوناگوں اوصاف سے نوازا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساٹھ سالہ دارالعلوم دیوبند کی زندگی میں بے نظیر خدمات انجام دیں' دارالعلوم میں تدریسی، تعمیری، تصنیفی، تقریری، تحریری، اصلاحی، تبلیغی، ہر شعبہ میں بے مثال نقوش ثبت کئے، آپ کی ذات گرامی کے ہر پہلو پر لکھنے کیلئے ایک دفتر چاہئے، مختصراً چند گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے! مثلاً آپ کی مجلس ہی کو لے لیجئے جو علم وحکمت، شریعت وطریقت، موعظت ونصیحت کا باغیچہ معلوم ہوتی ہے، دین کے ہر شعبہ پر حکیمانہ گفتگو فرماتے، حدیث، فقہ، تفسیر، عقائد کے حقائق ومعارف، شریعت وطریقت کے اسرار ورموز برجستہ نوک زبان آتے، نیز بے شمار حکمت ریز تقریروں وتحریروں کی بناپر قوم نے آپ کو حکیم الاسلام کا خطاب دیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اوصاف عالیہ، خصائل حمیدہ، خصائص حسنہ کا مجموعہ تھے، آپ کے بلند اوصاف میں عالی ظرفی، کریم النفسی، بلند حوصلگی، استقلال واستقامت نمایاں تھی، نیز دلداری وہمدردی، قدرشناسی، خوردنوازی، تعمق نظری، تبحری علمی، ذکاوت وذہانت، حکیمانہ نظر، عالمانہ بصیرت، مؤقرانہ فطرت، طبیعت میں نفاست، عبادت میں استقامت، مذکورہ اوصاف کے ساتھ ساتھ مزاج میں اعتدال اور انتہائی تواضع

کیساتھ متصف تھے، ایک نہایت عظیم الشان خصوصیت جس میں آپ بالکل ممتاز تھے وہ یہ کہ ناگفتہ بہ حالات کے باوجود آپ نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، آپ کے دور میں دارالعلوم نے ہر نوع سے ترقی کی دارالعلوم اپنی عمارات کے اعتبار سے دسیوں گنا وسیع ہوا، علمی، تحقیقی، تبلیغی، اصلاحی، صحافتی اعتبار سے آسمان افق کی بلندیوں پر پہونچا، اس دور میں علماء، صلحاء، فضلاء، مفسرین، محدثین، ماہرین علوم وفنون، مصنفین، مؤلفین، واعظین، مقررین، مبلغین کی جماعت تیار ہوئی جس کا جواب نہیں، حکیم الاسلامؒ نے اس دانش گاہِ اسلامی کا آوازہ پوری دنیا میں پہونچایا اور آپ نے اکابر دیوبند کی دینی وملی خدمات سے عالم کو روشناس کرایا۔

باری تعالیٰ نے آپ کو خطابت کا ایسا جادو عطا کیا کہ جہاں گئے وہاں دیوبند کے پرچم لہرائے، آپ کے مدلل، مکمل، مفصل، دلپذیر، فکر انگیز، انقلاب آفریں خطبات سے اسلامی دنیا فیضیاب ہوئی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں سائنس پر آپ کی تقریر نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھیں کھول دیں، مدینہ منورہ میں واقع مدرسہ العلوم الشرعیہ میں بموقعہ اجلاس عربی کی جامع تقریر ہوئی، بلاشبہ آپ میدانِ خطابت کے بادشاہ اور ماہر شہسوار تھے، گھنٹوں گھنٹوں ایک ہی موضوع پر گفتگو فرماتے اور بیان کا تکرار نہ ہوتا تھا، بیان ایسا تسلسل اور پُر از حکمت باتیں ہوتیں کہ سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا، افریقہ، یورپ، امریکہ میں آپ کے وعظ وارشاد کے فیوض پھیلے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ کو حقیقت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند بنا کر عظیم اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا، آپ کے بے شمار اسفار ہوئے عجب نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آپ کی آدھی عمر سفر میں بسر ہوئی، آپ کی پوری زندگی مخلوقِ خدا کی اصلاح

وتربیت میں گذری، آپ بلند مرتبہ کے شیخ طریقت اور روحانی پیشوا بھی تھے، لاکھوں تشنگان طریق نے آپ سے وابستہ ہوکر فیض حاصل کیا، آپ نے دارالعلوم کی تعلیم وترقی اور اس کو بلند معیار پر پہنچانے کیلئے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا، دارالعلوم کو جامعہ کی روح دینے کیلئے مختلف علوم وفنون حرفتوں کا اضافہ کیا، مختلف موضوعات بیش بہا مضامین لکھے اور اپنے پیچھے علمی دینی تصنیفات کا ایک گراں قدر انبار چھوڑا۔

دارالعلوم کا اجلاس صد سالہ آپ کی طویل خدمات اور بے پناہ محنتوں وقربانیوں کا مظہر جمیل قرار پایا جس کے ذریعہ دارالعلوم کا شہرہ براعظم ایشاء سے نکل کر دوسرے براعظموں افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا تک پہونچا، اجلاس کے دوران دیوبندی مسلمانوں کا ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا، بہت سے سربراہانِ مملکت اور وزراء سلطنت نے اس اجلاس میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی، یہ اجلاس مختلف وجوہ سے بہت سی اہمیتوں کا حامل رہا اور اطراف عالم پر اس کے دوررس اثرات واقع ہوئے، دارالعلوم دیوبند کو مرکزیت کی سند حاصل ہوئی، یہ سب حضرت حکیم الاسلامؒ کی وسیع وعمیق ذہنیت اور فعال ومتحرک شخصیت کی عکاسی تھی، بالجملہ آپ نے بہت کچھ دینی دنیوی کمالات ومراتب حاصل کئے اور نمایاں کارنامے انجام دئے، مگر عمر کے آخری مرحلہ میں بتقدیر خداوندی آپ کو ایک صبر آزما مرحلہ سے گزرنا پڑا جو یقیناً آپ کے بقیہ مراتب اخروی کی تکمیل کیلئے علم خداوندی میں طے تھا، آخرکار آپ اس سے بھی گزر گئے اور وہ وقت آپہونچا جس سے کسی بھی فرد بشر کو فرار نہیں اور آپ ایک انتہائی باعمل اور فعال حیات مبارکہ گزار کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، حق تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں مقامات رفیعہ نصیب

فرمائے، تاہم آپ نے مدرسہ جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں تشریف لاکر طلبہ کی تعلیمی جانچ کی، اس پر آپ نے جو تبصرہ تحریر فرمایا اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ایک موقعہ پر آپ نے جامعہ اشرف العلوم میں آکر ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب فرمایا اس وقت آپ نے جامعہ اشرف العلوم کے متعلق جو تاثرات تحریر کئے ہیں وہ یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

آج بتاریخ ۱۹ ارمئی ۱۹۷۶ء کو مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کے اجلاس میں شرکت کیلئے گنگوہ آیا، مدرسہ کی نئی عمارت میں جلسۂ عام ہوا اور پرانی عمارت میں حفاظِ قرآن کے ختم قرآن کا جلسہ ہوا، ماشاء اللہ مدرسہ زیر نگرانی وسرپرستی جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب روز بروز ترقی پذیر ہے اور مسجد عالی شان تیار ہورہی ہے، بفضلِ الٰہی باقی کے بارے میں امید ہے کہ اہل خیر کی اعانت وامداد سے جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہونچے گا، طلبہ کا رجوع عام ہے، اس وقت الحمدللہ ۱۸ ر مدرسین جو تندہی سے کار تدریس میں مصروف ہیں، دعاء ہے کہ حق تعالیٰ اس مدرسہ کو روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور سب حضرات فکر صحیح پر تعلیم دے رہے ہیں فللہ الحمد اولاً وآخراً۔ محمد طیب غفرلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند ۲۰ رمئی ۱۹۷۶ء

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

آج بتاریخ ۱۸ راگست مطابق ۶/۳ ر ۱۳۸۹ھ مدرسہ اشرف العلوم میں حاضری ہوئی، مدرسہ بحمدللہ آباد اور کار تعلیم میں مصروف ہے، چارسو طلبہ ہیں درجہ قرآن شریف وتجوید

اور صرف ونحو کی مکمل تعلیم ہوتی ہے، اساتذہ الحمدللہ صلاحیت مند اور درد مند ہیں، حق تعالی شانہ معلمین و منتظمین وطلبہ کی توفیقات میں روز افزوں برکت اور ترقی عطا فرمائے آمین۔

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند ۳/۶/۱۳۸۹ھ

الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ .

آج مؤرخہ ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲/ مارچ ۱۹۷۰ء حضرت مہتمم صاحب ونائب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کی معیت میں مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں حاضری کی سعادت میسر آئی، مدرسہ ہذا میں سنین گزشتہ میں حاضری کا موقعہ ملتا رہا ہے الحمدللہ علی ذلک، ہر بار مدرسہ کو مائل بہ ترقی دیکھ کر آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوا، مدرسہ کے مدرسین تعلیم سے جو شغف واخلاص رکھتے ہیں اس سے امید ہے کہ بہت جلد یہ مدرسہ علاقائی طور پر اہم مرکزیت کا حامل بنجائیگا اور ارضِ رشید سے یہ سرچشمۂ علم ودین دور دور تک سبب فیوض رسانی بنجائیگا۔ اللہ تعالی ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور خدمت علم ودین کے لئے زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے آمین۔ احقر محمد سالم قاسمی غفرلہ

مدرس دارالعلوم دیوبند ۲۳/۱۲/۱۳۸۹ھ/۲/۳/۱۹۷۰ء

حضرت مولانا محمد سالم صاحب سلمہ اللہ تعالی نے اس مدرسہ کے متعلق جن تاثرات وتوقعات کا اظہار فرمایا ہے احقر ان سے پوری طرح متفق ہے اور مدرسہ کی ترقی کے لئے دل وجان سے دعا گو ہے۔ عبدالحکیم غفرلہ ۲۳/۱۲/۸۹ھ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے کچھ خطوط گرامی:

رات کے اور دو پہر کے بعد کا وقت نہ رکھا جائے

حضرت محترم زید مجدکم سلام مسنون نیاز مقرون

مدرسہ اشرف العلوم کا دعوت نامہ باعث سرفرازی ہوا، بہ تعمیل ارشاد انشاء اللہ تعالی حاضر ہو جاؤں گا، جمعرات کو کسی وقت آجاؤں گا تا کہ جمعہ کے دن جلسہ میں شریک ہو سکوں، میرا وقت جمعہ سے قبل کا رکھدیا جائے جو صبح کے اول وقت میں ہوتا کہ ٹھنڈے وقت میں ٹھنڈے دماغ سے کچھ عرض کر سکوں، رات کا وقت اور دوپہر کے بعد کا وقت نہ رکھا جائے، جمعہ کے بعد آرام کر کے بعد عصر واپس ہو جاؤں گا، کار سے سفر ہوگا، نیز اجازت دیجائے کہ قیام حکیم صاحب قبلہ کے یہاں ہو، امید کہ آپ بعافیت ہوں گے والسلام۔

محمد طیب از دیوبند ۳/۱۱/۱۳۷۸ھ

دار العلوم کی ممبری کا معیار بلاشبہ اونچا ہے

محترمی ومکرمی زید مجدکم سلام مسنون نیاز مقرون

گرامی نامہ نے شرف فرمایا، آپ نے مولانا اکبر آبادی کی بعض روایات کے بارے میں استفسار فرمایا ہے، ان میں سے دھوتی باندھنا تو محض غلط ہے، ڈاڑھی کا قصہ البتہ صحیح ہے، مگر یہ قصہ بھی ہنگامے ختم ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا، ایسے بھی سمجھا جا سکتا تھا کہ یہ حلق لحیہ زینت کے مدنظر نہ تھا بلکہ ضرورت اور بچاؤ کے مدنظر تھا، ایسے جان لیوا ہنگاموں میں شخصی طور پر جبکہ کلمۂ کفر کہہ کر بھی جان بچا لینے کی اجازت ہے، دراں حالیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو داڑھی کا قصہ تو محض عملی ہے اور اب جبکہ جو بھی معافی ہو چکی ہے، تو اس کو اٹھانا

بے موقعہ ہے ان کا یہ فعل عزیمت نہ تھا مگر رخصت ضرور تھا، اسلئے اب کسی ملامت کا موقعہ نہیں رہا، رہا دورۂ ممالک تو یہ سیاسی لائن کی بات ہے اور اس میں رائیں دو ہو سکتی ہیں، ہم انکی رائے سے تو اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ان کے ضمیر کو طعنہ نہیں دے سکتے، قلبی مقاصد اور نیات کا حال حق تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔

دار العلوم کی ممبری کا معیار بلا شبہ اونچا ہے اور اونچا ہی رہنا بھی چاہئے، لیکن بعض دفعہ کسی کے ذی رائے ہونے کی صورت میں اس بارے میں تسامح بھی کیا گیا ہے، جیسے حضرت مدنیؒ کے زمانہ ہی میں انہی کی رائے سے شیخ ضیاء الحق صاحب مرحوم ممبر چنے گئے، حالانکہ داڑھی کترواتے تھے اور کافی حد تک، مگر نظر ان کی اصابت رائے پر رہی اس فعل پر نہیں کی گئی، یہ مطلب نہیں کہ ایسا ہونا چاہئے لیکن جب ہو گیا تو اس کے کسی اچھے ہی پہلو کو سامنے رکھ لینا چاہئے، مولانا اکبر آبادی کی علمی قابلیت اور صاحب الرائے ہونے میں کسی کو بھی ممبران میں سے کلام نہیں ہے، رہی عمل کی کوئی کوتاہی تو ہم میں سے کون کوتاہیوں سے براءت کر سکتا ہے، حق تعالیٰ معاف فرمائے آمین، والسلام۔

محمد طیب عفی عنہ

از دیوبند ۱۳/۴/۱۳۸۴ھ

حضرت حکیم الاسلامؒ کے سلسلہ میں یوں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے اور بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا جیسا کہ وہ اس کے مستحق ہیں مگر ہماری نظر میں مختصر اور جامع تعارف کیلئے ابن الانور حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی تحریر عجیب و غریب ہے وہ پیش خدمت ہے:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

خانوادہ قاسمی کے گوہر شب چراغ، چمنستان قاسمی کے گل سر سبد، سحر البیان مقرر، واعظ ہزار داستان نکتہ آفریں نکتہ شناس، پرانی روایات کے حامل، لیکن جدت سے بھی نفور نہیں بلکہ قدیم وجدید کے سنگم ایسے دریا جس میں ہر طرح کی ندیاں آکر گھل مل جائیں، خوش رو بلکہ مغل شاہزادوں کی طرح خوب رو، خوش پوشاک، قامت ایسا زیبا کہ ہر لباس ان کے بدن پر بہار دیتا، روئی کے گالے کی طرح سفید، بڑی آنکھیں جن پر دبیز پلکوں نے خوشنما سائبان کی شکل اختیار کی تھی، چہرہ پر معصومیت کا نور، خلوت اور جلوت میں فرشتوں کے ہجوم میں رہتے، جس مجلس میں پہنچتے صدر نشیں، جس محفل میں در آتے تو مسند آراء، حلیم وتحمل، صبر وضبط، پوری زندگی پر حاوی، عفو درگذر زندگی کے ہر شعبہ ومنزل میں نمایاں، ساٹھ سال سے زائد دارالعلوم دیوبند کا اہتمام کیا اور اسے جہانگیر بنایا، شرق وغرب کے سفر کئے اور دارالعلوم کی آفاقیت کے پھریرے اڑائے۔

حضرت قاری صاحب بلند وبالا نسبتوں کے حامل، عالم وفاضل، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل، علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید، زندگی کا بیشتر حصہ صاحبزادگی کی نزاکتوں میں گذرا، لیکن خاتمہ عمر مصائب سے لبریز، ذہنی الجھنوں کا مرقع، سوز وساز اور عداوتوں کا موسم خزاں، ان کے آباء واجداد کی پر خلوص کاوشوں کا تاج محل، دارالعلوم دیوبند پر قبضہ کا پرانا پروگرام بروئے کار لاگیا، مرحوم سے متعلق غلط پروپیگنڈے، تہمت تراشی، افترا پردازی، مکر وفریب اور ظلم وستم کی ایک سیاہ

تاریخ ہے، اصلاح دارالعلوم کے عنوان سے ہر نا کردنی، کردنی اور نا گفتنی، گفتنی کرلی گئی، اجلاس صد سالہ کے بعد یہ پورا دور اس مظلوم شخصیت کے ساتھ چیرہ دستیوں اور مظالم سے بھرا ہوا ہے، تحریر وتقریر تصنیف وتالیف، پمفلٹ، رسالے، اخبار وجرائد، نثر ونظم کے وہ زہر آلود تیر چلائے گئے کہ بے کسی و بے چارگی، بے بسی اور درماندگی ہچکیوں سے رونے لگی، مرحوم نے یہ پورا دور صبر وضبط، تحمل وبرداشت سے گذار کر سیدنا عثمان غنی کی تاریخ دوہرادی، کیا مجال کہ زبان کو غیبت سے آلودہ کیا ہو یہ ہرگز نہ ہوا کہ اپنے دشمنوں کے حق میں کلمۂ خیر کے سوا کوئی نازیبابات ان کی زباں پر آئی ہو، جب افترا پردازیوں کا شباب تھا تو یہ فرمایا کہ میں نے صبر، سکوت اور استغناء کو اپنالیا اور لاریب انہیں عناصر پر جان جان آفریں کو دی، یہی کہا جاسکتا ہے کہ قد تقدم الخصم الی موقع الفصل وانت علی الاثر ستقدم فتعلم یہ اپنے وقت کا عثمانؓ اب گورستانِ قاسمی میں جدامجد کے آغوش میں محوخواب راحت ہے اور قبر کے اردگرد یہ ندائے غیب باصدائے سروش بگوش ہوش سنی جاسکتی ہے ؎

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے

کہ ایں مظلوم راجز بے گناہی نیست تقصیرے

ماخوذاز (لالہ وگل رص ۱۲۸)

حضرت حکیم الاسلامؒ کی وجہ سے ان کے صاحبزادگان عالی مقام سے بھی ربط وتعلق رہا اور وہ حضرات بھی مدرسہ میں تشریف لاتے رہے اور یہاں سے بھی

وہاں جانے کا سلسلہ برابر قائم رہا یہاں تک کہ دارالعلوم پر اجلاس صد سالہ کے بعد جو طوفان آیا جس میں وہ سب ہوا جو نہ ہونا چاہئے تھا جس کی طرف حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی تحریر روشنی ڈالتی ہے:

اس موقعہ پر چونکہ ایک طرف حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے منتسبین تھے اور دوسری طرف حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ اور ان کے منتسبین تھے اور یہ اختلاف وفتنہ ایسی شکل میں اٹھ رہا تھا جس میں حق وباطل کا فیصلہ کرنا ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا، جیسا کہ بڑوں کے اس قسم کے اختلاف میں اکثر وبیشتر ہوتا ہے اور افواہوں اور فتنوں کا بازار گرم ہوتا ہے حقائق چھپائے جاتے ہیں ابتداء اور آغاز کچھ ہوتا ہے انجام اور مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں، ایسے دور میں صحیح نتائج پر پہنچنا بہت مشکل کام ہوتا ہے اور طرفین کو صحیح مشورہ دینا بھی مشکلات سے خالی نہیں ہوتا اور کسی ایک طرف رجحان ومیلان اور حمایت کا الزام سر پر آپڑنے کا خطرہ رہتا ہے، ایسے میں حضرت والد صاحبؒ نے حضرت خطیب الاسلام وارث حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی کو جو خط لکھا وہ عجیب وغریب ہے اور کس قدر مفید مشوروں پر مشتمل ہے، چنانچہ تیس سال کا عرصہ جبکہ اس قصہ پر گذر چکا تھا آخر کار پھر بھی اسی پر عمل درآمد کیا گیا اگر اس وقت ایسا کچھ عمل ہو جاتا تو بہت سے مہیب فتنوں کا سد باب ہوسکتا تھا یہ تحریر حضرت والد صاحبؒ کے کاغذات میں سے برآمد ہوئی جو یہاں پیش خدمت ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومنا المطاع مکرم ومحترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب زادمجدکم السامی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بصد احترام چند گزارشات پیش کرنے کا دیر سے ارادہ کررہا تھا مگر مشاغل نے اجازت نہ دی دوم یہ خیال رہا کہ معلوم نہیں مجھ جیسے نا اہل اور چھوٹے آدمی کی یہ گزارشات قابل التفات وقابل سماعت بھی ہونگی یا نہیں، ایسا نہ ہو کہ کسی بدگمانی یا جانب داری کا تصور کرلیا جاوے مگر آپ کے خاندان سے اور دارالعلوم سے تعلق اور بہی خواہی نے مجبور کیا کہ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہی کے قبیل سے ہے مگر اپنے جذبات اور خیالات کا اظہار ضرور کردوں، بطور تمہید کے سب سے پہلے یہ بات گوش گذار کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں اور اسکے بعد سے آج تک حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے ہمیشہ ہی محبت وعقیدت رہی ہے اور کبھی بھی نہ خود دوسروں سے یہ سننا گوارہ کیا کہ حضرت مدنیؒ سے تعلق اور عقیدت ہونے کے باوجود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی شان عالی میں کوئی ذرہ برابر نامناسب کلمہ کہے کبھی بھی یہ بات برداشت ہی نہیں کی اور ہمیشہ ہی حضرت مدنیؒ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے بیک وقت عقیدت ومحبت قلب میں رہی، گنگوہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری کے وقت میں حضرت کی قدم بوسی اور خدمت کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کیا اور ہمیشہ ہی مدرسہ اور غریب خانہ پر حضرت کی تشریف آوری کو موجب برکت وسعادت سمجھا اور حضرت مدظلہ کی طرف سے بھی میرے ساتھ ہمیشہ ہی کرم وشفقت کا معاملہ رہا صد سالہ کے بعد جو حالات

رونما اور واقع ہوئے ہوسکتا ہے کچھ صاحبان کو ان سے کچھ لذت حاصل ہو رہی ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھکو اور مجھ جیسے دوسرے بہت سے حضرات کیلئے اذیت اور افسوس وغم کا سبب بن رہے ہیں، میں بعض چیزیں آپ سے بہت صفائی سے عرض کروں۔

(۱) یہ کہ ہم دل وجان سے اس کی خواہش رکھتے ہیں کہ جس طرح آج تک خاندان قاسمیہ کا دارالعلوم پر اہتمام اور انتظام کی شکل میں تعلق چلا آرہا ہے وہ آئندہ بھی باقی رہے اور اسی خاندان کے ذریعہ سے دارالعلوم کو مستقبل میں چار چاند لگیں اور ماضی کی طرح اس کا سہرہ بھی اسی خاندان کے سر بندھے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ کچھ دوست نما دشمن آپ کے ساتھ آپ کی بہی خواہی کا لبادہ پہن کر لگ گئے ہیں جو ایک صدی سے آپ کے خاندان کا جمع شدہ وقار اور عزت کے خرمن کو آگ لگانا چاہتے ہیں اور برباد کردینے کے درپے ہیں کاش آپ ان سے ہوشیار رہیں۔

(۲) دوسری بات قابل گزارش یہ ہے کہ آپ کے آباء واجداد کے کمالات علمیہ اور جذبات اسلامیہ کی وجہ سے جو دارالعلوم سے وابستہ رہی ہیں لوگوں کے قلوب میں عظمت اور احترام قائم ہے ٹھیک اسی طرح حضرت مدنیؒ کے کمالات تبحر علمی اور جذبات دارالعلوم کی وجہ سے ایک بہت بڑا طبقہ ان سے اور ان کے صاحبزادگان سے عقیدت اور محبت رکھتا ہے، کیا ہندوستان کے بہت سے ان عقیدت مندوں اور محبین کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ ہم تو صرف یہ بات آپ کے گوش گزار کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بہت سیاسی حریف جو ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں وہ دارالعلوم کی بہی خواہی اور آپ سے محبت کا اظہار کر کے اپنا مفاد

حاصل کرر ہے ہیں، درحقیقت مولانا اسعد صاحب کا دارالعلوم کے کسی بھی معاملہ میں اور مسئلہ میں قریب آنا ان سیاسی حریفوں کیلئے باعث خفت اور باعث ندامت ہے، وہ اسی اپنے جذبۂ انتقام کو چھپا کر آپ کو یہ راہ دکھلا رہے ہیں کہ ان کا دارالعلوم کے قریب آنا آپ کیلئے مضر ہوگا جبکہ حقیقتا ایسا نہیں، آپ غور وفکر کریں اور ان معاملات کو بہت ہی ذمہ داری اور دور اندیشی سے سلجھانے کی اور طے کرنے کی کوشش کریں، اپنے آپ کو پریشانیوں اور مستقبل میں مستقل فریق بن کر رہنا پسند نہ کریں، ہماری قلبی خواہش یہ ہے اور حالات بھی یہی بتلا رہے ہیں کہ مولانا اسعد صاحب کے بڑھتے ہوئے اثرات کو مقابلہ کرکے ختم کرنے کی سعی لایعنی اور بے فائدہ ہوگی اگر ان سے کام لیا جائے تو زیادہ بہتر اور مفید ہوگا، انہوں نے اور ان کے والدؒ نے کبھی بھی دارالعلوم اور خاندان قاسمیہ کی بدخواہی نہیں کی، ان کو قریب لیکر چلنا آپ کیلئے ہر طرح مفید اور بہتر ہوگا، دارالعلوم اور آپ کی بہترائی کے لئے جو کام وہ کرسکتے ہیں دوسرے بہت سے حضرات جو آج کل آپ کے قریب ہیں مل کر نہیں کرسکتے، آپ باہر کی دنیا کے حالات سے زیادہ باخبر نہیں ہیں باہر کے لوگ باہر کے حالات کو خوب دیکھ رہے ہیں اور اندازہ کرر ہے ہیں، ان حالات کے پیش نظر میں بہت ہی مخلصانہ طریقہ پر عرض پرداز ہوں کہ ایک بار پھر آپ غور کریں موجودہ حالات تنظیم ابنائے قدیم کے سلسلہ میں جو درپیش ہیں ان کو حل کریں، سابقہ جو مصالحت ہوا اسکو یا اسمیں کچھ ترمیم وتنسیخ کرکے آگے بڑھائیں، اس مرتبہ ۲۷؍جون کی ڈاک سے جو خبرنامہ دارالعلوم کی طرف سے شائع ہوا ایک صاحب کی طرف سے جو مضامین اور جو طرز بیان اختیار کیا گیا وہ نہایت پست اور موجب

انتشار و فساد ہے اگر آپ نے ان پر کنٹرول نہ کیا تو اس کی تغلیط اور جوابات دوسرے لوگ اخبار میں شائع کرینگے اور پھر اس کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، میرا اپنا یہ خیال ہے ہوسکتا ہے کہ آپ اس سے اس وقت اتفاق نہ فرمائیں کہ جس آدمی کو جمعیۃ العلماء سے نکالا گیا وہ جذبات اور انتقام میں ڈوبا ہوا ہے اور دارالعلوم کی بہی خواہی کا لبادہ پہن کر جمعیۃ العلماء اور مولانا اسعد صاحب کو نشانہ ملامت بنائیگا اور یہ سب کچھ دارالعلوم کی بہی خواہی اور آپ کی محبت کا دم بھرے بغیر نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ سب کارروائی انہی صاحب کے قلم سے حُبِ علی میں نہیں بلکہ بغض معاویہ میں ہوگی، ہم بہت خدام کی یہ تمنا اور قلبی خواہش ہے کہ دارالعلوم آپ ہی کے خاندان سے وابستہ رہے اور حضرت مدنیؒ کے صاحبزادگان بھی دارالعلوم کے قریب ہی رہیں باہر کی دنیا میں یہ سمجھا جائے کہ دونوں حضرات کے فرزندان دارالعلوم سے وابستہ ہیں، اب آخری گزارش کے طور پر پھر عرض ہے کہ ان معروضات پر ایک دفعہ غور فرماویں اور ناگوار خاطر تحریر سے درگزر اور معاف فرماویں والسلام مع الاکرام۔ احقر شریف احمد

خادم اشرف العلوم گنگوہ ۲۴ رشعبان المعظم

حضرت شیخ زکریاؒ سے وابستگی اور تعلق ارادت

حضرت والد صاحب کی زبانی:

یوں تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ومحبت، الفت ومودت کا والہانہ تعلق مظاہر علوم کی تعلیم کے دوران ہی سے رہا اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف برابر حاصل رہا مگر دارالعلوم دیوبند جانے کے بعد

اس عقیدت وارادت میں مزید استحکام اور زیادتی پیدا ہوگئی حتی کہ دارالعلوم کی تعلیم کے دوران مستقلاً آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر آپ سے بالاستقلال اکتسابِ فیض شروع کیا جس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ گنگوہ آنے کے لئے مجھ کو سہارن پور کا راستہ ہی اختیار کرنا پڑتا تھا اس لئے اکابر مظاہر علوم خصوصاً حضرت شیخؒ کی خدمت میں ضرور حاضری ہوتی حضرت غایت درجہ عنایت وشفقت فرماتے، اس طرح مظاہر علوم ودارالعلوم کی چھ سالہ زندگی میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں مسلسل حاضری ہوتی رہی اور اس زمانہ میں حضرت کی توجہات وعنایات سے استفادہ کا خوب موقعہ ملا اور فراغت کے بعد جب احقر یہاں مدرسہ میں مدرس ہو گیا تب بھی حضرت کی خدمت میں ہفتہ یا پندرہ دن میں جاتا رہتا تھا، گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر آپ کی تشریف آوری بھی مہینہ دو مہینہ میں ہوتی رہتی تھی حضرت کی تشریف آوری کے ان مواقع پر بھی حضرت کی خدمت کا خوب موقعہ ملا اور اس طرح دن بدن حضرت کی محبت والفت، توجہ وعنایت میں اضافہ ہوتا گیا۔

مدینۃ الرسول ﷺ ہجرت فرمانے سے قبل حضرت کا معمول یہ تھا مہینہ دو مہینہ میں مزار پر تشریف لاتے اور عموماً سہارنپور سے اذان فجر کے فوراً بعد نماز پڑھ کر گنگوہ کے لئے روانہ ہو جاتے اور یہاں علی الصبح پہونچ جاتے اور چونکہ مزار پر جانے کا راستہ اس وقت میرے گھر کے سامنے ہی کو تھا اس زمانہ میں لکھنوتی روڈ اتنا اچھا نہیں تھا مزار جانے کے لئے بہتر راستہ قصبہ کے اندر کو میرے گھر کے سامنے سے گزرتا تھا اسلئے حضرت کی گاڑی جب میرے گھر کے سامنے پہونچتی تو ڈرائیور (بابو ایاز) جو دراصل حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کے ڈرائیور تھے، میرے گھر کے سامنے گاڑی

ہلکی کر کے دو تین مرتبہ ہورن بجاتے اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے پاس گاڑیاں بہت کم تھیں اس لئے گھر کے سامنے کو گاڑی گزرنے کا موقعہ کم ہوتا تھا اگر میں گھر میں ہوتا تو ہورن کی آواز سن کر فوراً سمجھ جاتا تھا کہ حضرت کی گاڑی ہے اور میں ایک دم باہر نکل کر آتا حضرت سے ملاقات ومصافحہ کرتا اس کے بعد حضرت مزار پر تشریف لے جاتے اور میں بھی پیچھے پیچھے پہونچ جاتا اور یہاں گھر پر کھانا تیار ہو جاتا، بعض مرتبہ حضرت کا پروگرام ایسا ہوتا کہ جلدی کی وجہ سے نہ ٹھہرتے تھے تو گھر میں جو کھانا حضرت کے لئے تیار کیا جاتا وہ پورا کھانا دیگچی سمیت گاڑی میں رکھ دیا جاتا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہ تشریف لائے اور معمول کے مطابق بابو ایاز نے گاڑی کا ہورن بجایا مگر میں اتفاق سے گھر میں موجود نہیں تھا حضرت سمجھ گئے کہ وہ گھر میں نہیں ہے مگر محلّہ کے کئی لوگوں نے حضرت کو دیکھ کر گھر میں اطلاع کر دی کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور مزار پر گئے ہیں تو اہلیہ نے اپنے بھانجے حافظ مقبول احمد صاحب مرحوم (جو اسوقت مدرسہ میں مدرس تھے) مدرسہ سے کسی کے ذریعہ بلوایا اور کہا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں اور مزار پر گئے ہیں اور اندازیہ ہے کہ دو اڑھائی گھنٹہ کے بعد ہی واپس ہونگے تم یہاں دروازے پر رہو اور میں حضرت کے لئے کھچڑی تیار کرتی ہوں، کیونکہ سردی کا موسم تھا اسی لئے اڑد کی دال والی کھچڑی ایک اچھی بڑی دیگچی میں تیار کر دی جس میں خوب اچھی طرح گھی وغیرہ ڈال دیا اور اس کو بند کر کے ایک کپڑے میں باندھ کر حافظ مقبول صاحب کے حوالہ کر دیا کہ دیگچی لے کر یہیں دروازہ پر بیٹھے رہو جب حضرت تشریف لائیں گے تو ہاتھ دے کر گاڑی کو ٹھہرا لینا اور یہ دیگچی حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا، چنانچہ کچھ دیر کے بعد سامنے سے حضرت کی

گاڑی آئی تو حافظ مقبول صاحب نے دور ہی سے ہاتھ دے کر گاڑی رکوالی چنانچہ گھر کے سامنے گاڑی کھڑی ہوگئی حضرت نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو حافظ مقبول صاحب نے وہ دیگچی سامنے کر دی اور کہا کہ قاری صاحب کے گھر میں سے میری خالہ نے یہ کھچڑی پیش کی ہے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی لیکر رکھ لو، چنانچہ رفقائے سفر نے وہ دیگچی لیکر گاڑی میں رکھ لی اور حضرت دوپہر میں کھانے کے وقت سہارنپور پہونچ گئے آپ کے پہونچنے سے کچھ دیر قبل لکھنؤ سے حضرت مولانا علی میاں صاحب مع اپنے چند رفقاء کے پہونچے ہوئے تھے، کھانے کا وقت ہو چکا تھا خدام نے دسترخوان بچھایا اور کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا سبھی دسترخوان پر تشریف لے آئے حضرت شیخ نے فرمایا ارے بھائی قاری شریف کی اہلیہ والی کھچڑی بھی لاؤ اور ساتھ میں حضرت مولانا علی میاں سے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے ان علاقوں میں سردی کے زمانہ میں اڑد کی چھلکے والی دال کی جو کھچڑی بنتی ہے وہ اصلی گھی ڈالے بغیر بھی مزیدار ہوتی ہے اور اصلی گھی ڈالنے سے تو بہت ہی مزیدار ہو جاتی ہے، چنانچہ اسمیں اصلی گھی بھی اچھا خاصا تھا جن جن حضرات کے سامنے رکھی گئی بہت مزے لے کر انہوں نے کھائی جو باقی بچی حضرت نے اس کو رکھوا دیا اور فرمایا کہ کل دوپہر کے کھانے میں کام آئے گی، تاہم اگلے دن دوپہر کو کھانے کے وقت بیرونی مہمان بڑی تعداد میں موجود تھے اور بڑے لوگوں میں سے تھے، حضرت یہ کہہ کر کہ قاری شریف صاحب کی اہلیہ والی کھچڑی اندر سے گرم کر کے لاؤ پہلے دن بھی اس کا کافی چرچہ رہا جو لوگ مجھے نہیں جانتے تھے وہ پوچھتے رہے کہ یہ قاری شریف کون ہے جس کی اہلیہ کی طرف سے آئی ہوئی کھچڑی کا اس قدر اہتمام کیا گیا کہ باقاعدہ اس کو بچا کر رکھا گیا پھر نام لے کر منگایا گیا،

مہمانوں کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا یہ صرف حضرت شیخ کی وسعت ظرفی اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت، عنایت، محبت کی بات تھی کہ وہ ان کو سراہا کرتے تھے اور موقعہ بموقعہ وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، نیز موقعہ حال کے مناسبت سے حضرت اپنے چھوٹوں کے ساتھ معاملہ فرماتے جس میں شفقت کا پہلو غایت درجہ غالب رہتا تھے، چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ گنگوہ تشریف لائے اولاً حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے مزار پر گئے وہاں سے فارغ ہوکر قطب عالم حضرت شاہ عبدالقدوس صاحبؒ کے مزار پر پھر حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے مزار پر سب جگہوں سے فارغ ہوتے ہوئے سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے راستہ چونکہ میرے مکان کے سامنے کو ہی تھا اس لئے میرے مکان کے سامنے گاڑی روک کر مجھ کو آواز دی مگر مجھ کو نہ پاکر چل دئے سہارنپور کا راستہ بھی چونکہ مدرسہ کے سامنے کو جاتا ہے اس وقت دارجدید کی مسجد زکریا کا قبلہ کی جانب والا مینار تعمیر ہورہا تھا اور میں تعمیری پیڈ پر مستریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا حضرت جب مدرسہ کے سامنے پہونچے تو حضرت نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہاں کہیں شریف تو کھڑا ہوا نظر نہیں آرہا ہے ایک ساتھی نے جھانک کر دیکھا کہ میں مستریوں کے ساتھ مینار کے پیڈ پر بیٹھا ہوا ہوں اس ساتھی نے حضرت کو بتایا حضرت نے فرمایا چپ کے سے جلدی نکل چلو اور دور جاکر یہ فرمایا کہ تم آواز دیتے یا کوئی طالب علم ہمیں دیکھ کر اس سے کہتا تو وہ اتنے اونچے سے گھبرا کر نیچے اترتا تو نہ معلوم کیا ہوجاتا، کئی روز کے بعد جب میں سہارنپور گیا تو انہی صاحب نے مجھ کو یہ واقعہ سنایا اور جب میں اندر جاکر

حضرت سے ملا تو فرمانے لگے کہ بھائی ہم تو وہاں کو گزرے تھے تجھے دیکھا تو تو آسمان پر بیٹھا ہوا ہے مستریوں کے ساتھ ہم نے آواز دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ تھی حضرت شیخ کی اپنے چھوٹوں کے ساتھ غایت درجہ الفت ومحبت اور موقعہ ومحل کے اعتبار سے حد درجہ رعایت کہ آواز دینا بھی مناسب نہ سمجھا، واقعی یہ تھے ہمارے اسلاف اور اکابر کہ اپنے متعلقین کے ساتھ سچی محبت رکھتے جس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ان کے افعال اور معاملات ہی تعلق صادق کی علامت ہوا کرتے تھے۔

اس طرح ایک دوسرے موقعہ پر میرا چھوٹا لڑکا خالد سیف اللہ شام کے وقت سہارنپور گیا بعد مغرب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغیر کسی تعارف کے سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا کہ میری آپا نے سلام عرض کیا ہے اور دعاء کی درخواست کی ہے اس پر حضرت نے فرمایا کہ تو کون ہے؟ پاس بیٹھے ہوئے حافظ صدیق صاحب مرزاپوری نے حضرت کو بتلایا کہ یہ قاری شریف احمد صاحب کا لڑکا ہے گنگوہ سے آیا ہے اس وقت حضرت کی طبیعت میں عجیب انشراح تھا فرمایا کہ تیرے باپ کے واسطے بھی تیری ماں کے واسطے بھی اور تیرے لئے بھی خوب دعاء کرتا ہوں اللہ تجھے عالم حافظ بنائے روز تو تیرے گھر جا کر تیری ماں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھا کر آتا ہوں اس کے لئے دعا نہیں کروں گا تو اور کس کے لئے کروں گا؟ حضرت کے اس طرح کے مشفقانہ اندازِ گفتگو سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اس حقیر کے ساتھ حضرت کو کس قدر والہانہ تعلق تھا اور بندے کو بھی حضرت کے ساتھ جو قلبی لگاؤ اور جگری محبت تھی درجِ ذیل جیسے واقعات اس کی عکاسی کرتے ہیں۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ چینی کا ریٹ بازار میں ۹؍۱۰ روپے تھا لیکن جن لوگوں کا پرمٹ بنا ہوا تھا ان کو سرکاری کوٹے سے چار روپے کلو مل جایا کرتی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت کے یہاں مہمانوں کے لئے صبح وشام دونوں وقت چائے بڑے اہتمام سے بنتی تھی، مولوی نصیر صاحب جو حضرت کے مہمانوں کی چائے وطعام کا انتظام کرتے تھے ان سے میرا تعلق تھا انہوں نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا کہ چینی بہت مہنگی آرہی ہے کچھ انتظام کرو مجھے بھی اس بات کا احساس ہوا اور گنگوہ آکر چینی کا انتظام اس طرح کیا کہ محلّہ پڑوس بستی میں جن لوگوں کے راشن کارڈ بنے ہوئے تھے اور وہ چائے کے عادی نہ ہونے کی بناء پر سرکاری کوٹے سے چینی نہ لیتے تھے ان کے پرمٹ لیکر سرکاری ریٹ سے تقریباً ۲۰؍کلو چینی ہر ہفتہ جمع کرلیا کرتا تھا اور جمعہ کی شام کو سہارنپور جا کر مولوی نصیر صاحب کے حوالہ کر دیا کرتا تھا چونکہ یہاں مدرسہ میں اس دوران تعطیل شنبہ کی ہوا کرتی تھی اس لئے میں جمعہ کی شام میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں جاتا تھا، جب میں مولوی نصیر صاحب کو چینی حوالہ کرتا تو وہ معلوم کرتے کہ چینی کتنے کی ہے تو میں مزاحاً ان کو دس روپے کلو کے حساب سے دام بتلاتا تو وہ فرماتے کہ چھ ماہ کے بعد پیسے ملیں گے تو پھر ان سے پوچھتا کہ نقد کتنے ملیں گے تو وہ فرماتے کہ جس حساب سے لائے اسی حساب سے ملیں گے تو میں ان کو بتلاتا کہ چار روپے کلو کے حساب سے لایا ہوں وہ فوراً پیسے نکال کر دیدیتے، چنانچہ کافی عرصہ تک چینی کا بھاؤ یہی رہا اور میں ہر ہفتہ چینی اہتمام کے ساتھ لے جاتا رہا مگر میں نے کبھی اس کا تذکرہ حضرت شیخؒ سے براہِ راست نہیں کیا لیکن بزرگوں پر

کوئی چیز کب تک مخفی رہتی ہے اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں کو واقف کر دیتا ہے جن میں ایک بڑا ذریعہ محبین و متعلقین کی جماعت ہے، بالآخر مجھے پتہ چلا کہ مولوی نصیر احمد صاحب حضرت شیخ کے سامنے اس کا تذکرہ کر دیتے ہیں چونکہ مسلسل آمد و رفت کے سبب مولوی نصیر احمد صاحب سے میرا تعلق گہرا ہو گیا تھا اس لئے میں چائے مولوی نصیر احمد کے پاس ہی بیٹھ کر پیتا تھا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کھانا ابھی تک پک کر تیار نہیں ہوا اور مجھے جلدی گنگوہ آنے کا تقاضا ہوتا تو مولوی نصیر احمد صاحب کے پاس کھانا کھاتے ہوئے حضرت شیخ نے مجھکو دیکھ لیا اور دیکھتے ہوئے گھر میں تشریف لے گئے میں کھانے سے فارغ ہو کر رخصتی کا مصافحہ کرنے گیا تو فرمایا کہ اب تو تیری دوستی مولوی نصیر سے ہو گئی ہے اس لئے مجھے تیرے کھانے کا فکر نہیں رہا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جس کی دوستی مولوی نصیر سے ہو جاتی ہے مجھے اس کے کھانے کا فکر نہیں رہتا۔

حضرت شیخؒ کی کرامت کا کھلا مشاہدہ

ایک مرتبہ حضرت شیخ مزار پر تشریف لائے آمد کے معاً بعد حضرت نے فرمایا واپسی جلدی ہی ہونی ہے حضرت کی منشاء کو سمجھ کر میں نے کھانا چائے وغیرہ کی پیش کش نہیں کی مگر ایک ڈیڑھ گھنٹہ مزار پر مراقب رہنے کے فوراً بعد اٹھتے ہی فرمایا کہ شریف احمد تیرے گھر چلونگا مجھے فکر ہوئی کہ یا اللہ آج تو گھر میں ناشتہ کی کوئی بھی چیز نہیں ہے دودھ بھی دکانوں پر ختم ہو گیا ہوگا چونکہ یہ مئی جون کا زمانہ تھا اس وقت فجر

کے فوراً بعد تو کچھ دودھ دکانوں پر مل جاتا تھا مگر دن بھر دودھ نہ ملتا تھا اس لئے میں دوڑا ہوا گھر آیا اتنے میں حضرت بھی گاڑی سے گھر پہونچ گئے میں نے کمرے کا دروازہ کھولا حضرت کمرے میں تشریف لے آئے اور بیٹھتے ہی فرمایا کہ لا جلدی جو کچھ ہے، ایسے وقت پر حضرت کا مزاج عجلت کا تھا اور مجھے اس کا بخوبی اندازہ تھا اسلئے میں نے فوراً ایک بچہ دکانوں پر دوڑایا تا کہ کہیں سے دودھ لے کر آئے مگر وہ خالی ہاتھ واپس آیا اس کو کہیں دودھ نہ ملا، گھر میں صرف ایک انڈا اور صبح کا بچا ہوا کچھ دودھ جو ایک پاؤ سے کم مقدار میں ہوگا موجود تھا، اہلیہ نے انڈے کو فوری طور پر نیم برشت کر کے اس پر نمک مرچ لگا کر بھیج دیا، میں نے لیکر حاجی ابوالحسن صاحب کے ہاتھ میں دیدیا حاجی ابوالحسن صاحب نے فوراً حضرت کو کھلانا شروع کر دیا، میں نے گھر میں تقاضہ کیا کہ جلدی سے چائے بناؤ اور جو کچھ تھوڑا بہت دودھ رکھا ہے وہی دے دو، بہت عجلت کے ساتھ اہلیہ نے چائے بنا کر چائے دانی میں ڈال کر اس دودھ کو جو صبح کا بچا ہوا رکھا تھا ایک طشت میں آٹھ دس پیالیاں اور دودھ دانی اور چائے دانی رکھ کر حضرت کے سامنے بھیج دی اور میں اس گھبراہٹ اور پریشانی میں تھا کہ یا اللہ آج بہت شرمندگی ہوگی سب کو چائے بھی نہ مل سکے گی، چائے سامنے آتے ہی حضرت نے اپنے خادم خاص حاجی ابوالحسن صاحب سے فرمایا کہ تو تو چائے پیتا نہیں اس لئے ایک کپ دودھ پی لے اور پھر مجھے اوران سب ساتھیوں کو چائے بنا کر دے دے، حاجی ابوالحسن صاحب کے لئے جب میں نے یہ جملہ سنا تو میرا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا اور میں بے حد مضطرب ہوا کہ یا اللہ آج کیا ہوگا کہ تھوڑا سا تو دودھ ہے اس میں بھی ایک کپ اور کم ہوگیا اب اتنے لوگوں کو چائے کیسے ملے گی،

الغرض حاجی ابوالحسن نے ایک کپ تو اپنے لئے انڈیل لیا اور ایک کپ چائے حضرت کو بنا کردی۔

اسی کے قریب قریب دوسرا واقعہ جناب محترم حضرت مولانا حکیم عبدالرشید عرف نھومیاں نے اپنا بیتا ہوا سنایا، حکیم صاحب نے فرمایا کہ ذی الحجہ سے کچھ پہلے میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا میں رفیق حیات کے انتقال پر ملال سے بیحد متاثر و مغموم تھا ۱۰ ذی الحجہ کو علی الصباح عید کی نماز سے قبل سہارنپور بذریعہ اپنی گاڑی اپنی کار حضرت شیخ کے مکان پر پہونچا، حضرت سے سلام وکلام کے بعد عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے حضرت کے ساتھ ہی گیا، نماز پڑھ کر واپسی پر ساتھ آیا اور گھر کے دروازے تک پہونچ کر واپسی کے لئے مصافحہ واجازت چاہی حضرت نے فرمایا کہ آج بقرعید کا دن ہے اس لئے گوشت کھائے بغیر گھر جانے نہیں دونگا، میں نے عرض کیا کہ حضرت گوشت میں تو بہت دیر لگے گی تو فرمایا کہ نہیں بلکہ صرف ۲۵ منٹ میں گوشت پک کر تمہارے سامنے آئے گا، میں اندر حضرت کے ساتھ مکان میں جاکر بیٹھ گیا حضرت نے بعجلت زور سے مولوی نصیر صاحب کو آواز دی وہ فوراً آئے حضرت نے ان کو فرمایا کہ فوراً جانور ذبح کراؤ اور کلیجی گوشت وغیرہ نکلوا کر جلدی سے گھر میں بھیج دو، میں یہ سب سن رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ مولوی نصیر صاحب قصاب کو بلائیں گے وہ جانور ذبح کرے گا پھر مولوی نصیر کلیجی گوشت وغیرہ گھر بھجوائیں گے وہ پکے گا یہ سب کچھ ۲۵ منٹ میں کیسے ہوجایگا، میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ ۲۵ر۳۰ منٹ کے درمیان گوشت پک کر سامنے آگیا، حضرت نے فرمایا کہ کھاؤ اور جلدی جاؤ، حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے حضرت کی کرامت کا قائل نہ تھا

مگر اس روز اس بات کو دیکھ کر حضرت کی کرامت کا قائل ہو گیا۔

حضرت شیخؒ کی کرامت کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت مدینہ منورہ سے دہلی تشریف لائے تو میں نے اسی دن دہلی جا کر فوراً حضرت سے ملاقات کی اور اسی وقت حضرت سے یہ عرض کر دیا تھا کہ ہفتہ عشرہ میں جب بھی آپ گنگوہ تشریف لائیں گے تو کھانا میرے یہاں ہوگا، حضرت نے منظور فرمالیا اس کے بعد جس روز حضرت کا گنگوہ تشریف لانے کا ارادہ ہوا تو اس موقعہ پر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی دہلی سے تشریف لائے ہوئے تھے، رات میں حضرت نے اپنے بعض خدام کے سامنے یہ فرمایا کہ صبح کو گنگوہ جانا ہے اس وقت شیروانی صاحب بھی حضرت کے یہاں مہمان تھے اور مولانا منور حسین صاحب پورنوی خلیفہ خاص بھی موجود تھے، انہوں نے اور چند دوسرے حضرات نے بھی یہ بات سن لی، حضرت علی الصبح جماعت سے نماز پڑھکر روانہ ہوئے اور ایک سوا گھنٹہ میں گنگوہ پہونچ گئے، ایک گاڑی میں حضرت شیخ اور آپ کے خادم خاص حاجی ابوالحسن صاحب نیز دو صاحب اور تھے کل چار افراد، ایک گاڑی میں مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے خادم مولانا سلیمان گجراتی ہمراہ دو صاحبان اور تھے اور یہ بھی کل چار افراد تھے، حضرت نے سہارنپور سے روانہ ہونے سے قبل اپنے یہاں موجود مہمانوں کو یہ فرما دیا تھا کہ گنگوہ آنا ہو تو کھانے کا بندوبست خود سے کر لینا، جیسے ہی ان حضرات کا قافلہ حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر پہونچا، میں بھی ساتھ ساتھ پہونچ گیا اور حضرت سے سلام وکلام اور شرف نیاز حاصل کرنے کے بعد میں گھر واپس

آ گیا اور گھر میں بتلایا کہ دو گاڑیوں میں کل آٹھ حضرات ہیں تم بارہ پندرہ افراد کے لئے کھانے کا انتظام کر لینا، ایک گھنٹہ کے بعد پھر میں مزار پر واپس پہونچا تو حضرت شیخ کو دیکھا کہ مزار پر مراقبہ کی حالت میں ہیں اس ایک گھنٹہ میں پچیس تیس آدمی اور سہارنپور سے مزار پر پہنچ چکے تھے، میں نے گھر اطلاع کرادی کہ ۳۰/۳۵ آدمیوں کا انتظام کرالینا، پھر دوسرے گھنٹہ تک ۶۰/۶۵ آدمی ہو گئے پھر میں نے گھر اطلاع کرادی کہ ۶۰/۶۵ آدمی ہو گئے، پھر آدھ پون گھنٹہ بعد آنے والوں کی تعداد ایک سو تک ہو گئی اور برابر بڑھتی رہی یہاں تک کہ سو سے اوپر پہونچ گئی، میں مجمع کی بڑھتی تعداد کو دیکھ کر سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور گھر آ کر اطلاع دی کہ مہمان سو سے زائد ہو چکے ہیں میری اہلیہ کو حضرت کے ساتھ تعلق واعتقاد مجھ سے بھی زیادہ تھا انہوں نے اطمینان سے کہا کہ کچھ حرج نہیں حضرت شیخ کی برکت سے کھانا سب کے لئے کافی ہو جائے گا، تاہم حضرت چار گھنٹہ کے بعد مراقبہ سے فارغ ہوئے اور فرمایا کہ پیشاب کا تقاضہ ہو رہا ہے نیز اٹھتے وقت مجمع کی کثرت کو دیکھ کر فرمایا کہ قاری شریف کے گھر میری گاڑی اور مولانا انعام الحسن صاحب کی گاڑی کے ساتھیوں کی دعوت ہے بقیہ سب لوگ اپنے کھانے کا انتظام کرلیں، مزید تاکید اور شدت کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ دیکھو کسی کے گھر بغیر بلائے کھانے کے لئے جانا چور بن کر جانا ہے اور ڈاکو بن کر نکلنا ہے، حضرت جب یہ سب کچھ فرما چکے تو میں نے حضرت سے یہ عرض کیا کہ مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے فرمایا کہ تو بھی کہہ لے کیا کہنا ہے، میں نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا کہ سب حضرات مہمان ہیں کھانا میرے گھر پر تناول فرما کر جانا، اس پر حضرت نے پیشاب کے لئے چلتے ہوئے مڑ کر یہ فرمایا کہ کچھ لوگوں کو اور بلا دوں؟

تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ تو پہاڑ سے بھی بلند آپ ہی کا ظرف ہے (آپ کے یہاں رات دن مہمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور کسی کو بغیر کھائے نہیں جانے دیتے) بس دعاء فرما دیجئے کہ کھانا سب کے لئے کافی ہو جائے، حضرت نے فرمایا کہ اچھا سب مہمانوں کو گھر لیکر چلو اور میرے بیٹھنے والی کوٹھری میں کسی کو نہیں بٹھلانا باہر بڑے کمرے میں بٹھلا کر کھانا کھلانا شروع کر دینا، چونکہ بار ہا آمد و رفت کی وجہ سے حضرت مکان کے کل زاویوں اور کمروں سے آشنا ہو گئے تھے اور اکثر تشریف آوری کے وقت کھانا اندر والے کمرے میں بیٹھ کر تناول فرماتے تھے وہ بہ نسبت باہر والے کمرے کے چھوٹا تھا جس کو حضرت نے کوٹھری سے تعبیر کیا اور باہر والے کو بڑے کمرے سے موسوم فرمایا اس کمرہ میں بھی حضرت نے دو تین مرتبہ کھانا تناول فرمایا، الغرض میں نے جلدی سے حضرت کے لئے اندر والے کمرہ میں بیٹھنے کا انتظام کرایا حضرت مع جملہ رفقاء و مہمانوں کے تشریف لائے اور اندر والے کمرہ میں بیٹھ گئے، میں نے باہر مہمانوں کو بٹھلا کر کھانا کھلانا شروع کیا، حضرت اندر بیٹھے ہوئے بار بار پوچھتے رہے کہ سب فارغ ہو گئے سب فارغ ہو گئے؟ میں نے سب کی فراغت کے بعد عرض کیا کہ حضرت سب فارغ ہو گئے، حضرت نے فرمایا کہ اب ہمارے لئے بھی کھانا لے آؤ یعنی حضرت اور آپ کی گاڑی کے رفقاء اور مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کی گاڑی کے رفقاء مع دو ڈرائیوروں کے کل دس افراد باقی رہ گئے تھے، انہوں نے بعد میں اسی اندر والے کمرہ میں بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا اس کے بعد حضرت مدرسہ اشرف العلوم دار جدید میں تشریف لے آئے اور آکر ظہر کی نماز پڑھی اور سہارنپور کے لئے روانہ ہو گئے، میں چونکہ صبح سے بہت بھاگ دوڑ میں تھا بھوک

شدت کی لگ گئی تھی حضرت کے واپس ہوتے ہی فوراً گھر واپس آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے کھانا دے دو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، اب بھی جو سالن بچا ہوا تھا وہ اتنا تھا کہ میرے لئے کافی ہو گیا اور روٹی تو کافی مقدار میں بچ گئی، میں نے شمار کی تو ان کی تعداد تقریباً ۲۴؍۲۵ کو پہونچی، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سکون کی ٹھنڈی سانس لی۔

اب تک کہ اس طرح کے واقعات پہلے بزرگوں کے متعلق سننے اور پڑھنے میں تو آئے تھے کہ کھانا کم تھا اور مہمان زیادہ تھے ان بزرگوں کی برکت سے وہ کھانا سب کے لئے کافی ہو جاتا تھا مگر یہاں آج اس بات کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور اس کھلی کرامت کو سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، نیز شیروانی صاحب نے مولانا منور صاحب سے فرمایا کہ کھانا دیکھنے میں تو ایسا معلوم نہیں ہوتا مگر بہت لذیذ بنا ہوا ہے، میں وہیں کھڑا ان دونوں حضرات کی گفتگو سن رہا تھا حال یہ کہ وہ حضرات مجھ کو پہچانتے نہ تھے کہ میں ہی صاحب خانہ ہوں، میں نے کہا کہ حضرت شیخؒ کی برکت سے مزیدار ہو گیا ورنہ کوئی خاص بات نہیں، اس موقعہ پر اہلیہ کی خدمت اور ان کی حضرت شیخؒ کے ساتھ عقیدت کو فراموش کرنا بے حد ناسپاسی ہوگی، انہوں نے مہمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد پر میری پریشانی کو دیکھ کر فرمایا کچھ حرج نہیں حضرت شیخؒ کی برکت سے سب کے لئے کافی ہو جائے گا جس کھانے پر ان کا ہاتھ پڑ جاتا ہے اس کی لذت ہی عجیب ہوتی ہے۔

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حکیم اسعد صاحب اجمیری ابن حکیم

سعید صاحب اجمیری مرحوم پاکستان سے آئے اور حضرت شیخ کے یہاں قیام فرمایا دوپہر کو حضرت شیخ کے ساتھ کھانے میں شرکت کی، دسترخوان پر اس روز حضرت کے یہاں مہمان زیادہ تھے چونکہ حضرت شیخ کا معمول یہ تھا کہ جس روز مہمانوں کی کثرت ہوتی تو پلاؤ کی دیگ مدرسہ کے مطبخ میں بنوالیا کرتے تھے اور جب پلاؤ کی دیگ حضرت کے یہاں آتی تو ناظم مطبخ کی جانب سے حساب کا ایک پرچہ بھی ساتھ آتا تھا، حضرت اس پرچہ کی رقم اور کچھ زائد اپنی طرف سے مدرسہ میں جمع فرما دیا کرتے تھے، الغرض اس روز حکیم اسعد صاحب نے بھی حضرت کے دسترخوان پر پلاؤ کھائی اور شام تک گنگوہ آگئے، جب میری ملاقات حکیم اسعد صاحب مرحوم سے ہوئی تو انہوں نے حضرت شیخ کے دسترخوان پر کھانا کھانے کا تذکرہ بندہ کے سامنے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ کھانا دیکھنے میں تو ایسا نہیں لگتا تھا کہ اتنا مزیدار ہوگا مگر کھانے میں بہت ذائقہ دار معلوم ہوا، نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم لوگ اپنے گھروں میں بہت لاگت کی اور قیمتی پلاؤ بنواتے ہیں مگر کل جو حضرت شیخ والے دسترخوان پر پلاؤ کھائی ہے اس جیسا مزہ نہیں آتا اور پھر خود ہی کہنے لگے بس یہ تو حضرت شیخ کی برکت ہے، یہ تو وہ واقعات ہیں جو خود دیکھنے اور سننے میں آئے ہیں ورنہ نہ معلوم کتنے قصے ہوں گے جن میں حضرت شیخ کی کرامتوں کا ظہور ہوا، اس پر قلم اٹھایا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائیگی، یوں حضرت شیخ کے دسترخوان پر ہر روز سینکڑوں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور یہ بات کسی بھی صاحب نظر پر مخفی نہ تھی، جو بھی حضرت شیخ کے یہاں حاضر ہوا آپ کی برکات سے فیضیاب ہو کر گیا۔

پہلوان حاجی محمود کا قصہ اور حضرت شیخ کی ایک اور کرامت

حاجی صوفی محمود صاحب پاکستان کے باشندے تھے حضرت شیخ کے متعلقین میں سے تھے ایک مرتبہ حضرت شیخ کے یہاں سہارنپور آئے، ان کی خواہش تھی کہ گنگوہ حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر ہو آؤں، پہلوان صاحب نے سہارن پور کے قیام کے دوران حضرت شیخ سے گنگوہ جانے کی اجازت چاہی تو حضرت نے فرمادیا کہ اپنے حساب سے جانا میری کوئی ذمہ داری نہیں چونکہ اس دوران (سی آئی ڈی) کا خطرہ لگا رہتا تھا، انہیں ایام میں گنگوہ سے حضرت شیخ کی خدمت میں صوفی اسماعیل صاحب گنگوہی گئے، پہلوان صاحب نے ان کے ساتھ جانے کے لئے عرض کیا مگر حضرت نے اجازت نہ دی، حاجی محمود صاحب کی حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر آنے کی بڑی تمنا اور آرزو تھی ادھر واپسی کے دن قریب ہوتے جارہے تھے یہاں تک کہ ان کے پاس پاکستان جانے کا ایک دن باقی رہ گیا میں گنگوہ سے حضرت کے یہاں حاضر خدمت ہوا پہلوان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی انہوں نے اپنے ارادہ کا میرے سامنے اظہار کیا میں نے ان کی بے پناہ تڑپ اور آرزو کو دیکھتے ہوئے کہا آپ میرے ساتھ چلیں میرے ساتھ گاڑی ہے میں آپ کو اپنی گاڑی سے واپس کردوں گا، چنانچہ میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا صوفی جی گنگوہ جانا چاہتے ہیں میرے ساتھ چلے جائیں گے، حضرت نے میری عرض پر اجازت تو مرحمت فرمادی مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہدیا کہ ان کو دوپہر ساڑھے گیارہ بجے تک واپس کردینا، میں صوفی جی کو لیکر باہر نکلا تو باہر

مولانا خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی[1] (حضرت گنگوہیؒ کے پر نواسے) مل گئے انہوں نے کہا میں بھی آپ کے ساتھ گنگوہ جاؤں گا، یہ ایسے مقدس خاندان کے سپوت اور میرے ایسے گہرے بے تکلف دوست تھے کہ ان کو انکار کی گنجائش نہیں تھی اس لئے میں نے ان کو کہا کہ ہم تو تیار ہیں آپ ہمارے ساتھ بیٹھئے اس پر مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے کہا کہ میں تو پہلے حاجی ابوالحسن صاحب سہارنپوری کے مکان پر محلّہ میں ناشتہ کروں گا پھر گھر سے کچھ سامان لاؤں گا تب گنگوہ چلیں گے، چونکہ ان مولانا خالد سیف اللہ گنگوہی صاحب نے اپنا مکان سہارنپور ہی بنالیا تھا یہاں پر ان کی سسرال تھی، اب میں نے دل میں سوچا کہ آج تو پھنس گئے کیونکہ ادھر حضرت شیخ نے ساڑھے گیارہ بجے تک واپس آنے کی تعیین کر دی ادھر مولانا خالد سیف اللہ صاحب ناشتہ اور سامان میں دیر کریں گے، الغرض مولانا ہم کو حاجی ابوالحسن صاحب کے یہاں ناشتہ پر لیکر چلے گئے وہاں پہونچ کر مولانا گھر سے سامان لائے اور ہم گنگوہ کے لئے روانہ ہو گئے، گنگوہ پہونچ کر مزار پر فاتحہ پڑھی فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد ان کو ایک دو جگہ اور گھمایا پھر انہوں نے کہا میں حضرت حکیم نھو میاں

---

[1] گنگوہ کے عالم فاضل تھے دار العلوم دیو بند سے ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں فارغ ہوئے، حضرت مفتی عبد القدوس صاحب رومی اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور مولانا ارشاد فیض آبادی کے ساتھیوں میں سے تھے ذہین فطین عالم تھے، عربی میں خاص مہارت رکھتے تھے، عرب کے مختلف علاقوں میں انہوں نے بسلسلہ ملازمت قیام کیا اخیر زمانہ میں سہارنپور میں قیام فرمایا، حضرت والد صاحبؒ سے رفیقانہ مراسم تھے اور بڑے قدر دان تھے، ایک موقعہ پر انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ہماری ٹوٹی ہوئی ناک جوڑ دی یعنی مدرسہ کا قیام اور خدمات دینی برسر زمین گنگوہ کی طرف اشارہ تھا، سہارنپور میں مدفون ہیں اللہ پاک مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے آمین۔

صاحب کے یہاں بھی جاؤں گا، چنانچہ میں ان کو حکیم صاحب کے یہاں لیکر پہونچا تا کہ جب تک وہ ملاقات وگفتگو کریں میں ان کو حکیم صاحب کے پاس چھوڑ کر گھر آ گیا جب میں واپس پہونچا تب تک وہ اپنی باتوں سے فارغ ہو چکے تھے میں ان کو گاڑی میں ساتھ لیکر سہارنپور پہونچا، جس وقت ہم سہارن پور پہونچے تو گیارہ بج رہے تھے میں نے صوفی جی سے کہا کہ ابھی آدھا گھنٹہ ہے تب تک آگے چل کر روانگی بھی لکھوا آئیں چنانچہ ہم وہاں پہونچے اور روانگی لکھوا کر حضرت شیخ کے پاس واپس آئے تو ساڑھے گیارہ بج چکے تھے، حضرت شیخ نے معلوم کیا کہ سب جگہ ہو آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی دعاؤں سے سب جگہ ہو آئے ہیں اور (سی آئی ڈی) آفس میں روانگی بھی لکھوادی ہے، اس پر حضرت شیخ بہت خوش ہوئے میں حیران تھا کہ اتنے مختصر وقت میں مکمل اطمینان وسکون کے ساتھ گنگوہ جانا وہاں سے واپس آنا جب کہ اس زمانہ میں راستے بھی اتنے بہتر نہ تھے پھر مختلف مقامات پر ملاقات گفتگو کرنا اور پھر (سی آئی ڈی) آفس میں روانگی بھی لکھوا دینا یہ سب کچھ حضرت شیخ کی دعاؤں کی برکت تھی اور ان کی باطنی توجہ کارفرما تھی، اس طرح حضرت شیخ کی برکتیں اور کرامتیں بارہا دیکھنے میں آئیں۔

تجارت میں حضرت شیخؒ کی کرامت کا ظہور

۱۹۶۱ء کی بات ہے جب میں نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور سفر حج کے خرچہ میں کچھ کمی دیکھی تو مدرسۃ البنات کی عمارت میں جو میٹاڈور اسٹینڈ پر واقع ہے اس میں پیاز خرید کر اسٹاک لگایا تا کہ بھاؤ بڑھنے پر بیچ کر حج کی رقم میں واقع ہونے

والی کمی کو پورا کیا جاسکے، اس وقت لوگ مدرسۃ البنات کی اس عمارت کے خالی ہونے کی بناء پر اس عمارت میں اس طرح کا تجارتی سامان لگالیا کرتے تھے۔

میں نے یہ پیاز تین روپئے من کے حساب سے خریدے تھے، خیال تھا کہ بھاؤ بڑھ جائے گا مگر بھاؤ بڑھنے کے بجائے گھٹ گیا ادھر پیاز گلنے شروع ہو گئے، میں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے عرض کیا کہ احقر نے حج بیت اللہ کی درخواست دی ہے کچھ رقم کی کمی تھی اس لئے پیاز لگالئے تھے تاکہ ان میں کچھ نفع ہو جائے اور جو کمی ہو وہ پوری ہو جائے، مگر اب بھاؤ بڑھنے کے بجائے گھٹ گیا اور پیاز گلنے شروع ہو گئے، اس پر حضرت شیخ نے دعاء فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ انشاء اللہ بھاؤ بڑھے گا، میں حضرت کی دعاؤں کے ساتھ واپس گنگوہ لوٹا اور حافظ سعید احمد صاحب سے کہدیا کہ اگر کوئی پیازوں کا گراہک ملے تو اس سے پیازوں کی بات چیت کر لینا، حافظ سعید احمد صاحب چونکہ ہوشیار لوگوں میں سے تھے اسلئے یہ معاملہ ان کے سپرد کیا، انہوں نے چند ہی روز بعد ایک تاجر سے تین روپئے من کے حساب سے بات کر کے مجھے اطلاع دی کہ تاجر مل گیا ہے اور تین چار روز بعد رقم دیکر مال اٹھالے جائیگا، چنانچہ میں اس کا انتظار کرنے لگا تاکہ جلد ہی مدرسۃ البنات کی عمارت خالی کروں، پانچ روز تک انتظار کرنے کے بعد جب وہ نہ آیا تو میں خود ہی منڈی گیا جا کر حافظ سعید صاحب سے ملاقات کی اور ان کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگا، ابھی معلوم ہی کر رہا تھا کہ سامنے سے وہ تاجر بھی آگیا حافظ صاحب نے اس سے کہا اب کل کہاں تھا! میں نے وہ سودا مالک کے حوالہ کر دیا اور اب بیع فسخ ہو چکی ہے اس لئے کہ اب مدت گذر گئی اس طرح اس مرتبہ بھی پیاز رہ گئے، مگر ہفتہ عشرہ کے بعد بھاؤ

بڑھ گیا اور سبھی پیاز ۵ روپئے من کے حساب سے فروخت ہو گئے، اس طرح غیر متوقع طریقہ پر نفع ہونا حضرت شیخ کی دعاء کی برکت اور آپ کی کرامت تھی، آپ کی دعاء سے ناامیدی امید میں، مایوسی فرحت میں، نقصان کی شکل نفع میں تبدیل ہوگئی۔

بلا شبہ حضرت کی ذات والا صفات مستجاب الدعوات تھی، نا معلوم کتنے دکھیاروں اور پریشان حال ستم رسیدہ لوگوں کے لئے ایک امید کی کرن اور غمگین افسردہ دل رنجیدہ خاطر حضرات کے لئے مرہم شفاء تھی۔

حضرت شیخ کا بے حد مشفقانہ برتاؤ

ایک مرتبہ حضرت شیخ عید الفطر کے ۴ یوم بعد گنگوہ تشریف لائے مدرسہ اشرف العلوم کی مسجد دار جدید میں نماز پڑھنے کے بعد حضرت نے فرمایا شریف احمد لاؤ کوئی کتاب شروع کرالو، میں نے کہا حضرت ابھی تو طلبہ بھی گھر سے نہیں آئے، آپ نے فرمایا کہ تم بڑے علامہ مانے جارہے ہو؟ میں فوراً کتاب لیکر حاضر ہوا اور جو مدرسین یہاں مدرسہ میں موجود تھے ان سب کو بٹھا کر مشکوٰۃ شریف شروع کرائی اور حضرت دعاء فرما کر واپس سہارنپور تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ کا کشف اور آپ کی محبت

ایک دفعہ میں جمعہ کے دن سہارنپور حاضر ہوا جمعہ کے بعد حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کا معمول تھا مگر میں نے اس روز باہر کے مہمان زیادہ دیکھے اس لئے میں دوسری جگہ کھانا کھانے کے لئے چلا گیا کھانے پر حضرت کے یہاں حاضر نہ ہو سکا، بعد مغرب حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے معلوم کیا کہ کھانے میں کہاں تھے؟ میں

خاموش رہا تو فرمایا کہ تیرے کھانے سے یہاں بڑی کمی پڑ جاتی۔

حالانکہ اس سے قبل بھی کئی مرتبہ میں کھانے میں غیر حاضر رہا مگر اس تصور سے نہیں رہا کہ مہمان زیادہ ہیں آج ہی یہ تصور ہوا اور آج ہی حضرت نے گرفت فرمالی۔

حضرت شیخ کی وسعتِ ظرفی وعنایات خاصہ

حضرت شیخ کے مزاج مبارک میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ اپنے متعلقین کی طرف سے تھوڑے سے عطیہ کو بھی بہت سراہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کی بات ہے جس وقت آپ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے حج کے مقدس ایام چل رہے تھے حجاج کے قافلوں کے قافلے بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے لئے رواں دواں تھے، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ بھی حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے میں گنگوہ سے پیڑوں کا ایک ڈبہ لیکر مرکز نظام الدین مولانا سے ملاقات کے لئے گیا اور وہ ڈبہ مولانا عبید اللہ صاحب کے حوالہ کردیا کہ یہ ڈبہ میری جانب سے حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کردینا، چنانچہ وہ لیکر پہونچے اور حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، حضرت نے اپنی وسعت ظرفی اور مزاج کے مطابق وہی عمل فرمایا کہ ہر آنے والے کو کسی کو ایک پیڑا اور کسی کو آدھا پیڑا یہ کہہ کر دیئے کہ لو گنگوہ سے یہ پیڑے شریف احمد نے بھیجے ہیں، حج کے مقدس سفر سے واپس آنے والوں میں سے کئی حضرات نے اس کا تذکرہ کیا کہ آپ نے کتنے پیڑے بھیجے تھے کہ کئی روز تک ان کا تذکرہ رہا؟ میں نے کہا کہ پیڑے تو کم تھے مگر حضرت کی عنایات ومحبت زیادہ تھیں۔

حضرت شیخ کے یہاں نسبتوں کا احترام

خانقاہِ قدوسیہ میں جو کمرہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی نشست گاہ رہا ہے اور وہی کمرہ حضرت امام ربانیؒ عالم حقانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بھی قیام گاہ رہا ہے، حضرت شیخ ایک مرتبہ جب گنگوہ تشریف لائے اور شاہ عبدالقدوس کے مزار پر تشریف لے گئے میں بھی ساتھ چلا تو آپ نے اس کمرہ کے متعلق فرمایا کہ دیکھو وہ کمرہ کھلا ہوا ہے یا نہیں؟ میں دیکھنے گیا جو صاحب اندر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے پوچھا کہ کیا دیکھتے ہو؟ میں نے بتلایا کہ حضرت شیخ نے معلوم کرایا ہے، انہوں نے یہ سنکر نہایت قبیح جواب دیا مجھے ان کے اس جواب اور طرز کلام سے ناگواری ہوئی جس پر ان کے ساتھ ایک مکالمے کی سی صورت پیدا ہوگئی، الغرض میں قصہ ختم کر کے جلد حضرت شیخ کے پاس آیا حضرت نے معلوم کیا کہ کیا ہوا دروازہ کھلا ہے یا نہیں؟ میں جواب میں کچھ نہ کہہ سکا اور خاموش کھڑا رہا، حضرت فوراً سمجھ گئے کہ کچھ گڑبڑ ہوئی ہے، کیونکہ حضرت شیخ ان صاحب کے مزاج سے واقف تھے، حضرت فوراً مزار سے اٹھ کر سہارنپور کیلئے روانہ ہوگئے، کئی ماہ بعد جب میں سہارنپور گیا اور بعد مغرب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچے گھر کے دروازہ میں جب داخل ہوا تو باہر روشنی تھی اور جہاں حضرت شیخ تشریف فرماتے وہاں اندھیرا تھا، آپ کے پاس ایک صاحب اور بیٹھے ہوئے تھے میں ان کو تو نہیں دیکھ پایا مگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور پہچان بھی گئے، انہوں نے پوچھا میاں کامل صاحب کا کیا حال ہے؟ میرے

جواب دینے سے پہلے حضرت شیخ نے فرمادیا کہ ان کا حال اس کو معلوم نہیں ہوگا، پھر دوبارہ انہوں نے معلوم کیا کہ ننھے میاں کا کیا حال ہے؟ چنانچہ میں نے بتلایا کہ خیریت سے ہیں، پھر حضرت شیخؒ فرمانے لگے ارے بھائی! میری ایک بات سن لے میں جب بھی کاندھلہ جاتا تھا تو اپنے سبھی عزیزوں سے تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے ملاقات کرتا تھا، ایک صاحب کے پاس جب بھی میں جاتا اور سلام کرتا تو کبھی وہ مجھے بیٹھنے کے لئے برابر میں رکھے ہوئے موڑھوں پر اشارہ کرتے تو میں بیٹھ جاتا اور کبھی کبھی اشارہ بھی نہیں کرتے تھے تو میں تھوڑی دیر کھڑے ہوکر واپس ہوجاتا، تاہم ایک مرتبہ کاندھلہ جانے کے وقت میرے ماموں مسٹر محمود صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے، کاندھلہ جاکر میں حسب معمول ہر رشتہ دار کے پاس گیا ماموں ساتھ رہے آخر میں ایک صاحب کے پاس ملاقات کے لئے ان کے گھر گیا جبکہ وہ رشتہ میں میرے عزیز ہوتے تھے، میں نے حسب معمول جاکر سلام کیا انہوں نے ہم کو بیٹھنے تک کو نہیں کہا ہم تھوڑی دیر کھڑے ہوکر واپس ہوگئے، ذرا دور چلنے کے بعد ماموں صاحب مرحوم مجھ پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ میاں زکریا تم نے ہماری ناک کٹوادی ہے کیا ضرورت تھی ان کے پاس جانے کی، جب وہ اپنی بات سے فارغ ہوگئے تو میں نے اپنے منھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ میری ناک تو صحیح سالم ہے اور ماموں جی آپ کی بھی صحیح سالم ہے، اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ہمارا تعلق گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کے صاحبزادگان سے حضرت گنگوہی کی نسبت سے ہے اس لئے صاحبزادگان سے ملاقات کا معمول ہے ان کا جو بھی معاملہ ہو اس پر خیال نہ کیا جائے بلکہ ان کی نسبت کی طرف خیال کیا

جائے میں نے اتنی بات کہہ کر اپنی بات ختم کر دی، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ جس روز گنگوہ تشریف لائے تھے اور مجھے حضرت گنگوہی کے حجرہ کا دروازہ کھلا ہوا دیکھنے کے لئے بھیجا تھا اور وہاں پر حجرہ میں موجود ایک شخص کی تند مزاجی اور سخت کلامی سے مجھے ناگواری ہوئی تھی اور کچھ دیر ان سے سوال وجواب میں لگی جس کی بنا پر مجھے حضرت کے پاس جانے میں تاخیر ہوئی تھی حضرت نے پوچھا تھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے یا نہیں میں خاموش رہا تھا حضرت سمجھ گئے تھے کہ کوئی ناگوار بات پیش آئی ہے سہارنپور واپس تشریف لے آئے تھے کہ حضرت کے ذہن میں پورا واقعہ موجود ہے جس بناء پر اس کی وہاں آمد ورفت نہیں ہے، اسی لئے جب ان صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میاں کامل کا کیا حال ہے تو میرے جواب دینے سے پہلے حضرت نے فرمایا ان کا حال اس کو معلوم نہیں ہوگا پھر جب انہوں نے دوبارہ پوچھا کہ ننھے میاں کا کیا حال ہے اس پر حضرت شیخ نے فرمایا تھا کہ ان کا حال اس کو معلوم ہوگا، یہ سب حضرت شیخ کی وسعتِ فہمی اور بصیرت کی واضح دلیل ہے کہ میرے خاموش رہنے سے پوری بات سمجھ گئے تھے جس کا آج مجھے بخوبی اندازہ ہوا، پھر حضرت شیخ نے اس ملاقات کے آخر میں فرمایا کہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کی نسبت کا خیال رکھو اور ان کی طرف سے کوئی ناگواری کی بات پیش آئے تو برداشت کر کے درگذر کرو، اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ ان حضرات کے ذہن میں اپنے اکابر کی نسبت سے صاحبزادگان کا کس قدر خیال تھا۔

حضرت شیخ کے عفو و درگذر کا عجیب انداز اور توجہ باطنی کا اثر

شہر سہارن پور کے ایک مولوی صاحب خواہ مخواہ حضرت شیخ سے عناد رکھتے تھے ان کی عداوت ومخالفت اس درجہ پہونچی ہوئی تھی کہ دکانوں پر ادھر ادھر بیٹھ کر حضرت شیخ کی شان میں گستاخانہ الفاظ اور بے ہودہ باتیں بکتے تھے، ان کی اس بے ہودہ گوئی اور بکواس کے متعلق حضرت شیخ کو بھی معلوم ہوتا رہتا تھا مگر حضرت اپنی زبانِ مبارک سے ان کے متعلق کچھ نہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ انہیں مولوی صاحب نے حضرت شیخ کے خادم خاص حافظ انعام اللہ صاحب جن سے متعلق حضرت شیخ کے مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام سپرد تھا اور اسی خدمت میں حضرت کے یہاں ۳۳ رسال کا زمانہ گذارا نہایت ہی ہوشیار، چست چالاک، جرأت مند، با ہوش، تجربہ کار، بارعب آدمی تھے، معاملات میں سنجیدگی سے کام لیتے تھے اور معاملات کے نہایت صاف ستھرے آدمی تھے جنہوں نے بعد میں ہمارے یہاں مدرسہ اشرف العلوم میں بھی لمبا عرصہ گذارا اور بہتر عمدہ طریقہ پر مدرسہ کی خدمت انجام دی، یہ معاند مولوی صاحب حافظ انعام اللہ صاحب کے عزیزوں میں سے تھے انہوں نے حافظ صاحب سے کہا کہ اپنے پیر صاحب سے ہم کو بھی ملادو، چنانچہ حافظ صاحب نے کہا بہت اچھا اندر جا کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ مولوی دلشاد صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں باہر بیٹھے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ان کو بلاؤ حافظ صاحب مولوی صاحب کو اندر لے گئے مولوی صاحب نے حضرت کو سلام کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ

بڑھایا جوں ہی مولوی صاحب کا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں پہونچا تو مولوی صاحب پر گریہ طاری ہوگیا ہچکیاں بندھ گئیں زبان ساکت ہے کچھ بولا نہیں جارہا ہے بس حال یہ ہے کہ آنسو نہیں تھمتے روتے چلے جارہے ہیں جب ان کا رونا بند ہوا تو سب سے پہلے زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے کہ حضرت معاف فرمادیں، اس پر حضرت شیخؒ نے فرمایا جو کچھ اس سے پہلے اب تک کہا وہ بھی معاف اور جو کچھ آئندہ کہو گے وہ بھی معاف، اس پر ان کا سر شرم سے مزید جھک گیا اور جب وہ واپس چلنے لگے تو حضرت شیخ نے حافظ انعام اللہ صاحب کو کہا کہ ان کو الماری میں سے چار سیب نکال کر دے دو یہیں کھالیں یا گھر لے جائیں ان کی مرضی ہے، پھر کبھی مولوی صاحب نے حضرت کی مخالفت نہ کی، یہ حضرت شیخ کی توجہ باطنی کا اثر تھا کہ دل کی دنیا یکا یک بدل گئی، اللہ والوں کی توجہ باطنی ایسی موثر ہوتی ہے جس کے دل پر پڑ جاتی ہے اس کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور اس کی بگڑی ہوئی حالت سدھر جاتی ہے۔

حضرت شیخ کا حسن ظن

ایک مولوی صاحب پنجاب کے باشندے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کے خدام میں سے تھے، ایک مرتبہ وہ مع اپنے رفقاء گنگوہ تشریف لائے پھر گنگوہ کے اطراف میں کنڈہ وغیرہ اپنی عزیز داری میں ملاقات کے لئے دو تین دن بعد شنبہ کے روز گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم رشیدی میں نو دس بجے پہونچے، میں اس روز دیوبند گیا ہوا تھا انہوں نے مجھ کو جب مدرسہ میں نہ پایا تو ایک طالب علم کو گھر بھیجا اور اس

سے کہا کہ قاری صاحب کو بلا کر لاؤ میرا معمول یہ تھا کہ جب کہیں جانے کا ارادہ ہوتا تو طلبہ کو آگاہ نہ کرتا اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ طلبہ یہ سمجھ کر کہ میں یہیں کہیں ہونگا اپنے کام میں لگے رہتے تھے، بہر حال اسی طرح اس روز بھی طلبہ کو معلوم نہیں تھا کہ میں دیوبند گیا ہوں وہ طالب علم عبدالرحیم نامی مجھ کو گھر دیکھنے گیا گھر سے بتلایا گیا کہ یہاں نہیں ہیں، بچہ نے گھر پہ نہیں بتلایا کہ مہمان ہیں اور قاری صاحب کو معلوم کر رہے ہیں، خیر اس نے خود سے یہ سوچا کہ جب قاری صاحب یہاں نہیں ہیں اور ان کے مہمان آئے ہیں تو میں دکان سے ان کے لئے چائے بنوا کر لے چلوں چنانچہ وہ طالب علم راستہ میں ان کے لئے چائے بنوانے لگا اس کو یہ خیال نہ تھا کہ مہمان بہت عجلت میں ہیں ادھر چائے تیار ہونے میں ذرا دیر ہوگئی، جب وہ طالب علم چائے لیکر مدرسہ پہونچا تو وہ سب لوگ جا چکے تھے اس کی چائے بھی بے کار گئی، یہ مولانا صاحب مع احباب گنگوہ سے چل کر سہارنپور حضرت شیخ کے یہاں پہونچ گئے حضرت سے ملاقات کی حضرت نے معلوم کیا کہ قیام کہاں رہا؟ جواب میں مولانا نے کہا کہ قاری صاحب کو دکھلایا تھا مگر وہ گھر سے نہیں نکلے، حضرت شیخ نے فوراً کہا قاری صاحب آپ کے کھانے کے ڈر سے چھپ کر بیٹھ گئے ہوں یہ تو ان سے امید نہیں ہے ویسے آپ لوگ بتلا رہے ہیں اللہ زیادہ جانتا ہے مگر بات دل کو لگتی نہیں، یعنی حضرت شیخ کو ان کی بات کا یقین نہیں آیا کہ قاری صاحب مہمانوں کو کھلانے کے ڈر سے چھپ کر بیٹھ گئے ہوں اور حضرت شیخ نے بات پر زیادہ اعتماد نہ کیا بلکہ میری مدافعت فرمائی، تاہم بات ختم ہوئی اور اتفاق یہ ہوا کہ اگلے روز مولانا عبدالمعید صاحب خطیب مسجد خوخہ بازار ممبئی تشریف لائے، میرے مخلص اور بے

تکلف دوستوں میں تھے گیارہ بجے یہ لوگ مدرسہ میں پہونچے میں ان کو ملاقات کے بعد گھر لیکر گیا اور ساتھ کھانا کھلایا، اس کے بعد یہ حضرات مزار پر گئے اور پھر واپس سہارن پور پہونچ گئے، جب حضرت شیخ کی خدمت میں پہونچے تو حضرت شیخ نے دورانِ گفتگو پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ بتلایا کہ دوپہر گنگوہ پہونچ گیا تھا وہاں سے آرہا ہوں، معلوم کیا کہ کھانا کہاں کھایا؟ بتلایا کہ قاری صاحب کے گھر، یہ سن کر سکوت فرمایا اور بات آئی گئی ہوگئی اور میں بھی دو تین روز کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں سہارنپور پہونچا حضرت سے ملاقات کی، حضرت شیخ فرمانے لگے گنگوہ والوں کو کیا ہو گیا کہ بے چارہ فلاں مولوی صاحب جیسا غریب ان کے یہاں پہونچتا ہے تو ان کی وجہ سے گھر میں چھپ جاتے ہیں اور مولوی عبد المعید جیسا امیر ممبئی کی مسجد کا امام پہونچے تو ان کی خوب دعوت ہوتی ہے؟ میں سوچنے لگا کہ یہ کیا معمہ ہے اور یہ دو باتیں جو میری طرف منسوب ہو رہی ہیں ان میں سے ایک کی نسبت میری طرف ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ مولانا عبد المعید صاحب گنگوہ تشریف لائے تھے وہ مجھکو بخوبی معلوم ہے، لیکن دوسری بات کی نسبت کہ فلاں غریب مولوی صاحب کے پہونچنے پر چھپ جاتے ہیں میری سمجھ میں نہ آئی اس لئے کہ ان کا گنگوہ پہونچنا میرے علم میں نہ تھا، تاہم میں اس معمہ کی عقدہ کشائی اور وضاحت کے لئے فکر مند ہوا اور یہاں حاضر باش حضرت حافظ صدیق احمد صاحب مرزا پوری کے پاس پہونچا اور پیش آمدہ پورا واقعہ ان کو سنایا اور ان کو بتلایا کہ حضرت شیخ اس طرح فرما رہے ہیں کیا بات ہے؟ اس پر انہوں نے حقیقت حال سنائی اور بتلایا کہ فلاں مولوی صاحب حضرت شیخ کی خدمت میں آئے تھے اور انہوں نے حضرت شیخ کے

معلوم کرنے پر بتلایا کہ گنگوہ گیا تھا اور قاری صاحب کے گھر اطلاع کرائی ان کو بلوایا مگر وہ گھر میں چھپ گئے اور گھر سے نہ نکلے، حافظ صدیق صاحب سے یہ باتیں تو صبح کے وقت ہوئیں لیکن جب دو پہر کا وقت آیا اور وہ مولوی صاحب کھانا کھا کر نکلے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ بھی ساتھ میں تھے میں نے ان مولوی صاحب سے کہا مولوی صاحب کیا آپ گنگوہ تشریف لے گئے تھے؟ مولانا صاحب نے فوراً جواب دیا ہاں گیا تھا مگر آپ گھر سے نکلے ہی نہیں میں نے آپ کے گھر اطلاع بھی کرائی تھی، اس پر میں نے ان سے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روز میں گنگوہ میں نہیں تھا دیوبند گیا تھا دوسری بات یہ ہے کہ چلو میں گنگوہ میں نہیں تھا کیا آپ گھر تشریف لے گئے؟ وہ اس پر خاموش رہے، میں نے کہا اولاً تو آپ گھر تشریف نہیں لے گئے پھر شکایت کس بات کی اگر تشریف لے جاتے اور اہل خانہ آپ کو نہ بٹھلاتے اور آپ کو کھانے وغیرہ کے لئے نہ پوچھتے تو آپ کی شکایت بجا تھی یہ آپ نے کیا کیا کہ حضرت سے بھی آ کر نقل کر دیا کہ قاری صاحب گھر سے نہیں نکلے یہ کیا ضروری ہے کہ آپ گنگوہ تشریف لائیں اور میں گھر پر ہوں؟ آدمی کی سینکڑوں ضروریات ہیں میں وہاں تھا بھی نہیں آپ نے یہ رائے کیسے قائم کر لی کہ میں گھر میں چھپ کر بیٹھ گیا ہوں اور گھر سے نہیں نکلا؟ یہ جھوٹ شکایت اور بہتان تو آپ کے منہ پر آیا یہ غیر مناسب باتیں تو آپ کے خیال اور زبان پر آئی مگر کوئی اچھی تاویل آپ کے ذہن میں نہ آئی، اس کے بعد میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ فلاں مولوی صاحب بار کے دن گنگوہ پہونچے تھے میں اس روز دیوبند گیا ہوا تھا، یہ لوگ مدرسہ میں ہو کر واپس آ گئے گھر بھی نہیں پہونچے، اس

پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو آپ کی طرف سے پہلے ہی صفائی کر دی تھی کہ قاری شریف احمد سے یہ امید نہیں کہ کوئی ہمارا متعلق (مہمان) کھانے کے وقت ان کے یہاں پہونچے اور بغیر کھانا کھائے واپس ہو جائے، حضرت شیخ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اطمینان ہو گیا کہ حضرت شیخ پر ان کی شکایت کا کوئی اثر نہیں ہوا اور حضرت کا حسن ظن بندہ کے ساتھ بدستور قائم ہے، بلکہ حضرت کو قوی اعتماد ہے اس لئے آپ نے مدافعت فرمائی، یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ سینکڑوں واقعات ہیں جو حضرت کی والہانہ شفقت و محبت و عنایت پر دلالت کرتے ہیں، بارہا حضرت نے اپنی شفقتوں دعاؤں سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کو مقامات رفیعہ نصیب فرمائے اور ساری امت کو آپ کے علوم و معارف، اسرار و حکم سے فیض یاب و بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ قدس سرہ کے ساتھ کس درجہ کا تعلق تھا اور شیخ کو اپنے مرید کے ساتھ کس قدر محبت تھی، اس کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل مکاتیب کا مطالعہ کرنا بہت مفید ہوگا اور اس سے دوسرے علمی روحانی فوائد و حقائق پر بھی اطلاع حاصل ہوگی۔

جامعہ کیلئے بڑے اہتمام سے دعاء کرنا

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی و محترمی قاری شریف احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا گرامی نامہ موصول ہو، جسمیں آپکو

مضمون ذیل تحریر فرمایا ہے، تمہارا محبت نامہ مورخہ ۱۸/ اپریل ۳۰ء کو پہنچ گیا۔

آپ اچھا کرتے ہیں کہ میری خیریت طلحہ سے معلوم کرتے ہیں، تم نے لکھا کہ قاری عباس صاحب[1] کی معرفت اوائل فروری میں ایک پرچہ بھیجا تھا، ڈاک کے ہجوم مشاغل کی کثرت اور امراض کی وجہ سے مجھے تو یاد نہیں رہتا کہ کس کا خط آیا لیکن اگر آیا ہوگا تو مولوی نصیر کی رجسٹری پر اس کا جواب ضرور گیا ہوگا، مولوی نصیر کے خطوط میں تمہارے نام سلام و پیام اور پرچہ بھیجنا تو خوب یاد ہے مگر یہ یاد نہیں کہ وہ تمہارے خط کا جواب تھا یا از خود۔

مسجد کے قریب پانچ کمروں کی تیاری سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، مدرسہ کو مادی و روحانی ترقیات سے نوازے، یہ ناکارہ آپ کے مدرسہ کے لئے اور آپ کے لئے بہت اہتمام سے دعاء کرتا رہتا ہے، اور آپکی طرف سے روضۂ اقدس پر بھی صلوٰۃ و سلام پیش کرتا رہتا ہے، آپ کے مع اہلیہ حج کے ارادہ سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ سہولت فرمائے، یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے اسباب میسر فرمائے، اہلیہ محترمہ اور سب متعلقین سے سلام مسنون کہدیں، اس سے بہت مسرت ہوئی کہ عزیزم عبید الرحمٰن[2] سلمہ کا حفظ قرآن پورا ہوگیا اللہ

---

[1] بخاری کے باشندہ تھے جب بخارا کے حالات خراب ہوئے تو بہت سے لوگ حرمین ہجرت کر گئے آپ کا قیام مدینہ میں تھا، علماء کے قدر دان اور مہمان نواز انسان تھے، حضرت والدؒ کے خاص دوستوں میں سے تھے، راقم السطور کیلئے البحر الرائق مدینہ منورہ سے بھیجی تھی، اللہ پاک درجات عالیہ سے نوازے آمین ثم آمین !

[2] اس سے مراد برادرم قاری عبید الرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ ہذا ہیں۔

تعالیٰ کمال حفظ عطا فرمائے اور علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے، حکیم نھو صاحب کی خدمت میں نیز عزیز مولوی ایوب صاحب اور ان کے توسط سے ان کے گھر میں اور صوفی رشید صاحب سے خاص طور سے سلام مسنون کہدیں، فقط والسلام۔

مولانا نصیر الدین صاحب

کتب خانہ یحیوی سہارنپور ۱۳ مئی ۱۹۷۴ء

ترقیات کی دعاء سے غافل نہیں ہوں

مکرم ومحترم جناب قاری شریف احمد صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت شیخ مدظلہ کا گرامی نامہ جو ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو موصول ہوا اس کا نمبر ۴ آپکے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ایک پرچہ قاری شریف احمد کے نام لکھو۔

بعد سلام مسنون تمہارے لئے اور تمہارے مدرسہ اور مدرسین کے لئے بلاتوریہ مکارہ سے حفاظت، فلاح دارین اور ترقیات کی دعاء سے غافل نہیں ہوں۔

میں نے حکیم نھو صاحب کے نام ایک خط لکھا تھا جس کا مولوی نصیر تک پہونچنا معلوم ہوگیا تھا، ان کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد آپ کیلئے دعاؤں امیں اور آپ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام میں غفلت نہیں ہوتی، میں نے آپ کے خط کے جواب میں ایک مختصر پرچہ بوساطت مولوی نصیر بھیجا تھا اسکے جواب کا تو تقاضا نہیں صرف رسید کا انتظار

---

[1] اس جملہ سے اندازہ ہوتا ہیکہ حضرت شیخ زکریاؒ کو حضرت والد ماجد مولانا قاری شریف احمد صاحب کے ساتھ کس قدر محبت تھی، اور ان کے یہاں ان کا کیا مقام ودرجہ تھا، ظاہر ہے کہ شیخ کا اس درجہ لگاؤ مرید مخلص کی غایت درجہ محبت وعقیدت اور خدمت ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

ہے، قاری شریف صاحب سے زبانی فرمادیں کہ پہونچ گیا، اپنے مدرسہ کے مدرسین اور صوفی رشید صاحب سے بھی سلام مسنون کے بعد مضمون واحد، نیز مجھے اقبال بن ننھے خاں کے حالات کا بھی انتظار ہے، اسکی تعلیمی حالت اخلاقی حالت ایک پرچہ پر لکھ کر مولوی نصیر الدین[1] کو بھیج دیں تو اچھا ہے، فقط۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ از مدینہ منورہ

از نصیر الدین، براہ کرم اس پرچہ کے پہونچنے کی رسید میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ میں لکھدوں کہ ان کی رسید آ گئی ہے پرچہ انکو پہونچ گیا، فقط والسلام۔

نصیر الدین ۲۹/ مارچ ۱۹۷۵ء

حضرت شیخ کی دعائیں برائے مدرسہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عنایت فرمائم جناب قاری شریف احمد صاحب گنگوہی سلمہ

بعد سلام مسنون آپ کے دو محبت نامے ایک بروز پیر مورخہ ۸/ اپریل اور دوسرا لفافہ جس پر تاریخ تو نہیں تھی مگر اس میں ایک پرچہ قاری عباس کے نام تھا

---

[1] جناب مولانا نصیر الدین صاحب حضرت شیخ قدس سرہ کے خاص لوگوں میں تھے، انکے کتب خانہ کے ذمہ دار کتابوں کی طباعت اور فروخت جیسے سب معاملات وہ انجام دیتے تھے، اور کھانا کھلانے پر بھی وہی مامور تھے، حضرت شیخ کے یہاں انکی بڑی اہمیت تھی، حضرت کے یہاں انکو عقل کل کا درجہ حاصل تھا، حضرت والد ماجدؒ کو انکے ساتھ بہت تعلق تھا، حضرت شیخؒ نے ایک بار والد صاحبؒ کے کھانے پر حاضر نہ ہونے کے ذیل میں فرمایا کہ اچھا مولوی نصیر الدین نے کھلادیا ہوگا، نیز فرمایا جسکی دوستی ان سے ہو جاتی ہے مجھے اسکے کھانے کی فکر نہیں رہتی ہے، مرحوم نیک صالح آدمی تھے، اللہ پاک درجات بلند فرمائے حضرت کی آپ بیتی میں ان کا بہت جگہ ذکر آیا ہے۔

جوان کو پہنچا دیا۔

یہ ناکارہ تمہارے لئے دل سے دعاء کرتا ہے اور تمہارے مدرسہ کے لئے بھی دل سے دعاء کرتا ہوں، مدرسہ کی مالیات کے لئے بھی دعاء کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہر نوع کی مدد فرمائے۔

امید ہیکہ حاجی سعید الدین صاحب کی رقم پہنچ گئی ہوگی، اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے آپکا مکان بہترین قیمت میں فروخت کرا کر تمہیں اور تمہاری اہلیہ کو حج وزیارت کی دولت سے مالا مال فرمائے، عبید اللہ سلمہ کے لئے بھی دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکو علم وعمل کا شوق عطا فرمائے، قرآن پاک بہترین طریقہ سے یاد کرادے۔

عزیزان اقبال اور عبد الرشید سلمہما کے اپنے کام میں لگے ہوئے ہونے سے مسرت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی مبارک فرمائے، ان دونوں سے بھی سلام مسنون اور دعوات فرمادیں، نیز اپنی اہلیہ محترمہ سے بھی سلام مسنون کہدیں، یہ پہلے خط کا جواب تھا، دوسرا خط بلا تاریخ پہونچا، تم دوستوں کے خطوط سے حرج تو ضرور ہوتا ہے مگر وہ حرج مسرت پر غالب نہیں ہوتا، دوستوں کے حالات سے مسرت زیادہ ہوتی ہے، اس سے عزیز اقبال سلمہ کی محنت اور جاں فشانی کا حال معلوم ہوکر بہت مسرت ہوئی، یہ تمہاری توجہ کا ثمرہ ہے ورنہ سہارنپور میں تو وہ کسی کے قابو میں نہیں آیا، عبد الرشید کے پیٹ کی بیماری سے قلق ہوا اللہ تعالیٰ ہی صحت عطا فرمائے، بندہ کے خیال میں تو مولانا عبید اللہ صاحب[1] کو لکھ کر حکیم شریف صاحب

---

[1] ان کا مفصل تذکرہ آئندہ آرہا ہے۔

سے کوئی ہاضمہ کی گولیاں منگالیں، حاجی سعید صاحب کے کارخانہ کی خبر سے بہت قلق ہوا بندہ کی طرف سے سلام مسنون کے بعد لکھدیں یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے۔

تمہارے تینوں صاحبزادوں کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ انکو علم وعمل کی دولت سے مالامال فرمائے، انکی والدہ سے بھی سلام مسنون کہدیں، اور مدرسہ کے جملہ مدرسین سے بھی سلام مسنون کہدیں، نیز صوفی رشید صاحب سے بھی، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ
بقلم نجیب اللہ ۶ رمئی ۱۹۷۵ء

نقصان پر صبر کی تلقین اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا وِرد کرنا

عنایت فرمائیم سلمکم اللہ تعالیٰ　　بعد سلام مسنون

آج دوپہر کارڈ پہونچا لیکن آج ڈاک اتنی دیر سے آئی کہ اس وقت جواب کا وقت نہ ملا کہ ظہر سے عصر تک مسلسل سبق ہوا، اسلئے اس وقت جواب لکھ رہا ہوں، اگر چہ آج کی ڈاک سے نکلنے کی امید نہیں اور کل اتوار ہے جواب پرسوں پہونچے گا جس سے قلق ہے، حادثہ[1] سے بہت زیادہ رنج ہوا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپکو اور اہلیہ کو صبر جمیل اور نعم البدل عطاء فرمائے، اناللہ وانا الیہ راجعون کی کثرت اس میں انتہائی مجرب اور مفید ہے بہت زیادہ کثرت سے دونوں پڑھتے

---

[1] گھر میں کوئی چوری کا قصہ پیش آیا تھا جسمیں نقصان ہوا تھا، اس پر صبر کی تلقین فرمائی ہے، الحمدللہ راقم کی والدہ ماجدہ نے بیحد صبر سے کام لیا، اور میرے والد ماجد صاحبؒ کے ساتھ مدرسہ کے کاموں میں ان کا بہت بڑا تعاون فرمایا، الحمدللہ میری والدہ ماجدہ بہت عابدہ زاہدہ خاتون ہیں، بہت تلاوت اور بہت تسبیحات پڑھنے والی صدقہ وخیرات میں بہت آگے ہیں، خواب میں متعدد بار رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوچکی ہیں، حضرت شیخ کے مہمانوں کی بہت خدمت کی، اور خوب دعائیں حاصل کیں، اللہ پاک انکی عمر میں برکت فرمائے، ان کے سایہ رحمت کو قائم رکھے آمین! مفصل تذکرہ آئندہ آرہا ہے۔

رہیں، حق تعالیٰ شانہ کے کرم سے امید ہے کہ اصل یا نعم البدل ضرور ان شاء اللہ ملے گا، یہ ناکارہ بھی دل سے دعاء گو ہے۔

اہلیہ سے بعد سلام مسنون کہدیں کہ بے صبری کے الفاظ زبان سے نکال کر اجر میں کمی نہ کریں، اللہ تعالیٰ شانہ سے عاجزی سے مدد مانگتی رہیں، یہ ناکارہ بھی دعاء کرتا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہوں گا، فقط والسلام۔

از حضرت شیخ زکریا صاحب

شنبہ ۱۱ر صفر ۱۳۹۷ھ

مدرسہ کی ترقیات پر مسرت اور دعائیں

عنایت فرمائیم جناب الحاج قاری شریف احمد صاحب گنگوہی

بعد سلام مسنون، کل کی ڈاک سے آپ کا لفافہ مورخہ ۴؍اپریل مجھے ملا، اسمیں ایک پرچہ قاری عباس کے نام تھا جو اسی وقت بھیجدیا تھا، آپ نے تاخیر خط کا جو عذر لکھا وہ تو صحیح نہیں، مجھے دوستوں کے حالات اور خیریت کا تو انتظار رہتا ہی ہے، مگر میری طبیعت بھی خراب چل رہی ہے جسکی وجہ سے ڈاک سننا اور لکھوانا دونوں مشکل ہیں۔

آپکی حاضری حرمین کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں، مدرسہ کی جو تفاصیل آپ نے لکھی ان سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ مکارہ سے محفوظ رکھ کر دارین کی ترقیات سے نوازدے، شروع میں داخلہ میں ضرور تنگی کیا کریں داخلہ پر کنٹرول ہر مدرسہ میں مشکل ہوتا ہے، دوسری جگہ سے پڑھکر آنے والے کتابیں بیچ میں چھوڑ کر اونچی لکھوادیتے ہیں، میرے ایک دوست کا قصہ ہے کئی سال پہلے مدرسہ میں شرح

جامی میں فیل ہونے کی وجہ سے اعادہ تجویز ہوا، وہ یہاں سے چھوڑ کر دھلی کے ایک مدرسہ میں گیا مشکوٰۃ میں اسکا داخلہ ہوگیا اور اگلے سال حضرت مدنی صاحب کے دست مبارک سے دستار فضیلت بھی بندھ گئی۔

صاحبزادی [1] کی رخصتی ۹/ اپریل کو ہوگئی ہوگی اللہ تعالیٰ مبارک کرے، مولانا عبدالمالک صاحب کو میری طرف سے مبارکباد فرماویں، اللہ تعالیٰ زوجین میں محبت پیدا فرماکر اولاد صالح عطا فرمائے، مدرسہ کی تعمیر کی تکمیل کیلئے میں دل سے دعاء کرتا ہوں، حکیم نھو صاحب سے سلام مسنون عرض کردیں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم نجیب اللہ مدینہ طیبہ ۸/ ۷۶ء

اللہ پاک مدرسہ کو مکارہ سے محفوظ رکھے

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرم ومحترم جناب الحاج قاری شریف احمد صاحب مدفیوضکم

بعد سلام مسنون آپ کا دستی خط پہنچا، میری طبیعت خراب ہی چل رہی ہے، آپ کے لئے آپکے مدرسہ کیلئے آپکی اہلیہ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ مکارہ سے محفوظ فرماکر دین ودنیا کی چین نصیب فرمائے، حکیم نھو صاحب سے بھی سلام مسنون فرمادیں، مولانا عبیداللہ صاحب ابھی مدینہ نہیں پہونچے مگر

---

[1] میری بہن حافظہ قرآن شاہدہ کی شادی پر مبارکبادی ہے، اہلیہ مولانا مظفر الحسن صاحب سہارنپوری، والدہ قاری منورالحسن صاحب مدرس مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، اللہ پاک اس پورے گھرانہ کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

انہوں نے ایک حاجی کی معرفت آپ کے پیڑے بھیج دیئے تھے جو یہاں احباب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا، تم نے مدرسہ کی جو تفصیلات لکھی اس سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالی مکارہ سے محفوظ فرما کر ترقیات سے نوازے، تمہارے خط سے حکیم صاحب کی والدہ کا پاکستان میں انتقال کا حال معلوم ہوا، میری طرف سے تعزیت کردیں کہ مرحومہ کی مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل اجر جزیل کی دعاء کرتا ہوں اللہ تعالی صبر جمیل اجر جزیل عطا فرمائے، آپ کے لئے مع اہلیہ کے حاضری کی دعاء بھی کرتا ہوں، آپکے لئے آپ کے مدرسہ کے لئے دعاء سے تو اس خط کی ابتداء ہی کی تھی، جملہ مدرسین سے میرا بھی سلام مسنون کہدیں، فقط۔

حضرت شیخ زادمجدہ

بقلم نجیب اللہ ۱۴/۱۲/۱۹۷۸ء مدینہ طیبہ

مدرسوں کے جھگڑوں پر رنج کا اظہار

مکرم ومحترم قاری شریف احمد صاحب مدفیوضکم بعد سلام مسنون

میری طبیعت کافی دنوں سے بہت ناساز ہے خبر نہیں رمضان میں سہارنپور آسکوں گا یا نہیں، آجکل ہندوستان کے مدارس عربیہ میں جھگڑوں کے قصے کانوں میں پڑتے رہتے ہیں جن سے بہت رنج ہوتا ہے۔

میں ان قصوں کے سننے کے بعد اہل مدارس اور دوستوں کو لکھتا رہتا ہوں کہ ایک تو جو صورت بھی ہو ذکر کا اہتمام ہونا چاہئے، اللہ کے نام میں بہت برکت ہے، دوسرے سورۂ کہف اگر روز آنہ ہو سکے تو بہت ہی اچھا ورنہ جمعہ کو اپنی طرف سے اور

میری طرف سے پڑھنے کی تاکید کردیں، سورۂ کہف کا دجال کے فتنہ کے لئے پڑھنا بہت مفید ہے اور فتنے تو اس سے کم ہی ہیں، سہارنپور آنے کی تو ہمت نہیں اگر آ گیا تو بھی اعتکاف کی ہمت نہیں اور اسکی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ گنگوہ اور رائے پور حاضری دے سکوں، دوستوں کے خطوط تو کثرت سے ہندوستان سے آرہے ہیں کہ میں رمضان جس حال میں بھی ہو وہاں کرلوں، مگر مجھے خیال ہے کہ رمضان میں ذکر شغل اور اعتکاف نہ ہو سکے تو اس سے بہتر تو یہاں کونے میں رہنا ہے، خبر نہیں اگر سہارنپور آ گیا تو گنگوہ بھی حاضری ہو سکے گی یا نہیں۔

حکیم نھو کی خدمت میں سلام مسنون پہنچادیں اور فرمادیں کہ چونکہ پرسال نہیں آسکا تھا اسلئے جی میرا بھی چاہتا ہے، اپنی اہلیہ اور دیگر دوستوں کو سلام مسنون فرمادیں، فقط والسلام۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم نجیب اللہ[1] مدینہ منورہ ۲۲ر اپریل ۱۹۷۹ء

لڑکیوں کی شادی کے لئے دعا کرنا

عنایت فرمائیم جناب قاری شریف احمد صاحب سلمہ

بعد سلام مسنون، تمہارا پرچہ بھی حضرت حکیم صاحب کے لفافہ میں پہنچا میں تو بار بار لکھوا چکا ہوں کہ اللہ کی شان ہے کہ اس مرتبہ مدینہ پاک کی حاضری میں اکابر اور ان سے تعلق رکھنے والے یہاں کثرت سے یاد آتے رہے، زندوں کی طرف سے صلوٰۃ و سلام اور اموات کی طرف سے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب اللہ

---

[1] حضرت شیخ کے خلیفہ ہیں، نیک صالح شخص ہیں، مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔

کے فضل سے خوب کر رہا ہوں، مولوی عبد الرحمٰن، مولوی ابراہیم، مولوی سعید، حافظ اسماعیل[1]، شاید پہلے بھی لکھا تھا فتح قصاب بھی جو میری سات برس کی عمر میں گنگوہ تھا، تائے منظور، بھائی ظہور، اور کس کس کے نام لکھواؤں جو جو بھی یاد آتا رہتا ہے اس کے لئے دعاء مغفرت اور عزیزم صوفی رشید اور خاص طور سے عزیزم ایوب کے دروازہ پر جا کر میری طرف سے سلام مسنون کہدیں، نیز حکیم عزیز سے بسہولت سلام مسنون کے بعد کہدیں کہ اپنی والدہ سے بھی سلام مسنون کہدیں، یہ نا کارہ ان سب کے لئے دعاء بھی کر رہا ہے اور صلوٰۃ وسلام بھی پیش کرتا رہتا ہے۔

اپنے گھر والوں سے، اہلیہ سے سلام مسنون کہدیں، یہ ناکارہ ان سب کیلئے دعاء بھی کرتا ہے اور صلوٰۃ وسلام بھی پیش کرتا رہتا ہے۔

آپ کی حج کی درخواست کیلئے بھی دعاء گو ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرماوے، نیز لڑکیوں کی شادی کیلئے بھی دعاء گو ہوں اور مدرسہ کی تعمیر کیلئے بھی دعاء کرتا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ جلد از جلد تکمیل فرماوے، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم عبد الرحیم ۲۰ر جولائی ۱۹۷۹ء

طلبہ اور مدرسین میں ذکر کا شوق پیدا کرو

عنایت فرمایم قاری شریف احمد صاحب

بعد سلام مسنون اسی وقت آپکا خط مورخہ ۱۷ر اپریل آج ۲۹ کو پہنچا، اس

---

[1] یہ سب گنگوہ کے حضرات تھے، جنکا حضرت نے تذکرہ فرمایا ہے، یہ اہل گنگوہ سے آپکی محبت اور شفقت کی بات ہے، کئی کئی بار ایصال ثواب کی بھی نوبت آئی۔

سے پہلے کوئی خط آپ کا عرصہ سے نہیں آیا، البتہ کسی کی زبانی مجھے آپ کے مدرسہ کے بھی اور دیوبند کے بھی ہنگامے کی خبریں ملیں[1] ایک کارڈ آپ کے نام لکھا تھا پہنچ گیا ہوگا، میں نے جو خبر سنی تھی وہ اتنی مفصل نہیں تھی جتنی آپ نے لکھی، فلاں مولوی سے میں واقف نہیں مگر فتنہ فساد[2] کا زمانہ ہے جھوٹی افواہیں زور پکڑتی ہیں اور سچی خبروں کو چھپالیا جاتا ہے، میں نے پہلے کارڈ میں کچھ پڑھنے کو بھی لکھا تھا، اللہ تعالیٰ کا ذکر جتنا بھی طلبہ اور مدرسین میں شائع کریں گے مفید ہوگا اور فتنہ کو دبائے گا۔

اس سے اور بھی تعجب ہوا کہ آپ کے قتل کے ارادے ہوگئے، اللہ تعالی ہی آپ کو آپ کے مدرسہ کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھے، جبکہ آپ مدرسہ میں سورہے تھے اور اس قصہ سے بےفکر تھے پھر بچنے کی کیا صورت ہوئی؟ معلوم نہیں آپ نے مولوی منور صاحب کو بھی اس واقعہ کی اطلاع کی یا نہیں ان کو لکھیں کہ اس طالب علم کو جلدی بلالیں۔

---

[1] ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں مدرسہ میں تین استاذوں میں زبردست اختلاف ہوا، جن میں دو بہار کے تھے، انہوں نے علاقۂ بہار کے طلبہ کو، اور تیسرے یوپی کے انہوں نے اپنے علاقہ کے طلبہ کو استعمال کیا، جھگڑا انکا تھا سر حضرت ناظم مدرسہ کے پڑا تھا، اسکے نتیجہ میں بعض مدرسین اور طلبہ کی کثیر تعداد مدرسہ سے نکل گئی تھی، اور علاقۂ الہ آباد مقام پھول پور میں جا کر ٹھیرے، پھر ان مفسدوں کے ساتھ بھی اللہ پاک نے وہی تاریخ لوٹائی جو فساد انہوں نے مدرسہ میں کیا تھا، اسی طرح کا بلکہ اس سے زیادہ ان کے ساتھ ہوا، جب ایک فساد کرنے والے مدرس حضرت شیخ کے یہاں اعتکاف میں آئے تو حضرت نے نکلوادیا تھا، کیونکہ حضرتؒ کو مدرسوں میں اسٹرائک اور فساد کرنے والوں سے بہت نفرت تھی، **فاعتبروا یا أولی الأبصار** [2] حضرت شیخؒ نے کیا خوب لکھا ہے، واقعی ہر جگہ فتنہ وفساد کرنے والے حقائق کو چھپایا کرتے ہیں اور غلط پروپگنڈہ کرتے ہیں، اور ایک طبقہ بلاتحقیق مان کر بدظنی اور بدزبانی کا گناہ خریدتا ہے حق تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا، اللہ پاک رحم فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اس سے مسرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے امن پیدا کردیا آئندہ بھی اللہ تعالیٰ امن رکھے، میں نے یہ بھی سنا تھا کہ ان جانے والے طلبہ نے آپس میں عہد کیا تھا کہ مظاہر میں کوئی نہ جائے، معلوم نہیں اس کی کیا اصل ہے۔

تمہارے قلب ودماغ پر جتنا بھی اثر ہو قرینِ قیاس ہے، ہمارے یہاں کے ۱۳۸۲ھ کی اسٹرائک میں مجھ پر بھی اسی کا اثر رہا اور ہے، میں نے بہت کوشش کی تھی کہ دورہ کے طالب علم کو صوفی بنایا جائے اور جب مشورہ ہوا تو میں نے کہا کہ دورہ کا کوئی طالب علم نہ ہوگا، مگر مولوی عبدالمجید نے کہا کہ دورہ کے بھی شریک ہیں اور جب تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ دورہ کے بھی سبھی طلبہ شریک اور متاثر ہیں تو بڑا قلق ہوا، میں نے لکھا تھا کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف اور مغرب کے بعد روزآنہ ۴۱ مرتبہ سورۂ یٰسین کا ختم کرائیں، اور لوگوں سے کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا سارے فتنوں کو دبانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تو دنیا قائم ہے پھر ایک مدرسہ کیا چیز ہوتی ہے؟۔

اہل خانہ سے میرا بھی سلام کہدیں ناکارہ سب کے لئے دعاء کرتا ہے، حکیم مسعود صاحب کے صاحبزادگان جو گنگوہ میں ہیں ان سے بھی سلام مسنون کہدیں، اور کہدیں کہ تمہارے والد صاحب کا خط تمہارے احوال کے متعلق آیا تھا والد صاحب ہی کو جواب لکھا کہ تم سب کے لئے دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ دین ودنیا کے مکارہ سے محفوظ فرما کر دارین کی ترقیات سے نوازے، فقط والسلام۔

از حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم نجیب اللہ ۲۹/اپریل ۱۹۷۹ء مدینہ طیبہ

مجھے ماثور دعائیں محبوب ہیں

عنایت فرمائیم قاری شریف احمد صاحب سلمہ بعد سلام مسنون

اسی وقت عنایت نامہ پہونچا اس ناکارہ نے تو حزب البحر کی زکوۃ خود بھی ادانہیں کی نہ ارادہ ہے، اپنے کوتو ماثور دعائیں ہمیشہ سے محبوب ہیں، اسلئے اجازت ایسے شخص سے لینی چاہئے جسنے خودزکوٰۃ دی ہواور وقت سے پہلے لینی چاہئے۔

اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے آئندہ سال حج کا ارادہ فرمالیا ہے، حق تعالی شانہ اپنے فضل وکرم سے سہولت کے اسباب پیدا فرما کر سفر کونہایت راحت وآرام سے تکمیل کو پہونچائے، اور پیاز کی تجارت[1] میں برکت کی بھی دعاء کرتا ہوں، فقط والسلام۔ زکریا مظاہر علوم سہارنپور

۷ رصفر ۱۳۸۰ھ

مادی ہدایا سے زیادہ روحانی ہدایا اہم ہیں

باسمہ سبحانہ وتعالی

عنایت فرمائیم قاری شریف احمد صاحب گنگوہی سلمہ بعد سلام مسنون

آپ کا مفصل لفافہ مرسلہ از بمبئی آج ہی پہونچا، بمبئی سے تو آپ کی روانگی ہوگئی اسلئے وہاں تو جواب کا محل ہی نہیں رہا مکہ مکرمہ لکھ رہا ہوں۔

---

[1] مدرسہ کے تمام امورانجام دینے کے ساتھ ساتھ کچھ تجارت پیازوں کی بھی کرتے تھے، اللہ پاک نے والد ماجد صاحبؒ کی پیاز کی تجارت میں برکت فرمائی اور اسی رقم سے حضرت والد ماجدؒ نے حج کیا، جس کا کئی بار اظہار فرمایا کرتے تھے، اور اپنے شیخ کی یاد میں روتے تھے، اللہ پاک دونوں کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

آپ کے لئے یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے دارین کی ترقیات سے نوازے، اور اپنی رضاء و محبت اور مرضیات پر عمل کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور نامرضیات سے زیادہ سے زیادہ حفاظت فرمائے، کہ ہر کام ہمت سے ہی ہوتا ہے۔

اس وقت تو آپ ایسی اونچی جگہ ہیں کہ ہر نوع کا وبال دور ہوسکتا ہے، ملتزم پر ان امور کے لئے خاص طور سے دعاء کریں جنکے متعلق آپ نے مجھ سے شکایت لکھی ہے، اس سیاہ کار کو بھی اپنی دعوات میں یاد رکھیں۔

غالباً آپ کو پہلے سے ہی معلوم ہوگا کہ حجاز مقدس کے مادی ہدایا کی اس ناکارہ کی نگاہ میں ذرا بھی قدر نہیں ہے، اسلئے اس ناکارہ کے لئے یہاں سے کسی رومال وغیرہ کی اتنی ضرورت نہیں جتنا یہاں آپ سے ہوسکے دعاء وطواف اور مدینہ پاک میں روضۂ اقدس پر سلام سے مدد فرمائیں کہ ان امور کا بندہ زیادہ محتاج ہے۔

اور ان سے بہت زیادہ مسرت ہوئی، مفتی محمود حسن صاحبؒ یہاں کے بعد رائے پور سے آکر گنگوہ اور وہاں سے واپس آکر جمعرات کی صبح کو کانپور گئے۔

صوفی رشید صاحب سے معلوم ہوا کہ حاجی کامل صاحب نے کسی رسالہ مطبوعہ میں جو گنگوہ سے ماہانہ نکلتا ہے اعلان کیا ہے کہ آخری جہاز سے وہ بھی ارادہ فرما رہے ہیں، مریدین میں سے جو ہمرکاب جانا چاہے تو تیاری کرلیں، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنکو ہر سال جانے کی سعادت نصیب ہوجائے۔

مولانا الحاج سعید احمد خان صاحب مکیؒ کی خدمت میں خاص طور سے سلام کے بعد دعاء کی درخواست کردیں، فقط والسلام۔　　　از زکریا ۷ر شوال ۱۳۸۰ھ

تنخواہوں کے سلسلہ میں ایک طویل مکاتبت

عنایت فرمائیم قاری شریف احمد صاحب گنگوہی سلمہ بعد سلام مسنون۔

آپکا بہت طویل خط آیا مظاہر علوم کی تنخواہوں کی ترقیوں کے اس وقت ہونے کا تو میں بھی موافق نہیں تھا، مگر یہ صحیح نہیں کہ مظاہر علوم میں دارالعلوم کے اتباع میں کیا گیا، مظاہر کے ملازمین کے گریڈ کا مسئلہ کئی سال سے زیر بحث تھا، مگر اتفاقاً ایسے وقت میں ہوا کہ دیوبند کا مسئلہ چل رہا تھا، اسلئے اگر اور موٴخر ہو جاتا تو اچھا تھا۔

اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کے مدرسہ کے ملازمین میں اس سے کوئی خلفشار نہیں ہوا، اپنے ملازمین سے میری طرف سے سلام مسنون کے بعد مبارکباد کہدیں اور یہ کہ میرے پیارو! گرانی کا حال تو معلوم ہے مگر یہ مہتمم کے اختیار میں نہیں مالک کے اختیار میں ہے اسی سے مانگو اسکو مانگنے سے خوشی ہوتی ہے اور اسی کے قبضہ میں سارا مال ومتاع ہے، ناظم و مہتمم و سرپرست کے تو قلوب بھی اپنے قبضہ میں نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تم لوگوں کی مدد فرمائے اور مدرسہ کو خلفشار سے بچائے۔

میرا رمضان افریقہ کا تو کئی سال سے زیر بحث تھا، اور میری بیماری ایسی ہے کہ نہ کہیں جانے کی ہمت ہے اور اپنے امراض کی وجہ سے اسکی بھی امید نہیں کہ میں جاسکوں گا، مگر مجھے مدارس میں ذکر کا بہت اہتمام معلوم ہو رہا ہے اسلئے کہ ذکر ہی سے فتن سے امن ہے، چونکہ میرے اور مفتی محمود حسن صاحبؒ کے بہت سے احباب افریقہ میں ہیں، اسلئے میں نے بھی ہمت کرلی کہ وہاں ذکر اور اعتکاف کا اہتمام کرلیں، اللہ تعالیٰ تم

لوگوں کی مدد فرمائے، گنگوہ میں تو اکابر کی برکت سے ذکر کا سلسلہ تو ہے ہی تم سب حضرات ملکر اسکو باقی رکھو تو اچھا ہے۔

دار العلوم کے متعلق تو خبریں یہاں پہنچتی رہتی ہیں، مگر خبروں کا آج کل حال یہ ہے کہ جھوٹی سچی پہنچتی رہتی ہیں، جن کے کئی راوی ہوتے ہیں انکو سچی سمجھ لیتے ہیں، حضرت مدنی کے صاحبزادے مولوی ارشد بھی ایک ماہ سے آئے ہوئے ہیں، اور روز آنہ دہلی اور دیوبند فون کرتے رہتے ہیں مگر ملتا نہیں، صحیح لکھا کہ دار العلوم کے حالات کو سیاسی سمجھ کر التفات نہیں کیا گیا، مگر دار العلوم اور مظاہر علوم کے اقدامات میں بہت فرق ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے مدرسہ کی مالی حالت کو درست کر دے اور ہر نوع کی ترقیات سے نوازے۔

یہ اعتراض صحیح ہے کہ بڑے مدرسوں میں مدرسین کے پاس دو تین ہی اسباق ہوتے ہیں، مگر جماعتیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے دو تین سبقوں میں بھی بہت محنت کرنی پڑتی ہے، آپ تو خود ناظم ہیں اس فرق کو تو آپ خود بھی سمجھتے ہونگے۔

تمہارے خط سے یہ معلوم ہو کر کہ گنگوہ مدرسہ میں چار سو طلبہ ہیں بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ امن عافیت کے ساتھ ان میں اور اضافہ فرمائے، اپنے اہل وعیال سے میرا بھی سلام کہدیں، دوسرا ورقہ پھاڑ کر چا ہے اپنے خط سمیت حکیم نھو صاحب کو دکھلا دیں، فقط والسلام۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم نجیب اللہ مدینہ طیبہ ۲۸ر مارچ ۱۹۸۱ء

وقت کی قدر کرنی چاہئے

عنایت فرمایم الحاج قاری شریف احمد صاحب سلمہ   بعد سلام مسنون

حامل عریضہ میرے دو سورتی مہمان جن میں سے ایک لندن رہتے ہیں، گنگوہ حاضر ہو رہے ہیں پہلی مرتبہ، کسی بچہ کو انکے ساتھ کردیں کہ مزارات کی زیارت کرادے، دوپہر کو یہ جلال آباد کا ارادہ کررہے ہیں کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب[1] لندن کے دورہ میں ان کے یہاں مقیم تھے، اور شام ہی کو وہاں سے واپسی کا ارادہ ہے کہ کل کو ان کی سیٹ ہے، اجنبیت کی وجہ سے وقت زیادہ ضائع نہ ہو اسلئے آپ کو پرچہ لکھوا رہا ہوں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم نجیب اللہ ۲۳ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

---

[1] مراد حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب جلال آبادیؒ ہیں، آپ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء برلہ ضلع علی گڈھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم انگریزی اسکول میں پائی، از ابتدائی کتب تا مشکوٰۃ اپنے وطن میں پڑھی بعد ازاں دار العلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۹ھ میں فراغت ہوئی، پھر دو سال علوم فنون کے نئے دار العلوم دیوبند ہی میں قیام پذیر رہے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت تھانویؒ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا، ۱۳۱۵ھ حضرت تھانویؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا، پھر ۱۳۵۷ھ میں حضرت تھانویؒ نے انہیں جلال آباد کے مدرسہ مفتاح العلوم میں مدرس بنا کر بھیج دیا یہ مدرسہ اس وقت مکتب کی شکل میں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے ترقی دی کم وبیش ۶۵ رسال تک علم وعمل کی روشنی پھیلائی، موصوف نیک طبیعت، نرم مزاج، صالح اور مصلح، کثیر الفیض بزرگ تھے، آپ سے ملک اور بیرون ملک خوب فیض پہونچا، حضرت والد صاحبؒ کا آپ کے ساتھ بھی کافی ربط رہا، مفتاح العلوم کے ابتدائی زمانہ میں حضرتؒ کو مدرسہ کیلئے جب ضرورت پڑتی تو اس کے لئے قاری خدابخش مرحوم جو حضرت کے مدرسہ میں مدرس تھے، والد صاحبؒ کے پاس بھیجا کرتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ انکا تعاون فرماتے تھے، ایک بار حضرتؒ کو کچھ کتابوں کی ضرورت تھی تو اسکے لئے آپ نے اپنے یہاں کے ایک بڑے مدرس مولانا یٰسین صاحب (اللہ کو پیارے ہوگئے رحمۃ اللہ علیہ) کو بھیجا تھا اور وہ کتابیں منگائی تھیں، اس سلسلہ کے کچھ خطوط جن میں ان دونوں معاصر بزرگوں کی خط وکتابت ہوئی ہے بندہ کے پاس محفوظ ہیں، ۱۲ر نومبر ۱۹۹۲ء بعمر ۸۳ رسال جلال آباد کے افق میں یہ آفتاب غروب ہوگیا اور مدرسہ مفتاح العلوم کے پاس قبرستان میں مدفون ہیں اللہ پاک ان بزرگوں کے لگائے ہوئے گلشنوں کی حفاظت فرمائے، اور انکے درجات بلند فرمائے آمین۔

مدرسہ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

عنایت فرمایم سلمہ قاری شریف احمد صاحب مد فیوضہم

بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہونچا، دعوت ولیمہ کی روایت تو غلط ہے دعوت عقیقہ ضرور ہے اور وہ بھی میری کم ظرفی سے کئی بیک وقت جمع ہوگئے، عزیز سعدی سلمہ لڑکے کا تو اصل ہے جو پہلے سے تجویز تھا، چند روز ہوئے عزیز زبیر کی لڑکی پیدا ہوئی اسکو بھی اسی میں شامل کر دیا، اور عزیزم مولوی اجتباء الحسن تمہارے مدرسہ کے سابق مدرس کا نکاح بھی کئی ماہ سے ٹل رہا تھا میری معذوری کی وجہ سے وہ بھی سہارنپور ہی میں طے ہوگیا کہ لڑکا اور لڑکی کے ابا یہیں آجائیں۔

مدرسہ کی تعمیر کے سلسلہ میں دل سے دعاء کرتا ہوں، اللہ جل شانہ نہایت سہولت کے ساتھ باحسن وجوہ اسکو تکمیل کو پہنچائے، واقعی کام بہت بڑا ہے، آپکی پیازوں کی تجارت کیلئے بھی یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے، اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے زیادہ نفع عطا فرمائے، فقط والسلام۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہم

بقلم نجیب اللہ ۷؍رجب ۱۳۹۲ھ

حضرت گنگوہیؒ کی روحانیت مدرسہ کی طرف متوجہ

حضرت اقدس دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنون کے بعد عرض ہیکہ گذشتہ ہفتہ اشرف العلوم کے ایک مدرس جناب مولوی سراج الحق صاحب جو بہت ہی نیک اور صالح آدمی ہیں، انہوں نے

یہ خواب دیکھا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ یعنی قبر مبارک سے اٹھکر چلدیۓ اور رخ مدرسہ کی طرف ہے، انھوں نے حیرت زدہ ہوکر دریافت کیا ایسا کیوں ہورہا ہے؟ قبر سے آواز آئی کہ اب ادھر کا دروازہ بند کردو، یا کردیا گیا ہے اور اسی طرف کو چلنا ہے یعنی مدرسہ کی طرف کو، فقط والسلام۔

بقلم احقر شریف احمد

جواب مبارک از حضرت شیخؒ

باسمہ تعالی

مکرم ومحترم قاری شریف احمد صاحب مدفیوضہم بعد سلام مسنون!

اسی وقت آپکا دستی گرامی نامہ ایسے ہجوم میں ملا، قرب رمضان کی وجہ سے رمضان کے مہمانوں کی آمد بھی شروع ہوگئی اور ان سے زیادہ ان لوگوں کی جو رمضان سے قبل اپنے اپنے مدارس کے امتحان سے فارغ ہوکر آرہے ہیں اور رمضان اپنے اپنے اوطان پر کریں گے، تقریباً کل ملکی غیر ملکی ۱۰۰ مہمان تھے۔

خواب آپ کے مدرسہ کیلئے نہایت مبارک ہے کسی تعبیر کا محتاج نہیں، حضرت قدس سرہ کی روحانیت آپکے مدرسہ کی طرف متوجہ ہے، اور مدرسہ کی اعانت جسمانی و مالی حضرتِ حق تعالی کی بارگاہ تک اقرب ترین راستہ ہے، اللہ تعالی مبارک فرمائے۔

ایک پرچہ حکیم نھو صاحب کے نام اسی واسطہ لکھوارہا ہوں کہ لفافہ کا وزن بڑھ نہ جاوے، اس پرچہ کو علیحدہ کرکے حکیم صاحب سے اسکا جواب لیکر کسی آنے

والے کے ہاتھ بھیج دیں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب
بقلم احمد گجراتی ۲۱؍ رجب ۱۳۹۲ھ

حضرت شیخؒ کے نام ایک مکتوب

باسمہ تعالیٰ

مرشدی و مولائی حضرت اقدس دامت برکاتہم ادام اللہ ظلالکم علی رؤسنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ حقیر دیر سے آستانۂ عالی سے منسلک ہے اور آنحضرت کی بے انتہاء عنایتوں اور نوازشات کا مرہون ہے، لیکن اپنی بد قسمتی اور محرومی پر گاہے گاہے اسقدر تأسف ہو تا ہے کہ کئی کئی روز افسوس اور غم میں گذر جاتے ہیں، کہ وقت سب چلا گیا اور کچھ بھی نہ کر سکا، کچھ اپنی کم ہمتی اور کچھ مدرسہ کی ہمہ وقت مشغولیات کچھ کرنے سے مانع رہیں، کئی مرتبہ رمضان میں قیام کا ارادہ کیا وہ بھی پورا نہ کر سکا، کہ مدرسہ کی ذمہ داری اور اسفار نے مہلت نہ دی، بہت مرتبہ ذکر شروع کیا مگر سال چھ ماہ کے بعد وہ سلسلہ بھی نہ رہ سکا، اب پہلے سے بھی زیادہ مدرسہ کے ہمہ وقت مشاغل اور دماغی تفکرات گھیرے ہوئے ہیں، ادھر مدرسہ کی تعمیر کا ایک نیا کام شروع ہے جسکی نگرانی اور ضروری سامان مہیا کرنے میں بہت ہی جدوجہد اور مصروفیت رہتی ہے۔

سال گذشتہ حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کی ترغیب پر پھر ذکر شروع کیا، تقریباً ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوگیا، مداومت اور پورا کرنے کی سعی کے باوجود بھی گاہے گاہے ترک ہو جاتا ہے، گاہے تمام تسبیحات اور گاہے نصف تسبیحات، پھر

دوسرے وقت میں پورا کرنے کی سعی کرتا ہوں، کبھی ہو جاتی ہیں کبھی نہیں، اس کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے حضرت والا سے تاہنوز ذکر نہ کر سکا، محض اس شرمندگی کی وجہ سے عرض کرنے کی ہمت نہ پڑی، اب حضرت والا سے دست بستہ عرض ہے کہ خدارا اس بدکردار اور کوتاہ کار پر نظر کرم فرماتے ہوئے توجہ فرمائیں کہ ذکر پر مداومت کرسکوں، مسجد کی تعمیر برابر جاری ہے چھت کا کچھ حصہ باقی رہ گیا حق تعالیٰ اس کی تکمیل اور قبول فرمائے آمین، فقط والسلام۔ احقر شریف احمد

دینی کاموں میں اخلاص کے لئے مستقل محنت کی ضرورت ہے

جواب مبارک از حضرت شیخؒ

مپندار جان پدر گر کسی   کہ بے سعی ہرگز بجائے رسی

عنایت فرمائیم سلمہٗ   بعد سلام مسنون

تمہارا محبت نامہ ملا تمہارے دینی اور سلوکی جذبہ سے مسرت ہوئی اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے ہرنوع کی ترقیات سے نوازے، اپنی رضاء ومحبت عطاء فرمائے۔

مدرسہ کے مشاغل بہت اہم اور بہت قیمتی ہیں اور اجر وثواب کے لحاظ سے صدقۂ جاریہ ہے جو بہت مبارک ہے، لیکن ہر دینی کام میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے قلب کی اصلاح کی مستقل ضرورت ہے، اور ہر کام اپنے ہی وسائل و ذرائع سے ہوا کرتا ہے۔

کوئی شخص یہ کوشش کرے کہ وہ علم حدیث میں ہر وقت مشغول ومنہمک رہے اس کے علوشان اور اجر وثواب میں تو انکار نہیں، مگر صدرا شمس بازغہ جب ہی

پڑھا سکے گا جب اس کو پڑھا ہوگا، اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ مدرسہ کی خدمت اور علمی مشاغل کے باوجود اوراد و وظائف کے لئے اور قلب کی اصلاح کے لئے جو وقت آپ سکون کا اور یکسوئی کا پیدا کر سکتے ہوں دو گھنٹے کم از کم اس کام کے لئے ضرور دیں، آخر بدنی غذا کے لئے بھی تو وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔

جب کھانا پینا بدن کی غذا ہے، جو بہر حال مر کر بوسیدہ ہو جائے گا گل سڑ جائیگا اور اس کے لئے ہم لوگ سارے مشاغل کے باوجود وقت نکالتے ہی ہیں، اور اس میں دو وقت کی چائے اور دو وقت کے کھانے میں دو گھنٹہ سے زائد خرچ ہوتا ہے، اور یہ اوراد و وظائف روح کی غذا جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ دو گھنٹے آپ مسلسل وہاں خرچ کریں، ایک گھنٹہ صبح کی نماز کے بعد، ایک گھنٹہ مغرب کی نماز کے بعد خاص کر لیں تو کچھ مشکل نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ شروع کرنے کے بعد ناغہ نہ ہو، کہ اس سے بہت زیادہ بے برکتی ہوتی ہے، اور خوش قسمتی سے تو آپ کے یہاں فیوض و برکات کے سمندر جاری ہیں، صبح کی نماز پڑھتے ہی حضرت امام ربانیؒ کے مزار پر ایک گھنٹہ کے لئے اور مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد قطب صاحبؒ کے مزار پر بیٹھ کر یکسوئی اور توجہ سے اوراد واشغال ادا کریں تو بہت زیادہ مفید ہے، میرا منہ تو کہنے کا نہیں ہے اس لئے کہ خود کچھ نہیں کیا ما استقمت فما قولی لک استقیمی اس کا تو مجھے بھی قلق ہے، کہ ماہ مبارک کا ایک عشرہ بھی میرے پاس گزر جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔

اہل مدارس اور اہل چندہ پہلا عشرہ اسی واسطہ گزارتے ہیں کہ اخیر میں

چندہ کرنا پڑتا ہے، مگر اب تو اسکا بھی وقت نکل گیا کہ یہ ناکارہ علی شرف الرحیل لب گور بیٹھا ہے، دیکھئے اب اسکا وقت بھی آتا ہے یا نہیں، البتہ مفتی صاحب سے آپ جوڑ پیدا کرلیں کہ ان کی شفقتیں آپ پر ہمیشہ سے رہی ہیں، اور میں اپنے متعلقین کو بھی مفتی صاحب اور مولانا منور صاحب و دیگر احباب کے حوالہ کرر ہا ہوں کہ میری زندگی کا ہر ہر دن کم ہوتا جارہا ہے، میری زندگی اب ختم ہوچکی ہے۔

ذکر کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی اگر شروع نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اسکے شروع کرنے کے بعد چھوڑنے سے بے برکتی بھی ہوتی ہے اور اسکا اثر دوسری عبادت پر بھی ضرور پڑتا ہے، بہت تجربہ ہے، آپکے مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کی تکمیل کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں، فقط والسلام۔

امام ربانیؒ کے مزار پر جانے کا کوئی وقت مقرر کرلیں مگر یکسوئی کے ساتھ، خدام کے ساتھ نہیں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ
بقلم نجیب اللہ چمپارنی ۹ رصفر ۱۳۹۳ھ

دوسرا مکتوب حضرت شیخ کے نام ۲۲ رصفر ۱۳۹۳ھ چہار شنبہ

مرشدی ومولائی سیدنا المحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت والا کی توجہ کی برکت سے ذکر پر مداومت ہورہی ہے، پہلے کبھی کبھی ترک بھی ہوگیا مگر اب بحمداللہ تعالیٰ ناغہ نہیں ہورہا ہے۔

مزار پر حاضری ابھی تک مداومت کیساتھ نہیں ہوئی، ہر وقت فکرمند ہوں کہ

روزانہ پابندی سے ہر دونوں مزارات پر حاضری ہو جائے اور ذکر کرنے کا موقعہ بھی مل جائے، لفافہ مولانا مصباح الحسن صاحب کو فوری پہونچا دیا گیا تھا، مولانا ایوب صاحب کی طبیعت خراب چل رہی ہے، کل چار بجے کے قریب صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب تشریف لائے، کچھ دیر مولانا ایوب صاحب کے یہاں کچھ حکیم صاحب قبلہ کے یہاں، پھر مزارات پر حاضری دیکر ۶ ربجے کے قریب واپس ہوئے۔

گزشتہ ہفتہ جن دنوں ایک عریضہ حضرت کی خدمت والا میں تحریر کیا ایک خواب دیکھا، میں ایک پختہ سیدھی سڑک پر جارہا ہوں، سامنے ایک بڑا درخت ہے جس میں ایک محال ہے، بہت سے لوگ نیچے کھڑے محال توڑنے اور شہد حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، مجھے ان سب کو دیکھ کر کسی قدر وحشت ہوئی اور ساتھ ہی محال توڑنے کی تمنا بھی ہوئی، بس فوراً ہی محال کے اندر سے پورا چھتہ مع شہد کے جس میں ایک ڈنڈی بھی لگی ہوئی ہے، میرے دور کھڑے کے ہاتھ میں آ گیا اور سب لوگ یوں ہی رہ گئے محال اپنی جگہ پر بدستور بیٹھا رہا، فقط والسلام۔

ہر حال میں حضرت والا کے الطاف بیکراں کا محتاج ہوں، فقط۔ احقر شریف احمد

ذکر اللہ پر خوشی کا اظہار

جواب مبارک از حضرت شیخؒ

مکرم و محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون

اسی وقت محبت نامہ پنجشنبہ کی دو پہر کو پہونچا، اس سے بہت مسرت ہوئی کہ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل و کرم سے ذکر پر مداومت کی توفیق عطا فرمائی۔

عزیز مولوی مصباح[1] کے پاس لفافہ پہونچنے کی اطلاع تو انہوں نے خود ہی دیدی تھی، اور ان کو غلط اطلاع کسی احمق نے دیدی کہ عزیزم بدھ کی صبح کو سہارنپور پہونچ جائیں گے، وہ کل سے آئے پڑے ہیں حالانکہ آج جمعرات کو تو ان کے نظام الدین پہونچنے کی خبر ہے، یہاں اگر جلد سے جلد آئے تو شنبہ کو آسکیں گے ورنہ کل شام کو عزیزان عاقل، سلمان وغیرہ سب ۱۱ر بجے دہلی گئے ہیں اور کل جمعہ کو واپسی ہوگی ان کی واپسی پر عزیزان کی آمد کا حال معلوم ہوگا، اور اگر وہ بابوجی کی گاڑی میں آگئے اور گاڑی کی واپسی کی جلدی نہ ہوئی تو شاید مجھے بھی مزار[2] پر حاضری کی سعادت حاصل ہو جائے، عزیز مولوی اسعد کا تو اس مرتبہ یہاں انتظار ہی رہا، سنتا ہی رہا کہ اب آرہے ہیں کل دوپہر کو آرہے ہیں۔

خواب بہت مبارک ہے، کسی تعبیر کا محتاج نہیں یہ انشاء اللہ تمہارے دینی اعمال کی قبولیت کی بشارت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے مدرسہ کی تکمیل وفروغ کا مژدہ ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شہد کی تعبیر قرآن ہی سے لی ہے، فقط والسلام۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم

بقلم نجیب اللہ ۲۳ر صفر ۱۳۹۳ھ

---

[1] ان سطور کو لکھنے کے اوقات میں محترم المقام مولانا حکیم عزیز احمد صاحب کاندھلوی تشریف لائے اور یہ بتایا کہ مولوی مصباح مرحوم عارف باللہ جامع الکمالات والبرکات حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم کے بھتیجے ہوتے تھے واصل بحق ہوگئے اللہ پاک درجات بلند فرمائے۔ [2] یہ خط اب سے تقریباً ۳۶ر سال پہلے کا ہے اس وقت ایک شیخ کامل نے اپنے مرید مخلص اور خادم کو اتنی عظیم بشارت دی اور مدرسہ کی تکمیل وفروغ کا مژدہ سنایا الحمد للہ مدرسہ کا کام حضرت والد ماجدؒ کی حیات میں تعمیر کے اعتبار سے تقریباً مکمل ہوگیا حضرتؒ کے روحانی فیوض وبرکات کا سلسلہ والد صاحبؒ کیساتھ آخر تک چلتا رہا اللہ پاک دونوں کے درجات بلند فرمائے! آمین!۔

اپنے متعلقین کو مدرسہ میں داخل کرانا

عنایت فرمائیم جناب الحاج قاری شریف احمد صاحب مد فیوضکم

بعد سلام مسنون میرے مخلص دوست ننھے خاں میرٹھی جن سے شاید تم بھی واقف ہو سارے رمضان کھانے کے وہی منتظم رہے، ان کے لڑکے حافظ محمد اقبال سلمہ جنہوں نے حفظ قرآن تو یہاں مولوی نصیر کے مدرسہ میں کیا آئندہ تعلیم کے لئے آپ کے مدرسہ میں آرہے ہیں، اللہ کرے کہ آپ کی توجہ سے علم کی دولت سے مالا مال ہو جائے، ہمارے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم شاخ میں ہے جو بہت دور بھی ہے اور وہاں نگرانی کی بھی کوئی صورت نہیں، اسلئے میں نے آپ کا مدرسہ تجویز کیا تھا، اللہ تعالیٰ آپکو اور آپ کے مدرسہ کو جملہ مکارہ سے محفوظ فرما کر دارین کی ترقیات سے نوازے، فقط والسلام۔ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ

بقلم نجیب اللہ ۱۴ ارشوال ۱۳۹۴ھ

ذکر شروع کرنے کے بعد چھوڑنا نقصان دہ ہے

بعد سلام مسنون، تم لوگوں کو جوابی خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔

مضمون سے تو معلوم ہوا کہ یہ بہت پرانا خط ہے کارڈ پر کوئی تاریخ بھی نہیں ہے، میں ذکر بالجہر شروع کرانے میں اسی واسطہ بہت تامل اور تاخیر کیا کرتا ہوں کہ ذکر بالجہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر شروع کرنے کے بعد چھوڑ دینا بہت مضر ہوتا ہے، غذائیں ہیں خمیرے ہیں جتنا کھائیں اتنا ہی مفید ہے، نہ کھائیں تو نقصان نہیں، دوائیں ہیں مسہل ہیں

بسا اوقات انکا چھوڑنا بہت مضر ہوتا ہے، اگر ہو سکے تو متفرق اوقات میں پورا کر لیں۔

آپ کے مدرسہ پر قرضہ کی خبر سن کر بہت قلق ہوا اللہ تعالیٰ ہی مدد کریں، یہ ناکارہ دل سے دعاء کرتا ہے اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے آپ کے پیازوں میں برکت عطا فرمائے، اس ناکارہ کا وعدہ اور ارادہ تو گنگوہ کا تھا مگر دل یہ چاہتا ہے کہ روانگی کا ارادہ جتنا قریب ہو اچھا ہے، انشاء اللہ روانگی سے پہلے اطلاع دونگا، فقط والسلام۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب
بقلم مظہر عالم ۱۷ ارشوال ۱۳۹۴ھ

گنگوہ نہ آنے پر اظہارِ تعجب

عنایت فرمائیم جناب الحاج مولوی شریف احمد صاحب مد فیوضہم

بعد سلام مسنون حامل عریضہ مولانا عبد الحلیم صاحب میرے مخلص مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث صاحب [1] کے استاد ہیں اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلفاء میں ہیں۔

مجھے یہ سن کر بہت تعجب ہے کہ اب تک گنگوہ کبھی حاضر نہیں ہوئے پہلی مرتبہ تشریف لا رہے ہیں، انکو اکابر کے جملہ مزارات پر اور حضرت قدس سرہ کے حجرہ کی

---

[1] حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ مراد ہیں جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے ناظم و بانی تھے، بڑے عالم فاضل، عابد و زاہد بزرگ تھے، آپ کے علاقہ میں آپ سے کافی فیض پہنچا، بڑے مدارس بالخصوص دار العلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے اراکین شوریٰ میں بھی رہے رحمۃ اللہ علیہ [2] مراد حضرت مولانا شیخ یونس صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہانپور ہیں، جو اس وقت کے ایک بہت بڑے محدث ہیں، اور علامہ فہامہ، علوم و معارف، حقائق و دقائق، حکم و اسرار دین پر مطلع عارف باللہ جامع کمالات ظاہری و باطنی بزرگ ہیں، کثیر الفیض والبرکت ہیں، اللہ پاک ان کی عمر میں صحت کے ساتھ برکت فرمائے اور فیض عام و تام فرمائے۔ آمین!۔

بھی زیارت ہوسکے تو وہ بھی کرادیں، یہ پرچہ تعارف کیلئے لکھ رہا ہوں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم احمد گجراتی ۲۶ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

صرف اللہ پاک پر ہی بھروسہ کرو

عنایت فرمایئم جناب الحاج قاری شریف احمد صاحب گنگوہی مدفیوضہم

بعد سلام مسنون تمہارا محبت نامہ مورخہ ۱۱رصفر یہاں آج ۴ر مارچ کو پہنچا اس بات کی مسرت ہوئی کہ مدنی تمر پہونچ گئی، تمہارا پہلا پرچہ قاری عباس کے ذریعہ سے پہنچ گیا تھا اسکا جواب لکھوا چکا ہوں پہنچ گیا ہوگا، آپ کے مدرسہ کی تعلیمی ترقیات سنکر بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے۔

میرے اس لفافہ میں قاری عباس کے نام پرچہ تھا وہ انکو بھیج دیا، بھروسہ نہ حاجی سعید الدین پر کرو نہ کسی اور پر صرف مالک حقیقی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرو، اسی سے مانگو وہی مسبب الاسباب ہے۔

حکیم صاحب سے سلام مسنون کے بعد کہدیں کہ دعاؤں میں کبھی نہیں بھولنا، اپنی اہلیہ سے بھی سلام مسنون کہدیں انکے لئے اور بچوں کے لئے بھی دل سے دعاء کرتا ہوں، اللہ جل شانہ تمہیں اور تمہاری اہلیہ کو بھی حج وزیارت نصیب فرمائے۔ آمین!۔

اس سال سنا ہے کہ حاجی کامل صاحب بھی تشریف لائے تھے، اس ناکارہ کو تو گنگوہ کی حاضری پر بھی زیارت نہیں ہوئی تو یہاں کیسے ممکن تھا کہ لاکھوں کا ہجوم تھا، البتہ

مکہ مکرمہ میں معلم اور اسکے یہاں کے حاجیوں سے خیریت معلوم ہوتی رہی، مدینہ منورہ میں مولانا انعام صاحب وغیرہ سے بغیر ملاقات کے مسجد نبویؐ میں ایک دو مرتبہ زیارت ہوئی، اور ایک مرتبہ روضۂ شریف پر گر بھی پڑے، جس پر یہاں کے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ عمداً گرے تھے یا کہ غفلت میں، اس کے متعلق اگر مجلس میں کوئی وہاں کچھ کان میں پڑا ہو تو ضرور مطلع کریں، فقط والسلام۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب
بقلم نجیب اللہ

حضرتؒ کی شفقت اور طعام گھر پر کھانا

عزیزم قاری شریف احمد صاحب سلام مسنون کے بعد گنگوہ سے آنے کے بعد برابر آپکے تعمیل حکم کی تجویزیں ہوتی رہیں مگر جوں جوں دن قریب آرہا ہے خواص کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے، اس وقت عزیزم ابوالحسن کا مشورہ یہ ہوا کہ ۶ رنومبر ہفتہ کی صبح کو انشاء اللہ تعمیل حکم میں گنگوہ حاضری ہوگی، حسب سابق ۱۲ ربجے تک تو مزار پر اسکے بعد دونوں خانقاہوں اور حکیم نھو صاحب کی ملاقات کے بعد آپ کے دروازہ پر حاضری ہوگی، کھانا آپ کے گھر کھایا جائیگا[1] مدرسہ میں نہیں، میرے رفقاء میں تو

---

[1] چنانچہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ متعدد مرتبہ گنگوہ مزار اقدس اور مدرسہ میں تشریف لائے اور آپ کو سنکر ایک بڑی تعداد جمع ہو جاتی تھی ان سب لوگوں کا طعام مع اکابر، متعدد بار حضرت والد بزرگوارؒ کے گھر پر ہوا اور متعدد بار صوفی رشیدؒ کے یہاں۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ ایک جگہ حضرت والد صاحبؒ کو مبارکباد دیتے ہوئے لکھتے ہیں امسال بھی حضرت شیخ نے مشکوۃ شریف شروع کرائی مبارک ہے زیادہ شرف مع مہمانوں کے جناب کے دولت خانہ پر کھانا تناول کرنے کا ہے اللہ تعالی مبارک کرے، نیز حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ ایک خط میں لکھتے ہیں بڑا رشک آیا جب آپکے پاس حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم تشریف لے گئے اللہ تعالی ان بزرگان دین کی توجہ آپ کی طرف زیادہ سے زیادہ مبذول فرمائے آمین حضرت کی بہت سی کرامات کھانے کے سلسلہ میں ظاہر ہوئیں ان کا تفصیلی ذکر اکابرِ گنگوہ میں آچکا۔ اللہ پاک ہمارے تمام بزرگوں کے درجات بلند فرمائے اور علوم وفیوض سے ہم سب کو مالا مال فرمائے آمین۔

صرف میرے جنازہ بردار چار پانچ نفر ہونگے اس کے علاوہ میرے ساتھ کوئی نہیں، اگر رائے پور کی طرح سے لوگ بیٹھے رہیں تو وہ میرے مہمان نہیں، اپنی ذمہ داری پر اور اپنی فیاضی سے کھلانا چاہیں تو مدرسہ میں، تمہاری اور صوفی رشید کی مصیبت یہ ہے کہ جتنی چاہے تم سے شرطیں کرلو مگر تم اختصار کو اپنی توہین سمجھتے ہو، مولانا انعام تو ہیں نہیں کہ روٹی گوشت ضروری ہو، میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے اُڑد کی کھچڑی کافی ہے اسکے ساتھ اچار یا چٹنی وغیرہ ہو، ابوالحسن کی رائے ہے کہ لہسن کی چٹنی بہترین چیز ہے۔

البتہ صوفی رشید صاحب سے ضرور کہلائیں کہ آپ ہر مرتبہ انکے یہاں مدعو ہوتے ہیں، اور اگر بھائی جی سعید صاحب[1] اسوقت تک کھانے اور چلنے کے قابل ہو جائیں تو ان کو اور مولانا ایوب[2] کو بھی۔ مگر براہ کرم اپنی گاڑی کا حال پہلے معلوم کر لیجئے وہ نازک تو نہیں ہے کبھی ادھر کے رہیں نہ ادھر کے، جمعہ کی شام کو یہاں پہنچ جائے، معلوم نہیں کہ آپ کی گاڑی میں کتنے آدمی آسکتے ہیں، میرے علاوہ چار پانچ جنازہ بردار تو ضرور ہیں، اگر گنجائش ہوئی تو ایک اور بڑھالونگا، فقط والسلام۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم
بقلم مظہر عالم مظفر پوری ۲۱؍شوال ۱۳۹۴ھ

---

[1] حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خاندان کے حضرات تھے اہل علم وفضل اور ذی اثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے، بھائی جی محمد سعید صاحب ابن مولانا محمود ابن حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ دارالعلوم دیوبند میں مدرس بھی رہے اور وہیں ۲۸؍ربیع الاول ۱۴۰۶ھ میں انتقال ہوا اور مزار قاسمی میں مدفون ہیں، تفصیلی حالات جلد اول میں آچکے ہیں

[2] حضرت مولانا محمد ایوب صاحب پرنواسہ حضرت گنگوہیؒ الجمعیۃ کے ذمہ داروں میں سے تھے اور محلہ محمد غوری گنگوہ میں مدفون ہیں جہاں پر آپ کے آباء واجداد مدفون ہیں اللہ پاک مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے آمین۔

حضرت شیخ زکریا صاحبؒ کا ارشاد عالی

بندہ بھی حضرت ناظم صاحب (یعنی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب) کی تائید کرتے ہوئے اہل خیر سے سفارش کرتا ہے کہ اس کار خیر کی طرف توجہ کریں اس دورِ فساد میں دین کی خدمت کا جہاں کہیں بھی کام ہو رہا ہے وہ بہت قابل قدر اور قابل توجہ ہے، بندہ دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ مدرسہ کو مادی اور روحانی ترقیات سے نوازے اور کام کرنے والوں میں اخلاص اور مالک کی رضا پر کام کرنے کی توفیق مزید عطا فرمائے آمین۔

محمد زکریا

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ بیتی میں مذکور حضرت شیخؒ کی جامعہ اور گھر میں قدم رنجائی کے واقعات

حضرت شیخ کو حضرت والد صاحبؒ سے اور مدرسہ سے کس قدر انسیت تھی کہ آپ نے خود آپ بیتی میں جو آپ کی سوانح عمری ہے تذکرہ کیا ہے حضرت والد صاحبؒ کو جب میں نے اس کے بارے میں بتایا تو پڑھا اور بہت روئے اور اپنے شیخ کی یادوں میں مستغرق ہو گئے اب وہ مقامات لکھے جاتے ہیں جہاں جہاں تذکرہ ہے:

(۱) ص ر ۲۴۷ ر پر رقمطراز ہیں: صوفی رشید مغرب کے وقت ملے انہوں نے کہا کہ گنگوہ کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے کہا بالکل نہیں کیوں کہ بارش سے راستہ مسدود ہے، انہوں نے کہا کہ میں آج ہی قصداً راستہ دیکھ کر آیا ہوں باہر راستہ صاف ہے، میں نے کہا کہ پھر صبح ہی چلنا چاہئے، حاجی عظیم اللہ کی کار میں پانچ بجکر پانچ منٹ پر چل کر ۶ بجے گنگوہ پہونچے، وہاں سے ۱۰ بجے اٹھ کر حکیم نھو سے ملتے

ہوئے ہر دو خانقاہوں میں حاضری دے کر ۱۲ بجے صوفی رشید کے یہاں کھانا کھایا، اور قاری شریف کی مسجد میں جا کر اول مشکوٰۃ شریف کا اختتام کرایا، پھر تھوڑی دیر لیٹ کر ظہر کی نماز پڑھی، ظہر کے بعد رفقاء نے چائے وغیرہ پی مگر زکریا حاجی جی کی کار میں مع شاہد، خالد، ابوالحسن، عصر سے قبل سہارنپور پہونچ گئے۔

(۲) نیز ص ۱۳۱۴ ر پر تحریر ہے کہ اس مرتبہ گنگوہ حاضری میں بہت تاخیر ہوئی کہ مولانا انعام کی آمد پر موقوف تھی، تجویز یہ ہوا کہ ۲۴ / ۲۵ ر جولائی کو جھنجھانہ میں تبلیغی اجتماع ہے، اس سے فارغ ہوکر مولانا انعام صاحب سہارنپور آئیں گے پھر گنگوہ جائیں گے، مگر جھنجھانہ میں مجمع اتنا زیادہ ہوگیا کہ وہاں کے غیر مسلم گھبرا گئے اور مظفر نگر میں ڈپٹی سے ممانعت جلسہ کی منظوری لے لی، یہ تو بڑی لمبی چوڑی تفصیلات ہیں اہل جھنجھانہ، کیرانہ، کاندھلہ وغیرہ کے حضرات کی دوڑ دھوپ سے منظوری ہوگئی اور جلسہ ہوگیا، اتوار کی شام کو مولانا انعام صاحب سہارنپور پہونچ گئے اور پیر کی صبح کو سیدھے گنگوہ پہونچ گئے، مگر بارش اتنی ہوئی کہ سارا وقت چھپر کی مسجد میں گزرا، پیر جی شریف[۱] کے صاحبزادہ کا صوفی رشید کی بھتیجی سے نکاح بھی ہماری آمد پر اسی دن طے ہوگیا تھا، اور قاری طیب صاحب لڑکے والوں کی طرف سے مدعو تھے وہ ۱۰ ر بجے پہونچ گئے، زکریا ان کی خبر سن کر حجرہ سے ۱۲ ر بجے صوفی جی کے مکان پر پہونچ گیا اور آدمی بھیج کر قاری صاحب کو بلایا، ایک بجے بعبارت

---

[۱] گنگوہ کے رہنے والے تھے، دارالعلوم کے کسی شعبہ میں ملازم رہ چکے تھے، اسی مناسبت سے حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ انکی دعوت پر تشریف لائے تھے۔

قاری محمد طیب صاحب صوفی جی کے مکان پر نکاح ہوا، گرمی بہت شدید تھی بجلی بند تھی، زکریا نے صوفی جی سے درخواست کی کہ آپ چھوہارے بانٹتے رہیں مگر ہمیں کیوں محبوس کر رکھا ہے، انہوں نے ہمیں اجازت دیدی، قاری صاحب اپنے مستقر پر چلے گئے اور ہم سب نے قاری شریف احمد کے مدرسہ میں ظہر کی نماز پڑھی مولانا انعام نے مشکوۃ شریف ختم کرائی اور دعا کرائی، اس سے فراغ پر سہارنپور کیلئے فوراً روانہ ہو گئے۔

(۳) نیز ص ر۱۳۲۰ر پر رقمطراز ہیں: ۲۸ر شوال ر۲۳ر اکتوبر کو قاری شریف احمد کے مدرسہ میں زکریا نے مشکوۃ کی ابتداء کرائی۔

(۴) نیز ص ر۱۳۳۳ر پر لکھتے ہیں دوسرے دن مولانا اسعد صاحب مع اپنی والدہ محترمہ کے آ گئے تو اپنا نظام تغیر کرنا پڑا، دوسرے دن اپنی فجر پڑھ کر گنگوہ کیلئے روانہ ہوئے، صوفی رشید گنگوہی نے بہت حلفیہ اطلاع دی تھی کہ میں آج ہی راستہ دیکھ کر آیا ہوں راستہ صاف ہے، مگر معلوم ہوا کہ جھوٹ بولا مزار تک راستہ خراب تھا کہ لکھنوتی والی سڑک پر اتنا پانی بھرا تھا کہ نہ میری کار جاسکتی تھی نہ کسی اور کی، دونوں کاروں کو چھوڑ کر جونگوں میں بڑی مشکل سے مزار تک پہونچے کاروں کو حکیم نھو کے گھر بھیج دیا۔

مزار سے دس بجے اٹھ کر حکیم نھو کے یہاں ایک گھنٹہ ٹھہر کر دونوں خانقاہوں قدوسیہ اور سعیدیہ میں حاضری دیتے ہوئے قاری شریف احمد کی اس روایت پر کہ شہر کا سیدھا راستہ خطرناک ہے گھر کے راستہ سے لے گیا، ایک گھنٹہ اپنے یہاں خلاف وعدہ ٹھہرایا، آم وغیرہ کا اس نے انتظام کر رکھا تھا، وہاں سے مولوی ایوب کے یہاں پہونچے، چونکہ انکی اہلیہ دہلی میں تھیں اور وہاں ملاقات ہو چکی تھی اسلئے مولوی ایوب بھی

صوفی جی کے یہاں پہنچ گئے، صوفی جی نے جاتے ہی کھانے سے فارغ کردیا، مگر حسب دستور سابق کھانے کے بعد مستورات کی جھاڑ پھونک ہوتی رہی، ظہر کے بعد قاری شریف احمد کے مدرسہ میں مفتی محمود حسن صاحب نے مشکوٰۃ شریف ختم کرائی، مولانا عبدالحفیظ مکی[1] نے دعا کرائی۔

(۵) رص ۱۳۴۷ پر تحریر ہے کہ اب کے رمضان میں حضرت خواجہ صابر کلیری صاحبؒ کا سلام و پیام پہونچا تھا[2] اسکی شرم میں شروع شوال ہی کلیر حاضری ہوئی، اس کے بعد گنگوہ حاضری ہوئی، وہیں مولوی عبدالمالک[3] کے لڑکے مظفر کا نکاح قاری شریف احمد کی لڑکی سے ہوا، حکیم نھو میاں نے مہر فاطمی پر نکاح پڑھایا، ان سفروں کی تفصیل روزنامچہ میں ہے۔

---

[1] مراد حضرت شیخ کے خلیفہ ہیں، بہت نیک صالح، ذاکر و شاغل، عابد و زاہد بزرگ ہیں، مکہ مکرمہ میں آپ کے یہاں ذکر کا حلقہ لگتا ہے، بارک اللہ فی عمرہ [2] اسکی حقیقت تو ارباب روحانیت ہی سمجھ سکتے ہیں، اموات کے پیغامات بذریعہ منامات اور کشف قبور حاصل ہونا شرعاً عقلاً مستبعد نہیں، جن لوگوں کو اس کا ذوق حاصل نہیں ہوتا ہے وہ اس جیسی چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں، ہمارے اکابر کے حالات وسوانح میں روحانیت کی اس قسم کی باتیں ملتی ہیں جنکو سمجھنے کیلئے روحانی ذوق درکار ہے [3] مراد حضرت مولانا عبدالمالک صاحبؒ سابق ناظم مالیات مظاہر علوم سہارنپور ہیں، امانت دار آدمی تھے بہت نیک صالح، اوراد و وظائف کے پابند، خاشع و خاضع، سلف کے طرز پر چلنے والے بزرگ تھے، تاحیات مدرسہ مظاہر علوم کی مخلصانہ خدمت کرتے رہے، آخر میں صبر آزما حالات سے گزرنا پڑا جسکی وجہ سے خلوت نشیں ہو گئے تھے، اور گھر سے مسجد مسجد سے گھر تک رہتے تھے، رات دن تلاوت و ذکر اللہ، تہجد، اشراق، اوابین، چاشت میں گزارتے رہے، آپ نے پانی کے جہاز سے سات حج کئے، ۱۷ر فروری ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا، انتقال سے قبل بشارات ربانی حاصل کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کی، اور سہارنپور کے مشہور قبرستان حاجی کمال شاہ میں اکابر مظاہر علوم کے قریب مدفون ہوئے، اللہ پاک درجات بلند فرمائے، آمین۔

دار العلوم دیوبند میں

حضرت والد صاحبؒ کے خصوصی رفقائے درس

مولانا ناظر حسین صاحبؒ مہتمم جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند[1]، محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور[2]، حضرت علامہ عثمان غنیؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور[3]، حضرت مولانا عبداللہ صاحب بستویؒ[4] مہاجر مدینہ منورہ، حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب برنی بلند شہریؒ[5]۔

---

[1] آپ کی ولادت ۱۹۲۰ء ہاپوڑ شہر میں ہوئی، دار العلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے مہتمم بنادئے گئے ۵۸ رسال مہتمم رہے، آپ کی وفات ۱۶ رنومبر ۲۰۰۸ء کو ہوئی اور ہاپوڑ ہی میں مدفون ہیں [2] آپ مولانا عثمان معروفی کے برادر اصغر ہیں ۱۳۵۱ھ قصبہ پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ یوپی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ معروفیہ قصبہ پورہ معروف میں حاصل کی ۱۳۶۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیکر چار سال پڑھے ۱۳۷۲ھ میں فراغت ہوئی مختلف مدارس میں درس دینے کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں آگئے اور وہاں عربی کے کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ شعبۂ تخصص فی الحدیث کے صدر بھی ہیں، حضرت والد بزرگوارؒ کے ساتھ کسی ایک کتاب میں ساتھی رہے، والد صاحبؒ سے چار سال پیچھے تھے چونکہ اس وقت جماعت بندی نہیں تھی۔ [3] آپ کا آبائی وطن چاملل ضلع بیگوسرائے بہار ہے، ابتدائی تعلیم مختلف مدارس میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۹ء

میں دورۂ حدیث پاک سے فراغت ہوئی مختلف مدارس میں درس دینے کے بعد ۹؍شوال المکرم ۱۴۰۹ھ میں اپنے شیخ ومرشد مفتی مظفر حسین صاحب کے ایماء پر مظاہر علوم وقف سہارنپور تشریف لے آئے اور یہاں کے شیخ الحدیث بنادئے گئے، آپ نے بخاری شریف کی مکمل شرح نصر الباری کے نام سے تصنیف فرمائی اور ۱۴؍جنوری ۲۰۱۱ء علی الصباح دار فانی سے دار آخرت کی طرف رحلت فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون قبرستان حاجی کمال شاہ سہارنپور میں ابدی نیند سوگئے۔ ۱۳؎ مولانا عبد اللہ بستوی ثم تاؤلی ثم مدنی، آپ ایک غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے، بچپن میں حق تعالیٰ شانہ نے دولت ایمان سے نوازا پھر علوم قرآن وحدیث سے نوازے گئے، دار العلوم دیوبند سے فراغت ہوئی پھر ایک مدت تک دار العلوم حسینیہ تاؤلی ضلع مظفرنگر میں صدر مدرس کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ اہم کتابوں کا درس بھی دیتے رہے، تاؤلی رہتے ہوئے متعدد بار حج وعمرہ کی دولت سے نوازے گئے اور آخر میں حق تعالیٰ شانہ نے مستقل طور پر ہی مدینہ کی سکونت سے سرفراز فرمایا، رد غیر مقلدیت سے خاص لگاؤ تھا اسی وجہ سے عقود الجمان کا ترجمہ تذکرۃ النعمان اور عقود الجواہر المنیفۃ کا ترجمہ مستدلات الامام ابی حنیفہ کے نام سے اسی طرح الانتقاء کا ترجمہ الانتفاع کے نام سے فرمایا، آپ کے مفصل حالات حیات محمود میں دیکھے جاسکتے ہیں ۱۵؎ آپ کے حالات سابق میں گزر چکے ہیں۔

پانچواں باب
دیگر مشائخ عصر سے ربط و تعلق

دیگر مشائخ عصر سے ربط وتعلق

قطب زماں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے تعلق

اوران کی اشرف العلوم گنگوہ میں تشریف آوری

آپ عہد آخر کے مشہور شیخ طریقت علماء فضلاء اور زعماء کے مرجع عقیدت تھے، آپ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا پاکستان میں پیدا ہوئے، آپ کا نام غلام جیلانی رکھا گیا، ابتدائی تعلیم اپنے تایا مولانا کلیم اللہ اور مولانا رفیق سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے پانی پت، سہارنپور، رامپور اور دہلی کا سفر کیا، جہاں کے اساتذہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور حدیث کی کتابیں مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلی محدث میرٹھی سے پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، فقہ وحدیث کی تکمیل کے بعد طب یونانی کی تحصیل سے فراغت کے بعد بریلی اور دیگر مقامات پر قرآن وحدیث کا درس دیا، افضل گڈھ بجنور میں کچھ دن مطب کیا، اسی دوران مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے آخر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے نام معلوم کیا تو غلام جیلانی نے بتلایا تو حضرت شاہ عبدالرحیم نے آپ کا نام بدل کر عبدالقادر رکھ دیا ۱۴ رسال حضرت کی خدمت میں رہے، حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے وصال کے بعد رائپور کی خانقاہ رشد وہدایت کے مسند نشین ہوئے اور پورے پینتالیس سال طالبین حق کی اصلاح وتربیت اور گم گشتگان بادیۂ ضلالت کی راہ نمائی ودستگیری میں مصروف رہے، بے شمار علماء فضلاء

آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے، آپ کا ایک عظیم کارنامہ تحریک ختم نبوت اور اس کے رہنماؤں کی اعانت وسرپرستی ہے، آپ کی وفات ۱۴/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء بروز پنجشنبہ ہوئی اور اپنے آبائی وطن ڈھڈیاں ضلع سرگودھا پاکستان میں مدفون ہیں۔

اس تالیف میں عزیزم مولانا مفتی محمد احسان صاحب مدرس جامعہ ہذا نے کافی محنت کی ہے اور کچھ مضامین اس میں ان کے لکھے ہوئے بھی ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مرشد زمانہ قطبِ دوراں شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ برصغیر (ایشاء) کی ان برگزیدہ ہستیوں میں مرکزی شخصیت ہیں جن کو ملت کی اصلاح وتربیت باطنی میں امتیازی مقام حاصل تھا، جنہوں نے ملت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر تواضع، بے نفسی، کثرت ذکر کیساتھ دین اور اہل دین اور اسلامی وضع قطع کی ایسی سبیل لگائی کہ پورے ملک ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں لوگ اس سے سیراب ہوئے بغیر نہ رہ سکے، خصوصاً سہارنپور اور اس کے گردونواح میں اس سبیل معرفت سے سیرابی کے آثار آج بھی نمایاں ہیں، خانقاہ رائے پور سے اہلِ خطہ کا تعلق جس درجہ والہانہ ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے، اس میکدۂ معرفت سے ہزاروں نفوس قدسیہ سیراب ہوئے، پہاڑوں کے دامن جمنا نہر کے کنارے پُر فضاء پُرسکون مقام پر واقع خانقاہ میں اولیاء اللہ عارفین کی آمد ورفت کثرت کیساتھ رہی، اس خانقاہ کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے دورِ بیعت وارشاد میں عروج حاصل ہوا، دور دور سے لوگ اپنی روحانی پیاس بجھانے کیلئے حاضر ہوتے تھے، نیز حضرت شاہ عبدالقادر

صاحبؒ کی ذاتِ گرامی مرجع عوام وخواص بنی ہوئی تھی برصغیر میں آپ کا فیض جاری وساری تھا، حق جل شانہ نے آپ کو ایسی مقبولیت ومحبوبیت عامہ عطا فرمائی تھی جس کا ادراک ہر صاحب بصیرت بیان کرتا تھا، نیز اللہ پاک نے آپ کی صحبت بابرکت میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ ہر طالبِ حق محبتِ خداوندی سے سرشار ہوتا اور معرفت ربانی کے انوارات سے معمور ہوتا، نیز آپ کے اقوال، احوال، ارشادات وملفوظات کے ذریعہ تربیت باطن واصلاح کی فکر پیدا ہوتی، زمانہ کے بڑے بڑے مشائخ وعلماء عصر آپ کو محبوب رکھتے تھے آپ کو بھی ان کیساتھ گھر جیسا تعلق تھا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ المشائخ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، رئیس جماعت دعوت وتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور بھی دیگر علماء، صلحاء، مشائخ بڑی محبت وعقیدت رکھتے اور آپ سے ملاقات کے لئے رائے پور حاضر ہوتے تھے، آپ بھی ان مذکورہ مشائخ کی قیام گاہوں پر ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے یہ حضرات آپ کا پرتپاک استقبال کرتے مختلف معاشرتی ملکی ملی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی، جس زمانہ میں خانقاہ رائے پور مرجع عوام وخواص بنی ہوئی تھی اور سید مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ جیسے فاضلِ زمانہ اس گلشن رحیمی سے اکتسابِ فیض کررہے تھے، شیخ زکریاؒ اپنے متعلقین کو خانقاہ رائے پور بھیجا کرتے تھے تاکہ خانقاہ کے نورانی وروحانی ماحول میں مقاماتِ سلوک طے کریں،

حضرت اقدس مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ بھی چونکہ حضرت شیخ سے منسلک تھے اس لئے آپ کو بھی رائپور خانقاہ میں قیام کا حکم تھا، تاہم قاری صاحبؒ رمضان المبارک میں خانقاہ رائے پور میں قیام کرتے اور اعتکاف فرماتے تھے،

خانقاہ رائے پور کے قیام کے حالات قاری صاحبؒ اپنی زبانی سنایا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں جس زمانہ میں حضرت شیخ کے یہاں رمضان المبارک میں اعتکاف شروع نہیں ہوا تھا تو حضرت شیخ اپنے متعلقین کو رائے پور خانقاہ میں بھیج دیا کرتے تھے، میں بھی حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ساتھ بارہا اعتکاف کی غرض سے رائے پور پہونچا، چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کی ۲۹/تاریخ تھی خانقاہ میں مغرب کی نماز کے بعد اعلان ہوا کہ لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کریں، چنانچہ میں اور صوفی انعام اللہ لکھنوی جو حضرت کے خادم تھے نہر کی طرف چاند دیکھنے پہونچے، آسمان ابر آلود تھا ایک جگہ سے بادل چھٹا اور ہم دونوں کو چاند نظر آ گیا ہم نے شور مچایا کہ چاند دیکھ گیا یہ خبر سن کر خانقاہ سے بہت سے لوگ دوڑے ہوئے آئے حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ چاند دیکھنے تشریف لائے مگر جب تک چاند بادل کے ایک ٹکڑے میں روپوش ہو چکا تھا چاند پر بادل آ گیا تھا جسکی وجہ سے چاند نظر آنا بند ہو گیا تھا، چونکہ برسات کا زمانہ تھا کافی دیر حضرت مجمع کے ساتھ کھڑے رہے مگر چاند نظر نہ آیا حضرت نے کہا صوفی انعام اللہ کہاں ہے تیرا چاند؟ بڑی شرمندگی ہوئی مگر ہم دونوں شرمندگی کے باوجود کھڑے رہے اور چاند دیکھتے رہے چونکہ ہمیں چاند دیکھنے کا یقین ہو چکا تھا مگر حضرت کافی دیر کے بعد واپس ہو گئے اور پورا مجمع بھی حضرت کے ساتھ واپس ہو گیا، مجمع جب مسجد کے قریب پہونچا پھر دوبارہ ہمیں چاند نظر آ گیا میں دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت کسی کو بھیج دیجئے چاند پھر نظر آ گیا ہے، حضرت نے فرمایا بھائی چاند پھر دیکھو چنانچہ دس بارہ آدمی آئے اور انہوں نے

چاند دیکھ کر حضرت کو اطلاع دی حضرت چاند بالکل صاف نظر آ گیا ہے، ہم دونوں پر جو شرمندگی طاری ہوئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی، رات کو رائے پور میں ہی قیام رہا صبح عید کی نماز پڑھ کر واپسی ہوئی، چونکہ خانقاہ میں عید کی نماز طلوع شمس کے کچھ ہی دیر بعد ہو جایا کرتی تھی، یہاں پر عید کی نماز اور جگہوں کی بہ نسبت جلدی ہوتی تھی اور عموماً سبھی لوگ عید کی نماز کے بعد واپس ہوتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ ۱۸/شوال ۱۳۶۵ھ جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں تشریف لائے حضرت شیخ زکریاؒ اور مولانا غلام رسول صاحب جالندھری نیز دیگر اصحاب ورفقاء ساتھ تھے، آپ نے ایک بچے سے چند آیات اور کچھ مسائل سنے جس سے حضرت حد درجہ مسرور ہوئے اور اہل گنگوہ کو اس دینی خدمت پر مبارک باد پیش کی اور دعاؤں سے نوازا، نیز قلت وقت کی بنا پر آپ معائنہ نہ لکھ سکے لیکن حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کو فرمایا کہ اہل گنگوہ کو ترغیب کیلئے ہماری طرف سے ایک تحریر لکھ دینا، چنانچہ حضرت کی طرف سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے رجسٹر معائنہ جات میں ایک تحریر لکھدی تھی ذیل میں اس کی نقل درج کی جاتی ہے۔

الحمدلله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى

آج ۱۸/اشوال ۱۳۶۵ھ کو حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری **متعنا الله بقائه** اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا غلام رسول صاحب جالندھری مع دیگر چند احباب گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لائے، اور ایک بچے سے چند آیات سنیں اور کچھ

مسائل سنے جس سے حد درجہ مسرور ہوئے اور اہل گنگوہ کو اس دینی خدمت پر مبارکباد دی نیز اپنی بابرکت دعاؤں سے نوازا، احقر بھی ہمرکاب تھا قلتِ وقت کی وجہ سے کوئی معائنہ تحریر نہیں فرما سکے اور احقر کو ارشاد فرمایا کہ اہل گنگوہ کو ترہیب وترغیب کیلئے ایک تحریر ہماری طرف سے لکھ دینا۔

گذارش ہے کہ ان اکابر اہل اللہ کا مبارکباد دینا انتہائی سعادت اور مدرسہ کیلئے امید افزاء اور فال نیک ہے، اسلئے اہل گنگوہ اس کی قدر کریں اور پوری جدوجہد اور زائد از زائد خلوص وللّٰہیت کیساتھ مدرسہ کی خدمت اور امداد کو سرمایۂ سعادت اور بہت بڑا ذریعہ رضائے خداوندی سمجھیں، توقع قوی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت جلد اس مدرسہ کو ترقیات کے ثمرات عطا فرمائیں گے وماذلک علی اللہ بعزیز وھو علی کل شئی قدیر وبالاجابۃ جدیر فقط۔

العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۸/۱۰/۱۳۶۵ھ

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ اور آپ کی حق گوئی وبے باکی کا ایک بے مثال مظاہرہ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۸ھ اپنے وطن سیوہارہ ضلع بجنور میں ہوئی، حفظ الرحمان (الف کے املاء کے ساتھ) آپ کا تاریخی نام ہے ابتدائی تعلیم مدرسہ فیض عام سیوہارہ اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہوئی ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوکر صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی انتہائی کتابیں پڑھیں اور

۱۳۴۲ھ میں دورہ کی تحصیل سے فراغت ہوئی، اور یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۲ر اگست ۱۹۶۲ء کو ملت اسلامیہ کا یہ جانباز مجاہد اپنے رب کے حضور حاضر ہوگیا، نئی دہلی حضرت شاہ ولی اللہ کے مشہور قبرستان مہدیان میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہارویؒ کی جرأت وحق گوئی کا ایک عجیب وغریب واقعہ جو محترم الحاج غلام رسول صاحب کلکتوی نے سنایا، انہوں نے بتلایا کہ مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ کے ساتھ جب مجاہد ملت کا خطاب یعنی لقب سامنے آیا اور کئی بار اجازت کے ذریعہ اور زبانی بھی سننے میں آیا میں نے ان کو کولوٹولہ کلکتہ کی مسجد میں لاکر ترجمۂ قرآن وتفسیر وغیرہ بیان کرنے کے لئے مقرر کرایا تھا کافی زمانہ تک یہ یہاں رہے یہاں رہتے ہوئے تو ان کی زندگی میں جرأت وبے باکی کی کوئی نمایاں مثال سامنے نہیں آئی، یہاں سے جانے کے بعد ایک دم مجاہد ملت کا خطاب پاگئے اتنی جلدی ان کی ذات میں نمایاں تبدیلی کیسے ہوگئی، میں اسی خیال میں تھا کہ دہلی نظام الدین کا جماعتی سفر ہوا تو میں نے ایک دن موقعہ پاکر حضرت مولانا یوسف صاحبؒ سے عرض کیا کہ پارلیمنٹ کے مسلمان ممبران میں جماعتی کام لیکر جانے کی اجازت دیدیجئے، چنانچہ حضرت مرحوم نے اجازت دیدی اور میں دوتین ساتھیوں کو لے کر ایک ممبر پارلیمنٹ کلکتوی جو اسی سال ممبر پارلیمنٹ بنے تھے ان کے مکان پر گیا، جماعتی کام ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے کہا کہ ابھی چاردن کے بعد فلاں ممبر کی کوٹھی پر سیرۃ النبیؐ کا جلسہ ہونے والا ہے اس وقت دوسرے مسلمان ممبران بھی اس میں شریک ہونگے اور دوسرے غیر مسلم ممبران بھی

شریک جلسہ ہونگے آپ بھی تشریف لائیں اور اپنی بات پیش کریں، چنانچہ میں وقت مقررہ پر جلسہ میں شریک ہوگیا، حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ کو بھی وہاں موجود پایا اور کئی صاحبان مسلمان اور غیر مسلموں نے سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر مختصر مختصر بیانات کیے، مجمع کافی تھا ایک صاحب جو ہندوستانی سفارتخانہ کی طرف سے مصر میں سفیر بن کر گئے ہوئے تھے اس وقت وہ چھٹی پر دہلی آئے ہوئے تھے اور اسی جلسہ میں موجود تھے اور سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر تقریر کرنے کھڑے ہوگئے، دو چار تمہیدی باتوں کے بعد انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہندوستان کے عوام اور علماء بہت شدت پسند اور دقیانوسی خیال کے ہیں مصری عوام اور علماء میں اتنی شدت نہیں، ہر کام آزادی سے کرتے ہیں اور بہت سی چیزیں جو یہاں ہندوستان میں منع کرتے ہیں پھر بھی لوگ ان کو کرتے رہتے ہیں یہ الفاظ سن کر میں نے دیکھا کہ مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور ایک دم کھڑے ہوگئے اور بہت شدت کے ساتھ ان سے یہ کہا کہ آپ سیرت النبیؐ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہو یا مصر کے آزادی پسند خیالات لوگوں کا عمل بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہو؟ ہم مصر کے علماء پر ایمان نہیں لائے بلکہ حضورﷺ کی ذاتِ گرامی پر ایمان لائے اور اگر آپ کا مطالعہ اور معلومات آپ کی سیرت پر نہیں تو آپ فوراً بیٹھ جایئے، تمام مجمع پر ایک سکوت اور سکتہ کا عالم طاری ہوگیا، میں یہ منظر اور حق گوئی کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعی یہ شخص مجاہد ملت ہے۔

آج کل جو مناظر ملت فروشی کے سامنے آرہے ہیں آپ ان اکابر کی جرأت و بے باکی حق گوئی کو دیکھ کر فیصلہ کریں کہ ہم کہاں ہیں اور وہ کہاں تھے، اللہ

تعالیٰ ان اکابر جیسی جرأت وحق گوئی کی طاقت ہمیں بھی عطا فرمائے، آمین۔

معائنہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج بتاریخ ۲۱ رجب المرجب ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۵۵ء میں نے مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کا معائنہ کیا اجلاس میں شرکت کی ماشاء اللہ یہ دینی مدرسہ ناظم مدرسہ جناب قاری شریف احمد صاحب اور ارکانِ مدرسہ کی مخلصانہ جدوجہد کی بدولت روبہ ترقی ہے، تقریباً دوسو طلبا تعلیم پا رہے ہیں، قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہے سات اساتذہ تعلیم دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس دینی گلزار کو بیش بہاریں دیکھنا نصیب کرے آمین، اہل شہر واہل خیر کا فرض ہے کہ اس دینی دورِ انحطاط میں اس دینی وملی درسگاہ کی دامے، درمے، قدمے ہر طرح مدد کر کے اجرِ دارین حاصل کریں۔

خادم ملت محمد حفظ الرحمان کان اللہ لہ

ناظم عمومی جمعیت علمائے ہند

سرتاج المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری وشرفِ ملاقات

حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ ہمارے دادا پیر ہوتے ہیں، آپ کی ولادت ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۶ء موضع فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی، والد صاحب کا نام یعقوب خان ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ہوئی، بعد ازاں دارالعلوم میں داخل ہو کر ۱۳۳۶ھ میں دورۂ

حدیث شریف کی تکمیل کی پھر دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے ہوئے، بڑے ہی عابد زاہد، متقی، خائف من اللہ، شائق الی اللہ، دنیا سے اعراض کرنے والے، ہر وقت آخرت کی طرف اقبال اور توجہ میں مگن رہنے والے، جامع الاوصاف والکمالات، منبع الفیوض والبرکات، صاحب کشف وکرامات، صاحب علم ومعرفت، حلقۂ علماء صلحاء میں ایک مسلّم بزرگ مانے جاتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بعد تمام تر حضرات کا رجوع آپ ہی کی طرف رہا اور عوام وخواص میں آپ کو مقبولیت اور محبوبیت حاصل رہی اور کوپا گنج کے قریب ایک مقام پر مستقل حضرت کا مدرسہ اور خانقاہ جاری رہا جہاں سے ہزاروں لوگ فیضیاب ہوئے، اسی طرح شہر الٰہ آباد میں جو کبار اولیاء اللہ کا مسکن اور وطن رہا ہے آپ نے قیام فرمایا اور وہاں بھی آپ کے فیوض وبرکات کے دریاؤں سے ایک امت نے سیرابی حاصل کی اور علم وعرفان کی بارشوں سے اپنے مردہ قلوب کو زندہ کیا اور بنجر زمین کو شاداب اور گلزار بنایا، آپ ہمارے شیخ حضرت اقدس جامع الکمالات منبع الفیوض والبرکات حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم کے شیخ اول بھی ہیں اور خسر بھی ہیں، اس طرح سے آپ ہمارے دادا پیر بھی ہوتے ہیں اور باپ کے سلسلہ سے مربوط ہیں، حضرت والد صاحبؒ کی ان کی خدمت میں حاضری کے تعلق سے عزیزم گرامی مولانا مفتی محمد احسان صاحب سلمہ یہاں اس طرح لکھتے ہیں:

حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ کو اکابر کی خدمت میں حاضری

دیئے اور ملاقات کا شرف حاصل کرنے نیز ان کی دعائیں توجہات و برکات حاصل کرنے کا جذبہ گویا فطری تھا، اسی لئے آپ اس مبارک عمل کی سعادت حاصل کرنے کیلئے قریب وبعید کے اسفار بھی کرتے رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے کانپور پھر الہ آباد کا سفر اسی مقصد کے پیش نظر کیا جس کو ہم یہاں پر حضرت ہی کی زبانی تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، تاہم آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کانپور میں قیام پذیر تھے اسی دوران بندہ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کیلئے کانپور پہونچا، دو تین روز کانپور میں قیام کر کے حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ الہ آبادی سے ملاقات کیلئے رات کی ٹرین سے الہ آباد روانہ ہوا، اسٹیشن پر اتر کر حضرت کی قیام گاہ کی طرف چلا صبح کا وقت ہو گیا تھا اس لئے راستہ ہی میں محلّہ کی ایک مسجد میں فجر کی نماز ادا کی، بعدہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا وہاں پر نیچے کی منزل میں بہت سے حضرات بیٹھے ہوئے تھے، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت قریب کے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں اور جلد ہی تشریف لانے والے ہیں سبھی لوگ حضرت کے انتظار میں بیٹھے ہیں میں بھی انہیں لوگوں میں بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت تشریف لے آئے سفر کے اثرات آپ پر نمایاں تھے داڑھی اور سر مبارک گرد آلود ہو رہے تھے، اسی حالت میں آپ اندر داخل ہوئے سبھی حضرات احتراماً کھڑے ہونے لگے لیکن آپ نے سب کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ سب لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں کسی کو اٹھنے کی ضرورت نہیں مگر میں نے کھڑے ہونے کی حالت میں ملاقات کرتے ہی عرض کر دیا کہ میں گنگوہ کا رہنے والا ہوں، حضرت مفتی محمود حسن

صاحب سے ملاقات کیلئے آیا تھا اور اب یہاں حضرت والا کی زیارت وملاقات کیلئے حاضر ہوا ہوں، آپ نے میری بات بغور سنی اور اندر کمرہ میں تشریف لے گئے تھوڑی دیر بعد حضرت کے ایک خادم لوگوں کے پاس باہر آئے حضرت کے اس زمانہ میں دو خادم رومی اور جامی نام کے تھے یہ دونوں مظاہر علوم کی تعلیم کے زمانہ سے میرے شناسائی تھے، ان میں سے ایک باہر آئے اور حضرت کا پیغام لوگوں کو سنایا کہ جو لوگ میرے پاس آنے والے ہیں وہ مجلس آرائی کیلئے نہ آیا کریں بلکہ عمل کی نیت سے آیا کریں اور جو کچھ مجلس میں سنیں عمل کی نیت سے سنکر اس پر عمل کریں، یہ کہکر وہ صاحب چلے گئے باہر جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں فاروق نامی ایک شخص تھا جو تھانہ میں ملازم تھا تھانہ والوں نے اس پر زیادتی کی تھی کچھ شہری حضرات اس کے معاملہ کے بارے میں تھانہ میں جا رہے تھے، دوسری مرتبہ حضرت نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگ اس کے معاملہ میں نہ پڑیں ذرا سی دیر میں ہندو مسلم فساد ہو جاتا ہے صبر وتحمل سے کام لیں، یہ کہکر وہ صاحب اندر چلے گئے، تیسری مرتبہ وہ صاحب پھر حضرت کا پیغام لائے اور مجھکو کہا کہ حضرت آپ کو بلا رہے ہیں چنانچہ میں اندر حضرت کی خدمت میں گیا اور دوبارہ حضرت سے ملاقات کی، حضرت نے میرے لئے ناشتہ منگوایا ناشتہ کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے گنگوہ تشریف نہیں لائے، نیز میں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ جب آپ تھانہ بھون تشریف لائیں تو گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں ضرور تشریف لائیں، حضرت نے فرمایا بہت اچھا انشاء اللہ ضرور آؤں گا لیکن تقدیر الٰہی سے کون واقف ہے وہ تو سر من اسرار اللہ ہے، تاہم قصہ یوں ہوا کہ حضرت والا نے اسی

سال اپنے کچھ متعلقین ومتوسلین کی کوشش پر حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ فرمالیا، آپ کے حج میں تشریف لے جانے کے ارادہ کی خبر دور دراز علاقوں میں پھیل گئی، تو متعلقین ومتوسلین ومریدین کی بڑی تعداد حضرت والا کی زیارت کیلئے آنے لگی یہاں تک کہ حضرتِ والا ۱۹ ؍شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۲ ؍نومبر ۱۹۶۷ء ؍دس گیارہ بجے دن میں ممبئی کرلا میں واقع اپنی قیام گاہ سے بندرگاہ کیلئے روانہ ہوئے، نماز ظہر جہاز پر باجماعت ادا فرمائی لوگوں کا بے حد اژدہام تھا بھیڑ بھاڑ اور سلام ومصافحہ کی کثرت سے حضرت کو تعب ہونے لگا اور فرمایا کہ یہ لوگ تو مجھکو مار ہی ڈالیں گے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ سب محبت ہی میں کر رہے ہیں، اس کے بعد حضرت اپنے فرسٹ کلاس حجرہ میں تشریف لے گئے، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ (آپ کے داماد) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے فرمایا کہ بچوں کا خیال رکھنا تاہم حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ اور ان کے رفقاء حضرت والا کی نصائح حاصل کر کے نیچے اتر آئے اور ساحلِ سمندر پر آکر کھڑے ہوگئے، حضرت والا کیلئے جہاز میں باہر کرسی رکھدی گئی چنانچہ حضرت والا اپنے جملہ احباب متعلقین ومحبین کی تسلی کیلئے باہر کرسی پر تشریف لائے اور دعاء کیلئے اپنے مبارک ہاتھوں کو اٹھایا اس ہیئت کو دیکھ کر سبھی لوگوں نے دعاء کیلئے ہاتھ اٹھادئے اور دعاء میں شریک ہوئے گریہ وزاری میں عجیب سماں بندھ گیا تھا لوگ آمین آمین کہتے رہے، حضرت مولانا قمر الزماں بارک اللہ فی حیاتہ یہاں فرماتے ہیں کہ مجھے خدا کی ذات سے قوی توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو ضرور قبول کیا ہوگا، عصر سے قبل جہاز روانہ ہوا اور

حضرت کے متوسلین جہاز کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے رہے یہاں تک کہ جہاز آنکھوں سے اوجھل ہوا جہاز میں دو ہی روز گزرنے کے بعد آپ کی طبیعت بگڑنے لگی قے اور متلی کا سلسلہ شروع ہوا خدام نے نیچے کے طبقہ میں ڈاکٹروں کو اطلاع دی جہاز کے ڈاکٹر حاضر ہوئے انہوں نے اپنا علاج شروع کیا دو انجکشن لگائے قدرے افاقہ محسوس ہوا مگر حالت اندر ہی اندر بگڑتی گئی یہاں تک کہ آپ اسی شب میں ۲۲ رشعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۴ رنومبر ۱۹۶۷ء بروز جمعہ ساڑھے گیارہ بجے اپنے حقیقی مولیٰ سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ جانکاہ خبر بذریعہ وائرلیس حجاز مقدس کو دی گئی تو وہاں کے مخلص احباب اور سفیر ہند مدحت کامل صاحب نے کوشش کر کے جنت المعلیٰ میں تدفین کیلئے سعودی حکومت سے منظوری حاصل کر لی اور جسد مبارک کو مکۃ المکرّمہ لانے کی سرکاری طور پر اجازت مل گئی یہاں تک کہ مدرسہ صولتیہ میں غسل دینے کا انتظام کرلیا گیا اور جنت المعلیٰ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے قریب قبر تیار کر لی گئی، مگر خداوند قدوس کو کچھ اور ہی منظور تھا اسلئے جہاز کا کپتان یہ سمجھا کہ اجازت نہیں ملی وہ غلط فہمی کا شکار رہا اس نے کہا کہ ہم بغیر سرکاری اجازت کے نعش کو ساحل سمندر پر نہیں لیجا سکتے کپتان نے سخت انکار کیا کپتان کے سخت انکار کی وجہ سے اب کوئی شکل باقی نہ رہی تھی سوائے اس کے کہ جہاز کے قانون کے مطابق نعش کو بحر احمر میں اتار دیا جائے، چنانچہ بعجلت تمام غسل وتکفین سے فارغ ہوئے اور نماز جنازہ قاری مبین صاحب مدظلہ العالی نے پڑھائی اس کے بعد جسد مبارک جہاز کے قانون کے مطابق بحرِ احمر میں اتار دیا گیا، اب وہ شعر اچھی طرح سمجھ میں آنے لگا جس کو حضرت بار بار

پڑھا کرتے تھے:

پھول کیا ڈالو گے تربت پر میری　　　　خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائیگی

اور مرزا غالب کا یہ شعر بھی اکثر آپ کی ورد زباں ہوتا

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

حضرت والا کے وصال پر ملال کی خبر برق رفتاری کے ساتھ ملک میں پھیل گئی جس کو بھی اس حادثۂ فاجعہ کی خبر موصول ہوئی دل تھام کر بیٹھ گیا، رضاء بالقضاء کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہا، تاہم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں حضرت نے آنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ بھی پورا نہ ہوسکا، مگر آپ کی روحانی توجہات وبرکات بخوبی محسوس ہوتی ہیں کیونکہ آپ ہی کے رفیق خاص اور ہم عصر بزرگ ولی کامل عارف باللہ جناب حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھیؒ سے جناب مفتی خالد سیف اللہ زید مجدہ مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ راہ سلوک میں منسلک ہوکر اکتساب فیض کر چکے ہیں، آنموصوف نے مفتی خالد سیف اللہ زید مجدہ کو اپنا منظور نظر بنا کر بیحد شفقتوں اور دعاؤں سے نوازا اور اپنا مجاز صحبت قرار دیا: مولانا محمد احمد صاحب پرتا پگڑھی کے وصال کے بعد مفتی صاحب مدظلہ العالی زید مجدہ نے حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی کی طرف رجوع کیا اور مقامات سلوک طے کئے، تا آنکہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ العالی نے بھی بے پناہ عنایات وتوجہات فرما کر خلافت سے سرفراز فرمایا اور مزید توجہات فرماتے رہے، کئی مرتبہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کیلئے آپ نے سفر فرمایا اور

تشریف لاکر اپنے وعظ سے عوام خواص کو مستفیض فرمایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مفتی خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ العالی کو مجاز بیعت قرار دیئے جانے کے بعد سے سرزمین گنگوہ پر سلسلہ نقشبندیہ کی آبیاری ہوئی اور قریب وبعید سے لوگ بخوشی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر فیضیاب ہونے لگے اور بحمداللہ آں موصوف کے مریدین ومتوسلین کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کوفروغ ہورہا ہے، دل سے دعاء ہے کہ باری تعالی موصوف کی ذات گرامی کو مرجعِ خواص وعوام بنائے اور خلق کثیر کو آپ کے سلسلہ سے مستفیض فرمائے۔

خلعتِ خلافت

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بالتفصیل لکھا جاچکا ہے کہ حضرت والد بزرگوار مستقل طور پر حضرت شیخ زکریا نوراللہ مرقدہ سے تقریباً ۳۵ رسال منسلک رہے، دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کے دوران حضرت شیخ زکریاؒ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا، ان کے آخری زمانے تک ان کے بتائے ہوئے اوراد ووظائف پر پابند رہے اور ان کے ساتھ آپ کو اس درجہ محبت وعقیدت کا تعلق تھا کہ تقریباً ہر ہفتہ ان کی خدمت میں حاضری اور پھر ان کا بارہا گنگوہ تشریف لانا مدرسہ اور گھر پر قیام کرنا ایک زمانۂ دراز تک رہا، حضرت شیخ کے وصال کے بعد ظاہری طور پر اس کا پتہ لگنا نہایت مشکل تھا کہ آپ نے پھر اس سلسلہ میں کسی سے رجوع کیا ہو چونکہ اس معاملہ میں آپ نے بہت زیادہ اخفاء سے کام لیا ہے، مگر ذیل میں ذکر کیا گیا خط اور پھر اس کے بعد خلافت کا معاملہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے حضرت مولانا سید محمود حسنؒ خلیفہ

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے گویا ایک طرح سے رجوع کیا جو آپ کی انتہائی تواضع پر دال ہے، چونکہ ایک طرح سے سید صاحب آپ کے ہم زمانہ ہم عمر بزرگ ہیں اور آپ کے ساتھ ایک بے تکلفانہ اور رفیقانہ تعلقات رکھتے تھے اور ہر دفعہ میں ملاقات پر کہتے تھے کہ ہم سے پہلے مت جانا تاکہ ہمارے لئے ایصال ثواب کرا سکو، مگر اللہ کی شان کہ وہ پہلے چلے گئے اور حضرت سید صاحب کی عمر میں اللہ پاک نے برکت فرمائی اور وہ حضرتؒ کے بعد کافی عرصہ حیات رہے یہاں تک کہ ابھی قریب میں انتقال فرمایا، انکے تعلق سے جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''صدائے حق'' کے شمارہ میں بقلم محترم مولانا محمد ساجد صاحب زید احترامہ مدرس جامعہ ہذا جو کچھ لکھا گیا درج ذیل ہے۔

آہ! حضرت مولانا محمود حسن پٹھیڑوی رحمۃ اللہ علیہ

اس کارگاہِ ہستی میں بھلا قرار کسے نصیب ہوا؟ یہاں تو ہر شخص آیا ہی اس لئے کہ وہ اپنی حیاتِ مستعار کو حق جل مجدہ کی خوشنودی کے حصول میں صرف کر کے وہاں کی لازوال نعمتوں کا مستحق قرار پائے اور زہے قسمت اگر بوقتِ رحلت بارگاہِ خداوندی سے رضا جوئی کا یہ پروانہ بھی نصیب ہو جائے جس کی طرف ذیل کی یہ آیتِ قرآنی مشیر ہے ''یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ''

گذشتہ ۲۵ / مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعہ کو سلوک و معرفت کی عبقری شخصیت عارف باللہ، زاہدِ مرتاض، شیخ و مرشد حضرت مولانا سید محمود حسن پٹھیڑویؒ (بعمر

اٹھاسی سال) کے انتقال کی اندوہناک خبر سے دل ودماغ گویا ماؤف ہو کر رہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون کے کلمات زبان پر جاری تھے کہ ذہن فوراً آیت مذکورہ کی طرف گیا جس میں سعادت مند روحوں کو بہشت میں داخلہ کا مژدۂ جانفزا گوش گذار کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا کو جن حضرات نے دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور شاہی کروفر سے بے نیاز یہ درویش اور ولی کامل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے آستانے پر گوشۂ خلوت میں بیٹھ کر ریاضت ومجاہدات، عبادتِ الٰہی، ذکر وفکر، تلاوتِ قرآن، اوراد ووظائف جیسے معمولات پر کاربند رہا، انجذاب الی اللہ کی کیفیت نے اپنے مرشد حضرت مدنیؒ کا کچھ ایسا دامن گرفتہ بنادیا تھا کہ ان کے وصال کے بعد بھی اخیر میں آپ وہیں کے ہو کر رہ گئے تھے، اجازت وخلافت بھی حضرت مدنیؒ سے حاصل تھی، آہ صد آہ! کہ بزمِ مدنی کا یہ روشن چراغ بھی ہمیشہ کیلئے گل ہو گیا۔

حضرت مولانا محمود حسن علیہ الرحمہ شہر سہارنپور سے تقریباً ۲۰ رکلومیٹر دور مضافاتی گاؤں پٹھیڑ میں سادات خانوادے کے چشم وچراغ تھے، وہیں سے آپ کا خمیر اٹھا تھا لیکن دیوبند میں تعلیم وتربیت کے مراحل طے ہوئے اور دامنِ مراد بھی یہیں سے پوری ہوئی۔

آپ کی زندگی بے شمار خوبیوں سے آراستہ اور جامع الاوصاف والکمالات تھی، زاہد فی الدنیا، راغب فی الآخرۃ اور سلوک واحسان میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، دنیا

ومافیہا سے بیزار بس اللہ اللہ ہی ان کا محبوب مشغلہ، کثیر التلاوۃ، کثیر العبادۃ، کثیر الخلوۃ مع اللہ شخص تھے اور ہمیشہ دینی فکر اور دینی لگن اور خدمت خلق میں مست رہتے تھے اور بہت زیادہ شکر گذار انسان تھے اور اسی سے ان کو راحت وقرار ملتا، بارہا مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا زبانِ حال سے اور زبان قال سے بھی بس ایک ہی سبق اور اسی کا ورد سننے اور دیکھنے کو ملا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات ماشاء اللہ وسیع پیمانے پر پھیلے سرکردہ علماء، مذہبی شخصیات اور سربرآوردہ حضرات آپ کے حلقۂ بیعت میں شامل بلکہ اجازت وخلافت یافتہ ہیں، جس کا اندازہ آپ کے فیض یافتگان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، شریف الامت حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا اور ان دنوں بزرگوں کی باہمی ملاقات کا خوش گوار منظر بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

حضرت مولانا اپنے انتقال سے چند ہی روز قبل جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں تشریف لائے تھے اور بندہ حقیر کو معلوم فرمایا افسوس کہ سفر پر ہونے کی وجہ سے ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، پھر بھی آپ اندر مدرسہ میں تشریف لائے اور کافی دیر تک حاضرین مجلس کے سامنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بندہ کے تعلق سے اپنے دلی جذبات اور محبتوں کا اظہار فرماتے رہے، بالخصوص حضرت والد صاحبؒ کے تعلق سے بلند تعریفی کلمات فرمایا کرتے تھے، اللہ پاک دونوں بزرگوں کے درجات بلند

ترفرمائے اوراعلیٰ علیین میں مقام رفیع پر فائز فرمائے۔

اس کوحسنِ اتفاق کہا جائے گا کہ ناچیز راقم الحروف امام حرم محترم کے فیوض وبرکات حاصل کرنے کیلئے جم غفیر میں شریک تھا وہیں اعلان سنا بیحد افسوس ہوااور آخر تک نماز جنازہ اور تدفین میں موجود رہا مزار قاسمی دیو بند میں تدفین ہوئی، اللہ پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پسماندگان کوصبر جمیل نصیب فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین یارب العالمین۔

اب ہم سید صاحب کا خط ذکر کرتے ہیں، جو کہ حضرت والد صاحبؒ کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوابار بار پڑھا جوسکون قلب کا ذریعہ بنتا رہا، کئی مرتبہ جواب کا ارادہ کیا مگر اپنی طبیعت کے ضعف اور واردین وصادرین رکاوٹ بنتے رہے، میرے کرم فرما جناب کواور مولانا شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ چھٹملپوری کو اللہ تعالی نے دین کی خصوصی خدمت کے لئے پیدا فرمایا سوکر رہے ہیں، اور آپ دونوں حضرات کے ذریعہ سے اللہ تعالی نے زبردستی بہت بڑی دینی درسگاہ قائم فرمائی، جسمیں ابھی تک ہزاروں حافظ وقاری محدث شیخ الادب والفقہ پیدا فرمائے، خدا کرے تادیر یہ درسگاہیں قائم رہیں، جس قدر حافظ وقاری، محدث، شیخ الادب والفقہ، بنیں گے اور دینی خدمات کریں گے سبھوں کا اجر جناب کواور حضرت مولانا شریف احمد صاحبؒ کوانشاء اللہ تعالی ملتا رہے گا۔

اور جناب کے تو ماشاء اللہ خود فرزندار جمند محدث شیخ الادب والفقہ

صاحب نسبت بزرگ آپ کی خدمت میں ہی رہتے ہیں، اسلئے میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالی کے یہاں آپ دونوں حضرات کا کسقدر اونچا مقام ہوگا۔

یہ کیفیت جو جناب نے اپنی لکھی ہے اپنے بزرگوں کی آخر میں یہی حالت اور کیفیت ہوجاتی ہے، یعنی اپنے آپ کو مٹا دینا اور خود کو کچھ بھی نہ سمجھنا، اور مجھ جیسے نالائق سے جو آپکی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں بیعت وغیرہ کا خیال فرمانا یہ سب جناب کے علومرتبہ کی دلیل ہے۔

میں نے شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ فرمان سنا کہ تمام رات ذکر میں مشغول رہتے تھے، جن کا ذکر اتنا طویل ہوگا انکا حال کتنا اونچا ہوگا، مگر شاہ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ نے اپنے کو اسقدر مٹایا کہ جب انکے صاحبزادے گھر میں بھوک کی وجہ سے روتے تھے تو انکی اُمی کہتی تھیں کہ جاؤ اپنے ابّا کے پاس۔

بچے خانقاہ میں آتے اور حضرت انکو گھر میں لیجا کر بغل میں لیکر روتے اور یہ فرماتے اے خدا! یہ معصوم بچے میری بداعمالیوں کی وجہ سے پریشان ہیں مجھکو معاف کردے، جبکہ کتنا طویل ذکر کتنا اونچا حال تھا، کسرنفسی کا یہ حال کہ اپنی بد اعمالیوں کا تصور فرما کر توبہ کرتے تھے۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ کو جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے صدر مدرس بنادیا اور انور شاہ صاحبؒ دارالعلوم میں سبق پڑھانے تشریف لائے تو کتاب ترمذی شریف کھولی طالب علم نے عبارت پڑھی اور شاہ صاحب سوچنے لگے اور چند منٹ کے بعد کتاب بند کی اور سیدھے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مکان پر

پہونچے، حضرت پاؤں لٹکائے ہوئے چارپائی پر تشریف فرما تھے شاہ صاحب نیچے بیٹھ گئے اور شیخ الہند قدس سرہ کی ٹانگیں دبانے لگے اور زار و قطار رونے لگے کہ حضرت آپنے مجھے صدر مدرس بنا دیا میں کیسے اس مرتبہ کو انجام دے سکوں گا، شیخ الہندؒ انکو دعائیں دیتے رہے اور تسلی دیتے رہے کہ انشاء اللہ آپ کامیاب رہوگے، اسکے بعد آئے اور سبق شروع کیا، استاذ کے پاؤں دبانا اور زار و قطار رونا یہ اللہ تعالیٰ نے وہی اپنی ہستی کے مٹانے کا ایک مقام عطا فرمایا تھا، اور حضرت مدنی قدس سرہ کی مثال تو ہمارے اور آپ کے سامنے ہے کہ شیخ الحدیث صاحب سہارنپوریؒ نے بارہا فرمایا کہ اپنے والد صاحب (مولانا یحییٰ صاحبؒ) اور حضرت مدنی قدس سرہ کو جسطرح میں نے روتا دیکھا کسی بزرگ کو نہیں دیکھا۔

وصال کے وقت بعد نماز فجر حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہ اپنے گھر مرادآباد جا رہے تھے تو حضرتؒ کی خدمت میں ملاقات کو گئے، تو حضرت مدنیؒ بہت روتے رہے اور فرماتے رہے کہ میں کچھ نہیں مولانا میری مغفرت کی دعاء فرمانا، مولانا فخر الدین صاحبؒ فرماتے رہے کہ میں بعض روایات سے حضرت کے کارنامے انکو یاد دلاتا رہا مگر انکی گریہ وزاری عشق خداوندی بڑھتی ہی رہی اور ہچکی بندھ کر رونے لگے، آخر میں اسی حال میں اٹھکر چلا آیا۔

یہ اپنے اکابر کے چند احوال جناب کو لکھے یہ اعلیٰ درجہ کے احوال ہیں، انہیں احوال کا جناب پر غلبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی خدمت جناب سے لی ہے، اللہ تعالیٰ مزید درجات سے جناب کو نوازے، جو مقام اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنے مٹانے کا عطا فرمایا اسپر جناب کو مبارکباد پیش کرتا ہے، بندہ کا تو اب یہ

حال ہے کہ رات کا اکثر حصہ کو لکھنے کرا ہنے میں گزر جاتا ہے، کئی کئی مرتبہ چائے اور دوا لیتا ہے، اسیطرح رات ختم ہو جاتی ہے، اور دن میں رات کی تکان کا کافی اثر ہوتا ہے، اور اکثر مہمان آتے جاتے رہتے ہیں اسمیں مشغول رہتا ہے، مرنے کا وقت ہے دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ کامل ایمان پر خاتمہ فرمائے آمین۔

یہ تو انشاء اللہ جناب سے قوی امید ہے کہ جب اس اپنے خادم کے مرنے کی خبر سنو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ قرآن خوانی وغیرہ کے ذریعہ مغفرت کی سعی فرمائیں گے، مفتی خالد سیف اللہ قاسمی کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دعاء کی درخواست، فقط والسلام۔ خادم سید محمود غفرلہ

مدنی منزل دیوبند ضلع سہارنپور ۶ رفروری

حضرت والد ماجد قدس سرہ نے اپنی ذاتی ڈائری میں اس طرح لکھا ہے:

۷ رجمادی الثانی ۱۴۲۴ھ بدھ ۸ رجون ۲۰۰۳ء آج گیارہ بجے دن مولانا سید محمود حسن صاحب مدظلہ پٹھیڑوی دیوبند سے مدرسہ تشریف لائے، یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، اور بندہ حقیر احقر شریف احمد خادم مدرسہ ہذا کو خلافت جیسی نعمت عظمیٰ سے نوازا، جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء، بندۂ حقیر نے حضرت ممدوح کو شاہ بھیک کا یہ شعر سنایا، حضرت شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی نے جب انکو خلافت دی تو شاہ بھیک پر بہت ہی بے خودی اور وجد کی کیفیت طاری ہوئی، فوراً یہ شعر پڑھا ؎

بھیکا مالی پرواریاں پل میں سو سو بار کوے سے ہنس کیا پرت نہ لاگی بار

لطف کی بات یہ ہے کہ جس روز یہ معاملہ ہوا اس سے دو تین روز قبل ہی حضرت والد صاحبؒ نے راقم السطور سے اپنا یہ خواب ذکر فرمایا تھا کہ کوئی بزرگ میرے پاس

دفتر میں تشریف لائے اور مجھ کو کچھ عنایت فرمارہے ہیں دوتین روز کے بعد پھر یہ قصہ آپ کے خواب کی تعبیر کی صورت میں ظاہر ہوا اللہ پاک دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائے آمین۔

شجرۂ طریقت

پہلے گذر چکا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی ممتاز خصوصیات میں سے نسب سند بھی ہے جو کہ دوسرے کسی مذہب یا سوسائٹی میں اس طرح نہیں، اسی طرح روحانی تربیت (جس کا دینی نام تزکیۂ نفس ہے) کا بھی سلسلۂ سند ہے جو ایک لحاظ سے دوسرے تمام سلسلوں سے ممتاز ہے کیونکہ دین اسلام کے تمام شعبوں کا اصلی منبع سیّدِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذاتِ عالی صفات ہے، اسی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمِ حدیث کی سند حضور سید دو عالم ﷺ تک پہنچتی ہے۔

تزکیۂ باطن جس کا مشہور نام احسان وسلوک اور طریقت ہے اس کا منبع بھی سید دو عالم ﷺ کی ذاتِ عالی صفات ہے اس لئے تمام روحانی سلسلوں کا شجرہ مربوط رکھنا ضروری ہے، خصوصاً جب کسی سالک کو شیخ کی طرف سے مجازِ بیعت کیا جاتا ہے اور وہ اس سلسلہ میں مُنسلک ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کو قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے مجازِ طریقت کی سند عطا فرمائی گئی جس کی باقاعدہ گنگوہ شریف میں دستار بندی کی گئی، آپ کا شجرۂ طریقت درجِ ذیل ہے:

یاالٰہی کن مناجاتم بفضلِ خود قبول   از طفیلِ اولیائے صابری

بہر امداد و بنور و حضرتِ عبدالرحیم   عبدباری عبدہادی عضد دین مکّی ولی

ہم محمدی و محبّ اللہ و شاہِ بوسعید | ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی
ہم محمد و عارف ہم عبد حق شیخ جلال | شمس دین ترک و علاؤ الدین فرید جودھنی
قطب دین وہم معین الدین وعثمان وشریف | ہم مودود و ابو یوسف ہم محمد و احمدی
بو اسحاق وہم بہ ممشاد وہم ہبیرہ نامور | ہم حذیفہ وابنِ ادہم ہم فضیل مُرشدی
عبدواحد ہم حسن بصری علی فخرِ دین | سید الکونین فخرالعالمین بشری نبی
پاک کُن قلب مراتو از خیال غیر خویش | بہر ذات خود شفایم دِہ ز امراضِ دلی

فائدہ: اس شجرۂ طریقت کو حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علیؒ نے عربی میں منظوم فرمایا ہے اور اسی شجرۂ مبارکہ کو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فارسی زبان میں منظوم فرمایا ہے جس کی افادیت کے بارے میں حضرتِ مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا: ''اگر ممکن ہو تو روزانہ شجرۂ منظومہ حضرت نانوتویؒ ایک مرتبہ پڑھ لیا کیجئے اور مشائخِ طریقت کے لئے ذکر شروع کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کیا کیجئے، درود شریف تین مرتبہ، سورۂ فاتحہ تین مرتبہ، سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ، درود شریف تین مرتبہ پڑھ کر دُعا کیجئے کہ پروردگار اس کا ثواب میرے مشائخ طریقت کو پہنچادے اور ان کی برکت سے ان کے طفیل میں میرے دل کو اغیار سے پاک اور اپنی معرفت کے انوار سے منور کردے''۔

حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے زمانۂ اقدس میں اس شجرۂ مبارکہ کو دلکش اردو نظم میں مرتب کیا گیا تھا اور حضرت گنگوہیؒ نے اس شجرہ کو فارسی زبان کی مختصر نظم میں منظوم فرمایا ہے (ماخوذ از چراغ محمدؐ ص ۲۴۸)۔

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے اوصاف وکمالات

(۱) آپ کا قرآن کریم کے ساتھ والہانہ تعلق

حضرت والد صاحبؒ اپنے دور طالب علمی ہی سے قرآن پاک کے دیوانہ اور عاشق تھے، قرآن پاک پر محنت اور اس کی اشاعت ہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا، بچپن سے بہترین قاریٔ قرآن اور مجود تھے، آپ نے اپنے دو استادوں حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ اور دارالعلوم دیوبند کے صدر القراء حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے پاس ایک طویل زمانہ مشق کی تھی اور یہ حضرات اپنے شاگرد رشید سے بہت خوش تھے، یہاں تک کہ قرآن پاک کی محنت اور تعلق کی وجہ سے آپ قاری سے ہی مشہور ہوئے، حالانکہ آپ باضابطہ طور پر دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اور کبار علماء کے شاگرد تھے، فراغت کے بعد سے آپ کی تدریس کا آغاز قرآن پاک سے ہوا اور آپ نے اتنی محنت سے جو آپ کی خاص صفت تھی طلباء کو پڑھایا جو آپ کے پاس پڑھتا تھا بہترین قاری اور مجود بن کر نکلتا تھا، تمام عمر قرآن پاک کو قرأت وتجوید کے ساتھ پڑھانے پر محنت کرتے رہے اور ایک بہت بڑی تعداد نے آپ سے باضابطہ یہ فن سیکھا اور دنیا بھر میں پھیل گئے، اللہ پاک نے آپ کو بہترین آواز اور لہجہ عطا فرمایا تھا، جس میں قرأت اور تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ اللہ کا عشق اور باطنی سوز وگداز کی کیفیت سامعین پر ایک عجیب اثر کرتی تھی اور سننے والے آپ کی قرأت کو سن کر مسحور ومخمور ہوجاتے تھے، قصبہ اور دیہات کے لوگ دور دراز سے آپ کے پیچھے نماز

پڑھنے کے لئے بہت شوق وذوق سے آیا کرتے تھے، قصبہ کے بڑے حضرات آپ کے پیچھے تراویح پڑھنے کے خاص شوقین تھے اور آپ بھی ان کی بہت رعایت کرتے تھے۔

(۲) عشق الٰہی

آپ باضابطہ طور پر اپنے زمانہ کے کبار اولیاء اللہ سے منسلک تھے اور ان کی صحبت میں بہت کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے جس کا لازمی اثر یہ تھا کہ آپ کی طبیعت میں عشق الٰہی جلوہ گر تھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت میں عاشقانہ انداز کے اشعار بکثرت پڑھتے تھے اور سنایا کرتے تھے اور کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ بہت زیادہ ذکر اللہ کرنے والے تھے۔

راقم الحروف نے جب سے ہوش سنبھالا تھا آپ کو فجر کے بعد مستقل طور پر بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے پایا تھا اور آپکے اوپر ذکر میں بہت زیادہ جلال کی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی اور آواز کا حسن ذکر اللہ کی کیفیت کو مزید دوبالا کرتا تھا اور دوران ذکر عاشقانہ اشعار اور قصیدہ بردہ کے اشعار بہت ہی لذت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

الحمدللہ مُنشِی الْخَلقِ من عدم ثم الصلوۃ علی المختار فی القدم

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ فی کل ھول من الاھوال مقتحم

یہ اشعار گویا اب بھی ان کی سریلی آواز میں کانوں میں گونج رہے ہیں اور دل کو سرور بخش رہے ہیں اور ایمان کو تازہ کر رہے ہیں۔

(۳) عشق رسول ﷺ

یہ ناممکن ہے کہ کوئی اللہ کا عاشق ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس کو عشق و محبت نہ ہو جبکہ ساری برکات اور ساری نعمتیں اور فضیلتیں آپ ہی کے طفیل اور وسیلہ سے ہیں اور اللہ کے بعد اگر کسی کی ہستی ہے تو وہ آپ ہی کی ذات عالی شان ہے، اللہ کی معرفت و محبت بھی آپ ہی کا فیضان ہے۔

حضرت والد صاحبؒ بچپن ہی سے نعتوں اور نظموں کے شوقین تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کی شان پاک میں اشعار اپنے خاص لہجہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور آپ کے پاس اپنی نظموں اور نعتوں کی مستقل کاپیاں ہوتی تھیں، ایک زمانہ میں حضرت علامہ مولانا جامیؒ کی نعت شریف اپنی مخصوص آواز اور اپنے مخصوص عاشقانہ لہجہ میں بڑے ترنم اور وجد آفریں کیفیت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، چنانچہ آپ کی مختلف پسندیدہ نظمیں آپ کی کاپیوں میں ملتی ہیں ان میں سے چند نظمیں پیش کی جاتی ہیں:

نسیما جانب بطحا گذر کن ز احوالم محمدؐ را خبر کن
ببر ایں جان مشتاقم بآنجا نثار روضۂ خیر البشر کن
توئی سلطان عالم یا محمدؐ زراہِ لطف سوئے من نظر کن
مشرف گرچہ شد بیچارہ جامی خدایا ایں کرم بار دگر کن

درود وسلام

محبوب کبریا سے میرا سلام کہنا

سلطان انبیاء سے میرا سلام کہنا

مجھ پر خدا کی رحمت اے عازم مدینہ نور محمدی سے روشن ہو تیرا سینہ
جب ساحل عرب پر پہونچے تیرا سفینہ اس وقت سر جھکا کر للہ باقرینہ

سلطان انبیاء سے میرا سلام کہنا

ساحل پر آتے آتے موجوں کو چوم لینا موجوں کے بعد دلکش ذرّوں کو چوم لینا
اس پاک سرزمین کی راہوں کو چوم لینا پھولوں کو چوم لینا کانٹوں کو چوم لینا

پھر نور والضحیٰ سے میرا سلام کہنا

ہو جانب مدینہ جب کارواں روانہ صلِّ علیٰ محمد کا لب پہ ہو ترانہ
وردِ زباں ہو جس دم اشعارِ عاشقانہ جب رحمت خدا کا لٹنے لگے خزانہ

سرچشمۂ عطا سے میرا سلام کہنا

دربارِ مصطفےٰ کی حاصل ہو جب حضوری پیش نظر ہو جس دم وہ بارگاہ نوری
ہو دور رنج وکلفت مٹ جائے فکر دوری دیدار کبریا کی جب آرزو ہو پوری

والشّمس کی ضیاء سے میرا سلام کہنا

روضہ کی جالیوں کے جس دم قریب جانا رو، رو کے حال مسلم سرکار کو سنانا
بے ساختہ لپٹنا جوش جنوں دکھانا سینے سے بھی لگانا آنکھوں سے بھی لگانا

پھر نور حق نما سے میرا سلام کہنا

راہِ طلب کی لذت جب قلب کو مزا دے عشقِ نبی مرسل جب قلب کو جلا دے
جب سوزِ عاشقانہ جذبات کو جگا دے ہستی کا ذرّہ ذرّہ جب آہ کی صدا دے

عالم کے دلربا سے میرا سلام کہنا

مدینہ میں جانا ہو جس وقت اے دل تو آنکھوں سے باب حرم چوم لینا

مدینہ کی منزل وہ منزل ہے ہم دم مقدر سے گر ہوئے جانا تمہارا

جو پھولوں کو آنکھوں سے اپنی لگاؤ تو کانٹوں کو بھی کم سے کم چوم لینا

سُنو غور سے عاشقان محمدؐ بروز قیامت لب حوضِ کوثر

وہ دھوئیں گے امت کا اعمال نامہ تو بس ان کا دست کرم چوم لینا

شریف نعت لکھتا ہے تو شوق سے لکھ مگر یہ نصیحت میری یاد رکھنا

نظم میں محمدؐ کا جب نام آئے تو لکھنے سے پہلے قلم چوم لینا

نعت شریف

چاندنی رات تھی وقت سُہانا تھا انہیں تو اپنے محبوب کو بُلا نا تھا

گئے عرش پر شہ دوسرا تھے جبریل ان کے ہم نوا

کچھ حد ہے ان کے عروج کی بلغ العُلیٰ بکماله بلغ العُلیٰ بکماله

ہوئے کُل جہان کے وہ پیشوا چھٹی ظلمتیں آئی روشنی

کشف الدجیٰ بجماله بلغ العلیٰ بکماله

وہ جمال جلوۂ حق نما وہ صفاتِ احمد مصطفےٰ

حَسُنت جَمِیعُ خِصَالِہٖ

بڑھے کیوں نہ شاعر بینوا کہ شفاعت کا ان کی ہے آسرا

صلو علیه و آله

(ماخوذ از مخصوص ڈائری حضرت الحاج مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ)

(۴) آپ کی نماز اور تہجد کا اہتمام

نماز جو اہم ترین عبادت ہے اور مؤمن کی معراج ہے اور جس میں اللہ کے عاشقوں کو ایک خاص قسم کا سکون اور ایک خاص قسم کا قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، حضرت والد صاحبؒ بہت ہی سکون اور اطمینان اور آداب کی پوری رعایت کے ساتھ باجماعت نمازوں کا اہتمام کیا کرتے تھے اور ایک زمانہ تک مدرسہ کی مسجدوں میں اور محلّہ کی مسجد میں خود ہی نماز پڑھایا کرتے تھے اور آپ کی نماز میں بڑا خشوع وخضوع ہوتا تھا، اور ایک زمانہ تک آپ نے مختلف مسجدوں میں اپنے وطن گنگوہ اور سفر کلکتہ وغیرہ میں تراویح میں قرآن پاک سنایا اور آپ ایک تہجد گزار انسان تھے، باوجود بیماریوں اور تکلیفوں کے رات کے اخیر حصہ میں اللہ کے دربار میں حاضر ہوجایا کرتے تھے اور دیر دیر تک مشغول رہتے تھے اور یہ کوشش کرتے تھے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور اپنے کسی خادم کے بھی آرام میں خلل نہ ہو۔

(۵) آپ کی دعاء

دعاء جو مخ العبادت ہے اور عبدیت کا خلاصہ اور روح ہے اور اللہ کے لشکروں میں سے ایک بڑا لشکر ہے اور اللہ کے اور بندے کے درمیان مناجات اور سرگوشی کا اور راز و نیاز، عرض ومعروض کا ایک بہترین موقعہ ہے اور اللہ پاک کو بندہ کی یہ ادا بہت ہی پسند ہے، بارہا فرمایا کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دونگا اور تمہاری تمام مشکلات اور پریشانیوں کو دور کردوں گا، چنانچہ حضرت والد صاحبؒ کو اللہ پاک نے

جہاں بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا میں سمجھتا ہوں وہیں ایک نعمت انکو یہ ملی تھی کہ ان کو دعاء میں بڑی لذت اور حلاوت محسوس ہوتی تھی اور وہ گھنٹوں گھنٹوں اپنے رب سے مانگتے ہی چلے جاتے تھے، جیسا کہ کوئی عاشق اور دیوانہ سائل اپنے دیوانہ پن میں کسی کی پرواہ کئے بغیر مانگتا ہی چلا جاتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ جو ذات پاک اوروں کو نواز سکتی ہے مجھے کیوں نہیں دے سکتی میں بھی انہیں سے لیکر رہوں گا، ان کو اپنے رب تعالیٰ سے بیحد تعلق تھا اور یقین تھا اس لئے ان کی دعاؤں میں بہت اثرات تھے اور وہ مشکل سے مشکل کام دعاؤں کی برکت سے اور خدائے تعالیٰ کی ذات پاک پر توکل اور یقین کی برکت سے حل کرا لیا کرتے تھے، ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی تھیں اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ انہوں نے دعائیں کی ہوں اور ان کے اثرات ظاہر نہ ہوئے ہوں، ان کا اپنے رب کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق تھا۔

(۶) خدمتِ خلق

خدمت خلق تو گویا آپ کی طبیعت کا خمیر تھا اور آپ گویا خدمت خلق ہی کیلیے پیدا کئے گئے تھے، بچپن ہی سے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی خدمت کرنا اور ان کو ہر طرح کا آرام پہنچانا آپ کا خاص مزاج رہا اور ان حضرات اہل اللہ کی تربیت اور بافیض صحبت سے آپ کے اندر یہ وصف اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ دوسروں کو نفع پہنچانے میں آپ کو اپنی صحت اپنے آرام اپنی جان اور اپنے وقت کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی، اگر چہ آپ کو کتنا ہی تکلیفوں سے گزرنا پڑے، آپ کی حیات میں اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں، بحیثیت مدرسہ کے ایک منتظم ہونے کے اپنے مدرسہ کے

طلباء اور اساتذہ کی خدمت اور آرام پہنچانے کے تعلق سے بے شمار واقعات ہیں اور یہی اصل آپ کی زندگی کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں افراد کو آپ نے دینی نفع کے ساتھ ظاہری اور مادی فائدے پہنچائے اور اپنی جان کو ہر طرح کی مشکلات پریشانیوں اور مخالفتوں میں ڈال کر اپنوں اور غیروں کی بدظنیاں، بد کلامیاں، ایذاء رسانیاں برداشت کرتے ہوئے اپنی خدمات کو عمر کے اخیر لمحات تک جاری وساری رکھا اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ آنے والے وقت بے وقت مہمانوں جن میں علماء اور عوام وخواص قریب وبعید کے سبھی قسم کے حضرات ہوتے تھے، ان کے ذوق ان کے مزاج کے مطابق ضیافت ودلداری اور ان کے ساتھ وقت لگانا، غیر معمولی تواضع وانکساری، بے نظیر حلم وبردباری اور ایک سچی انسانیت کا مظاہرہ اور نمونہ ہے، جو کہ اللہ پاک نے آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر رکھی تھی۔

(۷) رشتہ داروں اور قرابت داروں کا خیال

اسی کے ساتھ ساتھ وہ لوگ جن کا آپ سے خاندان یا قرابت داری کا تعلق تھا چاہے وہ کتنے ہی دور دراز ہوتے ان کا خیال اور ان کے حقوق کی رعایت یہ بھی آپ کا ایک خاص وصف تھا اور اس کی اہمیت جو قرآن کریم میں واضح کی گئی ہے آپ اس کی اپنی اولاد اور متعلقین کو بھی بار بار تلقین کیا کرتے تھے اور اس طرف بار بار متوجہ کیا کرتے تھے، گھریلو معاملات میں اپنے اہل خانہ اور اولاد کے درمیان اشیاء کی تقسیم بھی نہایت انصاف کے ساتھ کرتے تھے، جس زمانہ میں آم یا خربوزے وغیرہ چلا کرتے ہیں جب گھر میں یہ پھل آتے یا خود خرید

کرلاتے تو نہایت انصاف کے ساتھ اپنے ذہن میں حصے لگا کر بانٹتے اور کھلاتے جس میں کسی کو شکایت کا موقعہ نہ ہوتا تھا اور نہ ان کے سامنے کوئی ہمت کر پاتا تھا، جو شخص چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اس قدر محتاط طرز عمل اپناتا ہو اس کے بارے میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اس شخص نے کسی کی زمین یا جائداد کے تعلق سے کسی کی حق تلفی کی ہو، اگر کسی کو کوئی چیز دی تو اس کا بدل دوسرے کو بھی پورا دیا، اس کے باوجود بھی کوئی اپنی جہالت سے کچھ سمجھے اور الزام تراشیاں کرے تو یہ اس کی ذہنی افلاس اور تخریب کاری اور صبر وقناعت سے خالی ہونے اور جذبہ شکر گذاری سے بے زار ہونے کی کیفیتیں ہیں، دنیا کی حرص اور دوسروں کی جان، مال، عزت پر حملے کرنا اسلامی تعلیمات، اخلاق ومروت اور انسانیت کے بالکل منافی ہیں، کتاب اللہ میں جو حقوق بیان کئے گئے ہیں ان کی ادائیگی سبھی کا فریضہ ہے۔

(۸) احباب اور دوستوں کی رعایت

حضرت والد صاحبؒ کی ذات میں ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ بہت ہی زیادہ محبت والفت اور ان کی خاطر ومدارات اور ان کی پر تکلف دعوت وضیافت اور قسم قسم کے کھانے بنوانے کا ایک خاص جذبہ اور شوق رہتا، اور اس میں ان کو بڑی فرحت ولذت گویا کہ عید کا موسم پر بہار آگیا ہو محسوس ہوتا تھا، اگر آپ کو اپنے کسی دوست کے متعلق یہ معلوم پڑ جاتا کہ اس کو کسی خاص چیز کا شوق وذوق ہے تو اس کو فراہم کرتے اور اس کو پہنچایا کرتے تھے، اس کی بھی آپ کی زندگی میں بہت سی مثالیں ہیں، اگر ان سب چیزوں کو لکھا

جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے گی اور ہم چاہتے ہیں کہ مختصر طور پر آپ کے اوصاف قلم بند کئے جائیں تاکہ آپ کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آجائے۔

(۹) ادارہ کے مال میں کمال ورع وتقویٰ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب چمپارنی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: قربان جائیے آج کے دور میں سوچا نہیں جاسکتا تنخواہ محدود، وہ بھی محفوظ، اور ہر قدم محسوب، ایسا نہیں کہ ادارہ کا مال مال غنیمت ہے، نہیں ہرگز نہیں، اگر آپا (زوجہ صاحبہ حضرت قاری صاحب "نعمت الٰہی") نے کبھی کہہ دیا کہ سہارن پور سے فلاں سامان لیتے آئیں تو پہلا سوال ہوتا کہ پیسے لیکر آؤ مدرسہ کے پیسے سے نہیں لاؤنگا، اگر پیسہ نہیں آیا تو سامان بھی نہیں آیا، ایک ایک پائی پورے احتساب اور ورع کے ساتھ خرچ کی شہادت عندالناس وعنداللہ دینے میں کوئی تأمل نہیں، امانت کا ڈبہ الگ، گھریلو اخراجات کا ڈبہ الگ، مدرسہ کا پیسہ الگ، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک عدد کاغذ پر لکھ کر ایک کر دیا جائے، بلکہ جو جہاں کا ہے وہ وہیں خرچ ہوگا، دوسری جگہ ہرگز نہیں، اہل خانہ کی لاکھ فرمائش ہو، بچوں کے لاکھ تقاضے ہوں لیکن پاؤں اتنا ہی پھیلے گا جتنی بڑی چادر ہوگی۔

مضت الدھور وماأتین بمثلہ ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائہ

(ماخوذ از نقوشِ دوام)

(۱۰) جود وسخاوت

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی میں جود وسخاوت ایک خاص وصف رہا، نہ

معلوم کتنے ایسے لوگ تھے کہ حضرت والد صاحبؒ چپکے چپکے اپنے پاس جو میسر ہوتا انکو دیا کرتے تھے، گنگوہ میں سادات گھرانے کی ایک بچی کی شادی کے موقعہ پر آپ نے بڑی رقم انکے یہاں بھجوائی جس پر اس نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ میری زندگی میں اتنی رقم پہلی بار میرے ہاتھ آئی ہے۔

(۱۱) عالم اسلام پر مفکرانہ نظر

عزیزم مولانا عبدالواجد صاحب نے ''نقوش دوام'' میں اپنے مضمون کے تحت اس طرح لکھا ہے: آپؒ اپنی درسی اور طلبہ واساتذہ کی مختلف الانواع والاقسام مصروفیات ومشغولیات کے باوجود عالم اسلام پر ایک عمیق ومفکرانہ نظر رکھا کرتے تھے، اخبارات ورسائل کو خوب گہری نظر سے دیکھا کرتے اور ان میں جو خبریں اور واقعات وحوادثات ایسے پیش آتے جن سے عالم اسلام کے مسلمانوں کو کوئی اذیت وتکلیف پہونچ رہی ہے تو اس سے بڑی کڑھن وتکلیف محسوس فرمایا کرتے تھے گویا اس حدیث پاک پر آپ کا مکمل عمل تھا، پھر اگر کوئی ایسی ناشائستہ اور گھناؤنی بات پیش آتی کہ جس سے پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہو یا کیا گیا ہو تو ایسے امر کی وجہ سے تڑپ اٹھتے اور حضرات اساتذۂ جامعہ کے سامنے تذکرہ فرماتے اور بطور خاص اپنے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب کو زکریا مسجد میں جمعہ کے دن خطاب کرنے اور ایسی ذلیل وگھناؤنی حرکت پر تردید کے لئے حکماً فرمایا کرتے تھے اور حتی الاستطاعت اس کی پرزور تردید فرماتے۔

اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی کا جذبۂ بے پناہ

اسلام دشمن طاقتوں سے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کیلئے اور عالم اسلام پر یہودی اور عیسائی طاقتوں کے تخریب کارانہ رویوں سے جو آفات اور تباہی اور بربادی آئی جس کا آغاز پندرہ بیس سال کے عرصہ میں مرحوم صدام رئیس عراق کے کویت پر حملہ سے ہوا اور پھر اس کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے بڑھتا ہی چلا گیا اور بہت سے بلاد اسلامیہ اور ممالک عربیہ اور غیر عربیہ افغانستان پھر خود عراق وغیرہ زد میں آئے اس کے لئے بہت زیادہ متفکر رہتے اور پرانے دور میں جو کچھ انہوں نے اس طرح کی حرکات کی تھیں وہ پوری تاریخ تفصیل کے ساتھ سناتے، چونکہ ان کی تاریخ اسلام پر بہت گہری نظر تھی اور وہ تاریخ کا بہت مطالعہ کرتے اور مطالعہ کرنے پر ابھارتے تھے، یہ فرماتے ارے میاں! تاریخ کا مطالعہ بھی کیا کرو اس سے بھی ایک منتظم کو بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، ٹھیک ہے تم حدیث وغیرہ پڑھانے میں لگ رہے ہو لیکن بہت سے خارجی تجربات اور معلومات وہاں سے بھی حاصل ہوتی ہیں جس طرح عالم اسلام میں رونما ہونے والے کسی بھی واقعہ سے آپ پر سخت اضطراب ہوتا اور اس کی فکر میں ڈوب جاتے پھر مدرسہ میں ختم خواجگان کرا کر بعد نماز عشاء خوب دعا کرتے، جس میں ان کا ایک والہانہ انداز ہو جاتا اور وہ مناجات کی لذت میں طول پکڑ جاتا، اسی طرح ملک کے اندر ہونے والے مسلمانوں کے تئیں پریشان کن حالات پر وہ سخت بے چین ہوتے اور اس کے لئے دفاع کرنے اور اس پر ابھارنے میں لگ جاتے تھے اور اس کے لئے جو اپنے سے

ہو سکتا تھا وہ کر گذرنے کی فکر کرتے۔

سیاہ بل کے خلاف گنگوہ میں عظیم الشان احتجاجی جلسہ کا انعقاد

۲۶ رذی الحجہ ۱۴۲۰ھ بروز یکشنبہ مطابق ۲ راپریل ۲۰۰۰ء

چنانچہ حکومت ہند نے جب مساجد و مدارس اسلامیہ کے متعلق سیاہ بل پاس کیا کہ ہندوستان میں مسلمان جب بھی کوئی مسجد یا مدرسہ بنائیں تو حکومت کی اجازت و استفسار کے بغیر نہ بنائیں تو اس وقت حضرتؒ نے اس سیاہ بل کی کھلم کھلا مخالفت کی اور اس کا قلعہ قمع کرنے کی مکمل کوشش فرمائی، چنانچہ آپ نے اس بارے میں سرزمین گنگوہ پر ایک عظیم الشان اجلاس عام سیاہ بل کے خلاف آپ کی سرپرستی میں منعقد کیا گیا جس میں بڑے بڑے سیاستدانوں اور بڑے بڑے علماء وذمہ داران مدارس کو مدعو فرمایا اور حکومت کو للکارا گیا اور اس میں زوردار بیانات ہوئے اور آخر میں حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نے دعا کرائی، الغرض ملت کے مختلف امور میں اپنی بہت سی اہم ترین مشغولیات کے باوجود مکمل حصہ لیتے، ایسے امور کو ایک مفکر ملت ہی کر سکتا ہے جو ملت کے ساتھ درد رکھتا ہو۔

امت مسلمہ کے غم میں شرکت

گجرات کے مسلمانوں کا مالی تعاون

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

عزیزم مولانا فضل الرحمٰن صاحب رشیدی فاضل جامعہ ہذا وفاضل

دارالعلوم دیوبند ''نقوش دوام'' میں اپنے مضمون کے تحت جس کا عنوان ہے ''لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر'' اس طرح لکھتے ہیں:

حضرت قاری صاحبؒ اپنے اندر ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے تھے، چنانچہ جب ۲۰۰۲ء میں گجرات میں فساد برپا تھا اور مسلمانوں کا قتل عام ہورہا تھا تو حضرت قاری صاحبؒ وہاں کی خبروں کو سن کر بے حد غم زدہ اور فکر مند ہی نہ ہوئے بلکہ عملی طور سے ایک ہنگامی اجلاس طلبہ واساتذہ کا منعقد کیا، گجرات کے مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کے ساتھ ساتھ چندہ کی اپیل کی، شرکاء نے اپنی وسعت کے مطابق دل کھول کر تعاون کیا اور پھر گنگوہ میں بھی غالباً عمومی چندہ کیا اور اس طرح سے ایک خطیر رقم جمع ہوگئی اور اسے بعد میں گجرات کے مظلومین کے لئے بڑے اہتمام سے ارسال کیا، اسی طرح سے مدرسہ کے ابتدائی دور میں سنا ہے کہ گاؤں گاؤں کا چکر لگا کر طلبہ کی خوراک کیلئے اناج اپنی پشت پر ڈھویا ہے، مرحوم کی اس طرح کی قربانیوں کو دیکھ کر اسلاف کی جانفشانیوں اور قربانیوں کی یاد تازہ ہو جایا کرتی تھی۔

جذبۂ احقاق حق اور ابطال باطل

من جملہ آپ کے اوصاف وکمالات میں ایک اہم چیز یہ بھی ہے جو آپ کو اپنے اکابر کی صحبت اور فیض برکت سے حاصل تھی کہ احقاق حق اور ابطال باطل کی فکر میں رہتے اور فرقہ باطلہ کی تردید کے لئے اپنے مدرسین کو بھیجتے اور تحریض کرتے، یہ بھی آپ کا ایک خاص وصف تھا جو جوانی ہی سے آپ کو حاصل تھا، اس کا ایک اشارہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے بھیجے ہوئے

ایک پیغام سے ہوتا ہے جو زمانہ کے بہت بڑے محدث، مفسر، فقیہ ومجاہد، شیخ العلماء فی پاکستان بلکہ وہاں کے ایک بے تاج بادشاہ ہیں اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب جیسے لوگوں کے استاذ ہیں۔

گنگوہ میں ردمودودیت پر عظیم الشان جلسہ کا انعقاد

چنانچہ وہ لکھتے ہیں: مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر گنگوہ آئے تو انہوں نے مدرسہ اشرف العلوم کے نام سے درس وتدریس کا کام شروع کیا اور دارالعلوم دیوبند کی عطا کردہ امانت کی تبلیغ اور ترویج میں لگ گئے، درس وتدریس کے عمل کے ساتھ فتنوں کا مقابلہ اور ردبھی شروع کیا، اس زمانے میں بعض اہل علم اور ذی اثر شخصیات کی وجہ سے گنگوہ میں مودودیت کا فتنہ پرزے نکال رہا تھا جس سے گنگوہ کی فضا مکدر ہورہی تھی، مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے استاذ (غالبًا مولانا عبدالحمید صاحب جو قاری صاحب کے رفیق مجاہد، نڈر) نے قاری شریف احمد صاحبؒ کے ساتھ مل کر دیوبند اور سہارنپور کے اکابر ومشائخ کی سرپرستی میں محنت کی اور اللہ بزرگ وبرتر نے ان کی محنت کو سعی مشکور قرار دیا اور وہ فتنۂ ضالہ ومضلہ گنگوہ میں دم توڑ کر رہا اور صرف اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ کے زیر اثر وہ ذی وجاہت اور علمی ونسبتی لحاظ سے قدآور شخصیت جو فتنے کی پشتیبانی کررہی تھی اپنی غلطی پر متنبہ ہوکر تائب ہوئی اور اکابر ومشائخ کے مسلک کی محافظ اور داعی بن گئی، اللہ تعالیٰ نے قاری صاحبؒ اور مولانا عبدالحمید صاحب اور مدرسہ اشرف العلوم کو عزت عطا کی، بلکہ ان کی عزت کو چار چاند لگادئے، اس قصے کی تفصیلات تو بہت ہیں اس مختصر گفتگو میں ان کا احاطہ نہ تو ممکن ہے نہ ضروری، اقتباس از نقوش دوام۔

حضرت والد صاحبؒ ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں: آج ۱۹؍ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق ۵؍نومبر ۱۹۵۵ء بروز شنبہ رد مودودیت کے سلسلہ میں قطب صاحب میں جلسہ ہوا جس میں اولاً بطور تمہید مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری اور ثانیاً مولانا ابوالقاسم اور ثالثاً مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بہت عمدہ پیرایہ میں تقریر فرمائی۔

دوسرا جلسہ در مسجد دار قدیم

اسی طرح اس فتنۂ مودودیت نے جب بھی سر ابھارا اسی وقت اس کی فکر میں قدم اٹھایا، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی دامت برکاتہم استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنے ایک مضمون میں اس طرح لکھتے ہیں: ''حضرت قاری صاحبؒ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے حوالے سے بھی بہت کام کیا، یہ جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اب سے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے کہ گنگوہ میں مودودیت نے سر ابھارا، مگر حضرت والا نے بروقت اس کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھایا، ایک جلسہ کا اہتمام کیا، جس میں حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب رومی رحمہ اللہ کو دعوت دی، جن کا مودودیت پر خصوصی مطالعہ تھا، مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے جناب مولانا مفتی راشد صاحب استاذ فقہ و تفسیر اور بندے کو یاد فرمایا، ہم لوگ یہاں سے مودودی صاحب کی کتب کا ذخیرہ جو مکتبہ جماعتِ اسلامی کا شائع شدہ تھا ساتھ لے گئے اور مجمعِ عام میں باحوالہ بات کی، اس کا بحمد اللہ کافی اچھا اثر ہوا، حضرت قاری صاحبؒ نے بھی محبت و شفقت کا اظہار فرمایا اور بڑی قدر افزائی کی''۔

الغرض حضرت والا موصوف نے اپنی حیاتِ مستعار میں دینی تعلیم اور ملی

خدمت نمایاں طور پر انجام دی، یہ کارنامے تاقیامت درخشاں رہیں گے، حضرت موصوف نے سچ فرمایا بندۂ ناچیز نے بھی اس سلسلہ میں والد صاحبؒ کے حکم سے کچھ کہا تھا جس سے وہ خوش ہوئے تھے جوان کی عادت شریفہ تھی کہ وہ اس بات سے بہت زیادہ خوش ہوتے تھے کہ میں ان کے سامنے ان کی اس قسم کی چاہتوں کو جو دینی چاہتیں تھیں پورا کروں۔

ردِّ شیعیت کے لئے مدرسین کو بھیجنا

اسی طرح جب مدرسہ کے ایک مدرس نے حضرت والد صاحبؒ کو یہ خبر دی کہ ان کے گاؤں میں شیعہ فرقہ کے لوگ زور پکڑ رہے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو انہوں نے مدرسہ کے عملہ کو مستقل بھیجا اور دار العلوم سے بھی کچھ حضرات کو بلوایا، یہاں مدرسہ سے جو قافلہ گیا اس میں یہ ناچیز راقم السطور بھی تھا وہاں جا کر رد شیعیت پر بیانات کئے تھے اور اس کا اچھا نتیجہ ظاہر ہوا تھا، اسی طرح جب ایک بار گنگوہ میں فتنۂ غیر مقلدیّت ابھرا تو اس کی سرکوبی کی گئی تھی۔

اصلاح عوام کیلئے اقدامات

نیز اصلاح معاشرہ کے تعلق سے آپ کی فکریں بہت زیادہ تھیں، چنانچہ خود بھی اس پر بیانات کرتے تھے اور مدرسہ کی دو بڑی مسجدوں میں ایک دار جدید کی بڑی مسجد ہے جہاں زیادہ تر دیہات کے حضرات نماز پڑھتے ہیں اور ایک مدرسہ دار قدیم کی مسجد جہاں محلّہ اور بستی کے حضرات کافی ہوتے ہیں ہر جمعہ کے دن وہاں بھی مستقل نماز جمعہ سے قبل و بعد بیان فرماتے اور عوام الناس کی اصلاح میں اور

ان کو راہ راست پر لانے میں بہت زیادہ تڑپ رکھتے تھے جو مصلحین امت رکھا کرتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑے واعظ وخطیب تھے ان کے وعظ و بیان میں ایک خاص سوز وگداز ہوتا تھا اور قرآن وحدیث کے حوالے اور تاریخی معلومات ہوتی تھیں، نیز راقم السطور کو مستقل محلّہ درمحلّہ جا کر گنگوہ اور اطراف گنگوہ میں ہونے والی برائیوں کے خلاف بیانات کرنے کیلئے مستقل بھیجتے تھے اور الحمدللہ اس مشفق، کریم، مخلص اور فکر مند والد کی توجہات سے حق تعالیٰ شانہ نے یہ فکر پیدا فرمایا اور عوام الناس کی اصلاح کا اس علاقہ میں ایک کام وجود میں آیا اور اب بھی وہ سلسلہ جاری ہے، یہ سب انہیں کی تربیت وفیضان کا نتیجہ ہے اور دوسرے اکابر اولیاء اللہ کی توجہات روحانیہ کا نتیجہ وثمرہ اور مظہر ہے۔

مدرسہ میں مجلس ذکر اللہ کا قیام

اسی طرح مدرسہ میں ذکر اللہ کی مجلس کا اہتمام کرانے میں بھی ان کا دخل ہے وہ اللہ والا یہ چاہتا تھا کہ ان کا نالائق بیٹا ذکر وفکر سے بھی آشنا ہو، وہ اس کیلئے اکابر علماء وذاکرین کے پاس جانے، رہنے اور اعتکاف وغیرہ کرنے کی ترغیب اور تحریض فرماتے تھے، چنانچہ الحمدللہ ان کی یہ تمنا بھی پوری ہوئی اور مدرسہ میں ان کے حکم سے مجلس ذکر اللہ کا اہتمام شروع ہوا اور اس میں لوگ قرب وجوار سے اور قصبہ سے نوجوان اور بوڑھے تشریف لانے لگے، وہ خود بھی اس میں بیٹھتے اور کبھی نصیحت بھی کرتے اور پھر ایک والہانہ انداز میں اپنی خاص استغراقی کیفیت کے ساتھ ایسا ذکر اللہ کرتے جیسا کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہیں کہیں اور پرواز کر گئے ہیں،

ان کی آواز میں ایک جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، اس طرح سے ان کا لگایا ہوا گلشن ان کی حیات میں ہی ذاکرین کی آمد و رفت کا مرجع اور آماجگاہ بھی بننے لگا تھا جو اب ان کے انتقال کے بعد اور ترقی پر ہے، یہ سب اسی مخلص اللہ کے ولی کا فیض ہے جس کو بہت سے لوگ صرف مدرسہ کا ایک منتظم اور ناظم سمجھتے تھے، حالانکہ وہ ولایت کبریٰ پر فائز تھے اور ان کے سلسلہ میں اس ناچیز نے ایک مرتبہ یہ دیکھا کہ جس گھر میں میں رہتا ہوں گنگوہ کے بڑے بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے کچھ تبرکات آگئے ہیں اور میں ان کو لے رہا ہوں اور وہ یہ فرمار ہے ہیں کہ بھی تم لے لوگے حضرت کا یہ عمامہ تو ہمیں دیدو، اس سے ناچیز راقم السطور نے بہت کچھ سمجھا جو دوسرے نہیں سمجھتے ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں کہ میری ان باتوں سے ہر کوئی اتفاق کرے یہ سب چیزیں عقیدت اور محبت پر مبنی ہوتی ہیں، جب کہ لوگ عداوت اور دشمنی میں بڑے بڑے معاصر اولیاء اللہ کے بڑے بڑے کمالات اور فضائل کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ایک معاصرانہ چشمک اور حسد کا معاملہ رہتا ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکا، لیکن جس کو یہ نظر آرہا ہو وہ عنداللہ اس کے اظہار کا ذمہ دار ہے تا کہ محبین کو صحیح بات کا علم ہو، اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ کوئی اس کو مانے گا یا نہیں مانے گا نہ اس کا مکلّف ہے اور نہ اس کا ذمہ دار، جس بات سے ان کے مرتبہ کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے وہ ظاہر کردی گئی باقی اللہ کے حوالے ہے اللہ پاک اس پیارے والد کے درجات کو بلند سے بلند فرمائے جو اپنے چھوٹوں کو دنیا میں بلند سے بلند مقام پر دیکھنے کا متمنی اور شائق رہتا تھا اور ہزاروں لاکھوں کو جس کی برکت سے علمی عملی بلندیاں حاصل ہیں،

اللہ پاک اس شخص کو جس بلندی پر بھی پہونچا دے نہ وہ اللہ کی عنایت سے بعید ہے اور نہ اس بندۂ خدا کے مقام سے بعید ہے بلکہ قرآن وحدیث پر چلنے اور مجاہدات سے گزرنے کا صلہ ہے جس کا وعدہ ہے۔

طلبہ کی اصلاح کیلئے فکر

عزیز طلبہ کی فکر وکڑھن اس قدر رکھتے کہ بیان سے باہر ہے، بار بار اساتذہ کو اس کی طرف متوجہ فرماتے اور طلبہ کی اصلاح کیلئے بعد نماز عشاء وقتاً فوقتاً بیان فرماتے جن کو بالکل اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے، اسی طرح مدرسین کو بھی اس میں شامل رکھتے اور بعض دفعہ اپنے مدرسین سے طلبہ کی اصلاح کیلئے بیانات کراتے تھے اور وقتاً فوقتاً اپنے متعلقین کے مرحومین کیلئے ایصال ثواب کا اہتمام کرتے اور ایک والہانہ انداز میں سب کیلئے دعائیں کراتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان کو ودیعت ہوا تھا۔

(۱۴) حضرت والد صاحبؒ کا دور اہتمام

جناب مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی زید مجدہ استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند ''نقوشِ دوام'' میں اپنے مضمون کے تحت جس کا عنوان ہے ''تصویر کشی ایک نادیدہ شخصیت کی'' اس طرح لکھتے ہیں:

''حضرت قاری صاحبؒ کا دور اہتمام جد وجہد سے پر رہا، لیکن وہ اکابر کے مشوروں، رجوع الی اللہ اور ایمانی صلابت کے نتیجہ میں ہمیشہ سرخ رو ہوتے رہے، ایک سچے مومن اور پاک وعفیف مہتمم میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب ان میں موجود

تھیں، مدرسہ کی ترقی کا خیال ہر دم تو رہتا ہی تھا، اکابر سے دعاؤں کی درخواست بھی اس کی بقاء و بہتری کے لئے برابر کرتے جاتے، خود تقوی و تقدس کا عالم یہ کہ مدرسہ کی چیزیں اپنے مصرف میں ناجائز طور پر ہرگز نہ لاتے، فاطر کائنات سے راز و نیاز کا سلسلہ ان کے یہاں کچھ زیادہ تھا، ان کی تہجد فوت نہ ہوتی، اوراد و وظائف کی پابندی کا اہتمام وجوب کی طرح تھا، طلبہ اور اساتذہ کے تئیں ان کی فکر روز افزوں رہتی، وہ مدرسین کے حالات معلوم کرتے، ان کی خبر گیری کرتے، ان کی معقول درخواستوں کو چشم عنایت سے نوازتے، ادارہ کی ترقی کے لئے ان کے لئے ہر مشکل آسان تھی، وہ اپنے یہاں بڑے اساتذہ کو بلاتے اور ان سے مشورے و دعائیں طلب کرتے، اسی کا ثمرہ ہے کہ گنگوہ کی بزم علم جو کبھی سونی ہو چکی تھی وہ پھر آباد ہوگئی، قال اللہ وقال الرسول کی خنک ہوائیں یہاں پھر چلنے لگیں، فضاؤں میں پھر وہی نورانیت اور روحانیت سما گئی جس کی بازیابی کے لئے ایک مدت سے اہل گنگوہ ترس گئے تھے۔

یہ سب راتوں رات نہیں ہوگیا، اس کے لئے شب و روز کا فرق مٹانا پڑا، راحت و آرام سے دوری اختیار کرنی پڑی، پہلو کو خواب گاہ سے بے نیاز رکھنا پڑا، تب جاکر ان کا یہ نخل آرزو بارآور ہو سکا''۔

(۱۳) ہمت و شجاعت، صبر و تحمل

اللہ پاک نے آپ کو بچپن ہی سے ایک بلند حوصلہ، باہمت، اولوالعزم، شجاع، بہادر انسان بنایا تھا اور چونکہ آئندہ زندگی میں اللہ پاک کو آپ سے ایک بہت بڑا کام لینا تھا اور بہت سے طوفانوں سے گزرنا اور مقابلہ کرنا تھا اس لئے ان

اوصاف کا آپ کے اندر ہونا لازمی و نا گزیر تھا، چنانچہ جب سے آپ نے مدرسہ میں قدم رکھا اس وقت وہ ایک بالکل ابتدائی حالت میں مسجد میں ایک مکتب تھا اور جب سے آپ نے زمامِ نظام سنبھالا اور اپنی محنتوں کا آغاز کیا ایک طبقہ حسد کی آگ میں جلنا شروع ہوا اور اس نے آپ کا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور طرح طرح کی اسکیمیں اور افواہیں اور قسم قسم کی مخالفتیں اور شرارتیں اور قبیح قسم کے پلان بنائے گئے یہاں تک کہ ایک دورہ وہ چلا کہ زبانی طور پر سب وشتم کیا گیا، پھر ایک دورہ وہ آیا کہ تحریری طور پر آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو مغلظ گالیاں لکھی اور لکھوائی گئیں، پھر ایک دورہ وہ بھی آیا کہ آپ پر بیس پچیس سال تک طرح طرح کے مقدمات کر کے عدالت کے ذریعہ حیران و پریشان کیا گیا اور آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر تکلیفیں پہنچانے کی ہر ممکن سعی کی گئی یہاں تک کہ آپ پر بارہا جادو بھی کیا گیا مگر آپ نے مردانہ وار ان سب کا اللہ کی ذات پر توکل اور یقین کی کیفیت سے لیس ہو کر مقابلہ کیا اور اس درجہ صبر وتحمل سے کام لیا کہ ایک طرف دفاع بھی کیا اور دوسری طرف اپنی طرف سے جذبۂ انتقام میں زیادتی سے حد درجہ احتیاط بھی برتی اور یہ کوشش کی کہ بلاوجہ کسی کو تکلیف نہ پہونچ جائے اور جہاں تک جس کو اس کی خرابیوں اور ایذا رسانیوں اور فتنہ سامانیوں کے علم کے باوجود مدرسہ کے اندرونی نظام میں نبھانا اور برداشت کرنا ممکن ہوسکتا تھا نہ صرف نبھایا اور برداشت کیا بلکہ اس کی خاطر ومدارات اور دودھ پلا پلا کر خود کو اور اپنے مخصوص متعلقین کو بار بار ڈسوایا اور کٹوایا اور کچھ نہ کہا، یہ اس مرد مجاہد کی دین کے مفاد یا مدرسہ کے مفاد کو سامنے رکھنے اور صبر

وتحمل کے مقام رفیع پر فائز ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

اس طرح کی ہمت اور مزاج رکھنے والے منتظمین بہت کم ملیں گے، اگر ان سب کی علیحدہ علیحدہ تفصیلات میں گھسا جائے تو بات بہت دور جا کر پہنچتی ہے اور بہت سارے گزرے ہوئے واقعات اور مردہ فتنے زندہ اور تازہ ہو کر سامنے آتے ہیں جو مستقل ایک فتنہ ہے، کرنے والوں نے کسی موقعہ پر بھی کوئی ہنگامہ، کوئی فتنہ، کوئی شر، کوئی فساد کرنے میں نہ کمی چھوڑی نہ چھوڑتے ہیں لیکن اگر ان کی نشان دہی کی جائے پھر ان کو برا بھی لگتا ہے اور ایک نئے فساد کا باب مزید کھلتا ہے اور اگر ان چیزوں کو کسی ملک، کسی سلطنت، کسی ادارہ کی تاریخ سے جہاں یہ سب نشیب وفراز اور اختلافات اور اس کے ساتھ بیہودگیوں کی طویل داستان ہو سب کچھ حذف کر دیا جائے تو، اس ادارہ اور ملک وسلطنت کی وہ تاریخ جو وہاں گزری اور جن پر صبر وتحمل کر کے ذمہ داران نے اپنے اداروں، ملکوں کو ترقیات سے ہمکنار کیا بعد والوں کیلئے کوئی سبق، عبرت، مجاہدہ، مشقت اور تلخیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت اور ہمت پیدا ہونے کا سامان ہی ختم ہو جاتا ہے اور وہ یہ سوچیں گے کہ یہ جو کچھ بنا بنایا تیار قلعہ موجود ہے یہ شاید آسمان سے اسی طرح نازل ہوا تھا، ان کو جب یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ وہاں کے بانیین اور منتظمین نے کیا کیا جھیلا اور برداشت کیا تو ان کو بھی آئندہ مخالفتوں کے طوفان، شرارتوں کے سیلاب، فتنوں اور ہنگاموں کے جنگلات سے گزرنے کا کوئی حوصلہ اور ہمت نہ ہوگی اور نہ اللہ کے انعامات ہی کی قدر ہوگی، کیونکہ جو چیزیں بغیر محنت ومشقت وبغیر تکلیفوں کے مل

جاتی ہیں عموماً ان کی قدر نہیں ہوتی، جیسا کہ اس ایک طبقہ کا حال ہے جو مدارس اسلامیہ اور دینی قلعوں کی بنی بنائی شاندار عمارتوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ہر قسم کی سہولت و آرام سے فیضیاب ہوتے ہیں ان کو ان چیزوں کی محبت و قدر نہیں ہوتی، بلکہ وہاں بیٹھ کر دماغ میں فساد و فتنے اور تخریب کاریوں کے پلان ذہن میں آتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہو رہا ہے۔

مدرسہ میں ابتلاء و آزمائش کا دور

حضرت والد صاحبؒ پر مدرسہ کے سلسلہ میں پیش آنے والی مشکلات و مصائب کا اندازہ ان خطوط و تحریرات سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت والد صاحبؒ نے اپنے مخلص دوستوں کو لکھے یا ان کے مخلص دوستوں نے مدرسہ کے حالات سے واقف ہو کر صبر و تسلی دینے کیلئے ان کو لکھے تھے، ذیل میں مثال کے طور پر دو تین خطوط پیش کئے جاتے ہیں:

یہ مدرسہ آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے

باسمہ تعالی

(۱) از بندہ محمد مسعود غفرلہ، محلہ کھڈک ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

عزیزی قاری صاحب سلمہ السلام علیکم

آپ کا کارڈ ملا مدرسہ میں خلفشار کی وجہ سے گرفتہ دل نہ ہوں حق تعالی شانہ اپنے فضل و کرم سے علی الفور اس سب خلفشار کو دور فرما دیں آمین، یہ مدرسہ تو

آپ کی کاوشوں کا نتیجہ اور آپ کی دل سوزی اور جدوجہد اور کاوش وسعی کی مشکوریت کی صورت ہے مگر اب تو اس دینی ودنیوی نفع میں سب ہی بلا استثناء شریک ہیں آپ گھبرائیں نہیں اس قسم کے خلفشار رصلاح کاروں کو ہمیشہ پیش آئے، مدرسہ مظاہر علوم اور دارالعلوم میں کیسے کیسے انتشار ہوئے خدا چاہے یہ سب خلاف اور مخالفتیں ھباءً منثورا بن جائیں گی، مخالفتیں خدا چاہے ناکام ہوں گی آپس کے مناقشات زیادہ تر حسد بیجا سے ناشی ہیں اور اس رذیلہ نے مسلمانوں کو بڑا ہی نقصان پہونچایا، دل سے دعاء ہے آپ کا قلب مضبوط ہو اور یہ سب مخالفین مایوس ہو جائیں آمین، یہ سمجھ لیں کہ اگر آپ خدانخواستہ شکستہ دل ہو گئے تو یہ مدرسہ، مدرسہ قدوسیہ کی طرح تلف ہو جائے گا، حکیم محمد یوسف صاحبؒ اس کے بانی تھے جب یہ چلنے لگا تو باغیوں نے یہ سوچا کہ یہ فروغ وعروج ہمارے لئے کیوں نہ ہوا، اس کا روپیہ ہمارے پاس کیوں نہ ہوا، حکیم صاحبؒ شکستہ دل ہو گئے اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے ورنہ اس ادارہ میں تعلیم کی یہ برکت تھی کہ اس کا ادنی طالب علم اپنے ہم عصروں میں ممتاز رہا اور جو زندہ ہے وہ ممتاز ہے، اللہ تعالی آپ کو ثابت قدم رکھے اور مفید تدابیر کا آپ کے قلب میں القاء فرمائے آمین۔

دعا انشاء اللہ ضرور کروں گا آیت کریمہ کا کچھ ورد کرلیا کیجئے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ • وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمُ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا کا یقین کے ساتھ تصور کریں آمین ثم آمین۔

اسی طرح کا ایک دوسرا مکتوب

حضرت حاجی غلام رسول صاحب[1] کلکتوی کا ملاحظہ ہو

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرم بندہ قاری شریف احمد صاحب سلام مسنون!

الحمد للہ خیریت سے ہوں طالب خیر ہوں۔ گرامی نامہ ۷ر۱ر۱۴۰۱ھ کا ملا تفصیلی حالات کا علم ہوا جزاکم اللہ۔

مدرسین اور ملازمین کی بدعنوانیوں کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا جائیگا اس میں انتشار پیدا ہونا ضروری ہے یہ صرف آپ کے مدرسہ کیلئے نہیں ہے، بلکہ تمام مدرسوں کا ایک ہی حال ہے، بدعنوانیوں کی تصدیق کے باوجود مخالفین کو شہ دینے کا موقعہ مل جاتا ہے، ہم بھی یہاں جھیلتے رہتے ہیں اکثر مدرسوں سے خبریں آتی رہتی ہیں آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں، معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں وہ مالک الملک ہر عمل سے باخبر ہے، مدرسوں کی خدمت کی تھوڑی سی زندگی میں کچھ سنگین تجربات بھی حاصل ہوئے ہیں، ہر مدرسہ میں مندرجہ ذیل ضابطہ کا لاگو کرنا نہایت ضروری ہے مثلاً:

(۱) کوئی طالب علم کسی مدرس کا پاؤں نہ دباوے نہ سر دباوے کسی قسم کی

---

[1] حضرت حاجی صاحب کلکتہ کے ارباب خیر میں سے تھے ایک بڑے تاجر تھے مگر اکابر اولیاء، علماء، صلحاء، ارباب مدارس کے ساتھ تعلق ومحبت نے ان کو اس مقام پر پہنچایا کہ وہ خود ایک ولی اور بزرگ انسان بن گئے اور بے شمار دینی خدمات ان سے اور ان کے گھر والوں سے وجود پذیر ہوئی، اللہ پاک درجات بلند فرمائے، موصوف مدارس کے محسن علماء نواز تھے بیشتر علماء سفراء ان کے گھر پر قیام کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بندہ بھی ایک عرصہ ان کے گھر پر مقیم رہا ہے، ان کا مفصل تذکرہ آئندہ آرہا ہے۔

کوئی خدمت نہ کرے۔

(۲) کسی مدرس کا کسی طالب علم سے بالکل جوڑ نہ رہے۔

(۳) مدرسہ کی کمیٹی کے کسی ممبر کے یہاں کسی مدرس کا آنا جانا اور کوئی تعلق نہ رہے۔

(۴) جس مدرس کو جو کچھ کہنا سننا ہو وہ لکھ کر مدرسہ کے ناظم کی معرفت کمیٹی میں پیش کرے۔

(۵) دارالاقامہ میں جو بچے اپنا خوراکی دے کر رہتے ہوں ان کے گھر والے جب تک آ کر نہ لے جائیں انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہ ہو اور جن بچوں کا مدرسہ پورا کفیل ہے ان کی چھٹی کا اور کہیں آنے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں، البتہ ماہ رمضان کی تعطیل میں ان کے گھر والے مدرسہ آ کر لے جائیں اور جن بچوں کے گھر والے بہت دور رہتے ہیں وہ مدرسہ کے ناظم کے نام چھٹی کیلئے خط لکھیں گھر والوں کے خط پر ہی چھٹی دی جائے۔

اب رہا بچوں کے کھیلنے، کودنے، ٹہلنے کا سوال تو اس کے لئے مدرسہ کے مدرسین کو ذمہ دار بنایا جائے مدرسین بچوں کو باہر کہیں میدان وغیرہ میں کھیلنے اور ٹہلنے کیلئے اپنے ساتھ لے جائیں اپنے سامنے ان کو کھلائیں ٹہلائیں، بچوں کو آزادی سے کھیلنے کودنے اور ٹہلنے نہ دیا جائے، آزادی ملنے پر یہ سازشیں کرتے ہیں۔

(۶) مدرسہ کے ناظم کو اتنا خصوصی اختیار رہنا ضروری ہے کہ وہ کسی طالب علم یا مدرس یا ملازم کی بدعنوانی پر فوراً معطل کر دے، بعد میں معاملہ کو کمیٹی میں پیش کرے، اگر اس سلسلہ میں ناظم کو پورا اختیار دینا مناسب نہ سمجھا جائے تو کم ازکم مدرسہ کے صدر سے مشورہ کر لیں، البتہ صدر یا سکریٹری کو پورا اختیار ہو کہ وہ فوری

کارروائی کرے۔

(۷) کسی مدرس کے یا ملازم کے کمرہ میں طلبا کا آنا جانا ممنوع قرار دیا جائے۔

(۸) جب تک ان ضابطوں پر عمل نہیں ہوگا بچوں پر کنٹرول نہ ہو سکے گا نہ مدرسین کنٹرول میں آئیں گے، بہت تلخ تجربات کے بعد ان ضابطوں پر عمل ہو رہا ہے اور اب بہت سے مدرسہ والے ان ضابطوں پر عمل کر رہے ہیں، فقط والسلام۔

محتاج دعاء غلام رسول

۲۵/۱/۴ ۱۴۰ھ مطابق ۱/۱۱/ ۱۹۸۳ء

اسی سلسلہ کا تیسرا خط

آپ کے ایک دوست کا تسلی آمیز خط

از مولانا شبیر احمد صاحب مدرسہ احیاء العلوم دبنی والا انبالہ روڈ سہارنپور

محترم جناب حضرت قاری صاحب! زید مجدکم سلام مسنون

سنا ہے کہ آجکل شرارت آگ اور خون کا طوفان بنکر آپ پر اشرف العلوم پر حملہ آور ہے خدا آپ کی مدد کرے اور اس ادارہ کو ہر قسم کے فتنوں اور شرارتوں سے قیامت تک محفوظ رکھتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن رکھے، جس محفل میں اس فتنہ کے متعلق بتلایا گیا اس میں میرے علاوہ دوسرے حضرات بھی موجود تھے وہ سب اس سے بے حد متأثر ہوئے اور ششدر رہ گئے لیکن مجھے نہ تو حیرت ہوئی اور نہ تعجب، حیرت اس لئے نہیں ہوئی کہ یاقوت و جواہر کا متلاشی جب سمندر میں ان موتیوں کے حصول کے لئے پانی کی تہہ تک جانا چاہے گا تو اسے کتنے ہی خوفناک دریائی اژدھوں

اور خود دریا کی تباہ کن طغیانیوں سے الجھنا پڑے گا، اگر کوئی غوطہ زن اس طرح کی آفات سے متصادم نہیں ہے تو اسے محض ایک اتفاق کہا جائیگا ورنہ فطرت یا قانون قدرت تو یہی ہے کہ تصادم ہو، چونکہ قدرت نے بقاء کائنات کیلئے تنازع للبقاء کو ہر چیز میں جاری کر دیا ہے، اس بناء پر کیسے ہو سکتا ہے کہ نفسانیت اور شیطنت اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے صلاح وتقوی اور نیکی خصوصاً ایسی نیکی سے نہ ٹکرائے جسے دوام حاصل ہے، دین، دین کا علم، اور انکی ترویج واشاعت کی تمام مساعی ایسی ہی نیکیاں ہیں جنہیں دنیا وعقبی دونوں جگہ دوام حاصل ہے۔

ابلیس اور اس کے تمام چیلے نفس اور اسکی مددگار تمام طاقتیں ہر وقت اس تاک میں ہیں کہ وہ اس نیکی کو مٹا دیں اور دینی علوم کی قوت کو اور لا فانی روشنی کو پھیلنے سے روکدیں، جناب والا جب تک یہ دنیا مٹ نہیں جاتی بدی نیکی سے جہالت علم سے ٹکراتے رہیں گے، اس لئے اشرف العلوم میں بپا ہونے والے اس موجودہ ہنگامے پر اگر میں کوئی تعجب نہ کروں تو یہ تعجب خیز نہیں ہے، اور مایوسی مجھے اس لئے نہیں چونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ واقعہ آپ کیلئے پہلا اور نیا نہیں اس سے پہلے اس طرح کے حوادث کے ایک طویل سلسلہ سے آپ گزر چکے ہیں، ہر حادثہ سے ایک نیا تجربہ نئی تدبیر اور پہلے سے زیادہ حوصلہ آپ کو ملا ہے، ممکن ہے کہ اس فتنہ کا انداز انوکھا اور پے چیدہ ہو کہ آپ کے لئے قلبی طور پر اس کی الجھنیں ناقابل حل لگیں، مگر آپ کے سابقہ تجربات اور تدبر سے مجھے امید ہے کہ آپ اسے یہ کتنا بھی مشکل کیوں نہ ہو حل کرلیں گے اور اس پر پوری طرح قابو پالیں گے، الوالعزمی، ہمتوں اور حوصلوں کی

بلندی جب اسے فکر وتدبر سے کام میں لایا گیا ہے اس نے بڑے بڑے سیلابوں کا رخ بدلدیا ہے، اور زمین تو کیا آسمانوں تک کو اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اپنے قدموں میں گرالیا ہے۔

موجودہ واقعہ جسے ہم ایک فتنہ کہہ رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ محض ایک فساد نہ ہو بلکہ آپ کے حوصلوں کا امتحان ہو، تجربات کی جس راہ سے قدرت نے آپ کو گزارا ہے ممکن ہے اس سلسلہ میں آپ کا امتحان ہو یا پھر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آئندہ رونما ہونے والے واقعات سے آپ کو باخبر کرکے ہوشیار اور چوکنا کرنا ہو، اگر یہ سچ ہے کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا تو پھر اس میں بھی یقیناً کوئی حکمت ضرور ہے، حکمت کا یہ وجود ہی اگر چہ ہمیں اس کا علم نہ ہو ہمارے اطمینان کا موجب ہوتا ہے، ہمیں اس کا احساس ہے کہ ابھی آپ ایک جان لیوا بھنور سے نکل کر پوری طرح عافیت سے ہمکنار نہیں ہوئے تھے کہ ایک نئے طوفان نے آپ کو آگھیرا، صدمات کا یہ تسلسل ممکن ہے کہ طبیعت پر اثر انداز ہو۔

بہرحال انسان انسانی فطرت ہی تو لیکر آیا ہے اثرات قبول کرنا اور متاثر ہونا اس کی فطرت ہے، لیکن سوال صرف صدمات اور ان کے تسلسل کا نہیں چونکہ دنیا کا کوئی بھی انسان اس سے محفوظ نہیں ہے، بلکہ اصل سوال بلاؤں اور انکے تسلسل کی نوعیت کا ہے، یعنی دیکھنا یہ ہے کہ دین کو غالب کرنے اور دینی علوم کی اشاعت کیلئے جدوجہد میں تکالیف اور الجھنوں سے کن لوگوں کو دوچار کیا جاتا ہے، اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل او کماقال علیہ الصلوۃ والسلام،

آپ کا موجودہ ابتلاء نسبت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نشاندہی کرتا ہے، اس نسبت سے جو غم بھی آئے اس سے بددل ہونا تو کیا اسے بڑھکر سینے سے لگالینا اصل ایمان ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ جہاں بتقاضۂ بشریت پریشان ہوں گے وہیں آپکی مسرتوں کی بھی انتہا نہیں ہوگی:

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والد صاحبؒ کی ایک تحریر جس سے مدرسہ میں پیش آنے والے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے

مکرمی محترمی حضرت حاجی صاحب زید مجدکم بعد سلام مسنون

الحمدللہ تعالیٰ یہاں ہر طرح خیریت ہے آپ کی دعاؤں اور توجہ کی برکت سے مدرسہ کے حالات ہر طرح اچھے ہیں، عید کے بعد سے آج تک داخلہ کا ہنگامہ برپا ہے، مظاہر علوم میں جدید داخلے بند ہیں، دارالعلوم دیوبند دیر سے کھلا اور داخلہ بھی نیچے کی جماعتوں میں ہوا اسلئے یہاں بہت ہی زوردار غلبہ ہے، پہلے بھی یہی تھا کہ اب مزید اضافہ ہوا، مشکوٰۃ اور دوسری بڑی جماعتوں میں تعداد حد سے زیادہ ہوگئی، کمروں میں پیر رکھنے کی جگہ نہ رہی نہ ہی مدرسہ میں کتابیں رہیں، مزید کچھ کتابوں کا انتظام کرنا پڑ گیا، حق تعالیٰ کا بے حد شکر واحسان ہے کہ ہر قسم کے حالات آئے اور چلے گئے اور مدرسہ کے حالات ہر طرح روبترقی ہیں، چند گزارشات قابل تحریر ہیں جن پر آپ کو توجہ دینا ضروری ہے، براہ راست آپ خود ایک مدرسہ کے مہتمم

ہیں، ایسی حالت میں آپ کی ذمہ داری زیادہ ہوجاتی ہے (۱) عید کے بعد آپ کی طرف سے ایک خط بنام حافظ محمد یٰسین آیا ہوگا انہوں نے آپ کی آمد کی اطلاع مجھکو دی اور حسب سابق آپ کے استقبال یا آپ کی معیت میں جانا ظاہر کیا ان کو اجازت دیدی گئی، گاڑی آپ نے نہیں منگائی جبکہ سال گزشتہ بھی ایک دوبار اپنی آمد پر گاڑی منگائی (۲) اس سال آپ کے ساتھ سہارنپور اور دیگر مقامات کے سفر میں مولوی فیاض احمد صاحب ساتھ آئے جبکہ کسی بھی مدرسہ والے نے ان کے ساتھ ہونے کو اچھا نہیں سمجھا، آپ کے سامنے کیوں اس کا اظہار کرکے آپ کو ناراض کرتے کہ آپ چندہ بند کرتے۔

جن بدکرداریوں اور تخریبی حالات میں ان کو یہاں سے علیحدہ کیا گیا یہ آپ پر پوشیدہ نہیں آپ کو ان سے تعلق اور محبت پہلے سے تھی یا اب ہوگئی آپ کو مبارک ہو مگر یہاں ان کو ہمراہ لانے کا آپ کا کیا مقصد تھا؟ دو سال کے قریب ہورہے ہیں کہ ابھی میں پہلے حالات سے نجات نہ پاسکا جو تخریب کاری یہ کرگئے اس کے اثرات باقی ہیں مزید ان کو یہاں پھر آنا اور اپنے ساتھ لانا کیا مفید ہوسکتا ہے بلکہ مزید کسی نئے ہنگامہ کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے، جس مدرسہ کا آپ نے بہت تعاون کیا دیگر اہل خیر حضرات کے تعاون اور آپ کے تعاون سے تعمیر کا ایک بڑا حصہ تیار ہوگیا بلاشبہ قابل تحسین اور قابل داد ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم دے گا، آپ کا یہ تعاون بڑا احسان ہے اور مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں آپ کا بہت حصہ ہے میں آپ کے اس احسان کو بھلا نہیں سکتا، مگر تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی سامنے رہے جس طرح

آپ نے مدرسہ کا تعاون فرمایا میں نے بھی جو سلوک آپ کی اولاد اور بچوں کے ساتھ کیا وہ بھی ہر ایک کے بس اور ہر ایک کے کرنے کا نہیں تھا، اگر معاملہ صرف آپ کی طرف سے یک طرفہ ہوتا تو میں بھی شاید دوسروں کی طرح خوشامد چاپلوسی اور بندگی کا طریقہ اپنا تا مگر اتفاقی بات یہ ہوئی کہ میری طرف سے یہ سلوک اولاً ہوا اور آپ کی طرف سے مدرسہ کا تعاون ثانیاً ہوا، آپ نے مدرسہ کا تعاون کیا میں نے اپنے طور پر آپ کی اولاد کی تعلیم وتربیت کیلئے مزید ان کے لئے ہر طرح کی پریشانی اور صعوبت برداشت کی نہ دوپہر دیکھا نہ شام، نہ رات دیکھی نہ دن، آپ کے بچوں کے ساتھ جس قدر مشقت اٹھائی گئی وہ میں نے میرے اہل خانہ نے یا مدرسہ کی طرف سے مقرر کردہ آدمی نے جس کا ہر قسم کا صرفہ خرچہ جو آپ کے بچوں کے ساتھ رہکر یا آپ کے ساتھ رہکر کیا گیا وہ ایک ایک پائی مدرسہ سے دیا گیا خواہ فلاں (حافظ صاحب) ہوں یا کوئی دیگر مدرس مدرسہ ہوں، ایک دن آپ کے ساتھ رہیں یا چار دن ان ایام کی تنخواہ اور پورے مصارف سب مدرسہ دیتا آیا۔

مگر واہ رے عقل آپ کی اور قسمت اپنی کہ اس کا کچھ بھی بدلہ مجھکو نہ ملا مدرسہ کی جو امداد کی گئی وہ بھی بند، اب صرف جملہ انعامات کا مستحق درمیان کا آدمی ہی ہوگیا، مدرسہ کا مسئلہ خالص اللہ کے کام کا مسئلہ ہے آپ نے بند کردیا وہ اپنے کام کیلئے کسی دوسری جگہ سے راستہ بنادیگا اور بنا رہا ہے، رہا میرا مسئلہ وہ جس طرح آپ متاثر ہیں کہ جو کچھ جس نے کہا یقین کرلیا میں آدمی ہوں نفس میرے بھی ساتھ ہے میں بھی متاثر ہوں کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں، ان تخریب کاروں کے ساتھ کیوں

آپ نے اتنا جوڑ پیدا کرلیا کہ اپنا سب کیا کرایا بھول گئے، خدا کرے کہ آپ ذرا غور کریں اور مدرسہ کے ساتھ بدخواہی اور تخریب کرنے والوں کے ساتھ اس قدر ربط و تعلق نہ رکھیں کہ شکوک پیدا ہونے لگیں، اس درمیان میں جو رویہ آپ نے اپنایا اس پر غور کریں یہ مفسد اور تخریب کار یہاں سے گئے آپ کے ساتھ جانے کے بعد آنا جانا رہا آپ کے پاس جلسہ کے بہانہ یا کسی بھی بہانہ سے آپ خود گئے ہر قسم کا تعاون ہوتا رہا، یہاں کے مدرس کو مدرسہ سے ہٹانے کی بات یہاں سے فساد برپا کر کے جانے والے طلبہ کا داخلہ اپنے جن نئے بچوں کو یہاں داخل کرنا تھا ان کو روکنا ہی نہیں بلکہ پہلے سے یہاں تعلیم پانے والوں کو منع کرنا زکوۃ، خیرات سے ایکدم صرف ہاتھ بند کرنا نہیں بلکہ دوسرے چھوٹے مدرسہ کو تعاون دیکر مدمقابل لانا، طلبہ اور اپنے بچوں کو اس کی ترغیب دینا کہ اس دوسرے مدرسہ میں جایا کرو یہ سب کچھ میرے کس جرم کی سزا ہے کس کئے کا بدلہ ہے میری سمجھ میں نہیں آیا، ہاں ایک جرم یاد آ گیا کہ میں بندگی اور خوشامد پسند نہیں، دوسرا بھی ایک جرم یاد آ گیا کہ آپ کے سامنے اپنے کو غلام اور آپ کو آقا تصور نہ کیا، مزید ایک جرم یہ بھی یاد آ گیا کہ آپ کے سامنے کبھی مدرسہ کا رجسٹر رکھ کر حضوری کا انداز بنا کر درخواست نہیں کی کہ حضور آپ مدرسہ کے سرپرست ہیں اس سرپرستی کو قبول فرما کر بطور تبرک دستخط فرمادیں اور سرپرستی قبول فرمالیں، مزید ایک جرم یہ بھی یاد آ گیا کہ یہ سب آپ کی طرف سے ہو رہا ہے میرے کس جرم کی سزا ہے مجھکو یہ بھی معلوم نہیں جس سے کہ کچھ غور کروں اور مکافات کرنے کی سوچوں۔

اب تک جو کچھ کیا گیا وہ گزرا مزید آئندہ بھی کوئی اطمینان نہیں کہ کس مدرس کو کیا اشارہ دیا جارہا ہے اور وہ کب یہاں سے راہ فرار اختیار کر کے مقابلہ پر آجائے یا اور دوسرے مدرسہ کا راستہ اختیار کرلے، میں تنہا آدمی ہوں کہ نوسو طلبہ کی تعلیم پر کنٹرول کروں چار سو طلبہ کی نگرانی اور تربیت کروں، مدرسہ میں آئے دن انتظامی مشکلات کو حل کرنے کی فکر کروں یا آپ کی ان عنایات میں مبتلا ہو کر مدرسہ کی طرف سے بے پرواہ ہو جاؤں اور جوابات کی تیاری کروں؟۔

آپ خود ایک مدرسہ کے ذمہ دار اور مہتمم ہیں کن کن حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور کتنا کچھ کرنا ہوتا ہے آپ کو سب معلوم ہے کس طرح مدرسہ کو بنانا پڑتا ہے، میں اپنا خون پسینہ ایک کر کے ۳۶ رسال سے جان کھپا رہا ہوں آپ یہاں دینا نہیں چاہتے کون آپ سے زبردستی چھین سکتا ہے، وعدہ بھول گئے یاد تو دلا سکتے ہیں لیکن وعدہ خلافی کرنے پر کوئی ایکشن نہیں لیا جا سکتا، لیکن انتقامی کارروائی اور عمل کر کے نیکی برباد گناہ لازم والی بات تو نہیں ہونی چاہئے، میں کسی وقت خود حاضر ہو کر اس سلسلہ میں آپ سے زبانی گفتگو کا ارادہ رکھتا ہوں دیکھئے کب وقت نکال سکوں، میرے پاس ابھی تک وہ تمام تحریرات اور گالیاں نامے موجود ہیں جو ان مفسدوں کی طرف سے آئے ہیں، آیا تو وہ سب لیکر آؤں گا اور چند دوسرے احباب کو دکھلانے کا موقعہ ملے گا اور خاص طور پر اشرف علی کی والدہ کو دکھلا کر ان کے گوش گذار کرونگا کہ میری معصوم پردہ نشیں بچیوں کو کس طرح ان بدبختوں نے نشانہ بنایا اور کس طرح آپ کی طرف سے ان کی حمایت کی جارہی ہے، آپ کی اولاد کے ساتھ جو سلوک میں نے کیا کس طرح اس کا بدلہ مجھ کو دیا جارہا ہے اور اللہ ہی جانے کب تک دیا جاتا رہے گا، اور بہت سی

باتیں ایسی ہیں جو تحریر میں نہیں لاسکتا موقعہ ہوا تو زبانی ضرور عرض کرونگا، میں نے کس کس طرح مدرسہ کے مدرسین کو ایک زمانہ تک محنت کر کے بنایا اولاً یہاں پڑھایا پھر ان کو کام کا موقعہ دیکر کام سکھایا، ہر طرح کی رعایت مروت اور اخلاق سے ان کو رکھا مگر روپے کی جھنکار سے آدمی جلد ہی بدل جاتا ہے چنانچہ یہ بدلے جارہے ہیں، آپ کو اپنے مدرسہ کے مدرسین سے شکایات اور ناگواری ہے مگر آپ یہاں کے مدرسین کو تعاون دیکر کس طرح مقابلہ کا راستہ دکھلا رہے ہیں، میں نے کبھی کسی مدرس کے بارے میں آپ کو اپنا خیر خواہ جان کر کچھ تحریر کیا تو آپ نے فوراً یہ تحریر براہ راست ان کو دکھا دی یا روانہ کردی اور میرے بارے میں وہ جو بھی آپ کو کہیں وہ پتھر کی لکیر اور مجھکو اس کی کوئی اطلاع نہیں، یہ سب معاملات کیا بتلاتے ہیں کہ آپ کسی ایک کی محبت میں اپنا سب کچھ کیا کرایا برباد ہونے کی پرواہ نہیں کرتے اور سب کو قابل ملامت اور قابل نفرت تصور کرنے لگتے ہیں، تعمیری کام کس منزل میں پڑا رہ گیا وہ کس طرح پورا ہوگا بلکہ بعض کاموں کی تکمیل نہ ہونے سے ان کے اندر نقصان ہونے کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے یہ سب کچھ جو آپ کے کرنے کا تھا اور کر رہے تھے اس سے ہاتھ روک لیا، منہ پھیر لیا، اور جن معاملات کا دور تک بھی آپ سے نہ کوئی مطلب تھا نہ واسطہ ان کی طرف آپ کا دھیان لگا دیا گیا اور آپ ان میں مشغول ہوگئے، میں یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ ایک مرتبہ جو چیز آپ کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ جلد نہیں نکلتی اور ضد جیسی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے یہ سب معروضات پیش کر رہا ہوں کہ ان پر غور فرمائیں اور کچھ مطمئن فرماویں۔

شریف احمد

ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ۲۹ / ۷ / ۱۴۱۲ھ

حضرتؒ کی تحریر میں جن صاحب کی طرف اشارہ ہے ان کے ساتھ فساد و فتنہ میں ایک صاحب اور شریک تھے جن کی تحریر حسب ذیل ہے:

از مدرسہ خیر العلوم بریار پور شہر موتیہاری ضلع مشرقی چمپارن بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

حضرت استاذی الکریم جناب قاری صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ مع الخیر ہوں! خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو، اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند کی ملاقات کے بعد ہی خط لکھنے کا ارادہ ہوا جسکا محرّک ایک عجیب خواب ہے، مگر قرب عہد ناراضگی و نااتفاقی کی بناء مانع و حائل رہا کبھی ایسا نہ ہو کہ سابقہ ناراضگی کی وجہ سے ادھر توجہ مبذول نہ ہو، زمانۂ ہنگامہ و کشمکش میں حالت قیام مدرسہ و بعد الخروج مختلف طرح سے جناب کی برائیاں سامنے لائی گئیں جس کی وجہ سے قلب بے چین و بے قرار ہوگیا، تاہم میرا دل ان باتوں سے متنفر رہتا تھا محض ایک خواب کی بناء پر اب تک میں نے اس خواب کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ شاید آپ یوں نہ سمجھیں یہ خود ساختہ مصنوعی خواب ہے اور کسی مفاد کی بناء پر لکھا گیا ہے۔

قیام گنگوہ کے زمانہ میں اخیر شب کو میں نے دیکھا کہ جناب والا نے غلاف کعبہ کا ایک ٹکڑا میری اہلیہ کو عنایت فرمایا، خواب کی تعبیر اب تک میں نے کسی سے دریافت نہیں کی بس ظاہری حالتوں سے کچھ اندازہ ہوتا ہے اسی پر اکتفاء کیا، چونکہ یہ خواب آپ سے

متعلق تھا مناسب معلوم ہوا کہ تحریر کردوں، ظاہری خواب سے میری کچھ فضیلت نہیں البتہ آپ کا تقدس معلوم ہوتا ہے، اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو اپنی مرضیات پر چلائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے آمین۔اس وقت میں اپنے علاقہ میں مدرسہ خیر العلوم بریاپور مع اہل وعیال مقیم ہوں گھر سے قریب ہونے کی وجہ سے اگر بہت کچھ سہولیات مہیا ہیں تاہم بزرگوں کی زیارت سے بہت دور ہوں، اللہ پاک ہمارے بزرگوں کی قبروں کو معمور فرمائے فقط والسلام۔جملہ مدرسین کی خدمت میں سلام عرض ہے نیز آپا صاحبہ کو بھی سلام عرض کردیں اور دعاء کی درخواست ہے۔ سراج الحق قاسمی

۲۳/۶/۱۴۰۱ھ

صاحب تحریر اپنی طبیعت کے اعتبار سے نیک آدمی تھے (انہیں تعلق سے ایک خواب جس کی تعبیر مکاتیب شیخ زکریاؒ میں گذر چکی ہے) لیکن بغاوت کے سیلاب اور مخالفانہ اور مفسدانہ ہواؤں میں یہ بھی متاثر ہوئے اور باغیوں کے چکر میں آگئے اور جب دو اہم مدرس اور ان کے پیچھے کوئی اور طاقت لگ گئی اور ساتھ میں علاقۂ بہار کے طلبہ کو محض علاقائیت کی بنیاد پر مدرسہ اور منتظم مدرسہ کے خلاف زور وشور سے بھڑکایا گیا اور اس کو انقلاب کا نعرہ دیا گیا تو جو کچھ نامناسب حرکتیں نہ کرنی تھیں وہ سب کی گئیں اور افواہوں کے بازار گرم ہوئے اور جھوٹ دبا کر بولا گیا، حق تعالیٰ شانہ نے اس خواب کے ذریعہ سے ان کو اس پر متنبہ کیا کہ جس کے خلاف تم نے یہ سب حرکتیں کی ہیں وہ تو ہمارے فیض وبرکت کو تمہیں تقسیم کرنے میں لگا ہوا ہے اور تم اس کے خلاف یہ سب کچھ کررہے ہو جو سراسر تمہاری غلطی اور ایک نادانی ہے جو اہل علم کی شان نہیں، مگر اہل علم پر جب بغاوت کا بھوت سوار ہوتا ہے وہ تمام تعلقات اور اب

تک کے تمام احسانات بھلا دیتے ہیں اور جو کچھ نہ کرنا ہوتا ہے وہ سب کر کے دم لیتے ہیں اور بعد میں سوائے پچھتانے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، یہاں بھی ایسا ہی ہوا، لیکن صاحب تحریر چونکہ طبیعت ایک میں صلاح رکھنے والے عالم تھے اس لئے منجانب اللہ وہ جلد ہی اپنے باغی رفیق سے جدا ہو گئے اور جامعہ ہذا میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں لگ گئے، لیکن یہ مقدر کی بات تھی کہ باوجود ان کی چاہت وتمنا کے وہ دوبارہ پھر یہاں تعلیمی وتدریسی کام کرنے کا موقعہ نہ پا سکے اور حضرت والد صاحبؒ کو اس پر انشراح نہ ہوا۔

الغرض اشرف العلوم میں خارجی اور داخلی فتنوں طوفانوں ہنگاموں کا بھی ایک معرکہ رہا ہے، ایک طرف خارجی حاسدین تھے جو ہر وقت مدرسہ کی بیخ کنی، بدنامی، ایذا رسانی کے لئے کمربستہ رہتے تھے کبھی وہ ان مفسد مدرسین کا سہارا لیتے تھے جو یہاں قیام پذیر تھے، مدرسہ میں پڑھاتے بھی تھے لیکن طبیعت میں اپنے استاذ گرامی اور مشفق ومہربان منتظم کے ساتھ منافقانہ طرز عمل اپنائے ہوئے تھے خارجی دشمنوں کیلئے آلۂ کار بنتے رہتے اور یہاں کے راز ان کو پہنچاتے رہتے تھے اور کبھی یہ مفسد مدرسین کا ٹولہ جو یکے بعد دیگرے یہاں نفاق اور حسد وبغاوت اور شرارت کی میراث سینہ بسینہ اپنے بعد والوں میں منتقل کرتا رہا طلبہ کے ذریعہ تخریبی کام کراتے، ان سے بغیر نام کے گالیوں پر مشتمل خطوط لکھواتے مواد ان کا ہوتا جذبات ان کے ہوتے اور قلم طلبہ کا ہوتا تھا اور نام کسی کا نہیں رہتا تھا، یہ دونوں قسم کے فتنے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اور یہ دونوں قسم کے فتنہ کرنے والے کبھی مل جل کر کام کرتے تھے اور کبھی الگ الگ طور پر مگر کنکشن اور رابطے باہم قائم رہتے تھے اور اس

طرح سے یہ ایک سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ان کے بعد بھی یہ دور رہا ہے، اس فتنہ کے تعلق سے حضرت والد صاحبؒ نے حضرت شیخ زکریاؒ کو ایک خط بھی لکھا تھا جس کا جواب ماقبل صفحہ ۱۳۱ر پر آچکا ہے۔

مدرسہ میں ایک فتنہ

یہ فتنہ مذکورہ جو ۱۹۷۹ء مطابق ۱۳۹۹ھ کا واقعہ اشرف العلوم کی تاریخ کا ایک بڑا فتنہ تھا جس کے نتیجہ میں دو مدرس اور ان کے ساتھ کثیر طلبہ کی تعداد علاقائی تعصب کی وجہ سے نکل گئی تھی اور جا کر پھول پور الہ آباد میں قیام پذیر ہوئی، الہ آباد کے جن اصحاب مال نے ان کا تعاون اور حمایت کی تھی جب وقت گزرنے پر ان کے صحیح حالات ان کے سامنے آئے تو ان سے ہٹتے چلے گئے اور دوبارہ سے جامعہ اشرف العلوم اور اس کے بانی ومنتظم اور ان کی اولاد کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور آج بھی ان کی آمد ورفت کا سلسلہ یہاں برابر جاری وساری ہے، اس خاندان میں الحاج سعید الدین صاحب کے صاحبزادے بھائی اصغر صاحب زید مجدہ تو ہمیشہ باوجود ان کے گھر کے دیگر افراد کے دوسرا رویہ اپنانے کے شروع ہی سے مدرسہ کے ساتھ مخلصانہ طرز عمل کرتے رہے جو آج بھی قائم ہے اور ان کے دو صاحبزادے عزیزم مولوی زکریا سلمہ اور عزیزم مولوی یحیٰ سلمہ اپنے والد کی طرح نیک سیرت اور عمدہ اخلاق رکھتے ہیں، عرصہ دراز حصول تعلیم کیلئے مدرسہ میں گزار کر یہیں سے عالم بنکر اپنے علاقہ میں دینی ودنیوی کاموں میں مصروف ہیں، ان کے تعلیمی ایام کے دوران ان کا طعام بڑے اہتمام کے ساتھ

حضرتؒ گھر پر ہی کراتے تھے اور ساتھ بٹھا کر کھلایا کرتے تھے جو ان کی اپنے خاص متعلقین کی اولاد کے ساتھ ایک شفقت کا معاملہ تھا جو بہت سوں کے ساتھ انہوں نے اپنایا ہے اور وہ بہت زیادہ شفقتیں کرتے تھے اور طلبہ کو بے حد مانوس رکھتے تھے اور ایک مشفق باپ کی طرح ان پر مہربان رہتے تھے، بعد میں ان کے دوسرے برادران بھی مدرسہ کے ساتھ محبت وانسیت کا مظاہرہ کرنے لگے اور اس طرح سے گویا انہوں نے ایک معاملہ کو خیر سے اور اچھے تعلقات سے تبدیل کر دیا، جزاہم اللہ تعالیٰ خیراً في الدارين ، اس خاندان کی جامعہ اشرف العلوم کے ساتھ خدمات وتعاون کو بھلایا نہیں جاسکتا اگر چہ ان کے بڑے بعض مفسد مدرسین اور بعض دیگر مدارس کے تخریب کار علماء کے پھندے میں کچھ وقت کے لئے پھنسے تھے اور اپنا تعاون انہوں نے نہ صرف یہ کہ بند کیا بلکہ بعض شریوں کا شرارتوں میں تعاون بھی کیا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ہے، اللہ پاک ان کو معاف فرمائے اور درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین۔

چھٹا باب
مدرسہ کے سلسلہ میں قربانیاں

مدرسہ کے سلسلہ میں قربانیاں

(۱) حضرت والد صاحبؒ کا اصل کارنامہ

حضرت والد صاحبؒ کی زندگی بھر کا جو سب سے بڑا کارنامہ ہے وہ جامعہ اشرف العلوم ہے، جس کے ساتھ آپ کی وابستگی طالب علمی کے زمانہ سے ہو چکی تھی، جبکہ آپ مظاہر علوم سہارنپور میں ابتدائی درجات کے ایک طالب علم تھے اس وقت آپ نے اپنے بعض اکابر سے گنگوہ میں کسی مدرسہ کے قیام کا مشورہ لیا جس کی تفصیل خود ان کی تحریروں میں اس طرح ہے:

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور کا مختصر تعارف

از قلم: حضرت والد صاحبؒ

فروری ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۶۴ھ جبکہ میں مدرسہ مظاہر علوم میں کافیہ کی جماعت میں داخل ہوا حضرت الحاج استاد الکل مولانا سید عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں عرض کیا کہ گنگوہ میں مکتب ہے نہ مدرسہ، اگر کوئی چھوٹا موٹا مکتب ہو جائے تو بہتر ہوگا، حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے میرے دل کی بات کہدی، یہ شعبان کا زمانہ تھا اور یہ فرمایا کہ اب تم جب چھٹی کے بعد گنگوہ جاؤ اس کی تحریک کرنا، چنانچہ شعبان میں بعد امتحان گنگوہ آ کر میں نے اس منشاء کا اظہار کیا، سب سے پہلے حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

اس کیلئے تیار ہو گئے پھر دوسرے حضرات بھی تیار ہو گئے، حسن اتفاق کہ رمضان کی چھٹی گزارنے کیلئے مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم گنگوہی جو منڈی چشتیان بھاول نگر بھاول پور میں اپنے والدین کے ساتھ رہتے تھے اس سال دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کیلئے سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے گنگوہ آئے، یہ بڑے اچھے مقرر تھے زبان میں اللہ تعالیٰ نے تاثیر دی تھی اس موضوع پر خوب تقریریں ہوئیں پورے قصبہ میں اس کی معلومات ہو گئی، بعد رمضان حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تشریف لاکر مدرسہ کا افتتاح فرمادیا اور جناب الحاج حافظ حسام الدین صاحب کو محلہ اشرف علی کی باہر لی مسجد جو اب دار قدیم سے موسوم ہے باضابطہ مدرس بنا کر بٹھا دیا گیا، مدرسہ کیلئے بھاگ دوڑ شروع کر دی گئی، کچھ دوسرے احباب بھی شریکِ کار رہے، حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کو مہتمم بنادیا گیا، میں برابر اس کی دیکھ بھال اور رمضان میں چندہ کا کام حاجی محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ کرتا رہا، تین سال کا عرصہ مظاہر علوم میں پھر تین سال کا عرصہ دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے برابر مدرسہ کے کام میں لگا رہا۔

۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مستقل طور پر مدرسہ میں آ گیا، اس وقت تک کل چار مدرسین کام کرتے تھے، تعلیم کا نظم ونسق بہتر بنایا، مدرسہ کو آرگنائز ڈ کرا کر پرائمری کے طرز پر دینیات کے ساتھ ہندی جاری کرائی، حفظ قرآن پاک تجوید وقرأت پر محنت کرائی گئی، الحمدللہ مدرسہ کی ابتدائی تعلیم پوری ہو گئی، پھر عربی درجات کا قیام ہوا، رفتہ رفتہ آج یہ مدرسہ ہندوستان کے چند

اداروں میں شمار ہونے لگا ہے، کیونکہ ملک کے تمام صوبوں کے مختلف مقامات سے طلباء آ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ یوں تو آپ اپنے تعلیمی دور سے ہی مدرسہ کی دیکھ بھال میں لگ گئے اور اپنے اساتذہ کو اپنے ساتھ لاتے تھے اور خود بھی دیکھ بھال کرنے میں برابر شریک رہتے تھے جس کے ثبوت میں معائنہ جات کے رجسٹر میں سے تین معائنے پیش خدمت ہیں، ایک تو وہ جو حضرت مفتی محمود حسن صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور دو وہ جو خود آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔

اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين و الصلوٰة و السلام علي رسوله سيدنا محمد و آله و صحبه اجمعين اما بعد!

احقر نے بمعیت مولوی قاری شریف احمد صاحب ومولوی حافظ محمد اسحاق صاحب مدرسہ اشرف العلوم کا سہ ماہی امتحان لیا، نتیجہ نقشہ جات امتحان سے ظاہر ہے، اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا، حق تعالیٰ شانہ اساتذہ وطلبہ وکارکنان مدرسہ کو استقامت ومزید اخلاص عنایت فرمائیں، بچوں میں کافی تہذیب ومتانت موجود ہے، مسائل نماز و طہارت سے بھی اکثر بچے واقف ہیں، فقط۔

احقر محمود حسن گنگوہی غفرلہ ۴ رصفر ۱۳۷۶ھ

احقر شریف احمد عفی عنہ

نیازمند محمد اسحٰق گنگوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداو مصلیا امابعد۔

احقر بروز چہارشنبہ ۱۳۶۸ھ بسلسلہ امتحان مدرسہ اشرف العلوم حسب الحکم جناب حاجی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مہتمم مدرسہ مذکور حاضر خدمت ہوا باتفاق رائے استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب زید مجدہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور بھی تشریف لے آئے، احقر نے اور حضرت موصوف نے مدرسہ ہذا کا امتحان لیا بحمدللہ مدرسہ کی تعلیمی حالت مجموعی طور پر قابل اطمینان ہے، اللہ تعالیٰ جملہ اراکین مدرسہ اور مدرسین مدرسہ اور طلبہ مدرسہ سب کو بیش از بیش شوق وہمت وکام کرنے کی توفیق عطاء فرماویں آمین ثم آمین فقط والسلام۔ احقر شریف احمد گنگوہی

متعلم مدرسہ دارالعلوم دیوبند ۵/ج ۱۳۶۸ھ

حامداً و مصلیا امابعد !

بندہ ۲۹/۳۰/رجب المرجب ۱۳۶۹ھ کو بسلسلہ سالانہ جلسہ مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ حاضر ہوا علاوہ دوسرے حضرات کے جلسہ کے اندر جناب استاد محترم مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی واعظ ومدرس مظاہر علوم وحضرت اقدس جناب استاد صاحب مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی مدرسہ مظاہر علوم نے بھی شرکت فرمائی، بعد فراغتِ جلسہ ان حضرات نے مدرسہ کا امتحان لیا حضرت مفتی صاحب موصوف نے درجۂ قرأۃ متعلقہ جناب حافظ مولوی عبدالحمید صاحب کے امتحان کا حکم بندہ کو کیا احقر نے اس درجہ کا امتحان لیا اصل اندازہ تو انہیں حضرات کو ہوگا، مگر بندہ بھی اپنے خیال خام کے مطابق عرض کرتا ہے، اس درجہ کے اندر بعض طلبہ ناظرہ خوانی میں اور

بعض حفظ اور بعض وہ ہیں کہ جو حافظ ہو چکے ہیں جو بچے کہ حافظ ہو چکے ہیں ان میں سے دو بچوں کا ختم ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے ان میں سے ایک یعنی حافظ محمد شاہ کو قابلِ اطمینان یاد ہے بقیہ اسکے دوسرے ساتھی حافظ محمد حنیف[1] اور دوسرے کو بہت کچا ہے بوقتِ امتحان دو چار جگہ سے ان سے پڑھوایا گیا تو کسی ایک نے بھی ایک پورا رکوع یا نصف رکوع نہیں پڑھا جس سے اندازہ ہوسکتا ہے اور بقیہ قرآن شریف کا اسلئے ان بچوں پر خاص اہتمام وتوجہ کی ضرورت ہے چاہے ان کے دوسرے مشاغل مثلاً فارسی وغیرہ میں نقصان واقع ہو، بقیہ اور بچے ناظرہ خوانی وحفظ کے فی الجملہ اچھے ہیں، جو کچھ تحریر کیا گیا یہی جناب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مہتمم مدرسہ کی خدمت میں زبانی عرض کردیا گیا تھا، فقط۔

احقر شریف احمد گنگوہی غفرلہ

۲۳ رشعبان المعظم ۱۳۶۹ھ

یہ حضرت والد صاحبؒ کا تعلیم پانے کا زمانہ ہے اور ساتھ ساتھ اپنے وطن کے ابتدائی مکتب کی ترقی کیلئے فکرمندی کی بھی دلیل ہے، آئندہ چل کر جس کا آپ کو

---

[1] یہی حافظ محمد حنیف بعد میں چل کر حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی بنے جن سے اللہ پاک نے بے شمار کتابوں کی تصنیف اور تالیف کا کام لیا جوان کا بہت بڑا کارنامہ اور یہ سب مدرسہ کا فیض اور حضرت والد صاحبؒ کی تربیت کا اثر ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ خود مؤلف اپنی تالیفات میں کہیں نہ کہیں اس کا اظہار کرتے، بہر حال مولانا موصوف حضرت والد صاحب سے ملاقات ومحبت رکھتے تھے ان کا تعارف تلامذہ میں آرہا ہے اور ان کے جس دوسرے ساتھی کا اوپر تذکرہ آیا ہے ان سے زندگی بھر سوائے دعاوی اور اعتراضات کے اور کچھ نہ بن پڑا جبکہ وہ ان سے زیادہ اپنے آپ کو قابل اور فائق تر سمجھتے تھے لیکن دینی خدمات ان کے حصہ میں بہت کم آئیں ہاں یہاں وہاں عوام الناس کو اور بعض دفعہ خواص کو اپنے علم سے مرعوب کرنے کی بہت کوششیں کرتے پھرتے ہیں اور بزرگوں کے اس قول کو بھول گئے ہیں **من ترک حرمة المشائخ ابتلی بالدعاوی الکاذبہ اور ان اخوف ما اخاف علی امتی علیم اللسان جاهل القلب (الحدیث)۔**

مستقل ایک عظیم معمار بننا تھا اور آپ ہی کے ہاتھوں سے اس کو پروان چڑھنا تھا اور راس کی تکمیل کی سعادت آپ کے حصہ میں آئی تھی اس طرح لاکھوں انسانوں کے فیضیاب ہونے کا ذریعہ اوران کے مربی ہونے کی شرافت اور کرامت آپ کے حصہ میں آئی تھی:

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مسند اہتمام پر

اس طرح سے آپ کی فکر ولگن کا آغاز ہوا پھر جب آپ فارغ ہو کر آ گئے تو ابتداء میں آپ صرف ایک مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے پھر قلیل ہی عرصہ کے بعد جب انتظام وانصرام آپ کے سپرد ہوا تو آپ نے اس کیلئے تمام زندگی شباب وشیخوخت، سفر وحضر، لیل ونہار کے تمام افکار اور اس کو بام عروج تک پہنچانے کیلئے جو کچھ ممکن ہو سکا کیا اور کرتے کرتے اور ڈرتے ڈرتے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک حضرتؒ کے درجات بلند سے بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام رفیع سے مالا مال فرمائے آمین۔

یوں تو آپ اپنی ابتدائی زندگی سے ہی مدرسہ کیلئے وقف ہو چکے تھے گویا منجانب اللہ مدرسہ کے وجود کیلئے ہی آپ کا وجود باجود اور تخلیق باتوفیق ہوئی تھی، جس نے یہ عظیم کارنامے ظاہر کرائے، کمال تو اس احکم الحاکمین اور رب العالمین کا ہے جن کی توفیق ازلی اور نظر انتخاب نے آپ کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا، چنانچہ ہمیشہ آپ پر یہ کیفیت طاری رہتی تھی کہ یہ سب حق تعالیٰ کی توفیق خاص سے وجود میں آرہا ہے اس میں ہمارے کسی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے، آپ نے ایک زمانہ تک

وقت کی قربانی دی اور جان کی قربانی دی پھر جب مدرسہ کو اللہ پاک نے وسعت دینے کا فیصلہ فرمایا اور باہر لی مسجد اندرون قصبہ سے باہر ایک وسیع اراضی میں مدرسہ کی توسیع کا منصوبہ اور پلان آپ کے ذہن میں آیا اس کیلئے آپ نے کیا کیا وہ خود آپ کے قلم سے لکھا جاتا ہے پہلے کافی عرصہ تک باہر لی مسجد میں مدرسہ چلتا رہا۔

مدرسہ کیلئے قربانی کی ابتداء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک قطعہ اراضی نوبسہ پختہ میں نے اپنی ضروریات کیلئے مکان و دوکانات تعمیر کرنے کی غرض سے مولوی محمد ایوب انصاری سے ۱۵ رجنوری ۱۹۶۲ء کو بیع کیا تھا جو برابر میرے قبضہ وتصرف میں چلا آرہا تھا، جسکے اندر مدرسہ کا نہ کوئی دخل تھا اور نہ مدرسہ کے پیسے سے اس کا کوئی تعلق تھا، یہ میں نے خالصاً اپنے لئے اور اپنے بچوں کی معاشیات مہیا کرنے کی غرض سے خریدا تھا، مگر جب میرا اس کے متصل کلی رام سے زمین خرید کر مسجد و مدرسہ تعمیر کرنے کا ارادہ ہوا تو میرا جذبہ اور خیال ہوا کہ سب سے اول میں ہی قربانی دیکر ابتدا کروں، چنانچہ میں نے یہ پورا نمبر نوبسہ پختہ یعنی جو تیرہ سو گز کے قریب ہوتا ہے اس شرط اور نیت کے ساتھ مدرسہ کے نام بیع کردیا کہ اس پورے حصہ میں سے کچھ حصہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں چلا جائے اور کچھ حصہ یعنی نصف یا اس سے کچھ کم وبیش کر کے اس کے بدلہ میں مدرسہ کی طرف سے کسی دوسری جگہ زمین لے لونگا، یہ تیرہ سو گز زمین ہے اس کے اندر تقریباً تیس دوکانیں بن سکتی ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اگر میں اپنی زندگی میں اس کے

تبادلہ میں کوئی زمین مدرسہ کی طرح نہ لے سکا یا موت وزندگی کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے دوسری جگہ زمین نہ لیجا سکی تو ایسی صورت میں مدرسہ کے نام بیع کردہ زمین سے سڑک کی طرف کا حصہ واپس لے لونگا، تا کہ میں ان کے اندر دو کانات بنا سکوں، میں اگر اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کرسکا تو آنیوالا منتظم مدرسہ میری اولاد میں سے کوئی بھی فرد اس مطالبہ کو پورا کرانے کا مجاز ہوگا اور منتظم مدرسہ پابند ہوگا کہ وہ اس مطالبہ کو زمین کی شکل میں پورا کرے اور لب سڑک زمین مہیا کرے، یا اسی حصہ میں سے لب سڑک والا حصہ واپس کرے، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر ور وفتن سے حفاظت فرما کر میری مدد کرے اور اس کو قبول فرمائے۔

یہ چند کلمات اور تحریر میں نے اپنے قلم سے لکھی کہ محفوظ رہے، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کیلئے زمین مہیا کردے اور غیب سے اس کے لئے راستہ کھولدے، یہاں نہ کوئی مددگار رہے نہ معین نہ ایسا ہمت دار کہ زمین دیکر مدرسہ کی تعمیر میں تعاون کرے، بس حق تعالیٰ ہی کرنے والا ہے **وما ذالک علی اللہ بعزیز** اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو اکابر گنگوہ کی صحیح یادگار بنائے، علوم قرآنیہ اور علوم حدیث کا سرچشمہ بنائے آمین اور پوری دنیا میں اس کے فیض کو عام کردے آمین ثم آمین، فقط۔

احقر شریف احمد

منتظم مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۳۰/۳/۱۹۶۸ھ

اس تحریر سے آپ کے بے پناہ جذبات اور آپ کی صحیح صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سارا بوجھ اکیلا ایک مرد مجاہد ہی اپنے سر پر رکھ کر اٹھانے کا ارادہ

کیئے ہوئے تھا اوران کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھانے کیلیے عالم اسباب میں جس قوت کی ضرورت تھی وہ مفقود تھی، کیونکہ وہ دور آج کے دور سے بالکل مختلف اسباب کی قلت اور رفقاء کی عدم مرافقت کا دور تھا جو اکثر و بیشتر ہوتا ہے، بہت کم ایسے منتظمین ہیں جن کی پشت پر ابتداء ہی سے کوئی طاقت خاندانی قبائلی یا وطنی یا بڑے بڑے روٴساء معتقدین کے سہارے اور ہدایا کے انبار اور حوصلہ افزائی کرنے والے ملتے ہیں جن سے ان کے کاموں میں ترقی ہوتی ہے، مگر یہاں یہ سب باتیں یک دم مفقود تھیں، ایک طرف جس حد تک مدرسہ چل رہا تھا اس کو سنبھالنا بھی مشکل کام تھا کیونکہ وہ بھی بے تحاشا مخالفتوں کا ایک تاج تھا اور دوسری طرف اس کی وسعت کے پلان کے تقاضے اور اس کے اسباب کی فراہمی امر عظیم تھی، یہ صرف حضرتؒ کے بے پناہ جذبہ، حق تعالیٰ کی ذات پر توکل ویقین کی طاقت اور خدمت دین کی سعادت عظمیٰ کے حصول کی کوشش اور اپنے لئے کچھ ذخیرۂ آخرت چھوڑ جانے کا شوق ہی ہوسکتا ہے جو اللہ پاک نے دیا تھا۔

وقف کے انکار سے بچنا اور اپنی زمین وجائداد کی قربانی دینا

یہ تحریر اور زمین دینے کا قصہ ۱۹۶۸ء کا ہے پھر کافی عرصہ کے بعد جب والد صاحبؒ نے اس دی ہوئی زمین کے تبادلہ میں کچھ زمین لی اور وہاں اپنی ذات کیلیے کچھ دوکانیں بنانے کا کام شروع کیا تو اس پر ایک طبقہ نے بہت بڑا ہنگامہ کھڑا کیا اور ایک طوفان پھیلایا کہ قاری صاحب نے مدرسہ کی زمین پر ذاتی دکانیں بنالی ہیں اور مدرسہ کو کھا رہے ہیں، حاسدین اور مفسدین کا ایک ٹولہ جو ہمیشہ ان کے

پیچھے لگا رہتا تھا اور ان کے تعاقب کو اپنا بہت بڑا مشن بنائے ہوئے تھا اور ان کو ان کے کام سے روکنا اور ذلیل کرنا ان کی سب سے بڑی تمنائیں تھیں اسی کیلئے ان کے مشورے ہوتے تھے اور اس کیلئے قصبہ کے بعض لوگ مالی طور پر ان کا تعاون کرتے تھے جن کو مدرسہ کی ترقیات سے بجائے فرحت کے ایک تکلیف شدید ہوتی تھی اور وہ اس ایمانی، روحانی، علمی، عرفانی گلشن کو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے، ایک طرف ان حاسدین کی رکاوٹیں تھیں جو موقعہ بموقعہ مسلسل جاری رہتی تھیں اور دوسری طرف ان کا ساتھ دینے والی اللہ رب العزت کی توفیقات تھیں اور بزرگوں کی دعائیں اور توجہات اور خود ان کا اپنے مولائے جلیل کے سامنے گریہ وزاری شب بیداری کی مناجات اور اس کی لذت ایسے احوال میں جبکہ ان کے بعض رفقاء کار بھی بزدلی اور منافقت کے رویّے رکھتے ہوں ایسے شخص کے ساتھ سوائے اس کے کہ نصرت الٰہیہ تھی اور کیا کہا جاسکتا ہے اور یہ کہ اللہ پاک کو اس سرزمین پر ان سے کام لینا تھا وہ لیا گیا، جب یہ ہنگامہ اور طوفان زور وشور پر اٹھا تو آپ نے پھر ان ہی بنائی دکانوں کو مع زمین مدرسہ ہی میں واپس کر دیا باوجود اس کے یہ قانونی کاروائی کی جاسکتی تھی لیکن اس کو مناسب نہیں جانا گیا کہ اس میں الجھنا شدید ذہنی پریشانی کا باعث اور غیر مناسب تھا اور بعض مفتیان کرام کا مشورہ اور رائے اور فیصلہ بھی اسی طرح کا تھا کہ اس کو تبادلہ میں لینا درست نہیں اور نیز اس میں وقف کا بھی انکار کرنا پڑ سکتا تھا جو خود ان کی طبیعت کے خلاف تھا، ان مذکورہ وجوہات سے اس کو بھی واپس للہ فی اللہ کر دینا ہی زیادہ مناسب اور موزوں سمجھا گیا، یہ بھی حضرت والد صاحبؒ کی ایک بہت بڑی قربانی اور دین کیلئے جانثاری کا مظہر ہے، جبکہ اس دور میں بہت سے لوگ

ذاتی مفادات کیلئے بڑے بڑے مدارس کے وقف ہونے کا عدالتوں میں انکار کر گئے ان حالات میں یقیناً اس واقعہ کی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے جو ان کے اخلاص اور ایثار کا ایک بین ثبوت ہے جزاہ اللہ خیراً فی الدارین۔

اس پر جو ہنگامہ اور فساد برپا کیا گیا تھا اس ہنگامہ اور شر و فساد کے دفعیہ کیلئے ایک عمومی میٹنگ طلب کی گئی اور جس میں قرارداد معززین اہل قصبہ نے پاس کی جو مندرجہ ذیل ہے۔

باسمہ تعالیٰ

آج بتاریخ ۲۸/اگست ۱۹۸۱ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۲/بجے دن اہلِ قصبہ و دیہات کے تقریباً دو ہزار معزز حضرات (جنکے اندر سمجھدار اور اہلِ علم حضرات تھے) کا اجتماع ہوا جس کی صدارت جناب خواجہ شبیہ الحسن صاحب ساکن محلّہ الٰہی بخش قصبہ گنگوہ نے فرمائی، یہ اجتماع تقریبا ڈھائی گھنٹے چلتا رہا، جس میں مندرجہ ذیل باتیں متفقہ طور پر پاس کی گئیں (۱) ہم تمام حاضرین جلسہ مدرسہ اشرف العلوم رشیدی قصبہ گنگوہ کے مہتمم جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب کی چالیس سالہ خدمات کو سراہتے ہوئے خراج تحسین پیش کرتے ہیں، مدرسہ کی ترقی تعلیمی شہرت ملک سے نکل کر بیرون ملک تک ہو چکی ہے، یہ سب جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب کی محنت دن رات کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مکتب ہندوستان کے بڑے اداروں میں شمار ہونے لگا ہے کہ جس کے اندر پورے ہندوستان کے سینکڑوں اضلاع کے بچے علم دین اور تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آرہے ہیں، سب باشندگان قصبہ کی نیک نامی اور قصبہ کی شہرت ہو رہی ہے،

پورے حاضرین جلسہ جو کئی ہزار کی تعداد میں ہیں سب ہی اپنے اپنے پورے پورے تعاون واعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔

(۲) زمین کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں جو طریقۂ کار قاری صاحب مذکور نے مدرسہ کے مفاد میں اختیار کیا وہ لائق تحسین ہے، اولاً اپنی اراضی مدرسہ کیلئے تبادلہ میں کلی رام کو دیکر مدرسہ کی زمین حاصل کی، یہ تنہا ایک ہی کارنامہ قابل حیرت ہے اس زمانہ میں ایسا کرنا ایک دشوارتر امر ہے مگر انہوں نے کر دکھلایا۔

(۳) مسجد کی پشت پر مسجد کے متصل مہتمم صاحب موصوف نے اپنی اراضی مدرسہ کے مفاد میں مدرسہ کو دیدی، ایسی حالت میں کہ اس زمین پر تقریباً ۲۰/۲۵/ دکانات تعمیر ہوکر مدرسہ کو آمدنی ہورہی ہے، اگر اس کے بدلہ میں دس دکانات کی زمین یا مدرسہ کو دیگئی ۱۳۰۰/گز زمین کے تبادلہ میں ۵/۷/سو گز زمین لے لی، ہم شرکاء جلسہ انکے اس کام کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں کہ زیادہ قیمتی زمین مدرسہ کے مفاد میں مدرسہ کو دیکر کم قیمت والی زمین لے لی، یہ نہ کوئی جرم ہے نہ بددیانتی ہے اور نہ ہی خیانت ہے، اس سلسلہ میں جن لوگوں نے ان پر اور ان کے لڑکوں پر جو مقدمہ عدالت میں دائر کیا ہے وہ قابل مذمت اور قابل صد افسوس ہے، ہم سب ہی شرکاء جلسہ ان کے اس شنیع فعل کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

(۴) قاری صاحب مذکور جس انداز سے عرصۂ دراز سے مدرسہ کو چلارہے ہیں کہ ہر طرح سے ترقی ہی ترقی ہے ہم سب ہی قاری صاحب موصوف پر ہر طرح کا اعتماد کرتے ہوئے ہر وقت ہر تعاون کے لئے تیار ہیں، آخر میں ہم

سب شرکاء اجتماع عدالت عالیہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس مقدمہ کو جو شراور فساد پر مبنی ہے خارج فرما کر شکریہ کا موقعہ عنایت فرما دیں۔

(۵) قاری صاحب موصوفؒ اور ان کے لڑکوں (مفتی خالد سیف اللہ صاحب، حافظ محمد طیب صاحب، قاری عبید الرحمٰن صاحب) کے خلاف یہ دعویٰ بشیر احمد نداف، بشیر احمد آہنگر، محمد یونس، افتخار حسین، اخلاق احمد، رفیق احمد اور لطیف احمد نے کیا ہے جو شراور فساد پر مبنی ہے اور مدرسہ کو خراب کرنے کیلئے ہے، اسلئے یہ عام اجتماع عدالت عالیہ سے مکرر پر زور درخواست کرتا ہے کہ اس مقدمہ کو خارج فرما کر مدرسہ کو شرو فساد سے بچایا جائے اور ہم سب کو شکریہ کا موقعہ عنایت فرمایا جائے فقط۔

یہ مقدمہ بازوں کی ایک جماعت تھی جو کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر سہارنپور کی عدالت میں جا کر فوراً مقدمہ شروع کر دیا کرتی تھی، یہ حاسدین اور معاندین کا مستقل ایک گروہ تھا، ایک زمانہ تک انہوں نے برا بھلا کہا جب دیکھا کہ اس سے بھی کام نہیں چل رہا ہے اور گالیاں بھی بیکار جارہی ہیں اور یہ مرد مجاہد اپنے کام سے نہ ہٹتا ہے نہ تھکتا ہے تو انہوں نے مقدمہ بازی کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا اور اس طرح انہوں نے پریشان کرنے کیلئے ایک راستہ تلاش کر لیا لیکن وہ اس میں بھی ذلیل ہوتے گئے، ہاں اتنا ضرور کر گئے کہ مدرسہ کے قیمتی اوقات اور ان کی قوت فکریہ جو مدرسہ کے لئے ہر وقت خرچ ہوتی تھی اس کا کچھ حصہ مدرسہ کے دفاع میں خرچ ہونے لگا، چنانچہ ایک موقعہ پر انہوں نے اور فتنہ کیا جس کے سلسلہ میں حضرت والد

صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے رجوع کیا جو حسب ذیل ہے جس سے مسئلہ اور فتنہ دونوں واضح ہوتے ہیں:

محض کسی کے نام پر کسی چیز کا بیع نامہ ہونے سے مالک نہیں بنتا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ کے بارے میں!

مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر بھٹہ والے کو خرید اینٹ کیلئے پیشگی رقم بھاؤ طے کر کے دیجاتی رہی بھٹہ والا برابر حسب وعدہ اینٹ سپلائی کرتا رہا مدرسہ کو اس سے بہت بڑی رقم کا فائدہ ہوا، ۱۹۷۷ء میں بھٹہ جب نقصان کی وجہ سے اینٹ نہ دے سکا رقم بھی ادا نہ کر سکا مدرسہ کے ۹ ر ہزار روپے بھٹہ والے کی طرف باقی رہ گئے، اسی طرح دوسرے چند اشخاص کی رقم بھی بوجہ نقصان بھٹہ والے کے ذمہ رہ گئی، مدرسہ کی اور ان سب کی ملا کر پچیس ہزار روپے ہوگئے، اس کے پاس نہ اینٹ نہ رقم، سب نے مل کر اس سے ایک مکان رقم کے بدلہ خرید لیا جو اس کے نام پر تھا، بوقت بیع نامہ دس ہزار کی رقم مزید مکان میں دینی تھی باہمی مشورہ ہوا کہ مکان کی رجسٹری مدرسہ کے نام ہو جائے پھر مدرسہ مکان کو فروخت کر کے سب کی رقم ادا کر دے اور جب طے شدہ مکان مدرسہ کے نام رجسٹری ہو گیا اور بعد دس ماہ کے مکان فروخت کر کے سب کی رقم ادا کر دی گئی مدرسہ کی رقم یہاں وصول ہوگئی، مکان چونکہ غیر مسلموں کے محلّہ میں تھا اور مشترکہ تھا اس لئے فروخت کرنا ضروری تھا، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ (۱) مکان مدرسہ کے نام پر رجسٹری ہو جانے کی بناء پر مدرسہ کی ملکیت ہوا اور یہ بیع جبکہ رقم مشترک تھی اور پہلے ہی طے

کرلیا گیا تھا کہ مکان فروخت کرنا ہے ایسا کرنے کی صورت میں مدرسہ کی رقم وصول ہوگئی دوسروں کی بھی وصول ہوگئی اس مکان پر مدرسہ کی ملکیت اور پھر وقف کا حکم آتا ہے یا نہیں اور اس کی فروختگی درست ہوئی یا نہیں (۲) یہ مکان ایک غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کیا گیا ہے کسی قیمت میں واپس کرنے کو تیار نہیں ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ بعض افراد اس مسئلہ کو بہانہ بنا کر فساد کرنا اور مقدمہ بازی کرنا چاہتے ہیں جس سے ہر حال میں مدرسہ کا نقصان ہوتا ہے، والسلام۔

شریف احمد گنگوہی

۲/۵/۱۹۱۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مذکورہ میں چند قرض خواہوں نے اپنے قرض کی رقم کے عوض بھٹہ والے سے اس کا مکان خریدا اس مکان میں ان سب اشخاص کی ملکیت مشترک رہی، مدرسہ کے نام محض اطمینان وسہولت اور اعتماد کی وجہ سے بیع نامہ کرایا گیا لہذا وہ مکان شرعاً تنہا مدرسہ کی ملکیت میں نہیں آیا، رہی مدرسہ کے نام بیع نامہ کرانے سے وہ مکان مدرسہ پر وقف ہوا کیونکہ یہاں پر نہ کوئی واقف ہے نہ الفاظ وقف ہیں وہ سب ہی شرکاء کی ملکیت میں رہا اور سب شرکاء کا فروخت کرنا اور اپنے اپنے پیسے وصول کرنا شرعاً صحیح اور درست رہا (۲) مکان واپس لینے کی کوئی ضرورت نہیں مدرسہ کی رقم مکان کے ذریعہ وصول ہوگئی بس یہی کافی ہے، جو لوگ محض سرکاری کاغذ میں مدرسہ کا نام دیکھ کر اسے مدرسہ کی ملکیت یا مدرسہ پر

وقف سمجھتے ہیں اور فروخت کر کے مدرسہ کی رقم وصول ہونے پر فساد برپا کرتے ہیں اور مقدمہ بازی[1] کرنا چاہتے ہیں یہ ان کی زیادتی ہے انہیں چاہئے کہ شرعی حدود میں رہ کر کام کریں اور مدرسہ والوں کو ایذارسانی کر کے اپنی اور اپنی نسل کی عاقبت خراب نہ کریں، فقط واللہ اعلم۔

حبیب الرحمٰن خیر آبادی عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۴ر جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
الجواب صحیح محمد ظفیر الدین غفرلہ مفتی دارالعلوم دیوبند
الجواب صحیح نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند

(۴) اراضی دار جدید کی تفاصیل حضرتؒ کی زبانی

چنانچہ فرماتے ہیں ۱۹۶۲ھ میں جامعہ اشرف العلوم جدید دارالطلبہ کی دس بیگھہ اراضی جو تھانہ کی دیوار سے متصل ہے ایک ہزار روپے میں یعنی ایک سو روپے بیگھہ کے حساب سے مولانا ایوب صاحب، صوفی حمید، صوفی رشید احمد صاحبان سے زمین خریدی، زمین خریدنے کے وقت مولانا ایوب صاحب کے قبضہ میں زمین تھی اس لئے جب ان سے معاملہ کیا تو مولانا ایوب صاحب نے کہا کہ آپ مجھکو تین سو روپے دیدیں بطور بیع نامہ کے تاکہ میں لگان وغیرہ داخل کردوں، میں نے اپنے

---

[1] ایک جماعت تھی ان کے پیچھے ایک اور جماعت تھی جنہوں نے ایک زمانہ دراز تک مختلف مقدمہ بازیوں میں الجھائے رکھا اور ذہنی، دماغی، قلبی، جسمانی طور پر سخت اذیتیں پہنچائیں، ان میں سے بعض کا انجام خراب وسخت ہوا دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور آخرت کا حال اللہ پاک کے علم میں ہے، ان کے پیش نظر مفاد مدرسہ نہ تھا صرف حیران وپریشان کرنا تھا۔

مشیروں سے مشورہ کیا وہ تین سو روپے مولوی ایوب صاحب کو دینے کے حق میں نہیں تھے میں نے ان سے کہا کہ میں تین سو روپے اپنے پاس سے دیتا ہوں اگر زمین مل گئی تو مدرسہ کی اور اگر نہ ملی تو یہ تین سو روپے میرے جائیں گے یہ سوچ کر میں نے ان کو پیسے دیدیئے۔

مولانا ایوب صاحب کے مزاج میں طبعی طور پر لا پرواہی اور بے فکری تھی بہت دنوں تک میں ان سے کہتا رہا کہ بیع نامہ کرادو مگر وہ ٹال مٹول کرتے رہے اور آج کل آج کل پر بات رکھتے رہے، ایک روز میں ان کو پکڑ کر لے گیا اور اس کے علاوہ دوسرے دو ساتھی صوفی حمید اور صوفی رشید صاحبان کو بھی لے گیا اور ان سے اس زمین کا بیع نامہ کرایا جہاں اس وقت جدید دار الطلبہ کی عمارت موجود ہے جس کے شمال میں تھانہ (پولیس اسٹیشن) واقع ہے اور مغرب کی جانب سرکاری سڑک جاری ہے اور مشرق اسی اراضی کے متصل مولوی ایوب صاحب کا باغ تھا جو خاتمہ زمینداری ہونے کی وجہ سے کچھ غیر مسلموں کے قبضہ میں چلا گیا تھا، یہ اراضی ۱۹۷۱ء میں ان غیر مسلموں سے خرید کر دار الطلبہ میں شامل کی اور اسی حصہ میں مسجد واقع ہے، مسجد کے جنوب میں کوچۂ عام ہے اور اس کے بعد بھی تقریباً دو بگھے زمین اسی غیر مسلم سے جس سے مسجد کے حصہ والی زمین خریدی تھی وہ اسی معاملہ میں شامل تھی جو کل ملا کر تقریباً چھ بیگھہ ہوئی جس کا بیع نامہ کلی رام سینی (مالک اراضی) سے ایک ساتھ کرایا تھا اور فوری طور پر یہ زمین خرید کر بس اسٹینڈ والوں کو صرف پچاس روپے ماہانہ کے کرایہ پر دیدی گئی تھی اور یہاں ایک زمانہ تک بسیں کھڑی ہوا کرتی تھیں جو گنگوہ سے سہارنپور جایا کرتی تھیں جہاں آج مدرسہ کا بیچ کا میدان ہے اور تقریباً تیس بتیس

سال یہاں بس اڈا رہا جو بفضل اللہ تعالیٰ تھوڑی کچھ مشقت اٹھا کر اور قدرے مخالفت وپنجہ آزمائی برداشت کر کے اسے خالی کرالیا گیا تھا، جب وہاں کام شروع ہوا سب سے پہلے اس جگہ پر جامعہ ہذا کا صدر گیٹ تعمیر ہوا جو جامعہ کی ایک شان ہے اور آن بان ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں ایک وقیع نظارہ پیش کرتا ہے۔

ان غیر مسلموں سے خریداری کی تفصیلات اس طرح ہے

اس طرح جامعہ اشرف العلوم گنگوہ کی یہ اراضی خود خریدی ہوئی ہے ایک انچ بھی کسی کی دی ہوئی اور وقف کی ہوئی نہیں تھی اور مدرسہ باہر لی مسجد میں چل رہا تھا مگر طلبہ اور مدرسین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے شدید دشواری ہوگئی اور میں مذکورہ زمین کے متصل زمین (جو کلی رام سینی کے قبضہ میں تھی) کی خریداری کی فکر اور کوشش میں لگا رہا اور اللہ کی مدد اور اس کے کرم سے ۱۹۷۱ء میں کلی رام سینی سے چھ بیگھہ اراضی کا معاملہ ۶/روپے گز اس طرح ہوا کہ میں نے جو زمین اپنے چچازاد بھائی محمد حنیف ومحمد نعیم صاحبان کی شرکت میں خرید لی تھی اور تین سال سے ہم اس میں کاشت کر رہے تھے تو کلی رام سینی نے اپنی زمین کے بدلہ میں پیسے لینے کے بجائے اس زمین کا مطالبہ کر دیا، اس نے کہا میں زمین کا کاشتکار ہوں زمین بیچ کر پیسے لیکر کیا کرونگا ؟ آپ کے پاس جو زمین ہے وہ مجھکو دیدو تو محمد نعیم نے اپنے حصہ کی زمین دینے سے انکار کر دیا میں نے اپنے بھائی محمد حنیف کو زمین دینے پر رضامند کر لیا اور دونوں کے حصہ میں ۲۱/بیگھہ زمین تھی وہ تیرہ سو روپے بیگھہ دی اور ہم نے مدرسہ کیلئے چھ بگھے زمین چھ ہزار روپے بیگھہ

لی، کیونکہ اس وقت میں ہر حال میں مدرسہ کی زمین خرید نے کیلئے تیار تھا، ہمارے والی زمین بھی اگرچہ پانچ یا چھ ہزار روپے بیگھ سے کم نہیں تھی مگر وہ ہماری زمین کی قیمت ۱۳؍تیرہ سو سے زیادہ دینے کو تیار نہ تھا اور اپنی زمین چھ ہزار روپے بیگھ سے کم میں دینے کو تیار نہ تھا، مدرسہ کی ضرورت کے پیش نظر اللہ کی دی ہوئی توفیق کی بنا پر اسی طرح سودا کرلیا اور یہ زمین پہلے بھی ۱۳۵۶ھ میں خریدی ہوئی زمین سے متصل تھی ۲؍جنوری ۱۹۷۲ء اتوار کے روز مسجد زکریا کی تعمیر شروع کی، اس پوری زمین کے درمیان میں ایک گلی واقع ہے تقریباً ڈیڑھ بیگھ زمین گلی کے جنوب میں ہے اور بقیہ سب زمین جو تقریباً ساڑھے چودہ بیگھ ہے اس پوری اراضی کے شمال میں پولیس اسٹیشن ہے اور جنوب میں کوچۂ عام ہے، مسجد کی تعمیر کی تجویز جنوب کی طرف سے نقشہ وغیرہ بنوا کر شروع کی گئی، بحمد اللہ یہ زمین پوری چورس ہوگئی اور ۲۰۰۳ء میں آکر دار الطلبہ، درسگاہیں، دار الحدیث دار القرآن، کتب خانہ، مطبخ وغیرہ سب ایک ہی احاطہ میں بن گئی، مدرسہ کی مشرق کی جانب لب سڑک مدرسہ کا بڑا گیٹ جو باب رشید کے نام سے موسوم ہے اور مسجد زکریا کے نام سے موسوم ہے، کتب خانہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نام سے موسوم ہے، دار القرآن کی جو ڈبل اور شاندار عمارت ہے یہ استاذ محترم شیخ القراء حضرت مولانا عبد الخالق صاحب علی گڈھیؒ کی یادگار میں ان کے نام سے موسوم کی گئی۔

یہ بھی اس اللہ کے ولی کا غایت درجہ اخلاص ہے کہ ساری محنت مشقت دن رات کے اسفار اور مدرسہ کی عمارات کیلئے مالیات کی فراہمی اور بے تحاشا جد وجہد اور

بے پناہ تکالیف شاقہ برداشت کر کے ان تمام عمارات کو اپنے بزرگوں کے نام سے منسوب کیا ہے جو اپنے اسلاف کبار کی محبت کا ایک سچا مظہر ہے اور بین ثبوت بھی۔

جامعہ اشرف العلوم کا ارتقائی دور اور دار جدید کا سنگ بنیاد

جب ایک بڑے منصوبہ کو منصۂ شہود پر لانے کیلئے زمین کی فراہمی مختلف مشکلات اور نا مساعد حالات سے گذر کر چونکہ اس وقت زمین خریدنے کیلئے پیسے اکھٹا کرنا بہت مشکل کام تھا اور جیسا کہ ایک تحریر میں ذکر کیا گیا کہ ایک انچ زمین بھی کسی نے نہ مفت دی اور نہ وقف کی، ایک طرف مدرسہ چلانا اور دوسری طرف مدرسہ کیلئے زمین کی فراہمی کرنا ایک بڑا مرحلہ تھا جو اللہ پاک نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے مخلص خادم دین کیلئے آسان فرمایا اور وہاں ۱۹۷۲ء میں مسجد کا کام شروع کیا گیا، جس کی تاسیس کیلئے اس دور کے کبار اولیاء اللہ کو دعوت دی گئی جن میں سرفہرست حضرت شیخ زکریاؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور بہت سے علماء صلحاء اولیاء اللہ تشریف لائے اور اس وسیع اراضی پر مسجد کی بنیاد رکھی گئی، ان حضرات نے بہت ہی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا فرمائی جو عند اللہ قبول ہوئی اور یہاں وسیع مسجد اور مدرسہ کا سلسلہ قائم ہوا، جیسا کہ دستور ہے جب اس قسم کا کوئی بڑا پروگرام منعقد ہوتا ہے اور بزرگوں کی آمد ہوتی ہے تو اس کے لئے جلسہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس میں کچھ بزرگوں کے ملفوظات وعظ و بیان اور مدرسہ کے علماء طلباء اور مہمانوں کا کچھ کلام بھی ہوتا ہے، یہی صورت حال اس وقت بھی رہی ہے اور اس موقعہ پر جلسہ میں ایک نظم اکابر اعلام کے آنے پر پڑھی گئی جو مرحوم شاعر اسلام

واصف نظامی مرحوم نے پیش کی ہے، جو موقعہ کی مناسبت سے یہاں نقل کی جاتی ہے جو انہوں نے غالباً اپنی کتاب آئینۂ مدارس میں نقل کی ہے۔

دار جدید کی مسجد زکریا کا سنگ بنیاد

آپ کی ایک تحریر میں اس طرح لکھا ملا ہے: ۱۴؍ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲؍جنوری ۱۹۷۲ء بروز یکشنبہ کو تعمیر مسجد کے سنگِ بنیاد کی تقریب میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تشریف لائے اور جمعہ سے قبل ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی، بعد نماز جمعہ حضرت موصوف نے ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں بنیاد میں اپنے دست مبارک سے اینٹیں رکھیں، حضرت سیدنا المحترم مولانا فخر الحسن صاحب، مفتی نظام الدین صاحب بھی تھے دار العلوم دیوبند کے اکابر اساتذہ میں سے تھے۔

یہ نظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی بنیادِ نو کے موقعہ پر جلسہ میں پڑھی گئی

بحمد اللہ خالق نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے
ہر اک جانب خدائے پاک کی رحمت کا سایہ ہے

در و دیوار پر اک عالمِ پر کیف طاری ہے
کھنچا ہر سمت دیکھو نقشۂ فصل بہاری ہے

بہاریں ہر طرف چھائی ہوئی ہیں صحنِ گلشن میں
ہوئے ہیں دور رنج و غم پائی ہے خوشی من میں

خوشا قسمت کہ علم دین کی تنویر کا دن ہے
خوشا قسمت کہ مرکز کی نئی تعمیر کا دن ہے

وہ چشمہ ایک مدت سے جو ہے گنگوہ میں جاری
ہوئی تعمیر نو کے واسطے شدت سے تیاری

ہلالِ نو مثالِ مہر تاباں ہونے والا ہے
زمانے میں یہ مرکز اب نمایاں ہونے والا ہے

بزرگانِ مکرم خیر کے اس کام کی خاطر
خوشی کے ساتھ قدوسی زمیں پر ہوگئے حاضر

جنابِ عبد مالک حضرت عابد حسن آئے
علی احمد نظام الدین اور حامد حسن آئے

مبلغ دین کے مولانا انعام الحسن آئے
عمر پالنپوری علامہ فخر الحسن آئے

جناب شیخ مولانا محمد زکریا صاحب | خطیب عصر فخر قوم حضرت قاری طیب
مبارک ہو کہ یہ علماء دیں تشریف لائے ہیں | یہاں پرائے خوشا زعمائے دیں تشریف لائے ہیں
کہ ان کے پاک ہاتھوں نے ہی خشت اولیں رکھی | امانت تیری اے گنگوہ گویا تجھ کو واپس دی
یہ وہ دولت ہے جو پائی تھی دربار رشیدی سے | رہی جو دور مدت تک ''زمین بوسعیدی'' سے
ستارہ اے زمیں اب تیری قسمت کا چمک اٹھا | ضیائے علم سے یہ ہراک ذرہ دمک اٹھا
بنا رکھدی گئی ہے تجھ پہ علم دیں کے مرکز کی | ہراک جانب بہارے علم پھیلے گی
بجھائیں گے پیاس اب تشنگان علم دین آکر | شعور زندگی سیکھیں گے ہر سو سے یہیں آکر
خدا کی ذات سے امید ہے وہ دن بھی آئیگا | کہ جو''دور رشیدی'' کا نمونہ ساتھ لائے گا
رہے گی اب یہاں رشد و ہدایت کی فراوانی | کہ چھینے گا یہاں سے تا قیامت نور ایمانی
پھلے پھولے بڑھے یہ مدرسہ دنیا میں ہو روشن | خزاں کے گرم جھونکوں سے رہے محفوظ یہ گلشن
دعا تجھ سے ہے یارب یہ کہ فرزندان ملت کو | عطا علم و عمل، عزم و یقیں کی اس سے دولت ہو
کرو گنگوہ والو! قدر تم بھی اس ادارے کی | لگو تکمیل میں سر جوڑ کر اس نیک ارادے کی
ہے یہ قاری شریف احمد کی ثمرہ جانفشانی کا | کہ حق نے آج واصف دن دکھایا شادمانی کا

حضرت والد صاحبؒ کی ذاتی ڈائری میں ہے! آج بتاریخ ۱۴؍ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲؍ جنوری ۱۹۷۲ء بروز اتوار ٹھیک تین بجے دن میں مسجد مدرسہ کی تعمیر کیلئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے اپنے دست مبارک سے خشت اول رکھی بعدہ ایک حضرت مولانا محمد انعام صاحب اور ایک خشت محترم مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری اور بقیہ دیگر ساتھیوں یعنی مولانا محمد ہارون صاحبؒ مولانا محمد زبیر صاحب نے اینٹیں رکھیں، اس طرح مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا، چنانچہ اس دور کے ایک طالب علم جو بعد میں ایک بہت بڑے عالم، فاضل، محدث، مفتی اور عظیم ادارہ کے بانی و ذمہ

دار ہیں یعنی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب چمپارنی مدظلہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ نے وسعت دی اور ادارہ کو وسیع اراضی حاصل ہوگئی، اور تھانہ کے پاس والی زمین پر مسجد زکریا کی تعمیر اکابر ومشائخ وقت کے ہاتھوں رکھ دی گئی اور تعمیری کام شروع ہوا تو معلوم ہوا کہ اندرونی حصہ میں مٹی بھرائی پر ایک خطیر رقم کا صرفہ ہے، طلبا نے ازخود پیش کش کی اور تعطیل کے اوقات میں بلا کہے ازخود مٹی سروں پر اٹھا کر ادارہ کی خطیر رقم بچادی، اس طرح کے جذبات کا مظاہرہ خوب ہوا اور خوب تر رہا" (نقوش دوام رص ۶۴) ا وراس پر ایک طویل وقت گذرا، مستری عبدالحمید مرحوم اور مستری شریف مرحوم اور دیگر مستریوں اور معماروں نے اس میں حضرت والد صاحبؒ کی نہایت نگرانی اور شمولیت اور قدم قدم پر مشورے نقشہ سازی ڈزائننگ کے ذریعہ تمام معاملات طے کیے۔

مسجد زکریا جامعہ اشرف العلوم کی تعمیر میں حاجی سعید الدینؒ کا تعاون

مالی طور پر حضرت الحاج سیٹھ سعید الدین صاحب مرحوم موائمہ الہ آبادی نے اس میں بڑا تعاون فرمایا، اسی دور میں جلال آباد کے مدرسہ کی مسجد بھی تعمیر ہو رہی تھی اور وہاں بھی ان کا زبردست تعاون ہو رہا تھا، ان کے ساتھ ساتھ دیگر مخلص معاونین نے اس میں حصہ لیا اور محنت شاقہ مجاہدۂ عظیمہ کے نتیجہ میں مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی، کیونکہ اس زمانہ میں مغلوں کے انداز پر ڈاٹ لگانے کا زیادہ دستور تھا اور وہ پائیدار کام بھی ہوتا ہے اس لئے حضرتؒ نے زیادہ مدرسہ کی عمارات اسی انداز سے بنوائیں اور اندر باہر کی دیواروں پر ٹائل اور پتھر لگوایا گیا، راقم الحروف کو اتنا یاد ہے کہ ٹائلوں کی پیٹیاں دہلی وغیرہ سے لائی جاتی تھیں اور حضرت والد صاحبؒ اور گھر میں والدہ ماجدہ اور دیگر افراد بھی اس کو کاٹتے تھے اور گھستے تھے اور معمار لوگ بھی

کاٹتے اور گھستے تھے، اس طرح سے حضرت والد صاحبؒ اجر و ثواب حاصل کرنے کیلئے خود کو اور اپنے گھر والوں کو بھی شامل کرتے تھے، ایک زمانہ تک مسجد کے اندر کا فرش کچا رہا اور اس کے اوپر ٹاٹ وغیرہ بچھے رہے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا جب اس کے لئے پتھر کا انتظام ہوا جس کی تفصیل خود حضرتؒ کی زبانی اس طرح ہے:

مسجد زکریا کی تعمیر کے بعد فرش دیر تک تیار نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت تک پیسے کا کوئی انتظام نہ ہو سکا تھا اور کسی صاحب خیر سے بھی ایسی ملاقات نہ ہو سکی تھی کہ جو مسجد کے فرش کیلئے پتھر کہیں سے مہیا کر دے، کئی سال تک یوں ہی مسجد کی کچی زمین پر ہی نماز پڑھتے رہے کئی دفعہ سانپ بچھو بھی نکلے، پھر ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء میں جناب قاری محمد اسلام صاحب[1] مدرس شعبۂ قرأت جامعہ ہذا کو لیکر بلکہ وہ مجھے لیکر (جو ایک مستعد اور مدرسہ کے ہمدرد آدمی تھے) مکرانہ راجستھان گئے، وہاں دکانوں اور کارخانوں پر مسجد کے پتھر کے لئے بھیک مانگی اور قاری صاحب موصوف نے پتھر مہیا کر لیا، دو ٹرک پتھر کے ہو گئے، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی

---

[1] قاری محمد اسلام صاحب موصوف ایک نیک صالح انسان تھے، چھما بانس ضلع سہارنپور کے باشندے تھے، شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے اور نعت خوانی کا بہترین مزاج بھی رکھتے تھے، کافی عرصہ تک مدرسہ میں مدرس رہے اور بہت ہی خلوص اور وفاداری کے ساتھ مدرسہ کی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ جب بعض وجوہات سے خود ہی گھر پر قیام پذیر ہو گئے جو ان کے عوارض اور بیماریوں کا دور بھی تھا مدرسہ میں برابر آتے جاتے رہے اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ وفاداری کو نبھایا اور بعد میں بھی ان کی اولاد کے ساتھ محبت اور خلوص کا معاملہ رکھا، یہاں تک کہ اپنی نماز جنازہ کی وصیت بھی اس احقر راقم السطور کے لئے فرما گئے، مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں ان کی نماز جنازہ حسب وصیت و چاہت اس احقر نے ہی پڑھائی اور دیر تک ان کے اہل خانہ کو تسلیاں دیں، اللہ پاک مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے، انہیں کے ساتھ مدرسہ میں ایک دوسرے اور قاری صاحب بھی تھے جنہوں نے بالکل اس کے برعکس معاملہ فرمایا اور مدرسہ میں تخریب کاری اور شر و فتنہ میں بالکل وہ کردار ادا کیا جو رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے ادا کیا تھا مگر اللہ پاک نے ان کے شر سے حفاظت فرمائی۔

اس محبت کو توشۂ آخرت بنائے اور دنیا و آخرت میں انکو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، پھر انہیں کے ذریعہ راجستھان کے شہر مکرانہ سے پتھر لگانے والے کاریگر بلوائے، پتھر چونکہ چھوٹا بڑا رنگ برنگ اور ٹوٹا پھوٹا تھا میں رات بھر اس کا نقشہ بناتا اور صبح کو ان کاریگروں سے اپنے سامنے کھڑے ہو کر لگواتا، میرے سامنے جو نقشہ حرم مدینہ کی مسجد کے فرش کے اور حرم مکہ کی مسجد کے فرش کے اور ممبئی اور کلکتہ کی مسجد کے تھے ان سب کو روبکار لانے کی کوشش کی گئی اور ہر صف ایک تجربہ بن گئی۔

مسجد زکریا کے اندرونی حصہ میں تین صف چار فٹی اور تیسرے حصہ میں بھی تین صف اور دوسرے حصہ میں بھی تین صف تو یہ پوری ۱۲ صفیں بن کر تیار ہو گئیں اور بحمد للہ ایک خوشنما فرش بن کر تیار ہو گیا، کالا، پیلا، سفید اور دوسرے رنگ کا پتھر چھوٹا بڑا ٹوٹا پھوٹا سب کو کارآمد کر لیا خود وہ مکرانہ کے کاریگر بھی یہ کہنے لگے کہ ہم نے اس قسم کے ڈیزائن اب تک کہیں نہیں بنائے، خداوند تعالیٰ اس وسیع کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہر قسم کے ریاء وعجب سے پاک وصاف رکھے، آمین یارب العالمین۔

جیسا کہ آپ باب اول میں پڑھ چکے ہیں، جامعہ اشرف العلوم جس کا آغاز سید السادات جناب حضرت اقدس مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ کی زیر سرپرستی تیزی کے ساتھ پروان چڑھتا رہا اور دار الطلبہ قدیم جس کی بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علماء کی ایک جماعت کے ہاتھوں رکھی گئی اور بے حد قلبی گہرائیوں کے ساتھ دعاؤں کا سرمایہ ادارہ کی ترقی اور مقبولیت میں معاون ومددگار ہوا، اور روز ازل ہی سے تعلیمی تربیتی اصلاحی کاموں پر بے حد توجہ دی گئی، تا آنکہ جامعہ اشرف العلوم اپنی معیاری تعلیم وتربیت کی بنیاد پر جلد ہی مرجع عوام وخواص بن گیا،

یہاں تک کہ مدارس کے اساتذہ و منتظمین اپنے بچوں کو بہترین تعلیم وتربیت کے مدنظر اشرف العلوم کا انتخاب کرنے لگے اور اس کے لئے دیوبند سہارنپور کے علماء و مدرسین کے سفارشی خطوط کا ایک بہت بڑا سلسلہ جاری رہا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ادارہ ان کی نظر میں دیوبند و سہارنپور کے بعد اپنی ایک انفرادی حیثیت اور امتیازی مقبولیت رکھتا تھا، جس کا اظہار ان کے معائنہ جات اور خطوط سے ہوتا ہے جس کے چند نمونے یہاں پیش خدمت ہیں:

مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کو اپنے قیام اور بناء کے وقت ہی سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے ایک خصوصی وابستگی اور رابطہ رہا ہے اور اس کے اس دیرینہ ربط کی بناء پر آج بھی مظاہر علوم کے حضرات مدرسین اس مدرسہ کا امتحان لینے اور بعض مرتبہ جلسہ کے موقعہ پر تشریف لیجاتے ہیں، اس مدرسہ کی جدید تعمیر میں افتتاح کے وقت مسجد کا سنگ بنیاد خصوصی طور پر مرجع خلائق مرکز رشد وہدایت حضرت الحاج حافظ مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے رکھا، وثوق سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت موصوف گنگوہ تشریف لیجانے کے وقت اکثر اسکی مسجد میں نماز ادا فرماتے اور دعا فرماتے رہے ہیں، جیسا کہ اشرف العلوم جانے والے ممتحنین کے بیانات سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسہ کا تعلیمی معیار نہایت اطمینان بخش اور قابل اعتماد ہے، درحقیقت تعلیمی سلسلہ میں بھی اس مدرسہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، طلبہ کو تیار کرنے کیلئے عربی درجات پر مدرسین و ناظم مدرسہ کافی محنت اور نگرانی کرتے ہیں، امسال جلالین شریف کے افتتاح کے موقعہ پر میں بھی حاضر ہوا اور ۱۸ر طلبہ پر مشتمل جماعت کو جلالین شریف

شروع کرائی، پہلے کی نسبت سے اس ترقی پذیر صورت حال کو دیکھ کر قلبی مسرت ہوئی اور دل سے دعا نکلی حق تعالی اس مدرسہ کو ہر طرح کی آفات وشرور سے محفوظ فرما کر مزید تعلیمی وتعمیری ترقیات سے نوازے اور اسکے کارکنان ومدرسین کو اخلاص واحسان کی دولت سے بہرہ ور رکھے آمین۔

دستخط حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب

نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

اور چونکہ اس وقت دیوبند وسہارنپور کی تقسیمات بھی عمل میں نہیں آئی تھیں اور نہ تنازعات واختلافات کا سیلاب جاری ہوا تھا، ہر جگہ پر ایک ایک بڑا مدرسہ تھا جہاں تمام طلبہ کو جگہ دینا آسان کام نہ تھا اور آج بھی اتنی تقسیمات اور مدارس کی بے پناہ کثرت کے باوجود دیوبند سہارنپور کے علاوہ بھی طلبہ رجوعات کرتے ہیں اور اطراف وجوانب میں پھیل جاتے ہیں، اس لئے اس دور میں جبکہ اتفاق واتحاد اور بے انتہا ادب واحترام کے معاملات تھے اکابر دیوبند وسہارنپور اپنے متعلقین کو سفارشی خطوط کے ساتھ یہاں بھیجا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کی رات دن کی تگ ودو، بے حد جفاکشی، محنت اور لگن، اساتذہ کی تعلیم وتربیت پر دلچسپی اور بہترین کوششوں سے جامعہ اشرف العلوم تعلیم وتربیت کے حوالہ سے ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، دوسری طرف کبار علماء مشائخ جیسے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہارویؒ، حضرت شیخ محمد زکریا صاحبؒ جیسی عظیم ہستیوں کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی جاری رہا، دوسری جانب طلبہ

کیلئے جملہ مصارف کی سہولیات مہیا کرنے کیلئے حضرت والد صاحبؒ کی جان توڑ کوشش جدوجہد جاری رہی، سردی، گرمی، برسات، دھوپ، پیدل، سوار، بھوکے، پیاسے ہر حال میں اپنی جان کو مدرسہ اور اس کی تعلیم وتربیت کیلئے وقف کر دیا تھا، بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت والد صاحبؒ غلہ اپنے سر پر لاد کر لایا کرتے تھے، کسی نے دس بیس اینٹیں مدرسہ کو دے دیں تو ان کو بھی مدرسہ میں خود اٹھا کر لایا کرتے، قرآن کریم اور اس کی تعلیم کو عام کرنے کیلئے آپ نے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا اور نہایت مضبوط و مستحکم نظم کے ساتھ تعلیم وتربیت پر توجہ فرمائی، علی الصباح مدرسہ تشریف لے آتے تمام طلبہ کو بیدار کرتے اور دیر رات تک مدرسہ میں تشریف رکھتے، بعد میں تقریباً ۲۰ سال تک مستقل مدرسہ میں قیام فرمایا رات کو گھر نہیں گئے، نہایت شفقت ومحبت اور لگن کے ساتھ پڑھاتے، آپ کی آواز میں جادو تھا چلتا ہوا راہی آپ کی آواز سنکر ٹھہر جاتا، آپ فن قرأت کے ماہر استاذ تھے، سید القراء جناب مولانا قاری عبدالخالق صاحبؒ جنہوں نے مکہ میں آٹھ سال قرأت پڑھی تھی، ان سے فن تجوید میں بھرپور استفادہ کیا اور جناب حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ استاذ فن تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند سے قرأت سبعہ حاصل کی تھی، جس کی تفصیلات گذر چکی ہیں اور آپ نے وہ امانت الٰہیہ اور علوم نبویہ جو اپنے اسلاف سے حاصل کئے تھے اس کی اشاعت کے جذبہ سے سرشار تھے اور قرآن پاک کی خدمت جو آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا اور اس کو تجوید وقرأت سے پڑھنا آپ کا ایک خاص ذوق تھا، جھوم جھوم کر عشق الٰہی کے سمندر میں ڈوب کر معانی کو سمجھ کر جب تلاوت کرتے تھے اور تجوید وقرأت کی اس محنت

اور مخلص اساتذہ کی عربی کتابوں کی تدریس پر بے پناہ محنت نے اس دور کے شائقین کو ادارہ کی طرف فوج درفوج گروہ درگروہ پہنچایا اور ملک کے شرق وغرب سے طلبہ کا رجوع عام ہوا اور شاید و باید ہی ہندوستان کا کوئی خطہ ایسا بچا ہوگا جہاں کے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھانے کیلئے یہاں نہ پہنچے ہوں، جب ہندوستان کے طول وعرض سے بلکہ خارج ہند بنگلہ دیش وغیرہ سے بھی آنے لگے، یہ ایک زمانہ دراز تک مدرسہ محلّہ اشرف علی قصبہ گنگوہ کی قدیم مسجد میں چلتا رہا جو اس زمانہ سے آج تک دارقدیم کے نام سے مشہور ہے، طلبہ کی کثرت اور علمی ماحول کی وسعتوں کے پیش نظر جب ضرورت محسوس کی گئی کہ قصبہ سے باہر ایک وسیع اراضی حاصل کی جائے جہاں وسیع پیمانہ پر مدرسہ کی تمام ضروریات مہیا ہوں اور آنے والے طلباء اور شائقین علوم نبوت دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنے مقاصد حسنہ کو پورا کرسکیں، اور دارقدیم کا علاقہ قصبہ کے بچوں کے لئے مختص ہوجائے اور باہر کا علاقہ باہر کے طلبہ کیلئے جن کا قیام وطعام اور تعلیم کی تمام تر ضروریات یہاں مہیا ہوسکیں تو اس کے لئے حضرت والد صاحبؒ نے اپنے مخصوص دوست واحباب کے مشورہ سے غور وفکر کے بعد جدوجہد شروع کردی، یہ مدرسہ کا وہ دور تھا کہ مالی وسعت ندارد، اسباب محدود، حالات مخدوش، حاسدین ومخالفین کی یلغاریں الگ تھیں، ان سب کے بیچ میں ایک مرد مجاہد تن تنہا بہت بڑا پروگرام لیکر اٹھ رہا تھا اس کے اپنے جذبات تھے اپنی تمنائیں تھیں اور صرف توکل علی اللہ اور اپنے مخلص بزرگوں کی دعاؤں کا بہترین زادراہ ساتھ تھا، اس کی تفصیل حضرت والد صاحبؒ کی ایک تحریر سے اس طرح ہے۔

بعض عمارات کی تفصیل

چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا: دارالمطالعہ کے جنوبی مشرقی گوشہ میں جوٹنکی کے متصل ایک اچھی خاصی جگہ بہت دنوں سے بے کار پڑی ہوئی تھی اس کی تعمیر اور اس کو کام میں لانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس بیماری کی حالت میں ہی پڑے پڑے اللہ نے ایک نقشہ ذہن میں قائم فرمادیا اور اسی کے مطابق تعمیر شروع کرادی، ہر دیکھنے والا دیکھ کر اس کے سلسلہ میں چہ می گوئی کر رہا تھا کہ یہاں کیا بن رہا ہے اور کیا بنا رہے ہیں، تعمیر ہوتی گئی اور صورت تعمیر سامنے آتی گئی، دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دنوں بعد پہلے پانچ کمرے نیچے اور گیٹ پھر اوپر چار کمرے اور ایک دو چھتی کمرہ اور ایک گیٹ کے اوپر شاندار کمرہ تیار ہو گیا، اس طرح کل تیرہ کمرے اس میں الحمدللہ تیار ہو گئے جو ہر آنے والے کی جاذب نگاہ اور دارالطلبہ چورس تیار ہو گیا اور گیٹ کے اوپر والے حصہ پر باب قاسم اور نیچے والے حصہ پر طیب منزل لکھا گیا۔

تعمیر سے چونکہ شروع ہی سے لگاؤ رہا تو اللہ تعالیٰ نے تعمیری سلسلہ میں بہت مدد فرمائی، اولاً سب سے بڑی تعمیر مسجد زکریا کی ہوئی پھر دارالحدیث پھر دارالطلبہ کا شاندار گیٹ جو اپنی تعمیر اور جائے وقوع کے لحاظ سے ایک نمایاں فن پیش کرتا ہے اور نمایاں شکل وصورت میں موجود ہے، اس کے دونوں طرف ایک ایک جنگلا اور اس میں پھلواری ایک اچھا منظر پیش کرتے ہیں، پھر اسکے بعد حوض پر ایک بہت بڑا وسیع وعریض شاندار کتب خانہ اور پھر اس کے بعد اس وقت تک کی سب سے آخری

عمارت یعنی ۲۰۰۳ء کے ختم تک کی دارالقرآن ہے جو پینتیس فٹ چوڑی اور اسّی فٹ لمبی ہے اپنی تعمیر کے لحاظ سے بہت ہی پر کشش ہے، اس میں دس گیارہ آدمی تحفیظ القرآن کیلئے کام کرتے ہیں، جائے وقوع کے لحاظ سے دونوں طرف کھلی ہوا کے گزرنے سے پرلطف منظر رہتا ہے، یہ دومنزلہ ڈبل عمارت اس کی اونچائی ایک اچھا منظر پیش کرتی ہے، یہ سب تعمیرات بندہ کی کاوش اور دل دوزی اور دل سوزی سے بمشورۂ معماران ومختلف احباب فن کار سے وجود میں آئیں، کسی انجینئر کو مستقل طور پر نگراں رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی''۔

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں حصہ میں کچھ کمروں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا اس میں سب سے بڑا تعاون حاجی سعید احمد صاحب گنگوہیؒ ساکن محلّہ اشرف علی اور ان کے بھائی محمد یوسف صاحبؒ نے فرمایا جو کہ مدرسہ کے بہت بڑے ہمدرد تھے اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے مدرسہ کی شوریٰ کے ممبر بھی تھے، انکی خدمات اور تعاون کو بھلایا نہیں جاسکتا، اس پورے ہی خاندان کو مدرسہ کے ساتھ ہمدردی کا تعلق رہا ہے، اللہ پاک ان کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے جس کا تذکرہ ایک قدیم روداد میں حضرت والد صاحبؒ کے قلم سے اس طرح کیا گیا ہے:

تَذْکرۂ حَسَنہ

مدرسہ ہذا کو تنگیٔ مکان کی وجہ سے جو تکلیف اور مدرسین وطلباء کو جو پریشانی ہمیشہ لاحق رہتی ہے اس کا متعدد مرتبہ سالانہ جلسوں اور دیگر نشستوں میں تذکرہ

ہو چکا ہے، گذشتہ صفحات روداد ہذا میں بالتفصیل مطبخ درسگاہیں، گودام وغیرہ کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے جن حضرات نے مدرسہ کی عمارت کو بچشم خود دیکھا ہے وہ اس کا اچھی طرح احساس فرماتے ہیں، چنانچہ جگہ کی تنگی کے باعث مدرسہ ہذا نے قصبہ سے باہر آٹھ بیگھہ آراضی خرید کی ہے اوراس میں درسگاہیں، مسجد، مطبخ، گودام وغیرہ بنانے کی تجویز ہو چکی ہے اور فی الحال دو کمرے مع برآمدوں کی تعمیر زیرِ غور ہے جس کے لئے جناب مستری عبدالحمید صاحب گنگوہی نے ساٹھ ہزار اینٹ عنایت فرمائی ہیں اور حاجی سعید احمد صاحب گنگوہیؒ (جو کہ مدرسہ کے قدیم محسن اور معین ہیں) نے ان کمروں کے لئے ایک بڑی رقم عنایت فرمائی، نیز ان کے بھائی محمد یوسف صاحب نے بھی اس میں کچھ رقم دینے کا وعدہ فرمایا ہے مگر یہ سب رقم مل کر بھی کمروں کی تکمیل نہیں ہوتی اس لئے ضرورت ہے کہ مخیّر اور وہ حضرات کہ جنکو اللہ نے وسعت دی ہے اور ان کے قلب میں دین کی ترقی کا خیال ہے اس خاص مد کی طرف توجہ فرما کر اپنے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں، چونکہ یہ رقم ۱۳۷۷ھ میں آئی ہے اس لئے اس کا جمع خرچ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی روداد میں درج ہوگا، کارکنانِ مدرسہ ان حضرات کے لئے دل سے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے نہایت ضرورت اور حاجت کے وقت اس مدرسہ کی دستگیری فرمائی اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم موصوفین کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کی جان و مال اور اولاد میں ترقی دے، نیز ان حضرات کے دلوں میں مزید شوق وولولہ پیدا فرما کر مدرسہ کی دیگر ضروریات کو بھی پورا کرائے آمین ثم آمین۔

نظم

مبارک تم کو اے لوگو مدرسہ کی عمارت ہو　ملے گا اجر اس کا جب خدا کی ہی عدالت ہو
زمیں تو مول لے لی ہے ولے اتنا رہے روشن　بلا پیسے بلا کوشش بھلا کیسے عمارت ہو
خدا کے رُوبرُو جا کر بھلا کیوں نہ ندامت ہو　بلا مسکن بلا معبد مُسلماں کی جماعت ہو
پڑے سردی دسمبر کی مئی و جون کی گرمی　جگہ کے تنگ ہونے سے بھلا کیسے قرأت ہو
بہانہ کردیا بخشش کا اللہ لایزالی نے　خدا کا نام روشن ہو قرآن کی اشاعت ہو
مُسلماں فخر فرمایا کریگا کل جہاں تجھ پہ　نزاکت کے زمانے میں اگر اتنی صداقت ہو
فنا کے بعد بھی زندہ رہے گا نامِ نامی گر　شہادت جبکہ مذہب اور قرآن کی حمایت ہو
یہ مانا کردیا سب کو پریشاں نرخِ غلہ نے　صنعت ہووے حرفت یا زراعت یا تجارت ہو
سنو عثمانؓ نے فرمایا کہ فرمائیں رسول اللہؐ　ملاحظہ تم کو مسلم اور بخاری کی روایت ہو
یہاں کے ایک دینے سے یہاں دس اور وہاں سولو　بھلا اس جیسی کوئی تو بتاؤ گر تجارت ہو
تمنا ہے شریفؔ احمد کریں ملکر اعانت تا!　بجے اسلام کا ڈنکا مخالف کو خجالت ہو

احقر شریف احمد

ناظم مدرسہ اشرف العلوم قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی

جامعہ ہذا سے متعلق بشارات

ایک بنگالی لڑکے کا خواب

(۱) جس وقت دار الحدیث بن رہا تھا تعمیر جاری تھی تو ایک بنگالی طالب علم نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ

اور انبیاء کرامؑ میں سے ایک دو اور تھے، ڈاک بنگلہ میں تھانہ کے پاس دو شخص آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے چلے، میں نے معلوم کیا کہاں لے جا رہے ہو؟ تو ان دونوں نے بتلایا کہ بنگلہ میں اعلیٰ افسر بلا رہے ہیں، میں گیا جا کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں سلام کیا فرمایا آیئے تم یہاں اشرف العلوم میں پڑھتے ہو؟ میں نے جواب دیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں اشرف العلوم میں مشکوٰۃ شریف پڑھتا ہوں میں نے حضرت سے معلوم کیا کہ حضرت تشریف لائے تو آپ نے فرمایا ہم دارالحدیث دیکھنے آئے ہیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

(۲) حضرت مولانا سراج الحق صاحب قاسمی چمپارنی سابق مدرس مدرسہ ہذا نے ۱۳۹۶ھ میں خواب دیکھا کہ میں حضرت گنگوہی کے مزار پر ہوں اچانک حضرت کی قبر شق ہوگئی اس میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب نکل کر چل دیئے میں نے پوچھا کدھر تشریف لے جا رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا مدرسہ اشرف العلوم جا رہا ہوں، حضرت شیخ زکریاؒ نے اس خواب کی تعبیر فرمائی کہ حضرت گنگوہیؒ کی روحانیت مدرسہ کی جانب متوجہ ہے اور مدرسہ کی اعانت جسمانی و مالی حضرت حق تعالیٰ کی بارگاہ تک اقرب ترین راستہ ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے آمین۔

اس خواب سے قبل ہر سال ہم کو دارالعلوم مظاہر علوم میں اعلان داخلہ لگانا پڑتا لیکن پھر بھی طلبہ آتے نہیں تھے، ادھر اس خواب کے بعد طلبہ کی آمد کثیر تعداد میں ہونے لگی اور اعلان کی ضرورت دوبارہ نہیں پڑی۔

(۳) حضرت والد صاحبؒ نے بیان کیا کہ جس وقت یہ دار جدید کی مسجد بن رہی تھی ابھی بنیاد ہی کھدی تھی کہ جس جگہ ایک نمبر کمرہ ہے مسجد کے برابر یہاں پر

ایک لمبا درخت کھڑا ہے اس پر ایک شہد کا چھتہ لگا ہے اس پر بہت ساری موٹی موٹی مکھیاں ہیں لوگ اس کو توڑنے کی کوشش کررہے ہیں مگر مکھیاں موٹی موٹی ہونے کی وجہ سے ہر شخص پیچھے ہٹ رہا ہے میں گھر سے آیا تو دیکھا چھتہ شہد کی مکھیوں کا درخت پر لگا ہوا ہے کسی کو کہے بغیر چھلانگ لگائی پہلی ہی چھلانگ میں چھتہ کے قریب پہنچ گیا، میں نے اس میں ہاتھ ڈالدیا اور شہد نکالنا شروع کیا اور اس چھتہ کو نیچے گرادیا، میں نے یہ خواب حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ سے بتلایا تو حضرت نے تعبیر دی کہ یہاں سے علم کا چشمہ جاری ہوگا، یہ خواب اور تعبیر بقلم حضرت شیخ زکریاؒ نیچے ذکر کی جاتی ہے:

گذشتہ ہفتہ جن دنوں ایک عریضہ حضرت کی خدمت والا میں تحریر کیا، ایک خواب دیکھا، میں ایک پختہ سیدھی سڑک پر جارہا ہوں، سامنے ایک بڑا درخت ہے جس میں ایک محال ہے ''شہد کی مکھیوں کا چھتہ'' بہت سے لوگ نیچے کھڑے چھتہ توڑنے اور شہد حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، مجھے ان سب کو دیکھ کر کسی قدر وحشت ہوئی اور ساتھ ہی چھتہ توڑنے کی تمنا بھی ہوئی، بس فوراً ہی پورا چھتہ مع شہد کے جس میں ایک ڈنڈی بھی لگی ہوئی ہے میرے دور کھڑے کے ہاتھ میں آگیا اور سب لوگ یوں ہی رہ گئے مکھیاں اپنی جگہ پر بدستور بیٹھی رہیں، فقط والسلام۔

ہر حال میں حضرت والا کے الطافِ بیکراں کا محتاج ہوں، والسلام۔

احقر شریف احمد

خواب بہت مبارک ہے، کسی تعبیر کا محتاج نہیں یہ انشاء اللہ تمہارے دینی اعمال کی قبولیت کی بشارت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے مدرسہ کی تکمیل وفروغ کا مژدہ

ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شہد کی تعبیر قرآن ہی سے لی ہے، فقط والسلام۔

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مد فیوضہم

بقلم نجیب اللہ ۲۳ ؍صفر ۱۳۹۳ھ

(۴) حکیم استغفر اللہ صاحب شیخ زکریا صاحبؒ کے لوگوں میں سے تھے یہ پاکستان چلے گئے تھے انکو کشف قبور حاصل تھا، ایک مرتبہ یہ ہندوستان آئے ہوئے تھے ان سے سہارنپور میں ملاقات ہوئی انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ گنگوہ آنے کو طبیعت چاہ رہی ہے، میں نے کہا کہ میں ابھی گنگوہ جارہا ہوں اگر آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تو بہتر ہوگا، چنانچہ وہ تیار ہو گئے میں انکو گنگوہ لیکر آ گیا دار جدید کے دفتر میں ٹھہرے، رات میں حکیم صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کا صحن بہت سارے پودوں سے بھرا ہوا ہے پھول پھلواری کے پودے اُگے ہیں اور ایک دم بڑے ہو کر کلیاں آجاتی ہیں اور پھول کھل جاتے ہیں، پودا لگا فوراً بڑا ہوا فوراً کلیاں آجاتی ہیں ہر کلی یہ چاہتی ہے کہ میں پہلے کھلوں، کھلنے میں ہر ایک دوسری سے سبقت کر رہی ہے، کیا بات ہے بتلایا کہ یہاں حضرت شیخ الحدیث تشریف لاتے رہتے ہیں تو حکیم صاحب نے کہا یہ انہیں کی برکت ہے۔

اسی طرح سے بہت سے طلبہ نے بڑے عمدہ خواب دیکھے حضور پاک ﷺ اور صحابہؓ کی خواب میں زیارتیں کیں اور متعدد بشارتیں اللہ پاک نے انکو دکھائیں جو جامعہ ہذا کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامات ہیں اللہ پاک قبول فرمائے۔

جامعہ اشرف العلوم کی مقبولیت کا راز

رفیق محترم حضرت مولانا زاہد حسن صاحب مدظلہ العالی مدرس جامعہ رحمۃ للعالمین تڑفوہ ضلع سہارنپور جو یہاں ایک زمانہ تک مدرس رہے ایک طویل مضمون میں اس طرح رقم طراز ہیں:

جامعہ میں اپنے قیام کے زمانہ میں اس کی محبوبیت، شہرت اور مقبولیت کی کئی وجوہ محسوس ہوئیں (۱) سب سے پہلے تو بزرگوں کی سرزمین اور ان کے زمانہ میں ذکر اللہ قال اللہ وقال الرسول کی جو مقدس صدائیں فضاء میں گونجی ہوں گی ان کی برکات کے اثرات جن جگہوں میں ذکر خداوندی کی مہک ہوتی ہے، یقیناً وہ جگہیں مقدس تو ہوتی ہیں مگر سکینہ اور رحمت کا کیف بھی ان میں آجاتا ہے اور الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے مژدۂ جانفزا اور وعدۂ برحق کا اثر ان میں ہوتا ہے، اسی لئے ایسی بستیوں میں خود بخود جی لگتا ہے، ایک حسن پایا جاتا ہے، وحشت کافور ہوتی ہے، طبیعتیں سکون پاتی ہیں، سرزمین گنگوہ بھی ان میں سے ایک ہے۔

(۲) بانی جامعہ کا خلوص اور ہر وقت اس کی ترقی کے فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانا نیز اس کی اقامت، ادارت اور خدمت کو ہر وقت اپنے لئے سعادت خیال کرنا اور شکر بر شکر بجالاتے رہنا، بجائے فخر وناز کے ہر وقت ہیچمدانگی کی کیفیت سے سرشار رہنا پھر اس پر لئن شکرتم لازیدنکم کا تمغہ پانا۔

(۳) بلا امتیاز ہر شخص، ہر برادری، ہر علاقہ والے کے لئے بابِ فیض جامعہ

کو مفتوح رکھنا اور گویا جو بھی طالب علم بن کر آ گیا خواہ وہ کوئی ہو سب کے لئے جامعہ مفتحة لهم الابواب رہتا ہے۔

(۴) حضرت بانی جامعہ کے مدنظر اور نصب العین ہمیشہ تعلیم کی بہترائی اور اس کے معیار کی بلندی پھر اس کے لئے باصلاحیت، جیدالاستعداد، محنتی اساتذہ کی فراہمی، تعلیم، طلبہ اور اساتذہ ہی آپ کی نظر میں مُخ المدرسہ اور اس کی جان سمجھے جاتے تھے، تعمیر پر زیادہ زور نہیں رکھا، جب میں جامعہ میں آیا تو کل تعمیر احاطۂ دار جدید کی بمشکل ۲۲ رکمرے تھے اور مقیمین طلبہ کی تعداد ۶۰۰ رتک ہو جاتی تھی کوئی مسجد میں، کوئی محلّہ میں، کہیں بھی رہ کر اپنا قیام کرلیا کرتا تھا، مگر درسگاہیں بھری ہوتی تھیں اور پچاس پچاس رساٹھ ساٹھ کے درمیان ایک ایک جماعت میں طلبہ رہتے تھے، اب جامعہ میں جو کافی اور وافی تعمیر نظر آتی ہے یہ بہت بعد کی ہے، جب کہ حضرت والا کا بیرونی سفر وقوع میں آیا، طلبہ میں زیادہ تر ذہین طلبہ اور مختلف مدارس کے ذمہ داران اور مولوی حضرات کے صاحبزادگان ہوتے تھے۔

(۵) طلبہ اساتذہ اور تعلیم کی مکمل نگرانی اور باوجود جسماً مدرسہ سے غیر حاضری کے ذہناً مدرسہ میں موجود رہنا، پھر تمام کتابوں کو آخر تک مکمل کرانے کی کڑی نگرانی، بالخصوص جدید مدرسین کے اسباق کا جائزہ لینا اور پتہ رکھنا کہ طلبہ ان کی تدریس سے مطمئن ہیں یا نہیں اور کس کتاب میں کس کا کیا حال ہے، خود جب میرا تقرر ہوا تو حضرت ناظم جامعہ نے پہلے ہی مجھ سے بھی کئی کئی دفعہ یہ معلوم کیا کہ کیا آپ نے فنون کی کتابیں بھی پڑھی ہیں اور ہمارے یہاں یہ بھی داخل نصاب ہیں، ان کی تدریس

سے واسطہ رہے (فنون کی کتابوں سے مراد چند اہم کتابیں بیضاوی شریف، شرح عقائد، ہدایہ ثالث ورابع، میبذی، دیوانِ متنبیؔ، ملاحسن سراجی جیسی کتابیں ہیں، جامعہ مظاہر علوم میں ان کتابوں کے لئے ایک مستقل سال لگتا ہے جو اختیاری ہے، خواہ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد کوئی لگالے یا پہلے ہی، احقر نے ان کتابوں کی اہمیت سن رکھی تھی اس لئے دورۂ حدیث سے قبل ہی ان کو پڑھ لیا تھا یہ سوچ کر کہ نہ معلوم بعد میں کیا موقعہ رہے **فالحمد لله علی ذلک۔**

مدرسہ میں آپ کا طرز عمل اور طریقۂ کار

اس سلسلہ میں مدرسہ کے ایک مخلص ترین استاذ گرامی جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں اور نہایت ہی رفیع اوصاف وکمالات کے جامع ہیں، جن کا جامعہ اور حضرتؒ کے ساتھ اور ان کے بعد بھی مدرسہ اور اس کے ایک چھوٹے سے خادم راقم الحروف کے ساتھ بے انتہا خلوص اور محبت کا رشتہ ہے (یعنی حضرت مولانا محمد سلمان صاحب استاذ حدیث جامعہ ہذا) جزاہ اللہ خیرا فی الدارین، اپنی ایک طویل تحریر میں اس طرح لکھتے ہیں:

ایک صاحب نے بتلایا کہ میں نے حضرت قاری شریف احمد صاحبؒ سے ایک مرتبہ معلوم کیا کہ آپ ماشاء اللہ اتنا بڑا مدرسہ چلا رہے ہیں، اور سب کو جوڑ کر چل رہے ہیں اس میں آپ کا طرز عمل اور طریقۂ کار کیا ہے؟ حضرت اقدس ناظم صاحب علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ ایک تو میں نے کبھی اساتذہ کی تنخواہوں کو نہیں روکا، ہر مہینہ کی

پہلی تاریخ کو اساتذہ کی تنخواہ کا انتظام کیا چاہے قرض لینا پڑا، دوسرے مدرسہ کی تعمیر کو نہیں روکا، اور اس کی حضرت ناظم صاحبؒ نے وجہ بھی بتلائی کہ مدرسین کو ہر ماہ تنخواہ ملے گی تو وہ طلبہ پر محنت کریں گے اور کوئی فروگذاشت ہوگی تو اس پر گفت وشنید بھی کر سکتے ہیں، ورنہ تو سارا تعلیمی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، راقم الحروف عرض رساں ہے کہ احقر کو معلوم ہے کہ حضرت ناظم صاحبؒ بعض حضرات سے قرض لیا کرتے تھے، اور دوسری وجہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک اہل خیر حضرات کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ فلاں مدرسہ میں کام ہو رہا ہے اس کا تعاون کیا جائے، ان وجوہات کے علاوہ حضرت ناظم صاحبؒ مدرسہ میں پابندی خود بھی کرتے تھے اور دوسروں سے بھی پابندی چاہتے تھے، سبق کا نقصان حضرت کو بہت گراں گذرتا تھا، اسی لئے خود اپنے اسباق تجوید، بوستاں، نفحۃ الیمن وغیرہ پابندی سے پڑھاتے تھے، حضرتؒ کا ایک خاص وصف یہ بھی رہا کہ انہوں نے اساتذہ کے تقرر میں برادری کا لحاظ نہیں کیا بلکہ یہ دیکھا کہ کون مدرسہ میں طلبہ پر زیادہ محنت کر سکتا ہے، اسی کا تقرر فرمالیا، اگر تحقیق کی جائے تو جامعہ ہذا میں آج گنگوہ کی مختلف برادریوں کے حضرات اساتذۂ کرام بڑی محنت وجانفشانی سے اور مخلصانہ انداز میں برسہا برس سے کام کر رہے ہیں بلکہ حضرت نے علاقہ کا بھی کوئی خیال نہیں کیا بہار، بنگال، مہاراشٹر، یوپی، مدھیہ پردیش جہاں کے حضرات کو دیکھا کہ یہ طلبہ پر انشاء اللہ محنت کریں گے ان کو تدریس کے لئے جگہ دی اور کسی کو از خود مدرسہ سے جانے کے لئے نہیں فرمایا ہاں خود ہی کوئی مدرس از خود کسی ضرورت سے جانے کے لئے اصرار کرتے تو منع بھی نہ فرماتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ ایک مرتبہ درمیان سال میں جبکہ داخلے بند ہو چکے تھے، راقم الحروف کے متعارف دار بندہ کے پاس آئے کہ میرا ایک عزیز فلاں جگہ کا رہنے والا ہے اور جامعہ اشرف العلوم میں پڑھنا چاہتا ہے احقر نے اس سے کہا کہ اب داخلے بند ہو چکے ہیں اگر تم چاہو تو مدرسہ میں داخلہ کرادو لیکن کھانا پینا اس کا تمہارے گھر پر ہی رہے گا، اس نے اس کو منظور کرلیا احقر نے یہ تفصیل جب حضرت ناظم صاحبؒ کو بتلائی تو حضرت نے اس طالب علم کو بلوایا احقر نے جب اس طالب علم کی ملاقات کرائی تو حضرت ناظم صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی سلمان یہ طالب علم پڑھنے والا نہیں ہے تم اس کا داخلہ مدرسہ ہی میں کراؤ اور قیام وطعام بھی مدرسہ ہی میں رکھو، چنانچہ اسی طرح اس کا داخلہ کرادیا گیا اور وہ طالب علم چند دن مدرسہ میں رہکر چلا گیا، میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت ناظم صاحبؒ عالم الغیب تھے آدمی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے بلکہ اس واقعہ سے میرا مقصد یہ ہے کہ حضرت کو اللہ پاک نے فراست ایمانی سے نوازا تھا، خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله (ترمذی وطبرانی)۔ ''ماخوذ از نقوش دوام''

حضرتؒ کی عجیب مجاہدانہ ومشفقانہ اور والہانہ خدمات تھیں انہیں خدمات کو دیکھ کر حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم ومتولی جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور نے ایک مرتبہ جامعہ اشرف العلوم کی شاخ نمبر ۴ کی تعمیر کے موقع پر تشریف آوری کے وقت فرمایا کہ ماشاء اللہ میں جب بھی جامعہ ہذا میں حاضر ہوا تو تعلیمی وتعمیری کاموں میں اضافہ ہی پایا یہ حضرت قاری صاحب کی مخلصانہ محنت

ودعاؤں کا نتیجہ ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ حضرت قاری صاحبؒ میں دو صفتیں خاص طور پر بڑی زبردست ہیں ایک ان کا اخلاص اور دوسرے ان کا استقلال اور تقریباً ایک گھنٹہ اسی پر گفتگو کرتے رہے اور اس درمیان حضرت والد صاحبؒ پر آہ وبکا کی اور گریہ کی متواضعانہ کیفیت اور متشکرانہ جذبات کا عالم رہا، یہ تقریر حضرت مفتی صاحب نے جامعہ ہذا کی ایک شاخ کے اجراء کے موقعہ پر فرمائی تھی۔

(۱) مدرسہ سے متعلق کسی موقعہ پر کہی گئی ایک نظم

ایک عملہ مستعد ہے روز و شب تنظیم میں — جو ہے مصروفِ عمل ہرکام کی تنظیم میں

ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھ کو مبارک یہ شرف

پڑھتے ہیں مسجد میں طلباء درسگاہیں ہیں قلیل — درسگاہوں کیلئے ہو جلد تر کوئی سبیل

ہیں بڑی تنگی میں سارے مہمانانِ جلیل — ان میں ہیں ایسے بہت ہے مدرسہ جنکا کفیل

ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھ کو مبارک یہ شرف

درسگاہوں اور رہائشگاہوں کی تعمیر ہو — ہے تقاضہ جلد تعمیرات کی تدبیر ہو

آیئے فرمایئے اس مد میں کیا تحریر ہو — تاکہ دربارِ خدا میں آپ کی توقیر ہو

ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھ کو مبارک یہ شرف

ناظم اعلیٰ ہیں یہاں کے حضرت قاری شریف — آپ کا شیوہ ہے واصف خدمت دینِ حنیف

کرنہیں سکتے ہیں کچھ بھی لاکھ درپے ہوں حریف — آپ کے اخلاص کی برکت ہے یہ لطف لطیف

ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھ کو مبارک یہ شرف

جامعہ میں دورۂ حدیث پاک کا آغاز

آپ کا عظیم کارنامہ سرزمین گنگوہ پر دورۂ حدیث شریف کا افتتاح ہے جو تعلیم حدیث کی اس تاریخی سرزمین میں نشأۃ ثانیہ ہے، تقریباً ۹۲ رسال بعد اس سرزمین سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں پھر سے گونجنے لگیں، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس سرزمین پر دارالعلوم کے قیام سے قبل ۱۲۶۵ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کا آغاز فرمایا تھا پھر یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ آپ نے امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض خاص طور پر آنکھ میں نزول ماء کی وجہ ۱۳۰۸ھ میں دورۂ حدیث شریف ملتوی فرمادیا تھا، حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے سفارش کی کہ حضرت نے امراض کی وجہ سے اسباق بند کردئے مگر ایک سال دورۂ حدیث میری درخواست پر اور پڑھادیں کہ مولانا اسمٰعیل کاندھلویؒ کے لڑکے مولانا یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا، چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمالیا اور ریکم ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ سے دورۂ حدیث شریف پھر سے شروع فرمادیا اور ۲۳ رشعبان ۱۳۱۳ھ کو یہ دورہ ختم ہوا، یہ حضرت کی زندگی کا آخری دورہ تھا۔

(سیرۃ مولانا یحییٰ کاندھلوی رص ۹۷)

۵/ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۳ راگست ۱۹۸۴ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مدرسہ میں دورۂ حدیث پاک کا آغاز ہوا جو حضرت والد صاحبؒ کی بہت بڑی تمنا تھی اور صرف انہیں کی نہیں بلکہ بہت سے علماء صلحاء اور مشائخ کی تمنا تھی جیسا کہ حضرت مفتی

محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے مکاتیب میں موجود ہے، افتتاح بخاری شریف کیلئے اجلاس منعقد کیا گیا اور اس کیلئے بڑا اہتمام کیا گیا اور کبار علماء کو دعوت دی گئی، جن میں حضرت مولانا حکیم محمود عبدالرشید نبیرہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی محدث دارالعلوم دیوبند وغیرہما تشریف لائے تھے اور ایک عجیب وغریب منظر تھا انوار و برکات چھائے ہوئے تھے، دارالحدیث میں یہ پروگرام منعقد ہورہا تھا پہلے حضرت حکیم صاحبؒ کی تقریر دلپذیر اپنے ایک نرالے اور مخصوص انداز میں ہوئی تھی، جس میں یہ بھی فرمایا تھا۔

حضرت حکیم نھومیاں صاحبؒ کی تقریر دلپذیر

تسمعون ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم کا تو اثر سامنے آیا قیامت تک انشاءاللہ تعالیٰ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا، شاہ ولی اللہ جس نعمت کو شیخ طاہر کُردی دارُالہجرت مدینہ منورہ سے لے کر آئے تھے وہ دارالسلطنت دہلی پہنچا، کون کون سے خانوادے اس سے مستفید ہوئے، طور کی تجلیاں اور وادیٔ ایمن کے شرارے مدینہ سے دہلی، دہلی سے سرزمین گنگوہ اور دیوبند تک پہنچے الحمدللہ علی ذٰلک، شاہ ولی اللہ زندہ ہوتے تو تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنے اس شعر کی تصدیق پر زعفران زارِ تشکر بن جاتے

وانّی وان کنت الاخیر زمانہ لاتٍ بما لم تستطیعہ الاوائل

اور اس امرِ نبوی ﷺ کی حکمت پر مجسمِ امتنان بن جاتے کہ فوراً ہندوستان جاؤ ورنہ اُس سرزمین کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، تمام راستہ سوگوار ہے اور یہ شعر

گن گنا تے آئے

نَسِیتُ کُلَّ طَرِیْقٍ کُنْتُ اَعْرِفُهٗ اِلَّا طَرِیْقًا یُوْدِیْنِی اِلٰی رِبْعِکُمْ

ان دیار پر کتنا حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ دہلی میں وہ ساقی بن کر بیٹھے، صافی بن کرا ٹھے، پھر

ساقی دہلی کے مستوں نے بارض دیو بند
رکھی جب بنیاد میخانہ بطور یادگار

دور دورۂ ساغر صہباء طیبا کا ہوا
جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار

اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار
خم کے خم اور یم کے یم

کون اس نعمت کا قدردان ہو کیسے ہو علم محدود، ظرف محدود، بصیرت مفقود۔ معرفت نابود، وہ شکر گذاری کا طریقہ بھی تو نہیں جانتا، عجب نہیں شکر کر رہا ہو، ہو رہا ہو وہ کفران، چاہتا ہے وفا کرنا ہو رہی ہے وہ جفا

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بس اے اللہ حمد و شکر و کما یلیق بشانک وفقنی لما تحب و ترضی

شیوع حدیث فی الہند کی مختصر تاریخ بھی اگر مستحضر رہے تو ارباب علم کے لئے موجب انبساط ہوگی۔

وفات نبوی ﷺ کے بعد جب حضرات صحابہؓ طول ارض میں پھیلے تو اس فنِ

شریف کو ساتھ لیکر آئے عبد المالک ایک محدث تلمیذ سخاویؒ صحیح بخاری لے کر آئے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کان حافظاللقرآن والصحیح البخاری۔

علاء الدین علی گجرات آئے گجرات ہی باب العرب تھا حدیث کا چرچہ شروع ہوا شیخ طاہر پٹنی مصنف مجمع البحار امیر العلماء تھے، شیخ عبد الحق دہلوی نے دہلی کو مرکزی حیثیت بخشی۔

شیخ احمد سرہندی اپنے مجددانہ کارناموں کے ساتھ اشاعتِ حدیث کے شائق وساعی رہے فصوص کے مقابلہ میں نصوص کی افضلیت اور اقدمیت پیش نظر رہی، طالبین وسالکین کو برابر حدیث کی طرف توجہ دلاتے رہے **فان القول ماقال الرسول** ان کا مذاق تھا اور **والعلم ماکان قال فیہ حدثنا وما سواہ فوسواس الشیاطین** کا ولولہ ووجدان کا حال تھا، اخیر میں مکتب ولی اللہ سے حضرت شاہ عبد العزیز اوران کے برادران عالی مقام نے نہ صرف ہندوستان بلکہ حجاز مقدس تک اس فیض کو پہنچایا، ان کے خوان یغما سے گنگوہ، دیوبند، مظفر نگر، سہارنپور، کاندھلہ جیسے پسماندہ قریٰ بھی چمک اٹھے۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے الصحیح المسند ہونے میں تو کلام ہی کیا کہ کتابت وجمع حدیث سے پہلے وضوء طہارت ونوافل کے بعد دربار نبوی ﷺ میں مراقبہ بھی کرتے، تراجم ابواب جیسی دقیق چیز کبھی روضۃ من ریاض الجنۃ اور کبھی حطیم میں بیٹھ کر لکھتے سبحان اللہ، ان خدام حدیث کی شان میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ سبّاقِ غایات بھی ہیں اور مظاہر آیات بھی، حدود فنّی میں بھی ماہر، حقائق واقدار میں بھی کامل، اربع مع اربع کاربع مع اربع مثل اربع فی اربع یعنی امام بخاری

کی چوکڑی پر کار بند ابحاث رجال عظمت وادب بھی رد اور قدح بھی ایک لاکھ رجال کی تاریخ مرتب بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں قدر دانی ارزانی فرمائیں آمین انتہیٰ کلامہ۔

ان کے بعد حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند نے ۳۴ طلبہ کو بخاری شریف شروع کرائی اور افتتاحی تقریر فرمائی، بہت ہی عمدہ خطاب تھا اور فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے پُر مغز تقریر سے سامعین کو محظوظ فرمایا اور اخیر میں حضرت حکیم صاحبؒ کی دعاء پر ہی جلسہ ختم ہوا تھا، اسی سال یہ ناکارہ مؤلف بھی دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اور آج بھی طالب علم ہی ہے، حضرت والد صاحبؒ کا والہانہ انداز اور استقبال ضیوف وغیرہ سب مناظر یاد آتے ہیں، مدرسہ میں دورۂ حدیث کے آغاز پر بہت سے مشائخ نے مبارک بادی کے خطوط لکھے تھے جن میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں، اسی دور کی کہی گئی ایک نظم پیش خدمت ہے جو آگے آرہی ہے۔

الغرض پہلے بڑی محنت ومشقت سے دارالحدیث بنوایا گیا جس میں بہت زیادہ محنت کی گئی تھی، حکومت سعودیہ کی طرف سے اس میں اچھا خاصا تعاون ہوا اور جن حضرات نے اس میں حصہ لیا حق تعالیٰ شانہ ان کو اپنی شایان شان بہترین بدلہ عطا فرمائے اور پھر یہ عظیم کام اس میں شروع ہوا بحمد اللہ جو اب تک جاری وساری ہے اور ایک بہت بڑی تعداد اس وقت سے اب تک عالم فاضل بن کر نکل چکی ہے اور دنیا بھر میں دین کی خدمت میں مصروف کار ہے یہ سب حضرتؒ کے عظیم کارناموں کی ایک جھلک ہے۔

دورۂ حدیث کے آغاز کے سلسلہ میں حضرتؒ نے اپنی مخصوص ڈائری میں خود اس طرح لکھا ہے: مدرسہ اشرف العلوم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ،

ارضِ قدوس ورشید پر ۹۲ رسال بعد درس حدیث بخاری شریف ۳ راگست ۱۹۸۴ء مطابق ۵ رذیقعدہ ۱۴۰۴ھ بعد نماز جمعہ دارالحدیث میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ دارالعلوم دیوبند نے شروع کرائی، حضرت الحاج مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب مدظلہ کی تقریر پر جلسہ ختم ہوا۔ ۲۷ رر جب ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۸ راپریل ۱۹۸۵ء پہلی بار بخاری شریف مدرسہ میں ختم ہوئی ۳۲ رطلبہ نے فراغت کی، عزیز خالد سیف اللہ نے بھی پہلی بار اسی مدرسہ سے فراغت پائی۔

(۲) نذرانۂ تہنیت

بموقعہ مسرت آغازِ درسِ بخاری شریف، در مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ہراک سمت چھایا ہے ابرِ بہاراں — ہوئی ہم پہ پھر رحمت ربِّ رحماں
مبارک ہو گنگوہ تجھ کو یہ عظمت — کہ ''اشرف علوم'' آج ہے خلد ساماں
بزرگانِ دیں عالمانِ شریعت — یہاں لائے تشریف کچھ فخرِ دوراں
کریں گے یہ آغاز درسِ بخاری — چمک جائے گا مرکز علم وعرفاں
وہ فخر زمن جس نے آدھی صدی تک — کیا عام علم حدیث اور قرآں
رشیدِ یگانہ ، وحیدِ زمانہ — امام الامم مقتدائے بزرگاں
مہ ونجم ، ذروں کو جس نے بنایا — علومِ نبوت کا وہ مہر تاباں
وہ تالاب پر اللہ کی صدائیں — فضا پھر اسی رنگ میں ہوگی غلطاں
یقیں ہے وہی دور آئے گا پھر سے — کہ ''جنسِ رشیدی'' یہاں ہوگی ارزاں
اسی جذبۂ خدمتِ دیں کے حامل — وہی ورثۂ علم وشوق فراواں
وہ قاری شریف احمد باصفا ہیں — ادارہ یہ ہے ذات پر جنکی نازاں
ملی عظمتِ رفتہ گنگوہ تجھکو — خدا کا کرم اور ان کا ہے احساں

اب اشرف علوم اور ابھرے گا یونہی — کہ روشن ہوئے ہیں ترقی کے امکاں
رہے پر بہار اور سرسبز یارب — یہ قدوسی و بوسعیدی گلستاں
بنے ازہرالہند یہ بھی جہاں میں — ہراک سمت پھیلے یونہی اس کا فیضاں
مبارک ہو واصفؔ یہ تکمیل علمی — دعا ہے کہ شہرت ہو اس کی فراواں

(۳) ترانۂ جامعہ اشرف العلوم رشیدی

قطب عالم حضرت قدوس کی اے سرزمین — بُوسعیدِ باصفاہیں گودمیں تیری مکیں
علمِ ربّانی کے وارث رہبر دُنیا و دیں — قبلہ مولانا رشید احمد کی بھی تو ہے امیں
ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھکو مبارک یہ شرف
نورِ عرفانی کیامحمود کوتونے عطا — حضرتِ شیخ حسین احمدکو بھی سب کچھ دیا
تجھ سے ہی اشرف علی کوبھی ہوئی حاصل ضیاء — علمِ ربانی خلیل احمدکو بھی تجھ سے ملا
ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھ کو مبارک یہ شرف
گود سے اُبھرے ہیں تیری آفتاب وماہتاب — پاس تھی جن کے متاعِ علم وعرفاں بے حساب
ایک عالَم ہورہاہے جن کے دم سے فیضیاب — اُن نفوسِ قُدسیہ کا غیرممکن ہے جواب
ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھکو مبارک یہ شرف
اُن بزرگوں کاہے تجھ پرفیض جاری آج بھی — تیراخطہ اورخطوں پر ہے بھاری آج بھی
ہے فضاانوار سے معمور تیری آج بھی — ہے اُسی صورت سے جھ پرفضلِ باری آج بھی
ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہرطرف — اے زمیں گنگوہ کی تجھکو مبارک یہ شرف
چشمۂ علم وہدایت ہے تیرا اشرف علوم — رات دن ڈھلتے ہیں جس میں علم کے ماہ نجوم
طالبانِ علم کا ہروقت رہتاہے ہجوم — ہے دعا آئے نہ اِس گلزار میں بادِ سموم

اے زمیں گنگوہ کی تجھکو مبارک یہ شرف ایک عالم میں ہے پھیلی تیری شہرت ہر طرف

اس موقعہ پر بہت سے اکابر اہل علم و عرفاں اور اصحاب دل نے جو مبارکبادی کے خطوط لکھے ہیں نمونے کے طور پر چند پیش خدمت ہیں:

اظہارِ مسرّت

از دارالعلوم دیوبند ۲۴ رشوال ۱۴۰۴ھ

مکرمی ومحترمی زادلطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوں گے دورۂ حدیث کے افتتاحی پروگرام میں شرکت کیلئے دعوت نامہ نظر نواز ہوا یادآوری کیلئے شکر گزار ہوں، ان تاریخوں میں دیوبند سے باہر ہونگا جسکی بنا پر شرکت سے معذور رہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کو فلاح وخیر سے نواز ے آمین، امسال دورہ حدیث شریف کی تعلیم کے شروع ہونے سے مسرت ہوئی دعوت صالحہ میں یاد فرمانے کی گزارش ہے والسلام۔

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

نشأۃ ثانیہ

دفتر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی) مورخہ ۳ رذی قعدہ ۱۴۰۴ھ

مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہارنپور کا شمار پہلے سے بھی ان اہم مدارس میں ہے جو اپنی عمدگی تعلیم کے لئے وقیع درجہ رکھتے ہیں، معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ اوائل ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ سے اس مدرسہ میں دورہ حدیث شریف کا افتتاح ہورہا ہے یہ گویا تعلیم حدیث کی اس تاریخی سرزمین میں نشأۃ ثانیہ ہے اس سے قبل حضرت اقدس مولانا

گنگوہی نور اللہ مرقدہ ایک مدت تک اپنی خانقاہ میں علم حدیث کی متبرک تدریس سے طبقہ اہل علم کو فیضیاب فرما چکے ہیں، میں بصمیم قلب دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تازہ فیضان کو تام اور عام فرمائے۔

(حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین المظاہری

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

از مرکز نظام الدین دہلی

مکرم ومحترم قاری شریف احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا دورۂ حدیث شریف کے افتتاح کی خبر لیکر، اللہ جل شانہ عافیت کے ساتھ پورا فرمائے اور حدیث پاک کی برکات سے مالا مال فرمائے، مدرسہ کی ضروریات خصوصاً کتابوں کی کمی کو اللہ جل شانہ اپنے فضل سے پورا فرمائے، بندہ دعا گو ہے اللہ جل شانہ ہر قسم کے مکارہ اور موانع سے حفاظت فرماوے، والسلام۔

(از حضرت مولانا) عبید اللہ صاحب بلیاوی دامت برکاتہم

بقلم محمد غزالی

۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ / ۷/ ۹/ ۱۹۸۴ء

مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

روانہ کردہ خط ملا بڑی ہی مسرت ہوئی کہ باری تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے آپ کے یہاں مدرسہ میں دورۂ حدیث پاک کا نظم فرما دیا جہاں سے پورے ہندوستان میں علم حدیث عام ہوا، اللہ تعالیٰ ہر طرح کا خیر پیدا فرمائیں برکت عطا کریں ترقیات ودوام عنایت فرمائیں، آپ کو معلوم ہے کہ میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم کے حکم ومشورہ کا پابند ہوں حضرت میری معذوریوں کی وجہ سے

شفقت فرما کر اکثر سفر کی اجازت نہیں دیتے، میں معذور بھی ہوں پھر بھی حضرت نے اگر اجازت دی تو حاضر ہونے کو اپنی سعادت سمجھ کر کوشش کرونگا، لیکن اس کے لئے آپ خود حاضر ہو کر حضرت سے اجازت دلوادیں یا کم از کم حضرت کو خط لکھ کر اسکے لئے عرض کریں تمام مدرسین وطلباء اور احباب کو سلام عرض کر دیں، فقط والسلام۔

بندہ عبید اللہ

۱۷ رشوال ۱۴۰۴ھ

احقر عبداللہ شکیل راقم بھی سلام عرض کرتا ہے آپ کو اور تمام مدرسین وطلباء کو اور دعا کی درخواست کرتا ہے خاص کر اپنے مدرسہ کے لئے کہ جلد مشکوۃ شریف پھر دورۂ حدیث تک کی تعلیم کا نظم استحکام کے ساتھ ہو جائے اور دعوت والا کام چلتا رہے، فقط۔

دل باغ باغ ہوگیا

حضرت الحاج غلام رسول کلکتہ

مکرم محترم الحاج قاری شریف احمد صاحب سلام مسنون الحمدللہ خیریت سے ہوں، طالب خیر ہوں، ۲۴ رشوال کا گرامی نامہ بعنوان مسرت نامہ ۲۸ رشوال کو ملا، دورۂ حدیث کے افتتاح کی اطلاع سے دل باغ باغ ہو گیا، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہشات آپ حضرات کے فکر اور مساعی کو اللہ نے قبول فرمالیا، ہم سب لوگ آپ کو آپ کے رفقاء کو اور تمام مدرسین حضرات کو اور تمام طلبا حضرات کو اور مدرسہ سے تعلقات رکھنے والوں کو اور دورۂ حدیث کے شرکاء کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں، باری تعالی قیامت تک اس ادارہ کو اپنے حفظ وامان

میں رکھیں، اس میں شک نہیں کہ آپ حضرات نے بہت بڑا بوجھ اپنے کندھے پر لیا ہے اس بوجھ کو باری تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے ہلکا فرمادیں گے، فقط والسلام۔

محتاج دعا غلام رسول

۱۴۰۴/۱۱/۵ھ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جان پرسوز

حضرت مولانا محمد ناظم ندوی مدظلہ العالی بانی و مدیر المعہد الاسلامی مانک مئو

عزت مآب عالی مرتبت گرامی قدر

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب عالی! رمضان سے قبل ہی معلوم ہوا تھا کہ اشرف العلوم میں دورۂ حدیث کا اجراء عمل میں آرہا ہے یہ سنکر فرحت ومسرت کے کنول کھل اٹھے تھے، دل میں یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اس مبارک موقعہ پر ضرور حاضر ہوکر سعادت حاصل کرونگا، مزید برآں آپ کی پرخلوص وشفقت دعوت نے اس داعیہ کو چندر چند کردیا، مدرسہ کے حالات اور اس مبارک تقریب کے تاثرات نے جو دیرپا نقوش چھوڑے ہیں وہ تا زندگی ختم نہیں ہوسکتے، جس قدر مسرت ہوئی زبان وقلم اس کے بیان سے قاصر ہے اس کا تعلق ان جذبات واحساسات سے ہے جن کی گہرائیوں کو نہ ناپا جاسکتا ہے نہ تولا جاسکتا ہے، اشرف العلوم کی ایک ایک اینٹ پر آپ کے خلوص کے اثرات ثبت ہیں، آپ کی جان سوزی بلند پروری اور فکری بلندی نے مدرسہ کے

وقار میں جو اضافہ کیا ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا، اقبال مرحوم نے میر کارواں کے جو تین وصف بیان کئے ہیں کہ ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جان پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

آپ کی شخصیت ان کی جامع ہے، مجھے آپ کی بلند شخصیت اور اپنی کہتری کا احساس ہے لکھتے ہوئے بھی شرم محسوس ہو رہی ہے، لیکن دلی جذبات اور قلبی احساسات امنڈ امنڈ کر آتے ہیں یہ چند نقوش انہیں کا عکس ہیں، واقعۃً آنجناب نے وقت کی نزاکت کا احساس فرما کر قوم وملت کی کفالت کا انتظام کیا اور سب کو محنت کش احسان بنادیا اور پھر ایسے موقعہ پر جبکہ حاسدین کے حسد نے آپ کی نیند اچاٹ کر رکھی ہے (جیسا کہ میرے ناقص علم میں ہے) اس جگہ اقبال کے اس شعر کی تعبیر بالکل سچ ثابت ہو رہی ہے ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

آپ کی خدمت بابرکت میں اس عظیم تقریب کی نسبت سے یہ الفاظ کا حقیر تحفہ ہے گرچہ آپ کی بلند حوصلگی جرأت وہمت اس سے بلند تر ہے تاہم عالی ظرفی سے توقع ہے کہ قبول فرمائیں گے، دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ مزید سے مزید تر ترقی سے ہمکنار فرماوے آمین، جملہ اساتذہ کرام کی خدمت میں سلام مسنون، خدا کرے آپ بخیر ہوں والسلام۔

محمد ناظم الندوی
خادم جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور
۹/۱۱/۱۴۰۴ھ ۸/اگست ۱۹۸۴ء

آپ نیابتِ نبویؐ کے درجۂ عالیہ پر ہیں

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب گنگوہیؒ

مخدومی زید لطفہ سلام مسنون نیاز مقرون

دورۂ حدیث کے افتتاح کے سعید و بابرکت موقعہ پر شرکت کیلئے آپ کا دعوت نامہ شرف صدور لایا، میری دلی مسرت اور قلبی کیف کا اندازہ تو آپ کا حساسی دل ہی کرسکتا ہے ورنہ زبانِ قلم کو یارائے بیان کہاں؟ ؎

"دل من داند و من دانم و داند دل من"

مدرسہ اشرف العلوم قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کی سچی اور پائیدار یادگار ہے، حضرت علیہ الرحمہ علم دین کی خدمت کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، چوں کہ یہ ادارہ بطحائی پیغمبر علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تعلیمات کو پھیلانے اور آپ کے لگائے ہوئے باغ دین کا ایک لہلہاتا ہوا چمن زار ہے، اسلئے یقیناً جناب والا کو خدا تعالی نے نیابت نبویؐ کے درجۂ عالیہ پر سرفراز فرما کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کیلئے آپ مستحق مبارک باد ہیں **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔

مجھے یہ بات کہنے میں ذرہ برابر بھی باک نہیں کہ مدرسہ اشرف العلوم کو مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ بنا دینے میں صرف ایک ہی ہستی کے اخلاص کا ہاتھ ہے اور وہ درنایاب ہستی جناب الحاج مولانا قاری شریف احمد صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ کی ہے، میں نے اس مدرسہ کی ابتداء بھی دیکھی ہے اور اس مدرسہ سے قاری

صاحب کا عشق بھی دیکھا ہے، انہوں نے اپنی جوانی بہترین شب وروز اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں اس طرح صرف کئے کہ بلا مبالغہ ان کے انہماک کو دیکھنے والا اس کو جنون ہی سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوتا تھا، ایک چھوٹا سا مکتب جو باہر والی مسجد میں چند کمروں پر مشتمل تھا اس نے آہستہ آہستہ ترقی کرکے عربی مدرسہ کی صورت اختیار کی، دارالطلباء، دارالاقامہ، مطبخ، کتب خانہ وغیرہ کا نظم ہوا، پھر یکجا قطعۂ آراضی کے حصول کے لئے قاری صاحب نے کیسی کیسی دل دوز مشکلات سے پنجہ آزمائی کی یہ ان کا دل جانتا ہے یا پھر اس کا تھوڑا بہت اندازہ دیکھنے والوں کو بھی ہوسکتا ہے، قصبہ سے باہر صاف ستھری جگہ، کھلی آب وہوا میں اس مرد قلندر نے خدا کا نام لیکر مدرسہ کی تعمیر کی بناء ڈالدی اور ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرکے اس کے چاروں طرف دارالاقامہ درسگاہیں اور پھر ایک عظیم الشان دارالحدیث تعمیر کرڈالا،، بلاشبہ قاری صاحب مدظلہ العالی کا خلوص اوران کی صحیح قلب سے کی ہوئی نیم شب کی دردمندانہ وعاجزانہ دعائیں بارگاہ الٰہی میں ایسی مقبول ہوئیں کہ ایک چھوٹا سا مکتب ایک عظیم المرتبت جامعہ کی صورت اختیار کرگیا جہاں شائقین علم دین وحدیث اپنے ذوق ایمانی کی تسکین کا روحانی سامان یکجا مہیا پارہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے فرائض بتمام وکمال ادا کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ ایں دعا ازمن واز جملہ جہاں آمین باد، فقط والسلام۔

خیر اندیش عتیق احمد خلیل مظاہری گنگوہی غفرلہ

صدر شعبۂ فارسی گورنمنٹ حمیدیہ کالج

سرور ہاؤس فتح گڑھ بھوپال

زعیمِ محترم جناب الحاج رشید مسعود احمد صاحب گنگوہی

رکن ایوانِ بالا انڈیا

محترم قاری صاحب السلام علیکم

آپ تشریف لائے ملاقات نہ ہوسکی اس کا افسوس ہو رہا ہے، میں ایک ضروری کام کے سلسلہ میں باہر گیا ہوا تھا رات ہی واپسی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی کہ مدرسہ اشرف العلوم کی درس و تدریس کی سرگرمیوں میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو رہا ہے اور دورۂ حدیث پاک کے درس کا افتتاح آپ مورخہ ۳/ اگست ۱۹۸۴ء کو کر رہے ہیں، میری دلی خواہش تھی کہ میں اس موقعہ پر خود حاضر ہوکر ثواب حاصل کرتا مگر یہاں پر بہت ہی زیادہ ضروری امور میں الجھے ہوئے اور کچھ خاص مسائل پر میٹنگ میں شرکت ضروری ہو جانے کے سبب حاضر نہ ہوسکوں گا، میری نیک خواہشات ہمیشہ دینی اور ملی مسائل میں آپ کے ساتھ ہیں اور خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کی دینی کاوشوں کو خوب خوب ترقی بخشے اور یہ مدرسہ حضرت شیخ کی روایات کا سرچشمہ جاری رکھے اور اہل علاقہ کو اس سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب فرمائے، اس وقت حاضر نہ ہوسکنے کے لئے امید ہے آپ خیال نہ فرمائینگے اور دعائے خیر میں یاد رکھیں گے۔ فقط والسلام۔ طالب دعاء آپ کا اپنا

رشید مسعود یکم اگست ۱۹۸۴ء

اساتذۂ جامعہ کو ہدایت کا طریقۂ کار

وقتاً فوقتاً آپ طلباء کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اساتذہ کو تقریراً و تحریراً

تنبیہات فرماتے رہتے تھے اور ان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس بار بار دلایا کرتے تھے، چونکہ مدرسہ میں تین چار بڑے نظام ہیں جن میں اساتذہ کی ایک بڑی تعداد مصروف کار ہے، ایک طبقہ عربی درجات سے منسلک ہے اور ایک طبقہ طلبہ کو قرآن کریم حفظ کرانے میں مصروف ہے، ایک طبقہ تجوید وقرأت کی خدمت میں مصروف کار ہے، ایک طبقہ عربی فارسی تا دورۂ حدیث وافتاء کی کتابوں میں مصروف ہے، اس لئے حضرتؒ کی ہدایات بھی کبھی کبھی مشترک طور پر سبھی کو ہوتی تھیں، اس کے لئے وقتاً فوقتاً ماہ بماہ حسب ضرورت دفتر جامعہ میں زوردار زوداثر تنبیہات فرماتے تھے اور گاہ گاہ ان کو لکھ کر بھی ان کے فرائض منصبی کو یاد دلاتے اور اس میں حسن وکمال اور عمدگی پیدا کرنے پر تحریض کرتے اور جہاں کمزوریاں اور خامیاں محسوس کرتے اس پر تقریراً وتحریراً متنبہ فرماتے، یہاں اس کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں تا کہ اس میں پڑھنے والوں کیلئے اور اس لائن سے منسلک حضرات کیلئے کچھ مفید اور کارآمد باتوں کے حاصل کرنے کا موقعہ ہو۔

ہدایات برائے مدرسین عربی درجات

تمام مدرسین کرام درجۂ عربیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ماہ صفر ختم ہو کر ربیع الاول شروع ہو چکا ہے بلکہ اس کا بھی ایک ہفتہ گذر چکا ہے، اسباق کی رفتار تیز ہونی چاہئے تا کہ سہولت سے پندرہ رجب تک اسباق ختم ہوسکیں، کیونکہ سالانہ امتحان آخر ہفتہ رجب میں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ، اور امتحان سہ ماہی دوم ربیع الثانی کے آخر ہفتہ میں ہوگا، اس درمیان میں فصل کا موقعہ آ گیا ہے غلہ کیلئے بھی دیہات میں

گشت کرنا ہوتا ہے جسکی وجہ سے تعلیم اور اسباق کا حرج ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس ماہ میں اس کا خیال رکھ کر تعلیم کو چلایا جائے اور اسباق کی رفتار و مقدار زیادہ کی جائے، اسباق کی تقاریر و مضامین بیان کرنے میں تطویل سے بچ کر طلبہ کے اذہان کی رعایت کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا جائے، روزانہ کی اسباق کی خواندگی میں جماعت کے ہر طالب علم سے سبق کی عبارت پڑھوائی جایا کرے کسی ایک طالب علم پر نہ چھوڑا جائے کہ ہر روز وہی پڑھتا رہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ سبق کی پوری مقدار تھوڑا تھوڑا کر کے سب ہی شرکاء جماعت سے عبارت پڑھوائی جائے، خصوصاً جماعت میزان، کافیہ، شرح جامی میں ایسا کرنا ضروری ہے، امید کہ خیال رکھا جائے گا فقط۔ احقر شریف احمد ناظم مدرسہ ہذا

۳/۷/۱۳۹۶ھ

دوسری تحریر

باسمہ تعالیٰ

تمام مدرسین کرام خصوصاً عربی درجات کے مدرسین کو مندرجہ ذیل امور پر سختی سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے (۱) ہر گھنٹہ میں حاضری کا اہتمام کریں (۲) سبق کا گھنٹہ ہونے کے بعد تاخیر سے آنے والے طلبہ کو اولاً ہدایت بعد کو تنبیہ کی جائے اور فوری طور پر ایک پرچہ لکھ کر اسی طالب علم کو میرے پاس بھیجا جائے (۳) چھوٹی کتابوں کے اسباق میں تمام ہی طلبہ سے عبارت پڑھوائی جائے (۴) سبق تیاری کر کے پڑھنے کی ہدایت کی جائے (۵) ہر استاذ طلبہ کے لباس اور اخلاق و عادات پر

کڑی نگاہ رکھے (۶) گاہے گاہے سبق کے درمیان اخلاق وعادات کی درستگی پر تقریر کی جائے (۷) سبق کی رفتار ابتداہی سے تیز رکھی جائے (۸) قرب وجوار کے طلبہ بار کی صبح کو پہلے گھنٹہ کی غیر حاضری نہ کریں (۹) کسی بھی طالب علم کی کوئی نازیبا حرکت سامنے آئے اولاً اسکو محبت والفت اور نرمی سے افہام وتفہیم کریں نہ ماننے پر تنبیہ اور سختی اختیار کریں (۱۰) سابقہ اعلان میں جن امور کی ہدایت کی گئی ہے اس کی پوچھ اور استفسار کریں۔

شریف احمد ناظم مدرسہ ہذا

تیسری تحریر

باسمہ تعالیٰ

بحمد اللہ تعالیٰ سال کا آغاز تعلیم کی شروعات اپنے اپنے درجات اور جماعتوں کی ہوچکی ہے، نماز میں حاضری کا نظام بعد مشورہ مقرر کیا جائے گا، فی الحال جملہ حضرات مدرسین کرام عصر کی نماز میں حاضر رہ کر بعد نماز جایا کریں، چھٹی کی گھنٹی بہت پہلے نہیں ہوتی دس منٹ بعد ہی نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور جملہ حضرات کتابوں والوں پر نظر رکھیں تاکہ یہ بھی جماعت میں حاضری کا اہتمام کریں، درجۂ حفظ کے اساتذہ اپنے بچوں کی نگرانی کر سکتے ہیں کتابوں والوں کی نہیں، اس لئے آپ سب حضرات خیال فرما کر بچوں کو نماز میں پابند کرنے کا اہتمام کریں والسلام۔

احقر شریف احمد مہتمم مدرسہ ہذا

۸/۱۱/۱۴۲۲ھ

چوتھی تحریر

باسمہ تعالیٰ

جن حضرات مدرسین کرام کے پاس میزان کی جماعت کافیہ وفارسی کی جماعت کے اسباق ہیں اسی طرح قرآن پاک اجراء کی جماعت وجملہ درجات حفظ یکم ذی الحجہ کو تمام حضرات اب تک کی کتب وقرآن پاک کی خواندگی کا خود ہی اپنے درجہ وکتب کا امتحان لیں، والسلام۔ احقر شریف احمد

۲۵؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۲۰۰۳ء

پانچویں تحریر ماہانہ امتحانات کیلئے

جملہ مدرسین حضرات ودیگر ملازمین مدرسہ ہذا کو مطلع کیا جاتا ہے کہ یومیہ دونوں وقت حاضری کا رجسٹر دار جدید دفتر کے قریب تخت پر رکھا رہے گا پورا گھنٹہ پہلا اور دوسرے گھنٹہ پندرہ منٹ بعد اُٹھایا جایا کرے گا، ضروری ہے کہ ہر مدرس حاضری کے دستخط یا دوسرے گھنٹہ کے پندرہ منٹ تک کسی قسم کی اطلاع نہ ہونے پر غیر حاضری بھی لکھی جاسکتی ہے اس لئے اس کا اہتمام اور پابندی ضروری ہے، والسلام۔

احقر شریف احمد ۹؍۴؍۱۴۱۴ھ

ہدایات برائے مدرسین حضرات درجات حفظ قرآن کریم

(۱) مدرسین حضرات اپنی اپنی درسگاہ کی اور آس پاس برآمدہ کی صفائی کا دھیان رکھیں بچوں سے خوب اچھی طرح صفائی کروائیں۔

(۲) ہر مدرس اپنے متعلق بچہ کے سبق کا مطالعہ کہلوائے۔

(۳) سبق سنتے وقت پکا سبق سنیں اور ادائیگی حروف مختصر قواعد مثلاً اخفاء، اظہار، ادغام، مدوغیرہ کو جاری کرائیں۔

(۴) سبقاً پارہ آدھا پارہ سے کم نہ سنیں، ہر بچہ کا پارہ ختم ہونے پر دفتر میں اطلاع کریں جب تک میں اس بچہ کا پارہ سن کر مطمئن نہ ہو جاؤں اس وقت تک آگے سبق شروع نہ کریں۔

(۵) ہر مدرس اپنے متعلق بچوں کی وضع قطع پر دھیان رکھے، داڑھی، لباس، سر کے بال شریعت کے مطابق ہوں اور اسی طرح ترغیب پر بھی خاص دھیان رکھیں، مثلاً نمازوں کے اہتمام کی ترغیب، کھانے پینے کے آداب اور دعائیں، سونے اور سوکر اٹھنے کے آداب ودعائیں، مدرسہ میں آکر اساتذہ کو اور گھر جا کر والدین وغیرہ کو، راستہ میں ہر مسلمان بھائی کو سلام کرنے کا اہتمام کریں۔

(۶) بچوں پر تنبیہ کریں مار پٹائی زیادہ نہ کریں اور نازک جگہ پر نہ ماریں، بچوں پر رعب زیادہ رکھیں۔

(۷) کوئی بھی طالب علم مدرسہ میں سائیکل نہ لائے دور دراز محلوں سے آنے والے طلبہ مجھ سے یا قاری عبید الرحمٰن صاحب سے مل لیں، فقط۔

احقر شریف احمد

چھٹی تحریر

باسمہ تعالیٰ

درجات مدرسین حضرات توجہ فرماویں!

اس سے قبل بہت دفعہ عرض کیا گیا اب یاددھانی کرائی جارہی ہے کہ

(۱) جملہ سبق پڑھنے والے طلبہ کو اس ہفتہ ایک تو نون پر میم پر تشدید ہو غنہ ہوگا دوسرے را کے پُر ہونے کا قاعدہ یاد ہونا لازم اور صرف سبق پڑھاتے وقت ان تین چار قاعدوں کی مشق ہونی لازم، اگلے ہفتہ ان شاء اللہ جمعرات کو تنوین کا قاعدہ بھی سبق سنا جائے گا، بہت سے بچے (ح، ق، ش) ادا کرنے پر قادر نہیں اس کا بھی پورا دھیان دیا جائے، والسلام۔　　　شریف احمد

ساتویں تحریر

تمام عملہ کو پابندی لازم ہے

باسمہ تعالیٰ

مدرسین حضرات مدرسہ ہذا کی خدمت میں چند باتیں اہم اور قابل گزارش ہیں: (۱) مدرسہ کا پورا عملہ مدرسہ کا ملازم کام کا پابند اور مدرسہ کے جملہ امور کی خوبصورت تصویر بنانے کا پابند اور جذبہ دار ہونا ضروری ہے، صرف وقت مقررہ پر اسباق اور گھنٹوں میں حاضری اور کام پورا کرنا کافی نہیں، اس فرضِ منصبی کے بعد بھی کچھ فرائض ہیں (۲) ابھی تک بھی بہت سے طلباء کے سر پر فیشن دار بال ہیں اسباق کے درمیان ان کی روک کر دیں (۳) جماعت کی پابندی کی ترغیب اسباق کی پابندی کی ترغیب (۴) باہر سڑکوں پر سائکلوں پر پھرتے ہوئے ٹوکیں، اسباق میں فلم کی قباحت پر تقریر کریں (۵) ہر جمعرات و جمعہ کی شب میں مدرسہ میں بالکل کوئی استاذ نہیں رہتے آپ جملہ مدرسین مقامی بیرونی ملکر نظام بنائیں کہ ایک ہفتہ سب کے سب نہ جائیں دو استاذ مقامی دو بیرونی شب میں قیام کریں، ترتیب بنالیں کہ سب

نہ جائیں کچھ اس ہفتہ کچھ دوسرے ہفتہ، جمعہ کی صبح کو ٹھہرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ،صرف شب کا مسئلہ ہے ،امید ہے کہ آپ سب ملکر مدرسہ میں قیام کی ترتیب قائم کرلیں گے ،آج شام کو یا کل کسی وقت بھی یہ کام کرلیں ،فقط۔

احقر شریف احمد خادم جامعہ ہذا

ہدایات برائے مدرسین کرام درجات پرائمری

باسمہ تعالیٰ

مدرسین حضرات درجات پرائمری سلام مسنون

تین مقامات پر ان درجات کی تعلیم ہو رہی ہے مگر شروع سے مختلف طور وطریقہ اور کئی بار کہا گیا کہ اوقات کی پابندی، وقت پر حاضری، تمام گھنٹوں میں اپنے اپنے درجہ میں بیٹھ کر کام کرنا ، باہمی اچھے تعلقات کا ماحول بنانا ، باہمی طنز واعتراض سے بچتے ہوئے تعلیم میں مشغول رہیں، مگر ابھی تک حسب منشا کامیابی نہیں ہوئی ،اب پھر آپ کے گوش گذار چند گذارشات ہیں ان پر عمل ضروری ہے (۱) کسی استاد کی کوئی کسی قسم کی کوتاہی سامنے آئے بہت خاموشی کے ساتھ خود ان کی خیر خواہی اور مدرسہ کے مفاد میں کسی وقت بھی مطلع کریں تا کہ نام بغیر ظاہر کیے ان کو افہام وتفہیم کی جاتی رہے (۲) ہر استاد مدرسہ کے اوقات میں کسی دوسرے استاد کے پاس جا کر اپنی جگہ چھوڑ کر نہ بیٹھے ،مدرسہ کا وقت مدرسہ کے بچوں کے کام کا ہے (۳) کوئی استاد بھی تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے کام جھاڑ پھونک وغیرہ اور تعویذ گنڈے نہ کریں (۴) مدرسہ کا کوئی استاد بچوں کی ضرورت کی کوئی چیز فروختگی کیلئے گھر یا مدرسہ میں نہ

رکھے نہ مدرسہ میں لائے، بچے اپنے طور پر دوکانات اور بازار سے لائیں

(۵) درجات کی تعلیمی نگرانی کیلئے مدرسہ کے اندر یا باہر سے کوئی بھی مقرر کیا جا سکتا ہے اور یہ کسی بھی استاد کی کسی بھی وقت مدرسہ جا کر دیکھ بھال کر سکتا ہے، والسلام۔

شریف احمد

طلبہ کو ہدایات کا طریقہ کار

تمام طلباء مدرسہ ہذا متوجہ ہوں! کہ جن جماعتوں کے اسباق شروع ہو گئے وہ پوری پابندی کے ساتھ بروقت اسباق میں حاضر رہیں، پورا سبق یاد کرنے، پارہ سنانے میں، بعد مغرب تعلیمی کام میں مصروف رہیں، کھانے سے فارغ ہو کر بعد نماز مغرب فوراً پڑھنے میں لگ جائیں، قریب قریب کے دیہاتی طلبہ سائیکل مدرسہ میں نہ لائیں، مقامی بچے بھی قریب والے سائیکل نہ لائیں۔

(۲) مدرسہ میں قیام کرنے والے طلبہ سڑک پر سائیکل چلاتے ہوئے دیکھے جائیں گے تو ان کی سائیکل ضبط ہو جائیگی اخراج بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) بڑے طلبہ کے ساتھ جو چھوٹے طلبہ ہیں ان سے کام نہ لیں۔

(۴) کمروں میں سگریٹ بیڑی پینا دوسروں کو تکلیف دینا ہے اور یہ عادت بھی طلبہ کیلئے اچھی نہیں ہے اس کا ترک کرنا لازم ہے اگر باز نہ آئے تو قابل سزا ہونگے۔

(۵) باہمی سلام کا رواج دینا خاص طور پر چلتے پھرتے استادوں کے سامنے آنے پر سلام کرنا لازم ہے۔

(۶) نماز با جماعت کی پابندی کریں، کمروں میں ایک دوسرے کا سامان

چوری نہ کریں بلکہ کسی کا سامان اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کریں۔

(۷) ایک دسرے کے ساتھ مار پیٹ کرنا سنگین جرم ہوگا، امید ہے کہ ان باتوں پر دھیان کریں گے والسلام۔ احقر شریف احمد مہتمم مدرسہ ہذا

۲۷ رشوال ۱۴۲۲ھ

دوسری تحریر

باسمہ تعالیٰ

مدرسہ ہذا کے تمام طلبہ توجہ اور غور سے پڑھ کر عمل کریں!

(۱) اب باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی ہے کوئی بھی طالب علم کسی بھی گھنٹہ تعلیم میں غیر حاضر نہ ہو۔

(۲) جمعرات کو چھٹی جانے والے طلبہ جمعہ کو مغرب سے قبل مدرسہ حاضر ہو جائیں۔

(۳) ضرورت کے وقت باہر جا کر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آجایا کریں۔

(۴) گیٹ کے پاس جمع ہونا اور گیٹ کے سامنے بازار میں پھرنا اور گھومنا بند کریں بس کام سے جائیں کام کر کے فوراً مدرسہ کے اندر آجائیں۔

(۵) نماز باجماعت کی پابندی کریں بعد عصر باہر جانے والے طلبہ اذان مغرب سے پہلے مسجد میں آجائیں، اسی طرح عشاء کے وقت کا معاملہ ہے، اسی طرح اذان عصر کے بعد کھانے پینے کی فکر کے بجائے نماز عصر میں حاضر ہونا چاہئے فقط، اور شعبۂ قرأت کے طلبہ کی نگرانی متعلقہ استاد صاحبان کریں، فقط۔

شریف احمد ۱/۲/۲۰۰۱

تیسری تحریر

باسمہ تعالیٰ

طلباء عزیز مدرسہ ہذا اسلام مسنون!

براہ کرم مندرجہ ذیل امور کالحاظ رکھیں۔

(۱) جس کمرہ میں قیام متعین ہو اس کو قبول کریں (۲) چھوٹے کمروں میں رہائش کی کوشش نہ کریں (۳) کمروں میں ۱۰۰ ر واٹ کا بلب استعمال نہ کریں (۴) بلب کے سوا کوئی چیز بجلی کی انگیٹھی، پریس وغیرہ استعمال نہ کریں (۵) بلا داخلہ چھوٹے بچوں کو کمروں میں نہ رکھیں (۶) داخل شدہ چھوٹے بچے یہاں آ کر ملاقات کریں، والسلام۔　　احقر شریف احمد

۲۴ ر ۱۰ ر ۱۴۲۱ھ

چوتھی تحریر

باسمہ تعالیٰ

تمام طلباء مدرسہ ہذا مندرجہ ذیل معروضات پر دھیان دیں!

(۱) امتحان سالانہ سر پر ہے اسباق میں پابندی دوپہر، رات کو بعد مغرب وعشاء پورا وقت کتب بینی مطالعہ میں مشغول رہیں، سڑکوں پر دوکانوں پر بلا ضرورت کھڑے ہوتے نہ پائے جائیں (۲) دودن کے اندر اندر پنکھے سب اتار دیں، دودن بعد جس کمرہ میں پنکھا لگا ہوا ملے گا فیس وصول کی جائے گی (۳) کوئی بھی طالب علم ۲۵ راکتوبر جمعرات سے پہلے کا ٹکٹ نہ بنوائے جمعرات کو بھی امتحان کا دن ہے (۴) ہر طالب علم درخواست پر اپنا نام جماعت، جدید،

قدیم، سکونت وغیرہ لکھ کرادیا کرے (۵) طلباء عزیز کے قیام کا مدرسہ میں بہت کم وقت رہ گیا ہے نہایت سکون، اخلاق حسنہ اور کام میں مشغولیت ،نماز با جماعت کی پابندی کا ثبوت دیکر وقت گذاریں حالات کی خرابی کے پیش نظر رجوع الی اللہ کی بہت ضرورت ہے، والسلام۔

احقر شریف احمد

۱۵/۷/۱۴۲۲ھ مطابق ۳/۱۰اکتوبر ۲۰۰۱ء

پانچویں تحریر

ماہانہ امتحانات کیلئے

باسمہ تعالیٰ

تمام درجات حفظ ، اجراء ابتدائی تین جماعت کے طلبہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پرسوں بدھ کو ماہانہ جانچ ہوگی صرف دو دن بدھ جمعرات، متعلقہ تمام اساتذہ حضرات اطلاع کر دیں، فقط۔

شریف احمد

۲۵/۱/۱۴۲۱ھ

ساتواں باب
اسفار

اسفار

آپ کے اسفار زیادہ تر مدرسہ ہی کے مفاد کیلئے ہوتے تھے جن میں دیوبند سہارنپور کے ساتھ زیادہ تر اپنے مشائخ اور اساتذہ کی ملاقات کیلئے اور ان سے استفادہ اور صلاح ومشورہ کے لئے ہوتے تھے اور ان اسفار کی بھی بہت کثرت تھی، اسی کے ساتھ ساتھ سہارنپور دہلی وغیرہ مدرسہ کی ضروریات کیلئے ہر قسم کے سفر کا سلسلہ رہتا تھا جس کا کوئی حساب وشمار نہیں ہے، ابتداء میں یہ اسفار بذریعہ بس ہوتے تھے، جب زیادہ مشقت ہوگئی مدرسہ کی ضروریات کے لئے بہت عرصہ پہلے ایک (امبیسڈر) کار خریدی گئی جو مدرسہ کے کام بھی آتی تھی اور عوام الناس کی ضروریات میں بھی جاتی تھی جس سے مدرسہ کی ایک طرح کی انکم اور آمدنی بھی ہوتی تھی، عموماً جب کہیں سفر کرتے تھے تو کوشش یہ کرتے تھے کہ اپنے ساتھ دوچار سواریوں کو بھی بٹھالیا جائے تاکہ مدرسہ کے مصارف میں تعاون مل جائے، اس لئے ڈرائیور کو ہدایت تھی کہ وہ سواریوں کو تلاش کرتا رہے، چنانچہ وہ ایسا کرتے تھے اور وہاں جاکر پھر رکشہ وغیرہ استعمال کرتے تھے اور رکشہ والوں میں بھی ان کو تلاش کرتے تھے جو کم سے کم کرایہ لے، بعض دفعہ اسی کفایت شعاری کے چکر میں کافی کافی دیر بھی لگ جاتی تھی اور ان کو تکلیف بھی ہوتی تھی، اسی کفایت شعاری کے چکر میں ان کو وہ تکلیف ہوئی جو آخر کار ان کی وفات پر جاپہونچی، ادھر مدرسہ کے سلسلہ میں دہلی اور سہارنپور کے ہزاروں چکر انہوں نے لگائے ہونگے اور حد درجہ مدرسہ کی کفایت پر انکی نظر رہتی تھی، اللہ پاک بیحد درجات بلند فرمائے، آمین۔

اس مضمون کو لکھتے وقت ان کے ساتھ گذرے ہوئے اوقات اور گلیوں میں گھومنا پھرنا اور ایک ایک چیز کیلئے مر مار ہونا یاد آ رہا ہے، اسی طرح رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے ان کا کلکتہ کا سفر مستقل ہوتا تھا جو تقریباً تیں پینتیس سال تک جاری رہا، بندہ اس سفر میں بھی ان کے ساتھ بہت دفعہ رہا اور بسا اوقات جناب قاری عبید الرحمٰن صاحب وغیرہ ساتھ رہے، سخت چل چلاتی دھوپ میں مدرسہ کیلئے کئی کئی سو سفراء کے درمیان لائن میں لگنا اور کبھی فش مارکیٹ میں گندے پانی میں گھسنا اور کبھی سبزی مارکیٹ میں جانا اور نہایت تھک تھکا کر شام کو کولوٹولہ کی مسجد میں آنا، جہاں پر لیٹا کرتے اور افطار کرتے تھے، بعض مرتبہ عصر کے بعد ایسا لگتا تھا کہ افطار اللہ کے یہاں ہی ہوگا، پھر اسی محلّہ میں ایک جگہ عشا پڑھنا اور بھائی عبدالستار کے یہاں کھانا کھانا اور وہاں سے پھر بھائی عبدالستار چمڑے والے کے یہاں پھر وہاں سے آرام کرنے کیلئے الحاج غلام رسول صاحب کے مکان پر جانا جہاں مستقل طور پر قیام رہتا تھا وہاں پہنچتے تھے اور آرام کرتے تھے، اللہ پاک ان سب معاونین کو اپنی شایان شان بہترین بدلے عطا فرمائے۔

الغرض کلکتہ کے اسفار اور وہاں جانے آنے کے درمیان رمضان کی حالت میں سخت تکالیف سے گذرنا ایک بہت بڑا مجاہدہ تھا اور آج بھی ہے، دوسرے اسی طرح کے ممبئی، کانپور اور دیگر مقامات کے اسفار ہیں پھر وہاں پہنچے اور مدرسہ کے طلباء اور علماء کیلئے مالیات کی فراہمی کرتے تھے، پھر ایک زمانہ کے مجاہدہ کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے آسانی کا دور پیدا فرمایا۔

برطانیہ کے اسفار

برطانیہ کے اسفار ہوئے اور پھر مدرسہ میں تعمیرات کی ترقی کا دور آیا جو ان کی تمنائیں تھیں وہ سب اللہ پاک نے ان کے سامنے پوری فرمادیں، برطانیہ کے مخلص احباب نے اپنی بیحد وحساب اخلاقی صفات مہمانوں کی خدمت اور تعاون فرمایا اور فرمارہے ہیں، اس طرح سے ادارہ میں تعمیری تعلیمی ترقیات کا سلسلہ جاری ہے، اللہ پاک انکو بہت زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے، اگر اس سلسلہ کی داستان لکھی جائے تو ایک طویل کام ہوجائے گا اور تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح کی ناشکری ہوگی اس سے بچتے ہوئے تھوڑا سا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔

برطانیہ کے احباب میں جناب حاجی محمد اسماعیل صاحبؒ عزیزم مولوی عرفان سلمہ کے دادا بھائی سلیم کے والد مرحوم جو جلدی سے کسی عالم سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور طبیعت میں ایک طرح کا تنفر و بُعد رکھتے تھے، مگر حضرت والد صاحبؒ کے اخلاق کریمانہ اور ان کی اصلاحی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے اور علماء پر طعن وتشنیع کرنا چھوڑ دیا اور سب سے ملاقات کرنے لگے، حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ سے بھی ان کا خاص تعلق تھا والد صاحبؒ سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، جب ہندوستان آتے تو گنگوہ میں گھر پر اور دہلی میں بہن رشدیٰ سلمہا اور بھائی حاجی مقصود صاحب کے یہاں قیام کرتے تھے اور گھر والوں کے حسن سلوک سے بہت ہی زیادہ متاثر ہوتے تھے، جب حضرت والد صاحبؒ برطانیہ کے سفر میں ان کے شہر میں ہوتے تو انہیں کے گھر پر قیام رہتا، مرحوم اور ان کے تمام اہل خانہ بہت زیادہ محبت وعقیدت

کے ساتھ خدمت کرتے اور کر رہے ہیں، حق تعالیٰ شانہ اس گھرانہ کو بہت ہی زیادہ جزائے خیر اور ہر طرح کی خیر و برکت سے نسلاً بعد نسلٍ مالا مال فرمائے، اس خاندان کی مدرسہ کے ساتھ بہت بڑی ہمدردیاں وابستہ رہی ہیں۔

اسی طرح جناب الحاج عبدالحق پانڈور ہیں جو وہاں کے ایک مشہور شہر براڈفورڈ میں مقیم ہیں ان کے گھر پر قیام رہتا تھا اور حضرت مولانا موسیٰ پانڈور رحمۃ اللہ علیہ صدر علمائے برطانیہ بہت زیادہ محبت اور تعاون فرماتے تھے، حضرت مولانا اپنے انتقال سے کئی سال پہلے تشریف لائے تھے باوجود اس کے کہ بھاری بھرکم انسان تھے چلنا پھرنا بہت مشکل تھا مگر ہمت کر کے یہاں پہنچے اور حضرت والد صاحبؒ سے ملاقات فرمائی، دونوں کی ملاقات کا منظر بھی عجیب وغریب تھا، پہلے تو دونوں روئے اللہ جانے کس احساس وغم میں اور پھر ہنس ہنس کر کئی دن تک گفتگو کرتے رہے اور کئی روز یہاں مقیم رہے، بیان بھی فرمایا طلبہ کے درمیان خطاب بھی ہوا، حضرت مولانا کا خطاب بھی عجیب پرسوز خطاب تھا اس بیان کا طلبہ اور علماء پر بڑا عجیب اثر ہوا تھا، پھر حضرت مرحوم اپنے گھر واپس ہو گئے اور غالباً کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت والد صاحبؒ اللہ کو پیارے ہو گئے پھر حضرت مولانا بھی دوبارہ نہ آسکے اور برطانیہ چلے گئے اور وہیں قیام کے دوران وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے، حضرت موصوف حضرت علامہ شبیر عثمانی کے قیام ڈابھیل کے دوران کے شاگردوں میں سے ہیں اور بہت ہی نیک صالح مدارس کے بہترین معاون اور نہایت ہی سلجھے ہوئے انسان تھے، اللہ پاک ان کو اور ان کے اہل خاندان کو بہت زیادہ جزائے خیر عطا فرمائے اور ظاہری

باطنی برکات سے مالا مال فرمائے۔اس طرح سے اور بہت سے حضرات ہیں جن کا ذکر خیر احباب کے ضمن میں آرہا ہے۔

مدرسہ کی خاطر زمانۂ دراز تک آپ نے گھر پر عید نہیں کی

چنانچہ اپنے خط میں اس طرح لکھتے ہیں: آج ہفتہ ۲۸ر رمضان ہے، میں آج لندن میں ہوں مگر عید کیلئے براڈ فورڈ جانا ہے پھر ہفتہ عشرہ کے بعد یہاں آنا ہوگا، خدا کرے تم سب کی عید بہت بہت خیریت اور خوشیوں کے ساتھ ہو، میں تو اپنی دیوانگی میں بہت مرتبہ تمہارے ساتھ شامل نہ رہا اور غریب الوطنی میں عید منائی مگر الحمد للہ تعالیٰ غریب الوطنی میں بھی اجنبی اور مایوسانہ انداز میں نہیں بلکہ بہت ہی اپنائیت کے ساتھ رہا، یہ سب اللہ کے دین کی خدمت اور اس تڑپ کا نتیجہ ہے جو حق تعالیٰ نے میرے سینہ میں بھر دی تھی۔

راقم السطور چونکہ ان کے تعاون کے لئے ان کے ساتھ ہوتا تھا اس لئے ان کے احوال اور کیفیات جو مدرسہ کیلئے ان کی لگن اور تڑپ اور بے حد وحساب مشقت اٹھانے کے نظارے برابر سامنے رہتے تھے ایک طرف بار بار یہ خیال بھی آتا تھا کہ اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں ڈالنے سے کیا حاصل ہے اور دوسری طرف ان کے حال پر ایک قسم کا رحم اور ترس دل میں پیدا ہوتا تھا، چونکہ یہ ان کے ضعف کا زمانہ تھا اور علالت کا سلسلہ الگ ان کے ساتھ قائم تھا، چونکہ برطانیہ میں سخت سردی کا موسم ہوتا ہے اور برف باری ہوتی ہے، جن ایام میں بندہ نے ان کے ساتھ سفر میں جانا شروع کیا وہ سخت سردی

کے ایام تھے، ایسی سردی زندگی میں کبھی نہ دیکھی تھی، گھروں اور مسجدوں میں تو انتظامات اعلیٰ پیمانہ کے ہوتے تھے اس کے باوجود سردی برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا اور باہر نکلنے کے بعد سڑکوں، تمام درختوں، تمام کاروں، ہر چیز پر برف ہی برف پھیلا ہوا نظر آتا تھا، پھر وہاں سڑکوں کا نشیب وفراز اترنا چڑھنا اور سخت قسم کی ٹھنڈی ہوائیں جو ناقابل برداشت تھیں ایسے عالم میں جب باہر نکلنا پڑتا اگرچہ فاصلہ قلیل ہی ہوتا اور کبھی گاڑی سے اتر کر دور بھی جانا پڑتا ایک مصیبت کا سامنا ہوتا تھا، پھر چندہ کیلئے مسجد کے دروازہ کے بالکل سامنے جہاں اکثر وبیشتر آنے جانے کی وجہ سے لوگوں کو دروازہ کھولنا پڑتا ہے رومال بچھا کر بیٹھنا ایک عجیب وغریب مجاہدہ اور وہاں پھر سرد ہوائیں کھانا اس پر ایک اور مجاہدہ اور گھنٹوں تک وہاں بیٹھے رہنا اس میں قلبی مجاہدہ بھی تھا بہت کسر نفسی پیدا ہونے کا ذریعہ بھی، لوگ آرہے ہیں جارہے ہیں اور بیٹھنے والے وہاں بیٹھے ہیں اور پھر بدن کا مجاہدہ الگ، اس طرح کے سینکڑوں مناظر گزرتے، پھر گھروں میں ایک ایک پاؤنڈ کیلئے گشت کرنا کیونکہ اکثر لوگ اسی طرح دیا کرتے ہیں اور عموماً بے چاری مستورات دروازے سے ہی دیدیا کرتی ہیں اس ٹھنڈک کے زمانہ میں اس طرح کر کے رقومات جمع کرنا اور پھر حضرتؒ کا مزاج کہ وہاں بارش بھی ہورہی، ہوا چل رہی، برف پڑرہی، پھر ایک ایک آدمی کے پاس بار بار چکر لگانا، ظاہر ہے اس شخص کو جس کو اتنا مجاہدہ کرنے کا نہ شوق اور نہ عادت ومزاج کس قدر عجیب بلکہ ناگوار خاطر گزرتا ہوگا، مگر واہ رے ان کی کمال ہمت اور جذبہ اور اپنی آخرت کیلئے

ذخیرہ بنانے کا خیال اور طلبہ و مدرسین کیلئے یہ سب محنت ان کا مستقل عمل رہا اور پھر زندگی کی آخری عمر میں جب کہ وہ قلب کے مریض ہوگئے اور سفر نہ کرسکتے تھے ایسی حالت میں اپنے دو جگر گوشوں کو محض مدرسہ کے کام کیلئے اتنے طویل سفر پر نکال دینا جس میں کوئی یقین نہ ہو کہ کب اس کو موت آجائے گی اور اسکے بیٹے اس سے الگ ہونگے، پھر مزید دنیا میں رونما ہونے والے وہ خطرناک ترین دور جو مسلمانوں پر امریکہ میں گیارہ ستمبر کے حملوں سے جس میں وہاں کی ایک بہت بڑی عمارت جو شیطانی حرکات کا اڈہ تھی شیطان کے دو سینگ تھے، جہاں بیٹھ کر یہودی اور خبیث عیسائی اسلام کے خلاف پروگرام بناتے تھے ختم ہوگئی جو خود انہیں کا اپنا منصوبہ تھا، جیسا کہ بعد میں دنیا نے اس کا اعتراف کیا اور اس کا الزام افغانستان پر رکھا گیا وہاں کی ایمانی طاقت کو ظالمانہ طریقہ سے تباہ کیا گیا، اس کے بعد سے ہر مسلمان پر خاص طور پر اہل مدارس اسلامی لباس میں ملبوس علماء اور عوام سخت نشانہ پر آئے، جگہ جگہ ان کے خلاف معرکے اور ان کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور ذلت بھری نظریں ہر جگہ ان پر پڑتی تھیں، ایسے حالات میں دیارِ غیر میں ایئرپوٹوں سے گذرنا اور سخت نگرانی کے زیر سایہ جیسا کہ ایک جیل خانہ سے دوسرے جیل خانہ میں لیجایا جارہا ہو کا منظر اور اطمینان وسکون کا نام ونشان نہ ہو اور معلوم نہ ہو کہ کب کہاں کس مسافر کو جیل خانہ میں اور دہشت گردی کے کس الزام میں گرفتار کرکے کس انداز کی سزا بھگتنے کے لئے ڈالدیا جائے گا، مسافر تو مسافر برطانیہ میں مقیم لوگوں کو بھی اطمینان نہیں تھا،

ایسے ہی دوسرے ملکوں کا حال بھی تھا امریکی شیاطین کا فتنہ برّ و بحر، عرب وعجم، ہندوستان اور یوروپ سے چل کر تمام دنیا پر محیط ہو چکا تھا اور پوری دنیا مسلمانوں کیلئے حتیٰ کہ مسلمانوں کے خود اپنے ممالک اس فتنہ کی شدید لپیٹ میں تھے اور وہاں بھی ان پر کارروائیاں کی جارہی تھیں اور ایسے عالم میں کسی مدرسہ کے منتظم کا اپنے دو بیٹوں کو گھر سے باہر نکالنا محض مدرسہ کے کام کے لئے یہ کتنا بڑا مجاہدہ اور عمل ہوسکتا ہے، اور خود ان کا نکلنا بھی ایسے حالات میں جبکہ اپنی جان کے لالے پڑ رہے ہوں اور ان کے باپ کے اوپر بیماری کے ایسے حملے ہورہے ہوں یہ کس کے لئے ہوسکتا ہے، اور پھر جن کے لئے یہ سب مجاہدات کئے جارہے ہوں ان کے دلوں میں نہ کوئی قدر رہوا اور نہ الفت ومحبت بلکہ بعض ان میں سے بغاوت کے پلان بنارہے ہوں یہ کس قدر افسوس ناک چیز ہوگی، راقم السطور کے ان کے ساتھ سفر میں رہنے کی وجہ سے ان کو بہت بڑا فائدہ ہوا اور وقت بھی کم لگا اور تعارف بھی زیادہ ہوا، پھر ان کے ساتھ برادر محترم جناب قاری عبید الرحمٰن صاحب بھی جانے لگے پھر ان کو اور مزید سہولیات ہوگئی تھیں، اس طرح الحمد للہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ان کے سفر وحضر میں ان کے کام میں ان کے مقصد میں ہر وقت ہر دم رفیق اور معاون بننے کی سعادت حاصل ہوئی اور کلکتہ کی سخت گرمیوں سے لے کر برطانیہ کی سخت سردیوں کے مجاہدات تک سب کچھ دیکھنے اور جھیلنے کا موقعہ حاصل ہوا، اس کا اجر وثواب اللہ ہی کے یہاں ہے، اللہ پاک قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔

دوسرے آپ کے سفر برائے حج وعمرہ ہیں اللہ پاک کی توفیق سے آپ نے تین حج اور کئی عمرے کئے ہیں آپ نے ایک حج اس وقت کیا جب بہت ہی غربت کا عالم تھا اور لوگ پانی کے جہازوں سے جایا کرتے تھے، یہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء کی بات ہے اس کی داستان آپ نے خود اس طرح بیان کی ہے۔

حج بیت اللہ اور رفقائے حج

۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء بندہ نے حج کا ارادہ کیا میں گھر سے سامان لیکر چلدیا مجھ کو پانی کے جہاز سے جانا تھا میں ممبئی پہونچا وہاں حکیم مسعود اجمیری مقیم تھے، انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ جب آپ ممبئی آئیں اور قیام کا ارادہ ہو تو میرے مکان پر قیام کریں، حضرت مولانا انعام کریم صاحب دیوبندی بھی ٹھہرے ہوئے تھے، مولانا انعام صاحب دراصل دیوبند کے رہنے والے تھے مگر یہ ہجرت کر گئے تھے اور ان کو مدینہ میں مدرسہ علوم شرعیہ میں تدریس کیلئے جگہ مل گئی تھی یہ مدینہ منورہ ہی میں رہتے تھے، یہاں کے یعنی ہندوستان کے کافی حجاج مدینہ میں ان کے یہاں ٹھہرتے تھے، مولانا ہندوستان آئے ہوئے تھے مختلف مقامات پر مولانا تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے حضرت کو ہدایا دئے تو یہ کافی سامان ہوگیا تھا، مولانا کو ہوائی جہاز سے جانا تھا اور مجھ کو پانی کے جہاز سے، چونکہ ہوائی جہاز سے اتنا سامان لے جانے میں بہت خرچ ہوتا اور ہوائی جہاز سے وہ لے جا سکتے تھے، تو مولانا انعام صاحب حکیم صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے جب کھانا کھانے بیٹھے تو مولانا پریشانی کا اظہار فرمانے لگے کہ اتنا سامان ہے کیسے جائے گا؟ جب زیادہ مجبور

ہو گئے اور کوئی ان کی پریشانی میں ہاتھ بٹانے والا نہیں تھا اور بدھ کے دن کی تاریخ سفر قریب آتی جارہی تھی ویسے تو مولانا دل سے یہ چاہتے تھے کہ یہ اپنے ذمہ لے لیں مگر اپنا بوجھ دوسرے پر اور دوسرے کا اپنے اوپر لادنا نہیں چاہتے تھے، اب جب وہ پریشانی کا اظہار کررہے تھے تو میں نے کہا مولانا صاحب! پریشان نہ ہوں، میرے پاس تین صندوق ہیں اپنا سامان دو صندوق میں کرلیتا ہوں اب ایک خالی کرکے اس میں آپ کا سامان رکھ لیتا ہوں اور میں فلاں معلم کے یہاں مکہ میں ٹھہرونگا آپ وہاں سے اپنا سامان لے لیں، چنانچہ ایک مولانا فرمانے لگے قاری صاحب! اگر ایسا ہوجائے تو بہت اچھا ہوگا، چنانچہ میں نے ان کے سامان پر ان کا نام لکھ دیا، جتنے بھی ان کے عدد تھے ان پر مولانا کریم لکھا ہوا تھا میرے عدد پر میرا نام لکھا ہوا تھا جو لوگ میرے جاننے والے میرے پاس اتنا سامان دیکھتے تو وہ کہتے کہ آپ وہاں مستقل رہائش کیلئے نہیں جارہے ہیں تو پھر اتنا سامان کیوں لاد رکھا ہے؟ میں نے ان کو بتلایا کہ یہ سامان مولانا انعام کریم صاحب کا ہے اور یہ میرا ہے، بہرحال وہ معلم کے یہاں پہنچ گئے، میں نے کہا مولانا آپ سامان لے لیں تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاؤں، میرے سر سے بوجھ ڈھل جائے، چنانچہ جب مولانا اپنا سامان لیکر چلنے لگے تو فرمایا قاری صاحب جب آپ مدینہ تشریف لائیں تو کمرہ لینے کی ضرورت نہیں میرے پاس جگہ بہت ہے اس لئے آپ میرے یہاں ٹھہرینگے، چنانچہ میں مکہ میں آٹھ یوم گزار کر بطور ورقۃ التنازل کے یعنی اپنے طور پر جدہ آیا وہاں سے ٹیکسی کرکے اکیلا مدینۃ الرسول ﷺ پہونچا جو

پتہ مولانا انعام کریم صاحب نے بتایا تھا میں اس پتہ پر پہونچا تو مولانا نے بہت اچھے طریقہ سے مجھ کولٹایا آرام وغیرہ کرایا ایک کمرہ میں جگہ دی یہ مدرسہ علوم شرعیہ کی عمارت تھی، بہت بڑا احاطہ تھا اس میں بہت سارے کمرے تھے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ بھی اس مکان میں کئی روز رہے، ناشتہ وغیرہ ہمارے پاس کیا مدینہ پہنچے تو میں نے ان کو بھی اپنے کمرہ میں جگہ دے دی، مولانا انعام کریم صاحب میرے لئے چائے وغیرہ بناتے تو مجھ کو شرم آتی کہ مولانا معمر شخص ہیں اس لئے میں نے مولانا سے عرض کیا حضرت میں چائے بنانی اچھی جانتا ہوں پہلے تو مولانا نے انکار کیا مگر پھر میرے اصرار کو قبول فرمالیا، میں چائے کمرے میں بنالیتا اور باہر ایک عربی روٹی بیچتا تھا اس سے روٹی لیکر کمرے پر لاتا اور میں نے گھر سے اصلی گھی لے جارکھا تھا میں نے موقعہ غنیمت سمجھا کہ اس سے اچھا موقعہ کیا ہوسکتا ہے علماء کی خدمت کروں، چنانچہ میں روٹیوں کو گھی لگاتا تو ان کی لذت میں مزید دوبالگی پیدا ہو جاتی۔

عرب لوگ توحید میں بڑے کامل ہوتے ہیں

۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں جب میں مکہ کیلئے حج کے ارادہ سے جہاز میں سوار ہوا تو مظفری جہاز تھا جو یمن پہونچا وہاں سے تیل وغیرہ لینے کیلئے ٹھہرا، کچھ دیر کے بعد یمن کے لوگ کشتی لیکر سامان ان میں رکھ کر بیچنے آگئے، جہاز والے لوگ ان سے سامان خرید رہے تھے ایک چھینکا بنا رکھا تھا جس میں رسی باندھ رکھی تھی وہ پہلے ہی اوپر پھینک رکھی تھی جس کو جس سامان کی ضرورت ہوتی وہ کہدیتا کشتی والا چھینکے میں سامان رکھدیتا جہاز والا اس کو کھینچ کر سامان لیکر پیسے اس میں ڈال دیتا، ایک کشتی والا

میرے سامنے تھا اس سے کسی نے کوئی سامان نہیں خریدا تھا وہ خالی ہاتھ یونہی کھڑا تھا، سب سامان بیچ کر واپس ہوئے یہ بیچارہ اپنا سامان لیکر واپس ہوا، رات بھر ہمارا جہاز ٹھہرا رہا صبح کو پھر وہ کشتی والے اپنی کشتیوں میں سامان رکھ کر بیچنے آگئے وہ شخص پھر میرے سامنے ہی رات والی جگہ کھڑا ہو گیا چونکہ اس جگہ کھڑے ہو کر اس کی رات بکری نہیں ہوئی تھی میں نے اس کو کہا کہ رات تمہاری بکری نہ ہوئی کم از کم اب دوسری جگہ کھڑے ہو جائیں اس نے فوراً **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** پڑھا اور کہا کہ **اللہ ھنا وھنا کل سواء** یعنی اللہ سب جگہ ہے یہاں بھی اللہ ہے وہاں بھی اللہ ہے اس کے لئے سب جگہیں برابر ہیں، پھر اس کی بکری شروع ہوئی میں لوگوں کو سامان خریدنے کیلئے کہتا جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی تو اس کو کہتا فلاں چیز دیدو اور اس سے لیکر لوگوں کو دیتا جب سارا سامان ختم ہو گیا اور اس نے کہا خلاص یعنی سب سامان بک گیا تو اس نے مجھ کو کہا کہ دیکھا تم نے! اللہ نے سب سامان اسی جگہ بکوا دیا، اس کے بعد اس نے مجھ کو کہا کہ آپ کو کیا دوں؟ چونکہ میں نے اس کے سامان کی بکری کرائی تھی اس لئے وہ خوشی میں کہہ رہا تھا کہ آپ کو کیا دوں اس نے کہا کہ صرف ایک سگریٹ بچی ہے میں نے سوچا چلو کسی کے کام آ جائیگی اس نے دی تو میں نے لے لی۔

اس سفر میں ایک دل چسپ لطیفہ یہ ہوا کہ جب ہم ۱۳۸۰ھ میں مکہ سے مدینہ جانے لگے تو ہم چند لوگوں نے ہاف بس یعنی چھوٹی بس جدہ سے مدینہ تک کرایہ پر لی اور سترہ ریال فی نفر حصہ میں آیا، مدینہ کے راستے میں ایک جگہ آئی رابغ یا

مستورہ وہاں ہوٹل تھا لوگ چائے وغیرہ کیلئے وہاں اترتے تھے ہماری گاڑی والے بھی وہاں اترے، ہوٹل میں ایک چارپائی پڑی تھی جس میں پائے اور تین چار موٹی موٹی رسیاں پڑی تھیں اور کچھ بان مستقل بنی ہوئی نہ تھی، میں اس پر ایسے ہی بیٹھ گیا مجھکو اونگھ سی آئی ہوٹل والا مجھکو دیکھ رہا تھا جب مجھ کو اونگھ سی آئی تو وہ فوراً بھاگا ہوا آیا اور مجھ کو کہنے لگا یا حاج هگ السریر (یعنی حق السریر) چارپائی کا کرایہ دو، خیر میں نے اس کو کچھ دیدیا تو وہاں سے چلتا بنا۔

قیام مدینہ پاک کے دوران رسول پاک ﷺ کی زیارت

جب کچھ روز گزر گئے تو مولانا انعام کریم صاحب نے فرمایا کہ قاری صاحب آپ کو شاید پہلے جہاز سے واپس ہونا پڑے، اس لئے آپ مکہ جانے کی تیاری کریں، چنانچہ میں نے تیاری کرلی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا جس طرح دار قدیم کی مسجد ہے اس کے سامنے برآمدہ کی شکل کا ایک بڑا مکان ہے جس میں کچھ کمرے بغیر چھت کے ہیں میں صحن میں بیٹھا وضو کررہا ہوں سامنے بالاخانہ سا ہے اس میں ایک سفید پوش بزرگ گزرے میں نے فوراً کہا سرور عالم ﷺ آپ فرمارہے تھے کہ بس اتنی جلدی چلدئے؟ میں نے یہ خواب مولانا انعام کریم صاحب سے بیان کیا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی طرف سے یہ اشارہ ہے کہ وہاں ابھی اور ٹھہریں، چنانچہ میں پڑ گیا تقریباً اٹھائیس روز قیام رہا اور انتیس یا تیس ذی القعدہ کو مدینہ سے مکہ آیا اور حکیم یامین صاحب حرم شریف کے کمرے میں جو مدرسہ صولتیہ کا دفتر تھا رہتے تھے، میں بھی باہر سے روٹی لاکر ساتھ بیٹھ کر کھالیا کرتا تھا، اس کمرہ میں

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کا قیام بھی تھا کبھی کبھی مدرسہ صولتیہ میں جانا ہوتا تھا اس وقت مدرسہ صولتیہ کے ناظم مولانا سلیم صاحب تھے جو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے لڑکے تھے میری ان سے واقفیت نہ تھی، اس کے بعد مولانا سلیم صاحب حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ مدرسہ اشرف العلوم بھی تشریف لائے، میری واپسی مظفری جہاز سے ہوئی جو سات یوم میں جدّہ سے ممبئی پہنچ جایا کرتا تھا، مکہ سے جدہ آیا مولانا خالد سیف اللہ (حضرت گنگوہیؒ کے پرنواسے گنگوہ کے ایک بڑے عالم جو جدّہ میں مقیم تھے فاضل دیوبند تھے) کے گھر جانا ہوا وہاں مولانا سے بیٹھا باتیں کرر ہا تھا کہ ایک تھانہ کا افسر آیا اور اس نے دستک دی تو مولانا نے اندر بلا لیا اور کہا اتنے روز بعد تو اپنے وطن کے شخص سے ملاقات ہوئی تھی اب تو ٹپک گیا، وہ بہت ہنسا چونکہ یہ جملہ مولانا نے اردو میں کہا تھا اور وہ اردو سمجھتا نہیں تھا، پھر معلوم کیا کہ آپ نے مجھ سے کیا کہا تو مولانا نے عربی زبان میں اس کو بتلایا تو وہ دوبارہ مزید ہنسا اور کہا واقعی اپنے وطنی سے محبت ہوتی ہی ہے اور واقعی میں نے گفتگو میں خلل ڈالدیا۔

حضرتؒ کی ڈائری میں اس سفر کی تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے! ۲۶ رمضان المبارک کو گھر سے روانہ ہوئے دہلی آئے ۲۷ کی شام کو جنتا ایکسپریس سے بمبئی کے لئے روانہ ہوگئے ۲۸ رمضان المبارک ۱۰ بجے شب بمبئی پہنچے صابو صدیق مسافر خانہ میں قیام رہا ۲۹ رمضان المبارک خوجہ بازار کی مسجد میں جمعہ پڑھایا پھر وہاں سے ۶ شوال کو سوا بارہ بجے پانی کے جہاز پر سوار ہوئے بندرگاہ پر حافظ بشیر اور بھائی یوسف ساتھ آئے، ۱۳ شوال ۷ بجے جدہ پہنچے ضروری کاروائی سے فارغ ہوکر جدہ سے مکہ مکرمہ شام کو پہنچے عمرہ کیا اور آرام کیا پورا شوال کا مہینہ مکہ مکرمہ میں گذرا یکم

ذیقعدہ کو پھر جدہ آئے جدہ سے بس میں سوار ہوکر شب کے ایک بجے مدینہ منورہ زادہا اللہ شرافاً وکرامۃ پہنچے، وقتاً فوقتاً یہاں کے مقامات مقدسہ پر حاضری دیتے رہے، پورا مہینہ ذیقعدہ کا یہیں گذرا ۳۰/ ذیقعدہ کو پرنم آنکھوں اور پرغم قلب کے ساتھ دیار محبوب سے روانہ ہوئے راستہ میں بدر وغیرہ کی زیارت کی، عصر کی نماز جدہ پڑھی، جدہ سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور پھر حج کیا ۱۷/ ذی الحجہ بادل ناخواستہ چشم پرنم اور دل پر درد اور پرغم کے ساتھ مکہ معظّمہ سے جدہ روانہ ہوئے، مغرب جدہ کے راستہ میں اور عشاء جدہ میں پڑھی، ۱۹/ کو جدہ سے روانہ ہوئے بذریعہ سعودی جہاز ۲۸/ ذی الحجہ ۷/ بجے بمبئی پہنچے، سفر میں طبیعت خراب رہی، راستہ میں جہاز عدن ٹھہرا تھا اور پوری شب وہاں ٹھہرا رہا تھا، ۲۸/ ۲۹/ ذی الحجہ بمبئی میں قیام رہا بر مکان حکیم مسعود صاحب اجمیریؒ، یکم محرم ۱۰/ بجے دن میں بمبئی سے روانہ ہوئے ۳/ محرم پونے آٹھ بجے دہلی آئے دہلی ٹھہرے ۴/ محرم کو گھر پہنچے، واپسی پر کچھ مدرسین نے آپ کی آمد کی خوشی میں عمدہ اشعار کہے تھے جو میں نے بچپن میں مختلف نقشوں میں لٹکے ہوئے دیکھے تھے اور ان کو پڑھا کرتے تھے۔

دوسرا سفر حج

حضرت والد صاحبؒ نے اپنی ڈائری میں اسطرح لکھا ہے:

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۵/ جنوری ۱۹۷۰ء یکشنبہ کو گھر سے روانہ ہوا ۲۷/ جنوری سہ شنبہ کو ممبئی آیا یکم فروری یکشنبہ کو چار بجے دن جہاز ممبئی سے روانہ ہوا، ۹/ فروری دوشنبہ کو جدہ پہونچا ۱۰/ فروری سہ شنبہ کو جہاز سے اترنے کی اجازت ملی ۳/ بجے جدہ، پھر شب میں بعد عشاء بذریعہ بس مکہ مکرمہ پہونچا ۱۵/ فروری یکشنبہ کو

یوم عرفہ ہوا، ۲۳؍ مارچ دوشنبہ کو مکہ سے مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے ۲۴؍ مارچ سہ شنبہ علی الصباح مدینہ پاک میں حاضری ہوگئی، ۲؍ اپریل جمعرات کو قبل الجمعہ مدینہ منورہ سے روانگی ہوگئی ۳؍ اپریل علی الصباح جمعہ کو جدہ پھر فوری طور پر تیاری کر کے عمرہ کیلئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے قبل از جمعہ حرم پاک میں حاضری ہوگئی، فوراً طواف سعی سے فراغت پاکر جمعہ پڑھا بعد جمعہ جدہ آ گیا، ۵؍ اپریل یکشنبہ کو جدہ روانہ ہوکر ۱۳؍ اپریل دوشنبہ کو ممبئی پھر ۱۶؍ اپریل جمعرات کو دہرہ دون ٹرین سے روانہ ہوکر ۱۸؍ اپریل شنبہ کو تین بجے کے قریب گنگوہ آ گیا۔

تیسرا سفر حج

یہ سفر برطانیہ سے ہوا تھا احباب برطانیہ ساتھ تھے۔

حضرت والد صاحبؒ نے ایک خط میں اس طرح تحریر کیا ہے:

عزیزان سلمکم اللہ تعالیٰ: الحمد للہ تعالیٰ خیریت سے ہوں خدا کرے تم سب بہت بہت خیریت سے ہوں، آج شام کو ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر لندن سے روانگی ہے انشا اللہ تعالیٰ، عرصۂ دراز کے بعد دیار مقدس کی حاضری نصیب ہورہی ہے اللہ تعالیٰ وہاں کے آداب کی توفیق اور قبول فرمائے آمین، تم سب کیلئے ان شاء اللہ العزیز دعاء کرونگا، حج کے بعد واپسی کی تاریخ میرے ٹکٹ پر ۲۵؍ جولائی ہے غالباً منگل کا دن پڑ گیا، دل تو چاہتا ہے کہ کچھ زیادہ وہاں قیام کا موقعہ مل جائے مگر بروقت کیا ارادہ بنے ابھی طے نہیں کرسکتا، اگر تبدیلی کرائی تو مطلع کرونگا اب زیادہ خط کا انتظار نہ کرنا، قربانیوں کے سلسلہ میں تفصیلی خطوط روانہ کر چکا ہوں جانور بہت اچھے خریدنا کافی احتیاط سے کام لینا، منشی جی کو بتلا دینا کہ جانور بہت اچھے خریدیں اور

اپنی موجودگی میں قربانی کرائیں، حافظ محمد سلیمان ما کدا ابن اسماعیل بھائی ما کدا جلال آباد آئے ہیں ان سے ملاقات کرنا انکو گنگوہ لانے کی کوشش کرنا، مگر ایام عیدالاضحیٰ کے موقعہ پرنہیں ان ایام کے آگے پیچھے، اگر ان کو رقم کی ضرورت پڑے دیدینا کم زیادہ کا خیال نہ کرنا، مزید ایک بات یہ ہے کہ تین ہزار روپئے مفتی نصیر احمد صاحب جلال آبادی کو دیدیں یہ مدرسہ ہرسولی کے ہیں جوان کی نگرانی میں چلتا ہے، مولانا الیاس صاحب قاسمی لیٹن اسٹون کے نام سے رسید وہ خود روانہ کردیں گے مکمل پتہ انکو دیدینا اور تم خود ان سے ایک کچی رسید لکھوالینا تم خود بھی محمد الیاس صاحب کو مطلع کردینا کہ رقم ان کو دیدی گئی چاہے ان سے پکی رسید لیکر خود ہی روانہ کردینا، سب بچوں بڑوں کو دعا وسلام، والسلام۔

احقر شریف احمد گنگوہی

مقیم حال لندن چہارشنبہ ۲۸/۶/ ۱۹۸۹ء

آپ کے قلم سے لکھی ہوئی سفر عمرہ کی ایک دلچسپ داستان

جو آپ کا مع والدہ ماجدہ مدظلہا العالیہ آخری سفر حرمین شریفین تھا

آغاز سفر عمرہ بتوفیق اللہ وکرمہ

۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء مطابق ۱۴۱۸ھ بعد ظہر مع والدہ خالد سیف اللہ ۴/ بجے روانہ ہوکر براہ کیرانہ ۸/ بجے شب میں دہلی آزادنگر پہونچے، لندن کے ویزا کیلئے کاغذ از سلیم بھائی بذریعہ فیکس آچکا تھا، مگر بعد عشاء کاغذات کی دیکھ بھال کرتے ہوئے آمدہ کاغذ ویزا از لندن بدست عزیز قاری عبیدالرحمٰن خراب ہوگیا، فوری طور پر

سلیم بھائی جبار کو لیسٹر فون کیا اتوار کی چھٹی ہونے کے باوجود حنیف بھائی کی دکان کھلوا کر دوسرا کاغذ بذریعہ فیکس روانہ کیا جو دس بجے رات تک ۱۱؍اکتوبر کو مل گیا ۱۲؍اکتوبر دوشنبہ کو عزیزم عبید الرحمٰن اس کو لیکر برطانیہ ایمبیسی گئے اور اپنے کاغذات مع پاسپورٹ جمع کردیئے، معمولی سے انٹرویو کے بعد منظور کرلیا اور کہدیا کہ ۴؍بجے شام ویزا لیجانا، اس درمیان میں نظام الدین عزیزم مولوی عبد الرشید سے ملکر واپس آئے، قیام عزیزہ صالحہ کے مکان پر تھا اسلئے بعد ظہر ۴؍بجے پاسپورٹ واپس لائے فون پر برطانیہ کا ویزا لگ چکا تھا اس کام کا بہت فکر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آسان فرمادیا، شب میں قیام آزادنگر صالحہ کے مکان پر تھا ۱۳؍اکتوبر منگل کو رشدیٰ، طیبہ، بشریٰ اور سب نے دوپہر کا طعام صالحہ کے یہاں کھایا، ۱۳؍اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز منگل کو بعد ظہر تقریباً پونے چار بجے آزادنگر سے ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہوئے، جانے میں چونکہ دیر ہوگئی تھی سب کو رخصت کرکے فوراً اندر چلے گئے، سامان چیک اور وزن کراکر روانہ کردیا اور ضروری کاغذات کی خانہ پوری کراکر جہاز پر پہونچ گئے، سوا چھ بجے کے قریب جہاز میں بیٹھ گئے، پونے سات بجے سعودیہ عربیہ کا جہاز روانہ ہوا ٹھیک چار گھنٹے کے بعد ''دہران'' اتر کر تقریباً ۳۵؍منٹ ٹھہر کر دوبارہ روانہ ہوا اور بارہ کے بعد ایئر پورٹ اتر گیا، دو دفعہ طعام و ناشتہ آیا جو اچھا تھا، باہر آنے میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا باہر آتے ہی عزیز جمال نظر پڑے پیچھے انیسہ عزیزہ بھی تھیں جو دیر سے ایئر پورٹ پر منتظر تھے، گاڑی ایئر پورٹ سے باہر کھڑی تھی باہر نکلتے ہی ہوا کافی گرم محسوس ہوئی، گاڑی میں (اے، سی) لگا ہوا تھا جس نے ٹھنڈا کردیا اور پون گھنٹہ کا راستہ طے کرکے ایمبیسی پر پہونچ گئے، ٹھنڈا پانی اور چائے پر اکتفاء کیا چونکہ طعام کی

بالکل خواہش نہ تھی، دیر تک باتیں کرتے رہے ۴ ار یوم قیام کیا بدھ کو بعد ظہر مدینہ پاک کی حاضری تھی مگر عزیز جمال وانیس نے اصرار کیا کہ کل ہم بھی آپ کی معیت میں مدینہ حاضر ہونگے لہذا بدھ کے بجائے جمعرات کو بعد ظہر پونے چار بجے جمال، انیس، زاہد، ربیعہ، زہرہ وحبیبہ احقر شریف اور والدۂ خالد جدہ سے پونے چار بجے روانہ ہوئے، عصر گھر سے پڑھکر نکلے مغرب راستہ میں ''وادیٔ ستارہ'' جو ایک مختصر سی آبادی ہے وہاں پڑھی، مگر مسجد کی بیت الخلاء میں نمبر ایک کا انتظام ہے، موذن وامام بنگالی ہیں۔

۱۴۱۸ھ/۱۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء ۴/بجے شام مدینہ منورہ کیلئے روانگی

جمعرات کو ۵ رگھنٹہ کا سفر طے کر کے مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً روانہ ہوئے مسجد قبا میں پہونچے، مسجد بند ہو چکی تھی، والدۂ خالد اور احقر شریف حافظ زاہد سلمہ ابن انیس نے جماعت کر کے باہر چونترے پر نماز پڑھی، یہاں سے روانہ ہو کر کچھ راستوں کی بھول سے سڑک پر گھومتے رہے، ایک جگہ مدینہ کی دوطرفہ سڑک کے بیچ میں طعام کیا سب بچے ساتھ تھے، طعام سے فارغ ہو کر جمال کمروں کی تلاش میں گئے اور تھوڑی دیر بعد آ گئے کہ چلو کمروں کا انتظام ہو گیا، گاڑی دور کھڑی کر کے سامان اٹھا کر چلے، تھوڑی دیر بعد مسجد کے قریب آ گئے مسجد کے مختلف دروازے ہیں، باب الملک بن عبد العزیز کے مزید دو تین گیٹ ہیں، ان کے سامنے جالیوں کا ایک لمبا چوڑا چکور جال لگا ہوا ہے یہیں سے مستورات داخل ہوتی ہیں، ٹھیک اسی کے سامنے'' خندق النخیل'' ہے، گلی کی جانب ایک دوکان ہے اس کے مدمقابل گلی

میں ایک اور مٹھائی وغیرہ کا ''ہوٹل'' اسی سے ملا ہوا دوسرا مکان جسکا نام دار ابو سلطان ہے، پہلی منزل پر ایک بڑا کمرہ ۸۰؍ریال یومیہ کرایہ پر لیا، اس رات سب نے اسی کمرہ میں آرام کیا۔

جمعہ ۱۶؍اکتوبر صبح ۴؍بجے تہجد کی اذان پر اٹھکر حرم شریف چلے گئے، جماعت سے نماز پڑھ کر کچھ دیر بعد واپس کمرہ پر گئے، مسجد حرم کی توسیع کا کچھ پتہ نہ چل سکا، اصل مسجد سے تینوں طرف اس قدر توسیع کی گئی کہ دیکھ کر عقل حیران ہوجاتی ہے، بعد ناشتہ پھر حرم میں حاضری ہوئی اور دیکھ بھال کر ہی پہچان ہوئی کہ سابق مقامات کہاں کہاں ہیں، آج ۱۶؍اکتوبر جمعہ مسجد نبوی مدینہ میں پڑھا، بعد جمعہ صلوۃ وسلام پیش کیا، ۱۶؍اکتوبر بعد نماز جمعہ طعام سے فارغ ہوکر عصر کے لئے مسجد نبویؐ میں حاضری ہوئی، عزیزان جمال، انیس و بچہ گان واپس جدہ روانہ ہوگئے کیونکہ کل ہفتہ کو ان کی ملازمت تھی، جاتے وقت ہمکو اسی مکان میں برابر کے چھوٹے کمروں میں منتقل کر گئے جسکے اندر دو پلنگ ہیں کرایہ غالباً ۴۰؍روپئے طے کیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اجر عظیم اور بہترین بدلہ دین ودنیا میں عطا فرمائے، ہمارے لئے بے حد راحت وآرام کا سامان مہیا کیا کچھ کھانے کا سامان اور ضروری برتن بھی دے گئے۔

۱۷؍اکتوبر بروز ہفتہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں دیر تک مواجہہ اقدس کے سامنے کھڑے ہوئے اور جملہ عزیزان، جملہ مدرسین، جملہ احباب اور تمام طلبائے مدرسہ کی طرف سے صلوۃ وسلام پیش کیا جن کا نام یاد آتا گیا انکا نام لیکر بقیہ سب کی طرف سے نام لئے بغیر صلاۃ وسلام پیش کیا، اللہ تعالیٰ قبول

فرمائے آمین، اور یہاں کی یہ آخری حاضری نہ ہو۔

۱۸/اکتوبر شنبہ کو بعد فجر جنت البقیع میں حاضری ہوئی مگر قریب کی نہیں تھی دور سے سب ہی حضرات کیلئے ایصال ثواب کیا گیا، اس موقعہ پر حضرت مرشدی مولائی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد زیادہ آتی رہی مگر قبر تک نہ پہنچنے کا افسوس رہا۔

۱۹/اکتوبر دوشنبہ کو ۸/بجے کے قریب مع اہلیہ کے دوبارہ جنت البقیع میں حاضری ہوئی، گیٹ بند ہو چکا تھا، باہر سے کھڑے ہو کر ایصال ثواب کیا گیا ۵/ریال کا دانہ کبوتروں کو خرید کر ڈالا گیا، یہاں بہت کبوتر رہتے ہیں، آج دوپہر بعد ظہر بذریعہ گاڑی مولوی محمد عثمان قاسمی رسول پوری (جو حکیم صاحب کے نام سے مشہور ہیں اور گھر میں بیٹھ کر مطب کرتے ہیں) کے یہاں کھانا کھایا پر تکلف کھانا تھا، آج کچھ چلنے پھرنے کی وجہ سے ٹانگوں میں بہت کمزوری تھی درمیان میں عشاء پڑھ کر بغیر طعام کے سو گئے، صبح تہجد کے وقت اذان کی آواز پر حرم گئے۔

۲۰/اکتوبر نماز صبح حرم میں پڑھ کر واپس کمرہ پر آکر لیٹ گئے اور دو گھنٹہ بعد طبیعت ٹھیک ہوئی، ناشتہ سے فارغ ہو کر حرم شریف حاضر ہو گئے اور روزانہ کے معمول کے مطابق دو رکعت مقام ریاض الجنۃ میں ادا کی پھر سرور عالم ﷺ کے مواجہہ میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مواجہہ شریف میں سلام پیش کر کے کافی دوستوں کی طرف سے سلام پیش کیا صلوۃ وسلام کا مقبول وظیفہ جسکے اندر ۴۰/احادیث اور درود حضرت شیخؒ کے جمع کردہ ہیں بقیہ درود مختلف احادیث کی کتب سے جو کہ اسلام الحق استاذ حدیث ہول کیمپ بری بولٹن برطانیہ کی جمع

کردہ یہ کل یکصد درود پر جمع ہے جو تقریباً ایک گھنٹہ میں پورے ہوئے جو مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہوکر پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، کم از کم ایک بار کبھی دو بار پورے درود پیش کرنے کی سعادت ہوئی۔

۲۱ر اکتوبر بروز بدھ مواجہہ شریف کے نگراں سپاہیوں نے دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے کتاب ہاتھ سے لیکر دیکھی، کچھ پڑھی پھر دونوں نے مشورہ کے بعد اجازت دیدی اور پھر کسی نے نہ روکا نہ ٹوکا، بلکہ بعض اوقات کوئی دوسرا سامنے آکر کھڑا ہوگیا تو اس کو ہٹا دیا، ظہر کی اذان سے ایک گھنٹہ قبل حاضری کا بہترین وقت ہے بہت چھیڑ ملتی ہے اور نماز ظہر پہلی صف میں پڑھی گئی، آج رات بعد صلوۃ العشاء مولانا حبیب اللہ چمپارنی کے مکان پر پر تکلف دعوت ہوئی، بعد نماز عشاء حرم شریف سے انکے بیٹے محمد جو حافظ ہوکر اپنے والد سے درسیات کی تکمیل کررہے ہیں اور عزیزم حکیم محمد عثمان رسول پوری کی معیت میں مع اہلیہ کے بذریعہ گاڑی گئے، بعد طعام وملاقات احباب تقریباً دو اڑھائی گھنٹے بعد واپس مکان پر آئے، بحمد اللہ یہ ایام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں گذرے، اپنی ہمت واستطاعت کے مطابق صلوۃ وسلام پیش کرتا رہا، ۲۱ر اکتوبر بروز بدھ بعد عشاء حرم شریف کے گیٹ نمبر ۳۴ر باب الملک ابن عبدالعزیز کے قریب حرم میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ سے ملاقات کرکے طعام کیلئے گھر گئے، بعد از طعام دیر تک گفتگو ہوتی رہی، تقریباً گیارہ بجے کمرہ پر لوٹ کر آئے، سامان وغیرہ ٹھیک کرکے لیٹ گئے، بحمد للہ آج پورے کام حسب معمول پورے ہوئے۔

۲۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء بروز جمعرات قبل از صبح صادق ۴ ربجے اذان پر اٹھ کر حرم چلے گئے ۵ ربجے نماز فجر پڑھکر واپس کمرہ میں آکر آرام کیا، ڈیڑھ بجے حسب معمول حرم شریف میں حاضری ہوئی دو رکعت ریاض الجنۃ میں ادا کرکے امام کے قریب صف اول میں با جماعت نماز ادا کی، حسب معمول آج دس گیارہ بجے مواجہہ شریف میں حاضر ہوکر صلوۃ وسلام اور دعاء میں ایک گھنٹہ مشغولیت رہی، بعد ظہر کمرہ پر واپس آکر بازار گئے کچھ سامان اور طعام خرید کر لاکر کھایا، ساڑھے تین بجے حسب معمول عصر کی نماز کیلئے حرم میں حاضری ہوئی، بعدہٗ کچھ احوال تحریر کئے، اب صرف کل ۲۳/ اکتوبر جمعہ کے دن قیام ہے پرسوں انشاءاللہ بروز ہفتہ دیار محبوب سے بادل ناخواستہ واپسی اور حرم مکہ میں زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً حاضری کا ارادہ ہے انشاءاللہ۔

۲۴/ اکتوبر بروز ہفتہ کو دس بجے دن بذریعہ ٹیکسی روانگی کی تیاری کرلی، سامان کا فکر تھا کہ کس طرح کون اٹھائے مگر عین وقت عزیز حافظ محمد شمشاد ابن حافظ عبدالغفور آگئے بڑی مدد ملی، سامان کمرہ سے اتار کر نیچے رکھا یہ چونکہ ابھی ان کی پہلی ملاقات تھی، انکو معلوم ہوتے ہی کسی طرح تلاش کرکے قیام گاہ پر آگئے جو دار النخیل دار ابو سلطان میں تھی، ان کا اصرار ہوا کہ آپ کی کوئی خدمت نہ کرسکا لہذا فوری طور پر کوئی مختصر سی چیز لیکر آتا ہوں، چنانچہ دس پندرہ منٹ بعد آگئے اور ایک مختصر سا فون لائے ساتھ ہی اپنی گاڑی جس پر یہ ڈرائیوری کرتے ہیں، کمرہ تک لے آئے جبکہ یہاں تک گاڑی لانا ممنوع تھا، گاڑی میں بٹھا کر موقف پر ٹیکسی کے بجائے بس کے ذریعہ سفر کا مشورہ ہے، مولانا نذیر الدین جو مدینہ منورہ میں بیس سال سے مقیم تھے اپنی گاڑی لے

کرآئے انہیں کے ساتھ جانا طے تھا، مگر عزیز حافظ محمد شمشاد کے اپنی گاڑی مکان تک لانے کی وجہ سے ان کے ساتھ گاڑی میں گئے اور مولانا نذیرالدین بھی بس تک سوار کراکر واپس ہوئے، بس کا کرایہ فی نفر ۴۵ ریال تھا، یعنی دونوں کا کرایہ اپنا اور اہلیہ نعمت الٰہی کا ۹۰ ریال ہوا، گاڑی دس بج کر دس منٹ پر مدینہ روانہ ہوئی، بیر علی ؓ پر پہونچ کر بس رُک گئی، سب احباب نے مسجد کے اندر جاکر وضو سے فارغ ہوکر دو رکعت نماز پڑھی اور عمرہ کی نیت کرلی، احرام مدینہ سے باندھ کر روانہ ہوئے تھے، ۲۴ راکتوبر بروز ہفتہ راستہ میں ایک مقام ''انعارغہ'' پر بس رکی نماز پڑھی، یہاں سے روانہ ہوکر ۴ ربجے شام مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً باب الفہد پر گاڑی سے اتر گئے، دیر تک قاری یوسف، تاج الدین، محمد شباہت، مولوی سفیان انتظار کرتے رہے اتفاق یہ ہوا کہ میں اس کو تلاش کرتا وہ مجھ کو، مگر ملاقات نہ ہوسکی۔

سفر پاکستان

۲۷ رستمبر ۱۹۶۰ء ۲۳ ر ربیع الاول ۱۳۷۹ھ یکشنبہ کو لاہور کیلئے گنگوہ سے روانہ ہوا بشریٰ طیبہ میرے ہمراہ تھی، لاہور کے قیام میں عزیزم انوار احمد سلمہ کی شمیم اختر بنت ہمشیرہ زندی صاحبہ کی شادی میں شرکت کی، منیر احمد کی شادی بھی اسی قیام میں ہوئی، ۱۳ راکتوبر کو لاہور سے گنگوہ واپس آ گیا۔

اس سفر کے تعلق سے جو کچھ حالات حضرت والد صاحبؒ کبھی کبھی سنایا کرتے تھے اس میں ایک بات یہ بھی سنائی تھی کہ جن دنوں تمہاری پھوپی زندی صاحبہ کے یہاں مقیم تھا وہ ایک دن کہنے لگی کہ بھائی جب باہر نکلو تو

پاکستانی طرز کا لباس پہنو جس سے یہ محسوس نہ ہو کہ ہمارے یہاں ہندوستان سے لوگ آئے ہیں کہ پھر یہ ہمیں مہاجر سمجھ کر تکلیفیں دیتے ہیں اور جب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو یہیں کے ہیں پھر تکلیفیں نہیں دیتے، وہاں ایک بڑے طبقہ کا اپنے طور پر یہ خیال رہتا ہے کہ ہم مقامی ہیں اور یہ لوگ ہندوستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں ان سے وہ ایک قسم کا بغض اور بعد رکھتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کی پاکستان کے لئے کتنی بڑی قربانیاں اور ہمدردیاں رہی ہیں، خود جس ملک کے لئے اپنے محبوب وطن کو چھوڑا ہو کیا یہی کچھ کم قربانی ہے، اگر وہ مہاجر بنے ہیں تو تمہیں انصار بنکے بھی تو دکھانا چاہئے، نہ یہ کہ ان کو وہاں سے نکالنے اور مارنے کی فکر کرنی چاہئے، اللہ پاک سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے آمین۔

سفر افریقہ

۱۹ ستمبر ۱۹۹۷ء بعد جمعہ گنگوہ سے روانہ ہوکر دہلی ۲۰ ستمبر ۱۹۹۷ء بارکو دہلی سے ساڑھے چھ بجے بذریعہ طیارہ، بمبئی دوگھنٹہ بعد پہونچ گیا ایک بجے دن میں ۲۰ ستمبر کو بمبئی سے افریقہ کیلئے روانہ ہوکر ۱۰ گھنٹہ بعد ڈربن پہونچے بذریعہ کار مولانا ظریف صدر اور مولانا عبدالغفار منصوری کے ساتھ ہارڈنگ پہونچے ہارڈنگ، اسٹینگر، سیل کروس، پیٹر میرج برگ یہ بڑا شہر ہے یہ صوبہ نٹال افریقہ کا بڑا شہر ہے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۷ء جمعہ کو جوہانسبرگ مولانا ابراہیم صاحب پانڈور کے مکان سے ایئر پورٹ کیلئے روانہ ہوکر گیارہ بجے بمبئی پہونچے، دوگھنٹہ بعد دوسرے

جہاز سے روانہ ہو کر شام تک دہلی واپس آگئے، عزیز مفتی خالد سیف اللہ ساتھ رہے یہ سفر بہت خیر وخوبی اور کامیابی کے ساتھ پورا ہوا فللہ الحمد، کل ۱۹؍ ستمبر ۱۹۹۷ء جمعہ سے ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۹۷ء تک رہا، ہارڈنگ ضلع دربن نٹال دربن ایئر پورٹ سے ہارڈنگ تک سڑک ساحلِ سمندر سے گذرتی ہے، مولانا یوسف صدر، مولانا عبدالغفار منصوری، الحاج عبدالحق بھائی دیسائی ہارڈنگ کی یہ تینوں شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

اس سفر میں رفیق محترم مولانا یوسف صدر اور ان کے اعزاء واقرباء نے قیام وطعام اور مدرسہ کے معاملات میں تعاون کیا اور کرایا اور مختلف مقامات میں مدرسہ کے کام کے لئے بھی لگے رہے اور بعض دفعہ تفریح کے لئے دریا کے کنارے بھی لے گئے اور ایک بار مچھلی گھر میں مچھلی کا تماشا بھی دکھایا جو بہت بڑی مچھلی ہوتی ہے انسان کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑی، بہت ہی سمجھ دار جس کو وہیل کہتے ہیں، اس سفر کے نتیجہ میں مدرسہ میں طلبہ کے لئے پانی کی ٹنکی کا خرچہ ایک نیک صالح بزرگ نے اور کئی دوست احباب نے مل کر دیا تھا اللہ پاک ان سب کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہمیشہ کیلئے صدقۂ جاریہ بنائے، اسی سفر میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور خلیفہ حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کے یہاں بھی کچھ دن قیام رہا تھا اور ان کے برادران گرامی جو اکثر کسی نہ کسی بزرگ کے مجاز صحبت اور خلیفہ ہیں تعارف بھی ہوا اور ملاقات ومصاحبت کا شرف بھی حاصل ہوا اور ان کے تمام ہی اہل خانہ اچھے اخلاق سے پیش آئے، اسی درمیان ایک اور وہاں کے مشہور دارالعلوم زکریا میں حضرت الاستاذ مفتی محمد علی صاحب مدرس دارالعلوم زکریا

سابق مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے یہاں بھی دعوت ہوئی، حضرت موصوف نے کمال محبت واخلاق کا مظاہرہ فرمایا اور ایک روز دوسرے مدرس کے یہاں بھی دعوت ہوئی اور مدرسہ میں مختصر بیانات بھی ہوئے، اسی طرح وہاں کے دوسرے مدارس کا دورہ بھی ہوا اور وہاں کے اکابر اہل علم حضرات نے کافی الفت ومحبت کا مظاہرہ فرمایا، جب جس کو معلوم ہوتا گیا انہوں نے بلایا اور دعوت کی، اسی دوران ایک شیخ مصری سے ملاقات ہوئی جو بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھے اور سیاہ فام لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے اور قریب کرنے میں سرگرم عمل تھے اور بہت سے ان کی برکت سے مشرف باسلام ہوئے۔

باب اٹھارواں
امراض و اسقام

امراض واسقام

یوں تو حضرت والد صاحبؒ کو انتقال سے کافی عرصہ قبل بہت سے امراض لاحق ہو چکے تھے، جن میں ایک سے بڑھکر ایک شدید مرض تھا، کھانسی کا مرض تو مدت العمر ہی رہا، اسی طرح گھٹنوں کی تکلیف بھی ایک زمانہ دراز سے شروع ہوگئی تھی اخیر تک رہی بلکہ ساتھ ہی گئی، مگر یہ مرد مجاہد اپنے اس جسم سے اپنی ہمت اور طاقت سے زیادہ دین کے کاموں میں امت کو فیض پہنچانے میں طلبہ وعلماء کی خدمت کرنے میں ان بیماریوں کی پرواہ کب کرتا تھا، وہ تڑپ اور لگن جو اللہ نے ان کے خمیر میں ودیعت رکھی تھی چین سے بیٹھنے نہ دیتی تھی، نہ انہیں اپنے آرام وراحت کی کوئی فکر دامن گیر ہوتی تھی، اسی طرح زندگی کے اخیر حصہ میں امراض بڑھتے چلے گئے خون میں حدّت ہوگئی تھی دوائیوں کی کثرت اس پر مستزاد، کمر میں ریڈھ کی ہڈی پر ایک خطرناک زخم ہوا اور پک پک کر بہت ہی تکلیف کا باعث بنا، گھر کے قریب کا ڈاکٹر علاج کرتا رہا، ایک روز بندہ نے وہ زخم دیکھ لیا اور گھبرا گیا یا اللہ کیسے صبر کرتے ہیں !!، وہ ایسی جگہ تھا جو خود ان کو نظر نہ آسکتا تھا، راقم السطور نے دیکھا تو اس روز مجھ سے کھانا نہیں کھایا گیا، مشورہ کر کے ایک دوسرے ڈاکٹر کو دکھایا ظہر کے بعد اس نے مدرسہ میں آکر دیکھا اور اس کے چاروں طرف انجکشن لگا کر پہلے اس کو سن کیا اور پھر چمچے سے اس پورے مواد کو باہر نکالا ایک اچھا خاصہ گڈھا بن گیا تھا، اس وقت اس صابر بندہ نے چیخ ماری، یہ ناچیز تو تاب نہ

لاکر وہاں سے ہٹ گیا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ ہم نے اس ڈاکٹر کو کیوں بلایا تھا، لیکن ایک بار کی تکلیف کے بعد ہر دن کی تکلیف سے قدرے نجات ملی اور اس ڈاکٹر نے ایک مہینہ تک مسلسل علاج کیا، ایک ڈیڑھ مہینے کے بعد وہ کچھ مندمل ہوا اور کچھ راحت نصیب ہوئی، اللہ اکبر کبیرا! کیسا ان کا صبر تھا کیسا انکا ضبط تھا جو انہیں کا حصہ تھا، اللہ پاک نے یقیناً ان تکالیف پر ان کو بڑی زبردست روحانی کیفیات سے مالا مال کررکھا ہوگا جو عارفین کو کفارۂ سیئات، رفعِ درجات اور ترقی مراتب کیلئے عطا ہوتی ہیں، رفعه الله درجته في اعلىٰ عليين۔

اسی طرح ایک تکلیف جو قلب کی بڑی زبردست تکلیف ہوئی، جس کی تفصیلات خود انہوں نے اس طرح بیان کی: چنانچہ ایک جگہ خود اس طرح بیان فرمایا:

''کئی سال سے شروع ہوئی بیماری ہارٹ چل رہی ہے یہ بیماری ۲۸ر فروری ۲۰۰۱ء میں شروع ہوئی، مختلف علاج ومعالجہ ومراحل سے گزرتے ہوئے اکتوبر ۲۰۰۳ء کا آخر شعبان ہوگیا تھا اسلئے معالج، ڈاکٹر کرولی والے کے پاس گیا، دیکھ کر انہوں نے کہا کہ میں آخری دوا دے چکا ہوں اب تو دل کی بائی پاس سرجری کراؤ، چنانچہ ان کے کہنے پر ۲۲ر اکتوبر کو ان کے پاس گیا انہوں بائی پاس سرجری کرنے والے ڈاکٹر کو فوراً فون کردیا وہ آگئے انہوں نے اگلے دن کی تاریخ اپنے ہاسپٹل میں دیدی مگر کسی وجہ سے وہاں نہیں پہنچ سکے، پھر اس نے اگلے دن کی تاریخ ڈاکٹر خلیل اللہ کے ہسپتال (نرسنگ ہوم) میں دی اور یہ کہا کہ یہ میرے آنے کا دن ہے اس لئے وہاں آجاؤ، چنانچہ ۲۴ر اکتوبر کو وہاں پہنچے اور انہوں نے پیس لیکر لگایا اور

اس پیس کو لیکر اس نے پہلے دائیں طرف بغل کے قریب یا کھال اور گوشت کے درمیان میں لگایا وہ ماچس سے ذرا ہی چھوٹی سی ڈبی ہوتی ہے جس میں دو چھوٹے سیل ہوتے ہیں جن میں سے دو تار نکالے جاتے ہیں اور ان کو دل سے جوڑ دیا جاتا ہے، تار جڑتے ہی فوراً محسوس ہوا کہ سانس کی کھچاوٹ میں تخفیف ہوگئی، دو دن ہسپتال میں رکھا پھر چھٹی دے دی، اسی دن رمضان بھی شروع ہو گیا تھا چنانچہ ہسپتال سے آکر عزیزہ صالحہ سلمہا کے مکان پر (آزادنگر میں) مقیم رہا اور آٹھ دن کے بعد دوبارہ دکھلایا اس نے پٹی وغیرہ کھولی پھر مزید تین چار روز قیام کیا، پوری بیماری میں اسکے مکان کے نیچے ہونے کے سبب اسی کو زحمت دیتا رہا، اس نے اور اس کے خاوند عزیز محمد عثمان نے بہت ہی خدمت کی کاروباری حالات دِگرگوں ہونے کے سبب یہ خود پریشان تھے مگر، مجھکو محسوس نہ ہونے دیا، خداوند کریم بہت بہت اجر عظیم عطا فرمائے، یوں تو دوسری بیٹی عزیزہ بشریٰ سلمہا اور ان کے شوہر رشید سلمہ برابر خبر گیری کرتے رہے اور تیسری بیٹی رشدٰی سلمہا اور عزیز مقصود سلمہ برابر آتے جاتے رہے اور بھاگ دوڑ میں مصروف رہے اور تیرہ روز تک اسی کے گھر پر قیام رہا، پھر تیرہ رمضان سے ڈاکٹر کی سخت تاکید کے بعد جو ہروقت پہاڑ کی طرح مستحکم ہوتے رہے اور ہروقت یہی احساس رہتا تھا کہ زندگی میں کبھی روزے قضا نہیں ہوئے سوائے ایک روزہ کے ایسی منزل پر پہنچ گیا کہ روزے نہیں رکھ سکتا تیرھویں روزہ کو گنگوہ گھر آکر مزید پانچ روزے اور نہیں رکھے جاسکے، میری اس تکلیف کا پیمانہ لبریز ہوگیا، اس کے بعد اسی حالت میں

روزے رکھنے شروع کردئے اور آخر رمضان تک رکھے۔

غالباً بیس یا اکیس رمضان کو دن میں گیارہ بجے اچانک مہربان قدیم حضرت مفتی مظفر حسین صاحب تشریف لائے، میں ان کی اس ہمت اور پیرانہ سالی، ضعف و بیماری کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور اس قدیم تعلق اور حق حبیبی سے غفلت ہوئی، تقریباً ایک گھنٹہ میرے پاس بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے، اور کیا خبر تھی کہ بروز پیر ۲۷؍ رمضان کو ان کے مرحوم ہونے کی اطلاع ملجاوے گی اور زندگی کی یہ آخری ملاقات ہوگی، پیر کو ساڑھے بارہ بجے دہلی ہسپتال میں وصال ہوکر شام کو عشاء بعد سہارنپور نعش آگئی اس کے بعد غسل وکفن ہوکر ساڑھے بارہ بجے قبرستان حاجی کمال شاہ میں مدفون ہوگئے، شریک ہونے والوں کی زبان سے ان کے اس جنازہ اور تدفین کے حالات سنکر حیرت زدہ رہ گئے، رمضان کی آخری رات میں اتنا جم غفیر ہوجانا شریک ہونے والوں میں دہلی، مراد آباد تک کے لوگ تھے اور اس قدر ہجوم ہوجانا بڑا تعجب خیز ہے جو مرحوم کی عند اللہ مقبولیت کا مظاہرہ کررہا تھا، اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور اعلیٰ علیین و جنت الفردوس میں ان کو مقام عطا فرمائے اور اپنے مقربین بندوں میں شامل فرمائے آمین۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر تھی، چنانچہ اخیر رمضان میں اٹھارہ روز کے بعد گنگوہ میں لوٹکر اخیر رمضان کے روزے رکھے اور قضاء شدہ اٹھارہ روزوں کا فدیہ دیکر کچھ سکون حاصل ہوا مگر بعد رمضان پھر بے چینی ہوئی برابر فرماتے رہے کہ اب کچھ ہمت ہوتی جارہی ہے ان کو بھی رکھ لوں، سب اہل خانہ اور احباب کے منع کرنے کے باوجود بھی آپ نے روزے رکھنے شروع کردئے اور شوال ہی میں

اور پہلے ہفتہ ذیقعدہ میں جب تک کہ روزے پورے نہ ہوئے چین نہیں آئی، یہ کیفیت بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، یہی حال نمازوں کا رہا جب بھی بیماری کی شدت کے سبب ہسپتال میں داخلہ کے ایام میں جو نمازیں قضاء ہوتی تھیں گھر آنے کے بعد سب سے پہلے ان نمازوں کی ادائیگی کی فکر ہوتی تھی، نمازیں ادا کر کے سکون واطمینان حاصل ہوتا تھا، چنانچہ ۲۰ر جون ۲۰۰۲ء کا واقعہ ہے کہ یہاں مدرسہ میں سہ ماہی امتحان ختم ہوا، ڈاکٹر محسن کو دکھلانے کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور برادرم جناب قاری عبیدالرحمٰن صاحب اور ہمراہ تھا، چنانچہ پانچ بجے ان کو دکھلا کر دوالیکر واپسی میں مدرسہ کے لئے پتھر خریدنے کے لئے پتھر بازار چلے گئے، چونکہ پتھر بازار بہت دور تھا وہاں دوکان پر اوپر چڑھنے اترنے میں تقریباً دو گھنٹے بعد لکشمی نگر بمکان عزیزہ رشدی واپس آئے، نماز پڑھی اور سب کے ساتھ حاجی مقصود احمد صاحب کے یہاں کھانا کھایا، وہیں برادرم قاری عبیدالرحمٰن صاحب زید مجدہ اور راقم الحروف موجود تھے، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نماز پڑھی اور لیٹ گئے، ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد اچانک قلب میں شدت کا درد شروع ہو گیا اور چیخ نکلی اور بیہوشی طاری ہوگئی، اسی حالت میں فوری طور پر دوبارہ ڈاکٹر محسن صاحب کے مکان پر لے گئے بہت مشکل سے دروازہ کھلوایا گیا انہوں نے دیکھتے ہی فوراً کہا کہ اب یہ علاج میرے بس کا نہیں، فوری طور پر انہوں نے ایس کورٹ ہسپتال میں بھیجا وہاں ڈاکٹروں نے دوا و علاج شروع کر دیا اور پوری ٹیم ڈاکٹروں کی آگئی اور اپنی پوری ذہنی، فنی طاقت، مشورہ و تدابیر سے مشینوں کے ذریعہ دوائیں شروع کر دی، حالت

کو دیکھ کر سبھی زندگی سے مایوس و ناامید ہو گئے تھے، ڈاکٹروں کے ذہن میں بھی یہی نقشہ تھا کہ اب دو تین گھنٹے کے مہمان ہیں، مگر اسی بے ہوشی کی حالت میں ۱۶ر گھنٹے گزرنے کے بعد ہوش آیا، سب ڈاکٹر اکھٹے ہو گئے اس ٹیم کے سب سے بڑے ڈاکٹر گپتا تھے وہ بھی آ گئے اور دیکھتے ہی مزاح کے انداز میں کہنے لگے کہ شاید کوئی اچھا کام چھوڑ کر آئے ہیں جس سے ایشور نے دوبارہ زندگی دیدی ورنہ ہمارے خیال سے تو آپ دو تین گھنٹے کے مہمان تھے، ایک ہفتہ قیام کے بعد پھر آزاد نگر عزیزہ صالحہ کے مکان پر قیام کیا اور دس دن بعد دوبارہ ہسپتال میں دکھلا کر اٹھارہ انیس یوم کے بعد گنگوہ واپسی ہوئی، اس وقت بھی عزیزہ صالحہ نے حق خدمت ادا کیا یہ سب سے چھوٹی لڑکی ہے، چونکہ شادی سے پہلے گھر پر یہ اکیلی رہی اس وقت بھی اس کا مزاج میری خدمت کا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی اولاد کو دنیا اور آخرت میں اجر عظیم عطاء فرمائے آمین۔

یوں تو آپ کو وفات سے تقریباً پانچ سال قبل مختلف مہلک امراض شروع ہو چکے تھے جن کی وجہ سے اسفار برائے مدرسہ بھی موقوف ہو چکے تھے اور دن بدن صحت کا معاملہ انحطاط و زوال کی طرف جاری تھا، اگر چہ آپ کی روحانی اور ابتہال و تضرع، توجہ الی اللہ تعالیٰ، توجہ الی الآخرۃ اور خوف خدا کی کیفیت میں بے حد ترقیات تھیں، جوان حالات میں اولیاء اللہ کو قرب مع اللہ کی کیفیات عالیہ حاصل ہوتی ہیں، روز بروز ان میں اضافے در اضافے ترقی اور عروج حاصل ہو رہا تھا، مگر بدنی و جسمانی طور پر جو اضطراب و پریشانی لاحق تھی وہ بہت زیادہ تھی، لیکن اللہ پاک

نے آپ کو قلب شاکر اور بلاؤں، پریشانیوں، مصیبتوں، بیماریوں پر صبر کرنے والا قلب اور قالب عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے بہت دفعہ دیکھنے والے کو گفتگو اور ملاقات اور مہمانوں کے اکرام واحترام میں محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ کچھ بیمار ہیں یا کسی سخت پریشانی میں مبتلا ہیں، آپ کو مختلف النوع بیماریاں لاحق تھیں، ایک ایک تکلیف ہی ایسی تھی کہ نا قابل برداشت تھی، مگر آپ نے جس صبر جمیل کا مشاہدہ فرمایا وہ ایک بڑی زبردست روحانی قوت وطاقت اور تعلق مع اللہ کی غمازی کرتا ہے، اوپر سے مدرسہ کا فکر کہ ''میرے بعد کیا ہوگا'' کا جملہ جو ہزاروں دفعہ آپ کی زبان پر آتا تھا، یہی آپ کا سب سے بڑا مرض تھا، سب سے بڑی پریشانی تھی جس نے آپ کو اندر سے ایک سخت اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا، چونکہ جس شخص نے اپنی تمام عمر کسی گلشن کی آبیاری میں کسی دینی، ایمانی، علمی وعرفانی قلعہ کی تعمیر میں صرف کر دی ہو اور وہی اس کا تمام زندگی کا لب لباب اور خلاصہ ہو اور اس کی نظر باطنی اور اشراق قلبی یہ بتا رہی ہو کہ خدا کے گلشن میں ایسے حاسدوں اور منافقوں کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے جو اس گلشن کو آگ لگانے کی تیاری میں بہت دیر سے ایک پلان، ایک منصوبہ، ایک خاکہ، ایک مشن چلائے ہوئے ہے تو اس پر اضطراب اور بے چینی کی کیا کیفیت ہوگی وہ ظاہر ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ طویل طویل غیر مناسب مغلظات پر مشتمل خطوط ان کو لکھوائے گئے، جن میں یہ بات صاف طور پر کہی گئی کہ آپ کان کھول کر سن لیں کہ آپ کے بعد مدرسہ میں ایسا انقلاب برپا کریں گے اور ہنگامے کریں گے جس سے آپ کے بیٹے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور یہ

کام ان لوگوں نے کیا جن پر ان کے لاکھوں احسانات تھے، لیکن اپنی کم ظرفی اور کمینہ پن کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی مثال جلدی ملنا مشکل ہے، احسان مندی اور احسان شناسی اور اپنے محسن کی قدر دانی کی تعلیم پر مشتمل آیات و روایات کو جن میں اخلاق اور خلوص وللّٰہیت کے اسباق ہیں سب بالائے طاق رکھ کر محض حسد کی آگ میں جل کر اور جلا کر ایک بہت بڑا فتنہ اور اپنی مادر علمی کو سخت سے سخت نقصان پہنچانے کی ہر قسم کی گندی اور غیر اخلاقی سازشیں کرڈالیں جس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، مگر اللہ پاک کو اپنے اس مخلص بندہ کا وہ گریہ وزاری اور آہ وبکاء اور رات کی تنہائیوں میں بیماری کی حالت میں ایک بچہ کی طرح بلک بلک کر رونا پسند آچکا تھا جس کی برکت سے اللہ پاک نے حفاظت فرمائی۔

الغرض امراض، افکار، عوارضات، مختلف النوع ہوتے رہے، کبھی دل کی بیماری جو مسلسل پانچ سال رہی، گھٹنوں کا مرض جو ایک زمانہ دراز رہا، پھر سخت قسم کا دنبل جو ریڑھ کی ہڈی پر نکلا بہت ہی خطرناک اور تکلیف دہ تھا، اور آنکھ کی تکلیف وغیرہ وغیرہ تکالیف نے آپ کو اس درجہ پہنچادیا کہ آپ پر اپنی موت کا ہر وقت فکر رہنے لگا، اور جب اپنے کسی عزیز وقریب دوست اور حبیب کے انتقال کے متعلق سنتے تو اور بھی زیادہ متفکرانہ انداز میں کہنے لگتے کہ بھائی وہ بھی چلے گئے ہیں ہم ہی باقی ہیں ہمارا بھی نمبر عنقریب لگ رہا ہے، یہی صورتِ حال چلتی رہی یہاں تک کہ انتقال سے چند ماہ پہلے آپ پر کچھ ایسا معاملہ کھلا جس کی حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے جس کے بعد سے اپنے سفر آخرت اور ہر دم اس کی فکر اور ذکر سے آپ کی زبان اظہار کرتی تھی اور مدرسہ اور

گھریلو معاملات کے متعلق ہدایت اور اشارات کر رہے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اپنے انتقال سے متعلق اپنے چند خواب بیان کئے جن میں سے ایک خواب یہ بھی تھا کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ دیوبند کے مقبرۂ قاسمی میں ہوں جہاں میرے اساتذہ اور اکابر دیوبند مدفون ہیں اور میں اس کی تمنا کر رہا ہوں کہ مجھے ان حضرات میں سے کس کے قریب جگہ ملتی ہے، نیز اسی اثنا میں یہ بھی بیان کیا کہ میں ایک خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے قریبی دوست حافظ انعام اللہ مرحوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے خاص خدام میں سے تھے اور آخر عمر میں مدرسہ ہذا میں مطبخ میں ایک منتظم کی حیثیت سے مقیم تھے میرے خواب میں آئے اور مختلف باتیں کر رہے ہیں اور ایک بات یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تمہارے لئے حضرت شیخ کے گھر کے قریب جگہ رکھدی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کس طرف اشارہ ہے اللہ زیادہ بہتر جانتے ہیں، اسی اثناء میں حضرت والد صاحبؒ کے بعض متعلقین نے کچھ خواب دیکھے تھے جن سے بھی کچھ اسی قسم کے اشارات معلوم ہوتے تھے کہ یہ اللہ کا ولی اب زیادہ دن کا مہمان نہیں ہے، چنانچہ وقت قریب آتا گیا[1] اپنے انتقال سے تین دن پہلے آپ کو قلب کی بیماری کا شبہ ہوا اور اس کے علاج کے لئے سہارنپور ''تاراوتی'' میں داخل ہونے کیلئے گنگوہ سے روانہ ہوگئے، لیکن اس وقت اس قدر زیادہ سخت کیفیت نہیں تھی جو اس سے پہلے

---

[1] حضرت شیخ زکریا گھوڑے پر سوار اور صورت بڑی ہیبت ناک ہے جیسا کہ ملک الموت اور ادھر دیکھنے والے کو یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ حضرت شیخ ہیں اور ان کے گھوڑے کے آس پاس جم غفیر ہے اور رو دفر مارہے ہیں، اے میرے ابا کہاں ہیں میں ان کو لینے آیا ہوں یہ دیکھ کر ایک کرب ناک حالت طاری ہو رہی تھی کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔

دل کے عارضہ کے وقت پیش آتی رہتی تھی، آپ تین دن ہسپتال میں زیر علاج رہے، اس درمیان میں آپ پر بہت زیادہ ذکر کا غلبہ تھا اور آپ کا شوق سفر آخرت قریب تھا کہ منزل تک پہنچادے، اس درمیان میں نماز اور ذکر اللہ، درود شریف اور استغفار کی بھی بہت زیادہ کثرت تھی اور چہرہ پر بے حد وحساب رونق اور ایمانی کیفیات کا ظہور تھا، چنانچہ ملنے والے حضرات اس بات کا احساس کرتے تھے، اسی درمیان کہ آپ وہاں مقیم تھے بہت سے خدام وہاں خدمت میں لگے ہوئے تھے، مگر افسوس راقم الحروف مدرسہ کی زبردست مصروفیات میں ایسا الجھا کہ اس درمیان اپنے محبوب والد کی زیارت وملاقات سے بھی محروم رہ گیا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ جب بھی ایک صاحب سے آپ کی خیریت معلوم کی انہوں نے اطمینان اور تسلی کی بات ہی کہی اور یہ بتایا کہ وہ عنقریب آنے ہی والے ہیں، اس درمیان میں راقم السطور نے کچھ اس قسم کی بات دیکھی تھی جو واقع ہوئی کہ ملاقات مقدر میں نہیں تھی۔

انتقال پُر ملال

آخر کار جس روز آپ اللہ کو پیارے ہونے والے تھے اور رات میں آپ نے اپنا خواب ذکر کیا کہ رسول پاک علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور آپ فرمارہے ہیں کہ شریف احمد جلدی ہمارے پاس چلے آؤ، چنانچہ ۲۴ رربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۴ رمئی ۲۰۰۵ء بروز چہارشنبہ بعد اذان فجر آپ کی حالت شدید بڑھ گئی اس حالت میں بھی آپ ذکر اللہ فرمارہے تھے، ذکر اللہ فرماتے فرماتے سوا آٹھ بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس روز جب یہ راقم السطور گنگوہ سے ملاقات وزیارت کیلئے چلنے لگا مدرسہ کے صحن میں کھڑا تھا محلہ قریشیان کا ایک دوست اپنے والد کے انتقال کی خبر سنانے لگا لفظ انتقال کان میں پڑتے ہی دل پر ایک چوٹ لگی لیکن انتقال کے بارے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں تھی اور یہ راقم السطور ایک سواری کے ذریعہ عزیزم قاری محمد اسلم سلمہ مدرس مدرسہ ہذا (جو ایک گھر کے فرد کی طرح ہوتے ہیں) کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا انبہٹہ میں ایک مقام پر پہنچ کر گاڑی نے جواب دیدیا کچھ آگے چل کر کسی صاحب نے اپنی سواری دی اس پر سوار ہو کر چل دیئے، لیکن ہوش وحواس، دل ودماغ معطل ہو چکے تھے اور راستہ میں پڑنے والے باغات اور کھیت وکیار کا منظر ایک مہیب منظر بن چکا تھا، اور دل یہ پکار رہا تھا کہ تو کہاں جا رہا ہے آگے چلتے گئے یہاں تک کہ مانک مئو مدرسہ کے کچھ قریب میں پہنچ کر دیکھا کہ مدرسہ کی ایک گاڑی میں بہنوئی مولانا مظفر الحسن آگے بیٹھے ہوئے ہیں اور پیچھے ایک وین میں اللہ کا یہ ولی اللہ کی زیارت اور ملاقات کیلئے اپنی روح کو اللہ کے حضور پیش کر چکا ہے اور وہیں قریب میں والدہ ماجدہ بیٹھی ہوئی ہیں اور غالباً عزیزم حذیفہ سلمہ اللہ جس کی عمر اس وقت کافی کم تھی اپنے محبوب دادا کے پاس غم وافسوس کے سمندر میں ڈوبے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ سب کیفیت دیکھ کر جو گذری وہ الفاظ کے جامہ میں بیان نہیں ہوسکتی، غم واندوہ، حزن وملال، رنج وغم کے پہاڑ ٹوٹ چکے تھے، بلکہ دنیا ہی بدل چکی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ زمین وآسمان وہ نہیں جو پہلے تھے، اسی طرح حیرانی، پریشانی کی کیفیت میں اپنے محبوب والد کا چہرہ دیکھتا رہا جو انوار الٰہی

اور اپنے محبوب رب کی ملاقات سے سرشار تھا بے حد منور اور تروتازہ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ گویا ایک پچیس تیس سال کے کھاتے پیتے نوجوان کا چہرہ ہے، بالکل گول نہ بڑھاپے کی شلوٹیں تھی اور نہ پیرانہ سالی کے آثار اور نہ چہرہ پر کسی قسم کے موت کے آثار بلکہ ایسا لگتا تھا کہ ایک سویا ہوا تروتازہ انسان ہے جو گویا ابھی اٹھ کر کلام کرنے والا ہے، جس نے بھی یہ کیفیت دیکھی وہ محو حیرت ہوگیا اور اس کو یہ تصور کرنا مشکل ہوگیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

جب گنگوہ پہنچے اور مدرسہ کے بڑے گیٹ کے سامنے سے گذر کر مدرسہ میں آپ کو لایا گیا اور لوگوں کا ایک اژدحام ہوگیا تو وہی منظر تھا جو خواب میں دکھایا گیا تھا اس وقت کا پورا ماحول بعینہ اس خواب کی تصویر پیش کررہا تھا، آپ کا جنازہ رکھ دیا گیا اور لوگ زیارت کرنے اور احوال پوچھنے کے لئے ٹوٹ پڑے، کچھ دیر کے بعد غسل وغیرہ کی تیاری ہونے لگی مدرسہ کے مطبخ میں کئی احباب آپ کو غسل دے رہے تھے جن میں بیشتر مدرسہ کے مدرسین تھے اور یہ راقم السطور بھی وہیں حاضر تھا، آپ کے جسم سے انوار کا ایک احساس ہورہا تھا نہ جسم پر مردنی کے آثار تھے اور رنگ بھی وہ نہ تھا جو زندگی میں تھا بلکہ بہت ہی خوبصورت اور خوب رُو محسوس ہورہے تھے، جس وقت ایک دوست نہلانے میں صابن کا استعمال کرنا چاہتے تھے میری زبان سے ایک دم یہ نکلا کہ صابن کی ضرورت کیا ہے دیکھتے نہیں اللہ نے کتنا چمکا رکھا ہے، غسل سے فارغ کرنے کے بعد جب آپ کا جنازہ گھر جو گھیر سے مشہور ہے لیجایا گیا جو مدرسہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے تا کہ اہلِ خانہ اور

متعلقین و مستورات جو دیکھنے آرہی تھیں، جمع تھیں وہ بھی دیکھ لیں، اس وقت ایک بادل سایہ فگن تھا اور ہلکی ہلکی بارش برسا رہا تھا حالانکہ وہ موقعہ گرمی کا تھا، پھر وہاں گھر میں عجیب کیفیت تھی، میری چھوٹی بچی رافعہ یہ کہہ رہی تھی کہ میرے ابا جی کو مجھکو تو دیکھنے دو میں نے اس کو گود میں اٹھا کر دکھایا اور پھر دوسری طرف لے گیا، وہاں سے آپ کو مدرسہ لایا گیا اور ہال کمرہ میں آپ کو رکھا گیا وہاں جوق در جوق لوگ زیارت کر رہے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے کہ حضرت کا چہرہ اس قدر محبوب اور پر کشش تھا کہ دیکھنے والوں پر عجیب کیفیت طاری ہو رہی تھی جیسا کہ بالکل خوبصورت ترین نوجوان ہو اور لیٹا ہوا مسکرا رہا ہو، پھر وہاں سے اٹھا کر دارالقرآن میں رکھ دیا گیا چونکہ لوگ زیادہ ہو رہے تھے اور نماز میں بھی کچھ دیر تھی، وہاں بھی لوگ تمام طلباء، مدرسین اور ارباب مدارس، منتظمین، مدرسین، آپ کے احباب و متعلقین، علماء، صلحاء، خواص و عوام کا ایک جم غفیر اکھٹا ہو رہا تھا اور بعض حضرات مجھ سے کچھ احوال پوچھ رہے تھے اور مجھ میں بتانے کی تاب نہ تھی، چونکہ وہ ایک بے پناہ غم و الم کا وقت تھا اس وقت بعض حضرات اہل علم جو دوسری جگہوں سے آئے ہوئے تھے آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے اور ان کی باتوں میں کچھ مذاق کی کیفیت بھی پیدا ہوئی اور وہ ہنس بھی رہے تھے یا مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ ہنس رہے ہیں، ان کا ہنسنا اپنی دوران گفتگو کسی بات پر ہوگا، مگر مجھ کو اس وقت کا یہ عمل شدید ترین ناگوار گذرا اور یہ احساس ہوا کہ آج کوئی میری تسلی کرنے والا بھی نہیں ہے، عین اسی وقت برطانیہ سے میرے مرشدِ اعظم اور مربی عظیم حضرت اقدس شیخ آصف

حسین صاحب فاروقی مدظلہم کا فون آیا جو ایک صاحب نے مجھے دیا کہ برطانیہ سے آپ کا فون ہے، بندہ نے جو فون لیا تو وہ حضرت فاروقی دامت برکاتہم کا فون تھا جو تسلی دلا رہے تھے ان کی آواز سے جو توجہات پر مشتمل تھی ذکر اللہ کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی اور بندہ نے قریب بیٹھے ہوئے کچھ احباب کو اشارہ کیا کہ آؤ ذکر اللہ کر لیتے ہیں اور بندہ ذکر اللہ کرنے لگا، کچھ حضرات تلاوت کرتے رہے اور میں ایک اضطراری اور اضطرابی کیفیت میں اور اس تصور میں کہ مجھ کو کوئی تسلی دینے والا بھی میسر نہیں ہے اور جو آئے ہیں تو آپس میں ہی باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں، ڈوب کر اللہ کے ذکر میں مصروف ہوا کہ الا بذکر الله تطمئن القلوب کا قلب پر ورود ہو رہا تھا اس کو دیکھ کر بعض احباب نے یہ فرمایا کہ اس وقت اس کی عقل اور دل ودماغ کام نہیں کر رہا ہے، پھر کچھ دیر کے بعد نمازِ جنازہ کا وقت ہوگیا، حضرت کی چارپائی مدرسہ کے صحن میں رکھی گئی کہ اژدحام کثیر تھا اور بعد مغرب احاطۂ اشرف العلوم میں اس راقم السطور ہی نے نماز جنازہ پڑھائی، جو بعض احباب کا اصرار تھا کہ بہت سے حضرات ہونگے کس کس کو کہو گے اور مدرسہ ہی میں تدفین کا عمل جو پہلے سے مشورے سے طے ہوا تھا عمل میں آیا و کان امر الله قدرا مقدورا۔

راقم السطور کو اپنے خدا پر یقین کرتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ محبوب جل وعلیٰ نے اپنے دیوانہ کو شراب طہور کا کوئی شربت روحانی اور باطنی طور پر پلا دیا ہو جس سے ایک قسم کی شہادت کا مقام ویسے بھی اکثر اولیاء اللہ کو ملتا ہے بالخصوص جو قسم قسم کے امراض میں مبتلا ہوتا ہے، چونکہ اس امت میں شہداء

کی تعداد مختلف اسباب شہادت کی بناء پر کثیر ہوگی ، اس سے کوئی بعید نہیں ہے کہ اللہ پاک نے اس قسم کا کوئی خاص مقام ان کو عطا فرمایا ہو اور اَلَااِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْن (سورۂ یونس آیت ۶۲) کا کوئی مژدۂ جانفزاں اور یٰاَیَّتُھَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلیٰ رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِی (سورۂ فجر آیت) کی کوئی راحت بخش بشارت اور پیغام سے سرشار کردیا ہو بعید نہیں ہے، اور انتقال کے بعد بہت سے حضرات نے حضرتؒ کے تعلق سے بہت سے مبشرات اور منامات سنائے ہیں ، جن میں سے چند یہاں اس لئے درج کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کے مقام و مرتبہ کا کچھ اندازہ ہوسکے اور دوسرے اس بات کا بھی اندازہ ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ صالحین ، عارفین ، اولیاء اللہ کو کن کن مقامات سے نوازتے ہیں ، کچھ مبشرات کا تعلق تو عین وفات کے قریب کے اوقات سے ہے اور کچھ وہ ہیں جو بعد میں لوگوں کو دکھائی پڑے۔

مدرسہ کے ایک قدیم مدرس مرحوم قاری محمد اسلام صاحبؒ نے یہ خواب دیکھا کہ حضرت شیخ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کہیں جارہے ہیں میں نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ تو بتایا کہ قاری شریف کو ملنے جارہے ہیں، اس سے بھی بڑی بشارت پر مشتمل ایک خواب عزیزم مولانا مفتی سلیم قاضی دہرادون نے لکھ کر بھیجا تھا کہ میں دیوبند آیا جہاں ان کی سسرال ہے وہاں رات میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اللہ کے ایک رسول کا انتقال ہوگیا ہے نماز جنازہ تیار ہے وضو کرلو، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اور میں حیرت میں تھا کہ یہ کیا قصہ

ہے، ایک صاحب سے تعبیر لی تو انہوں نے بتایا کہ کسی بڑے عالم کا انتقال ہو گیا ہے، کچھ ہی دیر کے بعد یہ علم ہوا کہ گنگوہ میں حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

نیز بعض خواب آپ کے انتقال سے کافی قبل کے ایسے بھی تھے جن سے آپ کی مدرسہ میں تدفین کی طرف اشارات تھے، ایک صاحب نے آپ کی وفات سے کافی زمانہ پہلے راقم السطور سے یہ ذکر کیا کہ مدرسہ کی مسجد کے صحن میں ایک قبر کھودی جارہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ یہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی تدفین ہوگی تو یہ دونوں باتیں بڑی عجیب سی تھیں، مسجد کے صحن میں اور پھر ایسے صحابی کبیر کا نام جو زمانہ دراز پہلے اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں کبار صحابہ میں ان کا شمار ہے، یہ تو عجیب وغریب معاملہ ہے میں دیکھنے کیلئے آیا تو وہ حضرت قاری صاحب تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبل از انتقال کچھ مبشرات

اسی طرح حضرتؒ کے انتقال سے چند ماہ قبل ایک طالب علم نے ایک خواب ذکر کیا کہ جس جگہ حضرت مدفون ہیں عین اسی جگہ سے ایک نور اٹھا اور اس نے علاقہ کو چمکایا اور اسی جگہ پر آکر چھپ گیا، یہ اس قسم کے اشارات غیبیہ تو چل ہی رہے تھے اور پھر آپ کی علالت اور ضعف اور سفر آخرت قریب آرہا تھا، مدرسہ کے اراکین شوریٰ کے بعض متفکر حضرات نے اس طرف توجہ دلائی کہ ان تمام ظاہری اسباب میں اسی اللہ والے کی محنت ہے ان کی تدفین یہیں کسی جگہ مناسب ہے، اس بات کی تائید اور حضرات نے بھی کی، چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب

انتقال ہو گیا تو ایسا ہی عمل میں آیا جس پر بعد میں ایک مولوی صاحب نے شور مچایا، یہ تو خلاف شرع ہوا ہے اور ایسا نہ ہونا تھا جس پر وہ بعض جگہ سے اپنی تائید میں فتاویٰ بھی لائے اور اس کو انہوں نے مدرسہ کے خلاف ایک پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کیا مگر جب ان کو بالمشافہہ گفتگو کے لئے بلایا گیا تو وہ سامنے نہیں آئے اور انتقال کے بعد تعزیت کے لئے بھی نہیں آئے جب کہ انہوں نے سارا فیض حضرتؒ ہی سے حاصل کیا اور ان کے قدیم ترین شاگرد بھی تھے اور ان کے احسانات کے نیچے دبے ہوئے تھے حتیٰ کہ حضرتؒ کے انتقال کے بعد بھی وہ مقروض تھے انہوں نے سب سے پہلا یہی قدم اٹھایا، ان کے سامنے یہ بات رکھنی تھی کہ یہ عمل یہیں ہوا ہے یا اور کہیں بھی ہوا ہے اور یہ اعتراض آپنے وہاں بھی کیا ہے یا یہیں کر رہے ہو؟ دوسروں کے ذریعہ جب اس طرح کی نظیریں ان کے سامنے رکھی گئیں تو وہ جواب دینے سے عاجز رہ گئے، جب ان کو بتایا گیا کہ اس طرح کی مثال وہاں بھی ہے، وہاں بھی ہے جن کی ایک طویل فہرست ہے وہاں آپ لوگوں نے اس قسم کا کوئی اعتراض نہیں اٹھایا اس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کا یہ اعتراض اخلاص پر مبنی نہیں ہے بلکہ کسی حسد اور بغض و فتنہ و فساد کیلئے ہے تو ان کے پاس کوئی قابل اطمینان توجیہ نہیں تھی، رہا فقہی طور پر یہ مسئلہ تو اس بارے میں جب غور کیا گیا تو دونوں طرح کے نظریات اور فتاویٰ نظر آئے، چنانچہ ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرات مفتیان کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسائل میں جواب بالصواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

وہ مدارس جو بے شمار لوگوں سے چندہ کر کے بنائے گئے ہوں نیز زکوۃ

وصدقات کی رقومات تملیک کر کے زمینیں خریدی گئیں اور عمارتیں بنائی گئیں ہوں ان مدارس کی کیا حیثیت ہوگی؟ موقوفہ یا غیر موقوفہ؟ نیز واقف کون ہوگا؟ چندہ دہندگان غرباء، جن کے ذریعہ تملیک کرائی گئی یا مہتمم حضرات؟ پھر وہ مدرسہ جس کا ایک ایک انچ مہتمم نے چندہ کر کے خریدا ہو اور اس میں اپنی ذاتی زمین بھی شامل کی ہو اور اپنے لئے تصرف کی نیت بھی کی ہو اور خود چندہ دہندگان کی مرضی، بلکہ اصرار ہو تو اب مراعۃ حقوق الواقفین کے تحت اس کا بعد الموت مدرسہ میں دفن ہونا جبکہ مقاصد مدرسہ میں کوئی خلل نہ ہوتا ہو شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ اور جن فقہاء کرام نے مکروہ لکھا ہے اس کراہت کی وجہ کیا ہے؟ یہ مسئلہ انہوں نے کس دلیل سے مستنبط فرمایا ہے؟ وجہ کراہت کوئی آیت ہے یا روایت ہے؟ یا ان کا ذوق فقہی ہے؟ کبار محدثین میں بھی علامہ قسطلانیؒ اور علامہ عینی اپنے مدرسۂ عینی (دیکھئے بستان المحدثین رص ۳۲۰) اور کبار اولیاء اللہ جو اپنی اپنی خانقاہ اور بعض کبار فقہاء اپنے اپنے مدرسوں میں اور مسجدوں کے احاطہ میں مدفون ہیں، مثلاً سید منت اللہ رحمانیؒ (اقوال سلف رص ۱۰۷رج ۶) اور ان کے والد بزرگوار بھی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ، علامہ رفیق صاحبؒ در مدرسہ بھیسانی (دیکھئے حیات رفیق الامت) مولانا شریف صاحبؒ در مدرسہ کاشف العلوم چھٹملپور، اکابر دہلی اپنی خانقاہوں میں، کیرانہ میں بہت سے بزرگ، پانی پت میں، نظام الدین مرکز کے اکابر در احاطہ مرکز نظام الدین، سرہند شریف میں اولیاء کبار ان کی خانقاہوں میں، رائپور میں، تھانہ بھون میں بعض اکابر در خانقاہ، پاکستان میں اکابر اولیاء اللہ میں سے بہت سے اپنی خانقاہوں میں مدفون ہیں ان سب پر کیا فتویٰ ہوگا؟۔

کیا واقعی مدارس اسلامیہ وقف ہیں تو عدالتوں میں وقف کا انکار کرنا کیسا ہے؟ اوقاف پر قبضہ کرنا جبکہ پہلے سے کوئی نیک صالح اس پر موجود ہو کیسا ہے؟ کسی مصلحت یا نوکری کی وجہ سے حق جانتے ہوئے اس کو چھپانا کیسا ہے؟ نظام شرعی اور نظام تکوینی یکساں ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اگر کچھ امور نظام تکوینی میں منظور خدا ہوں اور بظاہر ہماری عقل وہاں نہ پہنچے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے سکوت یا انکار؟ قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام سے کیا سبق ملتا ہے؟ والسلام۔ محمد عثمان قصبہ بہٹ

محلّہ منیہاران ضلع سہارنپور یوپی

اگر کوئی خواب بہت سارے افراد دیکھیں تو شرعاً اس کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اگر کوئی چیز بہت سارے افراد کے خواب میں دکھائی جارہی ہو تو شرعاً اس کا اعتبار کرنا چاہئے یا نہیں؟ بخاری شریف رص ۱۰۳۵رج ۲رباب التواطؤ علی الرؤیاء سے امام بخاریؒ نے کیا فرمایا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:۔(۱) اگر واقعۃً دینی مدرسہ بنانا مقصود ہو اور کوئی خاص شکل اس کیلئے متعین کی گئی ہو تو چندہ وغیرہ درست ہے اور اگر مدرسہ کے نام سے اپنی جیب بھرنی مقصود ہو مدرسہ کا بہانہ ہو تو چندہ ناجائز ہے اور اس خیانت پر لوگوں کو مطلع بھی کردینا چاہئے جو بھی اقدام ہو تحقیق کے بعد ہو۔

(۲) یہ سب طریقے اور دعوے غلط ہیں اسلام کے منافی ہیں اگر واقعۃً کوئی شخص ان کاموں اور دعوؤں کا مرتکب ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے۔

(۳) قوم سے مدرسہ کے نام پر چندہ کیا گیا اور مدرسہ بنایا گیا تو وہ مدرسہ وقف ہے اس میں وقف کے احکام جاری ہوتے ہیں اور چونکہ واقفین کا منشاء

مدرسہ کی تمام ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے اس لئے مدرسہ کی زمین میں قبرستان کی تخصیص میں بھی حرج نہیں اور اگر باقاعدہ قبرستان نہ ہو اور کوئی بزرگ اس درجہ کے ہوں کہ عام لوگ ان کی تدفین باہمی مشورہ سے مدرسہ ہی کی جگہ میں کرنے کو بہتر سمجھتے ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے، ایسی کوئی صورت نہ ہو کہ جس سے مدرسہ کا اصل مقصد متاثر ہو اور مدرسہ قبرستان ہو کر رہ جائے (کذا یبدو من عبارات الفقہاء فی کتبھم فلیطالع) واللہ اعلم۔

الجواب صحیح خورشید عالم

دار الافتاء الجامعۃ الاسلامیہ وقف دار العلوم دیوبند

محمد احسان نائب مفتی وقف دار العلوم دیوبند

جن صاحب کا اوپر ذکر آیا کہ انہوں نے حضرتؒ کے بعد اگلے ہی دن فتنہ کرنا شروع کر دیا تھا پھر اس کو انہوں نے مدرسہ کے اندر اور باہر خوب زور و شور سے پھیلایا گویا کہ مدرسہ کی مخالفت کا ایک ہتھیار ان کو اور ان کے ہمنواؤں کو فراہم ہو گیا چنانچہ بعض مدرسین جو اس وقت تک یہیں تھے اس کو نشر کرتے رہے اور انہوں نے اس کے ساتھ دوسرے اور اعتراضات بھی جمع کر لئے اور ایک بڑے فتنہ اور طوفان کیلئے تیاریوں میں مست ہو گئے اور اس پر ایک اچھا وقت گذر گیا یہاں تک کہ جو ان کو کرنا تھا وہ سب کچھ کیا اور اس کے منطقی انجام کو پہنچے اور مادرِ علمی دار العلوم دیوبند کے ایک بہت بڑے محدث، مفسر، مفتی، مدرس کے پاس پہنچے اور اس سلسلہ میں ان سے تفصیلی گفتگو کی اور ایک اعتراض کے ساتھ جو کچھ مخالفانہ غلط بیانیاں کر سکتے تھے بیان کیا کیونکہ یہ ایک جماعت تھی جو زور و شور سے مدرسہ کے خلاف سرگرمِ عمل تھی اور

تخریب کاری میں مبتلا تھی یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد جب رابطۂ مدارس کا اجلاس عمل میں آیا تو ان محدث بزرگ نے اسٹیج پر جم کر ان تمام مدارس کی خبر لی جہاں جہاں کوئی بزرگ یا اس مدرسہ کا ذمہ دار مدفون ہوا ہے اور اخیر میں سب کا خلاصہ گنگوہ کے اس مدرسہ پر لا کر چھوڑ دیا کہ وہاں بھی ایسا ہوا ہے گویا کہ انہوں نے اپنے زعم میں یہ بہت بڑا رد بدعت فرمایا ہے، حالانکہ خود ان کی شروحات میں بہت سی مؤیدات بدعت اور غیر مناسب چیزیں پائی جاتی ہیں اور مدارس کے ذمہ داروں کو بدعتی یا بدعت کی طرف مائل ہونے کا ایک تأثر اپنے سامعین کو عنایت فرمایا یہ ان کا ایک اصلاحی انداز تھا جس میں وہ یہ بھی فرما گئے کہ مسجد کے صحن میں ایسا ہوا ہے حالانکہ یہ خلاف واقعہ بات تھی جس کا مشاہدہ ہر دم آنے جانے والے لوگ کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، جب اس کو لیکر مفسدین مدرسین نے ایک طوفان برپا کیا تو حضرت والا کی خدمت میں ایک خط لکھا گیا جس میں چند گذارشات کی گئیں، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ کیا دارالعلوم اور ان جیسے بڑے مدارس وقف ہیں اگر واقعی ایسا ہے تو پھر عدالتوں میں انکار کی نوبت کیوں آئی؟ اور آپ بھی ان کے مؤیدین میں شامل رہے ہیں، جبکہ آپ کے شیخ کا نظریہ خود اس کے خلاف تھا، اور ہندوستان میں امیر الہند ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جب کہ اکابر اعلام امت کا ایک طبقہ دلائل کے پیش نظر اس کے مخالف تھا لیکن محض سیاسی رعب اور سیاسی وجوہات کی وجہ سے ایک بزرگ کے کہنے پر اس کی تائید فرمائی، اور اس طرح کی کئی باتیں بطور یاددہانی کے عرض کی گئیں تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا بلکہ غصہ کا اظہار ہوا اور ایک اور جزء کا اضافہ کردیا جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں میں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو ہر سنی سنائی بات کا یقین کر کے اس کو نقل کر دیتا ہے اور لکھ بھی دیتا ہے، جبکہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَیَّنُوْا فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ اور کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ (الحدیث) جیسی نصوص بھی موجود ہیں جو انہیں جیسے موقعوں پر انسان کو تنبیہ کرنے کے لئے وارد ہوئی ہیں۔

اعتراف عبدیت و اظہارِ تشکر

حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنا بچپن، جوانی، بڑھاپا اور زندگی کے نہایت قیمتی لمحات اور تمام تر صلاحیتیں و جذبات لگا کر جو ادارہ قائم کیا اور علوم نبوی کا ایک مہکتا اور لہلہاتا گلشن تیار کیا اور جب گلستان رشیدی اپنی تمام تر رعنائیوں اور خوبیوں کے ساتھ مرحلۂ تکمیل میں پہونچا اور حضرتؒ نے اس کے فیض عام و خاص کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اس کی ترقی و آبادی کیلئے جو سحر گاہی دعائیں کی تھیں ان کی قبولیت کا مشاہدہ کیا تو اللہ پاک کا بیحد شکر بجالاتے تھے اور بارہا یہ کہتے تھے: میں کہاں اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ سب اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہوا ہے، اور بارہا یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ یہ سب اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہوا، اور اگر کوئی ایسی بات کہتا کہ آپ نے بہت بڑا کام کیا تو ڈر جاتے اور کہتے کہ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں، آپ پر یہ کیفیت طاری رہتی تھی اور ہمیشہ اپنے سے نفی کرتے تھے اور اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔

خود ان کی زبانی سنیئے!۔

''خداوند قدوس کا قانون ہے کہ کسی بھی کام کو کسی قوم کے لئے خاص نہیں کیا،

بلکہ جو بھی محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کمالات وخوبیوں سے نواز دیتے ہیں، ہم پر خدائے وحدہ لاشریک لہ کے احسانات بہت ہیں۔ ہم سراپا اس کے احسان میں ڈوبے ہوئے ہیں، ان بڑے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ ہماری نسلوں میں کوئی عالم نہیں تھا خداوند قدوس نے ہمیں چن لیا اور علم دین پڑھنے کے بعد اس نے ہمکو خدمت علم دین کے لئے منتخب کرلیا اور یہ اتنا بڑا چمن بنوادیا یہ اسی کا کرم واحسان عظیم ہے، بندہ کس منہ سے اس کا شکر یہ ادا کرے، ایسی زبان کہاں سے لائے جس سے اس پالنہار کا شکر ادا کر سکے، ہمارے اس کہنے میں بھی اخلاص نہیں، خدا ہمارے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو اپنے لئے کہنے کی توفیق دے اور ہماری اس کاوش ومحنت کو بارآور فرمائے اور اس محنت کو ذخیرۂ آخرت بنادے آمین، ورنہ تو ہم اس لائق کہاں تھے کہ خدا ہم سے ایسا وسیع وبلیغ عظیم الشان کام لیتا یہ کام کسی اور سے بھی کراسکتا تھا، خدا کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں وہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے، اپنا کوئی کمال نہیں سب کچھ خدا کا کمال ہے جس نے ہم سے یہ کام لیا ہے، اگر وہ ذہن میں نہ ڈالتا اور کام نہ لیتا تو ہم کہاں سے اور کیسے کر سکتے تھے، کوئی انسان جب بھی کسی کمال کو حاصل کرے تو اس کی نظر کمال دینے والے پر ہونی چاہئے یہی بات خدا کو بھی پسند آتی ہے اور مزید ترقی کا باعث بھی بنتی ہے، اس کی طرف اللہ نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی انسان سے اللہ کوئی اچھا کام کرادے تو اس کو چاہئے کہ وہ انابت الی اللہ، رجوع الی اللہ اختیار کرے تا کہ

ازدیادنعمت وترقی کا سبب ہے، ہرکام وہنر کی ترقی کاراز بس یہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے ناشکری کی تو میری پکڑ یقیناً بڑی سخت ہے اور ناشکری کرنے سے کام بگڑ بھی جاتا ہے، اچھی خاصی تجارت چلتی چلتی تنزلی پر آجاتی ہے، ایک دم کام ٹھپ ہوجاتا ہے، پھر اللہ کا بندہ اپنے اعتقاد کو متزلزل کرکے سوچنے لگتا ہے کہ ہائے میری تجارت فیل ہوگئی! تجارت میں گھاٹا ہوگیا! شاید کسی نے جادوٹونا کرادیا ہے، اس طرح کے خیالات دل میں ابھر جاتے ہیں جس سے اس کی ایمانی قوت کمزور پڑتی جاتی ہے اور یہ صرف ناشکری کا وبال ہوتا ہے جس سے اس کا ایمان واعتقاد کمزور ہوجاتا ہے۔

انتقال کے بعد بشارات

آپ کے انتقال کے بعد بھی بہت سی بشارتیں منجانب اللہ تعالیٰ دکھائی گئیں ان خوابات اور بشارتوں کو دیکھنے والوں میں بہت سے آپ کے متعلقین اور قریب وبعید کے رہنے والے حضرات ہیں انہوں نے اپنی اپنی جگہوں پر بشارتیں دیکھیں اور خطوط کے ذریعہ سے اور ملاقات پر اس کا ذکر کیا، ان میں سے بطور نمونے کے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) چنانچہ نقوش دوام میں رص ۳۴۸ ر پر اس عنوان کے تحت ''میرے محسن ومربی تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ'' عزیزم مولانا محمد شاہد سلمہ کشمیری فاضل جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ نے لکھا ہے:

''آپ کی موت بھی قابل رشک طریقہ سے ہوئی آپؒ ایک دن صبح اٹھے تو اپنے خادم خاص مولوی زبیر احمد کشمیری کو بتایا کہ دوپہر سے پہلے پہلے روانہ ہونا ہے تو خادم نہ سمجھ سکا اور خادم نے کہا حضرت ابھی تو آپ کی صحت اچھی نہیں ہوئی ہے جب ڈاکٹر اجازت دیں گے تب ہی تو جانا ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ نہیں ابھی حضور ﷺ خواب میں تشریف لائے اور بتایا کہ دوپہر سے پہلے پہلے میرے پاس چلے آؤ، پھر اسی دن دوپہر سے پہلے ہی جان مالک حقیقی کے حوالہ کردی۔ ع

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

(۲) جناب مولانا مفتی سلیم احمد قاسمی زید مجدہ، دارالقضاء دہرادون نے نقوش دوام میں اپنے مضمون ''بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ'' کے تحت

اس طرح لکھا ہے:

بلا شبہ حضرت قاری صاحبؒ نے سر زمین گنگوہ کی علم حدیث کی نشأۃ ثانیہ اور آبیاری کا کارنامہ انجام دیا یقیناً یہ آپ کا تجدیدی کارنامہ ہے، اس کا انکار حقیقت سے آنکھیں چرانا ہے اور یہی کارنامہ عشقِ رسول ﷺ آپ کے سچے وارث بننے کا باعث ہوا، جیسا کہ آپ کے ایک ادنیٰ شاگرد نے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ کی نماز جنازہ کی تیاری ہورہی ہے تو دل پریشان ہوگیا کہ یہ عجیب وغریب خواب ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ تعبیر معلوم کرنے کی غرض سے باہر نکلا اللہ اکبر! غیب سے اس کی تعبیر بتلائی گئی جیسے ہی باہر نکلا تو دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد سے اعلان ہوا کہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ناظم حضرت قاری شریف احمد صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ خواب اسی وقت کا ہے جب حضرت کا انتقال ہوا، چنانچہ اس وقت بات سمجھ میں آگئی کہ نبی ﷺ کے انتقال کا مطلب آپ کے وارث کا دنیا سے اٹھ جانا ہے اور وہ حضرت ہی تھے، جب دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کا یہ مقام دکھایا ہے تو وہ آخرت میں کس مقام پر ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرات معاصرین اور ان کے ساتھ روابط

چند حضرات معاصرین اور ان کے ساتھ روابط

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ حضرت والد صاحبؒ اور ان کے اکابر و متعلقین کے مابین حالات و واقعات تھے، اب مختصر طور پر ان معاصر اور رفقاء زمانہ اور تقریباً عمر میں معمولی تفاوت اور فرق رکھنے والے حضرات علماء کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کے ساتھ حضرت والد صاحب قدس سرہ کا ایک رفیقانہ و معاصرانہ معاملہ تھا اور ان سے بسا اوقات مختلف موضوعات اور حالات و معاملات میں ایک رفیقانہ انداز کی گفتگو بھی ہوجایا کرتی تھی، جس میں ان کے بہت سے معاملات میں اتفاق بھی ہوتا تھا اور اپنی رائے کا دلائل کے ساتھ اظہار بھی اور اختلاف بھی، اگر ہم اس کی تفصیل میں جائیں تو بہت لمبی گفتگو ہوجائے گی اس لئے اس کو چھوڑنا بہتر ہے۔

ان میں کچھ تو وہ حضرات ہیں جو آپ کے درسی رفیق بھی رہے اور کچھ وہ حضرات ہیں جو آپ کی طرح مختلف مدارس کے نظماء اور مدرسین تھے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ، اسی طرح حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیۃ علماء کے ارکین اور دیوبند و سہارنپور و مرکز نظام الدین دہلی اور دیگر مقامات کے حضرات ہیں۔ یہاں پر چند بزرگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہریؒ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱؍ربیع الاول ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۲۹ء بروز پنجشنبہ سہارنپور میں ہوئی، تاریخی نام مظفر حسین رکھا گیا، مظاہر علوم کے مکتبۂ خصوصی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے یکم محرم ۱۳۶۱ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ

لیا اور فارسی وعربی کی تعلیم شروع کی ۱۳۶۹ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی بعدہ تکمیل علوم کی تعلیم حاصل کی ۱۳۷۰ھ میں مظاہر علوم ہی میں تقرر ہو گیا۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کی نسبت سے نیز اس نسبت سے جو حضرت والد صاحبؒ کو مظاہر علوم کے ارباب انتظام واہتمام کے ساتھ چلی آرہی تھی، حضرت اقدس فقیہ الاسلام جامع کمالات ظاہریہ وباطنیہ، منبع الفیوض والبرکات، محدثِ دوراں، فقیہ زماں حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ ناظم مظاہر علوم کے ساتھ بھی گہرا معاصرانہ، رفیقانہ تعلق رہا اور دونوں بزرگ نظماء ایک دوسرے کے نہایت قدر دان اور کمالات کے معترف رہے، متعدد بار حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں تشریف لاتے، وعظ فرماتے، کتابیں ختم کراتے، دعاء کراتے اور اپنی قیمتی نصیحتوں سے مدرسین وطلباء کو فیضیاب فرماتے، جامعہ کے مدرسین میں بہت سے حضرت کے شاگرد بھی ہوتے ہیں اور مرید بھی، اسی لئے حضرت کے آنے سے جامعہ میں بہت خوشی محسوس کی جاتی تھی۔

حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ حضرت والد صاحبؒ کے کمالات کا خود اعتراف کرتے تھے، ایک بار حضرت موصوف نے جب کہ جامعہ کی ایک شاخ کا افتتاح ہو رہا تھا مسلسل کئی گھنٹے جامعہ کی فضیلت اور بانی جامعہ کے اخلاص اور استقلال پر مفصل خطاب فرمایا اور جامعہ کے لئے دلی دعا فرمائی، حضرت موصوفؒ اور حضرت والد صاحبؒ کا مظاہر علوم کا دور بھی قریب قریب گزرا اور تقریباً ہم عمر بھی تھے اور بہت سے معاملات میں یکسانیت تھی، ان دونوں حضرات میں متعدد

معاملات میں جن کا تعلق زیادہ تر مدرسہ کے معاملات سے ہوتا تھا، مکاتبت بھی رہتی تھی اور حضرت موصوف مدرسہ کو اور منتظم مدرسہ کو بہت وقیع نظر سے دیکھا کرتے تھے، جس پر ان کی بہت ساری تصدیقات اور خطوط شہادت دیتے ہیں۔

حضرت موصوف اپنی وفات سے صرف چار روز قبل ماہ رمضان المبارک میں گنگوہ حضرت والد صاحبؒ سے ملاقات کیلئے تشریف لائے اور دونوں حضرات کے درمیان بہت طویل ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ رہا اور دونوں روتے بھی رہے اور بہت سے موضوعات پر نہ جانے کیا کیا گفتگو ہوئی، جس کے بعد حضرت موصوف ۲۸ رمضان ۱۴۲۴ھ مطابق ۱۸ نومبر ۲۰۰۳ء بروز سہ شنبہ اللہ کو پیارے ہو گئے، اور مقبرۂ حاجی کمال شاہ میں مدفون ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ راقم الحروف اس وقت ایک باہر کے سفر پر تھا وہاں اطلاع ملی اور رنج وغم کا ایک پہاڑ ٹوٹ گیا گویا سفر بھی ایک مصیبت بن گیا اور اس قدر احساس ہوا جو بیان سے باہر ہے، اللہ پاک درجات بلند فرمائے آمین یارب العالمین۔

(۲) حضرت حافظ عبدالستار صاحبؒ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۴ رشعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۰۹ء میں موضع ہرچند پور (ماجرا) تحصیل روڑکی میں ہوئی، آپ کے والد صاحب کا نام فہیم الدین ہے، فارسی کی کتب مولانا خدا بخش سے رائپور میں پڑھیں اور قرآن کریم قصبہ بہٹ میں حفظ کیا، تعلیم کے دوران حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت ہو گئے تھے، اگست ۱۹۳۱ء میں موضع نانکہ ضلع سہارنپور میں تشریف لاکر مسجد

میں درس شروع کر دیا پھر اپنے مدرسہ کا نام حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''فیض الرحیم'' رکھا۔

حضرت حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ کے ساتھ بھی حضرت والد صاحبؒ کا بہت گہرا تعلق تھا وہ آپ کے حج کے ساتھی بھی تھے اور یہ وہ دور تھا جب کہ حج کا سفر بھی پانی کے جہاز سے ہوتا تھا اور تین چار مہینے رہنے کا موقعہ ملتا تھا ہفتوں تو جہاز میں ہی گزر جاتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھی آپ سے قرآن پاک، اللہ کے عشق اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے اشعار سنتے تھے اور لطف لیا کرتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ کی عشق کی کیفیت جو اشعار میں ڈھلی ہوتی تھی اس سے مجلس کا رنگ بھی ایک عجیب انداز کا ہوجاتا تھا، حضرت حافظ صاحبؒ بھی مدرسہ میں بے تکلف بارہا تشریف لاتے تھے اور قیام وطعام یہیں ہوتا تھا اور اپنے مخصوص انداز کی دعاء کیا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ بھی ان کے پاس نانکہ جایا کرتے تھے تو حضرت مرحوم بہت زیادہ اکرام اور احترام فرمایا کرتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس ہوتا تھا نکال کر کھلایا کرتے تھے، ایک بار مدرسہ میں قصبہ کے چند شریروں کی طرف سے حاسدانہ شر وفساد کا طوفان اٹھا ہوا تھا اس دوران حضرت والد صاحبؒ اور ان کے ساتھ چند افراد جن میں یہ راقم الحروف بھی تھا جس کو اکثر والد صاحب قدس سرہ اپنے ساتھ علماء، صلحاء اور مدرسہ کے دیگر معاملات کے لئے آمدورفت میں ساتھ ساتھ رکھا کرتے تھے، حضرت مرحوم کے یہاں پہونچے اور اس موضوع پر بھی گفتگو ہوئی حضرت حافظ صاحبؒ نے ایک عجیب جوش میں فرمایا کہ اشرف العلوم اللہ کا

جلایا ہوا ایک چراغ ہے جو اس کی مخالفت اور دشمنی کرے گا اللہ پاک اس کی مونچھوں کو جلا دیں گے اور غالباً اسی سفر میں حضرت نے ایک شعر بھی پڑھا جس میں ہندوستان سے مستقل طور پر رحلت کر جانے کا اشارہ بھی تھا، غالباً وہ شعر یہ تھا:

سیر کی پھول چنے گلشن تیرا آباد رہے

اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ سفر حج پر گئے اور واپس نہ آئے اور ۱۶/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ میں وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے، جنت المعلی مکہ معظمہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت ۷/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰/دسمبر ۱۹۲۰ء شہر ہردوئی، یوپی میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے جا ملتا ہے۔ اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ ''حقی'' کا لاحقہ لگا ہوا ہے، آپ نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن پاک کی تکمیل کی اس کے بعد اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم ہردوئی کی انجمن اسلامیہ کے مدرسہ میں مولانا انوار احمد انبہٹوی مظاہری سے حاصل کی، دورۂ حدیث شریف اور تکمیل فنون کی فراغت ۱۳۵۷ھ مظاہر علوم سے کی، آپ کے رفیق درس حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ اور مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ ہیں، ۱۹۴۲ء میں ہردوئی میں اشرف المدارس کا سنگ بنیاد رکھا، دوران تعلیم ہی حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے تھے، ۱۳۶۱ھ میں جبکہ آپ کی عمر صرف ۲۲ سال تھی حضرت تھانویؒ نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرما دیا تھا۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، اپنے شیخ کے ساتھ بے انتہاء خلوص ومحبت رکھنے والے، صاحب فیض، صاحب کمالات وبرکات، خادم کتاب وسنت، امت کے معلم اور مصلح، ولی کامل، عارف باللہ، ایک منارۂ نور، دیکھنے میں انسان حقیقت میں ایک فرشتہ صفت آدمی تھے، حضرت قدس سرہ سے عالم اسلام، عرب وعجم کو فیض پہنچا اور بہت بڑے طبقہ کی آپ نے اصلاح فرمائی، اللہ پاک درجات بلند فرمائے، اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ آپ کو ایک خاص تعلق تھا، حضرت والد صاحبؒ کو بھی آپ کے ساتھ ایک خصوصی ربط تھا، ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت مولانا قدس سرہ جب دیوبند، تھانہ بھون، سہارنپور وغیرہ کا سفر فرماتے تھے تو بلا تکلف جامعہ اشرف العلوم میں بھی تشریف لاتے تھے اور علماء وطلباء کو اپنے خطاب سے مستفیض فرماتے تھے، اور اپنے ذوق کے اعتبار سے انتظامی امور میں اصلاح اور مشورہ بھی دیا کرتے تھے، اخیر عمر میں جب آپ تھانہ بھون تشریف لاتے تھے اور وہاں ایک ہجوم آپ کی زیارت کے لئے اکٹھا ہوجاتا تھا، تو مدرسہ کے مدرسین وطلبہ بھی آپ کی زیارت کیلئے جایا کرتے تھے اور آپ کے مدرسہ ہردوئی میں بھی یہاں کے مدرسین کا متعدد بار جانا آنا رہا، بہت زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے، آپ کے مدرسہ میں بھی مدرسہ اشرف العلوم کے فیض یافتگان بڑی خدمت پر مامور ہیں، ایک بار وفات سے کچھ روز پہلے جب آپ باغپت کے مدرسہ میں محترم مولانا بلال صاحب تھانوی مدظلہ کی دعوت پر تشریف لائے

تو موصوف محترم نے اپنی کرم فرمائی سے راقم السطور کو بھی مطلع کیا، حضرت والد صاحبؒ نے اس موقعہ پر مجھ سے کچھ پوچھنے کیلئے بھی فرمایا تھا غالباً وہ اس قسم کی بات تھی کہ آپ نے حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ سے بھی کچھ پڑھا ہے؟ راقم السطور نے حضرتؒ سے ملاقات پر یہ سوال کیا تو حضرت نے بڑی شفقتوں سے اس کی تفصیل بتائی، حضرت سے ملاقات کر کے راحت و برکت اور شفقت کا احساس ہوتا تھا، آپ کی وفات ۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷ رمئی ۲۰۰۶ء میں ہوئی، نماز جنازہ قاری امیر حسن صاحبؒ نے پڑھائی جس میں کئی لاکھ علماء، صلحا، طلبا اور عوام نے شرکت کی، اللہ پاک درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

(۴) حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ

آپ کی ولادت باسعادت ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ رفروری ۱۹۱۸ء چہار شنبہ صبح ۹ ربجے کاندھلہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن کی جامع مسجد میں حاصل کی، اردو و فارسی کی تعلیم مولانا عبدالحمید کے پاس ہوئی، عربی تعلیم کے لئے ربیع الاول ۱۳۴۹ھ میں مرکز نظام الدین آ گئے، پھر ۳ رسال کے بعد شوال ۱۳۵۴ھ میں مظاہر علوم میں تشریف لے آئے اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔

مرکز نظام الدین دہلی کے ان امیر قافلہ اور سالار کاروانِ دعوت و تبلیغ، اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ، عالم و فاضل حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اوران کے متعلقین سے بھی آپ کو کافی ربط رہا، ان کی خدمت میں جانا آنا ملاقات

کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا، اور حضرت مولانا مدرسہ میں ہونے والی دعوت وتبلیغ کی محنت پر بہت خوش رہتے تھے جس کا اندازہ آپ کے خطوط سے لگایا جاسکتا ہے، آپ کی وفات ۱۰ ارمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ ارجون ۱۹۹۵ء میں ہوئی، آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد زبیر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بنگلہ والی مسجد مرکز حضرت نظام الدین میں مولانا الیاس ومولانا محمد یوسف صاحبان کے پہلو میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ۔

بطور نمونہ آپ کے چند مکتوبات ذکر کئے جاتے ہیں:!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب قاری شریف احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب ملا آپ کے مدرسہ میں تعلیم کے ساتھ فارغ اوقات میں طلبہ عزیز کا دعوت کے کام میں شوق وذوق سے حصہ لینے اور تعطیل کلاں میں کافی طلبہ کے جماعتوں میں نکلنے کی امید وتوقع کی خبر باعث مسرت ہے، اللہ جل شانہ مبارک فرمائے اور ترقیات سے نوازے، یہاں سے طلبہ کی تشکیل وترغیب کیلئے کسی کے بھیجنے کی طلب وخواہش کا علم ہوا، اس کے لئے انشاء اللہ مولانا سعید احمد خان صاحب کا ۱۳ اردسمبر کو صبح ۱۰ اربجے تیتروں سے آپ کے مدرسہ میں پہنچنا طے ہوا ہے۔

مولانا سعید احمد خان صاحبؒ ۱۲ اردسمبر کو یہاں سے تیتروں جائیں گے رات وہاں قیام کرکے دوسرے دن ۱۳ اردسمبر ۱۰ اربجے انشاء اللہ آپ کے یہاں مدرسہ پہنچیں گے، مدرسہ میں ۱۰ اربجے سے ۱۲ اربجے ظہر تک ٹھہر کر پھر انہیں ظہر کی

نماز کھیڑہ افغان میں پڑھنی ہے اور وہیں ان کا دوپہر کا کھانا بھی ہوگا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے اس سفر کو آسان فرمائے اور مدرسہ میں ان کی حاضری کو سب کے لئے مبارک فرمائے، فقط والسلام۔

از حضرت جی دامت برکاتہم بنگلہ والی مسجد

۳ر جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ/ ۲۹ر نومبر ۱۹۹۲ء

بقلم محمد عزیز الحسن

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرم ومحترم جناب قاری شریف احمد صاحب وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۴/۵/ ۱۴۱۱ھ کو موصول ہوا بیحد باعث مسرت ہے کہ جناب والا کے مدرسہ کے اکثر وبیشتر طلبہ پورے سال دعوت کی محنت میں پابندی کے ساتھ لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے مزید اخلاص اور استقامت کی دولت نصیب فرمائے مدرسہ اور تمام متعلقین مدرسہ کو مزید ترقیات سے نوازے۔

چونکہ بہت پہلے سے دو سال سے زائد وقت کیلئے احباب کے مختلف تقاضوں پر ترتیب بن چکی ہے اس لئے مولانا عمر صاحب سے متعلق آپ کے تقاضے کو پورا کرنے کی کوئی گنجائش بظاہر بہت مشکل ہے اس لئے مولانا عمر صاحب کے بارے میں تو معذوری ہے البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے مولانا سعید احمد خان صاحب تشریف لے آتے ہیں کوشش کی جائے گی کہ جیسے گزشتہ سال وہ آپ کے مدرسہ میں پہونچ گئے تھے اس سال بھی پہونچ جائیں۔ آپ بھی دعا فرمائیں اللہ

تعالیٰ آسان فرمائیں، فقط والسلام۔

بندہ محمد انعام الحسن

بنگلے والی مسجد ۲۴؍ نومبر ۱۹۹۰ء

بقلم محمد محسن

حضرت کے نام حضرت والد صاحبؒ کا خط

مکرم ومحترم حضرت اقدس دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی ہر طرح بعافیت ہوں۔

چند گزارشات پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ توجہ فرما کر غور وخوض فرمائیں گے، یقیناً آپ کا وقت بیحد قیمتی اور مشغولیت کا ہے، مگر دوسری جگہ کے مقابلہ میں آپ سے ہی عرض کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوا۔

دار العلوم کے حالات تو آپ سے مخفی نہیں، آپس میں جسقدر سب وشتم کیا جارہا ہے شاید اس نصف صدی میں عوام کی طرف سے اس قدر نہ کیا گیا ہو، اب بھی خاموشی نہیں اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے یہ بھی معلوم نہیں۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی دیوبند نے مخصوص اور سیاسی حالات کے پیش نظر تمام ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں یکدم اضافہ کرکے دوگنا کردیا ہے، اسکی اتباع میں یا ضرورت کے تحت مظاہر علوم میں بھی غیر معمولی اضافہ کیا گیا، ان مرکزی اداروں کے عمل سے کئی چیزیں سامنے آگئیں۔

(۱) چھوٹے مدارس جو پورے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے ذمہ دار کیا کریں، کہ یہاں کے مدرسین نے بھی دار العلوم کو اور خصوصاً مظاہر علوم کو دلیل بنا کر اضافہ کا نہیں بلکہ دوگنا کا مطالبہ شروع کردیا ہے، زیادہ پیسے کی کس کو ضرورت

نہیں اور کس کو اچھے نہیں لگتے، مگر یہاں ان مدرسوں کا یہ حال ہے کہ رجب سے ہی قرض پہ قرض شروع ہو جاتا ہے، اللہ اللہ کر کے رمضان آتا ہے اور اسکی آمدنی سے سابقہ قرض پورا کیا جاتا ہے، اب اگر ان دونوں اداروں کی طرح غیر معمولی اضافہ کیا جائے تو ناقابل برداشت مشکلات میں پڑ جائیں گے۔

جبکہ حال یہ ہے کہ چھوٹے مدارس کے مدرسین پر زیادہ بار تعلیم اور دیگر امور کا ہے، مثلاً یہ کہ عام طور پر مدرسہ کے چھ چھ گھنٹے سبق کے ہوتے ہیں، جبکہ بڑے مدرسوں میں تین تین چار چار سے زیادہ کسی استاذ کے پاس نہیں۔

مزید یہ کہ فصل کے موقعہ پر یہاں لازمی طور پر دیہات میں جانا اور غلہ جمع کرنا ہوتا ہے، بڑے مدارس میں مدرسین نہیں جاتے، اور جاتے ہیں تو اپنے اختیار سے لازمی نہیں۔

اسی طرح رمضان کے موقعہ پر چھوٹے مدارس میں ہر مدرس کو چندہ کرنا لازمی ہے، بڑوں میں لازمی نہیں، مدرسہ کی طرف سے کسی کو بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا، چھوٹے مدارس میں یہ جزو ملازمت بن گیا ہے، بڑے مدارس میں اب کئی سال سے وہاں کی گنجائش کے مقابلہ میں طلبہ کا داخلہ کم کیا جارہا ہے، کمروں کی یا درسگاہوں کی تنگی کا عذر سامنے رہتا ہے، جبکہ سالانہ حسابات آمد و رفت سے کافی بچت ہوتی ہے، دیگر ملازمین کی تعداد میں بلا تکلف اضافہ کیا جارہا ہے، اور تقریباً مزاج یہ بنتا جارہا ہے کہ تعداد طلبہ زیادہ نہ ہو۔

چھوٹے مدارس والے چونکہ ہر اعتبار سے چھوٹے ہیں ان پر دباؤ پڑتا ہے، خود بڑے اداروں کے ذمہ داروں کا دباؤ اور سفارشیں اپنے متعلقین کے داخلہ کی اس

قدر ہوتی ہیں کہ انکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کہ آئندہ ان چھوٹے مدرسوں کے طلبہ کو تکمیل کیلئے ان بڑے مدرسوں میں جانا اور داخلہ لینا ہوتا ہے، اگر چھوٹے مدرسہ والے اپنی کم مائیگی اور تنگی کیوجہ سے داخلہ نہ کریں تو کل یہاں سے جانے والے طلبہ کے داخلہ میں مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔

(۲) مزید یہ کہ اکابر کا معمول اور طرز زندگی یہ ہے کہ مدرسہ سے بقدر کفایت وظیفہ لیا جائے، اور طرز زندگی میں ان حضرات کا معیار عوام کے معیار سے کمزور رہا ہے، گو اس زمانہ میں قلوب وقویٰ کے ضعف کے سبب وہ معیار تو نہیں رکھ سکتے مگر تموّل کی کیفیت تو پیدا نہیں ہونی چاہئے، جبکہ کم سے کم درجہ ملازمین کو بھی بہت اچھی مقدار میں تنخواہ ملے گی تو اس جماعت کا معیار اسقدر بلند ہوگا کہ عوام سے ٹکراؤ پیدا ہونے کی صورت اور خطرہ پیدا ہوگا، کیونکہ عام حالات میں مزدور کو ڈھائی سو اور درمیانی آدمی کو چار سو یا پانچسو روپے ملتے یا پڑتے ہیں۔

(۳) پھر دینی خدمت کا جذبہ محنت ومشقت کرنیکی عادت ختم ہو جائیگی، عوام کی زبانوں پر اب تک یہ رہا ہے کہ علماء کم سے کم تنخواہ لیکر دینی خدمت کرتے ہیں، مگر اسکے برعکس یہ ہوگا کہ علماء کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہیں جبکہ بڑی بڑی تنخواہ اور مشاہرہ لے رہے ہیں۔

(۴) معاونین حضرات عام طور پر زکوۃ کی رقومات زیادہ، عطیہ کم دیتے ہیں، پھر عوام کی زبان پر یہ بات آنے لگے گی کہ مولوی ہماری زکوۃ کے پیسہ سے مالدار بن رہے ہیں، خود ان کے ماحول، عزیز واقارب، احباب، اہل محلّہ سب کی

نظروں میں تحاسد، تباغض کا ذریعہ ہوگا، یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ پیسے کی کثرت سے آدمی کے مزاج میں تغیر ہوتا ہے جو دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے، بہر حال یہ چند اشکالات ہیں، حضرت والا سے دست بستہ عرض ہے کہ جوابات سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے، فقط والسلام مع الاکرام۔

بخدمت گرامی جناب الحاج مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ، حضرت جناب مولانا محمد اظہارالحسن صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد عمر صاحب مدظلہ، مولانا محمد یعقوب صاحب، قاری ظہیر صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔

احقر شریف احمد

خادم مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ۲۹/۱/۱۹۸۱ء

جواب

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ حضرت جی دام مجدہم (مولانا انعام الحسن صاحبؒ) کے نام موصول ہوا، حضرت نے اسکا جواب بھی ارشاد فرمایا، جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ صحیح ہے، خود حضرت والا کی رائے یہی ہے جو آپ نے صفحہ نمبر ۱/ پر تحریر کی ہے، مگر بقیہ سرپرستوں نے کسی فتنہ سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جو آپ نے تحریر کی ہے، اللہ تعالیٰ تمام ہی فتنوں سے سب کی حفاظت فرمائے، اور بقیہ مدارس کو اپنے نہج قدیم پر ثابت قدم فرمائے، حضرت جی دام مجدہم اس وقت جنوبی ہند کے دورہ پر تشریف لے گئے ہیں، آپ حضرات دعاء

فرمائیں کہ بھرپور قبولیت کے ساتھ یہ سفر پورا ہو، بندہ ناکارہ بھی بہت دعاء کا محتاج ہے، امید ہیکہ اپنی نیک دعاؤں میں ضرور شامل فرماتے ہوں گے، تمام اساتذہ وطلبہ اور احباب دعوت وتبلیغ کی خدمت میں سلام مسنون اور حکیم صاحب کی خدمت میں بھی سلام مسنون، فقط والسلام۔

بندہ عبیداللہ بلیاوی

حضرت نظام الدین دہلی

(۵) حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کھیڑوی مہاجر حرمین

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب کھیڑہ افغان (جو ضلع سہارنپور کا ایک مشہور قریہ ہے) میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے، والد صاحب کا اسم گرامی محمد علی تھا جس وقت آپ کی عمر لگ بھگ ۲۵ رسال تھی قلب میں دینی علوم حاصل کرنے کا جذبہ بڑی قوت کے ساتھ ابھرا اور ۱۳۵۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ابتداء سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی یہاں تک کہ ۱۳۶۰ھ میں دورۂ حدیث شریف میں شریک ہو گئے جب کہ اس سے پہلے مولانا موصوف نے اسلامیہ ہائی اسکول میں میٹرک تک انگریزی تعلیم حاصل کی تھی اس لئے ادھر لگنے میں دیر ہوئی، فراغت کے بعد ایک سال تک مظاہر علوم کی متفرق خدمات انجام دیں پھر ۱۳۶۶ھ میں مکۃ المکرمہ چلے گئے اور سعودی عرب کے امیر جماعت بنا دئے گئے اور وہیں مستقل قیام کیا اور دعوت وتبلیغ کے کام میں منہمک ہو گئے اور تا حیات مولانا موصوف دعوت وتبلیغ سے وابستہ رہے، عربوں میں دعوت وتبلیغ کا کام خوب انجام دیا، ان میں بہت مقبول تھے، مدینہ طیبہ میں قیام کی سعادت عظمیٰ سے مشرف تھے، عربی وانگریزی زبان میں بھی ماہر تھے،

صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے، اور آپ نے بڑی مخلصانہ خدمات دنیا بھر کے ممالک میں انجام دیں، دنیا کے اکثر وبیشتر حصوں میں دعوت وتبلیغ کو روشناس کرایا اور اس سے لوگوں کو قریب کیا اور خلق خدا کو خوب فیضیاب کیا۔

بعض علماء فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ کی حقانیت کا اندازہ مولانا سعید خان صاحب کو دیکھ کر ہوتا ہے، مولانا موصوف پر صحابہ کرامؓ کی محبت کا غلبہ تھا، بیشتر صحابہ کرامؓ کے واقعات بیان کیا کرتے تھے اور اس سے ان کے وعظ میں ایک خاص اثر پیدا ہوتا تھا اور بالخصوص عرب لوگ بڑے ہی متاثر ہوتے تھے، حضرت مولانا علم وعمل، تقویٰ وطہارت، اخلاص واخلاق، تواضع اور للّٰہیت کے مظہر جمیل تھے، سادگی اور سخاوت ان کی شناخت تھی، ہزاروں مسائل حج وعمرہ کی باریکیاں اور ان سے متعلق فقہی تحقیقات، جزئیات ہر وقت نوک زبان رہتی تھیں، مختلف اوقات میں متعدد کتابیں پڑھانے کا آپکو اتفاق ہوا جو انفرادی طور پر مسجد نور مدینہ طیبہ میں پڑھائی گئیں، حضرت شیخ زکریا قدس سرہ کی جانب سے آپکو اجازت بیعت وخلافت حاصل تھی، مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے، تقریباً ہر سال اپنے دورہ میں مدرسہ کو شامل رکھتے تھے، یہاں آتے، ٹھہرتے، بیان کرتے اور تشکیل وتحریض کرتے، طلباء وعلماء میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت واضح کرتے، پھر تشریف لیجاتے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ اور ان کی وجہ سے راقم الحروف کے ساتھ بھی بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، پچاس سال مدینہ طیبہ میں قیام رہا ۲۶؍رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۵؍نومبر ۱۹۹۸ء بعمر ۹۴؍سال مدینہ طیبہ میں

انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی ،اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائے ،ایک بار حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جب مرکز نظام الدین ان کے کمرہ پر حاضر ہوئے تو وہ حقوق والدین اور حقوق زوجہ میں تطبیق پر کچھ کلام کر رہے تھے اور حضرت تھانویؒ کا حوالہ دے رہے تھے۔

(۱)حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲ر ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۵ر ستمبر ۱۹۲۹ء بمبئی شہر میں ہوئی ،آپ کا آبائی وطن گھٹامن پالنپور گجرات ہے ،ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ، معاشی حالات کمزور ہونے کی وجہ سے ایک سال بعد دارالعلوم سے چلے گئے اور بمبئی میں امامت کرنے لگے ،مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ کے اصرار پر ۱۳۶۷ھ میں پھر دارالعلوم میں داخلہ لیا اور وہیں سے فراغت حاصل کی ،فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ کے ہوکر رہ گئے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ بھی بارہا آتے تھے بیان کرتے اور ان کی آمد پر عوام وخواص کا ایک بڑا اجتماع ہوجاتا تھا ،دیر تک اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے جس کا مجمع پر خاص اثر ہوتا تھا اور عوام وخواص میں دعوت وتبلیغ کے کام سے ایک خاص جوش وخروش پیدا ہوجاتا اور طلبہ اچھی بڑی تعداد میں نکلا کرتے تھے ،حضرت مولانا کو بھی مدرسہ کے ساتھ اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت محبت اور تعلق تھا ،آپ کی وفات ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مطابق ۲۱ رمئی ۱۹۹۷ء میں ہوئی اور مقبرۂ پنج پیر حضرت نظام الدین دہلی میں تدفین عمل میں آئی، اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔

(۷) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ

حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ مرکز کے بڑے حضرات میں سے تھے، بہت بڑے عالم، فاضل، داعی، مبلغ، واعظ، خطیب، مدرس، محدث، عابد و زاہد بزرگ تھے، آپکے خطاب اور دعاء میں بہت اثر تھا، حضرت شیخ کے یہاں آپکا اہم مقام تھا، حضرت کے خلیفہ بھی تھے، آپ کی ولادت باسعادت ۲۶ رمحرم الحرام ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۰/ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ہوئی، ۱۳۶۰ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی اور آپکی وفات ۸/ رجب ۱۴۰۹ھ میں ہوئی اور مقبرۂ چونسٹھ کھمبہ نظام الدین دہلی میں تدفین ہوئی، آپ مدرسہ میں بارہا تشریف لاتے تھے خطاب اور دعائیں فرماتے تھے، اللہ پاک آپکے درجات بلند فرمائے۔

مدرسہ اور حضرت والد صاحبؒ سے بہت زیادہ محبت وتعلق اور لگاؤ رکھتے تھے جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرشید صاحب اور دیگر صاحبزادگان یہاں زیر تعلیم رہے اور اول الذکر کا تو یہاں بہت بڑا عرصہ گزرا، حضرت والد صاحبؒ نے ان کو اپنی اولاد کی طرح رکھا، بیشتر کھانا وغیرہ بھی گھر سے کھلایا اور بہت زیادہ رعایت وشفقت فرمائی، جس کا حضرت مولانا پر بہت اثر تھا، حضرت مولانا نے مولانا عبدالرشید صاحب کے بارے میں حضرت شیخ زکریاؒ سے مشورہ کیا تو حضرت شیخ نے انکو یہاں مدرسہ میں داخل کرنے کا یہ کہہ کر مشورہ دیا

کہ ان کو قاری شریف کے حوالہ کردو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور حضرت والد صاحبؒ نے انتہائی شفقت ومحبت فرمائی جس کا انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے ایک خط میں اس طرح لکھا ہے:

باسمہ سبحانہ وتعالی

مکرمی ومحترمی جناب قاری شریف احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا بندہ عبدالرشید کی جانب سے بیحد متفکر تھا آپ کا بیحد متشکر ہے کہ اس نالائق کے بچہ کو اپنے بچوں میں شامل فرمالیا اور اسی طرح داشت فرمائی جیسے اپنی اولاد کی۔عزیز عبدالرشید سلمہ میں اللہ کرے کہ آپ کی اور مقام کی برکت سے توجہ تام، محنت عام پیدا ہوجائے، اس مرتبہ بدرجۂ مجبوری اسکو طلب کیا ہے انشاء اللہ وہ اپنی نانی کو لاکر چلا جائیگا اور آپ کی خدمت میں فوراً بھیج دیا جائیگا، رائے یہی ہوئی ہے کہ وہ کتابیں ساری ہی پڑھتا رہے، بھولے ہوئے پارے روزانہ پاؤ پارہ دوہراتا رہے، اگر جناب کی رائے بھی یہی ہو تو خیر فبہا، ورنہ جو رائے عالی ہو، عبدالرشید سلمہ کل مغرب بعد بخیریت پہونچ گیا ہے سلام مسنون عرض کرتا ہے، آج انشاء اللہ نانی کو لینے کے لئے وطن جارہا ہے، تمام اساتذہ اور بزرگان گنگوہ کی خدمت میں بشرط ملاقات و یاد و مصلحت سلام مسنون۔

عبیداللہ عفی عنہ

۱۱رصفر المظفر ۱۳۹۵ھ/۲۳رفروری ۱۹۷۵ء

دوسرا خط

مکرمی سلام مسنون۔

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا ایکسرا سہارنپور ہی کرالیں، مولوی یوسف صاحب افریقی نے مرقات مرحمت فرمادی بہت ہی احسان کیا، میں بھی مرقاۃ لیکر آیا ہوں مجھ کو اگر معلوم ہوجاتا تو میں نہ لاتا، انہوں نے واپسی پر بوقت ملاقات ذکر نہیں کیا اب میں اپنی لائی ہوئی کو کسی اور مدرسہ میں دے رہا ہوں، اگر آپ کو مزید ضرورت ہوتو تحریر فرمائیں اس وقت تک کسی اور مدرسہ میں نہیں دونگا۔ آپ کی توجہ اور شفقت سے امید ہے کہ عزیزی عبدالرشید سلمہ علم نافع، عملِ صالح، حفظ کتاب اللہ، اتباع سنت رسول ﷺ پر گامزن ہونگے۔ اللہ تعالی آپ کو آپ کی اولا دو احفاد کو عافیت دارین، علوم ظاہرہ، علوم باطنہ، اعمال طیبہ، اخلاق زکیہ، صدقات جاریہ، ہدایا سنیہ، حیات غنیہ سے نوازے آمین۔	عبیداللہ

۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ/ ۹/ دسمبر ۱۹۷۶ء

تیسرا خط

بگرامی خدمت جناب قاری شریف احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالرشید سلمہ بخیریت آپ کے پاس پہونچ گیا ہوگا اور تعلیم میں مشغول ہوگیا ہوگا، آپ کی شفقت وتوجہ سے امید ہے کہ انشاء اللہ بفضلہ سبحانہ قرآن شریف یاد کرلیگا اور تکمیل علوم کرلیگا اسکو جس چیز کی ضرورت ہو آپ خرید کردیدیں اور بندہ کو مطلع فرمادیں، اپنے مدرسہ کی بابت مطبوعات ارسال فرمادیں تا کہ انکو بیچ کر

دعاؤں میں شمولیت کی سعادت حاصل کروں، بڑا رشک آیا جب آپ کے پاس حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم تشریف لے گئے اللہ تعالی ان بزرگان دین کی توجہ آپ کی طرف زیادہ سے زیادہ مبذول فرمائے، احباب مدرسہ سے سلام مسنون۔

عبید اللہ عفی عنہ

۱۹/نومبر ۱۹۷۴ء

چوتھا خط

مکرمی سلام مسنون۔

عبدالرشید سلمہ مع گرامی نامہ بخیریت وعافیت آگئے اس سے قبل ایک گرامی نامہ مزید مل چکا تھا اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر مرحمت فرمائے آمین، انشاء اللہ کام ہوتے ہی عبدالرشید سلمہ واپس چلے جائیں گے، آپ کے صاحبزادگان کے لئے بھی دل سے دعاء ہے انکو صالح ہونے کی توفیق نصیب ہو، حضرت جی دام مجدہم سے گفتگو ہوگئی ہے انشاء اللہ جلد ہی حاضری کی توقع ہے۔ آج بھوپال جارہے ہیں واپسی کے بعد انشاء اللہ نظام سفر بن سکے گا، سب کی خدمت میں سلام مسنون۔ منشی عبدالحمید صاحب کی خدمت میں سلام مسنون، اللہ تعالی صحت عاجلہ، کاملہ نصیب فرمائے آمین۔

عبید اللہ عفی عنہ

۸/جنوری ۱۹۷۵ء

(۸) فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ

آپ کی پیدائش ۶/ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور

۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی، حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کی شخصیت دنیا بھر میں مشہور ومعروف ہے آپ کی سوانح اور حالات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، مشہور ادیب وفاضل مولانا نور عالم خلیل امینی نے ان کا تذکرہ اس شعر کے ساتھ شروع کیا ہے:

امیری میں، فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا، بے جرأتِ رندانہ

حضرت مولاناؒ علم وعمل، ذکر وفکر، ہمت وجرأت اور اپنے گوناگوں کمالات وصفات کی وجہ سے ایک میدان قیادت وسیادت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور آپ کی ذات سے امت کو بہت سے فائدے پہونچے، ایک طرف سیاست تو دوسری طرف طریقت کے شاہ تھے، جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست رہے، حضرت والد صاحبؒ اور حضرت مولانا کا کافی ربط ضبط رہا، اور معاصرانہ دوستی رہی، اور حضرت والد صاحبؒ دہلی اور دیوبند ان کے پاس جاتے آتے رہے اور جمعیت کے کاموں میں کافی حصہ لیتے رہے، اسی مناسبت سے حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا باوجود علالت کے تعزیت کیلئے تشریف لائے تھے۔

دونوں حضرات میں ایک گونہ بے تکلفی بھی تھی، درسی رفقاء بھی ہیں دارالعلوم دیوبند سے ایک ساتھ فراغت ہوئی اور آپس میں معاصرانہ انداز کی رد وقدح بھی ہوجاتی تھی، آپ کی وفات ۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶رفروری ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ ہوئی اور مقبرۂ قاسمی دیوبند میں سپرد خاک ہوئے اللہ پاک مرحومین کے درجات کو بلند فرمائے آمین یارب العالمین۔

(۹) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء شہر بجنور میں ہوئی والد صاحب کا نام مولانا مشیت اللہ قاسمی ہے، ابتدائی تعلیم آبائی وطن بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۲ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، دریں اثنا چند سال کے انقطاع کے بعد دارالعلوم ہی سے افتاء کی بھی تکمیل کی، فراغت کے بعد آبائی زمین کی دیکھ بھال میں زندگی بسر کی، لیکن دارالعلوم کے بزرگوں سے برابر تعلق رہا، تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں دارلعلوم دیوبند کی رکن شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے معاون بنادئے گئے، جب حضرت قاری صاحبؒ کو اہتمام سے معزول کردیا گیا تو مجلس شوریٰ نے ۱۹۸۲ء میں آپ کو مہتمم کے منصب پر فائز کردیا، تقریباً ۳۰ رسال تک دارالعلوم کے منصب اہتمام کی خدمت انجام دی۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ بھی متعدد بار گنگوہ تشریف لائے اور حضرت حکیم ننھو میاں صاحبؒ کے پاس جاکر واپسی میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ گھر پر اور مدرسہ میں تشریف لاتے تھے، ایک موقعہ پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ، مولانا سعید اکبرآبادیؒ اور دیگر دارالعلوم کے اہم حضرات کو والد صاحبؒ گھر پر ناشتہ کرارہے تھے، دارالعلوم کے معاملات میں کافی گفت وشنید ہوئی یہ حضرات واپس لوٹ گئے، حضرت والد صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت مہتمم

صاحبؒ نے اپنے تعزیتی خط میں والد صاحبؒ کے اکابر دارالعلوم سے تعلق کا خود اظہار کیا ہے حضرت موصوف کا یہ والا نامہ تعزیتی خطوط میں آرہا ہے، حضرت مہتمم صاحبؒ اپنے کمالات میں اسلاف کا نمونہ تھے، دارالعلوم کو آپ کی ذات سے بہت فائدہ پہونچا، قمری حساب سے ۱۰۰ رسال اور شمسی حساب سے ۹۶ ربرس کی عمر میں یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء بروز چہارشنبہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور مقبرۂ قاسمی دیوبند میں پیوندِ خاک ہوئے، اللہ پاک موصوف مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام رفیع عطاء فرمائے آمین، مدرسہ اور والد صاحبؒ کی وجہ سے اس ناچیز پر خاص شفقت فرمایا کرتے تھے، جزاہ اللہ خیرا فی الدارین۔

(۱۰) حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم

آپ کی ولادت باسعادت شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۳ء موضع کاری ضلع مئو یوپی میں ہوئی، والد محترم کا نام سلطان احمد خان تھا جو کہ حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ سے بیعت تھے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مکتب میں درجۂ دوم تک حاصل کی پھر مڈل تک تعلیم اس زمانہ کے درجۂ سات تک قصبہ گھوسی میں حاصل کی بعد ازاں دارالعلوم مئو میں تین سال قیام کے دوران فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب پڑھیں، تکمیل علوم کے لئے ۱۳۷۰ھ میں بارگاہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ میں حاضر ہوئے پھر یہیں کے ہو رہے، ہدایۃ النحو سے لے کر دورہ تک تعلیم حاصل کی، یوں تو مصلح الامت نے اثنائے تعلیم ہی میں قیام گورکھپور کے دوران باقاعدہ وظیفہ کے ساتھ تدریس کی خدمت سپرد فرمائی، ماشاء اللہ یہ سلسلہ

پڑھنے پڑھانے کا جاری رہا یہاں تک کہ اپنے مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کی صدر مدرسی سے نوازا اور حضرت شاہ صاحب سے آپ بیعت بھی ہوئے چنانچہ آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا گیا، شاہ صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ سے رجوع فرمایا اور انہوں نے بھی خلعت خلافت مرحمت فرمائی اور حضرت مصلح الامت نے اپنی صاحبزادی محترمہ کا آپ سے رجب ۱۳۷۰ھ مطابق جون ۱۹۵۰ء میں نکاح فرمایا، جن سے چار صاحبزادے ہوئے، بتقدیر الٰہی یہ نیک طینت خاتون ۳؍شوال ۱۳۷۹ھ میں اس دنیا سے رحلت فرماگئیں اور محلّہ اکبر پور الہ آباد میں مدفون ہیں، دوسرا نکاح حضرت مصلح الامت کے مشورہ سے ماسٹر نور الحسن کی صاحبزادی سے موضع کاری میں ۲۲؍جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ میں ہوا جن سے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم علم وعمل، تقویٰ وطہارت، خلوص وللہیت، تواضع وفروتنی اور اپنے دیگر کمالات اور گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے اس وقت ایک عالم کے مرشد وشیخ ہیں، ایک بہت بڑا حلقہ آپ کی ذات منبع الفیوض والبرکات سے وابستہ ہے اور آپ کا فیض بحر ذخار کی صورت میں رواں دواں ہے، تقریر وتحریر کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور تزکیہ واحسان کے ہیرے وجواہرات امت میں تقسیم کرنے میں اس وقت آپ کی مثال اور نظیر نہیں ہے، دنیا کے کونے کونے میں آپ ابر رحمت کی شکل میں برس رہے ہیں اور جلتے ہوئے عالم کی آگ کو بجھا رہے ہیں، بہت سے مدارس کے سرپرست ہیں، بہت سے خواص امت آپ کے دامن فیض سے اپنے اپنے دامن مراد کو بھر رہے ہیں اور تزکیہ واحسان کے مشن کو آگے بڑھانے میں ایک

کامیاب کردار ادا کر رہے ہیں، حضرت مولانا کی ذات اس وقت ایک نمونۂ اسلاف، ترجمانِ اکابر کی حیثیت سے امت کو فیض پہونچانے میں مصروف ہے، آپ خود بہت سے بزرگوں کی چشمہائے صافیہ سے فیض یافتہ ہیں، بالخصوص جامع الکمالات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ خلیفۂ اکبر حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ اور منبع فیض رحمت الٰہی، سرچشمۂ عشق ومعرفت، مصدر فیوضات ربانیہ، محبتِ الٰہی کا شعلۂ جوالہ، شیخ ومرشد ومحبوبنا حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ سے خاص وابستگی اور تعلق نے آپ کو کمالات کے اعلی مقام پر پہنچایا ہے، اس ناچیز کا تعلق حضرت پرتاپگڈھیؒ سے ان کی اخیر عمر میں قائم ہوا جو تقریباً چار سال کی مدت حضرت کی اخیر حیات تک محیط رہا ہے، جس میں بارہا حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری اور خط وکتابت کا موقعہ ملا، اس دوران حضرت شیخ ومرشدؒ کے بعد جس قدر زیادہ شفیق ومہربان حضرت مولانا قمر الزماں صاحب زید مجدہم کو دیکھا گیا کسی اور کو نہیں دیکھا، اس لئے حضرت پرتاپگڈھیؒ کے بعد دل نے انہیں کی طرف رجوع کیا اور انہیں کے ساتھ تعلق ومحبت اور رشتۂ بیعت واصلاح قائم کیا اور حاضری وملاقات اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، جس کا مستقل ایک ذخیرہ ناچیز کے پاس محفوظ ہے جو کسی مناسبت سے بعد میں سامنے آئے گا، حضرت موصوف کی بندہ پر خاص شفقت ہے جس کی وجہ سے آپ کی مدرسہ میں تشریف آوری مسلسل جاری ہے، حضرت والد صاحبؒ کو حضرت مولانا کے ساتھ بہت زیادہ محبت وتعلق رہا ان کی حیات کے آخری لمحات میں جب ایک بار حضرت مولانا گنگوہ تشریف لائے اور سرہند وغیرہ کا سفر بھی ہوا، باوجودیکہ حضرت والد صاحبؒ سخت بیمار تھے بخار کی شدت تھی اس کے باوجود بندہ سے بار بار فرماتے

رہے کہ میں اس سفر میں زیادہ ان کے ساتھ رہوں اور ان کو چھوڑنے کے لئے میرٹھ وغیرہ تک ساتھ جاؤں مگر خود ان کی حالت مجھکو اس کا موقعہ نہ دیتی، تاہم پھر بھی تھانہ بھون تک رفاقت رہی اور وہاں سے حضرت مولانا میرٹھ تشریف لے گئے، بہر حال روحانی رشتہ حضرت مولانا سے وابستہ ہے، یہاں تو اس بات کی تکمیل کیلئے مختصر طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، اللہ پاک حضرت مولانا موصوف دامت برکاتہم کو صحت وقوت کے ساتھ دیر تک ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور حضرت والد صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے گلشن کی ہمیشہ حفاظت فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

آپ کی ولادت باسعادت ۲رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸رمئی ۱۹۴۱ء بروز شنبہ حضرت نظام الدین دہلی میں ہوئی، حفظ کی تعلیم آپ نے سہارنپور اور حضرت نظام الدین دہلی دونوں جگہ پائی، فارسی وعربی کی تعلیم اولاً کچھ سہارنپور کچھ حضرت نظام الدین میں پائی اور دورۂ حدیث سے فراغت ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین سے ہوئی۔

پیر صاحب کہنے کی وجہ:۔ آپ نے اپنا ایک لطیفہ بیان کیا کہ میں ایک بار بچپن میں اپنے کتب خانہ پر بیٹھا بچوں کو بیعت کر رہا تھا جیسا کہ بچے کھیل میں مختلف طرز کے کھیل کھیلا کرتے ہیں ایسے ہی میرے لئے یہ بھی ایک کھیل تھا، ایک بار حضرت مدنیؒ تشریف لائے تو مجھے دیکھ کر فرمایا پیر صاحب مجھے بھی بیعت کرلو میں نے بلا تکلف کہہ دیا آجائیے اور حضرت مدنی کو بیعت کرلیا اس کے بعد سے میرا لقب پیر

صاحب پڑ گیا اور حضرت مدنیؒ از راہ شفقت پیر صاحب ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے بعد آپ کی عظیم الشان یادگار بقیۃ السلف جناب الحاج حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی ہیں جو ایک عظیم باپ کی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی صاحب اوصاف و کمالات وصاحب نسبت بزرگ عالم ہیں، اپنے والد حضرت شیخ سے آپ کو ۱۳۹۱ھ میں اجازت وخلافت حاصل ہوئی اور حضرت شیخؒ کے بعد مرجع عوام وخواص بنے، آپ بھی شیخ کی طرح امت کیلئے درد رکھتے ہیں آپ کی مختلف مجالس میں اس کا اظہار ہو رہا ہے، شریعت کی پابندی پر بہت زور دیتے ہیں اور بعض مرتبہ سخت گیری بھی فرماتے ہیں، موصوف امر بالمعروف نہی عن المنکر کے سلسلہ میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں، آپ کے بھی ملک وبیرون ملک بہت سے محبین، متعلقین ومتوسلین ہیں، اہل مدارس وخانقاہ وارباب تبلیغ سبھی آپ سے ربط وتعلق رکھتے ہیں، آپ دیوبندی حلقہ میں ایک اچھے بزرگ سمجھے جاتے ہیں، حضرت والد صاحبؒ نے شیخ کے بعد آپ سے برابر تعلق رکھا اور مستقل طور پر نہایت ہی عقیدت واحترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے، راقم الحروف بھی ساتھ ہوتا اور حضرت شیخ کے گھر پر والد بزرگوار کی حاضری ہوتی، حضرت مولانا طلحہ صاحب مدظلہ العالی کسی کام کی مشغولیت کی وجہ سے دیر میں بھی تشریف لاتے تو بھی والد بزرگوار نہایت عقیدت کے جذبات کے ساتھ انتظار میں بیٹھے رہتے اور اس مشقت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرماتے، اسی طرح راقم الحروف نے ایک مرتبہ قاری

گورے امام شاہی مسجد سہارنپور کے انتقال کے موقعہ پر حاجی کمال شاہ قبرستان میں دیکھا کہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی حاجی کمال شاہ مزار میں اندر تشریف لے گئے ہیں اور حضرت والد صاحبؒ پیرانہ سالی وضعف کے باوجود باہر انتظار میں کھڑے رہے، یہ سب اپنے شیخؒ کی نسبت سے محبت کے جذبات کا اظہار تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی سے بھی اپنے شیخ کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے نہایت ہی والہانہ تعلق تھا وہ حضرت والد صاحبؒ کی زندگی میں جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں تشریف لاتے رہے، نیز حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی آپ کی اولاد کے ساتھ محبت اور جامعہ اشرف العلوم میں تشریف آوری کا سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی حیات میں برکت نصیب فرمائے آمین۔

(۱۱) حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

بانی ومدیر جامعہ فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس پاکستان

حضرت والد صاحبؒ کے خاص دوستوں میں حضرت مولانا سلیم اللہ خانصاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ہیں، آپ کی ولادت باسعادت ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۷ھ قصبہ حسن پور لوہاری ضلع مظفر نگر میں ہوئی، درسِ نظامی کی ابتدائی کتب مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھیں، درس نظامی کے آخری تین سال کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۳۶۶ھ میں فراغت ہوئی، آپ کے درسی رفقاء میں مولانا خالد سیف اللہ ایوّبی گنگوہی پرنواسہ حضرت گنگوہیؒ، مولانا ارشاد فیض

آبادی اور مشکوۃ کے ساتھی مولانا مفتی عبدالقدوس رومیؒ ہیں، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے آپ کو خلافت حاصل ہے، ان کے بعد آپ نے اپنا تعلق مولانا فقیر محمد پشاوریؒ (جو پاکستان میں حضرت تھانویؒ کے آخری خلیفہ تھے) سے قائم کر لیا انہوں نے بھی آپ کو خلافت سے نوازا، آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، فاضل، محدث، کشف الباری شرح بخاری اور دیگر کتب کے مصنف ہیں، جن کے ساتھ آپ کے روابط دارالعلوم دیوبند کے قیام طالب علمی کے زمانہ سے شروع ہوئے اور اخیر حیات تک قائم رہے، جس زمانہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ صاحب کا قیام مفتاح العلوم جلال آباد میں تھا اور حضرت مولانا کا پورا عمل دخل تھا اور تعلیم میں محنت شباب پر تھی، اس زمانہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے پاس جانا اور ان کا یہاں آنا اور مفید مشوروں سے نوازنا برابر رہتا تھا، پھر جب آپ ۱۹۵۴ء میں پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں کئی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر وہاں ۱۹۶۷ء میں ایک بہت بڑا علمی، دینی مرکز جامعہ فاروقیہ کے نام سے کراچی میں آپ نے قائم فرمایا اور وہاں وفاق المدارس العربیہ کے صدر اور بزرگ تسلیم کئے گئے اور پورے ملک پر چھا گئے، ہزاروں علماء کے استاذ و شیخ، گویا یہ کہئے کہ پاکستان کے بے تاج بادشاہ ہیں، اس دوران جب بھی ہندوستان کا سفر ہوا تو حسن پور لوہاری جو تھانہ بھون اور جلال آباد کے قریب مشہور بستی ہے جس میں ہمارے سلسلہ کے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کا قیام رہا، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا وطن بھی یہی بستی ہے، وہاں آتے جاتے گنگوہ میں

حضرت والد صاحبؒ کے پاس آنا جانا اور ٹھہرنا برابر رہا اور حضرت والد صاحبؒ کو جب بھی آپ کے بارے میں اطلاع ملتی تو ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور اکثر یہ راقم الحروف بھی ساتھ ہوتا تھا اور والد صاحبؒ کو پاکستان سے کتابوں کی ضرورت پڑتی تو حضرت مولانا سے برابر رابطہ اور استفادہ رہتا تھا، اللہ پاک آپ کے فیض کو عام و تام فرمائے اور حیات میں بیحد برکت عطا فرمائے آمین۔ چنانچہ ذیل میں آپکا ایک خط ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان دونوں حضرات کے تعلق ومحبت اور قدر دانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعۃ الفاروقیۃ شاہ فیصل کالونی پاکستان

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

مزاج گرامی، یادآوری کا شکریہ۔ آپ کو حدیث مبارک کی بلند رشید میں خدمت کا بیڑا اٹھانے پر بصمیم قلب شاباشی دینے کو جی چاہتا ہے گو آپ کا مقام میری نسبت بہت اونچا ہے کہ ”عنقار بلند است آشیانہ“ لیکن غیر اختیاری جذبہ کا اظہار پاس ادب کا پابند بھی کب ہوتا ہے، اللھم بارک فیہ وزدہ برکۃ ورحمۃ ونعمۃ وتقبلہ قبولا حسنا وادخلنا برحمتک فی عبادک الصالحین واجعلنا من ورثۃ جنۃ النعیم ۔ باقی جو آپ کا مدعیٰ گرامی نامہ میں مکتوب ہے اس کے لئے عرض ہے کہ آپ تشریف تو لائیں ان شاء اللہ تعالیٰ سب کچھ ہو جائیگا، مولانا عبدالقیوم خان صاحب

سلام مسنون کہہ رہے ہیں والسلام۔　　سلیم اللہ خان

۲۶/۱۱/ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۴/۸/۱۹۸۴ء

جوابی مکتوب موصول ہو چکا تھا

مکرمی زیدت معالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکرمت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا شکریہ، اس سے قبل بھی جوابی مکتوب موصول ہو چکا تھا لیکن ہنوز ارسال جواب کی نوبت نہ آئی تھی کہ آج مکرر یاد فرمایا گیا فجزاکم اللہ تعالی احسن الجزاء اعتذار پہلے مکتوب کی آمد احقر کی عدم موجودگی میں ہوئی کافی غیر حاضری کے بعد مدرسہ حاضری ہوئی، اسی عرصہ میں جناب کا مکتوب گرامی وارد ہوا بعد ازاں احقر تو حاضر رہا لیکن حضرت مہتمم صاحب سفر میں رہے اس لئے تاخیر ہوتی رہی، بعد المشورہ اب یہ نوبت آئی تھی کہ جواب لکھوں چنانچہ سوچ ہی رہا تھا کہ ڈاک میں جناب کا مکتوب گرامی نظر پڑا لہذا جواباً معروض خدمت ہے کہ ۶ رشعبان مطابق ۲۳ راپریل بروز پیر مع ایک رفیق کے بندہ حاضر ہوگا انشاءاللہ تعالی شام کے موٹر سے جو بعد العصر جلال آباد سے گنگوہ کو روانہ ہوتا ہے، اگر نقشہ جات امتحان مرتب کر کے ایک ہفتہ قبل ارسال فرمادیں تو مناسب ہوگا ورنہ کم ازکم ہر نقشہ کا مثنی ضرور تیار رکھیں تاکہ بعد الامتحان ایک کاپی آپ کے یہاں رہے اور دوسری کاپی احقر اپنے ہمراہ یہاں جلال آباد لا سکے۔ طالب دعاء

محمد سلیم اللہ غفرلہ

(۱۲) حضرت مولانا مکرم حسین صاحب سنسارپوری دامت برکاتہم العالیہ

آپ کی ولادت باسعادت رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں ہوئی، والد صاحب کا نام حکیم مولانا محمد اسحاق ہے جو کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے مجاز تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، ابتدائی تعلیم آبائی وطن میں اپنے جد اعلیٰ کے قائم کردہ مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور ضلع سہارنپور میں ہوئی اور تکمیل فراغت مظاہر علوم سہارنپور سے کی۔

حضرت مولانا مدظلہم جامع الاوصاف والکمالات، منبع الفیوض والبرکات شخصیت ہیں اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں، خاندانی پیشہ طبابت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں اور آپ کی مستقل ایک خانقاہ بھی چلتی ہے جہاں ہر وقت عوام وخواص کا اژدحام رہتا ہے ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہو رہی ہے، آپ اس وقت ہندوستان کے بڑے اہم بزرگوں میں سے ہیں، اللہ پاک آپ کے سایۂ رحمت کو دیر تک قائم ودائم رکھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ رفیقانہ مراسم تھے اور حضرت والد صاحبؒ کا ان کے ساتھ ایک محبت کا تعلق تھا، اسی تعلق کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے صاحبزادے جو اب مرحوم ہو چکے ہیں یعنی مولانا حکیم مسرت حسین صاحبؒ کو یہاں داخل بھی کرایا اور وہ یہاں کئی سال زیر تعلیم بھی رہے، پھر عنفوان شباب میں رحمت الٰہی کی طرف منتقل ہو گئے اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند فرمائے اور حضرت موصوف کے سایہ کو امت کے سروں پر دیر تک قائم ودائم رکھے یہاں مدرسہ کے اساتذہ ومنتظمین بھی آپ

سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی شفقتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں، حضرت والد صاحبؒ کے انتقال پر آپ نے ایک تعزیت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا جو یہاں لکھا جاتا ہے:

حسن انتظام اور مخلصانہ جدوجہد

حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب دامت برکاتہم

عزیز القدر جناب مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ زاد اللہ علمکم وفضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی مع متعلقین بعافیت ہوں گے!

مؤرخہ ۲۴ ؍ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ بروز بدھ کو اچانک یہ غم واندوہ ناک خبر ملی کہ والد بزرگوار مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون دعا ہے کہ باری تعالیٰ شانہ موصوف مرحوم کی بال بال مغفرتِ تامہ فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور اپنا قرب خاص نصیب فرمائے، اطلاع ملنے پر مدرسہ میں قرآن خوانی کر کے اجتماعی طور پر ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور مغفرت کے لئے دعاء کی گئی قاری صاحب مرحوم اگر چہ ایک عرصہ سے شدید بیمار تھے لیکن ان کا اٹھ جانا ملت اسلامیہ کے اندر ایک خلا ہے، چونکہ مولانا موصوف کا وصال موت العالِم موت العالَم کا مصداق ہے۔

موصوف مرحوم نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی بڑی جانفشانی سے خدمت کی اور اپنے حسن انتظام اور مخلصانہ جدوجہد سے اسے بام عروج تک پہنچایا

اسے ترقی دینے کیلئے ہر ممکن کوشش کی اور نازک حالات میں صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اشرف العلوم کی خدمات قاری صاحبؒ کا بہترین کارنامہ اور صدقۂ جاریہ ہے جو تا قیامت ان کے حسنات میں اضعافا مضاعفہ کا سبب ہوگا، باری تعالیٰ شانہ موصوف کو مغفرت تامہ نصیب فرمائے، سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اشرف العلوم کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

قاری صاحب مرحوم کے وصال سے جہاں ایک طرف غم ہے دوسری طرف یہ بھی اطمینان ہے کہ اشرف العلوم کے بار گراں کو سنبھالنے کیلئے آپ اس کے مستحق اور اہل موجود ہیں، فللہ الحمد والمنۃ، میں امید کرتا ہوں کہ قاری صاحبؒ کی روایات کو باقی رکھتے ہوئے ادارہ کی ترقی کیلئے ہر ممکن کوشش فرمائیں گے، میری طرف سے والدہ محترمہ وجملہ برادران اور متعلقین کو تعزیت قبول ہو، والسلام۔

مکرم حسین غفرلہ

مہتمم مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور (ضلع سہارنپور)

(۱۳) حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

آپ رجب المرجب بروز دوشنبہ ۱۹۲۸ء کو جگ دیش پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں کے ایک مکتب میں حاصل کی۔ اس کے بعد بیت العلوم سرائے میر میں فارسی اور عربی کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم مؤ میں

داخل ہو کر ہفتم عربی تک تعلیم مکمل کی۔

۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث شریف میں داخل ہو کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مختلف علوم وفنون کی تکمیل کے بعد متعدد مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، خاص طور سے یوپی کے تاریخی شہر بنارس میں تدریسی خدمت کے تعلق سے سولہ سال کا ایک طویل عرصہ گذارا۔ ضلع گریڈیہہ (جھارکھنڈ) اور دارالعلوم مئو وغیرہ میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند کے ارباب شوریٰ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ دارالعلوم مئو سے دارالعلوم دیوبند منتقل ہو گئے۔ آپ کو حضرت مدنیؒ کے طرز درس کا وافر حصہ ملا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بخاری شریف جلد ثانی ''کتاب المغازی'' کا درس دیتے ہیں تو ایک مجاہد کی طرح تقریر کرتے ہیں اور انداز درس بتلاتا ہے کہ آپ جہاد پر زور دیتے ہوئے شریعت کے خلاف کبھی بھی کسی طرح کے حالات سے سمجھوتہ نہ کرنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ کی شب میں آپ نے دوران درس دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث سے برادرانِ وطن کے نام جلی عنوان سے لکھا جانے کے لائق جو ایک پیغام دیا تھا وہ یہ ہے کہ ''برادران وطن سن لیں کہ اب ہم یہاں سے کبھی بھی ہجرت نہیں کر سکتے، ہم نے اسی سرزمین پر آنکھیں کھولی ہیں، ملک وقوم کے تعلق سے ہماری بے لوث

خدمات واضح ہیں ہم اس ملک کے باشندے ہیں اور یہ ملک ہمارا ہے، یہاں کے ذرات تک میں برابر کا حصہ ہے، ملک کو ہندو راشٹر بنانے اور اس پر نئی تہذیب مسلط کرنے سے متعلق جو خواب تم نے دیکھا ہے اور اس کو عملی شکل دینے کو جو سوچا ہے وہ کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ہمیں بنیادی حقوق اور دستوری تحفظات دینے ہوں گے اگر کسی نے حق تلفی کی سازش رچی تو سن لو کہ:

یہ بات عیاں ہے دنیا پر ہم پھول بھی ہیں تلوار بھی ہیں
یا بزم جنوں مہکائیں گے یا خوں میں نہا کر دم لیں گے

یہ انہیں شیخ الاسلام کی صحبت کا اثر تھا، جنہیں انگریزوں کے خلاف مقابلہ کرنے پر قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔

۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۳/ اگست ۱۹۸۴ء بروز جمعہ آپ ہی نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز فرمایا اور ۴۳ طلبہ کو بخاری شریف شروع کرائی، اس وقت سے تادم تحریر آپ ہی ہر سال تشریف لا کر بخاری شریف کا اختتام فرماتے ہیں، راقم السطور اور جامعہ سے خصوصی محبت رکھتے ہیں۔

قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ پاک حضرت کا سایہ ہم پر بخیر و خوبی تادیر قائم رکھے، آمین۔

دسواں باب
مخصوص احباب و رفقاء

مخصوص احباب ورفقاء

(۱)مولانا عبدالباری صاحب کھیڑویؒ

حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور کے باشندے تھے، آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۲۶ء کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور میں ہوئی، حفظ قرآن پاک جامع مسجد سہارنپور میں کیا، فارسی وعربی کی تعلیم کے لئے مظاہرعلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیااور ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد کچھ دن چرتھاول بعدہ کیرانہ پھرسہارنپور کی قدیم جامع مسجد نخاسہ بازار میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھراپنے وطن آگئے اور کاشت کاری میں لگ گئے، اصلاحی تعلق حضرت مدنیؒ سے رہا۔

موصوف حضرت والد صاحبؒ کے زمانۂ طالب علمی سے دوست اور رفیق رہے، طالب علمی کے زمانہ سے جوقربت اور رفاقت کاتعلق ہوا زندگی کے آخری لمحات تک دونوں میں للّٰہ فی اللّٰہ وہی محبت والفت، ایک دوسرے کی قدردانی، ایک دوسرے کی ملاقات پرنہایت سرور وانبساط کا معاملہ اور پرتکلف ضیافت کا اہتمام، رفیقانہ انداز سے گفتگو رہا کرتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے لئے ہمدردانہ اورخیرخواہانہ جذبات رکھتے تھے، حضرت مولانا عبدالباری صاحب اپنی افتادطبع کے اعتبار سے نہایت سلیم الطبع اور مشفق اورایک بے باک انسان تھے، علماء سے بہت محبت رکھتے تھے، ضیافت میں بہت آگے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ مدرسہ کے معاملات میں بہت ہی ہمدردی اور دل سوزی کا مظاہرہ کرتے تھے جب کچھ شریروں نے مدرسہ میں شرارت کی اوراس کے لئے حضرت والد صاحبؒ کوالہ آباد جانا پڑا مولانا عبدالباری صاحبؒ اس سفر میں بھی ان کے ساتھ تھے۔

الغرض ہر موقعہ اور ہر موڑ پر مدرسہ کے ساتھ ہمدردی ، خیر خواہی کا پورا ثبوت دیا کرتے تھے ، آپ نے طویل عمر پائی ، ویسے بھی عمر میں حضرت والد صاحبؒ سے بڑے تھے اور والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد ۱۵ ر نومبر ۲۰۰۵ء میں اوقات تہجد میں تلاوت کرتے کرتے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور مقامی قبرستان عیدگاہ کھیڑہ افغان میں مدفون ہوئے ، اللہ پاک حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور ان کے پسماندگان بھائی محمد وغیرہ کو بھی ہر طرح کی عزت و برکت سے نوازے ، آپ کا تمام گھرانہ ، برادران مولانا خلیل الرحمٰن ، ڈاکٹر الحاج الطاف صاحبان ، داماد (مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رشیدی) و دیگر حضرات بھی مدرسہ کے ساتھ اسی طرح والہانہ محبت رکھتے ہیں جیسا کہ مولانا عبدالباری صاحب رکھتے تھے ۔

مولانا مرحوم کو قرآن پاک سے انتہائی عشق و تعلق تھا اکثر اوقات تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے تھے ، تقریباً دس بارہ پاروں کا روزانہ کا معمول تھا ، نیز فرض نمازوں کے علاوہ تہجد ، اشراق ، چاشت ، اوابین کے بھی پابند تھے ۔

(۲) حضرت مولانا عقیل صاحب جاجویؒ

حضرت مولانا عقیل صاحب جاجوہ کھیڑہ افغان کے قریب ایک قریہ کے رہنے والے تھے ، آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۱۹ء میں ہوئی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے ، مولانا بڑے سخی اور رئیس آدمی تھے کبھی تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے ، شاہانہ انداز ، سادگی مزاج تھے ، علاقہ کے باثر لوگوں میں سے تھے ۔

آپ ایک نیک صالح، متقی و پرہیز گار انسان تھے، طبیعت میں سخاوت اور ضیافت بہت زیادہ تھی، حضرت والد صاحبؒ سے بہت لگاؤ اور انس رکھتے تھے اور ہر سال آم کے موسم میں دعوت کا اہتمام کیا کرتے تھے، مرحوم چونکہ علاقہ کے ایک رئیس اور بڑے زمیندار، صاحب حیثیت اور ثروت آدمی تھے اور طبیعت میں دینداری تھی اور دینداروں سے محبت تھی، حضرت والد صاحب کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا اور مدرسہ کے معاملات میں مخلصانہ جذبات رکھتے تھے، آپ کی وفات ۱۴ر اپریل ۱۹۸۵ء میں ہوئی اور مقامی قبرستان جاجوہ ضلع سہارنپور میں مدفون ہیں، اللہ پاک حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور حضرت مرحوم کے صاحبزادگان کو ہر طرح کی خیر و برکت، عزت و راحت سے مالا مال فرمائے آمین۔

(۳) حضرت مولانا سعید احمد صاحب بجنوریؒ

مولانا سعید احمد صاحب بجنوریؒ آپ قصبہ سہس پور ضلع بجنور کے باشندہ تھے، آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ر اپریل ۱۹۲۹ء میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں فراغت ہوئی، بعد فراغت دارالعلوم حسینیہ تاؤلی ضلع مظفر نگر میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۲ء تک ۱۴ر سال مدرسہ تعلیم الاسلام کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور کے صدر مدرس رہے، نیز جامع مسجد اور عیدگاہ کے خطیب تھے، آواز میں بیحد تاثیر تھی، بڑی محنت اور لگن سے مدرسہ کی آبیاری کی اور حفاظ کی ایک بڑی جماعت تیار کی، نیز بہت سے طلباء کو عربی ابتدائیہ کتب (کافیہ) پڑھا کر بڑے مدارس میں داخل کرایا، حضرت والد صاحبؒ سے اتنا گہرا

تعلق تھا کہ ہر ہفتہ ملاقات کرنے کیلئے یا تو خود آپ گنگوہ آتے یا حضرت والد صاحب آپ سے ملنے کھیڑہ افغان جاتے، ۱۹۷۲ء میں اپنے وطن سہس پور تشریف لے گئے اور مدرسہ باب العلوم سہس پور کے صدر مدرس بنا دیئے گئے۔

مولانا موصوف بہت ہی نیک صالح، عالم باعمل، متقی و پرہیز گار انسان تھے، آپ کی طبیعت میں سادگی اور بلا کی متانت تھی، عالمانہ انداز تھا، علاقہ پر حضرت کے علم وعمل تقویٰ وطہارت کے اثرات نمایاں تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت ہی زیادہ الفت ومحبت کا معاملہ رکھتے تھے اور دونوں حضرات میں ایک دوسرے کی بے حد قدردانی تھی اور ایک دوسرے کی دلی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات رکھتے تھے، مولانا مرحوم مدرسہ کے ساتھ بھی بہت زیادہ لگاؤ رکھتے تھے، یہاں کی تعلیم وتربیت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد وبھروسہ تھا، یہی وجہ تھی کہ اپنے دونوں صاحبزادوں (مولانا محمد سفیان صاحب اور مولانا محمد سلمان صاحب مدرس حال دارالعلوم دیوبند مدظلہما) اور اپنے علاقہ کے بہت سے بچوں کو مدرسہ میں داخل کرانا اور بار بار آمد ورفت رکھتے تھے، اس وجہ سے حضرت والد صاحبؒ ان کے صاحبزادگان اور جملہ متعلقین کے بچوں کو اپنی اولاد کی طرح تعلیم وتربیت، علم وعمل سے آراستہ کرنے کی محنت کرتے اور ان کی ضروریات قیام وطعام اور دیگر معاملات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور یہ سب بھی ان کو اپنے اوپر بہت زیادہ شفیق و مہربان اور اپنے والدین ہی کی طرح تصور کیا کرتے تھے، اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت ہی زیادہ محبت اور اکرام کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، آخر عمر میں جبکہ

مولانا کا قیام اپنے وطن میں ہی تھا اور مولانا علیل ہو گئے حضرت والد صاحبؒ کو جب ان کی علالت کا علم ہوا ساتھ میں راقم الحروف کو لیکر بجنور کا سفر کیا سہس پور پہونچے، حضرت مولانا مرحوم سے ملاقات ہوئی دیکھتے ہی ایسے ہو گئے جیسا کہ اچھے خاصے صحت یاب ہوں، حالانکہ بہت زیادہ علالت اور ضعف ونقاہت کا دور چل رہا تھا، مغرب کے بعد گھر کے کمرہ میں ساتھ کھانا کھایا اور رفیقانہ انداز سے دونوں دوست ایک دوسرے کے ساتھ محو کلام رہے، غالباً رات ہی کو حضرت والد صاحبؒ سہس پور سے روانہ ہو گئے اور دھام پور مدرسہ کے ایک خیر خواہ حاجی عبدالرؤف صاحب مرحوم کے یہاں ٹھہرے اور صبح سویرے وہاں سے گنگوہ کے لئے روانہ ہو گئے، ریل کا سفر تھا پہلے وہاں سے سہارنپور آئے پھر گنگوہ آئے، یہاں پہنچتے ہی صاحبزادگان نے ۷؍مئی ۱۹۸۵ء کو حضرت مرحوم کے انتقال کی خبر دی اور ساتھ میں یہ بھی بتایا کہ ہمارے والد صاحبؒ نے آپ کے ساتھ جو کھانا کھایا وہ ان کی زندگی کا آخری کھانا تھا، حضرت مرحوم اپنے ہی وطن میں مدفون ہوئے، اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادگان رفیق محترم مولانا سفیان صاحب اور مولانا سلمان صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند اور ان کے جملہ متعلقین کو ہر طرح کی خیر وبرکت، عزت وراحت سے مالا مال فرمائے آمین۔

(۴) حافظ انعام اللہ صاحب سہارنپوریؒ

حضرت والد صاحبؒ اپنے شیخ کی محبت میں مغلوب الحال تھے، جس زمانہ میں جناب حافظ انعام اللہ سہارنپوری مرحوم کا قیام مدرسہ اشرف العلوم میں رہتا تھا

حضرت والد صاحبؒ اور وہ دونوں چونکہ حضرت شیخؒ سے منسلک تھے، گھنٹوں گھنٹوں بیٹھ کر حضرت شیخ کے تذکرے کرتے رہتے تھے اور والد صاحبؒ اپنے شیخؒ کے ذکر پر زار وقطار روتے رہتے تھے، اس طرح یہ دونوں دیوانے اپنے محبوب کی یاد میں مست رہتے تھے، حافظ انعام اللہ مرحوم حضرت والد صاحبؒ کے قدیم دوست تھے، اور پھر مدرسہ میں ملازم ہوگئے تھے، مدرسہ اور ناظم مدرسہ کے بیحد وفادار اور ایک مخلص وجانثار رفیق تھے، بہترین حافظ قرآن تھے اکثر وبیشتر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے، اور اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، اپنے اصول کے پابند بیحد عقل مند، سنجیدہ، معاملہ فہم، صاف گوانسان تھے، مرحوم میں بہت سے عجیب وغریب کمالات تھے، تقریباً چھ سال کا عرصہ مدرسہ میں گزارا، ان کے آنے سے حضرت والد صاحبؒ کو بہت سکون ملا تھا، ان کا مدرسہ میں قیام کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ قصبہ کے شریروں کی جماعت نے حضرت والد صاحبؒ پر بلا وجہ مقدمے کرر کھے تھے جن کی وجہ سے آپ کو بار بار سہارنپور کچہری میں جانا پڑتا تھا، اس زمانہ میں حافظ صاحب کے مدرسہ میں قیام سے حضرت والد صاحبؒ کو بہت ہی راحت پہونچی مقدمات کی پیروی اور دیکھ بھال، تاریخ پر عدالت میں جانا اور وہاں دن بھر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہنا اور شام کو مدرسہ آجانا اور مطبخ وغیرہ کی نگرانی کرنا اور والد صاحبؒ کی فکروں میں شریک رہنا یہ موصوف کا مسلسل عمل تھا اور موصوف کے قول وفعل میں بڑی مطابقت تھی، بہت ہی مخلص اصول پسند، حق گو، حق شناس انسان تھے، آپ ۱۰ رشعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۹ ارنومبر ۲۰۰۱ء بروز جمعہ دار

فانی سے رحلت فرما گئے اور حاجی کمال شاہ سہارنپور میں ابدی نیند سو گئے، ان کے اچانک انتقال سے حضرت والد صاحبؒ کو بہت ہی سخت تکلیف پہونچی تھی اور ان کے غم میں بہت گھل گئے تھے، اور بار بار ان کو یاد کرتے تھے، اللہ پاک درجات بلند فرمائے آمین۔

موصوف کی زبان سے مندرجہ اشعار سن کر بڑا مزا آتا تھا:

ایک روز مرتضیٰؓ سے کسی نے یہ عرض کی
اے نائب رسولؐ امم دام ظلکم

ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں چین تھا
عثمانؓ کے بھی عہد میں لبریز تھا یہ خم

کیوں آپ کے ہی دور میں فتنے یہ اُٹھ گئے
میری تو عقل رہتی ہے اس مسئلے میں گم

فرمایا ہنس کے اس میں ہے کیا سوچنے کی بات
ان کے مشیر ہم تھے ہمارے مشیر تم

(۵) حضرت مولانا حکیم سعود صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا حکیم سعود صاحب گنگوہیؒ بھی گنگوہ کے نیک صالح صاحب علم وعمل، تقویٰ وطہارت سے متصف، علوم وفنون کا ذوق رکھنے والے بطور خاص علمِ حدیث سے خاص شغف اور محبت رکھنے والے تھے آپ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے، آپ جید عالم فاضل ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے، حضرت حکیم مسعود صاحب

کے صاحبزادہ تھے، گنگوہ میں قیام نہ ہونے کی وجہ سے یہاں آپ کی شخصیت سے زیادہ لوگ واقف نہیں ہیں، البتہ ممبئی میں جہاں ایک عرصہ دراز سے طبابت کے سلسلہ میں قیام پذیر رہے وہاں لوگوں کو آپ کی حکمت اور طبابت اور ساتھ ساتھ نیک صالح کردار، اخلاق، حلم وتواضع اور سنجیدگی ومتانت اور دیگر بزرگانہ اوصاف کی وجہ سے لوگوں کو آپ سے فیض کثیر پہنچا، آپ والد صاحبؒ کے ساتھ بہت خاص محبت وربط رکھتے تھے اور والد صاحبؒ بھی آپ کے ساتھ بڑی گہری محبت وخلوص نیز اکرام واحترام کا معاملہ کرتے، والد صاحبؒ کی وجہ سے راقم الحروف کے ساتھ بھی حضرت موصوف کا بہت ہی گہری محبت اور ہمدردی اور مخلصانہ شفقت ومحبت کا معاملہ رہا، نیز راقم الحروف کو بھی آپ کے ساتھ بہت ہی محبت، اکرام واحترام کا تعلق رہا اور حضرت موصوف کو مدرسہ کے ساتھ بھی بڑی ہی مخلصانہ ہمدردی رہی ہے، ۲۰۱۱ء میں انتقال ہوا اللہ پاک مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(۶) خواجہ شبیہ الحسن صاحبؒ

خواجہ شبیہ الحسن صاحب مرحوم بھی گنگوہ کی ایک قابل قدر شخصیت تھے، بڑے زمیندار، ذی وجاہت، صاحب ثروت، صاحب بصیرت، معاملہ فہم انسان تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بڑی محبت اور مخلصانہ جذبات رکھتے تھے اور مدرسہ کی ہمدردی اور دفاع کرنے میں آپ کا ایک بہترین کردار رہا ہے، جب بھی شریروں کے کسی طبقہ نے شر اٹھایا اور پریشان کیا تو آپ مدرسہ کے ساتھ حضرت

والد صاحبؒ کی حمایت میں پیش پیش نظر آتے تھے، مرحوم اپنی وضع قطع میں بارعب انسان تھے اور لوگوں میں آپ کا ایک دبدبہ اور اثر تھا، دینی معاملات کے ساتھ سیاسی معاملات میں بھی بڑی گہری بصیرت کے حامل تھے، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اور آخرت کا چین سکون نصیب فرمائے، مرحوم کے صاحبزادگان میں بھی مدرسہ کے ساتھ اپنے والد کے طرز پر ہی ایک محبت اور ہمدردی کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور وہ اس معاملہ میں اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے نظر آتے ہیں، اللہ پاک ان کو ان کی ہمدردیوں کا بہترین بدلہ دارین میں عطا فرمائے آمین۔ کافی عرصہ پہلے خواجہ صاحب مرحوم انتقال کر چکے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے اپنی ڈائری میں اس طرح لکھا ہے ۸/جولائی ۲۰۰۲ء مطابق ۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ قدیم مہربان دوست خواجہ شبیہ الحسن انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، میرے لئے ایک ملنسار وغمخوار آدمی تھے ہمیشہ میری اور مدرسہ کی حمایت کرتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین۔

(۷) حاجی غلام رسول صاحبؒ کلکتوی

حاجی غلام رسول صاحب کلکتہ والے ایک بہت ہی صاحب خیر، نیک صالح عابد وزاہد، بزرگوں سے محبت رکھنے والے دین دار اور سچے تاجر تھے، تجارت کے ساتھ ساتھ آپ نے دین کے مختلف شعبوں میں بہترین خدمات انجام دیں اور دین کے ایسے ایسے شعبوں میں کام کیا جو کوئی مشکل سے کر پاتا ہے، مدارس، خانقاہوں، دعوت وتبلیغ اور امت کے رفاہی کاموں کے لئے آپ نے اپنے آپ کو وقف

کردیا تھا، مدرسہ اور حضرت والد صاحبؒ سے آپ کو بہت محبت تھی مدرسہ کی ضروریات کیلئے چندہ جو ایک ناگزیر ضرورت ہے اور اس کے لئے رمضان کا وقت مدارس میں تعطیل کا رہتا ہے اور اصحاب خیر بھی اپنی دیگر عبادات و معاملات کے ساتھ زکوٰۃ مفروضہ، صدقہ وخیراتِ نافلہ ادا کرنے کا اہتمام کیا کرتے ہیں، اسلئے ارباب مدارس مختلف مقامات کا سفر کیا کرتے ہیں، جب حضرت والد صاحبؒ نے اس سلسلہ میں باہر نکلنے کا ارادہ کیا تین مقامات پر نظر گئی، جن میں کلکتہ، مدراس اور ممبئی کا علاقہ تھا، تو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے مشورہ کیا جن سے آپ اپنے بیشتر کاموں میں مشورہ کیا کرتے تھے، حضرت نے کلکتہ کا مشورہ دیا، غالباً اس کی بڑی وجہ یہی رہی ہوگی کہ وہاں اصحاب خیر جن میں حضرت حاجی غلام رسول صاحب کی دین داری اور مدارس اسلامیہ کے ساتھ ان کی خیر خواہی پر اعتماد تھا، اس لئے آپ نے کلکتہ کو اپنا میدان بنایا اور انہیں کے مکان پر جو ایک زمانہ میں مدارس کے نظماء اور سفراء کا مرکز ہوا کرتا تھا قیام کیا، جس کی وجہ سے ان سے رفاقت اور قربت ومحبت کا ایک گہرا تعلق قائم ہوگیا تھا، اور حضرت مرحوم کے صاحبزادگان (محترم بابو عارفین صاحب اور محترم مکرم بابو صالحین اور بھائی ہارون صاحب وغیرہ) اور ان کے تمام دفتر اور مدرسہ کے لوگوں سے جو انجمن ندائے اسلام کے نام سے چلتا تھا بہت ہی زیادہ گہرا تعلق اور ربط ہوگیا تھا اور چونکہ حضرت والد صاحبؒ کے مزاج میں خدمت کرنے، فائدہ پہنچانے اور ہدایا تحائف لے جانے کا بھی خاص جذبہ تھا اور دیگر موانست کے اسباب جن میں حاجی صاحب مرحوم اور ان کے صاحبزادگان کے وہ متعلقین جو سہارنپور میں رہتے تھے جن کے یہاں ان کی شادی

ہوئی تھی اپنے سامان وغیرہ بھیجا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ ، اس لئے اس خاندان والوں کو حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا اور حضرت والد صاحبؒ کو بھی اس پورے گھر کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی ، کیونکہ یہ حضرات مدرسہ کے کاموں میں بہت معین ، بہترین مددگار ، معاون اور دیار غیر میں اپنے گھر پر اس محبت و اکرام واحترام کے ساتھ قیام وطعام کے دیگر انتظام کے ساتھ ٹھہرانے کی وجہ سے وہ ان کو ایک بہت بڑا محسن سمجھتے تھے ، کلکتہ میں اگر چہ حضرت والد صاحبؒ کے کثیر احباب تھے جن کے پاس آنا جانا ٹھہرنا اور افطار کی دعوت وغیرہ ہوا کرتی تھی اور ایک زمانہ تک انہوں نے وہاں قرآن پاک بھی سنایا تھا اور ان کے اخلاق اور معاملات سے وہاں کے حضرات بہت زیادہ مانوس اور قریب تھے ، لیکن کیونکہ مستقل قیام حضرت حاجی صاحب مرحوم کے مکان پر ہی ہوتا تھا اس مناسبت سے انکے ساتھ ایک اور زیادہ خصوصیت تھی ، یہی وجہ ہے کہ حضرت مرحوم کے صاحبزادگان کو بھی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ تھا کثرت سے خطوط وغیرہ لکھتے رہا کرتے تھے اور اپنے معاملات میں مشورہ کیا کرتے تھے ۔

الغرض حضرت والد صاحبؒ کی کلکتہ کے ساتھ ایک طویل داستان وابستہ ہے جس کو لکھنا ایک مشکل کام ہے اختصاراً اللہ پاک حضرت مرحوم حاجی صاحب اور وہاں کے تمام معاونین ، محبین ومخلصین کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر طرح کی عزت ، راحت ، برکت سے ان کو اور ان کی نسلوں کو نوازے ، حضرت حاجی صاحب کے تعلق سے حضرت والد صاحبؒ نے کسی موقعہ پر اس طرح لکھوایا تھا کچھ تفصیل ان کی زبانی سنئے !۔

کلکتہ کا سفر اور حاجی غلام رسول صاحب کے گھر پر قیام

میں جب کلکتہ جاتا تھا تو حاجی غلام رسول صاحب کے مکان پر قیام ہوتا تھا یہ اپنی مالداری اور کاروباری شباب کی حالت میں تبلیغی جماعت میں لگے، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے زمانہ ہی سے ان کی حضرت نظام الدین دہلی آمدورفت رہتی تھی جماعت میں حضرت نظام الدین آنے کے لئے جو تاریخ مقرر کرتے تھے اس تاریخ کے لئے بیس پچیس ٹکٹ حضرت نظام الدین اور سہارنپور کے لئے بنوا لیتے تھے اور اپنے ہم خیال تاجروں کی سہارنپور آنے کے لئے تشکیل کرتے اور ان سے تیاری کے لئے کہتے اگر وہ ٹکٹ نہ ہونے کا عذر کرتے تو ان کو بتلا دیتے کہ ہم نے آپ کا ٹکٹ بنوالیا ہے آپ کو ٹکٹ بنوانے کی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ،تو اسطرح ان کے ساتھ ہر مرتبہ سفر میں آنے والی ایک بڑی جماعت ہو جایا کرتی تھی، اولاً وہ دہلی پہونچتے پھر وہ سہارنپور آتے اور حضرت شیخ زکریاؒ کے مہمان ہوتے، آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ کا مسائل میں عزیمت پر عمل کرنے کا مزاج بن گیا تھا، سہولت پسندی نہیں تھی، اپنے کاروباری اور کمپنی کے معاملات میں بھی وہ مسائل کی تحقیق کر کے عمل کرتے تھے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ مسائل میں رخصت پر عمل نہ کرتے ہوئے عزیمت پر عمل کرتے تھے، اگر چہ انہیں کاروبار میں نقصان ہی ہو جاتا، حضرت شیخؒ کے یہاں جماعتی انہماک کی وجہ سے ان کا بڑا اکرام تھا تمام ہی علماء کا احترام واکرام وقدر کرنے کا حاجی صاحب کا مزاج تھا، جملہ اکابر سے والہانہ عقیدت وتعلق تھا خصوصاً حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ زکریاؒ

اورحضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین صاحب مدنیؒ اور قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند اور مولانا سید علی میاں صاحب ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، غرض کہ ہندوستان کے سبھی اکابر سے والہانہ تعلق تھا اور انکا در دولت سبھی حضرات کی میزبانی کی خاطر کھلا رہتا تھا۔

سہارنپور کے سفر کے دوران ایک بار ان کے ساتھ الحاج عبدالقیوم صاحب مالک امینہ ہوٹل چاندنی کلکتہ والحاج عبدالستار صاحب تاجر چرم (چمڑہ) اور دیگر کئی احباب تھے حضرت شیخ زکریاؒ سے اجازت لے کر گنگوہ تشریف لائے، اہلیہ سے انکے لئے کھانا تیار کرایا اور تقریباً ایک سوا گھنٹہ میں دو تین آئٹم کھانے کے تیار ہو گئے جس پر پوری جماعت اور خاص طور سے مالک ہوٹل حاجی عبدالقیوم صاحب نے اظہار حیرت کیا کہ اتنی سی دیر میں تو ہوٹل میں بھی کھانا تیار نہیں کر پاتے یہ اتنا جلدی کھانا کس طرح تیار ہو گیا؟ میں نے اہلیہ سے کہا کہ مہمان یہ کہہ رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت شیخ کے مہمان ہیں ان کی کرامت سے بار ہا ایسا ہوتا رہتا ہے، میرے ساتھ چونکہ حاجی غلام رسول صاحب سے بہت بے تکلفانہ تعلقات کا مظاہرہ ہوتا تھا، انکے ساتھ ان کی اہلیہ بھی بندے کے غریب خانہ پر آئیں حالانکہ میرا مکان اور غریب خانہ دیہاتی انداز کا سیدھا سادہ تھا مگر انہوں نے بڑی مسرت وخوشی کا اظہار کیا، میرے گھر میں ان کے مزاج کے مطابق فلیش کا بھی انتظام نہیں تھا انہوں نے کس طرح اپنی ضرورت پوری کر کے خندہ پیشانی کا ثبوت دیا اور اپنی تکلیف کا ذرا بھی احساس نہ ہونے دیا، کلکتہ میں ان کے مکان پر

رمضان المبارک کے زمانہ میں افطار اور کھانے کے وقت میں کافی سفراء جمع ہو جاتے تھے اگر چہ ہماری طرف سے بعض دفعہ بہت ہی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ ہوتا مگر ان کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہ آتا تھا اور برابر آنے والوں کا اعزاز واکرام پوری طرح کرتے، اسی حالت میں حاجی غلام رسول کلکتوی ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ مطابق ۷ر فروری ۱۹۸۶ء بروز جمعہ انتقال کر گئے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما کر اپنی رضا مندی نصیب فرمائے۔

میرے تعلقات ان کے اہل خانہ اور ان کے فرزندان نیک اختر ان سے برابر رہے اس لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جملہ اہل خانہ کو جزائے خیر اور ان کے فرزندان کو خوب کاروباری حالات کی سازگاری کے ساتھ ترقی اور خیر و برکت عطاء فرمائے اور ان کو دنیا وآخرت میں صلاح وفلاح سے نوازے آمین۔

(۷) حاجی محمد عثمان صاحبؒ

کلکتہ کے مخصوص احباب میں حاجی محمد عثمان صاحبؒ بھی ہوا کرتے تھے، آپ بہت نیک صالح انسان تھے مدرسہ کے بڑے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت ہی خاص انسیت اور لگاؤ رکھتے تھے، متعدد مرتبہ گنگوہ بھی تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ سفر کلکتہ میں ان کی دکان پر جو مرکز کولوٹولہ اور دارالاشاعت کے قریب میں تھی بیٹھا کرتے تھے، آپ بہت ہی مخلصانہ معاملہ کیا کرتے تھے، رمضان شریف میں ایک آدھ مرتبہ آپ کے مکان پر اکثر سفراء کی دعوت افطار ہوتی تھی اور بہت لطف رہا کرتا تھا، حضرت والد صاحبؒ کی وجہ سے

آپ کو راقم الحروف اور دیگر برادران کے ساتھ بھی بہت شفقت اور محبت رہتی تھی، بلکہ ان کا پورا گھرانہ ہی ہم سب لوگوں سے ایک اچھی خاصی انسیت رکھتا تھا، یہ تاجر لوگ تھے عموماً ان کا پیشہ گھڑیوں کی خرید وفروخت اصلاح ومرمت رہتا تھا، مدارس کے ساتھ محبت اور دلی جذبات اوران کا تعاون کرنے میں یہ لوگ پیش پیش رہا کرتے تھے۔

حاجی صاحب مرحوم کی ایک ادا زندگی بھر یاد رہے گی، رمضان شریف میں افطار کے بعد آپ ہی اذان پڑھتے تھے اللہ نے آپ کو بلند آواز عطا فرمائی تھی، اذان پڑھنے کا ایک خاص انداز تھا اور آپ کی صورت وشکل بھی بڑی جاذب نظر اور پرکشش تھی، اللہ نے آپ کو حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی نوازا تھا، مرحوم کی بہت سی باتیں رہ رہ کر یاد آتی رہتی ہیں، اللہ پاک ان سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر طرح کی برکتوں سے نوازے آمین۔

(۸)صوفی محمد صادق صاحبؒ

کلکتہ کے مخلص احباب میں صوفی محمد صادق صاحب بھی تھے آپ پر نیکی کا غلبہ تھا، صورت وشکل سے بھی صوفیانہ انداز محسوس ہوتا تھا، عادت واخلاق میں نرم تھے، اکابر سے الفت ومحبت رکھتے تھے اور کلکتہ کے دین دار دعوت وتبلیغ سے لگاؤ رکھنے والے نیک صالح تاجروں میں آپ کا بھی شمار ہوتا تھا، گنگوہ بھی آئے اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خاصہ ربط تھا، آپ کافی عرصہ پہلے رحلت کر چکے ہیں، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے، متعلقین کو صلاح

وتقویٰ سے ہمکنار فرمائے آمین۔

(۹) حاجی محمد جمیل صاحب مدظلہ

کلکتہ کے احباب میں حاجی محمد جمیل صاحب مدظلہ رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند بھی بہت ہی نیک صالح انسان ہیں، حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے ساتھ ارادت وبیعت کا تعلق رکھتے تھے اور انکے پاس آمد ورفت رکھتے تھے، حضرت مفتی صاحبؒ بھی ان کے یہاں قیام فرمایا کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب کے فیض صحبت سے بھائی حاجی جمیل احمد صاحب کی طبیعت میں بڑی نیکی، تواضع، اخلاق، دینداری، دینداروں سے محبت، انفاق فی سبیل اللہ، مدارس کا تعاون، بیوہ عورتوں، یتیموں، مسکینوں، غریبوں، فقیروں اور مختلف قسم کے ضرورت مندلوگوں کا تعاون کرنا اوران کی ضروریات پر توجہ دینا اوران کو لینا دینا ایک عرصہ دراز سے کررہے ہیں موصوف حضرت والد صاحبؒ سے بھی بڑی انسیت ومحبت رکھتے تھے اوراب تک ان کی تعریف کرتے ہیں اور مدرسہ کا مخلصانہ تعاون فرمایا کرتے ہیں، آپ **التاجر الصدوق الامین** کا مصداق ہیں، اللہ پاک آپ کے ایمان میں، اعمال میں، تجارت میں، اہل واولاد میں خوب خوب برکتیں فرمائے اور ہر طرح کی صحت، عافیت، راحت وفرحت، عزت اور شرور وفتن سے حفاظت فرمائے آمین۔

یہ صرف چندلوگوں کا تذکرہ بطورنمونہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور بہت سے احباب ورفقاء تھے، جنکے ساتھ مختلف النوع معاملات تھے اورمدرسہ کے ہمدرد اورخیرخواہ تھے اورمدرسہ ہی کی وجہ سے ان سے تعلقات تھے، اللہ پاک اس شہر کے

تمام ہی مخلصین، معاونین اوران کی نسلوں کو قرناً بعد قرنٍ ان کے بڑوں کے تعاون اور محبت وخلوص کا بہترین بدلہ دارین میں عطافرمائے آمین، اور مدرسہ میں ہونے والی خدمات کوان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔

(۱۰) حافظ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ عبداللطیف مرحوم بھی قصبہ گنگوہ کے ایک نیک صالح، متقی وپرہیز گار کم گو بزرگ تھے، محلّہ مخدوم جہاں کی ایک مسجد میں امامت کرتے تھے، موصوف کو مدرسہ اور حضرت والد صاحبؒ سے ایک والہانہ رفیقانہ مخلصانہ لگاؤ اور تعلق تھا اور انکی خدمت میں اکثر وبیشتر آتے رہتے تھے اور دیر تک بیٹھے رہتے تھے، اگر کسی شخص سے ان کے خلاف کوئی بات سن لیتے فوراً دفاع کرتے اور جم کر جواب دیتے، موصوف کے انتقال کے وقت حضرت والد صاحبؒ اور بندہ موجود تھا اور ان کی روح قفصِ عنصری سے دار جاودانی کی طرف پرواز کرگئی تھی، اپنے محلّہ کے قریب قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اللہ پاک ان کی مدرسہ کے ساتھ محبت کا صلہ اپنی مغفرت ورحمت کی شکل میں عطافرمائے درجات عالیہ نصیب فرمائے آمین۔

(۱۱) حافظ عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حافظ عبدالحکیم صاحب مرحوم بھی گنگوہ کے ایک نیک صالح متقی پرہیز گار آدمی تھے گنگوہ کے محلّہ غلام مخدوم جہاں سرائے میں ایک مکان میں رہتے تھے، صوم وصلوۃ کے پابند، قانع اور صابر انسان تھے، زندگی کے گزارے کیلئے کپڑا بننے کا کام

کرتے تھے اور نیک صالح لوگوں کے پاس اپنا وقت گزارتے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے بڑی محبت وعقیدت رکھتے تھے، اکثر وبیشتر حضرت والد صاحب قدس سرہ مسجد زکریا جامعہ اشرف العلوم کیلئے سوت کی صفیں انہیں سے بنوایا کرتے تھے جو بہت مضبوط اور مفید ہوا کرتی تھیں اور موصوف بہت ہی خوشی اور محبت کے ساتھ ان کو تیار کیا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، اگر قصبہ میں کسی حاسد ومخالف سے کوئی بات سن لیتے سخت ناراض ہوتے اور دفاع کرتے، مرحوم نے کافی طویل عمر پائی۔

حسن اتفاق یہ ہے کہ بندۂ راقم الحروف جس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں متعلم تھا اکثر پندرہ دن میں جمعرات کی شام کو گھر آنا ہوتا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ گھر آیا ہوا تھا معلوم ہوا کہ موصوف بیمار چل رہے ہیں ان کے پاس پہونچا موصوف نے ایصال ثواب اور موت کے تعلق سے چند باتیں معلوم کیں اور اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے سلسلہ میں یہ تمنا ظاہر کی کہ حضرت والد صاحب پڑھائیں یا تم پڑھانا، بحسن اتفاق پھر پندرہ دن کے بعد اپنے وطن آیا تو معلوم ہوا کہ حافظ صاحب مرحوم اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں اور ان کی نماز فلاں وقت پر ہوگی، اس دن اتفاق سے والد بزرگوارؒ سہارنپور کسی کام سے چلے گئے تھے دیر تک ان کا انتظار کیا جب نہیں آسکے تو راقم الحروف نے مرحوم کی نماز جنازہ پڑھائی، اس طرح سے مرحوم کی ایک دلی تمنا پوری ہوئی، اللہ پاک مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، گنگوہ کے مشہور قبرستان (امام صاحب) میں مدفون ہوئے۔

(۱۲) حضرت مولانا احمد موسیٰ صاحبؒ پانڈور برطانیہ

حضرت مولانا موسیٰ صاحب پانڈورؒ اصلاً گجرات کے مشہور مقام اٹالوہ قریب ڈابھیل کے رہنے والے تھے، بچپن میں اپنے دیار کے علماء سے علم حاصل کیا اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہم سے جس زمانہ میں وہ حضرات ڈابھیل میں مقیم تھے علم حاصل کیا، پھر مختلف علاقوں میں دینی، سماجی، ملّی خدمات انجام دیں، دنیا کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور وہاں مقیم رہے جیسے ماریشش وغیرہ، پھر انگلینڈ مقیم ہو گئے اور عمر کا ایک بڑا حصہ وہیں گزرا، برطانیہ کے مشہور شہر براڈ فورڈ میں مقیم ہوئے اور وہاں جمعیۃ العلماء کے صدر منتخب ہوئے اور ملت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک بہترین عالم، مخلص ترین انسان، ہر ایک کے لئے بڑی وسعت اور فراخ دل رکھنے والے بزرگ تھے، کسی زمانہ میں آپ گنگوہ تشریف لائے تھے اور مدرسہ دیکھا تھا، جس زمانہ میں مدرسہ کا مطبخ دار قدیم کے احاطہ میں ہوا کرتا تھا جو دار جدید سے قدرے فاصلہ پر واقع ہے، برسات کے موسم میں جب بارش کا شباب ہوتا تھا آپ آئے اور طلبہ کو وہاں سے کھانا لانے کی مشقت آپ نے دیکھی یا آپ کے علم میں آئی تو آپ کو احساس ہوا اور آپ دل میں یہ احساس لئے ہوئے سفر پورا کر کے چلے گئے، معلوم نہیں اس وقت آپ کی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی کہ نہیں ہوئی، بہر حال حضرت والد صاحبؒ کا برطانیہ پہلا سفر ہوا تو حضرت موصوف نے بے پناہ خلوص، بے پناہ محبت، بے پناہ وسعت، بے پناہ خدمت، اخلاق اور اپنے تعاون کرنے کی حتیٰ الامکان کوششوں کو صرف کیا اور بہت

جگہ سفر میں ساتھ رہے، ایک جگہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت مولانا کے ساتھ وہاں کے مشہور شہر گلوسٹر میں جانا ہوا تو وہاں کچھ افراد نے دونوں بزرگوں کی سخت مخالفت کی اور عجیب وغریب قبیح الفاظ سے یاد کیا، ایک حضرت مولانا کے مخالف تھے اور ایک صاحب یہاں گنگوہ کے قریب کسی بزرگ کے پاس آئے تھے ان کے بعض خدام ومدرسین نے جو مدرسہ میں رہ چکے تھے ان کو مدرسہ کے تعلق سے غلط فہمیوں کے اندر مبتلا کیا اور مدرسہ اشرف العلوم اور اس کے مدیر کی طرف سے بغض ونفرت کے انجکشن لگائے جس سے ان کا دل سخت متنفر تھا اور ان کے دماغ میں بھی حدت اور شدت تھی، وہاں ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت مولانا موسیٰ پانڈورؒ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سخت برا بھلا کہا، یہ حضرات وہاں سے چلے آئے پھر اس کی شکایت اس شخص کے بزرگ اور شیخ سے کی گئی مگر انہوں نے بھی اس پر کوئی التفات نہیں فرمایا، حضرت مولانا موسیٰ پانڈورؒ کے تعلق سے حضرت والد صاحبؒ ایک جگہ اس طرح لکھتے ہیں:

احقر شریف احمد خادم مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

سرزمین گنگوہ قطب عالم شیخ عبدالقدوس وامام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سرزمین ہے چہار دانگ عالم میں مشہور ہے، روحانیت وحدیث اور علوم الٰہیہ کا مرکز رہی، انکی یادگار میں اسی سرزمین پر اشرف العلوم رشیدی ۴۴ رسال سے علوم اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہا ہے، سینکڑوں تشنہ گان علوم کو حفظ قرآن، تجوید وقرأت، فقہ وتفسیر اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے سیراب کر چکا ہے، عمارات کی توسیع، مہمانان رسول ﷺ کی آسانی اور سہولت کیلئے لندن کا سفر اللہ

کے بھروسہ پر اختیار کیا دوران سفر جن مقامات پر جانا ہوا گجراتی مسلمانوں نے جس ہمدردی، اخوت اسلامی، وسعت ظرفی اور تعاون کا ثبوت دیا وہ قابل فراموش نہیں بلکہ ہمیشہ یادگار رہے گی فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔

بہت سے حضرات نے مالی تعاون کے ساتھ ساتھ قیام وطعام کی سہولت، روایتی مہمان نوازی کا ثبوت دیکر منت کش احسان بنادیا۔

بڑی ہی فرض ناشناسی ہوگی اگر میں اپنے محسن عظیم جناب الحاج حضرت مولانا احمد موسیٰ پانڈور کا ذکر نہ کروں۔

(۱۴) حاجی محمد اسمٰعیل صاحب جبار مرحوم برطانیہ

حاجی محمد اسماعیل صاحب محترم بھائی سلیم اور ان کے والد یعنی مولوی عرفان رشیدی کے دادا بالاِ صالہ ہندوستان میں گجرات کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، جو لوگ ہندوستان سے انگلینڈ گئے ان میں شروع میں جانے والوں میں وہ بھی تھے تجارت وکاروبار کے سلسلہ سے وہاں پہنچے، مزاج میں علماء سے تنفر تھا جلدی سے کسی سے متاثر نہیں ہوتے تھے، ہوسکتا ہے کہ یہ تنفر بعض علماء کی حرکتیں دیکھ کر ہوا ہو، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ جلال آبادیؒ کے بڑے دیوانے اور قائل تھے، پھر والد صاحبؒ سے تعلق ہوا اور بہت ہی زیادہ محبت اور عقیدت کے ساتھ مانوس ہوئے، دین داری کے اثرات ان میں اوران کی اولاد میں پیدا ہوئے، ان کے شہر میں والد صاحبؒ کا قیام انہیں کے یہاں ہوتا تھا بالکل گھر ہی کی طرح معاملہ کرتے تھے، وہ اوران کے اہل خانہ اپنے گھر کی طرح رکھتے اور خدمت کرتے

تھے، خود وہ جب ہندوستان آتے تو گنگوہ گھر پر مدرسہ میں اور دہلی میں جناب حاجی مقصود احمد صاحب کے یہاں بہن کے مکان پر قیام رہتا تھا، اس چیز سے وہ بہت ہی زیادہ متاثر ہوئے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت قاری صاحبؒ جیسا انسان نہیں دیکھا میں نے، نہ کبھی انہوں نے اپنی ذات کیلئے اور اپنے بچوں کیلئے مجھ سے فرمائش کی جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے ہیں اور مجھے خاص اپنے گھر میں رکھا محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں کوئی غیر آدمی ہوں، پھر موصوف نے اپنے پوتے عرفان سلّمہٗ کو یہاں بھیجا اور کہا کہ اس کو پڑھاؤ اور کچھ بناؤ تو عزیزم عرفان سلمہ نے چار پانچ سال بہت ہی متانت اور سنجیدگی، شوق وذوق اور اپنے کام میں لگن کے ساتھ یہاں اپنا وقت گذارا اور اس درمیان میں ان کے طعام وغیرہ کا نظم گھر پر ہی رہا اور حضرت والد صاحبؒ نے خاص اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کی، پھر وہ ایک اچھے عالم بنکر یہاں سے نکلے اور اپنے شہر میں تجارت وکاروبار کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دے رہے ہیں، حاجی اسماعیل صاحب کے فرزند حاجی سلیم صاحب اور بھائی حنیف سبھی مدرسہ کے ساتھ اور ہم لوگوں کے ساتھ بہت ہمدردی رکھتے ہیں، اللہ پاک ان کے تعاون اور ہمدردی کو قبول فرمائے اور اس کے بہترین ثمرات ان کو اور ان کے اہل خانہ کو نصیب فرمائے آمین۔

(۱۴) حاجی عبدالحق صاحب پانڈور برطانیہ

حاجی عبدالحق صاحب پانڈور بھی حضرت والد صاحبؒ کے بڑے مخلص، ہمدرد، متواضع، خلیق بڑے مہمان نواز صاحب خیر دوستوں میں سے ہیں، جب سے

والد صاحبؒ اور بندہ نے برطانیہ کا سفر کیا تو ان کے گھر پر قیام اور حاضری مسلسل رہی اور ان کی عنایت وتوجہات برابر رہیں، ان کا پورا گھرانہ نیک صالح، خدمت گار، مہمان نواز، صاحب اخلاق ،اوصاف وکمالات کا مالک ہے، ایک زمانۂ دراز تک حضرت موصوف وہاں کی ایک مسجد کے ذمہ دار بھی رہے ہیں اور اب بھی اس علاقہ میں ایک بااثر شخصیت کے مالک ہیں، ان کے صاحبزادے مولانا زکریا صاحب پانڈور بھی بہت نیک صالح عالم ہیں وہاں ایک مدرسہ میں عربی درجات کے مدرس ہیں، ان کی والدہ بھی بہت ہی زیادہ نیک صالحہ عابدہ زاہدہ خاتون ہیں ان کے اخلاق عالیہ کا جواب نہیں، اللہ پاک ان سب کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر طرح کی ظاہری باطنی ترقیات سے مالا مال فرمائے، ان حضرات کو ادارہ پر اور منتظمین پر احسانات کے بہترین بدلے دارین میں عنایت فرمائے۔

الحاج سلیمان بھائی احمد اور الحاج غلام محمد بھانا صاحبان برطانیہ کے حضرات میں بہت ہی مخلص اور خدمت گزار، مہمان نواز، علماء کا اکرام کرنے والے، علماء کرام اور بزرگان دین سے بہت ہی محبت کرنے والے احباب میں سے ہیں حضرت والد صاحبؒ کا ایک عرصۂ دراز تک ان کے مکانوں پر قیام رہا اور ان حضرات نے اور ان کے اہل خانہ نے ان کی بے انتہا خدمت کی اور محبت واحسان کا معاملہ کیا اور مدرسہ کا تعاون فرمایا، حق تعالیٰ جل شانہ ان حضرات کو اور ان کے اہل خانہ کو نسلا بعد نسل ان کی خدمت ومحبت کا شفقت وعنایت کا جو اس بندہ کے ساتھ بھی جاری وساری ہے بہترین بدلہ دارین میں عطا فرمائے اور ہر طرح کی ظاہری وباطنی برکتوں سے فیضیاب فرمائے، اسی طرح حضرت مولانا واحد صاحب مدظلہ جو وہاں ایک شہر میں

مقیم ہیں اور رفیق محترم مولانا شبیر صاحب کے برادر کبیر ہیں، اللہ پاک ان کو بھی ان کی خدمات کا بہترین صلہ دارین میں عطا فرمائے، اس پورے گھرانے کی مدرسہ کے ساتھ اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ اور اس راقم السطور کے ساتھ بہت زیادہ عنایات اور شفقتیں رہیں، **جزاھم اللہ فی الدارین خیراً**، اسی طرح حضرت مولانا اقبال صاحب اور دیگر اس شہر کے اکابر واصاغر جنھوں نے مدرسہ کے ساتھ تعاون فرمایا اور محبت کا معاملہ فرمایا، حق تعالیٰ شانہ ان سب کو اس کا بہترین صلہ دارین میں عطا فرمائے اور ظاہری و باطنی برکات سے نوازے، بہت سے حضرات ہیں ان سب کا تذکرہ کرنا بھی ایک مشکل کام ہے ہاں ان سب کیلئے دعا کرنا ہمارا فرض ہے اور ان کے لئے برابر دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ ان سب کو دارین میں بہترین بدلے عطا فرمائے اور ظاہری و باطنی برکات سے مالا مال فرمائے۔

اسی طرح ایک دوسرے شہر میں عزیزم مولانا مفتی اشرف علی زید احترامہ کے والد گرامی اور وہاں کے امام حضرت مولانا محمد صالح صاحب مدظلہ العالی جو بڑے نیک صالح اسم بامسمیٰ، عالم فاضل، محدث و مفسر ہیں، حضرت والد صاحبؒ سے بیحد محبت رکھتے ہیں اور آج بھی ان کی محبت کا سلسلہ قائم ہے، ان حضرات کے یہاں حضرت والد صاحبؒ کا قیام رہا اور والد صاحبؒ کے اخلاق کریمانہ اور اخلاص سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ ایک جگہ اپنے خط میں اس طرح لکھتے ہیں:

باسمہ تعالیٰ جل شانہ

بخدمت گرامی حضرت اقدس قاری شریف احمد صاحب

منجانب یکے از کمترین خدام محمد صالح، بلیک برن

گرامی قدر قابل صد احترام مخدومی ومحسنی ومکرمی جناب حضرت اقدس قاری شریف احمد صاحب زیدت معالیکم ومتعنا اللہ بفیوضکم۔

بعد بصد تسلیم وآداب بخدمت گرامی عرض گذارش ہے کہ بندہ مع اہل خانہ بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت رہتے ہوئے آنحضرت کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعاءگو ہے کہ پروردگار عالم آپ کو صحت وعافیت کی دولت سے ہمیشہ مالا مال رکھے، آنمحترم کی مساعی وخدمت جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کی ذات عالی سے پوری ملت اسلامیہ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض یاب فرمائے۔

دیگر عرض اینکہ یہاں پہنچ کر یہ سیاہ کار اپنی بداعمالیوں کی نحوست سے صرف یہ پہلا خط حضرت والا کی خدمت میں ارسال کررہا ہے آنمحترم کے احسانات کے صلہ میں اس عاصی کی جانب سے عدم مراسلت پر آنحضرت کو واقعی بڑا رنج ودکھ ہوا ہوگا اس لئے صمیم قلب سے آنجناب سے عفو ودرگزر کا خواستگار رہوں۔

آنحضرت کی دعاؤں کی بدولت یہاں پر سارے احوال قابل تشکر ہیں یہ سیاہ کار یہاں بلیکبرن کی مسجد نور الاسلام میں خدمت امامت وتدریس وتفسیر القرآن الحکیم وغیرہ خدمت کو انجام دے رہا ہے آں حضرت دعاء فرمائیں کہ حق تعالیٰ شانہ شرف قبولیت سے نوازے۔

میں اس حقیقت کے اظہار کرنے میں مبالغہ آرائی نہیں کررہا ہوں کہ بندہ نے اپنے اس سفر میں آنجناب کو قریب سے جو دیکھا ہے تو واقعی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حسن اخلاق واحسان کرنے میں سارے حضرات میں میں نے آپ کا ثانی نہیں دیکھا اور یہ حقیقت ہے کہ ”الانسان عبد الاحسان“ آپ کا جو وقار واحترام اور آپ

کی طرف ایک خاص قلبی میلان اس سیاہ کار کے دل میں ہے میں اسے بیان نہیں کرسکتا، حق تعالیٰ شانہ آپ کو عمر طویل عطا فرمائے اور آپ کے فیوض سے ہم سب کو مستفیض فرمائے، احقر آنحضرت کو خلوص دل سے دعوت دے رہا ہے کہ اس سال جب آپ کا سفر ہو اور برطانیہ کے دورہ پر تشریف لائیں تو پورے سفر کے درمیان حضرت کا قیام اس حقیر کے غریب خانہ پر رہے اور اگر یہ منظور نہ ہو تو کم از کم لانکیشائر علاقہ کے دورہ پر تو احقر کے مکان پر ہی حضرت کا قیام رہے۔

طالب دعا یکے از کمترین خدام

بندہ محمد صالح

۲۲ رصفر ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۱ راگست ۱۹۹۳ء بروز بدھ

اہلیہ محترمہ

حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ نعمتِ الٰہی بنت حافظ منشی محمد ابراہیم صاحب گنگوہیؒ جو ایک نیک صالح آدمی تھے ایک زمانہ دراز تک لاہور میں بھی قیام رہا وہاں علامہ اقبال مرحوم کی انجمن حمایت الاسلام اور دیگر مقامات پر کام کیا اور وہاں کے بڑے لوگوں سے تعلقات رہے پھر وہاں سے ۱۹۴۷ء کے پریشان کن حالات میں سہارنپور آگئے یہاں محلہ مفتی میں حضرت شیخ زکریاؒ کے مکان کے سامنے مولانا نصیر صاحب کے کتب خانہ میں کتابت کرتے رہتے تھے اور رمضان المبارک میں حضرت شیخ کے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے، دیگ میں سے اتار اتار کر کھانا پلاؤ وغیرہ دیا کرتے تھے اور مجھ کو وہیں بٹھا کر اپنے پاس کھلا دیا کرتے تھے، ماشاء اللہ

طویل عمر پائی کبھی اپنی اولاد پر بوجھ بننا گوارا نہیں کیا آخر میں دہلی لکشمی نگر اپنے صاحبزادے یعنی ہمارے ماموں محمد الیاس صاحب کے مکان پر مقیم ہو گئے اور بہت سی مستورات کو قرآن پاک پڑھایا ۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۳؍نومبر ۲۰۰۱ء بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اللہ کو پیارے ہو گئے اللہ پاک درجات بلند فرمائے۔

بات چل رہی تھی حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ کی یعنی میری والدہ ماجدہ کی جو بہت ہی اوصاف وکمالات اور نیک سیرت اور نیک خصلت، عابدہ، زاہدہ، عفیفہ اور صوم وصلوٰۃ، تلاوت وتسبیحات بے شمار اوراد ووظائف کی پابند ہیں اور انبیاء علیہم السلام، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل اللہ کے واقعات ان کو ازبر ہیں اور جب وہ ان کو سناتی ہیں تو اس قدر تفصیل کے ساتھ اور لذت کے ساتھ کہ سننے والوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ان کا کلام بہت جگہ عارفانہ کلام ہوتا ہے اور ان پر بہت دفعہ اللہ کی محبت اور عشق کی کیفیات جاری ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، اور کبھی ان پر حق تعالیٰ کے خوف وخشیت کی تجلیات کا ظہور رہتا ہے اور کبھی ان پر موت کے شوق کا ایک عجیبانہ انداز طاری ہوتا ہے، گویا وہ اس قفص عنصری سے جلدی نجات چاہتی ہیں اور مبادرت نیک کاموں کے اندر مسابقت، صدقہ وخیرات کی عادت، انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اس طرح جوش مارتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ راہ خدا میں قربان کر دینا اپنی سب سے بڑی سعادت تصور کرتی ہیں، اور مہمانوں کی ضیافت ان کی خاص شان اور عادت رہی۔

مدرسہ کے ابتدائی دور سے ہی مدرسہ کی ترقیات اور اس کی فکریں کرنے میں حضرت والد صاحبؒ کے شانہ بشانہ ان کی زندگی کا سفر برابر جاری رہا، مدرسہ

کے معاملات میں ان کا بہترین تعاون رہا، بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ کی مدرسہ میں آمد کے ساتھ ان کے تمام خدام و متعلقین اور ضیوف کی خدمت اور دل وجان سے اسکی انجام دہی کو نہایت سعادت تصور کرتے ہوئے بلا تکلف ہر دم ہر وقت چاہے کتنی بھی کلفت اور مشقت ہو سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا نہ گھبرانا نہ پریشان ہونا بلکہ گھبراہٹ کے وقت دوسروں کو تسلی دینا اور ان کا حوصلہ بڑھانا ان کا شعار رہا، اور مدرسہ کے طلبہ کی ہمدردی ان کا ہمیشہ ذوق رہا، اگر کسی طالب علم کا کسی غلطی کی وجہ سے مدرسہ میں بطور سزا عارضی طور پر کھانا بند ہوگیا تو اس کو بلا بلا کر کھلایا کرتی تھیں ایسے بے شمار واقعات ہیں، ان کے لئے لحاف گدّے تیار کرنا مدرسہ کی کتابوں کے غلاف سینا اور ان کی بے شمار خدمات جو جاری وساری ہیں وہ الگ ہیں، قصبہ کی بہت سی غریب بیوہ عورتوں کی کفالت اور تعاون ان کا ایک خاص طریقہ رہا اور ہے، انسانوں کی ہمدردی اور ان کے غم میں شرکت چاہے دنیا میں کہیں بھی کوئی ہو اس کی پریشانی سے اس قدر پریشان ہونا گویا کہ وہ تکلیف خود ان پر گذر رہی ہے ان کی ایسی صفت ہے جو عجیب وغریب ہے، یہاں تک کہ ان کو تسلی دینی پڑتی ہے اور پھر وہ کیا کہتی ہیں بھائی اس میں بہت بڑا ثواب ہے، الغرض میرے اپنے گمان وخیال میں وہ اس وقت کی رابعہ بصریہ ہیں، بہت دفعہ ان کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف اور سعادت بھی حاصل ہوئی اور حج و عمرہ کی توفیق بھی میسر آئی اللہ کی محبت میں رسول پاک ﷺ کے ساتھ محبت وعشق میں غرق رہنے والی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرے اور پھر ان کا اشعار پڑھنا عجیب

کیفیت پیدا کرتا ہے، گھر میں تمام بچے بڑے ان کے آس پاس جمع رہتے ہیں اور ان کے ملفوظات سے اپنے ایمان کو تازہ اور روحانی کیفیات کو زندہ کرتے ہیں اب جبکہ وہ عمر کے آخری مرحلہ میں ہیں اور نہایت ہی کمزور کہ حضرت والد صاحبؒ کے انتقال کو آٹھ سال کے قریب کا عرصہ گذر چکا ہے نمازوں کا، تہجد کا، اشراق، چاشت، صلوٰۃ التسبیح کے ان کے معمولات برابر جاری ہیں۔

الغرض اگر ان کے تفصیلی حالات لکھے جائیں تو وہ بھی مستقل ایک کتاب پر مشتمل ہونگے، اللہ پاک ان کے سایۂ رحمت کو ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے آمین، اس ناچیز راقم السطور پر جب حضرت والد صاحبؒ کے وصال کے بعد بعض مدرسین کی طرف سے مخالفتوں کے پہاڑ توڑے گئے اور بادِ سموم کے طوفان اٹھائے گئے تو صرف اس مقدس والدہ کا صبر اور تسلی دینا اور دعا کرنا ہی کام آیا، اور قریب میں ہی اس زمانہ میں ان کی ایک آنکھ کا آپریشن ہوا تھا ان حالات میں ان کے بیٹوں پر اور ان کے مخلص شوہر کے لگائے ہوئے گلشن پر جو حالات گذر رہے تھے ان کا بہت اثر پڑا اور اس میں کافی نقصان واقع ہوا، انہوں نے اس میں ہمیں صبر و ہمت دلانے میں کمال کر دکھایا کہ بھائی ان سب چیزوں سے مت گھبراؤ مدرسہ کی زندگی میں یہ سب چیزیں پیش آتی ہیں دیکھو تمہارے والد پر کیا کیا گزرا اور انہوں نے بے حد صبر کیا، اور میں بہت دفعہ ان پر پیش آنے والے حالات سے بہت زیادہ گھبرا جاتی تھی کہ ہر وقت لوگوں کی گالیاں سننے کو ملتی تھیں اور ایک مایوسی کا عالم رہتا تھا، اس وقت وہ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ پر بھی دین کے معاملہ میں

حالات گذرے ہیں کیا انہوں نے دین کی خدمت کرنا چھوڑ دیا تھا؟ کبھی جب وہ گھبراتے تو میں ان کو ہمت دلایا کرتی تھیں یہاں تک کہ اللہ پاک نے یہ سکون واطمینان کے اور برکات کے ایام بھی دکھائے جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہیں، جب وہ اپنے بیٹوں سے صادر ہونے والے بعض اعمال صالحہ دیکھتی ہیں تو بے انتہا شکرادا کرتی ہیں کہ اللہ نے مجھ کو ایسی بھی اولاد دی ہے میں کہاں اس لائق تھی، اور جب بعض اولاد سے غیر مناسب اعمال اور خیالات کا اظہار دیکھتی ہیں تو بے انتہا اضطراب اور کرب محسوس کرتی ہیں اور دعا کرتی ہیں اور پھر بھی اپنے مشفقانہ رویہ سے پیچھے نہیں ہٹتیں، جبکہ اس طرح کے احوال میں بہت سی مائیں اپنی اولاد کو بالکل چھوڑ دیتی ہیں جب کہ دیکھتی ہیں کہ اس سے مسلسل صدمے اور تکلیفیں پہنچ رہی ہیں مگر ان کا معاملہ یہاں بھی عجیب ہے اللہ پاک ان کے سایہ رحمت کو دیر تک قائم رکھے۔

کچھ عرصہ پہلے ان کی کمر میں کافی چوٹ لگ گئی جبکہ وہ نماز کی تیاری کررہی تھیں جس کی وجہ سے ایک مہینہ مسلسل لیٹی رہیں اور ان کو اس دور میں سب سے زیادہ افسوس نمازوں کے ترک ہونے کا تھا کہ ادا کرنا تقریباتقریبا ناممکن تھا، جب اللہ نے صحت بخشی فوراً اپنی نمازوں کی ادائیگی میں لگ گئیں، اس درمیان میں بیشتر خدمت کی سعادت اور توفیق اس ناچیز اور اس کی اہلیہ کو حاصل ہوئی جس نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کی خدمت کی، اللہ پاک اس کو بھی اس کا اجر عظیم عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

روحانی اولاد

''نقوش دوام'' میں عزیزم مولانا عبدالواجد صاحب مدرس جامعہ ہذا نے حضرتؒ کے تعلق سے جو مضمون مفصل لکھا ہے اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

نسبی اولاد کے ساتھ ساتھ اللہ پاک نے آپ کی روحانی اولاد کو اسقدر بڑھایا کہ آپؒ کا علمی، روحانی، عملی، فیضان پورے عالم، براعظم افریقہ، یورپ، سعودیہ، امریکہ ودیگر ممالک میں پھیلا اور پھیل رہا ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا قیامت پھیلتا رہے گا، آں ممدوح کی، مرشدانہ، ناصحانہ ومربیانہ خدمات کوتا دیر یاد رکھا جائے گا، چونکہ کارنامہ ہی اتنا عظیم الشان فخیم المرتبت ہے کہ آپ کا علمی فیضان نسل درنسل پہونچ رہا ہے اورالی یوم القیامۃ پہونچتا رہیگا، ویسے تو اس کائنات میں ہر دن ہزاروں کی تعداد میں لوگ آتے جاتے ہیں سب کو یاد نہیں کیا جاتا لیکن کچھ روحیں اتنی مقدس و پاکیزہ ہوتی ہیں کہ ان کو حتماً ولازماً یاد کیا جاتا ہے کیونکہ وہ مخلوق خدا کو خداتعالیٰ سے ملانے کا اہم ترین فریضہ انجام دے چکی ہوتی ہیں، تو اس نقطۂ نظر سے وہ بڑی برگزیدہ اہمیت کی حامل قابل قدر بن جاتی ہیں کہ ان کو دنیا والے ہر دور میں یاد کرتے ہیں اوران کا ذکر خیر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

نسبی اولاد

آپکی نسبی اولاد میں پانچ بنات صالحات، قانتات، عابدات، اور تین ابناء ہیں جن میں قابل الذکر وہ ہیں جنکا تذکرہ مندرجہ ذیل سطور میں ہونے والا ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے: **عن ابی هریرة** رضی اللہ عنہ **ان**

رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له (مسلم/ج ۲/ص ۴۱، مشکوۃ شریف ج ۱/ص ۳۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان کو موت آجاتی ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (کہ مرنے کے بعد بھی ان کے اجر کا سلسلہ جاری رہتا ہے) صدقۂ جاریہ یا ایسا عمل جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک بیٹا جو باپ کے حق میں دعا کرتا رہے۔

جناب قاری عبید الرحمٰن صاحب نائب مہتمم جامعہ ہذا

حضرتؒ کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے برادر کبیر جناب قاری عبید الرحمٰن صاحب ہیں، آپ کی ولادت ۴/رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۹۶۲ء میں ہوئی، تاریخی نام سلمان اختر ہے، ابتدائی کتب سے تا جلالین جامعہ ہذا میں پڑھیں، مشکوٰۃ شریف کی تعلیم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی، دورۂ حدیث شریف اور قرأت سبعہ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، راقم السطور سے دو سال آگے تھے جو حضرتؒ کے ساتھ بہت سے اسفار میں بھی ساتھ رہے اور بہت سی خصوصیات کے جامع ایک بہترین قاری اور مجود ہیں اور مدرسہ کے کاموں میں ایک عمدہ رفیق اور معاون ہیں اور مخلصانہ جذبات رکھتے ہیں اور مدرسہ کے انتظامی و تدریسی کاموں میں اور نگرانی وغیرہ میں حضرتؒ کے دور سے اب تک برابر شریک وسہیم ہیں اور واجعلني وزيرا من اهلي هارون اخي اشدد به ازري و اشركه في امري (سورۂ طٰہٰ) کا مصداق ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان کو مزید برکتوں سے اور ترقیات ظاہرہ و باطنہ سے

نوازے، مدرسہ کی خدمات میں برابر مصروف کار ہیں اور ان کی محنتوں سے مدرسہ کو فائدہ ہو رہا ہے، **اللھم زد فزد وبارک تقبل ۔**

عزیزم مولانا عبدالواجد صاحب نے ایک مقام پر اس طرح لکھا ہے: حدیث پاک میں نیک صالح بیٹے کا تذکرہ ہے کہ ایسا بیٹا جو اپنے والد کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہے، جہاں حضرتؒ کی روحانی اولاد کی ایک کثیر تعداد ہے وہیں آپ کی نسبی اولاد میں سے ایک صالح نوجوان، محدث کبیر، مفسر عظیم، فقیہ نبیل، ولئ کامل، عارف باللہ، ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مستغرق وغوطہ زن، دنیوی امور سے دور حضرت الاستاذ واستاذ العلماء حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم شیخ الحدیث (ثانی) وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ہیں، جن کو اللہ پاک نے بہت سی گوناگوں خصوصیات وصفات سے نوازا ہے، ایسا فرزند وجگر گوشہ جو بذات خود دعا وایصال ثواب کے ساتھ ساتھ بہت سے انسانوں کے ذریعہ دعاء کراتا ہو تو ایسے پیارے باپ کے درجات اللہ ہی جانتے ہیں کہ کتنے اونچے ہوں گے۔

آپؒ کے جگر گوشہ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم کو اللہ پاک نے جہاں علمی عملی بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے وہیں آپ کو بیعت وارشاد میں ایک خاصا مقام عطا فرمایا ہے، آپ فانی فی اللہ عاشق رسول اللہؐ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپ گڈھیؒ سے منسلک ہوئے انہوں نے آپ کے اندر بہت سی صفات حمیدہ کو دیکھ کر آپ کو اپنی عنایتوں سے سرفراز فرمایا نیز فرمایا کہ آپ کی محبت سے میرا دل بھی متاثر ہو گیا، آپ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد

قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے بیعت ہوئے، چنانچہ انہوں نے تو آپ کو خلافت سے بھی نوازا، ایسے ہی شیخ وقت فانی فی اللہ عاشق رسول اللہ حضرت شیخ آصف حسین فاروقی مدظلہ العالی نے آپ کو خلافت مرحمت فرمائی، وہ آپ سے بے حد وحساب محبت کا اظہار فرماتے ہیں (حضرت شیخ آصف حسین فاروقی دامت برکاتہم برطانیہ میں جو خطبات فرماتے ہیں وہ تمام خطب بزبان اُردو وانگلش جمع کر دیئے گئے ہیں جو ''خطبات آصفیہ'' کے نام سے موسوم ہیں، برطانیہ میں بکثرت طبع ہوتے رہتے ہیں، حضرات علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو علم لدنی عطا فرمایا ہے، خطبات ایسے روح پرور ہوتے ہیں کہ جو دل کی دنیا بدل ڈالتے ہیں، مراقبات کی محفلیں، ذکر کے حلقے، پند ونصائح کی مجلسیں ہمہ وقت سجی رہتی ہیں) الغرض ''خطبات آصفیہ'' پر آپ نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو آپ کے شیخ کی آپ سے محبت صادقہ کی بین دلیل ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ نے بھی آپ کو خلافت دی، بزرگوں کا کسی شخص پر انتہائی مہربان ہونا اور خلافت ونیابت سے نوازنا بھی صالح ہونے کی علامت ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک بزرگ اور ولی صفت انسان ہیں اطال اللہ حیاتہ۔

اسی طرح آپ درس وتدریس میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں آپ پورے ادارہ کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ کتاب بخاری شریف جلد ثانی، ترمذی شریف مکمل اور افتاء کی بھی اہم ذمہ داری انجام دیتے ہیں، اللہ پاک آپکی اور ادارہ کی تمام شرور فتن سے حفاظت فرمائے، اور ہم تمام خدام جامعہ کو دینی خدمات خوب اخلاص و

للّٰہیت کے ساتھ انجام دینے کی توفیق دائمی نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

حضرت والد صاحبؒ رجال ساز تھے

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بذاتِ خود بہت سی صفات کا حامل، تمام علوم وفنون میں ماہر اور آداب واخلاق میں بے مثال ہوتا ہے مگر اس کے اندر دوسروں میں وہ کمالات منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن حضرت قاری صاحبؒ ان باکمال لوگوں میں سے تھے جو اپنے کمالات دوسروں میں منتقل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے، حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی زندگی میں بے شمار افراد تیار کئے اور علماء وقراء کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے پیچھے چھوڑی جو دنیا بھر میں قرآن وسنت کی نشر واشاعت اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہے، بڑے بڑے اصحاب درس وتدریس پیدا کئے جنہوں نے مسند درس پر بیٹھ کر معارف وحقائق کے موتی لٹائے، ایسے قراء امت کو دئے جنہوں نے اپنی نغمگی آواز سے فضاؤں کو معطر کردیا اور ایسے اصحاب نظم ونسق پیدا کئے جنہوں نے جگہ جگہ مکاتب، مدارس اور عصری ادارے قائم کئے اور وہ بحسن وخوبی انکا اہتمام وانتظام چلا رہے ہیں، حضرت قاری صاحبؒ نے ہر میدان کے لوگ تیار کئے جو اپنے اپنے دائروں میں مصروف عمل ہیں اور یہ آپ کی باقیات صالحات میں سے ہیں جس کا اجر آپ کو تا قیامت ملتا رہے گا۔ (ماخوذ از نقوش دوام، از تحریر جناب مولانا محمد ناظم قاسمی صاحب معتمد ناظم تعلیمات کاشف العلوم چھٹمل پور)۔

گیارھواں باب
مخصوص تلامذہ

مخصوص تلامذہ

حضرت والد صاحبؒ کا نظام مدرسہ کے ساتھ ساتھ شروع زمانہ سے ہی اخیر تک درس وتدریس کے ساتھ بھی تعلق رہا اور اس میں بھی آپ مستقل مصروف رہتے تھے اس لئے آپ کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور آپ کے تلامذہ کے تلامذہ تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، اس طویل مدت میں آپ کی تربیت ونگرانی اور توجہات سے جو فیض پہنچا وہ تو ایک دریاؤں کے مانند ہے اور سارے عالم میں ادارے کے علماء فضلاء اور مستفیدین دینی خدمات سے وابستہ ہیں، اگر ان تمام کی تفصیل لکھی جائے تو یہ ایک مستقل کام ہوجائے گا جس کی یہ مختصر کتاب متحمل نہیں ہوسکے گی، اللہ پاک نے توفیق دی تو تاریخ اشرف العلوم میں یہ چیزیں ذکر کی جائیں گی، ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس سے پچاس ہزار تقریباً افراد ہونگے جو ادارہ میں ستر سال کی مدت میں آئے اور گئے اور ایک بڑی تعداد مختلف شعبوں سے تکمیل کر کے گئی، اللہ پاک ان سب کو قبول فرمائے یہ سب حضرتؒ کے لگائے ہوئے گلشن کا فیض اور برکت ہے اور اس کا سلسلہ بحمد للہ جاری وساری ہے، یہاں چند مخصوص تلامذہ شمار کرائے جاتے ہیں:

(۱) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی

مولانا کچھ روز قبل مرحوم ہوچکے ہیں، آپ حضرت والد صاحبؒ کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں، کافی زمانہ مدرسہ میں گذارا اور بقول خود ان کے کہ میں نے

حضرت قاری صاحبؒ سے درجنوں سے زیادہ کتابیں پڑھی ہیں، ان میں سے جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) حمد باری۔ (۲) تیسیر المبتدی۔ (۳) گلزار دبستاں۔

(۴) گلستاں باب ہشتم۔ (۵) بوستاں۔ (۶) اخلاق محسنی۔

(۷) مفتاح القواعد۔ (۸) مفید الطالبین۔ (۹) نفحۃ الیمن۔

(۱۰) نور الایضاح۔

پھر کچھ دن مدرسہ میں پڑھایا بھی پھر مراد آباد وغیرہ بھی پڑھایا اور مدرسہ بھی قائم کیا پھر مختلف وجوہات سے گنگوہ میں ہی آگئے تھے اور اپنے گھر پر ہی تصنیف و تالیف کا بے مثال کارنامہ انجام دیا، حضرت مرحوم بہت بڑے عالم، فاضل، محقق، مدقق شارح تھے آپ کے قلم سے امت کو بہت فیض پہونچا، اور بعض ایسی تصنیفات وجود میں آئیں جن میں آپ منفرد ہیں جو بعد کے لوگوں کے لئے مرجع بن گئی اور بڑے بڑے علمائے روزگار نے آپ کی تصانیف کا اعتراف کیا اور ان کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا، یہاں آپ کی تصانیف کا اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) نیل الامانی شرح اردو مختصر المعانی دو جلدیں۔

(۲) الصبح النوری شرح اردو مختصر القدوری۔

(۳) معدن الحقائق شرح اردو کنز الدقائق دو جلدیں۔

(۴) غایۃ السعایہ فی حل مافی الہدایہ، یعنی شرح ہدایہ اولین دس جلدیں۔

(۵)طلوع النیرین شرح اردو ہدایہ آخرین آٹھ جلدیں۔

(۶)وہبی تحقیقات شرح اردو قطبی تصدیقات۔

(۷)قدسی تنورات شرح اردو قطبی تصورات۔

(۸)تحفۃ الادب شرح اردو نفحۃ العرب۔

(۹)فلاح و بہبود شرح اردو قال ابوداؤد دو جلدیں۔

(۱۰)الروض النضیر شرح اردو الفوز الکبیر۔

(۱۱)انوار البروق انوار فی الفروق۔

(۱۲)ظفر المحصلین باحوال المصنفین۔

(۱۳)اوّلیات۔

(۱۴)شرح ابن عقیل عربی دو جلدیں۔

ان کی وفات کے تعلق سے میں ماہنامہ ''صدائے حق'' میں بقلم مولانا محمد ساجد کھجناوری اس طرح لکھا گیا ہے:

ممتاز عالم دین وشارح کتب درسیہ

مولانا محمد حنیف گنگوہی کا انتقال

دینی مدارس ومراکز ایک بافیض شارح اور بلند پایہ مترجم سے محروم

برصغیر ہندو پاک بنگلہ دیش میں قائم مدارس اسلامیہ کے مروجہ درس نظامی میں شامل متعدد کتابوں کے ممتاز شارح اور ترجمہ نگار مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ کا اپنے

وطن قصبہ گنگوہ میں صبح تین بجے ۱۹ ؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰ ؍جون ۲۰۱۲ء بروز یکشنبہ ۸۰ ؍برس کی عمر میں انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون، وہ ادھر ایک عرصہ سے بسلسلۂ تدریس وتالیف دیوبند میں مقیم تھے۔

حضرت مولانا محمد حنیف ۱۹۳۲ء میں قصبہ گنگوہ کے محلّہ غلام اولیاء میں الحاج شریف احمد انصاری کے یہاں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وتربیت مقامی ادارہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ہوئی جہاں ۱۹۴۳ء میں داخلہ لے کر حفظ کی تکمیل کی، اور اجراء فارسی، جماعت میزان الصرف، ہدایۃ النحو اور کافیہ تک تعلیمی سلسلہ جاری رہا اور دیگر اساتذہ کے علاوہ اشرف العلوم کے بانی حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ سے کسب فیض کیا آپ کی ہی سر پرستی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۹۵۰ء میں مفتاح العلوم جلال آباد میں دوسال اور پھر دارالعلوم دیوبند پہنچے جہاں ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پڑھی، بعدازاں تدریسی زندگی کا آغاز اپنی مادرعلمی اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سے کیا اور تین سال تک عربی درجات کے مقبول استاذ رہے، بعض دیگر مدارس میں بھی درسی خدمت کی، آپ کا اصل مشغلہ تصنیف وتالیف رہا انہوں نے درس نظامی کی بہت سی مشکل سمجھی جانے والی کتابوں کی شروحات لکھیں، ترجمے کیے جس سے ان کی علمی شخصیت ابھر کر سامنے آئی، حضرت مولانا محمد حنیف کی نماز جنازہ بعد نماز ظہر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ناظم حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے پڑھائی جس میں اہل

علم کی بھی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی اور مقامی انصاری قبرستان تیتروں بس اسٹینڈ گنگوہ میں انہیں ہمیشہ کے لئے پیوند خاک کردیا، آپ کے حادثۂ وفات کی خبر دینی وعلمی حلقوں میں شدتِ غم کے ساتھ سنی گئی اور ایصال ثواب کرکے مرحوم کے لئے دعاءِ مغفرت کی گئی۔

مغربی یوپی کی ممتاز درسگاہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ان کے انتقال کی خبر ملتے ہی پورا ماحول سوگوار ہوگیا، دریں اثناء آپ کے سانحۂ رحلت پر سرکردہ شخصیات نے اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے، جامعہ کے ناظم حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی نے فرمایا کہ مولانا محمد حنیف گنگوہیؒ ممتاز شارح اور قابل قدر عالم دین تھے، وہ اشرف العلوم کے ہونہار ابتدائی فیض یافتگان میں سے تھے، ان کے انتقال سے جامعہ نے اپنا ایک نامور سپوت کھودیا، جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا وسیم احمد سنسارپوری نے فرمایا کہ وہ جامعہ کے قدیم زمانہ کے مقبول مدرسین میں سے ایک تھے، استاذ حدیث حضرت مولانا محمد سلمان گنگوہی نے فرمایا کہ وہ میرے استاذ تھے میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا اور سمجھا، اللہ ان کی بال بال مغفرت فرمائے آمین (ماخوذ از ماہنامہ ''صدائے حق'' گنگوہ)۔

(۲) جناب حضرت مولانا قاری اصغر صاحب گنگوہی

جناب حضرت مولانا قاری اصغر صاحب شیخ الحدیث جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ آپ کی ولادت ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۳۳ء الحاج محمد سعید احمد صاحب کے گھر پر ہوئی، انہوں نے بھی حضرت والد صاحبؒ کے پاس حفظ قرآن پاک پونے

دو سال میں کیا اور تجوید کی مشق کی، بعد ازاں مفتاح العلوم جلال آباد میں حضرت والد صاحبؒ نے آپ کا داخلہ کرایا وہاں دو سال ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی پھر شوال ۱۳۷۷ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوکر درس نظامی کی کتب پڑھیں اور ۱۳۸۰ھ میں دورہ سے فراغت ہوئی بعدہ ایک سال مزید رہ کر فنون وافتاء کی مشق کی، فراغت کے بعد جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے تدریس کا آغاز کیا فی الوقت وہاں کے شیخ الحدیث آپ ہی ہیں اور تادم تحریر یہیں مصروف خدمت ہیں، ایک زمانہ تک حضرت والد صاحبؒ سے بہت خط وکتابت رہی اور آنا جانا رہا۔

(۳) حضرت مولانا وسیم احمد صاحب مدظلہ العالی

آپ کی ولادت ۱۹۵۲ء میں مولانا بشیر احمد صاحبؒ کے یہاں سنسار پور ضلع سہارنپور میں ہوئی (حضرت مولانا وسیم احمد صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ) آپ بھی حضرت والد صاحبؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، ابتدائی تعلیم آبائی وطن مدرسہ فیض رحمانی سنسار پور ضلع سہارنپور میں ہوئی بعد ازاں جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں داخلہ لے کر ہدایۃ النحو اور کافیہ پڑھ کر پھر ۱۹۶۴ء میں مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے وہاں سے ۱۹۷۰ء میں فراغت پائی پھر فراغت کے بعد سے جامعہ اشرف العلوم میں مختلف علوم وفنون کا درس دیا اور دے رہے ہیں اور ۱۴۰۵ میں جب دورۂ حدیث کا آغاز ہوا آپ ہی شیخ الحدیث بنائے گئے، آپ کا فیض الحمد للہ دریاؤں کی طرح جاری ہے، اللہ پاک اسی طرح دیر تک جاری وساری رکھے، بہت ہی نیک صالح با اخلاق، با اخلاص، متواضع، متبحر،

علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھنے والے عالم فاضل بزرگ ہیں اور ادارہ میں پڑھانے والے اساتذہ بشمول راقم الحروف سب کے بڑے استاذ ہیں، اور آپ کو اجازت وخلافت جامع الاوصاف والکمالات حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب دامت برکاتہم سے ہے جو عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے خلیفہ ومجاز ہیں، اللہ پاک ان کی حیات میں برکت فرمائے ،آپ کی تصانیف بذل السعایہ فی مقدمۃ الہدایہ،تبذیر البنان فی تذکرۃ النعمان،مقدمہ تفسیر، مقدمہ حدیث غیر مطبوعہ۔

(۴) حضرت مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی مدظلہ العالی

آپ کی ولادت ۱۹۵۴ء میں حافظ علیم الدین صاحبؒ کے یہاں محلہ بہاؤالدین گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی ، از نورانی قاعدہ تا مشکوۃ شریف کی تعلیم جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں حاصل کی ،حضرت والد صاحبؒ کے پاس اجراء، مفید الطالبین، بوستاں، اخلاق محسنی،نفحۃ الیمن وغیرہ کتب پڑھیں،حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے مشورہ سے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی ،شعبان ۱۳۹۷ھ میں فراغت ہوئی ،ایک سال بعد جامعہ اشرف العلوم رشیدی میں تقرر ہوا، جامعہ اشرف العلوم میں تدریسی خدمت کے دوران جمعرات کی شام میں حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ کی خدمت میں دارالعلوم دیوبند جاتے کتب افتاء کا درس لیتے اور جمعہ کی شام میں واپس گنگوہ آتے ، اس طرح سے آپ نے افتاء کی تکمیل کی۔

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب گنگوہی مدظلہ العالی مدرس جامعہ ہذا خلیفہ جامع الاوصاف والکمالات حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ، والد صاحبؒ کے اہم شاگردوں میں ہیں جن پر حضرت والد صاحبؒ کی خصوصی عنایات اور شفقتیں رہیں جس کا انہوں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنے مضمون جو ''نقوش دوام'' میں شائع ہو چکا ہے اعتراف واقرار کیا ہے، جس کا عنوان ہے ''میرے محسن ومربی اور مشفق استاذ'' جس سے ان کی محبت وخلوص اور اپنے استاذ گرامی کے ساتھ صحیح تعلق اور وفاداری کا مظاہرہ ہوتا ہے جو بہت سے معاصروں کے لئے جن پر حضرتؒ کے بے شمار احسانات ہوئے ہیں اور انہوں نے اس کے صلے اس کے بالکل برعکس ان کی حیات میں اور بعد میں ادارہ کو دئے ہیں باعث عبرت وبصیرت ہیں، حضرت مولانا اپنی ذات میں نہایت متواضع، متقی اور صاحب علم ومعرفت بزرگ ہیں اور ادارہ کے حق میں نہایت ہی وفادار اور مخلصانہ جذبات رکھتے ہیں، اللہ پاک ان کی عمر میں خوب برکات فرمائے اور ان کے فیض کو جاری وساری رکھے۔

(۵) جناب مفتی حبیب اللہ صاحب چمپارنی

جناب مفتی حبیب اللہ صاحب چمپارنی محدث وناظم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڈھ یوپی، اس وقت کے بہت بڑے عالم، فاضل، مفتی، محدث بزرگ ہیں اور ایک ادارہ کے ذمہ دار بھی ہیں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں از میزان الصرف تا مشکوۃ شریف اور حضرت والد صاحبؒ سے بوستاں، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن پڑھیں اور بہت فیضیاب ہوئے پھر دارالعلوم سے

فراغت پائی اور مختلف اداروں میں قرآن وسنت کی خدمات میں مصروف رہے پھر مہذب پورا اعظم گڈھ میں اپنا ادارہ قائم کیا اور اپنے ادارہ میں ایک بڑے قافلے کی سرپرستی کے ساتھ دینی خدمات میں مصروف ہیں، مولانا عبدالحلیم جونپوریؒ کے خلیفہ بھی ہیں، حضرت والد صاحبؒ کے تعلق سے ان کا مضمون ''نقوش دوام'' میں ''ان کے کردار سے خوشبو مہکے'' کے عنوان کے تحت اپنے بہترین جذبات کا اظہار فرمایا ہے، راقم السطور کے ساتھ بھی بہت ہی شفقت ومحبت رکھتے ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، جزاہ اللہ خیرا فی الدارین وبارک اللہ فی عمرہ۔

(۶) جناب الحاج مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری

آپ کی ولادت ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۲/اپریل ۱۹۶۰ء اللہ بخش کے یہاں موضع بھائی پور ضلع بلندشہر میں ہوئی، جناب الحاج مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری استاذ قرأت وتجوید دارالعلوم دیوبند نے جامعہ ہذا میں کافی وقت گذارا اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت ہی انسیت ومحبت رکھ کر جامعہ سے اور بانی جامعہ سے بہت فیض اور توجہات حاصل کیں، راقم السطور کو وہ منظر یاد آتا ہے جب حضرت والد صاحبؒ دفتر میں بیٹھ کر ان کو اور راقم کے کئی ساتھیوں کو وجد کی کیفیت کے ساتھ قرآن پاک کی مشق کرایا کرتے تھے اور دیر دیر تک اس میں مشغول رہتے تھے، جامعہ اشرف العلوم میں از اجراء فارسی تا مشکوۃ تعلیم حاصل کی، پھر آپ یہاں سے ۱۴۰۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور دارالعلوم میں وہاں کے اکابر سے فیوض وبرکات حاصل کئے اور پھر ۱۴۰۵ھ

میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے قبول کر لئے گئے اور وہاں آپ کا فیض جاری وساری ہے طلبہ کے درمیان مقبول ہیں، اور حضرت والد صاحبؒ کے بڑے مداح اور قدر دان ہیں اور ادارہ کے ساتھ بڑی مخلصانہ محبت رکھتے ہیں، اللہ پاک ان کو ہر طرح کی شفا اور صحت وقوت سے نوازے اور ان کے فیض کو عالم میں دور دور تک پھیلائے اور پھیلنے کے اسباب مہیا فرمائے آمین یارب العالمین۔

(۷) جناب مولانا شبیر احمد صاحب گجراتی

جناب مولانا شبیر احمد صاحب گجراتی مقیم حال انگلینڈ، آپ کافی عرصہ جامعہ ہذا میں مقیم رہے اور یہاں قیام کے دوران حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ کی خدمت میں بھی جلال آباد مدرسہ میں ان کی خانقاہ میں جایا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے بہت انسیت ومحبت رکھتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ کو بھی ان کے ساتھ بہت زیادہ انسیت ومحبت تھی اور وہی حضرت والد صاحبؒ کے سب سے پہلے برطانیہ کے سفر کے محرک بنے، یا یوں کہا جائے کہ حضرت والد صاحبؒ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے مدرسہ کا تعاون کرایا جس سے بہت کام ہوا اور مولانا وہیں مقیم ہو گئے، نیک صالح بڑے اچھے عالم فاضل مخلص انسان ہیں، اللہ پاک ان کی عمر میں خوب خوب برکت عطا فرمائے اور ظاہری وباطنی ترقیات سے نوازے آمین۔

(۸) مولانا محمد الیاس صاحب گجراتی

مولانا محمد الیاس صاحب گجراتی ثم لندنی، بنگلور کے ایک غیر مسلم گھرانے

سے تعلق رکھتے تھے اللہ پاک نے اپنی خاص عنایت سے اسلام اور ایمان کی توفیق عطا فرمائی، وہاں سے مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے وہاں سے گنگوہ آئے اور ایک عرصۂ دراز موصوف مرحوم نے یہاں گذارا اور مدرسہ میں حضرتؒ کے ساتھ بہت ہی محبت اور انسیت رکھتے تھے، حضرتؒ نے ان کو مدرسہ کی مسجد کا امام بھی بنایا اس لئے کہ قرآن پاک بہت شاندار پڑھتے تھے اور ان کی تلاوت میں بڑی لذت وحلاوت تھی، فراغت کے بعد لندن چلے گئے اور وہیں ایک مسجد میں امامت کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ مرحوم کے پاس جاتے اور ٹھہرتے اور موصوف بہت ہی ادب واحترام فرماتے تھے اور اپنی وسعت کے مطابق بہت خدمت کرتے تھے، پھر مولانا موصوف چند بچوں کو چھوڑ کر جوانی ہی کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے جس کا حضرت والد صاحبؒ کو بہت ہی زیادہ صدمہ ہوا جبکہ وہ خود صاحب فراش تھے اور قلب کے مریض تھے یہاں تک کہ بار بار آپ کو سمجھانا پڑا حالانکہ آپ ہمارے بڑے تھے مگر ہم ان کو کبھی کبھی سمجھانے کی ہمت، ان کے غم کے ازالہ کی فکر عجیب انداز سے کرلیا کرتے تھے، حضرت مرحوم والد صاحبؒ کے نام اپنے ایک خط میں اس طرح لکھتے ہیں:

مدرسہ بہت یاد آتا ہے اور آپ کی شفقت اور محبت اتنا تڑپاتی ہے جس کو میں بیان نہیں کرسکتا، بہت مرتبہ تو رونا آجاتا ہے، بہر حال دن گذار رہا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے آمین۔

محمد الیاس قاسمی

اللہ پاک مولانا موصوف کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو علم وفضل اور دارین کی برکات سے نوازے آمین۔

(۹) مولانا محمد یوسف صاحب صدر رشیدی

مولانا محمد یوسف صاحب صدر رشیدی زید مجدہ ساؤتھ افریقہ، مولانا گجرات کے رہنے والے شخص ہیں مدرسہ میں کافی عرصہ گذارا، حضرت والد صاحبؒ سے بھی پڑھا اور ان کے بہت قریب رہے اور جب حضرت والد صاحبؒ کا افریقہ کا سفر ہوا جس میں یہ طالب علم بھی حضرت کے ساتھ تھا مولانا موصوف کے یہاں قیام ہوا بلکہ اصل میزبان وہی ہوئے اور بہت ہی محبت انتہائی خدمت اور مدرسہ کے ساتھ نہایت ہی مخلصانہ تعاون فرمایا، موصوف ان چند فضلاء میں سے ہیں جنہوں نے اپنی مادر علمی کو فیض پہنچایا، جبکہ اس زمانہ میں یہ عالم ہے کہ ہزاروں فائدے اٹھا کر بھی اپنی مادر علمی کے نہ احسانات مانتے ہیں اور نہ کچھ اخلاق ووفاداری کا ثبوت ہی دیتے ہیں، بلکہ بعض تو انتہائی غداری اور نمک حرامی کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے اداروں کا نقصان تو ہوتا ہی ہے لیکن ان کے باطنی اخلاق واوصاف وکردار کا ضرور ثبوت ملتا ہے، اس قسم کے بھی بہت سے واقعات اداروں کے منتظمین کو دیکھنے پڑتے ہیں، لیکن اسی بیچ میں کچھ نیک صالح مخلص اور وفادار سپوت بھی اداروں سے تیار ہوتے ہیں جن سے دین کی نصرت کا کام لیا جاتا ہے، اللہ پاک ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ظاہری وباطنی برکات سے نوازے آمین۔

(۱۰) مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری

ولادت باسعادت ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۴ راپریل ۱۹۶۹ء کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور میں ہوئی یہاں آپ کے والد مولانا سعید احمد صاحب بجنوریؒ

جامع مسجد کے امام اور مدرسہ تعلیم الاسلام کے ناظم تھے، ابتدائی تعلیم آبائی وطن سہس پور ضلع بجنور میں ہوئی اور جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں جماعتِ کافیہ میں داخلہ لیکر حضرت والد ماجدؒ سے نفحۃ الیمن پڑھی اور اشرف العلوم سے فراغت ۱۴۰۷ھ میں ہوئی اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، دوبارہ دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں کیا اور وہاں سے ۱۴۰۸ھ میں فراغت ہوئی، فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دو سال معین مدرس رہے پھر ایک سال مدرسہ فیض ہدایت رائے پور میں درس دیا بعد ازاں دو سال شاہی مراد آباد میں مدرس رہے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کی طلب پر دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے آئے اور بحیثیت مدرس عربی آپ کا تقرر ہوا اور تادمِ تحریر آپ دارالعلوم کے مقبول مدرسین میں شمار ہوتے ہیں اللہ قبول فرمائے اور مزید ترقیات سے ہمکنار کرے آمین۔

ان کے بڑے بھائی جناب مولانا محمد سفیان صاحب بھی اسی طرح کے فاضل ہیں شروع سے آخر تک یہیں پڑھا حضرت والد صاحبؒ کے شاگرد ہیں جامعہ ہذا کے اولین فضلاء میں سے شمار ہوتے ہیں، فراغت کے معاً بعد ہی اپنے والد ماجد (حضرت مولانا سعید احمد صاحب) کے انتقال کے بعد امامت وخطابت میں مصروف ہو گئے اور پھر ایک عرصہ کے بعد وہاں سے جیزان سعودی عرب میں تبلیغ دین اور قرآن پاک کی خدمت میں مصروف ہیں، ایک لائق فاضل آدمی ہیں اور بہت سی خصوصیات کے جامع ہیں۔

(۱۱) مولانا مفتی عقیل صاحب بجنوری

مولانا مفتی عقیل صاحب بجنوری قصبہ سہس پور کے رہنے والے راقم الحروف کے مخلص ترین ساتھیوں میں سے ہیں، آپ کی ولادت ۱۹۶۷ء سہس پور ضلع بجنور میں ہوئی، تکمیل حفظ قاری ضیاء الحسن محمود پوری سے کیا، تجوید وقرأت قاری ظہور الحسن نگینوی اور اپنے والد محترم قاری محمد سعید سے حاصل کی، نیز خوش خطی بھی والد محترم سے ہی سیکھی اور مولانا یوسف شیر کوٹی سے فارسی پڑھی، بعد ازاں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ۱۹۸۰ء میں جماعتِ میزان میں داخلہ لے کر حضرت والد صاحبؒ سے بوستاں، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن اور تجوید وقرأت کی مشق کی ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء اشرف العلوم ہی سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد دار العلوم وقف میں مزید دورہ کیا، آئندہ سال وہیں افتاء کی تکمیل بھی کی، فراغت کے بعد ۲۸؍ جون ۱۹۸۷ء میں مدرسہ معارف العلوم سہس پور میں صدر مدرس کے عہدہ پر تقرر ہو گیا اور تادم تحریر عربی کے کامیاب مدرس بھی ہیں، بچپن سے نیک صالح طبیعت کے مالک اپنے کام سے کام رکھنے والے خرافات سے دور با اخلاق سلیقہ مند دین کے ایک مخلص خادم ہیں، آپ ایک طرف مدرسہ کی خدمت میں دوسری طرف تفسیر اور امامت اور افتاء وغیرہ کے امور بھی انجام دیتے ہیں اور قصبہ میں وعظ و بیان کے ذریعہ سے اور رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے محنت کے دوران مختلف علاقوں میں لوگوں کو فیضیاب کرتے ہیں اپنی مادر علمی کے ساتھ بڑی انسیت رکھتے ہیں اسی طرح اس قصبہ

کے اور بھی بہت سے فضلا ہیں جنہوں نے یہاں فیض پایا اور مخلصانہ جذبات ادارہ کے ساتھ وابستہ رکھتے ہیں انہیں میں عزیزم مولانا محمد مسعود صاحب اور مولانا نہال صاحب جو پونہ میں ایک جگہ امام ہیں اور مولانا محمد شباہت صاحب جو جیزان سعودی عرب میں فیض پہنچانے میں مصروف ہیں۔

(۱۲) مولانا نجم الدین صاحب سلمہ مہاراشٹری

علاقۂ مہاراشٹر سے حضرت مولانا طالب علی صاحب خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ بہت خصوصیت کے ساتھ اپنے علاقہ کے بچوں کو یہاں بھیجا کرتے تھے اور مدرسہ کے اس طویل دور میں علاقہ مہاراشٹر میں تقریبا ہر جگہ پر اشرف العلوم کے فضلاء ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں ان میں ایک وفادار اور مخلص فاضل عزیزم مولانا نجم الدین صاحب بھی ہیں، آپ ۱۰/ اکتوبر ۱۹۷۰ء میں موضع گھارولا قصبہ چاکور ضلع لاتور میں پیدا ہوئے، والد صاحب کا اسم گرامی غلام رسول ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ مدینۃ العلوم لاتور میں ہوئی، ناظرہ، حفظ اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں ۲۶/ جون ۱۹۸۶ء میں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں جماعت میزان میں داخل ہوئے اور حضرت والد صاحبؒ سے بوستاں، مفید الطالبین، دیوان متنبّی پڑھیں اور بڑی خصوصیت سے حضرت والد صاحبؒ اور مدرسہ کے ساتھ وابستہ رہکر پڑھنے میں مشغول رہے، اور جامعہ ہذا سے ہی ۱۹۹۲ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی، آپ کے درسی رفقاء میں مولانا میزان صاحب مدرس جامعہ ہذا اور مولانا شباہت بجنوری ہیں، تاہنوز ادارہ کے ساتھ

وفاداری اور محبت رکھتے ہیں جو اپنی مادر علمی کے ہر اس شخص کو ہونی چاہئے جس نے کچھ علم کے ساتھ انسانیت بھی سیکھی ہو جو علم کا مقتضیٰ ہے کہ طلبہ پر ادارہ ہی خرچ کرتا ہے وہی ان کے لئے اساتذہ اور ان کی تنخواہوں، قیام، تدریس اور تمام سہولیات فراہم کرتا ہے بہت سے لوگ ادارہ کے احسانات کو بھلا دیتے ہیں اور غداروں کا ساتھ دیکر بعد میں پھر پچھتایا کرتے ہیں، اللہ پاک نے موصوف کو اپنے اساتذہ کی مخلصانہ خدمت اور تعلقات کے نتیجہ میں اپنے علاقہ میں دینی خدمات کا موقعہ عطا فرمایا، چنانچہ فراغت کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم لاتور میں تدریسی خدمت میں مشغول ہوگئے، بعد ازاں جنوری ۲۰۰۱ء میں والد بزرگوار (حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ) کے مشورہ سے جامعہ عربیہ دار العلوم کے نام سے لاتور شہر میں ایک ادارہ قائم کیا جہاں پر فارسی تک تعلیم ہے، اس علاقہ میں جامعہ اشرف العلوم کا فیضان چپہ چپہ پر نظر آتا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں اشرف العلوم کے فضلاء وہاں مختلف النوع دینی خدمات میں مصروف ہیں اللہ پاک سب کو قبول فرمائے اور انسانیت کی خدمت کے مواقع اخلاص اور صحیح دین کی تشریح کے ساتھ فراہم فرمائے آمین۔

(۱۳) احقر العباد راقم السطور

خون دل دے کے نکھارا ہے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

احقر العباد راقم السطور سراپا قصور جوان کی اولاد میں سب سے چھوٹا اور ناکارہ

ہے اللہ پاک اپنے بڑوں کی دعا سے کچھ کام کا بنادے اور اس سے کچھ اپنے مخلص استاذ، مربی عظیم، ابِ رحیم، والدِ کریم کے لگائے ہوئے گلشن کی حفاظت اور ترقیات مع برکات ظہور پذیر ہوں جو ان کی سب سے بڑی دلی تمنا اور آرزو تھی جس کے لئے انہوں نے اس جاہل و غافل کو منتخب فرمایا تھا اور جس کو اس طرح سے ذکر کیا ہے:

حضرات گرامی قدر اراکین مجلس و کمیٹی مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

سلام مسنون نیاز مقرون!

معروض آنکہ اللہ کی دی ہوئی توفیق سے مدرسہ کا کام زندگی بھرپوری محنت ومشقت کے ساتھ انجام دیکر مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے بڑھکر ایک بڑا ادارہ اور علم دین واشاعت علوم اسلامیہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرکز بنادیا، خدا کرے یہ ہر دن ترقی پذیر ہوکر پورے عالم میں اس کا فیض پہونچ جائے اور ہم سب کے لئے صدقۂ جاریہ، توشۂ آخرت اور حق تعالیٰ شانہ کی رضامندی کا ذریعہ بن جائے۔

ضروری بات قابل گذارش یہ ہے کہ میں اب مسلسل بیمار اور ٹانگوں کی تکلیف میں مبتلا رہتا ہوں، علاج معالجہ کے لئے بہت مرتبہ باہر جانا پڑتا ہے اور کئی کئی روز لگ جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ مدرسہ کے کام سے باہر جانا ہوتا ہے جس کے اندر کئی کئی ماہ لگ جاتے ہیں، ایسی حالت میں ضروری ہے کہ میری مدد اور تعاون کے لئے کوئی مددگار و معین ہو جو میری عدم موجودگی میں اور میرے سامنے ذمہ داری کے ساتھ کام کرے، اس کام کے لئے میں اپنے سب سے چھوٹے لڑکے مفتی خالد سیف اللہ کو مناسب اور بہتر سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وتقویٰ کی دولت سے نوازا ہے،

اگر یہ میرے سامنے کام شروع کردینگے تو میرے بعد میں انشاء اللہ چمن محمدی کی نگرانی اور اس کی ترقی کی فکر کرینگے، کم از کم یہ جذبہ ان کے اندر رہے گا کہ میرے والد کا لگایا ہوا چمن ہے اس کو خزاں نہ آئے بلکہ ہر لمحہ اس کی ترقی اور بہتری کی فکر ہوگی، ان حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ آپ حضرات اس کی تصدیق وتائید فرما کر منظوری فرماویں گے اور شکریہ کا موقعہ عنایت فرماویں گے فقط والسلام۔

احقر شریف احمد

ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ۴ر شعبان ۱۴۱۳ھ

چنانچہ اراکین کمیٹی نے نہ صرف اس اہم تجویز سے اتفاق کیا بلکہ اسے اپنے دل کی آواز اور وقت کی ناگزیر ضرورت قرار دے کر اس پر اپنے دستخط ثبت فرمادیے۔

پھر یہ اطلاع حضرات مدرسین کو اس طرح کی گئی ''حضرات مدرسین کرام وملازمین صاحبان مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی۔سلام مسنون کے ساتھ تحریر ہے کہ یہ معلوم ہوکر آپ حضرات کو بیحد مسرت ہوگی کہ مؤرخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۹۳ء کو مدرسہ کی منتظمہ کمیٹی کے آٹھ اراکین حضرات نے اتفاق رائے سے ایک قرارداد پاس کی تھی جس کی توثیق وتصدیق مورخہ ۲۶ر اگست ۱۹۹۳ء کی قرارداد میں کی گئی اور طے کیا گیا کہ اس پر عمل درآمد شروع کیا جائے اور اس کا اعلان بھی اساتذہ وطلباء میں کردیا جائے، لہٰذا اس قرارداد کی بعینہ نقل تحریر ہے، اطلاعی دستخط ثبت فرمائیں فقط۔

نقل قرارداد ۵ / مورخہ ۲۲ / جنوری ۱۹۹۳ء، اتفاق رائے سے طے ہوا کہ حضرت ناظم صاحب نے اپنی مسلسل علالت اور ٹانگوں کی تکلیف کا جو عذر تحریر فرمایا ہے وہ درست ہے اور حضرت ناظم صاحب کی عدم موجودگی میں مدرسہ میں ایک ذمہ دار کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے ہم سب طے کرتے ہیں کہ مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب حضرت ناظم صاحب کی معاونت میں مدرسہ کے ذمہ دار رہیں گے اور مدرسہ کی پوری پوری نگرانی کریں گے۔

چنانچہ جملہ حضرات مدرسین وملازمین نے نہ صرف اس تجویز سے اتفاق کیا بلکہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے دستخط بھی ثبت فرمائے، بعد میں پھر بعض نے بغاوت کے طوفان اٹھائے اور چلائے اور کذب وافتراء کی وہ داستاں پھیلائی جس میں خدا کا خوف کہیں سے کہیں تک شامل نہیں تھا، اپنے اساتذہ اور اپنی مادر علمی کی عظمت کا بالکل خیال نہ کیا گیا، فتنہ وفساد کی تمام تر حدود پار کردی گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے لئے ان باغیوں نے ایک عرصہ سے تیاری کر رکھی تھی اور وہ ہمہ تن اس وقت کے منتظر تھے کہ کب یہ موقعہ ہاتھ آئے اور اس کے لئے طلبہ کے اندر عرصہ دراز سے طلبہ کی ذہن سازی کی جارہی تھی اور جو دماغ طلبہ کی اصلاح اور ان کی صلاح وفلاح اور خیر خواہی میں خرچ ہونا تھا وہ دماغ اپنے محسن کے خلاف جن کے طفیل پڑھنا اور پڑھانا اور اس گلشن میں بیٹھنا اور عزت واحترام پانا نصیب ہوا تھا بغض وعناد اور حسد کی آگ میں سب کو خاک میں ملا دیا تھا اور اس کیلئے طلبہ کی دیر سے ذہن سازی اور باغیانہ مزاج کی تشکیل ہورہی تھی اور حضرتؒ کو نامناسب

خطوط لکھے جارہے تھے، نمونے کے طور پر چند خطوط کے اقتباسات لکھے جاتے ہیں چنانچہ ایک خط جس کی شروعات ان القاب سے کی گئی ''ابغض المدیر من اقوام الاخریٰ'' اور بعد میں لکھا ہے کہ آپ کی مخالفت و بغاوت میں ایک طوفان برپا کرنے والے ہیں، آگے لکھا ہے (۵) خاص بات یہ ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد انشاء اللہ مدرسہ کے اندر ایسا انقلاب برپا کریں گے جس سے آپ کے نائب خالد صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور ایسا ہوگا اور ویسا ہوگا، چنانچہ مشکل سے ان کے انتقال کو ایک سال ہی گذرنے پایا تھا کہ اس شر وفتنہ کو پورا کرنے کیلئے بطور سیاست تنخواہوں کا مدعا اٹھایا گیا، جسمیں یہ مطالبات تھے، جبکہ اس سال ماہ محرم پر سب کا اضافہ ہو چکا تھا (۱) ہم سب کی تنخواہوں میں کم ازکم ڈیڑھ گنا اضافہ یعنی ہر ایک کی تنخواہ میں اس کی تنخواہ کا نصف اضافہ کیا جائے، اور یہ اضافہ اسی ماہ سے عنایت فرمایا جائے (جبکہ مہینہ ختم ہونے میں صرف چار پانچ دن باقی تھے، کیونکہ یہ حکم نامہ ۲۶ کو موصول ہوا تھا) (۲) ہر سال اضافوں کے ساتھ گرانی کے حساب سے تنخواہوں میں گرانی الاونس بھی شامل کیا جائے (۳) رمضان المبارک کے سفر کا الاونس ۲۰ فیصد مقرر کیا جائے (ان میں بعض پچاس فی صد کے جواز کے قائل تھے) (۴) قربانی کے موقعہ پر اجرت معقول یعنی فی یوم دوسو روپے مقرر کی جائے (۵) باقی ماندہ اتفاقی رخصتوں کا معاوضہ دیا جائے (از جملہ مدرسین مدرسہ ۲۳ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ)۔

اس آڈر کے ساتھ بذریعہ ڈاک ایک خط میں لکھا گیا، اسی ماہ کے اندر

اندر اس کو پورا کردو ورنہ ہم استعفیٰ دیں گے، الگ مدرسہ بنائیں گے تجھ کو ہٹادیں گے، ہمارے پاس مہتمم بہت ہیں، غنڈے ہیں، گوجر ہیں، گولیاں ہیں، سیاسی طاقت ہے، اہل قصبہ ہیں، اہل دیہات ہیں، طلبہ کو بھڑکائیں گے، تیری عزت خاک میں ملائیں گے، بدنام کریں گے، چنانچہ سب کچھ کیا گیا اور خود اقرار بھی کیا، چنانچہ ایک صاحب لکھتے ہیں:

''قصبہ اور اطراف قصبہ اور ملک کے اکثر و بیشتر علاقوں میں ادارہ سے متعلق جو غلط افواہیں پھیلی ہیں وہ دراصل ہماری کم فہمی اور ناعاقبت اندیشی کا ثمرہ تھا (یعنی ہم نے پھیلائی تھیں) ہم اس پر نہایت شرمندہ ہیں''۔

ایک منٹ میں تم ہائے توبہ کروگے، دیوبند، سہارنپور کی طرح کریں گے، ایک دوسرے خط میں لکھا ہے کہ ''تو بخاری کیوں پڑھاتا ہے؟ اس کے لائق تو مولوی فلاں ہے، تو نظامت کیوں کرتا ہے؟ اسکے لائق تو فلاں ہے، تو پیری مریدی کیوں کرتا ہے؟ اس کے لائق تو فلاں ہے، تُو تو دربانی کے لائق ہے، تو ایسا ہے تیرے گھر والے ایسے اور تیرے بچے ایسے ہیں'' مغلظات، اتہامات کا طوفان اور نہایت قبیح گالیوں پر مشتمل خطوط تحریر کرائے گئے، اور وہ باتیں منسوب کی گئیں جنکا راقم الحروف سے کوئی واسطہ مطلب نہیں تھا، اس درمیان میں فتنہ دبانے کی ہر مخلصانہ کوشش کی گئی، افہام و تفہیم، تنخواہ کے سلسلہ میں اضافے کے وعدے حتیٰ کہ شوریٰ کا فیصلہ کہ مناسب و معتد بہ اضافہ ہوگا، سب حسد و بغاوت کی آگ اور خاک میں ملا دیا گیا، اور مادرِ علمی کے جملہ احسانات اور حضرت ناظم صاحبؒ کے جملہ

احسانات کا یہ صلہ عنایت فرمایا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیونکہ اس پورے گروہ نے اسی ادارہ سے علمی، مالی، اقتصادی، تجارتی، بے شمار فائدے اٹھائے تھے، جنکا شکریہ انکی نسلیں مل کر بھی ادا کرتیں تو کم تھا، تقریباً دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ بذریعہ طلبہ وغیرہ ہر نوع کا فساد وفتنہ کر گئے، خود استعفیٰ دیکر تشریف لے گئے، مزید تعجب وافسوس ان کچے کانوں پر جنہوں نے ایک ضابطہ بنالیا کہ منتظمین کے خلاف اٹھنے والا ہر گروہ سچا اور مظلوم ہے، اور انتظامیہ ظالم ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ٥ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُفْسِدِیْن، وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْن ٥ گویا منسوخ، نقض عہد، نقض امن، تعلیمی نقصانات، کرنے والے برحق اور قابل تحسین، لائق مبارکباد اچھے، اچھے لوگ تَوَاصِیْ بِالْحَقِّ ٥ تَوَاصِیْ بِالصَّبْر ٥ سے غافل ہو کر تواصی بالباطل، تواصی بالشر، تواصی بالفساد والفتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں، یہ اہل حق کے گروہ کا عالم ہے تو دوسروں کی کیا شکایت کی جائے، مگر حق تعالیٰ شانہ نے حضرتؒ کی قلبی دعاؤں کی برکت سے حفاظت فرمائی اور جوان کا ہر وقت کا ایک فکر تھا کہ میرے مرنے کے بعد مدرسہ کا کیا ہوگا ہر دن تقریباً یہ جملہ ان کی زبان پر جاری رہتا تھا، ہم اس کو اس وقت تک اس قدر وزنی اور بھاری بھر کم تصور نہ کرتے تھے کہ اس کے پیچھے کیا کیفیت اور کیا فکر اور کیا غم اور کیسی مصیبت کی داستان مضمر ہے، کیونکہ وہ خطوط جن میں مدرسہ کو نقصان پہونچانے کی شدید دھمکیاں ان کو پہنچ رہی تھیں مگر وہ صابر انسان اس چیز کا اظہار اپنے متعلقین سے بالکل نہ کرتا تھا کہ میرے پاس اس قسم کے خطوط آرہے ہیں، جبکہ

ان کو اندازہ تھا کہ یہ کن لوگوں کی ذہنیت کی ترجمانی اور کن دماغوں کی عکّاسی ہے کیونکہ وہ آستین کے سانپ وقتاً فوقتاً ان کو کاٹتے رہتے تھے اور یہ اس بندۂ صابر کی عجیب کیفیت تھی جو بہت بڑے ولی اللہ کو نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں آستین میں سانپ پالتا ہوں جب کاٹتے ہیں تو مسکراتا ہوں'' یہی حال حضرت والد صاحبؒ کا تھا کہ مفاد مدرسہ کی وجہ سے بہت سوں کو نباہتے تھے اور حضرت کا یہ حال تھا جو کسی شاعر نے کہا ؎

گلشن پرست ہوں ہر گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں

ہمارے شیخ ومرشد حضرت اقدس پرتاپگڈھیؒ نے اس کو اس طرح فرمایا تھوڑے تغیر کے ساتھ:

گلشن سے عشق ہے ہر گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں کو دل سے پیار کئے جا رہا ہوں

یہ اور بھی اونچی کیفیت ہے، اسی قسم کی کیفیت حضرت والد صاحبؒ کو حاصل تھی، جبکہ بعض معاصر بزرگوں نے جب دیکھا کہ فلاں شخص یا فلاں مدرس ہمارے بعد ہماری اولاد کو نقصان دے گا اپنی زندگی میں ہی اس کو روانہ کردیا اور بعد کے لئے فتنوں سے سد باب کردیا لیکن حضرت والد صاحبؒ نے بے پناہ صبر وضبط اور تحمل کا مظاہرہ کیا لیکن اس صبر وتحمل کے نتیجہ میں فتنے دبے تو ضرور رہے مگر ختم نہیں

ہوئے، اور پھر ان کی وفات کے بعد موقعہ پاتے ہی وہ فتنہ پرور فتنہ مزاج لوگ پھر شر اور فساد پر تل گئے اور جو کرنا تھا وہ کیا، مگر اللہ پاک نے محض اپنے فضل وکرم سے حفاظت فرمائی، اس فتنہ سے ان کی روح مبارک کو کس قدر تکلیف پہنچی ہوگی وہ اللہ ہی جانتے ہیں، جس کا ترجمان ایک خواب ہے جو خود اس راقم الحروف کو نظر آیا، جہاں حضرتؒ آرام فرما ہیں وہیں پر آپ کا جسم مبارک مع کفن اوپر رکھا ہوا ہے اور اس پر خون پڑا ہوا ہے اور برابر میں ایک چھری ہے جس سے ان کا سینہ اور پیٹ چاک کر دیا گیا ہے جیسا کہ قربانی کے موقعہ پر کوئی ذبیحہ پڑا ہوتا ہے اور لوگ جمع ہیں اور شور مچ رہا ہے کہ حضرتؒ کو کچھ لوگوں نے ایسا ایسا کر دیا ہے، میں گھبرایا ہوا اس احاطہ میں داخل ہوا اور یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے والد کو مجھے تو دیکھنے دو اور بہت ہی زیادہ پریشانی اور اضطراب کی کیفیت ہے اور وہاں ایک جم غفیر جمع ہے، میں نہایت غم اور غصہ کی حالت میں پوچھ رہا ہوں کہ میرے والد کے ساتھ یہ حرکت کن لوگوں نے کی ہے؟، کچھ لوگوں نے اشارہ کیا کہ یہ کھڑے ہوئے ہیں، وہیں قریب میں وہ لوگ کھڑے ہوئے تھے، وہی چھری اٹھا کر ان کے مارنی شروع کی اور ایک ہلکے سے اشارہ میں وہ سب وہیں ڈھیر ہو گئے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہ خواب عین اسی زمانہ کا ہے جس زمانہ میں مدرسہ کا یہ فتنہ عروج پر تھا اور مدرسہ کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے کیلئے یہ گروہ جان کی بازی لگائے ہوئے تھا، اور اس کی سرپرستی وہ شخص کر رہا تھا جس کے متعلق میں نے بارہا سنا حضرتؒ سے وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس شخص کے چہرے پر بالکل نور نظر نہیں آتا اور یہ شخص کمینہ ہے کمینے کا کمینہ ہی رہے گا، یہ

الفاظ اس وقت عجیب سے لگتے تھے مگر بعد میں ایک عالم نے اور خود اس شخص کے اس گروہ نے اس کا اقرار کیا کہ اس شخص کے چہرہ پر بالکل نور نظر نہیں آتا اور یہ ایسا ہے ویسا ہے، اور ہم سمجھتے کیا تھے اور بعد میں کیا دیکھنے کو مل رہا ہے، ہم سے ایسا ایسا کرایا گیا اور ہماری ذہن سازی ادارہ کے خلاف کی گئی جس پر ہم نہایت شرمندہ ہیں اور افسوس کرتے ہیں، اور اس میں طلبہ کا جو گروہ بالخصوص علاقۂ مہاراشٹر وغیرہ کے جو طلبہ استعمال کئے گئے تھے وہ اور ان کے بڑے آج سب اس پر شرمندہ ہیں اور بہت سے تو اپنی حرکات کے وبال میں گرفتار ہیں، وہ بیچارے طلبہ جو تعلیم کے لئے آئے تھے علم دین سے ہٹا کر اپنی مادر علمی کے خلاف بغاوت میں استعمال ہوئے اور سوائے رسوائی اور ذلت اور خسارے وہلاکت کے کچھ حاصل نہ ہوا، یہ طبقہ جو اداروں کے طلبہ کو اپنی دنیوی اغراض کے لئے استعمال کرتا ہے اور ان کی زندگی تباہ کرتا ہے کل قیامت میں اللہ کے یہاں اس کا کیا جواب دیگا؟ اے کاش! کہ اس کا احساس ہوجائے اور کچھ توبہ واستغفار کی توفیق ہوجائے، اللہ پاک تمام مخلصانہ اداروں کی ہر قسم کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے آمین۔

اسی طرح حضرت والد صاحبؒ کے بعض وہ شاگرد وتلامذہ بھی ہیں جن کو انتہائی محبت سے پرورش کیا گیا اور پھر ان کو تدریس کیلئے اپنے زیر سایہ جگہ دی اور ہر طرح انہیں لائق وقابل بنانے میں اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور ان کے طرح طرح کے نخرے برداشت کئے، لیکن انہوں نے اپنے استاذ گرامی کو بہت زبردست نقصان پہونچایا ان کے خلاف سازشیں کیں اور ان کے لگائے ہوئے گلشن کو تباہ

وبرباد کرنے کی کوشش کی ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی، لیکن اللہ پاک نے ان کے شر سے مدرسہ اور اہلِ مدرسہ کی حفاظت فرمائی اور وہ رسواء وذلیل ہوکر مدرسہ کے عمدہ ماحول سے نکل گئے یا نکال دیئے گئے۔

ایسے لوگوں سے جن پر کسی انسان کے ہزاروں احسانات ہوں اور ان کے ساتھ ہر طرح کی ہمدردی اور خیر خواہی کرتا چلا آرہا ہو پھر ان کی طرف سے نمک حرامی، غداری، الزام تراشی اور ایذا رسانی کا زبانی اور تحریری کوئی سلسلہ ومشاہدہ ہوتو اس حالت میں انسان کو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے، اس طرح کے حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں متعدد واقعات پیش آئے جن پر ان کو صبر کرنا پڑا اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص سے ایسی توقع نہیں تھی، اسی طرح کے ایک صاحب مدرسہ میں تھے بچپن سے ان کو پالا پرورش کیا تھا اور مدرسہ میں مدرس بنایا اور بڑے مقام تک پہنچایا مختلف قسم کی خیانتوں میں ملوث ہوئے بے شمار شواہد اور خود کے تحریری اقرار کہ ہاں مجھ سے ایسا ایسا ہوا ہے، پھر نکلے اور بے سروپا بے بنیاد باتیں شائع کیں اور خود نے کیا لکھا کیا اقرار کیا اس کو بالکل بھول گئے، ایسوں کے حق میں حضرتؒ کے یہ الفاظ بالکل صحیح ثابت ہوئے کہ ان لوگوں کو نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا خیال نہ دنیا کی شرم وحیاء ان کے پاس ہے، یہ ایسے مشفق کی ایک سند ہے جو بالکل ان کے حال پر منطبق ہے۔

اے کاش! توبہ واستغفار کی توفیق ہو اور تلافی مافات کی فکر ہو اور ندامت اور شرمندگی کا احساس دامن گیر ہو جو طریقۂ بندگی ہے اور بندگان خدا کا وظیفہ رہا۔

ابونا حضرت آدم علیہ السلام سے ایک تکوینی نظام کے تحت خطا ہوئی بلکہ کرائی گئی تب بھی کئی سو سال روتے رہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین (سورۂ اعراف آیت ۲۳) کا ورد زبان پر رہا، جس کو قرآن پاک نے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور شیطان نے قصداً غلطی کی اور اِنکار واستکبار کا مظاہرہ کیا اور ہمیشہ کیلئے حق تعالیٰ کی درگاہ سے پھٹکار کے ساتھ مردود ہوکر دفعہ کردیا گیا اور اپنی غلطی کے احساس کے بجائے الزام اللہ کو دیا فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (سورۂ اعراف آیت ۱۶) جب تم نے مجھے گمراہ کردیا اب میں ہمیشہ تیری مخالفت کیلئے صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے وہیں بیٹھ جاؤں گا اور صراط مستقیم پر گزرنے والوں چلنے والوں کو ہمیشہ گمراہ کرونگا اور تیری مخالفت قیامت تک مرتے دم تک کرتا رہوں گا، آج ایک طبقہ کا یہی طرز عمل ہے خود غلطیاں کرتے ہیں فتنہ وفساد، شر وبغاوت، کذب وافتراء کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالتے ہیں اور پھر ہمیشہ کیلئے مخالفتوں اور اسی کذب وافتراء کے راستہ پر چلا کرتے ہیں، اہل علم کے لئے ان دونوں واقعات میں بڑی بصیرتیں ہیں اور عبرتیں ہیں اور ہر شخص خود اپنا فیصلہ اور تجزیہ کرسکتا ہے کہ وہ کس کے طریقہ پر چل رہا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو صحیح فہم اور صحیح نہج عطا فرمائے آمین۔

بارھواں باب
منظومات
بر انتقالِ پُر ملال

از جناب مولانا ولی اللہ ولی قاسمی بستوی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

جا بسے ہیں دور ہم سے، آہ مولانا شریفؔ
کہتے ہیں ہم چشمِ نم سے، آہ مولانا شریفؔ

جب مکمل ہوگئی ان کی حیاتِ مستعار
تو جہاں سے چل بسے وہ جانبِ پروردگار

وصل کا پیغام لے کر آیا قذاقِ اجل
اور آکر دے گیا پروانۂ حکمِ اٹل

موت کے کاندھے پہ وہ تو ہوگئے فوراً سوار
دوستوں کی انجمن سے ہوگئے وہ تو فرار

اعلیٰ علیّین میں وہ ہوگئے جا کر مقیم
ہے توقّع، پائیں گے وہ سایۂ عرشِ عظیم

تھے وسیع الظرف، حلم و صبر کے خوگر تھے وہ
اور تسلیم و رضا کا اک حسیں پیکر تھے وہ

دانش و فکر و تدبر میں رہے ہیں طاق وہ
خیر کی راہوں میں ہاں تھے صاحبِ انفاق وہ

نامساعد حالتوں سے تھا نمٹنے کا ہنر
سینۂ بیدار میں ان کے تھا چیتے کا جگر

تھے بہت سی خوبیوں سے متصف قاری شریفؔ
مات کھایا جو مخالف آیا ہے بن کر حریف

ان کا تھا گنگوہ مسکن اور مدفن ہے وہی
آخری راحت کدہ، معمور گلشن ہے وہی

تیرہ اڑتالیس ہجری سن، رہا ماہِ صفر۱ اور تھی تاریخ چھبیس، پیر کی نوری سحر۲

تھا حبیب احمد کا، کاشانہ، شریفی مستقر جو رہا گنگوہ کی بستی میں بے حد معتبر

عبدِ رحماں جدّ امجد، حافظِ قرآن تھے جو شریف احمد کے پہلے، رہبرِ ذیشان تھے

حفظ کی تکمیل فرمائی انہی کے پاس میں دردِ ملت کا رہا ان کی رگِ احساس میں

عبدِ خالق، قاریٔ شہرِ سہارنپور تھے جو شرابِ معرفت کے جام سے مخمور تھے

پاس پہنچے ان کے تجوید و قراءت کے لئے ہو گئے مشہور پھر اپنی شرافت کے لئے

تیرہ سو تریسٹھ تھا ہجری۳، جب مظاہر میں گئے۴ تین برسوں تک وہ گلزارِ مظاہر میں رہے

سن کوئی انیس چوالیس عیسوی کا رہا۵ جب رشیدی انجمن کی آپ نے رکھی بنا۶

تیرہ سو چھیاسٹھ میں پھر وہ آئے شہرِ دیوبند۷ تین برسوں میں بنے وہ اس کے ابنِ ہوشمند۸

بعد اس کے آ گئے گنگوہ میں وہ مستقل صاحبِ نسبت رہے وہ اور اہلِ دردِ دل

چند برسوں میں کیے وہ مدرسے کو شاندار اور تعمیر و ترقی بھی کیے وہ جاندار

جامعہ کی شکل و صورت کر گیا یہ اختیار طالبانِ علم پھر آنے لگے پروانہ وار

ہند کے اچھے مدارس میں ہوا اُس کا شمار فیض اس سے پانے والے ہو گئے ہیں بے شمار

منصبِ تدریس و افتاء پر ہیں اس کے فارغیں ہو رہے ہیں جو مشاہیرِ زماں کے ہمنشیں

تھے شریفِ با وفا، مدنیؔ کے منظورِ نظر تھے لطیفِ قاضوی کے معتمد اور معتبر

وقتِ رحلت عمر اٹھہتر رہی ہے آپ کی مفتی سیفؔ اللہ خالد ہیں نشانی باپ کی

ہاں ربیعِ پاک کی تاریخ وہ چوبیس ہے[9] سن ہجری رخصتی کا چودہ سو چھبیس ہے[10]

مفتی سیفؔ اللہ خالد، تھے جنازے کے امام[11] چاہنے والوں کا ان کے تھا بڑا ہی ازدحام

آخری مسکن بنا ہے ان کا گنگوہی چمن ان کی راحت کے خدائے پاک فرمائے جتن

ہیں شریفؔ احمد کی بہتر، باقیاتِ صالحات صاعقہ سے کم نہیں ثابت ہوئی ان کی وفات

ہے ''وَلیؔ'' کی یہ دعا، مغفور ہوں قاری شریفؔ قبر وحشر وخلد میں مسرور ہوں قاری شریفؔ

---

[1] ۱۳۴۸ھ [2] ۲۶؍صفر بروز پیر [3] ۱۳۶۳ھ [4] مظاہر العلوم سہارن پور [5] ۱۹۴۴ء [6] جامعہ اشرف العلوم رشیدی [7] ۱۳۶۶ھ [8] سنِ فراغت ۱۹۴۹ء [9] ۲۴؍ربیع الاول [10] ۱۴۲۶ھ [11] مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی گنگوہی حضرت قاری صاحبؒ کے خلف الرشید اور موجودہ مہتمم۔

قوم وملت کا نگہباں پاسباں جاتا رہا

ازابو عاصم محمد قاسم لوہاروی

سابق استاذ جامعہ ہذا

حضرتِ قاری شریف گنگوہیؒ کامل ولی رہبرِ راہِ شریعت پارسا و متقی

آج رخصت ہو گئے وہ چھوڑ کر فانی جہاں چل دئے دنیا سے لے کروہ حیاتِ جاوداں

ذرہ ذرہ اس چمن کا دوستو ہے سوگوار مسجد، محراب ومنبر سب کے سب ہیں اشکبار

قوم وملت کا نگہباں پاسباں جاتا رہا کارواں باقی ہے لیکن میر کارواں جاتا رہا

ہے جدائی درحقیقت آج ان کی دل پہ شاق کیا کریں جز صبر کے دنیا ہے یہ دارالفراق

ان کی صورت ان کی سیرت آج ہے پیش نظر کررہی ہے رقص ان کی ہر ادا شام وسحر

پیکرِ صدق و صفا اور پرتو خلق نبیؐ ہر ادا سنت کے سانچے میں سراپا تھی ڈھلی

جو بھی جاتا پاس انکے ہو کے آتا کامیاب ہر ادا مقبول انکی ہر دعاء تھی مستجاب

ان کے نقشہ پا پہ اب جو بھی چلے گا تا حیات فضل حق سے پائے گا وہ نارجہنم سے نجات

ہے دعا تجھ سے ہماری اے خدائے لم یزل کر عطا فضل وکرم سے ان کا تو نعم البدل

ہے سرِ محفل دعا عاصمؔ کی اے رب الانام کر عطا خلدِ بریں میں تو انہیں اعلیٰ مقام

جتنے بھی اہلِ تعلق فرطِ غم سے ہیں علیل

فضل سے اپنے انہیں تو کر عطا صبر جمیل

مرثیہ

از شاعر باکمال کاملؔ آفریدیؒ
گڈھی حسن پور ضلع مظفر نگر یوپی

آسمانِ دینِ حق کے سب ستارے ہیں اداس　چہرے ہیں اترے ہوئے ہر کوئی ہے تصویر یاس
ہوگیا جو یانِ حق کا آنسوؤں سے تر لباس　ہر بن مو سے عیاں ہے رنج و غم کا انعکاس
جس کے غم میں ہوگئے ہیں بام و در بھی سوگوار　نام ان کا ہے شریف احمد شہ والا تبار
آہ! اے قاری شریف احمد شرافت کے گہر　شش جہت میں مثل مہر و ماہ تھا تو جلوہ گر
آستاں پر تیرے سجدہ ریز تھے علم و ہنر　تو فنونِ علم و دانش کی تھی ایسی رہ گزر
جس پہ چل کر منزلِ مقصود پا جاتے تھے لوگ　ایک ذرے سے ستارہ بن کے چھا جاتے تھے لوگ
مشعل جادہ تھا جو یائے صداقت کے لئے　منزل مخصوص تھا رشد و ہدایت کے لئے
تو صدف تھا بے گماں درِ شریعت کے لئے　کاشفِ اسرار تھا حسنِ حقیقت کے لئے
عقدۂ دشوار تر کو جو کرے اک پل میں حل　اب کہاں سے لائیں ایسا پیکرِ علم و عمل
دور تجھ سے بھاگتی تھی خواہشِ نام و نمود　تو رواں تھا سوئے منزل خاموشی کے باوجود
مات تجھ کو دے نہ پائی گردشِ چرخِ کبود　بہر استقلال تھا کوہِ گراں تیرا وجود
تو ہی تھا قصرِ شریعت کا وہ مستحکم ستوں　چل سکا جس پر نہ سیم و زر کا کوئی بھی فسوں
تھا تری گفتار اور کردار میں وہ اتفاق　دور جس سے بھاگتے تھے کبر و نخوت اور نفاق
دور رہنا تیرے قدموں سے تھا ہر انسان کو شاق　پاس رہ کر تیرے بڑھ جاتا تھا دل کا اشتیاق
درد مندوں کا مسیحا تھا تو اپنی ذات سے　ہر طرح کے زخم کا مرہم تھا اپنی بات سے

آب یاری گل ستانِ دیں کی خونِ دل سے کی　　جس سے ہررت میں رہی پھولوں کے رخ پر تازگی
رنگ ورونق ہر خیاباں کی رہی ہے دیدنی　　ہر کلی ، ہر شاخ ، ہر پتی نظر آئی ہری
ایسا مہکا ایسا مہکا علم دیں کا یہ چمن　　جس کی خوشبو سے معطر ہوگئے کوہ ودمن
اس گلستاں کو ملے شاید ہی ایسا باغباں　　مدرسے کے واسطے جو وقف کردے جسم وجاں
حضرت خالد پہ گو کچھ اٹھ رہی ہیں انگلیاں　　کاش مستقبل میں ثابت ہوں یہ میرِ کارواں
والدِ ماجد کے اپنے ہوں حقیقی جانشیں　　اور دنیائے شریعت کے بنیں مہرِ مبیں
نونہالانِ چمن ہی کا رہا تجھ کو خیال　　بس گئی تھی دل میں تیرے مدرسے کی قیل وقال
تھا یہی سرمایہ تیرا اور یہی تھا ملک ومال　　نور سے معمور ہو تربت تری اے خوش خصال

رات دن ہوتا رہے بارانِ رحمت کا نزول
قادرِ مطلق کرے خدمات کو تیری قبول

نالۂ دل

از: قاری محمد اسلام صاحبؒ
سابق مدرس جامعہ ہٰذا

تیری رحلت کی جب پھیلی خبر قاری شریف احمد　　بنا ماتم کدہ گنگوہ نگر قاری شریف احمد
خبر کیا تھی کہ تو اب راہئ ملک بقاء ہوگا　　تجھے درپیش ہوگا یہ سفر قاری شریف احمد
خدا ناصر ہو تیرا قبر میں برزخ میں محشر میں　　بنے جنت میں گھر تیرا قاری شریف احمد
عدو کے خرمن دل پر برستا تھا جسارت سے　　سراپا بن کے تو برق وشرر قاری شریف احمد
عبید وخالد وطیب بہت مغموم رہتے ہیں　　ذرا لوان کی بھی آکر خبر قاری شریف احمد

اشک ہائے غم

ازمولانا قاری عبدالرؤف حیاتؔ بلند شہری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے — جس شخص کو بھی دیکھو وہی اشکبار ہے
ہے رحلتِ شریف سے غمگین اک جہاں — ایسا امین قائدِ مخلص گیا کہاں
ہیں تعزیت کی مجلسیں قائم یہاں وہاں — جو اشرف العلوم کا اعلیٰ تھا باغباں
ہر ذرہ جامعہ کا ہی پر اضطرار ہے — ہر سمت آج غم کا یہ کیسا خمار ہے
جہد و عمل میں آپ ہی اپنی مثال تھے — خورد و کلاں سے دوستو وہ خوش مقال تھے
پیہم تھا جہد جبکہ وہ پیرانہ سال تھے — فن قرأت میں جو بڑے باکمال تھے
یہ جامعہ انہیں کی لگائی بہار ہے — ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے
یہ اشرف العلوم جو جنت نشان ہے — سارے جہاں میں جس کی بڑی مان تان ہے
ہاں جس کے بلبلوں کی نرالی ہی شان ہے — یہ گلشنِ رشید ہے ہر دل کی جان ہے
حسن شریف سے ہی یہ سب مستعار ہے — ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے
تھے پُر شکوہ آپ تدبّر کی کان تھے — طیبؔ کے باپ مفتیِ خالدؔ کی جان تھے
پیشِ اکابر بڑے عالی شان تھے — بلال اشرفؔ اویسؔ حمزہؔ کے جو دادا جان تھے
ہر فرد ان کی ہجر میں اب بیقرار ہے — ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے
غم میں عبیدؔ ماہی بے آب ہوگئے — افسوس کہ جنیدؔ بھی اک باب ہوگئے
پوتے حذیفہؔ ہجر میں بے تاب ہوگئے — سب خویش و اقرباء بھی تو بیخواب ہوگئے
ان جیسا جگ میں کوئی نہیں غمگسار ہے — ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے
تونے حیاتؔ ان سے بڑا فیض پالیا — خدمت کا ان کی تجھکو جو کچھ شرف مل گیا
ان کی دعاء سے حق نے تجھے سرخرو کیا — حق کا کلام اس لئے کچھ پڑھنا آگیا
جنت مکین اب تیرے دل کا قرار ہے — ہر سمت آج کیسا یہ غم کا خمار ہے

قاری شریف نام کا وہ انقلاب تھا

ازقلم جناب حافظ نسیم انور ایوبی گنگوہی
سابق استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

گنگوہ شہر پہلے سے عظمت مآب تھا — ہر علم وفن شعور یہاں بار یاب تھا
قدوس کے وجود نے دی اور وسعتیں — ماحول ان سے باہمہ دم فیضیاب تھا
قدوس بعد چمکے ہیں حضرت رشید یاں — پھر سے رواں علوم کا دریا جناب تھا
پھر رحلتِ رشید بنی وجہ انتشار — تھا ہُو کا عالم ہر کوئی پُر اضطراب تھا
ایسے میں ایک صاحب دل علم آشنا — چہرے پہ جس کے علم وعمل کا شباب تھا
سوکھی زمین علم پر بن کر شریف تر — برسا ہے بے تحاشا کہ نوری سحاب تھا
حلیہ تھا آدمی کا مگر جانے کیا تھا وہ — علم و ادب کمال کا اک آفتاب تھا
یکبارگی بچھائی ہے اس نے بساطِ دیں — قاری شریف نام کا وہ انقلاب تھا
سینہ تھا اس کا علم الٰہی سے نور نور — یعنی سوالِ جہل کا کامل جواب تھا
لحن وکلام ونطق وتلاوت میں نامور — گنگوہ کی زمیں کے لئے انتخاب تھا
یہ اشرف العلوم ہے اس کی شرافتیں — گنگوہ کی زمیں کی وہی آب و تاب تھا
بعد رشید مولوی قاری شریف ہی — تاریکیوں میں جہل کی وہ ماہتاب تھا
اک قلعۂ علوم ہے اب اس کی یادگار — وہ پاسبان دین منور شہاب تھا
روشن تھا اک چراغ بنام شریف جو — انورؔ وہ گل ہوا تو لگا جیسے خواب تھا

یادِ شریف

نتیجۂ فکر : مولانا ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

باوفا وباہنر تھے حضرتِ قاری شریفؒ
علم کی زرّیں سحر تھے حضرتِ قاری شریفؒ

منزلیں خود ہی سمٹ کر آ رہی تھیں سامنے
صاحبِ فتح وظفر تھے حضرتِ قاری شریفؒ

گلشنِ گنگوہ میں ان سے رہی تازہ بہار
غنچہ ودل کے رخوں پر ان سے تھا تازہ نکھار

علم وحکمت کی مہک پھیلائے تھے وہ چار سوٗ
ان کی برکت سے بنا رشکِ ارم اجڑا دیار

ان کا نقشِ جاوداں ہے یہ رشیدیؔ انجمن
علم کے پانی سے ہے سیراب گنگوہی چمن

پاسبانی کر رہے تھے، رات دن، شام وسحر
ہر گل و لالہ میں نکھرا ہے انہی کا بانکپن

ہو گیا آباد ان سے اشرفیؔ دانش کدہ
کر گئے معمور وہ علم و حِکَم کا میکدہ

گلستانِ دین کو وہ دے گئے رنگِ بہار
بلبلوں کو دے گئے پُر نور علمی گل کدہ

وہ شرافت کے تھے پیکر، تھے کرامت کے امیں
تھے سعادت کی علامت، علم کی صبحِ حسیں

نسلِ نَو پاتی رہے گی جس سے علمی روشنی
کر گئے گنگوہ میں روشن وہی شمعِ یقیں

ہے چمن کی خاک میں ان کا نہاں خونِ جگر
ان کی قربانی سے ہیں اس میں کھلے لعل و گہر

باغبانی کے لئے تھی وقف ساری زندگی
اور ہاں گنگوہ ان کا آخری ہے مستقر

اُس کے سینے میں نہاں روشن دلِ بیدار تھا
خدمتِ دیں کے لئے ہر آن وہ تیار تھا

غنچہ غنچہ اب تلک ہے اُس کی الفت کا گواہ
اُس کا مرہونِ کرم یہ اشرفیؔ گلزار تھا

صاحبِ اخلاق وعالی ظرف تھے، مہماں نواز
رات میں اللہ سے کرتے تھے وہ راز و نیاز

پیکرِ اخلاص تھے وہ غازیؔ کردار تھے
ہے دعا کہ مغفرت فرمائے ربِّ بے نیاز

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبراتے تھے وہ
جو تھے دشمن سامنے آنے سے کتراتے تھے وہ

عالمانِ وقت کے وہ درمیاں تھے معتبر
جس جگہ جاتے تھے، ہر محفل پہ چھا جاتے تھے وہ

ہے دعا کہ مدرسہ یہ صدقۂ جاری رہے
مستفید اِس مدرسہ سے نسلِ نَو ساری رہے

مے کشوں کو ساقیٔ میخانہ جو دے کر گیا
تادمِ آخر نشہ وہ علم کا طاری رہے

تا ابَد قائم رہے گا ان کا نقشِ یادگار
فائدہ پائے گی امت، اس سے تا روزِ شمار

ہے "ولیؔ" کی یہ دعا، مغفور ہوں قاری شریف
جنت الماویٰ عطا ہو ان کو اے پروردگار

اشک ہائے فراق

از محترم قاسم الواصفی طاہر پوری

خادم ہریانہ وقف بورڈ

کیوں فضائیں آج گنگوہ کی ہوئی ہیں سوگوار
آہ یہ ہر سمت کیوں پھیلا ہوا ہے انتشار

بجلیاں غم کی تڑپتی ہیں نہ جانے کس لئے
یہ سیہ بادل ہوئے ہیں کس کے غم میں اشکبار

آج مرجھایا ہوا ہے گلشنِ اشرف علوم
سونے سونے سے نظر آنے لگے دشت و دیار

بات کیا ہے کس لئے ہر اک بشر مغموم ہے
آہ برلب آنکھ پر غم اور دل غم کا شکار

سوگ میں ڈوبی ہوئی ہے آج قدوسی زمیں
ہر طرف گریہ وزاری ہر طرف چیخ و پکار

سانحۂ جانکاہ اک پیش آیا ہے دوستو
دل پرستارانِ دیں کے اسلئے ہیں بیقرار

زاہد و عابد مفکر پیکر خلقِ عظیم
آہ وہ قاری شریفِ مقتدائے روزگار

علم نبویؐ کا بہایا جس نے دریا ہر طرف
جس عظیم انسان کے باقی ہیں فضائل بے شمار

قطبِ عالم عبدِ قدوس اور رشید و بوسعید
ان سبھی اسلاف کی تھا دہر میں جو یادگار

کرگیا ہے آہ وہ اس دار فانی سے سفر
آج ہم سب اسکے غم میں ہو رہے ہیں دلفگار

ہے دعا قاسم ملے اس ذات کا نعم البدل
اور ہم پسماندگان کو صبر دے پروردگار

قطعاتِ تاریخ وفات

جس نے کی گنگوہ میں
بوسعید باصفاء کے شہر میں

خدمتِ دینِ حنیف
عمر بھر کی خدمتِ دینِ حنیف

چل بسے اشرف علوم
اس کے بدلے آج قاسم مل گئی

مہتمم قاری شریف
جائے رونق خلد میں قاری شریف

۱۴۲۶ ھ مطابق ۲۰۰۵ ء

گری بجلی یہ کیسی جل گیا سارا نشیمن ہی

از حضرت مولانا محمد نسیم اللہ مظاہری
ڈروا ضلع پرتا پگڈھ (یوپی)

یہ کس کے غم کا بادل چھا رہا ہے سارے عالم پر　اچانک بڑھتی جاتی ہے سیاہی ماہ وانجم پر

گری بجلی یہ کیسی جل گیا سارا نشیمن ہی　نہ جانے بالیاں کیوں جل گئیں سارے ہی خرمن کی

کوئی تو بات ہے اک دم سے جو طوفانِ غم آیا　ہر اک شئی پر اچانک پڑ گیا ہے سوگ کا سایہ

کہا ہاتف نے کہ اس دور کا عالم ہوا رخصت　جو لہرایا شرافت کا علم وہ ہوگیا رخصت

گذاری سنّت نبویؐ میں جس نے زندگی اپنی　سنواری ہے خلوصِ دل سے جس نے بندگی اپنی

کوئی لمحہ نبیؐ کے عشق سے خالی نہ تھا اس کا　طریق ومعرفت میں غرق رہتا تھا کلام اس کا

رواج ورسم وبدعت سے ہمیشہ ان کو نفرت تھی　جو بدعت کے تھے شیدائی انہیں ان سے عداوت تھی

حریفانہ ہوس والوں کا ہردم ان پہ پہرہ تھا　کہ ان کا بے گنہ ہونا ہی ان کا جرم ٹھہرا تھا

ملا تھا وصف یہ ان کو جناب شیخ مدنیؒ سے　ملی تھی ان کو شاگردی جناب شیخ مدنیؒ سے

وہ اپنے شیخ کی توصیف میں بے تاب رہتے تھے　کلام مرشد کامل میں وہ غرق آب رہتے تھے

جب ان کا تذکرہ آتا مچل جاتا تھا دل ان کا　پھرا چارسو پرچم جناب شیخ کامل کا

ملا تمغہ انہیں استاذ سے درس بخاری کا　توکل اور سلوک ومعرفت وانکساری کا

ملی یہ دولتِ عظمیٰ انہیں غیبی خزانے سے　دعائے شیخؒ سے اور جوتیاں ان کی اٹھانے سے

سعادت یہ ہر اک شاگرد کو ملتی بہت کم ہے　شریف انسان کی فرقت سے سب کی آنکھ پرنم ہے

رگ وریشے میں گنگوہی شرف تھا قاری صاحبؒ میں　علوم قطبِ عالم کا نسب تھا قاری صاحبؒ میں

الٰہی قاری صاحبؒ کے لئے جنت کا بستر دے　اور اپنے نور کی سر پر شریف احمدؒ کے چادر دے

بہت سے حافظِ قرآں پیدا ان کے گھر میں ہیں　کلام پاک کی آیات گونجیں بام ودر میں ہیں

تلاوت اور عبادت اور ذکر اذکار کا صدقہ　دل خوفِ خدا سے پر شب بیدار کا صدقہ

حدیث پاک میں ڈوبے دل سرشار کا صدقہ　ضیافت اور مہمانوں پہ لطف و پیار کا صدقہ

تو ان کے خاندان کو لذتِ روحانیت دیدے　مشائخ کے وسیلے سے انہیں تو معرفت دیدے

الٰہی ان کی تُربت پر تری رحمت کا سایہ ہو　فرشتوں کے ذریعہ مژدۂ فردوس آیا ہو

عقیدت سے کوئی بندہ جو انکی قبر پر آئے　تو انکی روح انور سے ہمیشہ فیض وہ پائے

مقولہ موتِ عالِم موت عالَم اک حقیقت ہے　شرافت کے علَم تھے قاری صاحبؒ اک حقیقت ہے

الٰہی مدرسہ میں ہو کوئی نعم البدل پیدا　جو الجھی گتھیاں ہیں انمیں کردے کوئی حل پیدا

نسیم پُر معاصی ہے وہاں کے خوشہ چینوں میں
عطا ہو جائے کچھ تو فیض جو ہے ان کے سینوں میں

تعزیتی مکتوبات

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ

سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

مکرمی و محترمی جناب مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی زید لطافکم

ناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے دلی رنج و افسوس ہوا، مولانا مرحوم نے ایک مدت تک علوم دینیہ کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، ان کی خدمات ہمیشہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے نام روشن رہیں گی اور ان کا لگایا ہوا دین کا یہ درخت انشاء اللہ تا قیامت پھلتا پھولتا رہے گا، دعاء ہے کہ خدائے عزوجل اپنے خاص فضل وکرم سے ان کی خدمات کو قبولیت عطا فرمائے، ان کی مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ متعلقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ دار العلوم دیوبند اور اکابر دار العلوم سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے، دار العلوم دیوبند میں مرحوم کیلئے ایصال ثواب بھی کرایا گیا ہے، خداوند کریم قبولیت عطا فرمائے آمین، بندہ کی طرف سے تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں، جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام کی خدمت میں بھی تعزیت مسنونہ پیش فرماویں، امید ہیکہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے، والسلام۔ مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

مہتمم دار العلوم دیوبند ۵/۴/۱۴۲۶ھ

حضرت مولانا محمد اختر صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

عزیز گرامی جناب مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب زیدت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیہ وادائے آداب!

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے روح رواں جناب حضرت الحاج مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کی اچانک حادثۂ رحلت کی خبر سنکر ہم سبھی خدام وطلبائے جامعہ اسلامیہ غمگین ورنجیدہ ہیں اور کڑی آزمائش کے اس نازک موقعہ پر رنج وغم میں آپ کے برابر شریک ہیں، یہ امر واقعی ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی جامع صفات کا بے نظیر نمونہ تھی، بلند پایہ عالم اور لائق منتظم ہونے کے ساتھ آپ باوقار سیاست داں بھی تھے، دینی مدارس ومکاتب قائم کرنے کا ذوق رکھنے کے ساتھ ان کے انتظام وانصرام میں وہ کمال اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا جس کا اپنے وبیگانوں کو اعتراف کے سواء چارہ نہ تھا، طلباء آپ کی تدریسی قابلیت اور زیرکی وطرز بیان پر کامل یقین رکھتے تھے۔

آپ نہایت اونچے اخلاق کے مالک اور بے حد سادہ مزاج تھے، پوری زندگی جامعہ اشرف العلوم کی خدمت میں وقف فرمادی اور انتہائی مشکل وصبر آزما دور میں بے مثال قیادت فراہم فرمائی، مستقل مزاج ایسے تھے کہ کڑے وقت میں کبھی بھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے رہنما اور رہبرانِ امت قوم کو خال خال ہی دستیاب ہوتے ہیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال بلا شبہ علاقہ و سرزمین گنگوہ کیلئے بڑا سانحہ والمیہ ہے ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا اس کا پر ہونا مشکل ہے، ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جو اس سانحہ کی ترجمانی کر سکیں، بس جامعہ میں سبھی اساتذہ وطلباء نے قرآن شریف کی تلاوت کر کے مرحوم کی پاکیزہ روح کو ایصال ثواب کر کے سعادت حاصل کی ہے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے جملہ اعزاء واقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور امت کو انکا نعم البدل عطا فرمائے آمین، میں ان غمزدہ دلوں اور اشکبار آنکھوں کو دلاسا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آمین۔

محمد اختر عفا اللہ عنہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری مدظلہ العالی

شیخ الحدیث ڈابھیل ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مکرمی!　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ دو ہفتے میرے سفر میں گزرے، اس دوران آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع

ملی، سنکر دلی رنج ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، انکی دینی علمی، ملی خدمات کو حسن قبول عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، حضرت قبلہ مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری کی نسبت سے ان کے ساتھ بھی تعلقاتِ محبت قائم تھے اور احقر کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے، گنگوہ میں مدرسہ قائم فرما کر انہوں نے ہمارے اکابر کی اس بستی کا حق ادا کیا، اللہ پاک آپ کو نیز دیگر تمام پسماندگان کو اجر عظیم اور صبر جمیل عطا فرمائے، ان کی موجودگی میں جن نعمتوں سے آپ حضرات کو نواز رکھا تھا اس کا سلسلہ جاری رہے اور تمام شر ور وفتن سے آپ کی حفاظت فرمائے اور ان کی چھوڑی ہوئی اس دینی امانت کی خدمت اور ادائیگی حقوق کی آپ کو توفیق وسعادت بخشے، ہمت وحوصلہ اور اخلاص واستقامت سے آپ کو نواز کر ان کے نقش قدم پر چل کر خدمت دین کا یہ سلسلہ جاری رکھے، دل سے دعا کرتا ہوں، فقط والسلام۔ املاہ احمد خانپوری

مولانا محمد یونس صاحب سورتی مجلس دعوت الحق لیسٹر یو کے

صاحب الفضیلہ مکرمی حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد ماھو المسنون ۲۶ ربیع الاول بروز جمعرات ظہر کی نماز سے قبل عبد الحق جبار صاحب نے آپ کے والد مرحوم کے انتقال پر ملال کی خبر سنائی، نماز کے بعد اعلان کیا گیا

اور دعائے مغفرت کی گئی خبر سنکر بیحد صدمہ ہوا، اسلئے کہ حضرت قاری صاحبؒ سے قدیم تعلق تھا ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں حضرت قاری صاحبؒ سہارنپور حضرت شیخؒ کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے، پہلی ہی ملاقات میں انسیت پیدا ہوگئی، پھر یوماً فیوماً انسیت ومحبت بڑھتی گئی، اکثر اٹھنا بیٹھنا رہتا تھا، اگر کبھی بے وقت پہونچ جاتے تو حضرت شیخؒ کو اپنی آمد کی اطلاع یا کسی پیغام کیلئے مجھکو واسطہ بناتے تھے، علاوہ ازیں حضرت شیخؒ کو اپنے اکابر کی جگہ خالی پڑے رہنے سے ہر وقت قلق رہتا تھا، جب حضرت قاری صاحبؒ نے گنگوہ میں اشرف العلوم کی بنیاد رکھی تو حضرت شیخؒ کو اچھی امیدیں اور توقعات قائم ہوگئیں۔

ابتدائی دور میں غالباً ۱۹۷۱ء میں حضرت شیخؒ نے حسب معمول خدام کے ساتھ اپنے اکابر کے مزارات پر حاضری کا پروگرام بنایا، گنگوہ بھی حاضر ہوئے ٹاٹ کے پیوند کی طرح حضرت شیخؒ نے بندۂ ناچیز کو بھی اپنے خدام میں شامل فرمالیا تھا، اس طرح حضرت شیخؒ کے ساتھ گنگوہ آپ کے در پر بھی حاضری ہوگئی تھی، بندہ کو دیکھ کر حضرت قاری صاحبؒ بہت خوشی کا اظہار فرماتے رہے اس وقت آپ کے دسترخوان پر حضرت شیخؒ کی معیت میں شرکت کا موقعہ ملا، دسترخوان کیا تھا بڑی نورانی اور پر کیف مجلس تھی، جسمیں قطب دوراں جلوہ افروز تھے اور نہ جانے دسترخوان پر کتنے ہی صاحب دل اور فضل وکمال شخصیتیں ہوں گی، اس کے بعد اشرف العلوم میں ایک مرتبہ حاضری ہوئی تھی اس وقت مولوی الیاس گجراتی ابن مولانا موسیٰ سامرودی صاحب مدظلہ پڑھتے تھے، ایک دن اور رات رہا تھا، حضرت قاری صاحبؒ اس وقت کہیں سفر پر تھے ورنہ بہت خوش ہوتے، پھر خود حضرت قاری صاحبؒ غالباً ۱۹۸۶ء سے کئی سال تک برطانیہ کا دورہ فرماتے رہے، جس میں بڑی حسین اور پر لطف ملاقاتیں رہیں، دعوۃ الحق میں نمازیں بھی پڑھائی ہیں۔

الغرض تعلق پہلے سے ہی تھا، بعد میں تو اپنے ہی گھر کے ایک مشفق ومہربان بزرگ کا تصور قائم ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پچھلے سال گنگوہ حاضری ہوئی، مغرب سے صبح اشراق تک ٹھہرا، الحمدللہ حضرت قاری صاحبؒ سے پرمسرت ملاقاتیں رہیں، ساتھ کھانا پینا اور مجلسیں رہیں، اس وقت یہ نیت کرلی تھی کہ ہر مرتبہ ہندوستان کے سفر میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں ضرور آؤں گا اور وقت لیکر آؤں گا لیکن آہ! کسے خبر تھی کہ یہ ملاقات و دیدار آخری ہے، ابھی تو مزید ملاقات کی آرزو دل میں لئے ہوئے تھا، اس جدائی سے بڑا صدمہ ہوا، اللہ رب العزت حضرتؒ کی بال بال مغفرت فرماویں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماویں اور ان کے قائم کردہ اشرف العلوم کے روشن مینار سے امت کو مستفیض فرما کر مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ کے طور پر قبول فرمائیں۔

الحمدللہ حضرتؒ کیلئے تو صدقۂ جاریہ کے طور پر کئی چیزیں جمع ہوگئی ہیں، حقیقی نیک اولاد بھی، روحانی اولاد بھی، علم بھی، صدقۂ جاریہ بھی یہ تمام امور باعث تسلی وسکون وراحت ہیں، اللہ تعالیٰ گھر کے تمام افراد کو اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، جیسا جیسا موقعہ ملتا ہے ایصال ثواب کرتا رہتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرماویں آمین۔ حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی سراسر جدوجہد اور مشقت پر مشتمل ہے آپ کی جدوجہد اشرف العلوم کی بنیاد جو درحقیقت امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی فکروں کی ایک کڑی ہے اور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے سالہا سال آرزوؤں کا نتیجہ ہے، پھر اس کا بہترین نظم ونسق، معاملات ودیانت داری، عالی ظرفی، اخلاقِ کریمانہ، ملنساری وبردباری اور نہ جانے مرحوم کے کتنے حالات

قابلِ تقلید ہیں، اسلئے بہتر ہے کہ حضرتؒ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا جائے اور ان کے حالات زندگی سامنے لائے جائیں، تاکہ ہم سب کیلئے اور بعد والوں کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنے۔

باقی احوال لائق صد شکر ہیں، میرے بھائی مولانا محمد ایوب سورتی صاحب سلام عرض کرتے ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں، اہل خانہ کی طرف سے بھی تعزیت پیشِ خدمت ہے، گھر کے تمام افراد کی خدمت میں تعزیت پیش فرمادیں، دعائے خیر میں یاد فرماتے رہیں، فقط والسلام۔ از محمد یونس سورتی

مجلس دعوۃ الحق لیسٹر (یوکے)

مولانا عبدالغفار صاحب منصوری ہارڈنگ افریقہ

برادر مکرم مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب و دیگر برادران

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی بعافیت!

۲۴؍ربیع الاول بروز چہارشنبہ پورشیفٹن سے واپسی پر بعد از نماز مغرب مولوی یوسف صدر صاحب نے ایک روح فرسا اور جان لیوا خبر سنائی کہ ہمارے مشفق ومہربان مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار الفناء سے دار البقاء کی طرف وعدۂ لقاء لئے رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دنیا فانی ہے یہاں ہر شخص مسافر ہے اور ایک نہ ایک دن سفر کو مکمل کرکے

دار بقا کی طرف کوچ کر جائیگا، لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کامیاب زندگی گزار کر دنیا سے تشریف لیجاتے ہیں، ہمارے حضرت قاری صاحب مرحوم بھی ایسے ہی حضرات میں سے تھے، آپ زہد وعبادت، تواضع وانکساری، غم خواری وغم گساری، شفقت ورحمت، محبت والفت، ایثار وہمدردی، صداقت ودیانت، شرافت وامانت غرضیکہ تمام اخلاق جمیلہ اور صفات حسنہ کے جامع تھے اور صحیح معنوں میں اسم بامسمیٰ تھے۔

دعاء ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت قاری صاحب مرحوم کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائیں، آپ کی دینی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اعلیٰ درجات عطا فرمائیں، آپ کے پسماندگان کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، بالخصوص آپ کی اولاد واحفاد کو آپ کے لئے صحیح صدقۂ جاریہ بننے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ بقول شاعر:

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

اور جیسے کسی شاعر نے حضرت قاری صاحب مرحوم ہی کیلئے کہا ہو:

گلشن کی فضا صدیوں مجھے یاد کرے گی
کلیوں کو میں وہ خونِ جگر دے کر چلا ہوں

عبدالغفار منصوری عفی عنہ